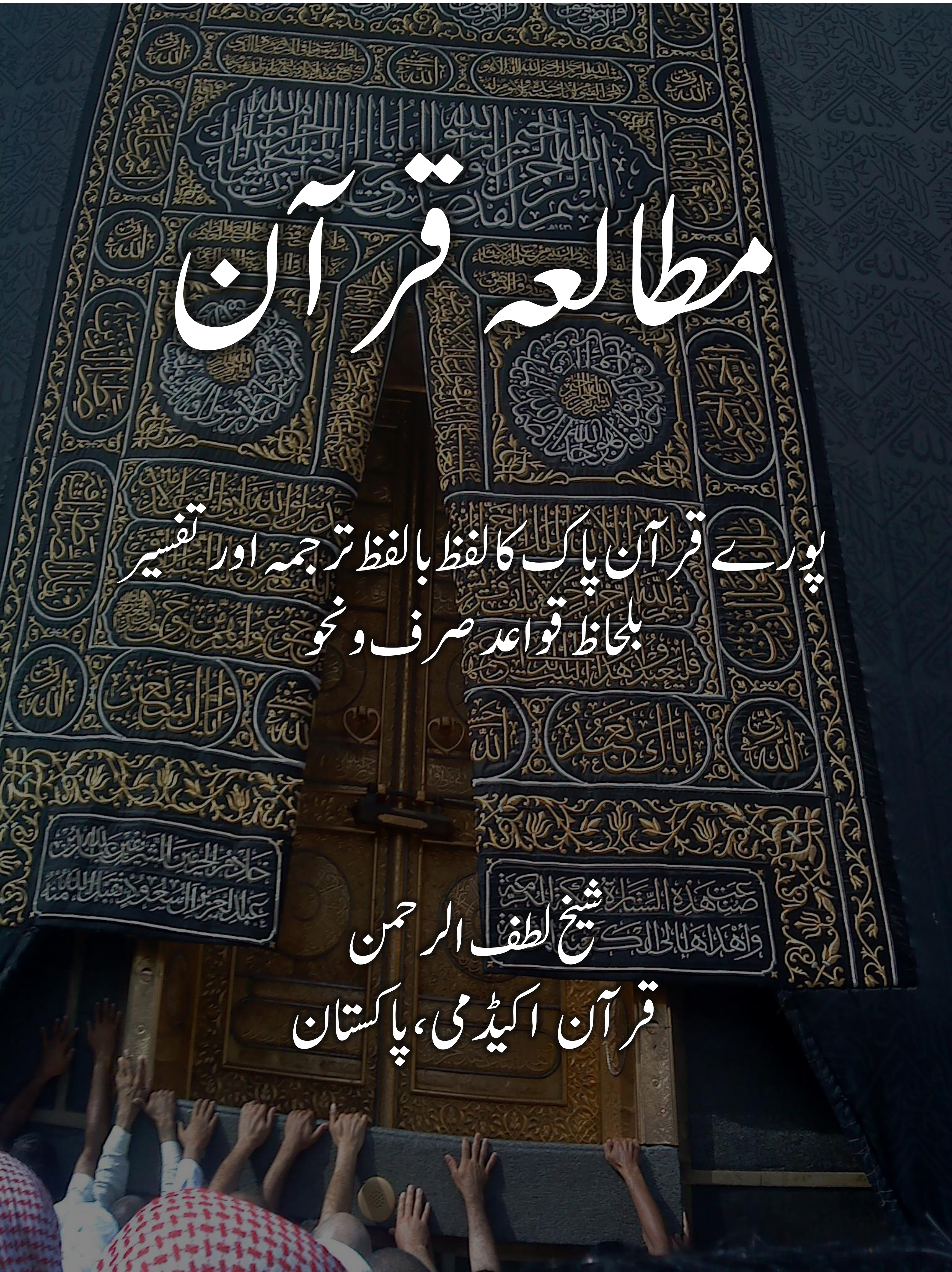


مطالعہ قرآن

پورے قرآن پاک کا لفظ بالفظ ترجمہ اور تفسیر
بلحاظ قواعد صرف و نحو

شیخ لطف الرحمن
قرآن اکیڈمی، پاکستان

تقریظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ وتفسیر القرآن کی مساعیٔ حسنہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنے آخری نبی ورسول حضرت محمد ﷺ کو ساری دنیا کے انسانوں کے لیے ہدایت کی خاطر مبعوث کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: ((لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ)) تاکہ دین حق کو تمام ادیانِ باطلہ پر غالب کردیں۔ چنانچہ اس حقیقت کا پوری دنیا میں اعتراف پایا جاتا ہے کہ مذاہبِ عالم میں اسلام ہی واحد دین ایسا ہے جو تا قیامت انسانوں کی ہر شعبۂ زندگی میں منفردانہ رہنمائی کا آئینہ دار ہے، اور کتب سماوی میں سے قرآن کریم ہی واحد کتاب ایسی ہے جو تحریف وتغیر سے پاک ہے اور حضور سید المرسلین حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ اقدس پر جس صورت اور جن معلومات اور حقائق پر مشتمل نازل ہوئی تھی بعینہٖ وہ آج بھی دنیا میں اسی طرح موجود ہے اور یہ واحد کتاب ایسی ہے جس کی ہمہ نوعیت کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا ہے اور ذمہ داری لی ہے جبکہ دیگر کتب سماویہ کی حفاظت اور ذمہ داری قبول کرنے کے احکام قطعاً نہیں ہیں۔

قرآن کریم کی حفاظت کے عملی اقدامات میں سے اُمت مسلمہ کے قائم کردہ تحفیظ القرآن، دینی تعلیم کے مدارس اور حلقہ ہائے تدریس، تعلیم اور تفسیر القرآن بھی ہیں، نیز قرآنی تدبر اور تفکر کے سلسلے میں جو مساعیٔ حسنہ بروئے کار آرہی ہیں وہ بھی تحفیظ القرآن اور غلبہ اسلام ہی کی مستحسن کوششیں ہیں۔

اس سلسلے میں دنیائے اسلام کے دوش بدوش اسلامی مملکت پاکستان میں بھی تدریس وتفہیم القرآن کی حتی المقدور کوششیں متلاشیانِ حق کے لیے مشعل راہ ہیں انہی میں سے ہمارے لائق صد تحسین عزیز ڈاکٹر جہاں زیب صاحب کی قابل ستائش وتبریک مساعیٔ حسنہ ہیں جو وہ باذوق اور سلجھے ہوئے جدید تعلیم یافتہ حلقے میں درس وتعلیم القرآن کے سلسلے میں انجام دے رہے ہیں۔ مجھے ان کے حلقۂ درسِ قرآن کریم میں شرکت اور ان کے طریقۂ تدریس کے مشاہدے کا موقع ملا ہے، مجھے بے حد خوشی اور اطمینان ہوا کہ ان کا انداز نہایت مؤثر اور عصر حاضر کے تقاضے کے عین مطابق ہے۔ وہ الفاظ کی صرفی اور نحوی تراکیب سے لے کر معانی اور تفسیر تک ماہرانہ دسترس رکھتے ہیں اور خوب مطالعۂ تفاسیر کرتے ہیں۔ مجھے مزید مسرت اس پر ہوئی کہ وہ اپنے حلقۂ درس میں پیش کیے گئے اسباق پر مشتمل ''مطالعۂ قرآن مجید'' کے نام سے کتاب شائع کرنے کا اہتمام کررہے ہیں جو ایک ایسی پیشکش ہے جس سے حلقۂ درس کے علاوہ امت مسلمہ کے دیگر افراد بھی استفادہ کرسکیں گے۔ یہ ایک مستحسن اقدام اور صدقہ جاریہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ڈاکٹر جہاں زیب صاحب کو جہاں انسانی ظاہری بیماریوں کے علاج کا ماہر بنایا ہے اسی طرح انسانوں کی روحانی امراض کے صحیح علاج اور بالیدگی کے سلسلے میں اللہ ان کی مساعیٔ حسنہ میں مزید نکھار، ترقی اور فکر سلیم کی نعمتوں سے نوازتا رہے اور ان کی عرق ریزیوں اور کاوشوں کو شرف قبولیت عطا کرے تاکہ امت مسلمہ کے افراد اس سے استفادہ کرکے دنیا اور آخرت میں کامرانی سے ہمکنار ہوسکیں۔ وَبِاللّٰہِ التوفیق۔

٦ ذی الحجہ ١٤٣١ھ
١٣ نومبر ٢٠١٠ء
رہائش:
٦٥۔ بی پیپلز کالونی
فیصل آباد

دعا گو
مجاہد الحسینی
فاضل دار العلوم ڈابھیل (انڈیا)
کتاب سیرت پر اول صدارتی ایوارڈ یافتہ
سابق ایڈیٹر روزنامہ آزاد، روزنامہ نوائے پاکستان
ہفت روزہ خدام الدین، لاہور۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سنہری زنجیر کی ایک کڑی

قرآن کے پیاسوں کی پیاس بجھانے کے لیے فہم القرآن میں سہولتیں فراہم کرنے کا سلسلہ بہت قدیم بھی ہے، بہت طویل بھی ہے اور یہ ایک سلسلہ لامتناہی ہے۔ اس کی تفصیل میں جانا یہاں مقصود نہیں ہے۔ اس وقت صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ عربی کے شارٹ کورسز کرنے والوں کے لیے گرامر کے لحاظ سے قرآن مجید کے چھ اسباق مرتب کرنے کا جب میں نے فیصلہ کیا تھا، اس وقت مجھے یاد آیا تھا کہ خود میں نے جب عربی پڑھنے کے بعد قرآن کو از خود سمجھنے کی کوشش کی تھی تو سب سے زیادہ مشکل مجھے عربی ڈکشنری دیکھنے میں پیش آتی تھی۔ کیونکہ کوئی لفظ عربی ادب میں جتنے معانی میں استعمال ہوتا ہے وہ تمام معانی ڈکشنری میں دیے ہوتے تھے اور مجھے یہ فیصلہ کرنے میں مشکل بھی ہوتی تھی اور وقت بھی لگتا تھا کہ اس آیت میں یہ لفظ کس معنی میں آیا ہے۔ امام راغب اصفہانیؒ کی مفردات القرآن نے بڑی حد تک اس مشکل کو آسان کیا۔ کیونکہ اس میں صرف اُن الفاظ کے مادے دیے گئے ہیں جو قرآن میں استعمال ہوئے ہیں اور ہر لفظ کے زیادہ تر وہی معنی دیے ہیں جس معنی میں وہ قرآن میں آیا ہے۔ اور قرآن مجید کی آیات کا حوالہ بھی دیا گیا ہے جس کی وجہ سے ہمارے جیسے قرآن کے مبتدی طلبہ کو الفاظ کے معنی سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ اس آسانی کے ساتھ کچھ تشنگی بھی محسوس ہوئی۔ ایک یہ کہ اُس میں یہ نہیں دیا ہے کہ کوئی مادہ ثلاثی مجرد کے کس باب میں آتا ہے۔ نیز یہ کہ کسی مادہ سے بننے والے جتنے الفاظ قرآن میں آئے ہیں، اُن میں سے چند ایک کی وضاحت کی گئی ہے، باقی بہت کچھ طلبہ کی ذہانت پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ عقلمنداں را اشارہ ہی است، قسم کے عقلمند طلبہ امام صاحب کے زمانے میں ہوا کرتے تھے۔ آج کل تو ہمارے جیسے طلبہ کی اکثریت ہے۔ اس لیے اس خلا کو پر کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

چنانچہ مطالعہ قرآن حکیم کے اسباق مرتب کرنے میں آیات کی ترکیب (Sentence Analysis) سے پہلے الفاظ کے معانی بھی دینے کا فیصلہ کیا اور طے کیا کہ ہر مادے کا ثلاثی مجرد میں استعمال دیا جائے گا، خواہ اُس باب کے کوئی فعل قرآن مجید میں آیا ہو یا نہ آیا ہو۔ اس کے ساتھ ہی اُس مادہ سے بننے والے جتنے الفاظ قرآن مجید میں آئے ہیں، اُن سب کے معانی آیات کے حوالے کے ساتھ جائیں گے۔ اِس کوشش میں بھی البلاغ فاؤنڈیشن کے متعدد طلبہ متعدد پہلوؤں سے تشنگی محسوس کر رہے ہیں۔ مثلاً افعال میں مفعول کے ساتھ صلہ کا استعمال نہیں دیا ہے، اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰہُ۔ چند الفاظ کو چھوڑ کر زیادہ تر الفاظ کے لغوی مفہوم اور اصطلاحی مفہوم کے باہمی ربط کو نہیں کھولا گیا ہے۔ مترادفات القرآن یعنی ایسے الفاظ جو ہم معنی یا قریب معنی ہوں، جیسے جَاءَ (آنا)، قَدِمَ (آنا)۔ اَتٰی (آنا)، اُن الفاظ کے باہمی تقابل اور فرق کی وضاحت نہیں کی گئی، وغیرہ۔ طلبہ نے جب میری اِن فروگزاشتوں کی نشاندہی کرنا شروع کی تھی اُس وقت تک میں تقریباً ۲۴، ۲۵ پاروں کے اسباق مرتب کر چکا تھا اور میرے لیے عملاً اِن تشنگیوں کو دور کرنا ممکن نہ رہا تھا۔ البتہ میری خواہش بھی تھی اور دعا بھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل سے کسی کو توفیق دے کہ وہ مذکورہ خلاؤں کو پر کر دے۔

یہ جان کر مجھے خوشی بھی ہوئی ہے اور میں نے اپنے رب کا شکر ادا کیا ہے کہ فاؤنڈیشن کے ایک طالبعلم ڈاکٹر جہاں زیب ندیم سلمہٗ نے اس کام کو مکمل کرنے کا نہ صرف عزم کیا ہے بلکہ بڑی عرق ریزی کے ساتھ اس کی ابتداء بھی کر دی ہے۔ اس بات پر مجھے انشراح صدر حاصل ہے کہ ڈاکٹر جہاں زیب سلمہ کی یہ کاوش فہم القرآن کے لیے سہولتیں فراہم کرنے والی سنہری زنجیر کی ایک اہم کڑی ثابت ہوگی۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں استطاعت اور استقامت عطا فرمائے اور ان کے ہاتھوں اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دے۔ اور اس کام کو ان کے لیے اور ان کے تمام معاونین و کارکنان کے لیے بہترین صدقۂ جاریہ اور ذخیرہ آخرت بنا دے۔ (آمین)

لطف الرحمٰن خان
البلاغ فاؤنڈیشن لاہور
مورخہ ۲۱ ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ
بمطابق ۳۰ اکتوبر ۲۰۱۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن حکیم، اللہ تعالیٰ کا نوع انسانی کے نام آخری مستند (authentic) کلام ہے جو نوع انسانی کی ہدایت و رہنمائی کے لیے نازل ہوا۔ کلام بلاشبہ اللہ کا ہے، لیکن اللہ نے نوع انسانی تک اسے پہنچانے کے لیے اپنے محبوب ترین بندے، فخر موجودات، رسول کامل، محمد عربی ﷺ کو ذریعہ بنایا اور انہی کو ''رحمۃ اللعالمین'' کے اعلیٰ ترین لقب سے سرفراز فرمایا۔ بقول علامہ اقبال ؎

نوعِ انسانی را پیامِ آخریں   حاملِ اُو رحمۃً للعالمین

اللہ کا یہ ابدی پیغام صرف اہل عرب کے لیے نہیں تھا، پوری نوع انسانی کے نام تھا محض چودہ سو سال قبل کے اُس دور کے لیے نہیں تھا جب یہ نازل کیا گیا، بلکہ قیامت تک آنے والے ہر انسان کے نام تھا۔ نبی آخر الزمان ﷺ اپنی 63 سالہ حیات دنیوی میں جزیرہ نمائے عرب کی حد تک اپنے مشن کی تکمیل فرما کر، رفیق اعلیٰ کی طرف مراجعت فرما گئے۔ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر ایک لاکھ سے زائد امتیوں سے یہ گواہی لے کر کہ ''انا نشھد انك قد بلغت و ادیت و نصحت'' اس مشن کو امت کے کندھوں پر منتقل کرتے ہوئے فرمایا کہ ''فلیبلغ الشاھد الغائب'' یعنی جو لوگ یہاں موجود ہیں اور اس بات کے گواہ ہیں کہ میں نے اللہ کے پیغام کو پہنچانے کا ہر اعتبار سے حق ادا کر دیا ہے وہ اب اس پیغام کو بقیہ نوع انسانی تک پہنچانے میں اپنا کردار ادا کریں۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ آج یہ اُمت بحیثیت مجموعی اپنے اس اہم فرض منصبی کو فراموش کر چکی ہے۔ علامہ اقبال نے اس حوالے سے قوم کو جگانے کی کوشش کی تھی۔ ''جوابِ شکوہ'' میں اللہ کی طرف یہ پیغام نہایت خوبصورت الفاظ میں امت تک پہنچایا ؎

وقت فرصت ہے کہاں، کام ابھی باقی ہے   نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے!

اگرچہ یہ تلخ حقیقت ہے کہ امت بحیثیت مجموعی اس ذمہ داری سے غافل ہے، لیکن یہ بھی امر واقعہ ہے ہر دور میں کچھ لوگ امت میں اس مشن کو لے کر آگے بڑھتے رہے ہیں، اور سچی بات تو یہ ہے کہ آج اس حوالے سے کرنے کا اہم ترین کام یہ ہے کہ خود مسلمانوں کا رشتہ قرآن مجید کی ساتھ از سر نو جوڑا جائے اور انہیں قرآن کے ابدی پیغام اور کامل ہدایت کی طرف موثر انداز میں متوجہ کیا جائے۔ قرآن حکیم کو محض ایک مقدس کتاب کا درجہ دینے کی بجائے اسے فی الواقع کتاب ہدایت کے طور پر متعارف کیا جائے اور اسے سمجھ کر پڑھنے اور اس کی علمی و عملی رہنمائی سے فائدہ اٹھانے کی طرف انہیں آمادۂ عمل کیا جائے۔ اس معاملے میں ابتدائی اور اہم رکاوٹ زبان کی مغائرت ہے۔ عربی زبان سے ایک خاص حد تک واقفیت جب تک نہ ہو، ہم اس کلام کی عظمت اور اس کی دلوں کو بدل دینے اور باطن میں انقلاب برپا کرنے والی تاثیر سے صحیح طور پر استفادہ نہیں کر سکتے۔ بقول اقبال ؎

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب   گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

قرآن کے نور ہدایت اور اس کی تاثیر سے حقیقی معنوں میں استفادے کے لیے عربی زبان اور اس کے قواعد کا فہم ناگزیر ہے۔ اسی ضمن میں اُن طالبانِ قرآن کی سہولت کی خاطر جو قرآن حکیم سے براہِ راست استفادہ کی لذت سے اپنے قلوب کو شاد کام کرنا چاہتے ہیں، بعض عاشقانِ قرآن نے تعلیم و تعلّم قرآن کو اپنی زندگی کا مشن بنایا اور فہم قرآن کی رکاوٹوں کو دور کرنے کے حوالے سے طالبان قرآن کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا۔ زیر نظر کتاب کے مؤلف برادرم ڈاکٹر جہاں زیب ندیم بھی ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں جن کو اللہ نے اس مبارک گروہ کا حصہ بننے کی سعادت عطا فرمائی۔ انہوں نے اپنی دیگر ہمہ جہت دنیاوی مصروفیات کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کے حوالے سے اُس مشن کو آگے بڑھانے کی خاطر نہایت محنت اور عرق ریزی کے ساتھ کام کیا جس کا آغاز بقول برادرم ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب، اس دور میں استاد محترم حافظ احمد یارؒ نے کیا تھا اور جسے اوّلاً ان کے ایک شاگرد محترم لطف الرحمٰن صاحب نے آگے بڑھایا اور جس میں مزید آگے قدم بڑھانے کی سعادت برادرم ڈاکٹر جہاں زیب ندیم صاحب کو حاصل ہوئی۔ یہ کام بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کاوشوں کو شرف قبول عطا فرمائے اور جس نہایت اہم کام کا آغاز انہوں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کے بھروسے پر کیا ہے اسے مکمل کرنے کی ہمت اور توفیق بھی عطا فرمائے۔

ع ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد!

احقر

حافظ عاکف سعید عفی عنہ

امیر تنظیم اسلامی

سرپرست انجمن خدام القرآن، فیصل آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن حکیم کلامُ اللہ ہے اور رسول اللہؐ کا ارشاد ہے: ’’کلام اللہ کی فضیلت و برتری دیگر تمام کلاموں پر ایسے ہے جیسے خود اللہ کی فضیلت اس کی تمام مخلوقات پر۔‘‘

قرآن حکیم اپنی اس غیر معمولی عظمت کے ساتھ معجزۂ خالدہ ہے اور رہتی انسانیت کے لیے سرچشمۂ ہدایت اور منبع علم وعرفان ہے۔ ہر دور میں اربابِ فکر و دانش نے اپنے اپنے شعبۂ ہائے تخصّص کے مطابق مختلف پہلوؤں سے اسے مطالعہ وتحقیق کا موضوع بنایا ہے اور زمانے کے نت نئے تقاضوں کے مطابق اس سے ہدایت کشید کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن یہ آخری آسمانی معجز کتاب وہ بحرِ ناپید کنار ہے جس میں مزید غوّاصی کی گنجائش ہمیشہ موجود رہے گی۔

ڈاکٹر جہانزیب ندیم صاحب انجمن خدام القرآن فیصل آباد سے وابستہ ایک علم دوست کارکن ہیں جنہوں نے بنیادی طور پر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے استفادہ کرتے ہوئے عربی زبان وگرامر اور فہمِ قرآن کو اپنی محنت کا میدان بنایا اور قابل قدر استعداد حاصل کر کے قرآنِ حکیم کے درس و تدریس میں جتے ہوئے ہیں۔

باذوق احباب کے مشورے سے انہوں نے ایک وقیع کام کا بیڑا اُٹھایا ہے اور وہ یہ کہ تفاسیر اور عربی لغت و گرامر کی معاون کتب سے استفادہ کرتے ہوئے آیت در آیت تین قسم کا مواد ترتیب دیا جائے:

(۱) ہر نئے کلمہ کی ایسی لُغوی تشریح کہ اُس کے تین حرفی مادے سے نکلتی ہوئی جتنی شکلیں بھی قرآن میں کہیں استعمال ہوئی ہیں ان کا احاطہ ہو جائے اور معنوی تغیر وارتقاء سامنے آ جائے جس سے ایک مادۂ اشتقاق رکھنے والے تمام کلماتِ قرآنی کے درمیان ربط قائم ہو کر تفسیرُ القرآن بالقرآن کی راہ ہموار ہو سکے۔

(۲) ہر آیت کے ہر جملہ کی نحوی ترکیب عام فہم انداز میں بیان کر دی جائے۔

(۳) اہم الفاظ وتعبیراتِ قرآنی پر جامع نوٹس بیان کر دیے جائیں جن کی روشنی میں ان الفاظ وتعبیرات واصطلاحات کی معنوی گہرائی و گیرائی بھی سامنے آئے اور مختلف مفسرین کے نقطۂ ہائے نظر سے بھی آگاہی ہو جائے۔

بتوفیقہٖ تعالیٰ راقم الحروف تقریباً دو دہائیوں سے قرآنِ حکیم کی تدریس سے وابستہ ہے جس میں مدارس کے نصاب کے مطابق تدریس کے علاوہ عوامی درسِ قرآن اور جدید تعلیم یافتہ طبقات کے لیے فہم قرآن کلاسز وغیرہ کا سلسلہ شامل ہے۔ راقم اپنے اس تدریسی تجربہ کے ضمن میں قدرے وسعت کے ساتھ اس منہج پر تالیفی کام کی ضرورت محسوس کرتا اور اسے اپنے ہدف میں شامل رکھے ہوئے تھا، لیکن معمولی پیش رفت کے بعد یہ کام تعطّل کا شکار تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے حُسنِ ظن کے تحت اپنے اس تالیفی کام پر نظر ثانی کو فرمایا تو راقم نے اسے اپنے ہدف کی تکمیل گردانتے ہوئے غنیمت سمجھا اور راقم اس کا معترف ہے کہ اس مجموعہ کے مرحلہ وار مطالعہ کے نتیجے میں کچھ افادہ تو نجانے کر پایا یا نہیں، لیکن بحمد للہ استفادہ کا موقع ضرور ملا ہے اور ڈاکٹر صاحب اس کام میں موفّق ومنصور نظر آئے ہیں۔

شاید اس امر کا اظہار بھی مناسب ہو کہ بعض غیر عالم عصری تعلیم یافتہ حضرات جب مطالعہ کے زور پر یا چند شارٹ کورسز کر کے دینی تعلیم وتدریس یا تالیف کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو راسخین فی العلم سے اپنے کو مستغنی سمجھ لیتے ہیں، دینی مسائل وعلوم میں رائے زنی میں بیباک ہو جاتے ہیں اور اپنی غیر معمولی قابلیت کے زعم میں مبتلا دکھائی دیتے ہیں، لیکن بحمد للہ انجمن خدام القرآن فیصل آباد کے حضرات ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب اور ان کے لائق تلامذہ ڈاکٹر جہانزیب صاحب اور ماہر عربیت عامر سہیل صاحب وغیرہ کو راقم نے اس سے کوسوں دُور پایا ہے۔ یہ حضرات اپنے دائرہ کار سے بخوبی واقف ہیں، اپنے مبلغِ علم سے زائد کے لیے اپنے کو اہل علم وفضل کا محتاج سمجھتے ہیں اور اپنے زیر درس احباب کو بھی اسی کی تلقین کرتے ہیں۔ زیرِ نظر مجموعہ میں بھی ڈاکٹر صاحب نے شاید ہی کہیں اپنی بات کی

ہو، معروف تفاسیر ہی کا تتبّع کیا ہے اور اسلوبِ نگارش بھی عمدہ ہے۔

ابتدائی عربی زبان و گرامر سے واقف ایسے حضرات جو قرآن فہمی میں رُسوخ چاہتے ہوں اور بڑی تفاسیر تک رسائی کے خواہاں ہوں وہ درمیانے مرحلے کے طور پر اگر اس مجموعہ کا مطالعہ کریں تو بہت مفید ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس تالیف کے نفع کو عام و تام فرمائیں اور پہلی جلد کے بعد بقیہ جلدوں کی ترتیب و تدوین اور طباعت و اشاعت آسان فرمائیں۔

آمین بحرمة سيد المرسلين عليه الصلاة و التسليم

سعید احمد

فاضل وفاق المدارس العربیہ پاکستان

متخصّص جامعہ دار العلوم کراچی

ایم اے عربی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد

امام و خطیب جامع مسجد الامین ستیانہ روڈ فیصل آباد

استاذ الحدیث جامعۃ الفرقان جڑانوالہ روڈ فیصل آباد

مرتب شارٹ اسلامک کورسز (النور ٹرسٹ)

28-03-2016

بسم اللہ الذی یسر القرآن للذکر

استادمحترم پروفیسر حافظ احمد یار صاحب نے لغت القرآن پر جو کام شروع کیا تھا اس کو اولاً لطف الرحمٰن خان صاحب اور اب عزیزم ڈاکٹر جہانزیب ندیم نے تفسیری زاویے کے اضافے کے ساتھ بڑی عرق ریزی سے آگے بڑھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو ان کے حق میں قبول فرمائے اور ان کے والدین کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ ڈاکٹر جہانزیب نے یہ کام کسی مشغلے کے طور پر نہیں بلکہ اسی لگن اور priority کے ساتھ کیا ہے جیسے انہوں نے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج سے M.B.B.S کیا تھا۔ موصوف کی یہ کاوش انشاء اللہ قرآن مجید کے طالب علموں اور قرآن حکیم پڑھانے والے مدرسین اور قرآن مجید پر تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے ایک reference book کا کام کرے گی، انشاء اللہ۔

ڈاکٹر عبدالسمیع
صدر انجمن خدام القرآن فیصل آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مرتب

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ ... اَمَّا بَعْدُ!

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد، خدائے بخشندہ

اس ناچیز نے تو زندگی میں کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ وہ کبھی قرآن مجید کے اسباق صرف ،نحواور لغت کے اعتبار سے مرتب کرے گا بلکہ راقم الحروف کی زندگی جس نہج پر گزر رہی تھی، اس زندگی میں اگر ناظرہ قرآن پڑھنے کا موقع ہی مل جاتا تو غنیمت تھا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کا فضل ہے کہ آج راقم الحروف اپنے ''مطالعۂ قرآن مجید'' کی پہلی جلد کے لیے''عرضِ مرتب'' لکھ رہا ہے۔ ہاں اتنا ضرور تھا کہ دل کے کسی کونے میں دین کی خدمت کی تمنّا ضرور تھی اور یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کا خصوصی فضل ہے کہ زندگی کے نشیب وفراز میں یہ تمنّا قائم رہی۔

راقم الحروف کو سب سے پہلے جس شخصیت نے اسلام کی حقّانیت سے متعارف کروایا وہ ہیں جناب ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب۔ اِن کے بعد دو شخصیات ایسی ہیں جنھوں نے احقر کو سب سے زیادہ متاثر کیا۔ وہ دو شخصیات ہیں محترم جناب احمد دیدات صاحبؒ اور محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ ہی وہ شخصیت ہیں جنھوں نے ناچیز کو قرآنِ مجید کے ساتھ جوڑا اور قرآنِ مجید کے پیغام سے روشناس کروایا۔ ان ہی کے کہنے پر ناچیز نے عربی زبان کے بنیادی قواعد جناب لطف الرحمٰن خان صاحب (آسان عربی گرائمر حصّہ اوّل، دوم اور سوم)، محترم جناب ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب اور محترم جناب عامر سہیل صاحب سے سیکھے۔ لیکن میرا ہرگز یہ دعویٰ نہیں کہ میں نے عربی زبان میں مہارت حاصل کرلی ہے۔ بہرحال اپنی تمام تر کم علمی کے باوجود اساتذہ کے کہنے پر ابتدا میں کچھ عربی کلاسز اور کچھ سورتوں کی صرفی ونحوی تحلیل کی کلاسز پڑھائیں۔ پھر اساتذہ ہی کے کہنے پر درسِ قرآن کا آغاز کیا حالانکہ راقم الحروف اب بھی اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتا۔ بہرحال اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے لیے احقر نے ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ کے دروس سے فائدہ اٹھانے کے ساتھ ساتھ دو کاموں کو ضروری جانا: ایک یہ کہ دورِ حاضر کے مستند علماء سے رجوع کیا جائے اور دوسرے یہ کہ جید علمائے کرام کی مستند تفاسیر سے استفادہ کیا جائے۔ چنانچہ سب سے پہلے راقم الحروف نے حضرت مولانا مجاہد الحسینی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر قرآنِ مجید پڑھانے کی درخواست کی لیکن حضرت کی کبرسنی اور جسمانی صحت نے اس کی اجازت نہیں دی البتہ حضرت نے راقم الحروف کے حلقہ مطالعہ قرآنی میں شرکت کی حامی بھر لی اور پھر کچھ عرصہ باقاعدگی سے شرکت بھی کی۔ اس کے بعد جامعہ امدادیہ فیصل آباد کے جناب مفتی شعیب صاحب سے راقم الحروف نے کچھ عرصہ استفادہ کیا۔ پھر جناب مفتی سعید احمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر قرآن اور حدیث پڑھانے کی درخواست کی جو حضرت نے قبول کر لی اور ان سے باقاعدہ پڑھنے کا آغاز ہوا جو کہ تاحال جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ تفاسیر کے ذریعے جن بزرگوں سے قلبی اور روحانی تعلق قائم ہوا، ان کی بھی ایک لمبی فہرست ہے۔ سب سے زیادہ جن دو بزرگوں کو راقم الحروف نے اپنے قلب وروح کے قریب محسوس کیا وہ ہیں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ اور حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ۔ ان دونوں بزرگوں کی تفسیر عثمانی بلاشبہ بہترین تفسیروں میں سے ایک ہے۔ اِن کے بعد جن بزرگوں کی تفاسیر سے احقر نے سب سے زیادہ راہنمائی حاصل کی وہ ہیں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ (بیان القران)، مفتی محمد شفیع صاحبؒ (معارف القرآن)، مولانا عبدالماجد دریابادی صاحبؒ (تفسیر ماجدیؒ)، حضرت مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ (تفہیم القرآن)، حضرت پیر کرم شاہ صاحبؒ (ضیاء القرآن)، حضرت مولانا محمد جوناگڑھیؒ اور حضرت مولانا صلاح الدین یوسفؒ (تفسیر

احسن البیان)، حضرت مولانا عبدالحق حقانی صاحبؒ (تفسیر فتح المنان المشھور بہ تفسیر حقانی) اور حضرت مولانا امین احسن اصلاحی صاحبؒ (تدبر قرآن)۔ اِن تمام بزرگوں کی تفاسیر امت کا سرمایۂ علم ہیں اور حقیقت میں ان بزرگوں کے ساتھ تعلق کی وجہ بھی محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ ہی ہیں۔ ہندوستان کی ایک اور نہایت اہم شخصیت جن سے تعلق کا ذریعہ بھی محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ ہی بنے، وہ ہیں شاعرِ مشرق، علامہ محمد اقبال۔ حالانکہ احقر نہ کبھی اردو ادب کا طالب علم رہا ہے نہ ہی شاعری سے کوئی خاص لگاؤ ہے لیکن علامہ اقبال کی شاعری نے احقر کے قلب وجگر پر اَن مِٹ نقوش چھوڑے ہیں۔

احقر کی قرآنی خدمت ''مطالعۂ قرآنِ مجید'' کی بنیاد استادِ محترم جناب لطف الرحمٰن خان صاحب کی قرآنی خدمت ''مطالعہ قرآنِ حکیم'' پر ہے۔ اس خدمت کے لیے مندرجہ بالا کتب کے علاوہ امام راغبؒ کی مفردات القرآن، مولانا عبدالرشید نعمانیؒ کی لغات القرآن، مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ کی مترادفات القرآن اور مصباح اللغات سے بھی بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔ نحوی تراکیب کے لیے محیي الدین الدرویشؒ کی ''اعراب القرآن الکریم و بیانه''، محمد سید طنطاویؒ کی ''نور الیقین معجم و سیط فی اعراب القرآن الکریم'' اور محمود سلیمان یاقوتؒ کی ''اعراب القرآن الکریم'' سے استفادہ کیا گیا ہے۔ البتہ نحوی ترکیب کو سادہ اور عام فہم رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

دیکھیے میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ میں ہرگز اس کام کی اہلیت نہیں رکھتا اور نہ ہی میرے قلم میں ایسا زور ہے کہ اس خدمت کے ذریعے میں قرآن فہمی کے راستے سے تمام رکاوٹیں دور کردوں۔ اپنی اِن تمام کوتاہیوں کا پورا احساس ہوتے ہوئے بھی اِس خدمت کا کچھ حصہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کی وجہ میرے پاس اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ اللہ ربّ العزّت نے ہی ایسا چاہا اور یہ ہوگیا۔ اسی مسبّب الاسباب نے اسباب فراہم کردیے اور اسی کی توفیق سے یہ خدمت ہوسکی۔ اب اسی سے دعا ہے کہ نبی اکرمؐ کے طفیل اس خدمت کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور اسے عام کردے۔ اس ''مطالعہ قرآنِ مجید'' کو پڑھتے ہوئے اگر کہیں کوئی خوبی نظر آئے تو یقین کیجیے کہ اُس کی تعریف کی مستحق وہ ہستیاں ہیں جن کی خدمتِ قرآنی سے استفادہ کیا گیا اور کہیں کوئی کمی اور نقص نظر آئے تو اس کا ذمہ دار یہ احقر ہے۔

کوشش بھی ہے اور دعا بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ غلطیوں اور کوتاہیوں سے بچاتے ہوئے، خاص اپنی رحمت اور توفیق سے یہ کام پورا کروا دے۔ اہلِ علم سے بھی درخواست ہے کہ غلطیوں اور کوتاہیوں کی نشاندہی کرکے اس کی اصلاح میں مدد کریں۔

آخر میں مَیں ہر اس شخص کا شکرگزار ہوں جس نے کسی بھی درجے میں اس تالیف میں میری مدد کی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو بھی جزائے خیر عطا فرمائے اور میرے والدین، میرے بہن بھائیوں، بیوی بچوں، اساتذہ اور دوستوں سب کے لیے اسے صدقہ جاریہ اور ذخیرۂ آخرت بنادے۔ آمین۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝

جہاں زیب ندیم
انجمن خدام القرآن، فیصل آباد
jjzee4567@gmail.com
00-92-322-8664004

اِسۡتِعَاذَۃٌ

﴿ اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ﴾

ع و ذ

باب	مصدر/اسم	معانی
(ن)	(ا) مَعَاذًا	مَعَاذًا مصدر میمی ہے۔کسی کی پناہ میں آنا۔پناہ طلب کرنا۔کسی کا دامن مضبوطی سے پکڑ لینا۔﴿ وَ اِنِّیۡ عُذۡتُ بِرَبِّیۡ وَ رَبِّکُمۡ اَنۡ تَرۡجُمُوۡنِ ﴿٢٠﴾ ﴾(44/الدّخان:20)''اور میں پناہ لے چکا ہوں اپنے رب اور تمہارے رب کی اس بات سے کہ تم مجھ کو سنگسار کرو۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)﴿ وَّ اَنَّهٗ کَانَ رِجَالٌ مِّنَ الۡاِنۡسِ یَعُوۡذُوۡنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الۡجِنِّ ﴾(72/الجن:6)''اور یہ کہ تھے کتنے مرد آدمیوں میں سے پناہ پکڑتے تھے کتنے مردوں کی جنوں میں سے۔''
	(ب) مَعَاذٌ	مَعَاذٌ اسم ذات بھی ہے جس کا مطلب ہے،''پناہ''۔
(افعال)	اِعَاذَۃً	کسی کو کسی کی پناہ میں دینا۔﴿ وَ اِنِّیۡۤ اُعِیۡذُهَا بِكَ ﴾(3/آل عمران:36)''اور میں اس کو تیری پناہ میں دیتی ہوں۔''باب افعال میں فعل کے ساتھ اُس کا مفعول بنفسہٖ آتا ہے اور پھر''ب'' صلہ کے ساتھ اُس کا ذکر ہوتا ہے جس کی پناہ میں اُس مفعول کو دیا جائے۔
(تفعیل)	تَعۡوِیۡذًا	خود کسی کو پناہ دینا۔اس باب سے قرآن میں فعل استعمال نہیں ہوا۔
(استفعال)	اِسۡتِعَاذَۃً	کسی کی پناہ طلب کرنا۔﴿ فَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ﴿٩٨﴾ ﴾(16/النحل:98)''پس جب تم قرآن پڑھو تو اللہ کی پناہ مانگو مردود شیطان سے۔'' شاید اس حکم کے نتیجے میں اَعُوۡذُ کا صیغہ استعمال ہوتا ہے یعنی میں آتا ہوں اللہ کی پناہ میں۔(واللہ اعلم)

شیطان: لغت میں اس کے دو مادے آتے ہیں۔

(ا) ش ط ن

(ن)	شَطۡنًا	کسی سے دور ہونا۔کسی کی مخالفت کرنا۔عربی زبان میں بِئۡرٌ شَطُوۡنٌ کا مطلب ہے بہت گہرا کنواں یعنی جس کا پانی دور ہو۔ اسی طرح شَطَنَ الرَّجُلُ کا مطلب ہے آدمی حق سے دور ہوا۔
	شَیۡطٰنٌ	ج:شَیٰطِیۡنُ۔ش ط ن مادے سے فَیۡعَالٌ کے وزن پر شَیۡطٰنٌ بنتا ہے جس کا مطلب ہے بہت زیادہ دور ہونے والا اللہ کی رحمت سے یا حق سے۔بہت زیادہ مخالفت کرنے والا حق کی۔

(ب) ش ی ط

(ض)	شِیَاطَۃً، شَیۡطًا	غصے سے سوختہ ہو جانا۔جلنا
	شَیۡطٰنٌ	ش ی ط مادے سے فَعۡلَانٌ کے وزن پر شَیۡطٰنٌ بنتا ہے اور یہ مبالغے کا صیغہ ہے جس کا مطلب ہے بہت زیادہ جلنے والا، بہت زیادہ غصے سے سوختہ ہونے والا۔
نوٹ:	شَیۡطٰنٌ	شیطان ایک صفاتی نام ہے جو ہر سرکش کو کہتے ہیں خواہ جن ہو، انسان ہو یا حیوان ہو۔جو بھی حق سے دوری اختیار کرے اور اُس کی مخالفت کرے وہ شیطان ہے۔سب سے پہلے جس نے یہ کام کیا وہ ایک جن تھا اور اس سرکشی کی وجہ سے اُسے شیطان اور ابلیس کہا جاتا ہے۔ابلیس بھی صفاتی نام ہے۔اُس جن کا اصل نام عزازیل تھا(بحوالہ تفسیر ماجدیؒ،ص:925)۔

اسی طرح انسان کی ہر بری خصلت کو بھی شیطان کہا جاتا ہے اَلْحَسَدُ شَيْطَانٌ وَالْغَضَبُ شَيْطَانٌ (مفردات)۔شیطان کے مجازی معنی بدہیئت (بدشکل) سانپ کے بھی ہیں اور آیت ﴿ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴾ (37/ الصّٰفّٰت:65) میں یہی معنی مراد ہیں۔تفسیر ماجدیؒ میں اس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے''اُس کے پھل ایسے ہیں جیسے سانپ کے پھن۔''تفسیر عثمانیؒ میں اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے''یعنی سخت بدنما شیطان کی صورت یا شیاطین کہا سانپوں کو یعنی اُس کا خوشہ سانپ کے سر کی طرح ہوگا جیسے ہمارے ہاں ایک درخت کو اسی تشبیہ سے''ناگ پھن'' کہتے ہیں۔''

ر ج م

(ن) **رَجْمًا** سنگسار کرنا یعنی پتھر برسانا۔اَلرِّجَامُ پتھر کو کہتے ہیں اس سے اَلرَّجْمُ ہے۔جس کو سنگسار کیا گیا ہو اسے مَرْجُوْمٌ کہتے ہیں۔پھر استعارہ کے طور پر رَجْمٌ کا لفظ جھوٹے گمان، اندھیرے میں تیر چلانے، تکے مارنے، بدکلامی کرنے اور دھتکارنے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔شیطان کو رَجِيْمٌ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ ملائکہ اعلیٰ کے مراتب سے نکالا گیا۔﴿ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ﴾(18/الکہف:22)''اور وہ لوگ کہتے ہیں پانچ ہیں اور چھٹا ان کا کتا ہے۔اندھیرے میں تیر چلاتے ہیں۔''

مَرْجُوْمٌ اِسم المفعول۔جس کو دھتکارا گیا۔سنگسار کیا گیا۔مردود۔﴿ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴾ (26/الشعراء:116)''اُن (مغروروں) نے کہا اے نوع! اگر تم باز نہ آئے (تو یاد رکھو) تمہیں ضرور سنگسار کر دیا جائے گا۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)

رَجِيْمٌ فَعِيْلٌ کے وزن میں ہمیشگی کا مفہوم ہوتا ہے اور یہ وزن اسم الفاعل اور اسم المفعول دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔رَجِيْمٌ اسم المفعول ہے یعنی رَجِيْمٌ بمعنی مَرْجُوْمٌ ہے۔سنگسار کیا ہوا۔مردود۔ہمیشہ کے لیے دھتکارا ہوا۔حضرت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں''محاورے میں یہ لفظ اُس شخص کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جسے مقام عزت سے گرا دیا گیا ہو اور ذلیل وخوار کر کے رکھ دیا گیا ہو۔''﴿ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴾(15/الحجر:34)''اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو نکل جا یہاں سے بے شک تو مردود ہے۔''

رُجُوْمٌ آلاتِ سنگساری۔یہ رَجْمٌ کی جمع ہے جو مصدر ہے۔اس کا اطلاق اس چیز پر بھی ہوتا ہے جس سے مارا جاتا ہے اسی استعمال کی وجہ سے اس کی جمع رُجُوْمٌ بنی ورنہ مصدر کی جمع نہیں ہوتی۔قرآن مجید میں شُهُبٌ (ستاروں) کو رُجُوْمٌ کہا گیا ہے۔﴿ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ ﴾(67/الملک:5)''اور اُنہیں شیاطین کو مار بھگانے کا ذریعہ بنا دیا ہے۔''

ترکیب: اَعُوْذُ ثلاثی مجرد سے واحد متکلم کا صیغہ ہے(فعل + فاعل)۔اَعُوْذُ کے ساتھ عموماً دو صلے استعمال ہوتے ہیں جس کی پناہ طلب کی جائے اُس کے ساتھ''بِ'' کا صلہ آتا ہے اور جس سے پناہ طلب کی جائے اُس کے ساتھ''مِنْ'' آتا ہے۔اللہ کے ساتھ''بِ'' کا صلہ ہے چنانچہ اللہ کی پناہ طلب کی جا رہی ہے اور الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ جو کہ مرکب توصیفی ہے اس سے پہلے مِنْ کا صلہ ہے چنانچہ مردود شیطان سے پناہ طلب کی جا رہی ہے۔دونوں مرکب جاری، بِاللّٰهِ اور مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ متعلق ہیں جملہ فعلیہ اَعُوْذُ کے۔

ترجمہ	اَعُوْذُ بِاللّٰهِ	مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
	میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں	ہمیشہ کے لئے دھتکارے ہوئے شیطان سے

نوٹ۔1 مذکورہ بالا استعاذہ قرآن مجید کا حصہ نہیں ہے۔لیکن سورۃ النحل کی آیت نمبر 98 میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ جب تم قرآن پڑھو تو شیطان سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔اس لئے قرآن پڑھتے وقت بسم اللہ سے پہلے استعاذہ پڑھنا ضروری ہے۔

نوٹ۔2 لفظ اللہ کے لیے آگے بسم اللہ دیکھیں۔

تَسۡمِیَۃٌ

﴿ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ① ﴾

س م و

باب	مصدر/اسم	معانی
(ن)	سُمُوًّا	بلند ہونا۔نمایاں ہونا۔عربی میں کہتے ہیں سَمَا اِلَیۡہِ بَصَرِیۡ۔میری نظر اُس کی طرف اُٹھی یا سَمَوۡتُ اِلَیۡہِ بِبَصَرِیۡ (ب تعدیہ) میں نے اس کی طرف اپنی نظر اٹھائی۔ جب کسی کا نام لیا جاتا ہے تو گویا اس کو بلند و بالا کرتے ہیں تاکہ وہ آنکھوں میں بچ جائے۔
(تفعیل)	تَسۡمِیَۃٌ	تَسۡمِیَۃٌ، تَفۡعِلَۃٌ کے وزن پر مصدر ہے۔کسی کو نمایاں کرنا۔کسی کا نام رکھنا۔نام بولنا۔ نام لینا۔﴿ وَ اِنِّیۡ سَمَّیۡتُہَا مَرۡیَمَ ﴾(3/آل عمران:36)''اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے۔''
	سَمِّ	ج:سَمُّوۡا فعل امر ہے۔تو نام لے۔﴿ قُلۡ سَمُّوۡہُمۡ ؕ﴾(13/الرعد:33)''آپؐ کہیے،تم نام لو اُن کے۔''
	مُسَمًّی	باب تفعیل سے اسم المفعول ہے۔جس کا نام لیا گیا ہو۔نام رکھا ہوا۔نمایاں کیا ہوا۔کوئی معین چیز۔﴿ وَ سَخَّرَ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ ؕ کُلٌّ یَّجۡرِیۡ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ﴾(13/الرعد:2)''اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کیا۔ ہر ایک رواں ہے ایک معین وقت تک کے لئے۔''
	اِسۡمٌ	ج:اَسۡمَآءٌ۔کسی چیز کی علامت جو اسے دوسروں سے نمایاں کرے۔نام۔مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اِسۡمٌ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:''اسم کا مفہوم عربی میں اردو کے نام سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔اسم وہ ہے جس کے ذریعہ سے کوئی چیز جانی جائے، پہچانی جائے اور یہ شناخت ممکن نہیں جب تک اعراض،خواص،آثار کا علم بھی ساتھ نہ ہو۔'' (تفسیر ماجدیؒ،ص ۲۰)
	سَمِیٌّ	ہم نام اور مثل و مشابہ یعنی کسی کی مانند ہونا۔نظیر﴿ ہَلۡ تَعۡلَمُ لَہٗ سَمِیًّا ﴿۶۵﴾ ﴾(19/مریم:65)''کیا تم جانتے ہو اس کا کوئی ہم نام۔'' مطلب جو اس نام کا مستحق ہو۔مولانا عبدالماجد دریابادیؒ سَمِیٌّ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:''سَمِیٌّ کے ایک معنی تو یہی ''ہم نام'' کے ہیں۔ چنانچہ ائمہ تفسیر نے یہاں بھی یہی مراد لی ہے۔لیکن لغت ہی میں ایک دوسرے سَمِیٌّ ''ہم صفت''، یا مثل، شبیہ و نظیر کا بھی پتہ چلتا ہے اور بعض اکابر لغت و اکابر تفسیر کے نزدیک وہی معنی یہاں ثابت ہیں۔'' (تفسیر ماجدیؒ،ص ۶۵۰)
	سَمَآءٌ	ج: سَمٰوٰتٌ۔ بلندی، آسمان، فضائے آسمانی۔ ہر شے کے بالائی حصے کو سَمَآءٌ کہتے ہیں جیسے اَرۡضٌ بول کر ہر چیز کا نچلا حصہ مراد لیتے ہیں جیسے شاعر نے گھوڑے کی صفت میں کہا ہے

وَاَحۡمَرُ کَالدِّیۡبَاجِ اَمَّا سَمَآؤُہٗ   فَرَیَّا وَ اَمَّا اَرۡضُہٗ فَمَحُوۡلٗ

وہ دیباج کی طرح سرخ ہے،اس کا بالائی حصہ موٹا ہے اور اس کا زیریں حصہ (یعنی ٹانگیں) لاغر اور سخت ہیں۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ اسمائے نسبیہ سے ہے کہ ہر سماء اپنے ماتحت کے لحاظ سے سَمَآءٌ ہے لیکن اپنے مافوق کے لحاظ سے اَرۡضٌ ہے بجز سماء علیا (فلک الافلاک) کے کہ وہ ہر لحاظ سے سَمَآءٌ ہی ہے اور کسی کے لیے ارض نہیں بنتا۔ بادل اور بارش کو بھی سَمَآءٌ کہا جاتا ہے مثلاً﴿ وَ اَرۡسَلۡنَا السَّمَآءَ عَلَیۡہِمۡ مِّدۡرَارًا ۪﴾(6/الانعام:6)''اور ہم نے اُن پر خوب کثرت سے بارش برسائی۔'' تفسیر ماجدیؒ کے مطابق السماء یہاں بارش کے معنی میں ہے اور اَرۡسَلۡنَا برسانے کے معنی میں۔ حضرت شیخ

الہندؒ نے یہاں ترجمہ ’’آسمان‘‘ سے ہی کیا ہے اور صاحبؒ ضیاء القرآن نے ’بادل‘ سے ترجمہ کیا ہے۔ صاحبؒ تفسیر ماجدی فرماتے ہیں عربی میں ہر اُس چیز کو سَمَاءٌ کہتے ہیں جو انسان کے اوپر واقع ہو حتی کہ مکان کی چھت کو بھی سَمَاءٌ کہتے ہیں۔ مِنَ السَّمَاءِ کا اطلاق ہر اُس چیز پر ہوتا ہے جو آسمان کی سمت سے نازل ہو۔ (تلخیص)۔ لفظ سَمَاءٌ مذکر مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے مثلاً قرآن مجید میں ہے ﴿ السَّمَآءُ مُنۡفَطِرٌۢ بِهٖ ﴾ (73/المزمل:18) ’’اور جس کی سختی سے آسمان پھٹا جا رہا ہوگا‘‘ (مذکر) اور ﴿ اِذَا السَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ ۝۱ ﴾ (82/الانفطار:1) ’’جب آسمان پھٹ جائے گا‘‘ (مؤنث)۔ امام راغبؒ کے مطابق لفظ سَمَاءٌ واحد اور جمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اسی لیے البقرہ: 29 میں ’’السماء‘‘ کے لیے ’’هُنَّ‘‘، جمع کی ضمیر آئی ہے۔ (واللہ اعلم)

اَجَلٌ مُسَمًّى مقررہ یا متعین مدت۔ ﴿ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنۡدَهٗ ﴾ (6/الانعام:2) ’’اور ایک دوسری مدت اور بھی ہے جو اس کے ہاں طے شدہ ہے۔‘‘

ء ل ه

(ف) **اُلُوْهَةً** غلامی کرنا۔ عبادت کرنا۔

اِلٰهٌ عبادت کیا ہوا یعنی جس کی عبادت یا غلامی کی گئی۔ معبود۔ اِلٰهٌ، فِعَالٌ کے وزن پر مَاْلُوْهٌ ہے (مَفْعُوْلٌ کا وزن)۔ فِعَالٌ کا وزن اسم المفعول کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے کِتَابٌ یعنی لکھا ہوا یا جس پر لکھا گیا۔ اسی طرح اِلٰهٌ میں مفعول کا مفہوم ہے۔ مطلب جس کی غلامی یا عبادت کی گئی۔ اِلٰهٌ کے تین مفہوم ہیں:

(1) ہر وہ چیز جس کی طرف انسان اپنی تکلیف اور مصیبت کو دور کرنے کے لیے اور اپنی ضروریات پوری کرانے کے لیے رجوع کرے اور جس کو انسان اپنے نفع و نقصان کا مالک سمجھ کر اس کی پرستش کرے خواہ وہ چیز کوئی بت ہو یا کوئی مقام ہو یا آستانہ یا حیوانات یا شجر و حجر یا مظاہر قدرت ہوں، اِلٰهٌ کہلاتا ہے۔

(2) وہ ہستی جس سے انتہائی محبت ہو۔

(3) وہ ہستی جس کا ادراک ممکن نہیں۔ جو ہمارے فہم اور تصور سے ماوراء ہو۔

اِس کی جمع اٰلِهَةٌ اور مونث اِلٰهَةٌ ہے۔ اِلٰهَةٌ کا مطلب دیوی ہے چنانچہ سورج پرست سورج کو (جو کہ عربی میں مؤنث استعمال ہوتا ہے) اِلٰهَةٌ کہتے ہیں۔ اِلٰهٌ کا لفظ معبود برحق اور معبود باطل دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

اَللّٰهُ لفظ اِلٰهٌ پر لام تعریف داخل کرنے سے قاعدے کے مطابق لفظ اَلْاِلٰهُ بنتا ہے لیکن خلاف قاعدہ مادہ کا ہمزہ گرا کر اَلْ لٰهُ بولتے ہیں اور اس طرح لکھتے ہیں اَللّٰهُ۔ مطلب ہے معبود حقیقی یعنی اصل اِلٰهٌ۔ اللہ کا لفظ خدا تعالیٰ کے لیے بطور اسم ذات استعمال ہوتا ہے۔ یہ کسی خاص صفت کے لیے نہیں بولا جاتا۔ باقی تمام صفات اس کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ نزول قرآن سے پہلے بھی یہ لفظ خدا تعالیٰ کے لیے بطور اسم ذات استعمال ہوتا تھا۔ اہل عرب نے کبھی اس لفظ کو کسی معبود باطل کے لیے استعمال نہیں کیا۔ اسی لیے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے سوال کیا ہے کہ کیا تم اس کے کسی ہمنام کو جانتے ہو۔ ﴿ هَلۡ تَعۡلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ۝۶۵ ﴾ (19/مریم:65) ’’کیا تم جانتے ہو اس کا کوئی ہم نام۔‘‘ اللہ کا تثنیہ اور جمع نہیں آتے اور اس پر ’’یا‘‘ (حرف ندا) داخل نہیں ہوتا بلکہ یَا حرف ندا کے عوض آخر میں میم مشدّد لگا کر اَللّٰهُمَّ (اے اللہ) استعمال ہوتا ہے۔

ر ح م

(س) **رَحْمَةً، مَرْحَمَةً، رُحْمًا** مہربان ہونا، مہربانی کرنا، رحم دل ہونا، شفقت کرنا۔ ﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ هَدَيۡتَنَا وَهَبۡ لَنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً ﴾ (3/آل عمران:8) ’’پروردگار، جب تو ہمیں سیدھے رستہ پر لگا چکا ہے، تو پھر کہیں ہمارے دلوں کو کجی میں مبتلا نہ کر دیجیو۔ ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کر۔‘‘ ﴿ وَ تَوَاصَوۡا بِالۡمَرۡحَمَةِ ۝۱۷ ﴾ (90/البلد:17) ’’اور (خلقِ

خدا پر) رحم کرنے کی تلقین کی۔'' ﴿فَاَرَدۡنَاۤ اَنۡ يُّبۡدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيۡرًا مِّنۡهُ زَكٰوةً وَّ اَقۡرَبَ رُحۡمًا ۝۸۱﴾ (18 / الکہف:81) ''اس لیے ہم نے چاہا کہ ان کا رب اس کے بدلے ان کو ایسی اولاد دے جو اخلاق میں بھی اس سے بہتر ہو اور جس سے صلۂ رحمی بھی زیادہ متوقع ہو۔''

رَحِمٌ

ج: اَرۡحَامٌ۔ بچہ دانی، رشتہ داری، قرابت داری۔ رَحِمٌ مجازاً اقرابت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے کیونکہ اہل قرابت ایک ہی رحم سے پیدا ہوتے ہیں۔ اہل قرابت سے اچھے تعلقات قائم رکھنے کو صلۂ رحمی اور اِن تعلقات کو خراب کرنے کو قطع رحمی کہتے ہیں۔ احادیث مبارکہ میں صلہ رحمی کے بے شمار فضائل آئے ہیں۔ صاحبِ تفہیم القرآن اِن الفاظ میں اِس لفظ کی وضاحت کرتے ہیں ''رحم کا لفظ عربی زبان میں قرابت اور رشتہ داری کے لیے استعارہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ ایک شخص کے تمام رشتہ دار، خواہ وہ دور کے ہوں یا قریب کے، اس کے ذوی الارحام ہیں۔ جس سے جتنا زیادہ قریب کا رشتہ ہو اس کا حق آدمی پر اُتنا ہی زیادہ ہے اور اس سے قطع رحمی کرنا اُتنا ہی بڑا گناہ ہے۔ صلۂ رحمی یہ ہے کہ اپنے رشتہ دار کے ساتھ جو نیکی کرنا بھی آدمی کی استطاعت میں ہو اُس سے دریغ نہ کرے۔ اور قطع رحمی یہ ہے کہ آدمی اس کے ساتھ برا سلوک کرے، یا جو بھلائی کرنا اس کے لیے ممکن ہو اس سے قصداً پہلو تہی کرے۔'' (تفہیم القران، ج۵ ص۲۷) ﴿وَ يَعۡلَمُ مَا فِى الۡاَرۡحَامِ ؕ﴾ (31 / لقمان:34) ''اور وہ جانتا ہے جو بچہ دانیوں میں ہے۔'' ﴿اِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ اَنۡ تُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِ وَتُقَطِّعُوۡۤا اَرۡحَامَكُمۡ ۝۲۲﴾ (47 / محمد:22) ''اگر تم لوگوں کو اقتدار ملے تو تم لوگ حقوق و فرائض کا توازن بگاڑ دو زمین میں اور تم لوگ کاٹ دو اپنی رشتہ داریوں کو۔''

اَلرَّحۡمٰنُ اور اَلرَّحِيۡمُ

یہ دونوں لفظ رَحۡمَةٌ سے مشتق ہیں اور دونوں مبالغے کے صیغے ہیں۔ رَحۡمَانُ، فَعۡلَانُ کے وزن پر ہے جس میں انتہائی شدت اور جوش کا مفہوم پایا جاتا ہے جیسے عَطۡشَانُ (انتہائی پیاسا)، غَضۡبَانُ (انتہائی غصیلا)، جَوۡعَانُ (انتہائی بھوکا)۔ اسی طرح رحمان کا مطلب ہے انتہائی رحمت والا۔ جس کی رحمت میں شدت بھی ہے اور جوش بھی۔ رَحِيۡمٌ، فَعِيۡلٌ کے وزن پر ہے جس میں کثرت کے ساتھ دوام اور استمرار کا مفہوم ہوتا ہے۔ اس کی جمع رُحَمَاءُ آتی ہے۔ علمائے کرام نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ رحمٰن میں رحیم کی نسبت زیادہ مبالغہ ہے، اس میں رحیم کی نسبت ایک حرف زائد ہے اور عربی میں کہتے ہیں زِيَادَةُ اللَّفۡظِ تَدُلُّ عَلٰى زِيَادَةِ الۡمَعۡنٰى مطلب زائد حرف زیادہ معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ رحمٰن اور رحیم کا مطلب ہوا ایسی ہستی جس کی رحمت میں شدت اور جوش بھی ہے اور دوام اور استمرار بھی ہے۔ رحمٰن کا لفظ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ جیسے قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿قُلِ ادۡعُوا اللّٰهَ اَوِ ادۡعُوا الرَّحۡمٰنَ ؕ﴾ (17 / بنی اسراءیل:110) ''اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ان سے کہو: ''اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر۔'' اس کا تثنیہ اور جمع نہیں آتا۔ رحمٰن وہ ہستی ہے جو اپنی تمام مخلوق پر یکساں مہربانی کرنے والی ہو۔ اور یہ تمام مہربانی صرف اللہ تعالیٰ ہی سے متعلق ہو سکتی ہے۔ چنانچہ رحمان صرف اللہ تعالیٰ ہے کوئی دوسری مخلوق رحمٰن نہیں ہو سکتی۔ جبکہ رحیم کا لفظ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں یہ لفظ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اور صحابہؓ کے لیے استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں فرمایا: ﴿لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ۝۱۲۸﴾ (9 / التوبۃ:128) ''دیکھو! تم لوگوں کے پاس ایک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے، تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے، ایمان لانے والوں کے لیے وہ شفیق اور رحیم ہے۔'' اور صحابہؓ کے بارے میں فرمایا: ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيۡنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الۡكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡ﴾ (48 / الفتح:29) ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں (یعنی صحابہؓ) وہ کفار پر سخت ہیں اور آپس میں رحیم ہیں۔'' رحمٰن کے معنی عام الرّحمۃ اور رحیم کے معنی تام الرّحمۃ بھی کیے گئے ہیں۔ لفظ رحمٰن کے بارے میں علمائے عربیت کا اختلاف ہے کہ یہ عربی زبان کا لفظ ہے یا نہیں اور عربی ہونے کی صورت میں یہ مشتق ہے یا غیر مشتق۔ مُبرّد اور ثعلب جو عربیت اور لغت کے امام ہیں وہ اس طرف گئے ہیں کہ یہ عبرانی لفظ ہے اگر اس کو عبرانی لفظ مان لیا جائے تو اس

صورت میں یہ لفظ اللہ کی طرح ذات باری کا اسم علم ہوگا۔قرآن مجید میں یہ لفظ 57 جگہ مذکور ہے(فواد عبد الباقی ؒ)اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا استعمال بطور صفت نہیں بلکہ بطور اسم علم ہوا ہے۔(واللہ اعلم)

ترکیب اِسْمٌ کا مادہ س۔ م۔ و ہے اور اس کے شروع میں ہمزۃ الوصل ہے۔اس لئے قاعدہ کے لحاظ سے اس کا املا بِاسْمِ اللّٰهِ ہونا چاہئے تھا لیکن صرف بِسْمِ اللّٰهِ کا یہ مخصوص املا ہے کہ اس میں ہمزۃ الوصل لکھا بھی نہیں جاتا،ہمزۃ الوصل ساقط ہونے کے بدلے میں ''ب'' لمبی لکھی جاتی ہے۔باقی ہر جگہ قاعدہ کے مطابق لکھا جاتا ہے۔البتہ پڑھا نہیں جاتا مثلاً ﴿وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ﴾(5/المائدہ:4)''اور اس پر اللہ کا نام لو''الرَّحْمٰنِ اور الرَّحِيْمِ کو اگر لفظ اللہ کا بدل مانا جائے تو ترجمہ اس طرح ہوگا''جو انتہائی رحمت والا ہے،جو ہمیشہ رحمت کرنے والا ہے۔''لیکن اگر انہیں صفت مانا جائے تو ترجمہ ہوگا''رحمٰن اور رحیم اللہ کے نام سے''دونوں ترجمے درست مانے جائیں گے۔یہ دونوں حال نہیں ہو سکتے کیونکہ حال نکرہ اور حالت نصب میں ہوتا ہے۔یہ پورا فقرہ مرکب جاری ہے،جملہ نہیں ہے۔اس لئے اس سے قبل کچھ محذوف ماننا ضروری ہے۔اگر اسے جملہ اسمیہ مانا جائے تو اس سے قبل کوئی مبتداء محذوف مانا جائے گا جیسے اِبْتِدَائِیْ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ''میری ابتداء اللہ کے نام سے ہے جو رحمٰن ہے رحیم ہے۔''اگر جملہ فعلیہ مانیں تو اس سے قبل کوئی فعل محذوف مانا جائے گا جیسے اَبْتَدِءُ ''میں ابتداء کرتا ہوں۔''جملہ اسمیہ ہونے کی صورت میں قرآن کریم سے مثال:﴿وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا﴾ (11/ھود:41)''نوحؑ نے کہا''سوار ہو جاؤ اس میں،اللہ ہی کے نام سے ہے اس کا چلنا بھی اور اس کا ٹھہرنا بھی۔''(آیت مبارکہ میں مَجْرٖىهَا اور مُرْسٰىهَا مبتداء مؤخر ہیں اور بِسْمِ اللّٰهِ جار مجرور مل کر قائم مقام خبر مقدم ہے)اور جملہ فعلیہ ہونے کی صورت میں مثال:﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ①﴾(96/العلق:1) ''پڑھو!(اے نبیؐ)اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔''(اِقْرَاْ فعل امر ہے اور بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ جار مجرور مل کر متعلق فعل ہیں)۔علامہ زمخشریؒ کی رائے یہ ہے کہ جو کام کر رہے ہوں اس کا فعل محذوف مانیں جیسے اَكْتُبُ ''میں لکھتا ہوں۔''اَرْكَبُ ''میں سوار ہوتا ہوں۔''

ترجمہ

بِسْمِ اللّٰهِ	الرَّحْمٰنِ	الرَّحِيْمِ
اللہ کے نام سے	جو انتہائی رحمت والا ہے	جو ہمیشہ رحمت کرنے والا ہے

نوٹ: حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ معارف القرآن میں فرماتے ہیں''بِسْمِ اللّٰهِ،یہ کلمہ تین لفظوں سے مرکب ہے ایک حرف باء،دوسرے اسم،تیسرے اللہ، حرف باء عربی زبان میں بہت سے معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے،جن میں سے تین معانی مناسب مقام ہیں،ان میں سے ہر ایک معنی اس جگہ لیے جا سکتے ہیں۔اوّل: مصاحبت،یعنی کسی چیز کا کسی چیز سے متصل ہونا۔دوسرے:استعانت،یعنی کسی چیز سے مدد حاصل کرنا،تیسرے:تبرّک،یعنی کسی چیز سے برکت حاصل کرنا۔

لفظ اِسْمٌ میں لغوی اور علمی تفصیلات بہت ہیں،جن کا جاننا عوام کے لیے ضروری نہیں اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ اردو میں اس کا ترجمہ نام سے کیا جاتا ہے۔

لفظ اَللّٰهُ،اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سب سے بڑا اور سب سے زیادہ جامع نام ہے،اور بعض علماء نے اسی کو اسم اعظم کہا ہے،اور یہ نام اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نہیں ہو سکتا،اس لیے اس لفظ کا تثنیہ اور جمع نہیں آتے،کیونکہ اللہ واحد ہے،اس کا کوئی شریک نہیں،خلاصہ یہ ہے کہ اللہ نام ہے اس موجود حق کا جو تمام صفات کمال کا جامع اور صفات ربوبیت کے ساتھ متصف،یکتا اور بے مثال ہے۔اس لیے کلمۂ بسم اللہ کے معنی حرف باء کے مذکورہ تین معانی کی ترتیب سے یہ ہوئے:اللہ کے نام کے ساتھ،اللہ کے نام کی مدد سے،اللہ کے نام کی برکت سے،لیکن تینوں صورتوں میں یہ ظاہر ہے کہ یہ کلام نامکمل ہے،جب تک اس کام کا ذکر نہ کیا جائے جو اللہ کے نام کے ساتھ یا اس کے نام کی برکت سے کرنا مقصود ہے،اس لیے نحوی قاعدے کے مطابق یہاں کوئی فعل مناسب مقام محذوف ہوتا ہے،مثلاً''شروع کرتا ہوں یا پڑھتا ہوں اللہ کے نام کے ساتھ۔''اور مناسب یہ ہے کہ یہ فعل بھی بعد میں محذوف مانا جائے،تاکہ حقیقۃً شروع اسم اللہ ہی سے ہو، وہ فعل محذوف بھی اسم اللہ سے پہلے نہ آئے،صرف حرف باء کا اسم اللہ سے پہلے آنا عربی زبان کے لحاظ سے ضروری و ناگزیر ہے،اس میں بھی مصحف عثمانی میں باجماع صحابہؓ یہ رعایت رکھی گئی ہے کہ حرف باء رسم الخط کے قاعدے سے الف کے ساتھ ملا کر لکھنا چاہیے تھا اور لفظ اسم الگ،جس کی صورت ہوتی بِاسْمِ اللّٰهِ، لیکن مصحف عثمانی کے رسم الخط میں حرف ہمزہ کو حذف کر کے حرف باء کو سین کے ساتھ ملا کر صورۃً اسم کا جزء بنا دیا،تاکہ شروع اسم اللہ سے ہو جائے،یہی وجہ ہے کہ دوسرے مواقع میں یہ حرف الف حذف نہیں کیا جاتا،جیسے اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ میں ب کو الف کے ساتھ لکھا جاتا ہے،یہ صرف بسم اللہ کی خصوصیت ہے کہ حرف باء کو سین کے ساتھ ملا دیا گیا ہے۔''(معارف القرآن،ج ۱،ص:۷۵)

سُوْرَةٌ

(ج: سُوَرٌ)

جس طرح دنیا کی دوسری کتابیں مختلف ابواب وفصول میں تقسیم ہوتی ہیں اسی طرح قرآن مجید کو بھی مختلف پہلوؤں سے مختلف حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے مثلاً منزلوں، پاروں اور سورتوں وغیرہ میں۔ اِن تقسیمات میں سے سب سے اہم تقسیم سورتوں کی تقسیم ہے۔ یہ تقسیم توقیفی ہے یعنی حضورؐ کے بتانے پر ایسا ہوا ہے۔ سورۃ میں جو''و'' ہے اسے اصلی یا بدلا ہوا ماننے کی صورت میں مشتقات میں فرق ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اگر''و'' کو اصلی مانا جائے تو:

(ا) یہ اَلسُّوْرَةُ سے مشتق ہوگا جس کے معنی ہیں بلند مرتبہ۔ نابغہ کا ایک شعر ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَعْطَاكَ سُوْرَةً ___ تَرٰی كُلَّ مَلِكٍ دُوْنَهَا يَتَذَبْذَبُ یعنی بے شک اللہ نے تمہیں ایسا ''بلند مرتبہ'' بخشا ہے جس کے ورے ہر بادشاہ متذبذب نظر آتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی ہر سورۃ اپنے بلند رتبے کی وجہ سے ''سورۃ'' کہلاتی ہے۔

(ب) یا سورۃ کا لفظ سُوْرُ الْمَدِيْنَةِ سے ماخوذ ہے۔ سُوْرٌ عربی زبان میں اونچی اور بلند دیوار کو کہتے ہیں۔ وہ دیوار جو کسی مکان کی نہیں بلکہ کسی شہر، قلعہ یا احاطہ کے گرد حفاظت کے لیے بنائی گئی ہو اور سُوْرَةُ الْمَدِيْنَةِ شہر پناہ کو کہتے ہیں۔ چنانچہ اس معنی کے اعتبار سے قرآن مجید کی ہر سورۃ بھی اپنے مضامین کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

(ج) اگر ''و'' کو اصلی نہ مانا جائے اور بدلا ہوا مانا جائے تو اِس صورت میں یہ سُؤْرَةٌ (مہموز العین) سے مشتق ہے جس کے معنی کسی شے کے بقیہ اور بچے ہوئے حصے (ٹکڑا) کے ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے سورۃ بھی قرآن مجید کا ایک ٹکڑا اور حصہ ہے۔ اس صورت میں ''و'' کو ''ء'' سے بدلا ہوا مانا جائے گا۔ (واللہ اعلم)

شرع میں قرآنِ مجید کے اس حصے کو ''سورۃ'' کہتے ہیں کہ جس میں کم از کم تین آیتیں ہوں اور اس حصے کا کوئی نام معین بھی ہو جیسے سورہ فاتحہ، بقرہ وغیرہ (حقانیؒ)۔

قرآن مجید میں سورتوں کی جو ترتیب رکھی گئی ہے ان میں سب سے پہلے سورۃ الفاتحہ ہے۔ سورۃ الفاتحہ کے بعد وہ سورتیں ہیں جن کو اَلسَّبْعُ الطِّوَالُ کہا جاتا ہے یعنی ''سات لمبی سورتیں''۔ یہ سات سورتیں مشہور قول کے مطابق مندرجہ ذیل ہیں (1) البقرۃ (2) آل عمران (3) النساء (4) المائدۃ (5) الانعام (6) الاعراف (7) الانفال اور التوبۃ (دونوں ملا کر) واللہ اعلم۔ اس کے بعد وہ سورتیں ہیں جن کی کم وبیش سو سو آیات ہیں۔ یہ سورۂ یونس سے سورہ فاطر تک ہیں۔ اِن کو اصطلاح میں ''مِئِيْن'' کہا جاتا ہے۔ اِن سورتوں کے بعد ''مَثَانِيْ'' ہیں، جن میں مضامین دہرا دہرا کر بیان کیے گئے ہیں۔ یہ سورۂ یٰسٓ سے سورۂ فتح تک ہیں (ایک قول کے مطابق ''مِئِيْن'' میں سے الحج، النور، الفرقان، العنکبوت اور الروم مَثَانِيْ میں سے ہیں۔ واللہ اعلم) پھر قرآن مجید کے آخر میں وہ چھوٹی سورتیں آتی ہیں جن کو مُفَصَّل یا مُفَصَّلَات کہتے ہیں۔ اِن کو مفصّل یا مفصّلات اِس لیے کہتے ہیں کہ یہ سورتیں پورے قرآن مجید کا خلاصہ ہیں۔ اِن مفصّلات میں پھر تقسیم کی گئی ہے۔ حجرات سے نازعات تک، طِوَالُ مُفَصَّلٍ کہلاتی ہیں۔ عبس سے الشّمس تک اَوْسَاطُ مُفَصَّلٍ کہلاتی ہیں اور الضحیٰ سے الناس تک قِصَارُ مُفَصَّلٍ کہلاتی ہیں۔ سورتوں کی یہی ترتیب حضور ﷺ کی ایک حدیث میں بھی بیان ہوئی ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ ترتیب خود حضور ﷺ ہی کی اختیار کردہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے تورات کے بدلے السبع الطوال، زبور کے بدلے مئین اور انجیل کی جگہ مثانی عطا کی گئی ہیں اور جو مجھے بطور فضیلت ملا وہ مفصّل ہیں۔'' (مسند احمد جلد ۴، ص: ۱۰۷)۔ سورتوں کی اس تقسیم کے علاوہ مُسَبِّحَاتٌ ان سورتوں کو کہتے ہیں جن کی ابتداء لفظ سُبْحَانَ، سَبَّحَ، يُسَبِّحُ یا سَبِّحْ سے ہوتی ہیں۔ یہ سات سورتیں ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں: (1) بنی اسرائیل (2) الحدید (3) الحشر (4) الصّف (5) الجمعہ (6) التغابن (7) الاعلیٰ۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ ''قرآن کے مجموعی نظام کا ظاہری پہلو'' کے تحت فرماتے ہیں:

''اگر آپ سورتوں کی اس ترتیب پر ایک نظر ڈالیں، جس ترتیب سے وہ مصحف میں ہیں تو ایک چیز آپ کو بالکل صاف نظر آئے گی کہ قرآن میں مکی اور مدنی سورتوں کے ملے جلے سات گروپ بن گئے ہیں جن میں سے ہر گروپ ایک یا ایک سے زائد مکی سورتوں سے شروع ہوتا ہے اور ایک یا ایک سے زیادہ مدنی سورتوں پر تمام ہوتا ہے۔ ہر گروپ میں پہلے مکی سورتیں ہیں۔ ان کے بعد مدنی سورتیں ہیں۔

پہلا گروپ فاتحہ سے شروع ہوتا ہے، مائدہ پر ختم ہوتا ہے۔ اس گروپ میں فاتحہ مکی ہے باقی چار مدنی ہیں۔

دوسرا گروپ انعام اور اعراف دو مکی سورتوں سے شروع ہوتا ہے اور انفال و توبہ دو مدنی سورتوں پر ختم ہوتا ہے۔

تیسرے گروپ میں پہلے 14 سورتیں یونس تا مومنون مکی ہیں۔ آخر میں سورہ نور ہے جو مدنی ہے۔ اس گروپ کی دو سورتوں رعد اور حج کو بعض لوگوں نے مدنیات میں شمار کیا ہے لیکن یہ خیال غلط ہے۔ اس مسئلے پر ہم مذکورہ سورتوں کی تفسیر میں بحث کریں گے۔

چوتھا گروپ فرقان سے شروع ہوتا ہے، احزاب پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں 8 سورتیں مکی ہیں۔ آخر میں ایک احزاب مدنی ہے۔

پانچواں گروپ سبا سے شروع ہوتا ہے، حجرات پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں 13 سورتیں مکی ہیں۔ آخری تین مدنی ہیں۔

چھٹا گروپ ق سے شروع ہو کر تحریم پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں پہلے سات مکی ہیں اس کے بعد دس مدنی۔ اس گروپ میں بعض لوگوں نے سورۂ رحمان کو مدنی قرار دیا ہے لیکن ہم سورہ کی تفسیر میں واضح کریں گے کہ یہ خیال بے بنیاد ہے۔

ساتواں گروپ ملک سے شروع ہو کر الناس پر ختم ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک اس میں بھی مکیات اور مدنیات کی ترتیب اسی طرح ہے جس طرح دوسرے گروپوں میں ہے لیکن اس کی سورہ دہر اور آخری بعض سورتوں کے بارے میں چونکہ اختلافات ہیں اس وجہ سے ان پر بھی ہم ان سورتوں کی تفسیر ہی میں بحث کریں گے۔

سورتوں کی یہ ترتیب، ہر صاحب علم جانتا ہے کہ اتفاقی نہیں بلکہ توقیفی ہے۔ یہ وہ ترتیب ہے جس ترتیب پر قرآن لوح محفوظ میں ہے۔ یہی ترتیب ہے جس پر نبی ﷺ اور حضرت جبریل امین، جیسا کہ حدیثوں سے ثابت ہے، ہر رمضان میں قرآن مجید کا مذاکرہ فرماتے تھے۔ اسی ترتیب کے مطابق صحابہ رضی اللہ عنہم بھی رمضان میں قرآن مجید سنتے سناتے تھے۔ اور اسی ترتیب کے مطابق سیدنا عثمان غنیؓ نے مصحف کی نقلیں تمام ممالک اسلامیہ میں بھجوائیں۔ اس وجہ سے یہ ترتیب حکمت سے خالی نہیں ہو سکتی۔'' (تدبر قرآن، ج ۱، ص: ۲۵)

اٰیَۃٌ

(ج: اٰیَاتٌ)

مولانا مودودیؒ لفظ آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’آیت کے اصل معنی اس نشانی یا علامت کے ہیں جو کسی چیز کی طرف رہنمائی کرے۔قرآن میں یہ لفظ چار مختلف معنوں میں آیا ہے۔

(1) کہیں اس سے مراد محض علامت یا نشانی ہی ہے۔

(2) کہیں آثارِ کائنات کو اللہ کی آیات کہا گیا ہے، کیونکہ مظاہر قدرت میں سے ہر چیز اُس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے جو اس ظاہری پردے کے پیچھے مستور ہے۔

(3) کہیں ان معجزات کو آیات کہا گیا ہے جو انبیاء علیہم السلام لے کر آتے تھے، کیونکہ یہ معجزے دراصل اس بات کی علامت ہوتے تھے کہ یہ لوگ فرمانروائے کائنات کے نمائندے ہیں۔

(4) کہیں کتاب اللہ کے فقروں کو آیات کہا گیا ہے، کیونکہ وہ نہ صرف حق اور صداقت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، بلکہ فی الحقیقت اللہ کی طرف سے جو کتاب بھی آتی ہے، اس کے محض مضامین ہی میں نہیں، اس کے الفاظ اور اندازِ بیان اور طرزِ عبارت تک میں اس کے جلیل القدر مصنف کی شخصیت کے آثار نمایاں طور پر محسوس ہوتے ہیں۔

ہر جگہ عبارت کے سیاق وسباق سے بآسانی معلوم ہو جاتا ہے کہ کہاں ’’آیت‘‘ کا لفظ کس معنی میں آیا ہے۔(تفہیم القرآن، ج ا، ص:٦٩)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ الفاتحۃ

آیت:1-2

﴿ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ﴿۱﴾ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۙ﴿۲﴾ ﴾

ح م د

(باب)	مصدر/اسم	معانی
(س)	حَمۡدًا	محسن کی تعریف کرنا۔ اُس کے فضائل بیان کرنا بشرطیکہ وہ افعال اختیاری ہوں۔ (نوٹ: حمد کی مزید تفصیل آگے نوٹ میں دیکھیں)۔
	حَامِدٌ	ج: حَامِدُوۡنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ حمد کرنے والا۔ ﴿ اَلتَّآئِبُوۡنَ الۡعٰبِدُوۡنَ الۡحٰمِدُوۡنَ ﴾ (9/التوبۃ:112) ''توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے۔''
	مَحۡمُوۡدٌ	اسم المفعول ہے۔ حمد کیا ہوا یعنی جس کی تعریف کی گئی۔ ﴿ عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا ﴿۷۹﴾ ﴾ (17/بنی اسرائیل:79) ''قریب ہے کہ آپ ﷺ کو پہنچا دے، آپ ﷺ کا رب، حمد کئے ہوئے مقام پر۔''
(تفعیل)	تَحۡمِیۡدًا	محسن کی کثرت سے حمد کرنا۔
	مُحَمَّدٌ	اسم المفعول ہے۔ اَلۡمُحَمَّدُ ھُوَ الَّذِیۡ حُمِدَ مَرَّۃً بَعۡدَ مَرَّۃٍ۔ محمد وہ ہے جس کی بار بار تعریف کی گئی ہو۔ کثرت سے حمد کیا ہوا۔ حضور ﷺ کا نام مبارک۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں ''جس کی تعریف کی جائے اُسے محمود کہا جاتا ہے۔ مگر مُحَمَّدٌ صرف اسی کو کہہ سکتے ہیں جو بکثرت قابل ستائش خصلتیں رکھتا ہو۔'' ﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ ؕ ﴾ (48/الفتح:29) ''محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔'' (نوٹ: محمد کی مزید تفصیل آگے نوٹ میں دیکھیں)
	اَحۡمَدُ	افعل تفضیل ہے۔ دوسروں کی بنسبت زیادہ (تفضیل بعض) یا سب سے زیادہ (تفضیل کل) حمد کرنے والا۔ حضور ﷺ کا نام مبارک۔ جب حضور ﷺ کے لیے یہ نام استعمال ہو تو معنی ہوتے ہیں اَحۡمَدُ الۡحَامِدِیۡنَ لِرَبِّہٖ یعنی تمام حمد کرنے والوں سے بڑھ کر اپنے رب کی حمد کرنے والا۔ ﴿ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوۡلٍ یَّاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِی اسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ ؕ ﴾ (61/الصّف:6) ''اور بشارت دینے والا ایک رسول کی، وہ آئیں گے میرے بعد، ان کا نام احمد ہوگا۔''
	حَمِیۡدٌ	فَعِیۡلٌ کا وزن اسم المفعول کے معنی میں یعنی مَحۡمُوۡدٌ۔ ہمیشہ ہمیشہ سے حمد کیا ہوا۔ وہ ذات جو حمد کی مستحق ہے کوئی حمد کرے یا نہ کرے۔ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں ''حمید کا لفظ اگرچہ محمود ہی کا ہم معنی ہے، مگر دونوں لفظوں میں ایک لطیف فرق ہے۔ محمود کسی شخص کو اُسی وقت کہیں گے جبکہ اس کی تعریف کی گئی ہو یا کی جاتی ہو۔ مگر حمید آپ سے حمد کا مستحق ہے، خواہ کوئی اس کی حمد کرے یا نہ کرے۔'' (تفہیم القرآن، جلد2، صفحہ469) ﴿ اَنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ ﴿۲۶۷﴾ ﴾ (2/البقرہ:267) ''بیشک اللہ تعالیٰ غنی ہے حمید ہے۔''

نوٹ: حَمۡدٌ حمد کہتے ہیں کسی کے اوصاف حمیدہ اور فضائل کے بیان کرنے کو بشرطیکہ وہ افعال اختیاری ہوں۔ حمد کا مفہوم سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ عربی ہی کے دو اور الفاظ ''مدح'' اور ''شکر'' کے مفہوم کو پہلے سمجھا جائے۔ حمد، مدح سے خاص اور شکر سے عام اور زیادہ وسیع ہے۔ اس کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے۔ مدح (تعریف کرنا) ان افعال پر بھی ہوتی ہے جو انسان اختیاری طور پر کرتا ہے اور ان خوبیوں پر بھی جو انسان میں پیدائشی طور پر موجود ہوں جن پر اس کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص سخی ہے اور سخاوت کرتا ہے تو یہ اس کا اختیاری فعل ہے چنانچہ اس پر جو تعریف کی جائے گی وہ مدح بھی ہے اور

حمد بھی۔ اگر یہی شخص خوبصورت ہے اور دراز قامت بھی تو اس پر بھی اس کی تعریف کی جائے گی لیکن یہ تعریف مدح کہلائے گی حمد نہیں کیونکہ حمد اختیاری افعال پر ہوتی ہے۔ چنانچہ ''ہر حمد تو مدح ہے لیکن ہر مدح، حمد نہیں'' (مفردات)۔ لہٰذا جیسے پہلے عرض کیا کہ ''حمد، مدح سے خاص ہے۔'' اللہ تعالیٰ کے لیے مدح کا لفظ غیر موزوں ہے کیونکہ اللہ کے سب افعال پسندیدہ بھی ہیں اور اختیاری بھی اور مدح کا لفظ قرآن مجید میں کہیں نہیں آیا۔ حمد کا لفظ صرف اچھی صفتیں بیان کرنے پر بولا جاتا ہے۔ اگر کسی کی بری صفات بیان کی جائیں گی تو حمد نہ ہوگی۔ شکر کسی کے احسانات و انعامات کی وجہ سے اس کی تعریف کو کہتے ہیں۔ اس کی ضد کفر ہے۔ کوئی چیز جتنی عیب و نقص سے پاک ہوگی اس کی اتنی ہی تعریف کی جائے گی اور اگر یہ احساس پیدا ہو جائے کہ وہ چیز ہمارے فائدے کے لیے ہے تو جو جذبہ پیدا ہوگا وہ شکر ہے اس شکر کے جذبے کے ساتھ جو تعریف کی جائے گی وہ حمد ہے۔ مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھوک میں کھلاتا ہے اور پیاس میں پلاتا ہے تو ان نعمتوں کا احساس اور اظہار شکر ہے۔ اور اس شکر کے جذبے سے اللہ تعالیٰ کی جو تعریف کی جائے گی وہ حمد ہے۔ لیکن اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا نظام کس خوبی سے چلا رہا ہے تو یہ صرف ''حمد'' ہوگی۔ اس لیے شروع میں عرض کیا کہ حمد، شکر سے زیادہ وسیع مفہوم رکھتی ہے۔ لہٰذا ''ہر شکر تو حمد ہے مگر ہر حمد، شکر نہیں'' (مفردات)۔ شکر اور حمد کے باہمی تعلق پر مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں: ''استعمالات کے لحاظ سے اگرچہ حَمْد کا لفظ شکر کے مقابل میں زیادہ وسیع ہے، شکر کا لفظ صرف انہی خوبیوں اور انہی کمالات کے اعتراف کے موقع پر بولا جاتا ہے جن کا فیض آدمی کو خود پہنچ رہا ہو، برعکس اس کے ''حمد'' ہر قسم کی خوبیوں اور ہر قسم کے کمالات کے اعتراف کے لیے عام ہے خواہ اُن کا کوئی فیض خود حمد کرنے والے کی ذات کو پہنچ رہا ہو یا نہ پہنچ رہا ہو، تاہم شکر کا مفہوم اِس لفظ کا جزوِ غالب ہے۔ اِس وجہ سے اس کے ترجمہ کا پورا پورا حق ادا کرنے کے لیے یا تو تعریف کے لفظ کے ساتھ ''شکر'' کا لفظ بھی ملانا ہوگا یا پھر شکر ہی کے لفظ سے اُس کی تعبیر کرنا زیادہ مناسب رہے گا'' (تدبر قرآن، ج ا، ص ۵۶)۔ ''قرآن مجید میں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے استعمالات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ عموماً شکر ادا کرنے کے لیے آیا ہے، مثلاً ﴿وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۣ﴾ (7/الاعراف:43) ''انہوں نے کہا، شکر کا سزاوار ہے اللہ جس نے ہمیں ہدایت بخشی۔'' اور ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ ؕ﴾ (14/ابراہیم:39) ''شکر ہے اللہ کے لیے جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیلؑ اور اسحاقؑ عطا فرمائے۔'' شاہ عبدالقادرؒ، ڈپٹی نذیر احمدؒ، مولانا فتح محمدؒ اور شیخ الہندؒ نے یہاں 'اَلْحَمْدُ' کا ترجمہ 'شکر' کیا ہے۔ مولانا تھانویؒ نے سورۂ فاتحہ کے حاشیہ میں لکھا ہے ''عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الشُّكْرُ لِلّٰهِ'' (ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے معنی ہیں، شکر اللہ کے لیے) امام ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' کے معنی ہیں شکر خالص اللہ جل ثناءہ کے لیے..... '' (تفسیر طبری جلد اول) امام رازیؒ کا ارشاد ہے ''حمد نعمتوں پر ہوتی ہے۔'' (تفسیر کبیر، جلد اول۔ بحوالہ فی ظلال القرآن، جلد اول، صفحہ 70)

نوٹ: مُحَمَّدٌ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''مُحَمَّدٌ لفظی معنی ہیں وہ شخص جس کی مدح بہت یا بار بار کی جائے یا جو صفات حسنہ کا مجموعہ ہو۔ يُقَالُ فُلَانٌ مُحَمَّدٌ اِذَا كَثُرَتْ خِصَالُهُ الْمَحْمُوْدَةُ (راغبؒ)۔ اسم علم ہے، ہمارے رسول ﷺ اور دنیا کے آخری نبی کا۔ حضور ﷺ کی بعثت سے قبل اس نام کا رواج بہت کم تھا۔ علامہ ابوجعفر محمد بن حبیب بغدادی المتوفی ۲۴۵ھ نے کل سات آدمی اس نام کے گنائے ہیں (کتاب المعتبر صفحہ 130) اور ان میں سے ایک محمد بن سفیان بن مجاشع کی بابت تو یہ کہا ہے کہ اُن کے والد نے ایک شامی راہب سے یہی سن کر کہ آئندہ پیمبر کا نام محمد ہوگا اپنے لڑکے کا یہی نام رکھ دیا۔'' (بحوالہ تفسیر ماجدیؒ صفحہ 191)

ترکیب الحمد میں ''ال'' استغراق کا ہے یعنی اشارہ جنسِ اسم اور اِس کی تمام قسموں کی طرف ہے یعنی حمد کی جتنی بھی صورتیں ممکن ہیں وہ سب اِس لفظ میں شامل ہیں اِس لیے الحمد کا ترجمہ ہوگا تمام حمد۔ اُردو زبان میں حمد کا مفہوم ادا کرنے کے لیے کوئی مناسب لفظ نہیں ہے اس لیے بہتر ہے کہ حمد کا ترجمہ حمد ہی سے کیا جائے البتہ ہمارے بزرگوں نے ہمیں اِس لفظ کا مفہوم سمجھانے کے لیے اُردو زبان میں اِس لفظ سے قریب ترین الفاظ کے ساتھ ترجمہ کیا ہے مثلاً ''سب تعریفیں''، ''ساری تعریف''، ''شکر کا سزاوار''۔ اَلْحَمْدُ مبتداء ہے اس کی خبر ثَابِتٌ (ثابت ہے) یا وَاجِبٌ (واجب ہے) محذوف ہے۔ لِلّٰهِ مرکب جاری ہے اور قائم مقام خبر ہے۔

ترجمہ

لِلّٰهِ	اَلْحَمْدُ
اللہ کے لئے ہے	تمام حمد

نوٹ:1 قرآن مجید میں سورتوں کے نام مرکب اضافی کی ترکیب میں لکھے ہیں۔چنانچہ سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃِ بھی مرکب اضافی ہے۔فَتَحَ سے اسم الفاعل واحد مونث فَاتِحَۃٌ بنتا ہے۔اس لئے اس کا لفظی ترجمہ ہوگا ''کھولنے والی کی سورۃ'' لیکن اردو محاورہ کے لحاظ سے ہم کہیں گے ''کھولنے والی سورۃ۔''

نوٹ:2 الف لام کی اقسام:الف لام کی دو قسمیں ہیں:(1)اسمی (2)حرفی

(1)الف لام اسمی: الف لام اسمی وہ ہے جو اسم فاعل اور اسم مفعول پر داخل ہوتا ہے اور یہ اَلَّذِیْ اسم موصول کے معنی میں ہوتا ہے اور اس کا صلہ وہ اسم فاعل اور اسم مفعول ہوتا ہے جس پر وہ داخل ہوتا ہے۔مثلاً ضَارِبٌ اسم الفاعل ہے اس پر 'ال' داخل کریں گے تو اَلضَّارِبُ بنتا ہے اور یہ 'ال'، اَلَّذِیْ کے معنوں میں ہے چنانچہ مطلب ہوگا اَلَّذِیْ یَضْرِبُ۔وہ جو مارتا ہے/ مارے گا۔مَضْرُوْبٌ اسم المفعول ہے اس پر 'ال' داخل کریں گے تو اَلْمَضْرُوْبُ بنتا ہے اور یہ 'ال'، اَلَّذِیْ کے معنوں میں ہے چنانچہ مطلب ہوگا اَلَّذِیْ یُضْرَبُ وہ جسے مارا جاتا ہے/ مارا جائے گا۔قرآن مجید کی سورۂ مائدۃ آیت 38 میں فرمایا وَالسَّارِقُ وَ السَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَھُمَا یہاں السَّارِقُ کا مطلب ہے اَلَّذِیْ یَسْرِقُ اور السَّارِقَۃُ کا مطلب ہے اَلَّتِیْ تَسْرِقُ۔

(2) الف لام حرفی: الف لام حرفی وہ ہوتا ہے جو اسم فاعل اور اسم مفعول کے علاوہ کسی اور اسم پر داخل ہو۔

الف لام حرفی کی پھر دو قسمیں ہیں (ا) زائدہ (ب) غیر زائدہ۔

زائدہ کی تعریف: الف لام حرفی زائدہ وہ ہوتا ہے جس کے گرانے سے معنی فاسد نہ ہو یا بعنوان دیگر جس کے آنے کا فائدہ نہ ہو اور جانے کا نقصان نہ ہو۔

غیر زائدہ کی تعریف:الف لام غیر زائدہ وہ ہوتا ہے جس کے آنے کا فائدہ ہو اور جانے کا نقصان ہو۔

پھر غیر زائدہ کی چار قسمیں ہیں:(۱) جنسی (۲) استغراقی (۳) عہد خارجی (۴) عہد ذہنی۔

الف لام کے مدخول (یعنی جس لفظ پر 'ال' داخل ہو) سے ماہیت (یعنی حقیقت، کیفیت) مراد ہوگی یا افراد، اگر ماہیت مراد ہو تو یہ الف لام جنسی ہوگا جیسے اَلرَّجُلُ خَیْرٌ مِّنَ الْمَرْاَۃِ (جنس مرد بہتر ہے جنس عورت سے) یہاں یہ معنی نہیں کہ افراد رجل، افراد مراۃ سے بہتر ہیں۔کیونکہ بہت سے افراد عورتوں کے مردوں کے افراد سے بہتر ہوتے ہیں جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وغیرہ۔اگر افراد مراد ہوں تو دو حال سے خالی نہیں تمام افراد مراد ہوں گے یا بعض، اگر تمام افراد مراد ہوں تو اس کو استغراقی کہتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ (بے شک تمام انسان خسارے میں ہیں)۔یہاں پر الف لام جو انسان پر داخل ہے استغراقی ہے یعنی اشارہ جنس انسان کے تمام افراد، مرد ہوں یا عورت، سب کی طرف ہے۔اگر الف لام کے مدخول سے بعض افراد مراد ہیں تو پھر یہ دو حال سے خالی نہ ہوگا وہ بعض افراد خارج میں متعین ہوں گے یا غیر متعین۔اگر متعین ہوں تو اس کو الف لام عہد خارجی کہتے ہیں اور اگر غیر متعین ہوں تو اس کو الف لام عہد ذہنی کہتے ہیں اول کی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ (پس فرعون نے رسول کی نافرمانی کی) اس مثال میں الرَّسُوْلَ سے مراد وہ متعین رسول ہیں جس کا ذکر پہلے اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاھِدًا عَلَیْکُمْ کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ۭ میں آ چکا ہے یعنی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں۔ثانی کی مثال، وَاَخَافُ اَنْ یَّاْکُلَهُ الذِّئْبُ (پس مجھے خوف ہے کہ کھا جائے گا اس کو بھیڑیا)۔ یہاں ذئب سے خارج میں کوئی متعین بھیڑیا مراد نہیں بلکہ کوئی بھیڑیا مراد ہے۔

فائدہ:(1) الف لام عہد ذہنی کا مدخول نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے معرفہ نہیں ہوتا۔اسی وجہ سے اس کو مبتدا بنانا بھی درست نہ ہوگا۔

فائدہ:(2) جو 'ال' اسم عَلَم پر داخل ہو وہ زائد ہوتا ہے کیونکہ اسم علم خود ہی معرفہ ہے۔لیکن ہر ایک اسم علم پر 'ال' نہیں لگایا جا سکتا ہے۔اہل زبان نے جہاں لگایا ہے وہیں لگے گا: الحسن، الخلیل، الفضل، العباس، النُّعمان، الحارث کہہ سکتے ہیں۔کیونکہ اہل زبان سے ایسا سنا گیا ہے مگر **المحمود** نہیں کہا جاتا۔

اکثر ملکوں کے نام پر 'ال' زائدہ لگایا جاتا ہے: الشّام، الرّوم، الھند، الباکستان، العرب، الیمن، الفرنسا وغیرہ لیکن شہروں کے نام پر بہت کم 'ال' آتا ہے۔مکۃ، مصر، بَغْدَادُ، لاھور وغیرہ پر 'ال' داخل نہیں ہوتا۔البتہ المدینہ پر 'ال' لگایا جاتا ہے کیونکہ مَدِیْنَۃٌ تو ہر ایک بڑے شہر کو کہہ سکتے ہیں۔اسی طرح القاھرۃ پر بھی لام تعریف داخل ہوتا ہے۔

نوٹ:3 اوپر بات ہوئی ہے کہ اَلْحَمْدُ کی خبر محذوف ہے۔ اس ضمن میں بات سمجھ لیں کہ ہر زبان میں کسی جملے میں سے کچھ الفاظ حذف کر دینے کا رواج ہے مثلاً گھر کی گھنٹی بجے تو ہم کہتے ہیں ''کون ہے؟''۔ یہاں لفظ ''آیا'' محذوف ہے۔ پورا جملہ ہے ''کون آیا ہے؟'' کسی کو جاتا دیکھ کر ہم کہتے ہیں کہاں؟ اس میں الفاظ ''جا رہے ہو'' محذوف ہے۔ اسی طرح عربی میں بھی اور قرآن مجید میں بھی محذوفات ملیں گے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جہاں جی چاہے اور جو جی چاہے محذوف مان لیا جائے۔ محذوفات کا فیصلہ زبان کے محاورہ اور جملہ کے سیاق و سباق کے پیش نظر کیا جاتا ہے۔

نوٹ۔4 عربی میں مرکب جاری اور ظرف، جملہ اسمیہ میں متعلق خبر بن کر آتے ہیں یعنی خبر کی وضاحت اور تشریح کرتے ہیں لیکن خود خبر نہیں بنتے۔ جملہ میں خبر اگر محذوف ہو تو پھر یہ قائم مقام خبر کہلاتے ہیں۔ مثلاً اَلرَّجُلُ مَوْجُوْدٌ فِی الْبَیْتِ میں فِی الْبَیْتِ متعلق خبر ہے۔ اور اَلرَّجُلُ فِی الْبَیْتِ میں فِی الْبَیْتِ قائم مقام خبر ہے۔

ر ب ب

(ن) رَبًّا اس لفظ میں دو مفہوم پائے جاتے ہیں: (1) مالک ہونا۔ (2) تربیت کرنا، پرورش کرنا۔ صاحبؒ ضیاء القرآن فرماتے ہیں ''رب مصدر ہے اس کا معنی ہے تربیت اور تربیت عربی میں کہتے ہیں تَبْلِیْغُ الشَّیْءِ اِلٰی کَمَالِہٖ بِحَسْبِ اِسْتِعْدَادِہِ الْاَزَلِیْ شَیْئًا فَشَیْئًا (روح المعانی) کسی چیز کو اس کی ازلی استعداد و فطری صلاحیت کے مطابق آہستہ آہستہ مرتبۂ کمال تک پہنچانا۔'' (ضیاء القرآن، ج ۱، ص ۲۲)۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''ھُوَ اِنْشَاءُ الشَّیْءِ حَالًا فَحَالًا اِلٰی حَدِّ التَّمَامِ یعنی کسی چیز کو یکے بعد دیگرے ایک حالت سے دوسری حالت میں اس طرح نشوونما دیتے رہنا کہ حدِ کمال تک پہنچ جائے۔'' (بحوالہ لغات القرآن، ج ۳، ص ۴۵)

رَبٌّ ج: اَرْبَابٌ۔ تربیت کرنے والا، پرورش کرنے والا، پالنے والا، پروردگار۔ (یہ مصدر ہے لیکن بطور اسم الفاعل بھی استعمال ہوتا ہے)۔ کسی چیز کو آہستہ آہستہ درجۂ کمال تک پہنچانے والا اور اُس کی تمام ضروریات کا خیال رکھنے والا۔ اِس تربیت میں محبت، حفاظت اور نگہداشت کا عنصر موجود ہوتا ہے جیسے ماں باپ کا بچے کو پالنا۔ رَبٌّ اضافت اور لام تعریف کے بغیر ہو تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اضافت کے ساتھ اللہ اور دوسروں پر بھی بولا جاتا ہے اور اس صورت میں عام طور پر ''مالک، آقا'' کے معنی دیتا ہے۔ جیسے رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (تمام جہانوں کا پالنے والا یا تمام جہانوں کا مالک) اور رَبُّ الدَّارِ (گھر کا مالک)۔ قرآن مجید میں آتا ہے ﴿قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ؕ﴾ (12/ یوسف:23) ''یوسفؑ (پاکباز) نے فرمایا خدا کی پناہ! (یوں نہیں ہوسکتا) وہ (تیرا خاوند) میرا محسن ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن) اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''اِنَّهٗ میں ضمیر زلیخا کے شوہر عزیز مصر کی جانب ہے۔ رَبِّیْ۔ لفظ رب ظاہر ہے کہ یہاں خالق و پروردگار کے معنی میں نہیں دنیوی مالک اور آقائے مجازی کے معنی ہی میں ہے۔'' اور فرمایا: ﴿وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ ۫ فَاَنْسٰىهُ الشَّیْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ﴾ (12/ یوسف:42) ''اور کہا یوسفؑ نے اُسے جس کے بارے میں اُن کو یقین تھا کہ وہ نجات پا جائے گا اُن دونوں میں سے کہ اپنے آقا سے میرا ذکر کرنا۔ مگر شیطان نے اسے ایسا غفلت میں ڈالا کہ وہ اپنے آقا سے اس کا ذکر کرنا بھول گیا۔'' اس آیت کی تفسیر میں مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں ''عِنْدَ رَبِّكَ یعنی اپنے آقا بادشاہ ملک سے...... بعض جدید اہل قلم نے بادشاہ کے لیے ایک پیمبر کی زبان سے لفظ رب کے ادا ہونے پر بڑی حیرت کا اظہار کیا ہے۔ حالانکہ جب لفظ کے کھلے ہوئے معنی علاوہ خالق پروردگار کے آقا و مالک کے بھی موجود ہیں تو اس کے استعمال پر یہ اظہار حیرت خود حیرت انگیز ہے۔ پیغمبرؑ حقائق کے ترجمان ہوتے ہیں ان کی زبان آجکل کے اخبار نویسوں، پرجوش خطیبوں اور سیاسی لیڈروں کی زبان نہیں ہوتی۔ مالک و آقا کی تعبیر لفظ رب سے کرنا زبان عرب میں عام ہے۔''

رَبَّانِيٌّ
ج: رَبَّانِيُّوْنَ۔ اسم نسبت ہے۔ رب والا۔ اللہ والا۔ رَبَّانِيٌّ میں 'الف' اور 'ن' کا اضافہ مبالغے کے لیے ہے یعنی بالکل اللہ والا۔ پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''رَبَّانِيٌّ، رب کی طرف منسوب ہے اس نسبت کی وجہ سے اسے رَبِّيٌّ ہونا چاہیے تھا۔ لیکن بسا اوقات مبالغہ کے لیے الف نون کا اضافہ کر دیا کرتے ہیں۔ مثلاً (لِحْيَةٌ بمعنی داڑھی سے) جس کی بڑی گھنی داڑھی ہو اُسے باضافہ الف نون لِحْيَانِيٌّ اور (رَقَبَةٌ بمعنی گردن سے) جس کی گردن بہت فربہ ہو اُسے باضافہ الف نون رَقَبَانِيٌّ کہا جاتا ہے۔ اس صورت میں اس کا معنی ہوگا بالکل اللہ والا۔ مبرد نے اس کا ایک دوسرا ماخذ بتایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ ربّان کی جمع ہے جو رَبَّهٗ يَرُبُّهٗ فَهُوَ رَبَّانٌ سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے تربیت نفوس، اِصلاح احوال اور تدبیر اُمور کرنے والا۔ اب رَبَّانِيٌّ کا معنی ہوگا نوعِ انسانی کی صحیح تربیت اور ان کی اِصلاح کرنے والا۔'' (ضیاء القرآن، ج۱، ص۲۴۷، تلخیصاً) ﴿لَوْ لَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ﴾ (5/المائدہ:63) ''کیوں نہیں منع کرتے ان کو اللہ والے لوگ۔''

رِبِّيُّوْنَ
اس کی واحد رِبِّيٌّ ہے۔ مراد ہے اللہ والے یا جماعتیں۔ حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''ربّ کی طرف منسوب ہے جیسے رَبَّانِيٌّ، معنی ہیں رب والے۔ اس میں حرف را مفتوح کی بجائے مکسور خلاف قیاس ہوا ہے (روح)۔ بعض حضرات نے اس کے معنی بہت سی جماعتوں کے کیے ہیں ان کے نزدیک یہ رِبَّةٌ بکسر را بمعنی الجماعۃ کی طرف منسوب ہے۔'' (معارف القرآن، جلد2، صفحہ 200)۔ اور پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''رِبِّيُّوْنَ کی را پر تینوں حرکتیں آسکتی ہیں۔ زمخشری نے تو اس کا معنی رب والے ہی کیا ہے۔ اَلرِّبِّيُّوْنَ: اَلرَّبَّانِيُّوْنَ (کشاف)۔ لیکن علامہ قرطبیؒ نے اس کا دُوسرا معنی انبوہِ کثیر بھی لکھا ہے اَلرِّبِّيُّوْنَ: اَلْجَمَاعَةُ الْكَثِيْرَةُ۔ اِس صورت میں اس کا واحد رُبِّيٌّ ہے اور رِبَّةٌ بمعنی جماعت کی طرف منسوب ہے۔ (ضیاء القرآن، جلد 1، صفحہ:281)۔ ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ﴾ (3/آل عمران:146) ''اور کتنے ہی نبی گزرے ہیں کہ جہاد کیا ان کے ہمراہ بہت سے اللہ والوں نے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

رَبِيْبَةٌ
ج: رَبَائِبُ۔ زیر تربیت سوتیلی بیٹی۔ ﴿وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ﴾ (4/النساء:23) ''اور تمہاری سوتیلی بیٹیاں جو تمہاری گودوں میں ہیں۔''

رُبَمَا
یہ حرف جر 'رُبَ' اور 'مَا' کافہ سے مرکب ہے۔ حرف جر رُبَّ، تشدید اور تخفیف (رُبَ) دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ رُبَّ اسم پر داخل ہوتا ہے اور رُبَمَا فعل پر بھی داخل ہو جاتا ہے۔ سیاق کلام کے مطابق رُبَمَا کسی چیز کی کثرت یا قلت کو ظاہر کرتا ہے۔ یعنی تکثیر کے اعتبار سے اس کا ترجمہ ''بہت زیادہ'' یا ''بار بار'' کیا جاتا ہے اور تقلیل کے اعتبار سے اس کا ترجمہ ''کبھی کبھی'' کیا جاتا ہے۔ ویسے کلام عرب میں یہ کافی استعمال ہوتا ہے لیکن قرآن مجید میں صرف سورۃ الحجر کی آیت 2 میں استعمال ہوا ہے۔ ﴿رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝٢﴾ (15/الحجر:2) ''کافر بار بار تمنا کریں گے کہ کاش ہم مسلمان ہوتے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ''(عذاب میں گرفتار ہونے کے بعد) بہت آرزو کریں گے کفار کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت میں رُبَمَا کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''رُبَمَا۔ یہ کلماتِ حسرت کی تکرار شاید اس لیے کہ جب جب کوئی نئی شدت واقع ہوگی، اور ساتھ ہی محسوس ہوگا کہ اس کی علت کفر ہی ہے، تو یہ حسرت ہر دفعہ تازہ ہو جائے گی۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص۵۶۹)

ع ل م

(ن۔ض) **عَلْمًا** نشان لگانا۔ پہچان بنانا۔

عَلَمٌ ج: اَعۡلَامٌ۔ نشان۔جھنڈا۔اونچا پہاڑ۔محل۔﴿ وَمِنۡ اٰيٰتِهِ الۡجَوَارِ فِى الۡبَحۡرِ كَالۡاَعۡلَامِ ﴾(42/الشوریٰ:32) ''اوراس کی نشانیوں میں سے جہاز ہیں سمندر میں اونچے پہاڑوں کی مانند۔''

عَلَامَةٌ ج: عَلَامَاتٌ۔نشان۔علامت۔﴿ وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجۡمِ هُمۡ يَهۡتَدُوۡنَ ﴾(16/النحل:16)''اور علامتیں بھی (بنائیں) اور ستاروں سے بھی (لوگ) راہ پاتے رہتے ہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

عَالَمٌ ج: عَالَمُوۡنَ۔فَاعَلٌ اسم الآلہ کا ایک وزن ہے۔ پہچاننے کا ذریعہ۔ یہ عَلَمٌ سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے نشانی، علامت، ایسی علامت اور نشانی جس سے کسی کی پہچان ہو۔ یہ کائنات اللہ تعالیٰ کی کاریگری کی علامت ہے جس سے ہم اُس کی پہچان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے کو عَالَمٌ کہتے ہیں۔ اس میں تمام مخلوق شامل ہے خواہ زمین پر ہو، آسمانوں میں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ بعض اہل علم کے نزدیک عَالَمٌ نام ہے اُس چیز کا جس کے ذریعے سے علم حاصل ہو۔ پھر ان چیزوں کے لیے استعمال ہونے لگا جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا علم حاصل ہو۔ جب اِس کی جمع عالمین بولی جائے تو یہ اور بھی عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ قرآن مجید میں صرف جمع ہی استعمال ہوئی ہے۔ آیت زیر مطالعہ۔

(س) عِلۡمًا حقیقت کو پہچان لینا۔جاننا۔﴿ قَدۡ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشۡرَبَهُمۡ ؕ ﴾(2/البقرۃ:60)''پہچان لیا ہر گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ۔''﴿ اَوَلَا يَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا يُسِرُّوۡنَ وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ ﴾(2/البقرۃ:77)''کیا وہ (یہ) نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہی جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔''

عِلۡمٌ اسم ذات بھی ہے۔علم۔قرآن مجید کی اصطلاح میں ''علم'' ایسی باتیں/حقائق کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے اپنے انبیاء و رسل کو دی ہوں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿ وَلَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَهۡوَآءَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴾(2/البقرۃ:145)''اور اگر (بفرض محال) آپؐ پیروی کریں ان کی خواہشوں کی اس کے بعد کہ آچکا آپؐ کے پاس علم تو یقیناً آپؐ اس وقت ظالموں میں (شمار) ہوں گے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اسی طرح قرآن میں جہاں کہیں علم کی نفی آئی ہے، بالعموم وہاں مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسی بات جس کی کوئی سند سابقہ انبیاء و رسل کی تعلیمات میں اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات یعنی قرآن و سنت میں موجود نہ ہو۔ جیسے فرمایا:﴿ وَلَا تَقۡفُ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ ؕ ﴾(17/بنی اسرائیل:36)''کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو۔ جس کا تمہیں علم نہ ہو۔''﴿ وَاِنۡ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنۡ تُشۡرِكَ بِىۡ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ ۙ فَلَا تُطِعۡهُمَا ﴾(31/لقمان:15)''اور اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی ایسے کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہرگز نہ مان۔'' یہ اور ایسے متعدد مقامات پر علم نہ ہونے کا مطلب ہے قرآن و سنت میں سند نہ ہونا۔

واضح رہے کہ قرآن مجید میں بعض مقامات پر یہ لفظ اصطلاحی کے بجائے لغوی مفہوم میں بھی آیا ہے جیسے قارون کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا:﴿ قَالَ اِنَّمَاۤ اُوۡتِيۡتُهٗ عَلٰى عِلۡمٍ عِنۡدِىۡ ؕ ﴾(28/القصص:78)''تو اس نے کہا ''یہ سب کچھ تو مجھے اس علم کی بنا پر دیا گیا ہے، جو مجھ کو حاصل ہے۔'' یہاں علم کا مطلب ہے تجربہ، مہارت، ہنر مندی۔ کوئی اگر آیت کے سیاق و سباق کو نظر میں رکھے تو وہ آسانی سے تمیز کر سکتا ہے کہ کہاں یہ لفظ لغوی مفہوم میں آیا ہے۔ حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں ''محاورہ قرآن میں علم سے مراد علم حقائق سے ہوتی ہے اور بے علمی سے مراد اس علم سے محرومی ہے۔ علم سے قرآنِ مجید میں کہیں بھی وہ چیزیں مراد نہیں لی ہیں جنہیں دنیا میں علوم و فنون کہا جاتا ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ، صفحہ 929) ۔قرآن مجید کی ایک آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی عِلۡمٌ بمعنی نشانی کہا گیا ہے ﴿ وَاِنَّهٗ لَعِلۡمٌ لِّلسَّاعَةِ ﴾ (43/الزخرف:61)''اور وہ (یعنی ابن مریم) دراصل قیامت کی ایک نشانی ہیں۔''

اَعْلَمُ (1) مضارع کا واحد متکلم کا صیغہ ہے۔ میں جانتا ہوں۔ ﴿ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ (2/البقرۃ:30) ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک میں جانتا ہوں وہ جو تم نہیں جانتے۔'' ﴿ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ﴾ (5/المائدۃ:116) ''اور میں نہیں جانتا جو آپ کے جی میں ہے۔''

(2) افعل التفضیل میں واحد مذکر کا صیغہ ہے۔ کسی سے زیادہ یا سب سے زیادہ جاننے والا۔ ﴿ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ﴾ (2/البقرۃ:140) ''آپؐ فرمائیے کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ۔'' ﴿ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ﴾ (68/القلم:7) ''بے شک آپؐ کا رب خوب جانتا ہے اُسے جو گمراہ ہوا اُس کے راستے سے۔'' اس صورت میں عام طور پر 'بِ' کا صلہ آتا ہے۔ (واللہ اعلم)

اِعْلَمْ ج: اِعْلَمُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو جان۔ ﴿ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾ (2/البقرۃ:260) ''خوب اچھی طرح سے جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ عزیز اور حکیم ہے۔'' ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴾ (2/البقرۃ:194) ''اور تقویٰ اختیار کرو اللہ تعالیٰ کا اور خوب اچھی طرح سے جان لو کہ اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے۔''

عَالِمٌ ج: عَالِمُوْنَ۔ عالم۔ جاننے والا۔ ﴿ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ﴾ (6/الانعام:73) ''وہ ہر چھپی چیز اور ظاہر چیز کا جاننے والا ہے۔'' ﴿ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴾ (29/العنکبوت:43) ''اور ان کو وہی لوگ سمجھتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں۔''

عَلِيْمٌ ج: عُلَمَاءُ۔ فَعِيْلٌ کے وزن پر مبالغے کا صیغہ ہے۔ ہمیشہ اور ہر حال میں جاننے والا۔ ﴿ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ (2/البقرۃ:29) ''اور وہ ہر چیز کو ہمیشہ سے جاننے والا ہے۔'' ﴿ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ﴾ (37/فاطر:28) ''حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اُس سے ڈرتے ہیں۔''

اَلْعَلِيْمُ اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ <u>نوٹ</u>: عُلَمَاءُ، قرآنِ مجید میں دو ہی مرتبہ استعمال ہوا ہے، الشعراء کی آیت 197 میں اور فاطر 28 میں۔ اور دونوں جگہ اس کا رسم الخط میم کے بعد واؤ کے ساتھ ہے جس پر ہمزہ ہے اور واؤ کے بعد الف بھی لکھا جاتا ہے یعنی: عُلَمٰٓؤُا یہ اس کا مخصوص املاء ہے۔

عَلَّامٌ فَعَّالٌ مبالغہ کا وزن ہے۔ عَلَّامٌ اسی وزن پر ہے۔ اس کے آگے ۃ مبالغہ لگا دیں تو عَلَّامَةٌ بنتا ہے۔ مطلب ہے بہت زیادہ جاننے والا۔ ﴿ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴾ (5/المائدہ:109) ''بیشک تو غیب کا بہت زیادہ جاننے والا ہے۔''

مَعْلُوْمٌ اسم المفعول ہے۔ جس کو جانا گیا۔ جانا ہوا۔ معلوم۔ ﴿ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ﴾ (15/الحجر:4) ''اور نہیں ہلاک کیا ہم نے کسی بستی کو مگر یہ کہ اس کی (ہلاکت کا وقت) لکھا ہوا تھا جو معلوم تھا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

مَعْلُوْمَةٌ ج: مَعْلُوْمَاتٌ۔ مَعْلُوْمٌ کا مونث۔ ﴿ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ﴾ (2/البقرۃ:197) ''حج کے چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں۔''

(تفعیل) **تَعْلِيْمًا** رفتہ رفتہ تدریجاً علم دینا۔ سکھانا۔ ﴿ اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ ﴾ (55/الرحمٰن:1-2) ''رحمٰن نے قرآن کا علم دیا۔''

مُعَلِّمٌ اسم الفاعل ہے۔ علم سکھانے والا۔

مُعَلَّمٌ اسم المفعول ہے۔ جس کو علم سکھایا گیا۔ ﴿ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴾ (44/الدخان:14) ''پھر انہوں نے منہ پھیر لیا اس سے اور کہا سکھایا ہوا ہے، دیوانہ۔''

(تفعّل) **تَعَلُّمًا** کوشش کر کے، محنت کر کے علم حاصل کرنا، سیکھنا۔ ﴿ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ﴾ (2/البقرۃ:102) ''اور وہ لوگ سیکھتے ہیں جو ان کو نقصان دیتا ہے اور نفع نہیں دیتا۔''

ترکیب رَبِّ الْعَالَمِيْنَ مرکب اضافی ہے اور اس کے مضاف رَبِّ کی جر بتا رہی ہے کہ یہ اَللّٰهِ کی صفت یا بدل ہے۔ بدل ماننے سے ترجمہ

میں آسانی ہوگی۔اسی طرح اَلرَّحْمٰنِ اور الرَّحِیْمِ کی جر بتارہی ہے کہ یہ بھی اَللّٰہِ کی صفت یا بدل ہیں۔

ترجمہ	رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ	الرَّحْمٰنِ	الرَّحِیْمِ
	جوتمام جہانوں کا پرورش کرنے والا ہے	جو رحمٰن ہے	جو رحیم ہے

نوٹ۔1 یہاں عالمین جمع کے صیغے میں آنے کے متعلق حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عالم کا بھی رب ہے جسے ہم جانتے ہیں اور ان تمام عالموں کا بھی ربّ ہے جنہیں ہم نہیں جانتے۔

آیت:3

﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝٣ ﴾

م ل ك

(ض) **مِلْكًا** مالک ہونا۔غالب ہونا۔اختیار رکھنا۔﴿ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا ﴾(7/الاعراف:188)''آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ میں اختیار نہیں رکھتا اپنے نفس کے لئے کسی نفع کا اور نہ ہی کسی نقصان کا۔''

مَالِكٌ اسم الفاعل ہے۔مالک۔غالب ہونے والا۔اختیار رکھنے والا۔آیت زیر مطالعہ۔

مَمْلُوْكٌ اسم المفعول ہے۔غلام۔وہ جو کسی کی ملکیت میں ہو۔﴿ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا ﴾(16/النحل:75)''بیان کی اللہ نے ایک مثال ایک غلام بندے کی۔''

مُلْكٌ ملک۔جس پر اختیار واقتدار حاصل ہو۔﴿ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ﴾(3/آل عمران:26)''آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اے اللہ ملک کے مالک تو ملک دیتا ہے جس کو تو چاہتا ہے اور تو ملک چھین لیتا ہے جس سے تو چاہتا ہے۔''

مَلْكٌ اختیار۔﴿ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا ﴾(20/طٰہٰ:87)''انہوں نے جواب دیا''ہم نے آپ سے وعدہ خلافی اپنے اختیار سے نہیں کی۔''

مَلِكٌ ج:مُلُوْكٌ۔بادشاہ۔''عربی زبان میں مَلِكٌ ایسے شخص کو بھی کہہ دیا جاتا ہے جو آسودہ حال ہو،مکان،جائیداد،نوکر چاکر رکھتا ہو''(معارف القرآن)﴿ وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ﴾(12/یوسف:54)''اور بادشاہ نے کہا کہ اسے لے آؤ میرے پاس۔''﴿ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا ﴾(27/النحل:34)''بیشک بادشاہ جب داخل ہوتے ہیں کسی بستی میں تو اس میں بگاڑ پیدا کرتے ہیں۔''

مَلِيْكٌ مَلِكٌ سے صفت کا صیغہ برائے مبالغہ ہے۔بہت بڑا بادشاہ۔﴿ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝٥٥ ﴾(54/القمر:55)''سچی عزت کی جگہ،بڑے ذی اقتدار بادشاہ کے قریب۔''

مَلَاكٌ ، مَلَكٌ ج: مَلَائِكَةٌ ۔فرشتہ۔مَلَكٌ لفظ اَلُوْكَةٌ سے مشتق ہے۔جس کے معنی ہیں''پیغام رسانی''کیونکہ فرشتے اللہ تعالیٰ کا پیغام اس کے مقبول بندوں تک پہنچانے کے لیے مامور ہیں اس لیے انہیں اس نام سے موسوم کیا گیا۔(ضیاء القرآن)۔مَلَائِكَةٌ میں'ۃ' تانیث الجمع کی ہے۔﴿ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ﴾(6/الانعام:50)''آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ میں نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور میں نہیں جانتا غیب کو اور میں نہیں کہتا تم سے کہ میں فرشتہ ہوں۔''﴿ وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ﴾(2/البقرۃ:30)''اور یاد کرو جب فرمایا تمہارے رب نے فرشتوں سے کہ بے شک میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک نائب۔''

مَلَكُوْتٌ مُلْكٌ سے انتہائی مبالغے کا صیغہ ہے۔ بادشاہت (یہ لفظ صرف اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کے لئے مخصوص ہے اور اس لفظ میں مُلْكٌ (بادشاہی) اور مِلْكٌ (ملکیت) دونوں مفہوم شامل ہیں) ﴿ اَوَ لَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ﴾ (7/الاعراف:185) ''تو کیا یہ لوگ نظر نہیں کرتے زمین اور آسمانوں کی بادشاہت میں۔''

يَوْمٌ ج: اَيَّامٌ۔ بمعنی دن۔ غروب آفتاب سے لے کر اگلے دن کے غروب آفتاب تک کا وقت۔ لیل اور نہار کے وقت کا مجموعہ۔ ۲۴ گھنٹے۔ يَوْم کی یہ مدت انسان کے لیے ہے اور اس کا تصور بھی سورج اور زمین کی پیدائش کے بعد ہی کیا جا سکتا ہے ورنہ اللہ کے ہاں يَوْم کی مدت ایک طویل دور ہے خواہ یہ دور ہمارے حساب سے ہزاروں سال تک پھیلا ہوا ہو۔ اسی لیے زمین و آسمان کی پیدائش کے سلسلہ میں جب يَوْم کا ذکر آئے گا تو اس سے مراد ایک طویل دور ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴾ (22/الحج:47) ''اور بے شک تمہارے رب کے نزدیک ایک یوم تمہارے حساب کی رُو سے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔'' اسی طرح یوم الدین یعنی جزا و سزا کا دن بھی ایک طویل دور ہوگا جس کی مدت احادیث میں پچاس ہزار سال بیان کی گئی ہے۔ اَلْيَوْم: بمعنی آج کا دن۔ اور اَلْيَوْم کے وقت کی مقدار نَهَار کے مطابق ہوگی يَوْم کے مطابق نہیں۔ یعنی اس سے مراد طلوع آفتاب سے لے کر غروب آفتاب کا وقت ہوگا۔ ظلّ الیوم بمعنی آج سارا دن سایہ رہا (منجد)۔ اَلْيَوْم کا لفظ قرآن کریم میں بیشتر مقامات پر قیامت کے دن کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ يَوْمَئِذٍ: يَوْم کے بعد اِذْ کے اضافہ سے یہ لفظ بنا ہے جو کسی معین زمانہ کی طرف اشارہ کے لیے آتا ہے۔ بمعنی اُس دن یا وہ دن۔ قرآن مجید میں یہ لفظ م کی زیر کے ساتھ يَوْمِئِذٍ بھی استعمال ہوا ہے۔ مثلاً: سورہ ھود، آیت 66۔

<u>نوٹ:</u> عربی زبان میں نعمتوں کو بھی ایّامٌ کہا جاتا ہے اور اس سے مراد تاریخ کے وہ دن بھی ہوتے ہیں جن میں قوموں پر اللہ کی رحمت یا عذاب کے بڑے بڑے واقعات پیش آئے ہوں۔ ایام العرب سے مراد اہل عرب کی جنگیں ہیں۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ وَ ذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ﴾ (14/ابراہیم:5) ''اور یاد دلاؤ انہیں اللہ تعالیٰ کے دن۔'' اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''عربی میں نعمتوں کو بھی ایّام کہا جاتا ہے اور گزشتہ واقعات کو بھی۔ یہاں دونوں معنی مراد لیے جا سکتے ہیں۔'' اور مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ یعنی جو بڑی بڑی نعمتیں قدرت کی طرف سے مختلف قوموں کو عطا ہوتی رہیں مثلاً حکومت و اقتدار یا جو بڑی بڑی مصیبتیں مختلف قوموں کو قدرت کی طرف سے پیش آتی رہیں۔ مثلاً وبا و قحط، محکومی و غلامی۔ غرض یہ کہ ایّام اللہ کے تحت میں ہر قسم کے اہم تاریخی واقعات آجاتے ہیں۔ ایّام کی اضافت اللہ کی جانب ان واقعات کی اہمیت پر دلالت کرنے کے لیے ہے۔''

د	ی	ن

(ض) **دِيْنًا** مالک ہونا، حکم دینا، ذلیل کرنا / خدمت کرنا، فرماں برداری کرنا، ماتحت ہونا، قبول کرنا۔ (متضاد مفہوم ہے) ﴿ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ ﴾ (9/التوبۃ:29) ''اور نہ قبول کرتے ہیں سچے دین کو۔''

دِيْنٌ ج: اَدْيَانٌ۔ اسم ذات بھی ہی اور قرآن مجید میں کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے مثلاً: (1) بدلہ۔ جزا۔ بدلے سے مراد اس کے دونوں پہلو ہیں۔ نیک اعمال کا اچھا بدلہ اور برے اعمال کا برا بدلہ۔ آیت زیر مطالعہ اور ﴿ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ ثُمَّ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ ﴾ (82/الانفطار:17-18) ''اور تم کیا جانتے ہو کہ وہ جزا کا دن کیا ہے؟ ہاں! (بولو) تمہیں کیا خبر کہ وہ جزا کا دن کیا ہے؟'' ﴿ يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ ﴾ (24/النور:25) ''اس دن اللہ تعالیٰ انہیں پورا پورا بدلہ حق و انصاف کے ساتھ دے گا۔'' (ترجمہ احسن البیان) (2) ضابطۂ حیات یا دوسرے الفاظ میں

مذہب وشریعت۔ ﴿ وَمَنۡ اَحۡسَنُ دِیۡنًا مِّمَّنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ ﴾(4/النساء:125)''اوراس سے بہتر کس کا دین ہوگا جس نے پیشانی رکھی اللہ کے حکم پر اور نیک کاموں میں لگا ہوا ہے۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ) ﴿ اَفَغَیۡرَ دِیۡنِ اللّٰهِ یَبۡغُوۡنَ ﴾(3/آل عمران:83)''سو کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے علاوہ (کسی طریقہ کو) تلاش کر رہے ہیں۔''(ترجمہ ماجدیؒ) ﴿ وَمَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡهُ ۚ ﴾(3/آل عمران:85)''اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے گا سو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔''(ترجمہ ماجدیؒ)(3) اطاعت اور فرمانبرداری۔ ﴿ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ فَاعۡبُدِ اللّٰهَ مُخۡلِصًا لَّهُ الدِّیۡنَ ؕ ﴾(39/الزمر:2)''ہم نے تمہاری طرف کتاب اُتاری ہے حق کے ساتھ تو اللہ ہی کی بندگی کرو اُسی کے لیے اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔''(ترجمہ از تدبر قرآن)۔ ﴿ وَلَهُ الدِّیۡنُ وَاصِبًا ؕ ﴾(16/النحل:52)''اور اسی کی تابعداری اور اطاعت لازمی ہے۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت صاحبِؒ ضیاء القرآن فرماتے ہیں: ''دین سے مراد اطاعت واخلاص ہے۔ واصبًا کا معنی ہمیشہ ہے جب کوئی شخص کسی کام کو ہمیشہ پابندی سے کرے تو کہتے ہیں وصب الرجل علی الامر اذا واظب علیه۔ (قرطبیؒ) معنی یہ ہے کہ اسی کی اطاعت وفرمانبرداری ہر شخص پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لازم ہے۔''(ضیاء القرآن،۲،ص۵۷۵)۔(4) قانونِ ملکی۔ ﴿ مَا كَانَ لِیَاۡخُذَ اَخَاهُ فِیۡ دِیۡنِ الۡمَلِكِ ﴾(12/یوسف:76)''یوسفؑ اپنے بھائی کو بادشاہِ مصر کے قانون کے لحاظ سے نہیں لے سکتے تھے۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔ اور تقریباً تمام بزرگوں نے اس آیت میں 'دین' کا ترجمہ 'قانون' سے کیا ہے۔(5) وہ اصول و احکام جو حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک سب انبیاء میں مشترک ہیں۔ ﴿ شَرَعَ لَكُمۡ مِّنَ الدِّیۡنِ مَا وَصّٰی بِهٖ نُوۡحًا ﴾(42/الشوریٰ:13)''اُس نے تمہارے لیے، دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے، جس کا حکم اس نے نوحؑ کو دیا تھا۔''(نوٹ: دین کی بقیہ تفصیل آگے نوٹ میں دیکھیں)۔

اَلدِّیۡنُ: اسلام کا ضابطہ حیات۔ ﴿ اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰهِ الۡاِسۡلَامُ ۟ ﴾(3/آل عمران:19)''یقیناً دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔''(ترجمہ ماجدیؒ)

مَدِیۡنٌ: ج: مَدِیۡنُوۡنَ۔ دِیۡنٌ مصدر سے اسم المفعول ہے۔ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔(1) وہ جس کو بدلہ دیا جائے۔(2) محکوم۔ تابع دار۔ وہ جو کسی کے حکم کا پابند ہو۔ زیرِ فرمان۔ قرآنِ مجید میں یہ لفظ اِن دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ﴿ ءَاِذَا مِتۡنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِیۡنُوۡنَ ﴾(37/الصافات:53)''کیا جب ہم مر گئے اور ہو گئے مٹی اور ہڈیاں، کیا ہم کو جزا ملے گی۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿ فَلَوۡلَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ غَیۡرَ مَدِیۡنِیۡنَ ﴾(56/الواقعہ:86)''پس اگر تم کسی کے پابند حکم نہیں ہو۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اسی آیت کا ترجمہ پہلے مفہوم کے لحاظ سے بھی کیا گیا ہے''تو اگر تمہارا حساب کتاب ہونے والا نہیں۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔ مَدِیۡنٌ غلام اور لونڈی کو بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے مالک کے حکم کے تابع ہوتے ہیں۔

(ض) دَیۡنًا: قرض دینا۔

دَیۡنٌ: قرض۔ (دَیۡنٌ) مصدر ہے مطلب ہے قرض دینا لیکن عربی میں اکثر مصدر بطور اسم الذات بھی استعمال ہوتے ہیں)﴿ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِیَّةٍ یُّوۡصِیۡ بِهَاۤ اَوۡ دَیۡنٍ ؕ ﴾(4/النساء:11)''وصیت کے بعد جو اس نے وصیت کی یا قرضہ کے بعد۔''مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں''دَیۡنٌ کا لفظ بہت وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ عربی میں یہ (عین) کے مقابلے میں ہے۔ اور اس کا اطلاق ہر اس معاملت پر ہوتا ہے جس کے معاوضے کا ایک جزء فی الفور نہ ہو۔''(تفسیر ماجدیؒ،ص۱۴۹)

(تفاعل) تَدَایُنًا: باہم ادھار پر لین دین کرنا۔ ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا تَدَایَنۡتُمۡ بِدَیۡنٍ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاكۡتُبُوۡهُ ؕ ﴾(2/البقرۃ:282)''جب تم لوگ قرض کا لین دین کرو ایک مقررہ مدت کے لئے تو اسے لکھ لو۔''

نوٹ: دِیۡنٌ: حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''عربی زبان میں لفظ دین کے چند معانی ہیں جن میں ایک معنی ہے طریقہ اور روش،

قرآن کی اصطلاح میں لفظ دین ان اصول و احکام کے لیے بولا جاتا ہے جو حضرت آدمؑ سے خاتم الانبیاء ﷺ تک سب انبیاءؑ میں مشترک ہیں؛ اور لفظ ''شریعت'' یا ''منہاج'' یا بعد کی اصطلاحات میں لفظ ''مذہب'' فروعی احکام کے لیے بولے جاتے ہیں، جو مختلف زمانوں اور مختلف امتوں میں مختلف ہوتے چلے آئے ہیں، قرآن کریم کا ارشاد ہے: ﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا ﴾ (42/ الشوریٰ:13) ''یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے وہی دین جاری فرمایا جس کی وصیت تم سے پہلے نوح علیہ السلام کو اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو کی گئی تھی۔'' اس سے معلوم ہوا کہ دین سب انبیاء علیہم السلام کا ایک ہی تھا، یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے جامع کمالات اور تمام نقائص سے پاک ہونے اور اس کے سوا کسی کا لائق عبادت نہ ہونے پر دل سے ایمان اور زبان سے اقرار (توحید) روزِ قیامت اور اس میں حساب کتاب اور جزا و سزا اور جنت و دوزخ پر دل سے ایمان لانا اور زبان سے اقرار کرنا (آخرت)، اس کے بھیجے ہوئے ہر نبی و رسول اور ان کے لائے ہوئے احکام پر اسی طرح ایمان لانا (رسالت)۔ (معارف القرآن، جلد ۲، صفحہ: ۳۶)۔ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: دین کا لفظ عربی زبان میں متعدد مفہومات کا حامل ہے:

ایک مفہوم ہے غلبہ و اقتدار، مالکانہ اور حاکمانہ تصرف، سیاست و فرمانروائی اور دوسروں پر فیصلہ نافذ کرنا۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے دَانَ النَّاسَ، اَیْ قَهَرَهُمْ عَلَى الطَّاعَةِ۔ دِنْتُهُمْ، اَیْ قَهَرْتُهُمْ۔ دِنْتُهٗ، سُسْتُهٗ وَمَلَكْتُهٗ۔ وَفِي الْحَدِيْثِ: اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ، اَیْ اَذَلَّهَا وَاسْتَعْبَدَهَا۔ اَلدَّيَّانُ، اَلْقَاضِیْ، اَلْحَكَمُ، اَلْقَهَّارُ۔ وَلَا اَنْتَ دَيَّانِیْ، اَیْ لَسْتَ بِقَاهِرٍ لِّیْ فَتَسُوْسَ اَمْرِیْ۔ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِیْ دِيْنِ الْمَلِكِ، اَیْ فِیْ قَضَاءِ الْمَلِكِ۔......

دوسرا مفہوم ہے اطاعت، فرمانبرداری اور غلامی۔ لسان العرب میں ہے اَلدِّيْنُ، اَلطَّاعَةُ۔ دِنْتُهٗ وَ دِنْتُ لَهٗ اَیْ اَطَعْتُهٗ۔ وَالدِّيْنُ لِلّٰهِ، اِنَّمَا هُوَ طَاعَتُهٗ وَالتَّعَبُّدُ لَهٗ، فِی الْحَدِيْثِ اُرِيْدُ مِنْ قُرَيْشٍ كَلِمَةً تَدِيْنُ لَهُمْ بِهَا الْعَرَبُ، اَیْ تُطِيْعُهُمْ وَ تَخْضَعُ لَهُمْ۔ ثُمَّ دَانَتْ بَعْدَ الرَّبَابِ، اَیْ ذَلَّتْ لَهٗ وَ اَطَاعَتْهُ۔ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ، اَیْ اَنَّهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنْ طَاعَةِ الْاِمَامِ الْمُفْتَرَضِ الطَّاعَةِ۔ اَلْمَدِيْنُ، اَلْعَبْدُ۔ فَلَوْ لَا اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ اَیْ غَيْرَ مَمْلُوْكِيْنَ۔

تیسرا مفہوم ہے وہ عادت اور طریقہ جس کی انسان پیروی کرے۔ لسان العرب میں ہے: اَلدِّيْنُ اَلْعَادَةُ وَ الشَّاْنُ۔ يُقَالُ مَا زَالَ ذٰلِكَ دِيْنِیْ وَدِيْدَنِیْ اَیْ عَادَتِیْ۔

ان تینوں مفہومات کو ملحوظ رکھتے ہوئے دین کے معنی اُس طرزِ عمل اور اس رویے کے ہیں جو کسی کی بالاتری تسلیم اور کسی کی اطاعت قبول کر کے انسان اختیار کرے۔ اور دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اس کی بندگی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ''آدمی اللہ کی بندگی کے ساتھ کسی دوسرے کی بندگی شامل نہ کرے، بلکہ اسی کی پرستش، اسی کی ہدایت کا اتباع اور اسی کے احکام و اوامر کی اطاعت کرے۔'' (تفہیم القرآن، ج ۴، صفحہ ۳۵۶)

<u>دین، شریعت اور ملت:</u> دین کی وضاحت اوپر آ چکی ہے۔ شریعت سے مراد وہ احکام ہیں جو زمانے کی ضرورتوں کے مطابق بدلتے رہتے ہیں۔ مثلاً حضرت آدمؑ کی اولاد میں بہن بھائی کا نکاح جائز تھا جو بعد کی شریعتوں میں حرام کر دیا گیا۔ حضرت یعقوبؑ کی زوجیت میں دو حقیقی بہنیں تھیں جو بعد کی شریعتوں میں حرام قرار دی گئیں۔ غرض ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ دین اور شریعت کے اِس فرق کو خود رسول اللہ ﷺ نے اِن الفاظ میں سمجھایا: ((اَلْاَنْبِيَاءُ اِخْوَةٌ الْعَلَّاتِ اُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى وَدِيْنُهُمْ وَاحِدٌ)) (متفق علیہ) ''تمام انبیاء علاتی بھائی (وہ بھائی جن کا باپ ایک اور مائیں الگ الگ ہوں) ہیں۔ کہ ان کی مائیں (شریعتیں) الگ الگ ہیں اور ان کا دین (باپ) ایک ہی ہے۔'' اور ملّت سے مراد وہ نظام ہے جو ایک نبی احکام الٰہیہ کی فرمانبرداری میں اپنے ماننے والوں کی جماعت میں قائم کرتا ہے۔ دین اور شریعت میں سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا ہے اور الہامی کتاب میں مذکور ہوتا ہے۔ سب سے پہلے نبی خود ان احکام پر عمل کرنے کا پابند ہوتا ہے ساتھ ہی وہ ان احکام الٰہیہ کی تبلیغ کر کے اپنے ماننے والوں کی ایک جماعت بناتا ہے اور اُن سب کو بھی اِن احکامات کا پابند بناتا ہے اور ایک اسلامی نظام قائم کرتا ہے اِس نظام کا نام ملّت ہے۔ گویا ملّت احکام کا نام نہیں بلکہ اُس نظام کا نام ہے جس میں نبی امیر، اُس نبی کے ماننے والے مامور اور اُن کا دستور احکام الٰہیہ (دین، شریعت) ہوتا ہے۔ ملّت کی نسبت کسی مخصوص نبی کی طرف کی جا سکتی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ط (آل عمران 95) ''پس تم ملت ابراہیمؑ کی پیروی کرو جو سب سے بے تعلق ہو کر ایک اللہ ہی کے ہو گئے تھے۔'' (مترادفات القرآن تلخیصاً)

ترکیب مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ مرکب اضافی ہے۔ اس کے مضاف مٰلِكِ کی جر بتا رہی ہے کہ یہ پورا مرکب اللہ کی صفت یا بدل ہے۔

ترجمہ	مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝
	جو بدلے کے دن کا مالک ہے

آیت:4
﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ ﴾

اِیّا یہ کلمہ ضمائر منصوبہ متصلہ یعنی ضمیر مفعولی کو منفصل لکھنے اور اُس کے تلفظ کے لیے وضع کیا گیا ہے اور بالعموم حصر کا مفہوم پیدا کرتا ہے مثلاً ضَرَبْتُہٗ۔ اس میں ضمیر مفعولی فعل کے ساتھ ملا کر یعنی متصل لکھی ہے اور اس کے معنی ہیں۔ ''میں نے اس کو مارا'' اس میں کسی اور کو مارنے کی نفی نہیں ہے۔ اب اگر ہم کہیں ضَرَبْتُ اِيَّاهُ تو اس کے معنی ہیں ''میں نے اس کو ہی مارا'' اس میں کسی اور کو مارنے کی نفی شامل ہے۔ اس کو حصر کا مفہوم کہتے ہیں۔ اب اگر ہم کہیں اِيَّاهُ ضَرَبْتُ تو معنی وہی رہیں گے البتہ حصر میں مزید زور اور تاکید پیدا ہو جائے گی۔ جیسے He Must Come میں جب مزید زور پیدا کرنا ہو تو ہم کہتے ہیں Come He Must۔

اب یہ نوٹ کر لیں کہ بات سمجھانے کی غرض سے ہم نے ضَرَبْتُ اِيَّاهُ استعمال کیا ہے ورنہ عربی میں اس کا رواج نہیں ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ ضمیر مفعولی جب اِیّا کے ذریعہ منفصل کی جائے گی تو وہ فعل سے پہلے آئے گی۔ یعنی اِيَّاهُ ضَرَبْتُ کہا جائے گا۔ مثلاً ﴿وَّ اشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝﴾ (16/النحل:114) ''اور تم لوگ شکر کرو اللہ کی نعمت کا اگر تم لوگ صرف اور صرف اس کی ہی عبادت کرتے ہو'' اس قاعدہ کے دو استثناء ہیں۔

پہلا استثناء یہ ہے کہ کسی فعل کے بعد اگر اِلَّا آئے تو اِیّا اور ضمیر مفعولی فعل کے بعد آسکتی ہے جیسے ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ﴾ (17/بنی اسرائیل:23) ''اور فیصلہ کر دیا تیرے رب نے کہ تم لوگ عبادت مت کرو مگر صرف اس کی ہی۔'' نوٹ کر لیں کہ ایسی صورت میں حصر کا مفہوم اِیّا کی وجہ سے نہیں بلکہ جملہ کی ساخت کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ (یعنی نفی + استثناء)

دوسرا استثناء یہ ہے کہ کسی فعل کے بعد اگر دو ضمیر مفعولی لانا ہوں تو ان کے درمیان اِیّا لگاتے ہیں۔ یعنی ضَرَبْتُ هُمْ و كُمْ کہنا درست نہیں ہے۔ بلکہ ضَرَبْتُهُمْ وَاِيَّاكُمْ کہا جائیگا۔ جیسے ﴿نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِيَّاكُمْ ؕ﴾ (17/بنی اسرائیل:31) ''ہم رزق دیتے ہیں ان کو اور تم کو بھی۔'' ایسی صورت میں اِیّا میں حصر کا مفہوم باقی نہیں رہتا۔

ع ب د

(ن) **عُبُوْدِيَّةً** کسی کے سامنے ذلت اور انکساری ظاہر کرنا۔

عِبَادَةً اس لفظ کی اتنی اہمیت ہے کہ اس ایک لفظ کے ذریعے سے تمام انسانوں اور جنوں کی تخلیق کا مقصد قرآنِ مجید میں بیان کیا گیا ہے فرمایا: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝﴾ (51/الذاریات:56) ''میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی (یعنی نہ صرف پرستش و بندگی بلکہ غلامی و اطاعت بھی) کریں۔''

کسی کو معبود مان کر اس کے احسانات کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی انتہائی تعظیم اور محبت کی وجہ سے اس کے سامنے اپنے اختیار سے اپنی انتہائی عاجزی اور فرمانبرداری کا اظہار کرنا، اس کی مکمل اطاعت کرنا، غلامی کرنا، بندگی کرنا عبادت کہلاتا ہے۔ عبادت میں بنیادی مفہوم اطاعت کا ہے کیونکہ یہ بات غلط معلوم ہوتی ہے کہ انسان جس کے سامنے انتہائی عاجزی کا اظہار کرے، زندگی کے معاملات میں اس کی اطاعت نہ کرے۔ اور اطاعت کبھی جزوی ہوتی ہے اور کبھی مجبوری سے۔ جزوی اور مجبوری سے کی ہوئی اطاعت، عبادت نہیں کہلاتی۔ کسی کے احسانات کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی محبت میں ڈوب کر جب اطاعت کی جائے اور زندگی کے ہر معاملہ اور ہر لحہ میں کی جائے تو ایسی اطاعت، عبادت کہلاتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص عبادت کے بہت سے کام اپنے اختیار سے نہیں کر رہا بلکہ کسی مجبوری یا کسی عمل کے زیر اثر کر رہا ہے تب بھی وہ

عبادت نہیں کہلائے گی کیونکہ اس کا اپنا اختیار اس میں شامل نہیں اور اسی طرح اگر کوئی شخص عبادت کے بہت سے کام کسی کی تعظیم کی وجہ سے نہیں بلکہ مذاق کے طور پر کر رہا ہے تب بھی وہ عبادت نہیں کہلائیں گے۔ اس لیے بعض علماء کا قول ہے: اَلْعِبَادَۃُ تَذَلُّلٌ لِّلْغَیْرِ عَنْ اِخْتِیَارٍ لِغَایَۃِ تَعْظِیْمِہٖ فَخَرَجَ التَّسْخِیْرُ وَالسَّخْرُ وَالْقِیَامُ وَالْاِنْحِنَاءُ لِنَوْعِ تَعْظِیْمٍ ''عبادت اپنے اختیار سے دوسرے کی انتہائی تعظیم کی غرض سے اس کے لیے عاجزی کا نام ہے۔ لہٰذا تسخیر کی بنا پر یا مذاق کی غرض سے ایسا کرنا نیز تعظیم رسمی کے لیے کسی کے واسطے کھڑا ہو جانا یا جھک جانا عبادت کی طرف سے خارج ہے۔'' اسی لیے محض کسی کے سامنے عاجزی اور انکساری کا اظہار کرنا عبادت نہیں مثلاً اگر کوئی بیٹا والد کے سامنے عاجزی اور انکساری کا اظہار کرے تو یہ تعظیم اور ادب ہے، عبادت نہیں، یہی تعظیم اور انکساری کوئی شخص اللہ کو معبود مان کر اور اُس کے احسانات کو تسلیم کر کے کرے تب یہ عبادت ہے۔ ہمارے بزرگوں نے عبادت کی وضاحت یوں کی ہے۔ حضرت امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: لَفْظُ الْعُبُوْدِیَّۃِ یَتَضَمَّنُ کَمَالَ الذُّلِّ وَکَمَالَ الْحُبِّ۔ ''لفظ عبودیت میں دو چیزیں لازمی طور پر شامل ہیں، کمالِ ذُلّ یعنی اپنے آپ کو اللہ کے سامنے بچھا دینا اور کمالِ محبت یعنی اللہ کے سامنے یہ جھکنا محبت اور دل کی پوری آمادگی کے ساتھ ہو۔'' امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں: اَلْعِبَادَۃُ تَجْمَعُ اَصْلَیْنِ غَایَۃُ الْحُبِّ مَعَ غَایَۃِ الذُّلِّ وَالْخُضُوْعِ یعنی عبادت میں دو چیزیں لازماً شامل ہوں گی، اور وہ یہ کہ ایک طرف انتہائی درجے کی محبت اور دوسری طرف اس کے ساتھ انتہائی درجے کا جھکنا اور عاجزی۔ علامہ ابن الاثیرؒ فرماتے ہیں: اَلْعِبَادَۃُ فِی اللُّغَۃِ اَلطَّاعَۃُ مَعَ الْخُضُوْعِ۔ لغت میں عبادت نام ہے اُس اطاعت کا جو عاجزی کے ساتھ ہو۔ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: وَفِی الشَّرْعِ عِبَارَۃٌ عَمَّا یَجْمَعُ کَمَالَ الْمَحَبَّۃِ وَالْخُضُوْعِ وَالْخَوْفِ۔ اور (عبادت) شرع میں عبارت ہے اس چیز سے جو انتہائی محبت، عاجزی اور خوف پر مشتمل ہو۔ شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں: ''مشغول کردن تمام اعضاء و جوارح ظاہر و باطن را در راہِ اُو و بمرضیاتِ اُوْ'' تمام اعضاء و جوارح ظاہر اور باطن کو مشغول کر دینا اس (اللہ) کی راہ میں اس کی مرضی کے مطابق۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ تدبر قرآن میں فرماتے ہیں: عبادت کے اصلی معنی عربی لغت میں انتہائی خضوع اور انتہائی عاجزی و فروتنی کے اظہار کے ہیں۔ لیکن قرآن میں یہ لفظ اس خضوع وخشوع کی تعبیر کے لیے خاص ہو گیا ہے جو بندہ اپنے خالق و مالک کے لیے ظاہر کرتا ہے۔ پھر اطاعت کا مفہوم بھی اس لفظ کے لوازم میں داخل ہو گیا ہے کیونکہ یہ بات بالبداہت غلط معلوم ہوتی ہے کہ انسان جس ذات کو اپنے انتہائی خضوع وخشوع کا واحد مستحق سمجھے زندگی کے معاملات میں اس کی اطاعت کو لازم نہ جانے۔ چنانچہ عبادت کی اس حقیقت کو قرآن مجید نے بعض جگہ کھول بھی دیا ہے مثلاً: ﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ ﴾ (39/الزمر:2) ''ہم نے تمہاری طرف کتاب اتاری ہے حق کے ساتھ تو اللہ ہی کی بندگی کرو اسی کے لیے اطاعت کو خاص کرتے ہوئے۔'' عبادت کے ساتھ اطاعت کا یہ تعلق اس قدر گہرا ہے کہ بعض جگہ یہ لفظ صاف صاف اطاعت کے مفہوم ہی کے لیے استعمال ہو گیا ہے مثلاً: ﴿ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ ۚ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴾ (36/یٰس:60) ''کہ شیطان کی عبادت نہ کرو کیونکہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔'' (تدبر قرآن، جلد۱، صفحہ: ۵۷)۔ مولانا مودودیؒ تفہیم القرآن میں فرماتے ہیں: عبادت کا مادہ عبد ہے۔ اور یہ لفظ ''آزاد'' کے مقابلے میں ''غلام'' اور ''مملوک'' کے لیے عربی زبان میں مستعمل ہوتا ہے۔ اسی معنی کے لحاظ سے ''عبادت'' میں دو مفہوم پیدا ہوئے ہیں۔ ایک پوجا اور پرستش، جیسا کہ عربی زبان کی مشہور و مستند لغت ''لسان العرب'' میں ہے: عَبَدَ اللّٰہَ، تَأَلَّہَ لَہٗ۔ وَالتَّعَبُّدُ، اَلتَّنَسُّکُ۔ دوسرے عاجزانہ اطاعت اور برضا و رغبت فرمانبرداری جیسا کہ لسان العرب میں ہے، اَلْعِبَادَۃُ، اَلطَّاعَۃُ، وَمَعْنَی الْعِبَادَۃِ فِی اللُّغَۃِ اَلطَّاعَۃُ مَعَ الْخُضُوْعِ۔ وَکُلُّ مَنْ دَانَ لِمَلِکٍ فَھُوَ عَابِدٌ لَّہٗ (وَقَوْمُھُمَا لَنَا عَابِدُوْنَ)۔

وَالْعَابِدُ، اَلْخَاضِعُ لِرَبِّهٖ اَلْمُسْتَسْلِمُ الْمُنْقَادُ لِاَمْرِهٖ۔ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ، اَطَاعَهٗ يَعْنِي الشَّيْطَانَ فِيْمَا سَوَّلَ لَهٗ وَاَغْرَاهُ۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ، اَيْ نُطِيْعُ الطَّاعَةَ الَّتِيْ يَخْضَعُ مَعَهَا۔ اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ، اَطِيْعُوْا رَبَّكُمْ۔ پس لغت کی اِن مستند تشریحات کے مطابق مطالبہ صرف اللہ تعالیٰ کی پوجا اور پرستش ہی کا نہیں ہے بلکہ اس کے احکام کی بے چون و چرا اطاعت، اوراس کے قانونِ شرعی کی برضاورغبت پیروی، اوراُس کے امرونہی کی دل وجان سے فرمانبرداری کا بھی ہے۔ (تفہیم القرآن، ج۴،صفحہ:۳۵۵)

(ک) **عُبُوْدَةٌ** باپ دادا سے غلام ہونا،جدی پشتی غلام ہونا۔

عَابِدٌ ج: عَابِدُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔عبادت کرنے والا۔ بندہ۔ غلام۔﴿وَ لَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝﴾ (109 /الکافرون:4)''اور نہ ہی میں عبادت کرنے والا ہوں اُن کی جس کی تم پوجا کرتے ہو۔''﴿فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ۝ﶒ﴾(23/المومنون:47)''تو انہوں نے کہا کیا ہم ایمان لے آئیں اِن دو آدمیوں پر جو ہماری مانند ہیں، حالانکہ اُن کی قوم ہماری غلام ہے۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔عربی زبان میں عابد کے معنی مطیع،فرمانبرداراور خادم کے بھی آتے ہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ کا ترجمہ کرتے ہیں''اوران کی قوم ہماری تابعدار (خدمت گار) ہیں۔''اور مولانا عبدالماجد دریابادیؒ ترجمہ کرتے ہیں''درآنحالیکہ ان کی قوم (بھی) ہمارے زیرحکم ہے۔''

عَابِدَةٌ ج: عَابِدَاتٌ۔ عَابِدٌ کی مونث۔ عبادت کرنے والی۔ بندی۔﴿قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ﴾(66/التحریم:5) ''فرمانبردار،توبہ کرنے والیاں،عبادت کرنے والیاں۔''

عَبْدٌ ج: عِبَادٌ اور عَبِيْدٌ۔غلام۔بندہ۔جس کی کوئی چیز اپنی نہ ہو۔جس کی زندگی،خواہش غرضیکہ ہرچیز اس کے آقا کی ملکیت ہو۔عَبْدٌ کا لفظ چار معنی میں استعمال ہوتا ہے(۱)اَلْعَبْدُ بمعنی غلام یعنی وہ انسان جسے خریدنا اورفروخت کرنا شرعاً جائز ہو چنانچہ آیات کریمہ ﴿وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ﴾(2/البقرۃ:78)''اورغلام کے بدلے غلام۔''﴿عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ﴾(16/النحل:75)''ایک غلام مملوک ہے جوکسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا۔''میں عَبْدٌ کا لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ (۲)اَلْعَبْدُ بِالْاِيْجَادِ یعنی وہ بندہ جسے اللہ نے پیدا کیا ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ ﴿اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝ﶠ﴾(19/مریم:93)''آسمان اورزمین میں جوبھی ہیں سب کے سب اللہ کے غلام بن کرہی آنے والے ہیں۔''(ترجمہ احسن البیان)میں اسی معنی کی طرف اشارہ ہے۔(۳)عَبْدٌ وہ ہے جوعبادت اور خدمت کی بدولت عبودیت کا درجہ حاصل کرلیتا ہے اس لحاظ سے جن پر عَبْدٌ کا لفظ بولا گیا ہے وہ دوقسم پر ہیں ایک وہ جو اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے بن جاتے ہیں چنانچہ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا:﴿نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ﴾(25/الفرقان:1)''جس نے اپنے بندے صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل فرمایا۔''اوراس طرح کی کئی اورآیات ہیں۔(۴)دوسرے وہ جو دنیا کی لالچ اورحرص کے غلام بن کر ہروقت اس کی پرستش میں لگے رہتے ہیں۔ چنانچہ ایسے لوگوں کے متعلق ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((تَعِسَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ۔ تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ)) درہم ودینار کا بندہ ہلاک ہو۔

عَبْدٌ کے ان معانی کے پیش نظر یہ بھی کہا جاسکتا ہے لَيْسَ كُلُّ اِنْسَانٍ عَبْدًا لِلّٰهِ کہ ہرانسان اللہ کا بندہ نہیں ہے یعنی بندہ مخلص نہیں ہے اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں: وَالنَّاسُ كُلُّهُمْ عِبَادُ اللّٰهِ کہ تمام لوگ اللہ کے ہیں یعنی اللہ ہی نے سب کو پیدا کیا ہے۔ بلکہ تمام اشیاء کا یہی حکم ہے۔

عَبْدٌ کا لفظ جب غلام کے معنی میں استعمال ہوتواِس کی جمع عَبِيْدٌ آتی ہے اور جب عَبْدٌ بمعنی عَابِدٌ یعنی عبادت گزار کے ہوتواسکی جمع عِبَادٌ آتی ہے۔ البتہ مولانا عبدالرشید نعمانیؒ لغات القرآن میں فرماتے ہیں:''میری ناقص رائے میں یہ

قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ اکثری ہے کیونکہ خود قرآن پاک میں ایک مقام پر عِبَادٌ کا استعمال غلاموں کے معنی میں ہوا ہے، ارشاد ہے: ﴿ وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ؕ﴾ (24/النور:32) ''اور نکاح کر و رانڈوں کا اپنے اندر، اور جو نیک ہوں تمہارے غلام اور لونڈیاں۔'' عَبْدٌ کے بارے میں مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''عَبْدٌ کا لفظ جب اس کی اضافت حق تعالیٰ کی جانب ہو، قریب یا مرتبہ خصوصی کو ظاہر کرنے والا ہوتا ہے۔ اور عبدنا یا عبداللّٰہ کا استعمال محاورۂ قرآنی میں ہمیشہ لطف و رحمت ہی کے مخصوص موقعوں پر ہوا ہے۔'' مولانا مفتی محمد شفیعؒ عَبْدٌ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''عِبَادٌ، عَبْدٌ کی جمع ہے عبد کا ترجمہ ہے بندہ جو اپنے آقا کا مملوک ہو، اس کا وجود اور اس کے تمام اختیارات و اعمال آقا کے حکم و مرضی پر دائر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا بندہ کہلانے کا مستحق وہی شخص ہو سکتا ہے جو اپنے عقائد و خیالات کو اور اپنے ہر ارادے اور خواہش کو اور اپنی ہر حرکت و سکون کو اپنے رب کے حکم اور مرضی کے تابع رکھے ہر وقت گوش بر آواز رہے کہ جس کام کا حکم ہو وہ بجالاؤں۔'' (معارف القرآن، ج۶، ص:۵۰۲)

	اُعْبُدْ	ج: اُعْبُدُوْا۔ فعل امر کا صیغہ ہے۔ تم عبادت کرو۔ تم بندگی کرو۔ ﴿ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۞﴾ (39/الزمر:2) ''پس آپ عبادت کریں اللہ کی خالص کرتے ہوئی اس کے لیے اطاعت کو۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ﴾ (2/البقرۃ:21) ''اے لوگو بندگی کرو اپنے اس رب کی جس نے پیدا کیا تمہیں۔''
(تفعیل)	تَعْبِيْدًا	غلام بنانا۔ فرمانبردار بنانا۔ عربی زبان میں طَرِيْقٌ مُعَبَّدٌ اس ہموار راستے کو کہتے ہیں جس پر لوگ آسانی سے چل سکیں۔ اسی طرح عَبَّدْتُّ فُلَانًا کے معنی ہیں میں نے اسے مطیع کر لیا یعنی محکوم بنا لیا۔ ﴿ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۞﴾ (26/الشعراء:22) ''رہا تیرا احسان جو تو نے مجھ پر جتایا ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا لیا تھا۔''

ع و ن

(ن)	عَوْنًا	پشت پناہ ہونا۔ درمیان میں ہونا۔
(افعال)	اِعَانَةً	پشت پناہی کرنا۔ مدد کرنا۔ ﴿ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ ﴾ (18/الکہف:95) ''پس میری مدد کرو قوت سے۔''
(تفاعل)	تَعَاوُنًا	ایک دوسرے کی مدد کرنا۔ ﴿ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪ ﴾ (5/المآئدہ:2) ''باہم مدد کرو نیکی اور تقویٰ پر۔''
(استفعال)	اِسْتِعَانَةً	مدد مانگنا۔ مدد چاہنا۔
	مُسْتَعَانٌ	اسم المفعول ہے۔ جس کی مدد چاہی جائے۔ جس سے مدد مانگی جائے۔ ﴿ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۞﴾ (12/یوسف:18) ''اور اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں اس پر جو تم لوگ بتاتے ہو۔''
	عَوَانٌ	ج: عُوْنٌ۔ درمیان۔ ادھیڑ عمر۔ عورتوں اور مویشیوں میں جو درمیانی عمر کا ہو اُس کو عَوَانٌ کہتے ہیں ﴿ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ﴾ (2/البقرۃ:68) ''بیشک وہ ایک گائے ہے نہ بوڑھی ہے اور نہ کنواری ہے (بلکہ) دونوں عمروں کے درمیان ہے۔''
	اِسْتَعِيْنُوْا	فعل امر ہے۔ تم مدد مانگو۔ ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ﴾ (2/البقرۃ:153) ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، صبر اور نماز سے مدد لو۔''

ترجمہ	اِيَّاكَ	نَعۡبُدُ	وَ اِيَّاكَ	نَسۡتَعِيۡنُ
	صرف تیری ہی	ہم عبادت کرتے ہیں	اور صرف تجھ سے ہی	ہم مدد مانگتے ہیں

نوٹ:1 بعض سلف کا قول ہے کہ اَلۡفَاتِحَةُ سِرُّ الۡقُرۡاٰنِ وَ سِرُّ الۡفَاتِحَةِ هٰذِهِ الۡكَلِمَةُ..... یعنی قرآن کا خلاصہ یا راز سورہ فاتحہ ہے۔ اور پوری سورہ فاتحہ کا راز یا خلاصہ اس آیت اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ میں ہے۔

نوٹ:2 ''عبادت'' کی اہمیت کے پیش نظر یہاں اس کی مزید وضاحت دی جارہی ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ ''عبادت'' کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں: ''عبادت نام ہے بندگی اور اطاعت و پیروی کا جو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، یا ذکر و تلاوت میں منحصر نہیں اور نہ یہ چیزیں اپنی ذات میں مقاصد ہیں، بلکہ ان سب کا مقصد صرف ایک حکم الٰہی کی اطاعت ہے، یہی وجہ ہے کہ جن اوقات میں نماز کی ممانعت فرمائی گئی ہے، ان میں نماز کوئی کارِ ثواب نہیں بلکہ اُلٹا گناہ کا موجب ہے، ایام عیدین وغیرہ جن میں روزہ رکھنا ممنوع ہے، تو اس وقت روزہ رکھنا گناہ ہے، نویں ذی الحجہ کے علاوہ کسی دن کسی مہینہ میں میدان عرفات میں جمع ہو کر دعا، عبادت کرنا کارِ ثواب نہیں جبکہ نویں ذی الحجہ میں سب سے بڑی عبادت یہی ہے اسی طرح تمام دوسری عبادات کا حال ہے جب تک ان کے کرنے کا حکم ہے تو وہ عبادت ہیں اور جب اور جس حد پر اُن کو روک دیا جائے تو وہ بھی حرام و ناجائز ہو جاتی ہیں، جاہل عوام اس حقیقت سے آگاہ نہیں ہوتے، جو عبادات ان کی عادات بن جاتی ہیں بلکہ جن قومی رسوم کو وہ عبادات سمجھ کر اختیار کر لیتے ہیں، صریح احکامِ خدا اور رسول کو بھی ان کے پیچھے نظر انداز کر دیتے ہیں یہیں سے بدعات و محدثات دین کا جزو بن جاتی ہیں، جو پچھلی شریعتوں اور کتابوں کی تحریف کا سبب ہوئی ہیں، اللہ جل شانہٗ نے مختلف پیغمبروں پر مختلف کتابیں اور شریعتیں نازل فرما کر انسانوں کو یہی سکھایا ہے کہ کسی ایک عمل یا ایک قسم عبادت کو مقصود نہ بنالیں، بلکہ صحیح معنی میں اللہ کے فرمانبردار بندے بنیں، اور جس وقت پچھلے عمل کو چھوڑ دینے کا حکم ہو فوراً چھوڑ دیں، اور جس عمل کے کرنے کا ارشاد ہو فوراً اس پر عمل پیرا ہوں۔'' (معارف القرآن، ج ۳، ص: ۱۶۳) اور حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحبؒ عبادت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''عبادت کیا ہے؟ آپ کو لغت و تفسیر کی ساری کتابوں میں اس کا یہ معنی ملے گا اَقۡصٰی غَايَةِ الۡخُضُوۡعِ وَالتَّذَلُّلِ یعنی حد درجہ کی عاجزی اور انکسار۔ مفسرین اس کی مثال سجدہ سے دیتے ہیں۔ حالانکہ صرف سجدہ ہی عبادت نہیں بلکہ حالت نماز میں تمام حرکات و سکنات عبادت ہیں۔ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا، رکوع اور رکوع کے بعد ہاتھ چھوڑ کر کھڑے ہونا، سجدہ اور اس کے بعد حالت التحیات میں دو زانو بیٹھنا، سلام کے لیے دائیں بائیں منہ پھیرنا، یہ سب عبادت ہیں۔ اگر عبادت صرف تذلل و انکسار کے آخری مرتبہ کا نام ہے اور یہ آخری مرتبہ سجدہ ہی ہے تو کیا یہ باقی چیزیں عبادت نہیں۔ اس کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگر یہ ساری چیزیں مطلقاً عبادت ہیں تو اگر کوئی شاگرد اپنے اُستاد کے سامنے اور بیٹا اپنے باپ کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھتا ہے یا ان کی آمد پر کھڑا ہو جاتا ہے تو کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ اُس نے اپنے اُستاد یا باپ کی عبادت کی اور اُن کو اپنا معبود بنا لیا۔ حاشا وکلا۔ پھر وہ کون سی چیز ہے جو اِن حرکات و سکنات کو اگر یہ نماز میں ہوں تو عبادت بنا دیتی ہے اور یوں کھڑے ہونے کو (ہاتھ باندھے یا کھولے ہوئے) اور اس طرح بیٹھنے کو اور دائیں بائیں منہ پھیرنے کو تذلل و انکسار کے آخری مرتبہ پر پہنچا دیتی ہے اور اگر یہی امور نماز سے خارج ہوں تو نہ اِن میں غایۃ خضوع ہے اور نہ یہ عبادت متصور ہوتے ہیں تو اس کا ممیّز ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ جس ذات کے لیے اور جس کے سامنے آپ یہ افعال کر رہے ہیں اس کے متعلق آپ کا عقیدہ کیا ہے اگر آپ اُس کو اللہ اور معبود یقین کرتے ہیں تو یہ سب اعمال عبادت ہیں اور سب میں غایۃ تذلل و خضوع پایا جاتا ہے لیکن اگر آپ اس کو عبد اور بندہ سمجھتے ہیں تو یہ اعمال عبادت نہیں کہلائیں گے، ہاں آپ ان کو احترام، اجلال اور تعظیم کہہ سکتے ہیں۔ (ضیاء القرآن، ج ۱، ص: ۲۳) (یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ غیر اللہ کے سامنے سجدہ دو قسم کا ہو سکتا ہے۔ سجدہ عبادت اور سجدہ تعظیم۔ سجدہ عبادت تو شرک کے زمرے میں آتا ہے، سجدہ تعظیم اگرچہ شرک نہیں لیکن ناجائز و حرام وہ بھی ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مظاہر حق جدید، شرح مشکوٰۃ شریف، ج ۱، ص ۱۳۳۔ مرتب)

آیت:5

﴿ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ‏ ﴾

ھ	د	ی

(ض) هُدًى، هِدَايَةً لطف اور مہربانی کے ساتھ رہنمائی کرنا۔ راستہ بتانا۔ اس کا استعمال ہمیشہ خیر و نیکی کے معنوں میں ہوتا ہے۔ هُدًى، دراصل مصدر هُدَیٌ تھا جو قاعدے کے مطابق هُدًى بنا۔ یہ مبنی کی طرح استعمال ہوتا ہے یعنی تینوں اعرابی حالتوں میں هُدًى ہی رہتا ہے (لیکن اس کو مبنی کہتے نہیں)۔ اس پر جب لام تعریف داخل ہو تو تینوں اعرابی حالتوں میں اَلْهُدٰی استعمال ہوتا ہے۔ ہدایت کے عموماً دو مفعول ہوتے ہیں یعنی کس کو ہدایت دی اور کیا ہدایت دی۔ هُدًى کے ساتھ دوسرے مفعول کی تین صورتیں ہیں (۱) مفعول ثانی بغیر صلہ کے آتا ہے جیسے آیت زیر مطالعہ میں ہے۔ (۲) مفعول ثانی اِلٰی کے صلہ کے ساتھ آتا ہے مثلاً ﴿ وَمَنۡ يَّعۡتَصِمۡ بِاللّٰهِ فَقَدۡ هُدِىَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴾ (3/آل عمران:101) ''اور جو مضبوطی سے پکڑے گا اللہ کو تو لازماً اُس کی راہنمائی کی جائے گی ایک سیدھے راستے کی طرف۔'' (۳) مفعول ثانی ''لِ'' کے صلہ کے ساتھ آتا ہے مثلاً ﴿ وَقَالُوا الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ هَدٰٮنَا لِهٰذَا ﴾ (7/الاعراف:43) ''تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے پہنچایا ہم کو یہاں تک۔''

ہدایت کا لفظ تین معنوں میں آتا ہے:

(۱) راستہ سمجھا دینا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کام دو طرح سے کیا ہے (ا) فطری راہنمائی یا فطری ہدایت۔ جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے ساتھ ہر جاندار چیز میں ودیعت کر رکھی ہے۔ مثلاً بچے کا پیدا ہوتے ہی ماں کے پستانوں کی طرف لپکنا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ قَالَ رَبُّنَا الَّذِىۡۤ اَعۡطٰى كُلَّ شَىۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴾ (20/طٰہٰ:50) ''موسیٰؑ نے جواب دیا'' ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اُس کی ساخت بخشی پھر اس کو راستہ بتایا۔'' (ب) وہ راہنمائی جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے پیغمبر بھیج کر اور کتابیں نازل کر کے کی۔ پیغمبروں نے انسانوں کے لیے اچھے اور برے راستے کی خوب اچھی طرح سے وضاحت کر دی اور نیکی اور بدی کا راستہ سمجھا دیا۔ وہ نیکی کے راستے کی طرف دعوت دیتے اور بدی کے راستے کو چھوڑنے کی تلقین کرتے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَجَعَلۡنَا مِنۡهُمۡ اَٮِٕمَّةً يَّهۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا لَـمَّا صَبَرُوۡا ﴾ (32/السجدۃ:24) ''اور ہم نے بنی اسرائیل میں سے (دین کے) پیشوا بنائے تھے جو ہمارے حکم سے (لوگوں کو) ہدایت کرتے تھے۔'' میں ہدایت کے یہی معنی مراد ہیں۔

(۲) راستے کی درستگی پر دل کو کھول دینا یعنی توفیق دے دینا۔ یہ توفیق ہدایت یافتہ لوگوں کو عطا کی جاتی ہے ﴿ وَالَّذِيۡنَ اهۡتَدَوۡا زَادَهُمۡ هُدًى وَّاٰتٰٮهُمۡ تَقۡوٰٮهُمۡ ﴾ (47/محمد:17) ''رہے وہ لوگ جنہوں نے ہدایت پائی ہے، اللہ اُن کو اور زیادہ ہدایت دیتا ہے اور انہیں اُن کے حصّے کا تقویٰ عطا فرماتا ہے۔'' ﴿ وَمَنۡ يُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ يَهۡدِ قَلۡبَهٗ ﴾ (64/التغابن:11) ''اور جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے، تو وہ اُس کے دل کو ہدایت دیتا ہے۔''

(۳) منزل مقصود تک پہنچا دینا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقَالُوا الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ هَدٰٮنَا لِهٰذَا ﴾ (7/الاعراف:43) ''اور وہ کہیں گے کہ'' تعریف اللہ ہی کے لیے جس نے ہمیں یہ راستہ دکھایا۔'' ﴿ اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهۡدِيۡهِمۡ رَبُّهُمۡ بِاِيۡمَانِهِمۡ ﴾ (10/یونس:9) ''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور اُنہوں نے نیک

عمل بھی کیے اُن کا پروردگار اُنہیں پہنچا دے گا (اُن کی منزل تک) بوجہ اُن کے ایمان کے۔" (ترجمہ ماجدیؒ) "یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے پہنچائے گا اُنہیں اُن کا رب (منزل مقصود تک) اُن کے ایمان کے باعث۔" (ترجمہ ضیاء القرآن) سورہ یونس کی آیت نمبر 9 کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: "اس میں لفظ ہدایت آیا ہے جس کے مشہور معنی راستہ بتلانے اور دکھلانے کے ہیں، اور کبھی منزل مقصود تک پہنچا دینے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، اس مقام پر یہی معنی مراد ہیں اور منزل مقصود سے مراد جنت ہے جس کی وضاحت بعد کے الفاظ میں ہوگئی ہے۔"

ایک انسان کسی دوسرے کو صرف دعوت الی الخیر اور راہنمائی کے ذریعہ ہی ہدایت کرسکتا ہے باقی اقسام ہدایت اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں لہٰذا جن آیات میں ہدایت کی نسبت پیغمبر یا کتاب یا دوسرے انسانوں کی طرف کی گئی ہے وہاں صرف راہ حق کی طرف راہنمائی کرنا مراد ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَ اِنَّكَ لَتَهۡدِیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴾ (42/الشوریٰ:52) "اور بیشک آپ سیدھا راستہ دکھاتے ہیں۔" ﴿وَّ لِكُلِّ قَوۡمٍ هَادٍ ﴾ (13/الرعد:7) "اور ہر قوم کے لیے ایک ہدایت دینے والا ہے۔" اور جن آیات میں پیغمبروں یا دوسرے لوگوں سے ہدایت کی نفی کی گئی ہے وہاں باقی اقسام ہدایت مراد ہیں چنانچہ فرمایا: ﴿اِنَّكَ لَا تَهۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ﴾ (28/القصص:56) "اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپؐ جسے چاہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے۔" اور قرآن میں جہاں کہیں ظالموں اور کافروں کو ہدایت سے روک دینے کا ذکر آیا ہے وہاں یا تو ہدایت بمعنی توفیق خاص جو ہدایت یافتہ لوگوں کو عطا ہوتی ہے ان سے سلب کر لی جاتی ہے اور یا ہدایت بمعنی یہ کہ اللہ انہیں آخرت میں ثواب کی طرف ہدایت نہیں دے گا اور نہ ہی انہیں جنت میں داخل کرے گا چنانچہ فرمایا: ﴿وَ اللّٰهُ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴾ (9/التوبۃ:19) "اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔" ﴿وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الۡكٰفِرِیۡنَ ﴾ (16/النحل:107) "اور یہ کہ اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

ویسے تو ہدایت کا استعمال ہمیشہ خیر اور نیکی کے معنوں میں ہوتا ہے لیکن قرآن مجید میں طنزاً کافروں کے لیے بھی استعمال ہوا ہے ﴿فَاهۡدُوۡهُمۡ اِلٰی صِرَاطِ الۡجَحِیۡمِ ﴾ (37/الصّٰفّٰت:23) "پھر ان سب کو جہنّم کا راستہ دکھاوٴ۔" یہ اُسی طرح ہے جیسے فرمایا: ﴿فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴾ (84/الانشقاق:24) "لہٰذا! اِن کو دردناک عذاب کی بشارت دے دو۔" اس میں عذاب کے لیے بشارت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

ھدی یھدی کا صلہ جب لام آتا ہے تو اس کے معنی ظاہر ہونا، واضح ہونا، روشن ہونا بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً: ﴿اَوَ لَمۡ یَهۡدِ لِلَّذِیۡنَ یَرِثُوۡنَ الۡاَرۡضَ مِنۡۢ بَعۡدِ اَهۡلِهَاۤ اَنۡ لَّوۡ نَشَآءُ اَصَبۡنٰهُمۡ بِذُنُوۡبِهِمۡ﴾ (7/الاعراف:100) "کیا اُن لوگوں پر جو اب زمین کے وارث ہیں بعد اُس کے سابق باشندوں کے یہ بات واضح نہیں ہوئی ہے کہ اگر ہم چاہتے تو اُنہیں بھی مصیبت میں مبتلا کر دیتے اُن کے گناہوں کے عوض میں۔" آیت کی وضاحت کرتے ہوئے صاحبؒ تفسیر ماجدی فرماتے ہیں "ہدایۃ کا تعدیہ جب ل کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں تَبۡیِیۡنٌ کے یعنی روشن و واضح ہو جانے کے۔ اِنَّمَا عُدِّیَ یَهۡدِ بِاللَّامِ بِمَعۡنٰی یُبَیِّنُ (بیضاویؒ)۔"

هُدًی مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے بمعنی ہدایت۔ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِیۡنَ اشۡتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالۡهُدٰی﴾ (2/البقرۃ:16) "یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خرید لی گمراہی، ہدایت کے بدلے۔" هُدًی، بمعنی اَلۡهَادِیۡ، ہدایت دینے والا بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً هُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ کا ترجمہ بعض بزرگوں نے اسی معنی کے لحاظ سے کیا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں: "راہ بتلاتی ہے ڈرنے والوں کو۔" اور صاحبؒ احسن البیان فرماتے ہیں: "پرہیزگاروں کو راہ دکھانے والی ہے۔"

اِهۡدِ ج: اِهۡدُوۡا۔ فعل امر ہے۔ تو راہنمائی کر۔ تو ہدایت دے۔ اِهۡدِ، آیت زیر مطالعہ میں استعمال ہوا ہے۔ اور ﴿فَاهۡدُوۡهُمۡ اِلٰی صِرَاطِ الۡجَحِیۡمِ ﴾ (37/الصافات:23) "پھر ان سب کو جہنم کا راستہ دکھاوٴ۔"

هُدِیَ ج: هُدُوْا۔ ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ اُسے ہدایت دی گئی۔ اس کی راہنمائی کی گئی۔ ﴿وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (3/آل عمران:101) ''جو شخص اللہ تعالیٰ (کے دین) کو مضبوطی سے تھام لے تو بلا شبہ اُسے راہ راست دکھا دی گئی ہے۔'' ﴿وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ (22/الحج:24) ''اُن کو پاکیزہ بات کی راہنمائی کر دی گئی۔''

هَادٍ اسم الفاعل ہے۔ راہنمائی کرنے والا۔ ﴿وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ (13/الرعد:7) ''اور ہر قوم کے لئے ایک ہدایت دینے والا ہے۔'' هَادٍ، جب مضاف ہو تو کبھی اسے 'ی' کے ساتھ لکھا جاتا ہے یعنی بِهٰدِي الْعُمْيِ (النمل:81) اور کبھی 'ی' کے بغیر لکھا جاتا ہے یعنی بِهٰدِ الْعُمْيِ (الروم:53)۔ هَادٍ کو حالت نصب میں هَادِيًا لکھا جاتا ہے (الفرقان:31)۔ هَادٍ جب لائے نفی جنس کا اسم ہو تو هَادِيَ لکھا جاتا ہے (الاعراف:186)۔

اَهْدٰی اَفْعَلُ التفضیل کا صیغہ ہے۔ اس کا ترجمہ ''زیادہ راہ پانے والا، زیادہ ہدایت یافتہ'' کیا جاتا ہے۔ ﴿وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَاۗءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا﴾ (4/النساء:51) ''اور وہ لوگ کافروں کے حق میں کہتے ہیں کہ وہ لوگ ایمان والوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں بلحاظ راستے کے۔''

(تفعیل) تَهْدِيَةً تَهْدِيَةً، تَفْعِلَةٌ کے وزن پر مصدر ہے۔ کسی چیز کو کسی تک پہنچا دینا۔ تحفہ دینا۔

هَدِيَّةٌ اسم ذات ہے۔ تحفہ۔ ﴿وَاِنِّىْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ﴾ (27/النمل:35) ''اور میں بھیجنے والی ہوں انؑ کی طرف ایک تحفہ۔''

هَدْیٌ هَدْیٌ کا لفظ خاص کر اس جانور پر بولا جاتا ہے جو بیت اللہ کی طرف (ذبح کے لیے) بھیجا جائے۔ اخفش نے اس کا واحد هَدْيَةٌ لکھا ہے۔ نر کی طرح مادہ جانور پر بھی ہدی کا لفظ بولا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ مصدر ہے۔ جو بطور صفت کے استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے: ﴿فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ (2/البقرۃ:152) ''اور اگر کہیں گھر جاؤ تو جو قربانی میسر آئے۔'' ایسے جانور جس شخص کے پاس ہوتے تو عرب کا معمول تھا کہ اُس کو کچھ نہ کہتے اور وہ امن کے ساتھ سفر کرتا اور اپنا مقصد پورا کرتا اس لیے ہدی بھی قیام امن کا ایک سبب ہوئی۔

(افتعال) اِهْتِدَاءً ہدایت پانا۔ لیکن یہ لفظ خاص اُس ہدایت پر بولا جاتا ہے جو انسان اپنے اختیار سے حاصل کرے۔ ﴿فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ (3/آل عمران:20) ''پس اگر یہ لوگ اسلام لے آئیں تو یہ لوگ یقیناً ہدایت پائیں گے۔'' کبھی اس کے معنی طلب ہدایت کے بھی آتے ہیں مثلاً ﴿وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِىْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ (2/البقرۃ:150) ''اور یہ بھی مقصود ہے کہ میں تم کو اپنی تمام نعمتیں بخشوں اور یہ بھی کہ تم راہ راست پر چلو۔'' اور کبھی اِس کے معنی سمجھنے کے بھی آتے ہیں مثلاً ﴿قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ﴾ (27/النمل:41) اس آیت کا ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ ان الفاظ میں کرتے ہیں: ''کہا روپ بدل دکھلاؤ اس عورت کے آگے اُس کے تخت کا ہم دیکھیں سمجھ پاتی ہے یا اُن لوگوں میں ہوتی ہے جن کو سمجھ نہیں۔'' (واللہ اعلم)

<u>نوٹ:</u> قرآن مجید میں يَهْتَدِيْ کو يَهِدِّيْ بھی پڑھا گیا ہے۔ مثلاً ﴿اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى﴾ (10/یونس:35) ''پھر بھلا بتاؤ، جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے وہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو خود راہ نہیں پاتا الّا یہ کہ اس کی رہنمائی کی جائے؟'' اصل میں يَهِدِّيْ قاعدے کے مطابق يَهَدِّيْ بنتا ہے لیکن 'ھ' پر زیر پڑھنا بھی جائز ہے۔

مُهْتَدٍ ج: مُهْتَدُوْنَ، مُهْتَدِيْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ ہدایت پانے والا۔ ہدایت یافتہ۔ ﴿ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴾ (57/الحدید:26) ''اور ان میں کوئی ہدایت پانے والا ہے اور ان میں اکثر فاسق ہیں۔'' ﴿ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴾ (2/البقرۃ:157) ''اور وہ لوگ ہی ہدایت یافتہ ہیں۔'' ﴿ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴾ (2/البقرۃ:16) ''اور وہ ہدایت یافتہ نہ ہوئے۔'' مُهْتَدٍ اصل میں مُهْتَدِیٌ تھا جو کہ قاعدے کے مطابق مُهْتَدٍ بن گیا۔ اس پر 'ال' داخل کریں تو یہ اَلْمُهْتَدِیُ بنتا ہے جو کہ پھر 'ی' ساکن کے ساتھ اَلْمُهْتَدِیْ لکھا جاتا ہے (الاعراف:178) اور کبھی اس 'ی' کو حذف کر کے اَلْمُهْتَدِ لکھا جاتا ہے (بنی اسرائیل:97)۔

هُدًى اور هداية میں فرق: اَلْهُدٰی اور هِدایۃ اگر چہ لغۃً ہم معنی ہیں لیکن قرآن پاک نے هُدًى کا لفظ خاص کر ہدایت الٰہی کے لیے استعمال کیا ہے اور کسی انسان کی طرف اس کی نسبت نہیں کی چنانچہ فرمایا: ﴿ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾ (2/البقرۃ:2) ''خدا سے ڈرنے والوں کی راہنما ہے۔'' ﴿ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ ﴾ (2/البقرۃ:38) ''پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے، تو جو لوگ میری اُس ہدایت کی پیروی کریں گے۔'' ﴿ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ﴾ (2/البقرۃ:120) ''صاف کہہ دو کہ راستہ بس وہی ہے جو اللہ نے بتایا ہے۔'' (مفردات القرآن)

س ر ط

(ن۔س) سَرْطًا۔ سَرَطَانًا نگلنا۔

سِرَاطٌ ج: سُرُطٌ اور صُرُطٌ۔ آسان راستہ۔ صاف کھلا راستہ۔ 'س ط' کی وجہ سے 'ص' پڑھی جاتی ہے۔ مولانا عبدالرشید نعمانی اِس لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''واضح رہے کہ صِرَاطٌ اصل میں سِرَاطٌ ہے۔ اس میں س کا ص سے قلب (بدل جانا) ہے تاکہ اطباق (موٹا ہونا۔ تجوید کی اصطلاح) میں طا کے مطابق ہو جائے۔ اس کی اصل سَرَطْتُ الطَّعَامَ سے ہے جس کا استعمال کھانے کے نگلنے کے لیے ہوتا ہے گویا سراط میں اس کا تصور ہے کہ رہرو (راستہ چلنے والا) راہ کو نگل لیتا ہے یا راستہ رہرو کو ہڑپ کر جاتا ہے۔'' (لغات القرآن)

ق و م

(ن) قِيَامًا (۱) یہ مصدر ہے مطلب ہے: کھڑا ہونا۔ ٹھہرنا۔ نگرانی یا حفاظت کرنا۔ اٹھنا۔

(۲) یہ قَائِمٌ کی جمع بھی ہے مطلب ہے کھڑے ہونے والے۔ ﴿ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا ﴾ (25/الفرقان:64) ''اور وہ لوگ جو رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے آگے سجدے میں اور کھڑے۔'' اس آیت میں حضرت درویشؒ نے قِيَامٌ کو قَائِمٌ کی جمع لکھا ہے۔

(۳) یہ اسم ذات بھی ہے مطلب وہ چیز جس پر کھڑا ہوا جائے۔ جیسے کِتَابٌ وہ چیز جس پر لکھا جائے۔ جس سے کسی چیز کی بقا وابستہ ہو۔ وہ چیز جس کے سہارے کوئی قائم رہ سکے۔ قرآن مجید میں مال کو قیام اسی معنی کے لحاظ سے کہا گیا ہے۔ ﴿ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا ﴾ (4/النساء:5) ''اور اپنے وہ مال جنہیں اللہ نے تمہارے لیے قیامِ زندگی کا ذریعہ بنایا ہے، نادان لوگوں کے حوالہ نہ کرو۔'' ﴿ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ ﴾ (5/المائدۃ:97) ''اللہ نے مکانِ محترم کعبہ کو لوگوں کے لیے (اجتماعی زندگی کے) قیام کا ذریعہ بنایا۔''

قِيَامَةٌ مصدر ہے۔ ایک بار کھڑے ہونا۔ اچانک اٹھ کھڑے ہونا۔ اصطلاح شرع میں اس سے مراد ہے مرنے کے بعد، جزا اور سزا کے لیے، دوبارہ زندہ ہو کر قبروں سے اٹھ کھڑے ہونا۔ یہ عقیدہ اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے۔ ﴿ وَيَوْمَ

﴿الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ﴾(2/البقرۃ:85)''اور قیامت کے دن (یعنی دوبارہ کھڑے ہونے کے دن) وہ لوٹائے جائیں گے شدید ترین عذاب کی طرف۔''

قَآئِمٌ ج: قِيَامٌ اور قَآئِمُوْنَ۔ اسم الفاعل۔ کھڑا ہونے والا۔ نگرانی کرنے والا۔ قیام کرنے والا۔ ﴿اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ﴾ (13/الرعد:33)''تو کیا وہ جو نگرانی کرنے والا ہے ہر نفس (کے عمل) کی جو اس نے کمایا۔''

قُمْ ج: قُوْمُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو کھڑا ہو۔ ﴿قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴾(73/مزمل:2)''کھڑے ہو جایئے رات کو (نماز کے لیے) مگر تھوڑا۔'' ﴿وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۝﴾(2/البقرۃ:238)''اور کھڑے رہو اللہ کے لیے عاجزی کرتے ہوئے۔''

قَوَّامٌ فَعَّالٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ بہت زیادہ حفاظت کرنے والا۔ ذمہ دار۔ کفیل۔ قَوَّامٌ اُس شخص کو کہتے ہیں جو کسی ادارے، نظام یا فرد کے معاملات کو درست حالت میں چلانے، اُس کی نگہبانی اور حفاظت کرنے اور اُس کی ضروریات مہیا کرنے کا ذمہ دار ہو۔ اِس لیے اردو میں اِس کا ترجمہ عموماً حاکم کیا جاتا ہے۔ ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾ (4/النساء:34)''مرد حفاظت کرنے والے، ذمہ دار ہیں عورتوں پر۔'' ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ﴾(4/النساء:135)''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، انصاف کے علم بردار اور خدا واسطے گواہ بنو۔''

قَيُّوْمٌ فَيْعُوْلٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ اصل میں قَيْوُوْمٌ تھا۔ صرفی تعلیل کے بعد قَيُّوْمٌ بن گیا۔ اس کا مصدر قِيَامٌ ہے۔ اس کے معنی ہیں وہ ذات جو از خود قائم ہو اور دوسروں کو قائم رکھنے والی ہو۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں: ''اَلْقَيُّوْمُ: اَلْقَائِمُ بِتَدْبِيْرِ خَلْقِهٖ مِنْ اِنْشَاءِهِمْ اِبْتِدَاءً وَاِيْصَالِ اَرْزَاقِهِمْ اِلَيْهِمْ یعنی وہ ہستی جو کائنات کی ہر چیز کی تخلیق، نشوونما اور بقاء کی تدبیر فرمانے والی ہے۔ ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ﴾(2/البقرہ:255)''اللہ، وہ زندۂ جاوید ہستی، جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے، اُس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔''

قَيِّمٌ، قَيِّمَةٌ یہ دونوں صفت کے صیغے ہیں۔ ان کا معنی ہے ایسا سیدھا جس میں ذرا بھی کجی یا ٹیڑھا پن نہیں یا ایسا صحیح جس میں ذرا بھی غلطی کا امکان نہیں۔ قائم یا ثابت چیز۔ سیدھی چیز۔ درست کرنے والا۔ ﴿ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ﴾ (9/التوبۃ:36)''یہی ٹھیک ضابطہ ہے۔'' ﴿وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝﴾(98/البیّنۃ:5)''یہی نہایت صحیح اور درست دین ہے۔'' اَلدِّيْنُ الْقَيِّمُ کے بارے میں امام راغبؒ نے لطیف توجیہ کی ہے، فرماتے ہیں: ''ایسا دین جو معاش و معاد اور دنیا و آخرت کو درست کرنے والا ہے۔'' گویا امام راغبؒ کے نزدیک قَيِّمٌ بمعنی مُقَوِّمٌ (باب تفعیل سے اسم الفاعل۔ درست کرنے والا) ہے۔ (بحوالہ لغات القرآن)

اَقْوَمُ افعل التفضیل کا صیغہ ہے۔ زیادہ درست رکھنے والا۔ زیادہ قائم رکھنے والا۔ بالکل سیدھا۔ ﴿وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ﴾ (2/البقرۃ:282)''اور بہت درست رکھنے والا ہے گواہی کو۔'' ﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ﴾(17/بنی اسرائیل:9)''بے شک یہ قرآن بتلاتا ہے وہ راستہ جو بالکل سیدھا ہے۔''

مَقَامٌ اسم الظرف ہے مَفْعَلٌ کے وزن پر۔ کھڑے ہونے کی جگہ۔ ٹھہرنے کی جگہ۔ ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ﴾ (2/البقرہ:125)''اور تم لوگ بنا لو ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ میں سے نماز کی جگہ۔'' یہ بطور مصدر بھی استعمال ہوتا ہے۔ ﴿اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ﴾ (10/یونس:71)''اگر تم لوگوں پر بھاری ہے میرا کھڑا ہونا اور میری نصیحت۔''

قِيَمٌ (۱) صفت ہے۔ یا (۲) قِيَامٌ کا مخفف ہے۔ مطلب ہے درست، صحیح، دنیا اور آخرت کو درست کرنے والا۔ ﴿دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ﴾(6/الانعام:161)''دین صحیح ملت ابراہیم کی جو ایک ہی طرف کا تھا۔''

قَوَامٌ اسم ہے۔ اسراف اور بخل کے درمیان حد اوسط، معتدل، میانہ، متوسط۔﴿ وَ الَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَنۡفَقُوۡا لَمۡ یُسۡرِفُوۡا وَ لَمۡ یَقۡتُرُوۡا وَ کَانَ بَیۡنَ ذٰلِکَ قَوَامًا ﴾(25/الفرقان:67)''جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں نہ بخل، بلکہ اُن کا خرچ دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتا ہے۔''

قَوۡمٌ کسی جگہ یا کسی صفت پر قائم رہنے والے افراد کا گروہ۔﴿ قَدۡ بَیَّنَّا الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ﴾(2/البقرہ:118)''ہم واضح کر چکے ہیں نشانیوں کو یقین رکھنے والے گروہ کیلئے۔''

(افعال) **اِقَامَۃً، اِقَامًا** کھڑا کرنا۔ سیدھا کرنا۔ کسی چیز کو قائم ودائم رکھنا۔﴿ الَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ ﴾(5/المآئدہ:55)''جو لوگ نماز کو قائم رکھتے ہیں۔''﴿ وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡہِمۡ فِعۡلَ الۡخَیۡرٰتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوۃِ وَ اِیۡتَآءَ الزَّکٰوۃِ ﴾(21/الانبیاء:73)''اور ہم نے ان کی طرف نیک کاموں کے کرنے اور نمازوں کے قائم رکھنے اور زکوٰۃ دینے کی وحی (تلقین) کی۔''(ترجمہ احسن البیان)۔ اِقَامٌ بھی دراصل باب افعال کا مصدر اِقَامَۃٌ ہے۔ تخفیف کے لیے 'ت' کو آخر سے حذف کر دیا۔

مُقِیۡمٌ ج: مُقِیۡمُوۡنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ قائم رکھنے والا۔ ﴿ وَ الۡمُقِیۡمِیۡنَ الصَّلٰوۃَ ﴾(4/النساء:162)''اور نماز کو قائم رکھنے والے۔''

مُقَامٌ، مُقَامَۃٌ اسم المفعول جو بطور اسم الظرف بھی استعمال ہوتا ہے۔ کھڑا کیا ہوا۔ کھڑے کئے جانے کی جگہ۔ ٹھہرائے جانے کی جگہ۔﴿ لَا مُقَامَ لَکُمۡ فَارۡجِعُوۡا ﴾(33/الاحزاب:13)''تمہیں ٹھہرائے جانے کی کوئی جگہ نہیں ہے پس واپس چلو۔''﴿ الَّذِیۡۤ اَحَلَّنَا دَارَ الۡمُقَامَۃِ مِنۡ فَضۡلِہٖ ﴾(35/فاطر:35)''جس نے ہمیں اپنے فضل سے ابدی قیام کی جگہ ٹھہرا دیا۔''

اَقِمۡ ج: اَقِیۡمُوۡا۔ فعل امر ہے۔ تو قائم و دائم رکھ۔ تو سیدھا رکھ۔ ﴿وَ اَنۡ اَقِمۡ وَجۡہَکَ لِلدِّیۡنِ حَنِیۡفًا﴾ (10/یونس:105)''اور (مجھے حکم دیا گیا ہے کہ) تو اپنا رخ سیدھا رکھ اِس دین کی طرف ہر کجی سے بچتے ہوئے۔'' ﴿ وَ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ ارۡکَعُوۡا مَعَ الرّٰکِعِیۡنَ ﴾(2/البقرۃ:43)''اور قائم کرو/ قائم رکھو نماز اور ادا کرو زکوٰۃ اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔''

(تفعیل) **تَقۡوِیۡمًا** کسی چیز کی بنیاد کو درست کرنا، ٹھیک کرنا، اعتدال پیدا کرنا (تعدیل کرنا)۔﴿ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ ﴾(95/التین:4)''یقیناً ہم نے پیدا کیا انسان کو سب سے اچھے تناسب وتعدیل میں۔''

(استفعال) **اِسۡتِقَامَۃً** اس طرح سیدھا کھڑا ہونا کہ کوئی کجی یا کسی طرف جھکاؤ نہ ہو۔ سیدھا ہونا۔ ڈٹ جانا۔ قائم رہنا۔ سیدھا چلنا۔ دین پر ڈٹ جانا اور استقامت اختیار کرنا کے معنی حضرت عمر فاروقؓ نے ان الفاظ میں بیان کیے ہیں: ''اَلۡاِسۡتِقَامَۃُ اَنۡ تَسۡتَقِیۡمَ عَلَی الۡاَمۡرِ وَالنَّھۡیِ وَاَلَّا تَرُوۡغَ رَوۡغَانَ الثَّعَالِبِ استقامت یہ ہے کہ تم اللہ کے تمام احکام، اوامر اور نواہی پر سیدھے جمے رہو اور یہ کہ اُس سے اِدھر اُدھر راہِ فرار لومڑیوں کی طرح نہ نکالو۔''(بحوالہ معارف القرآن)

مُسۡتَقِیۡمٌ اسم الفاعل ہے۔ ہر کجی اور جھکاؤ سے پاک ہو کر سیدھا ہونے والا۔ بطور صفت بھی استعمال ہوتا ہے۔ یعنی ہر کجی اور جھکاؤ سے پاک یعنی سیدھا۔

اِسۡتَقِمۡ ج: اِسۡتَقِیۡمُوۡا۔ فعل امر ہے۔ تو قائم رہ۔ تو ثابت قدم رہ۔﴿ وَ اسۡتَقِمۡ کَمَاۤ اُمِرۡتَ ﴾(42/الشوریٰ:15)''تو قائم رہ جیسا کہ فرما دیا ہے تجھ کو۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔﴿ فَمَا اسۡتَقَامُوۡا لَکُمۡ فَاسۡتَقِیۡمُوۡا لَہُمۡ ﴾(9/التوبۃ:7)''سو جب تک وہ قائم رہیں تمہارے لیے (معاہدہ پر) تم بھی قائم رہو اُن کے لیے۔''

ترکیب اِھۡدِ ثلاثی مجرد سے فعل امر ہے۔ اِھۡدِ کے دو مفعول ہوتے ہیں کس کو ہدایت دی اور کیا ہدایت دی، یہاں 'نا' ضمیر مفعولی، مفعول اول ہے اور

مفعول ثانی مرکب توصیفی الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ہے۔

ترجمہ	اِهْدِ	نَا	الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۵﴾
	تو ہدایت دے	ہم کو	سیدھے راستے کی

نوٹ۔1 اِهْدِ یہاں پر ہدایت کے جامع مفہوم میں ہے۔یعنی تو سیدھا راستہ ہمیں سمجھادے۔اس پر چلنے کی توفیق عطا فرما اور اس پر چلا کر ہمیں منزل تک پہنچادے۔علماء کرام اور بزرگان دین جب نماز میں یہ آیت پڑھتے ہیں تو ان کی دعا دراصل توفیق اور منزل تک پہنچنے کے لئے ہوتی ہے۔تفصیل کے لئے معارف القرآن دیکھیں۔

آیت: 6

﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ۵﴾

اَلَّذِيْنَ اَلَّذِیْ واحد اور اَلَّذِيْنَ جمع ہے۔یہ دونوں مبنی ہیں۔لیکن اس کا تثنیہ قاعدہ کے مطابق اَللَّذَانِ اور اَللَّذَيْنِ آتا ہے۔یہ بھی نوٹ کرلیں کہ اَلَّذِیْ اور اَلَّذِيْنَ ایک لام کے ساتھ لکھا جاتا ہے جبکہ اس کا تثنیہ عموماً دو لام کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔البتہ قرآن مجید کے املا پر غور کرنا ضروری ہے۔اس لئے کہ سورۃ النساء کی آیت نمبر 16 میں اَلَّذٰنِ ایک لام کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔

ن ع م

(ف۔ن) **نَعْمَةً** خوشحال ہونا۔نعمت پانا۔

(س) **نُعُوْمَةً، نَعَمًا** سرسبز ہونا۔تروتازہ ہونا۔

نَعْمَةٌ اور **نِعْمَةٌ** اسم ذات ہے۔نعمت، آرام، آسائش، اچھی حالت۔﴿وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ﴾(73/المزمل:11)''اور تو چھوڑ دے مجھ کو اور جھٹلانے والوں کو جو نعمت والے ہیں۔'' ﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ﴾(2/البقرہ:231)''اور تم لوگ یاد کرو اللہ کی نعمت کو۔''

نَعْمَآءُ ج: اَنْعُمٌ اور نِعَمٌ۔آرام۔آسودگی۔اچھی حالت۔اس کا اُلٹ ضَرَّآءُ ہے۔﴿وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ﴾(11/ھود:10)''اور اگر ہم چکھائیں اس کو آرام، تکلیف کے بعد۔'' ﴿فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ﴾(16/النحل:112)''تو اس نے ناشکری کی اللہ کی (دی ہوئی) نعمتوں کی۔'' ﴿وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً ۭ﴾(31/لقمان:20)''اور پوری کردیں تم پر اپنی نعمتیں کھلی اور چھپی۔''

نَعِيْمٌ فَعِيْلٌ کا وزن ہے مطلب ہے نِعْمَةٌ كَثِيْرَةٌ۔ہمیشہ خوش حال۔ہمیشہ تروتازہ۔آرام۔راحت۔﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿۱۳﴾ۚ﴾(82/الانفطار:13)''بیشک نیکوکار ہمیشہ کی خوشحالی میں ہوں گے۔'' ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ﴿۸﴾ۙ﴾(31/لقمان:8)''بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے ان کے لئے نعمتوں والے باغات ہیں۔''

نَاعِمٌ اسم الفاعل ہے۔خوش حال ہونے والا۔تروتازہ۔ہشاش بشاش۔﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاعِمَةٌ ﴿۸﴾ۙ﴾(88/الغاشیہ:8)''کچھ چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے۔''

نَعَمٌ ج: اَنْعَامٌ۔مویشی۔چوپائے (یہ اللہ کی نعمت ہیں)۔﴿فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ﴾(5/المآئدہ:95)''تو بدلہ ہے ویسا ہی جو اس نے قتل کیا مویشی میں سے۔'' چوپاؤں میں سے انعام یعنی مویشی ایسے جانوروں کو کہتے ہیں جن کے پیر

کے سُم (چوپائے کا کُھر) چرے ہوتے ہیں اور وہ کُچلیاں (کُچلی کی جمع۔نوک دار دانت) اور پنجے نہیں رکھتے اور نہ ہی انسان پر حملہ کرتے ہیں۔حیوانی غذا کی بجائے نباتاتی غذا کھاتے ہیں اور جگالی کرتے ہیں۔اصل میں نَعَمٌ کا لفظ خاص اونٹوں کے لیے بولا جاتا ہے اس لیے کہ وہ عربوں کے لیے سب سے بڑی نعمت تھے۔اِس کی جمع انعام آتی ہے لیکن انعام میں باقی جانور مثلاً بھیڑ، بکری، گائے، بھینس، نیل گائے وغیرہ بھی شامل ہیں۔مگر ان جانوروں پر انعام کا لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب اِس میں اونٹ بھی شامل ہو وگرنہ نہیں۔گھوڑے، گدھے، شیر، وغیرہ انعام نہیں ہیں۔شائد یہی وجہ ہے کہ سورۂ آل عمران کی آیت نمبر 14 میں گھوڑوں کو انعام میں شامل نہیں کیا گیا اور ان کا ذکر الگ کیا گیا ہے۔﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ﴾ (3/آل عمران:14)

نِعْمَ و نِعِمَّا مدح یعنی تعریف کے الفاظ ہیں۔کیسا اچھا۔کتنا عمدہ۔﴿ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ ۝ ﴾ (8/الانفال:40) ''پس تم لوگ جان لو کہ اللہ تمہارا حمایتی ہے تو کیسا اچھا حمایتی اور کیسا اچھا مددگار ہے۔''
﴿ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ ﴾ (2/البقرۃ:271) ''اگر تم لوگ علانیہ صدقہ دو تو کیسا اچھا ہے یہ۔''

نَعَمْ ہاں۔﴿ قُلْ نَعَمْ وَ اَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ۝ ۚ ﴾ (37/الصافات:18) ''آپ ﷺ کہیے ہاں اور تم لوگ ذلیل ہوگے۔''

(افعال) **اِنْعَامًا** خوش حال کرنا۔نعمت دینا۔اس کے ساتھ علٰی کا صلہ آتا ہے۔﴿ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ ﴾ (1/الفاتحۃ:6) ''تو نے نعمت دی جن کو۔'' اِنعام کے معنی ہیں وہ کیفیت جسے انسان لذیذ پاتا ہے پھر اس کا استعمال ان اشیاء پر ہونے لگا جو اس لذت کا سبب بنتی ہیں۔اس لفظ کا استعمال صرف انسانوں کے لیے ہوتا ہے غیر انسان کے لیے نہیں۔مثلاً عربی میں یوں نہیں کہتے اَنْعَمَ عَلٰى فَرَسِهٖ اُس نے اپنے گھوڑے پر انعام کیا اور نہ ہی یہ لفظ اپنی ذات کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

(تفعیل) **تَنْعِيْمًا** کسی کو نعمت سے نوازنا۔﴿ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَ نَعَّمَهٗ ۙ ﴾ (89/الفجر:15) ''مگر انسان کا حال یہ ہے کہ اس کا رب جب اس کو آزمائش میں ڈالتا ہے اور اسے عزّت اور نعمت دیتا ہے۔''

ترکیب صِرَاطَ الَّذِيْنَ میں صِرَاطَ مضاف ہے اور الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کا ''بدل کل'' ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔اَلَّذِيْنَ اسم موصولہ ہے، آگے جملہ فعلیہ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اِس کا صلہ ہے اور صلہ موصولہ مل کر صِرَاطَ کا مضاف الیہ ہے۔اِس لیے حالت جر میں ہے۔اِس بات کو نوٹ کر لیں اگلی آیت میں اس کی ضرورت پڑے گی۔

ترجمہ

صِرَاطَ الَّذِيْنَ	اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ
ان لوگوں کا راستہ	جن پر تو نے انعام کیا

نوٹ: سورۃ النساء کی آیت نمبر 69 میں اللہ تعالیٰ نے اپنے انعام یافتہ افراد کی فہرست دے دی ہے اور یہ انبیاء کرام، صدیقین، شہداء کرام اور صالحین پر مشتمل ہے۔

آیت نمبر:7

﴿ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ ع ﴾

غَيْرُ مختلف چیز، علاوہ چیز۔قرآن مجید میں غَيْرُ کا استعمال چار طور پر ہوا ہے(۱) صرف نفی کے لیے جیسے ﴿ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ ﴾ (28/القصص:50) ''یعنی اللہ کی طرف سے ہدایت نہ ہونے کی صورت میں۔'' ﴿ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ۝ ﴾ (43/الزخرف:18) ''اور جو جھگڑے میں

اپنی بات واضح نہ کر سکیں۔'' (۲) لفظ اِلّا کی طرح صرف استثناء کے لیے۔اس صورت میں یہ نکرہ کی صفت بن سکتا ہے۔جیسے ﴿مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِیْ ج﴾ (28/القصص:38) ''میں تو نہیں جانتا کہ تمہارے لیے میرے سوا کوئی اور معبود بھی ہے۔'' ﴿هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ﴾ (35/فاطر:3) ''کیا اللہ کے سوا کوئی اور بھی خالق ہے۔'' ﴿فَمَا تَزِيْدُوْنَنِیْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ۝﴾ (11/ھود:63) ''سو تم کچھ نہیں بڑھاتے میرا سوائے نقصان کے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ﴿وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ۝﴾ (11/ھود:101) ''اور نہیں بڑھایا اُن کے حق میں سوائے ہلاک کرنے کے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) (۳) اصل چیز کو باقی رکھتے ہوئے صرف ظاہری شکل وصورت کی نفی کے لیے جیسے ﴿كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا﴾ (4/النساء:56) ''جب کبھی پک جائیں گی ان کی کھالیں تو بدل کر دے دیں گے ہم اُنہیں کھالیں دوسری۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن) (۴) کسی چیز کی مکمل نفی کر کے دوسری چیز کو اس جگہ قائم کرنے کے لیے جیسے ﴿وَّ يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ﴾ (9/التوبۃ:39) ''تمہاری جگہ اللہ دوسری قوم کو لے آئے گا۔'' ﴿ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ﴾ (10/یونس:15) ''لے آیئے کوئی دوسرا قرآن اس کے علاوہ۔'' غَيْرُ کے بعد مستثنیٰ مجرور ہوتا ہے اور جب فقرے میں غیر کی تکرار کا مقصود ہو تو اس 'غَيْرُ' کی بجائے 'لَا' استعمال ہوتا ہے۔اس کے بعد بھی مستثنیٰ مجرور ہوتا ہے۔جیسے آیت زیر مطالعہ اور ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ لَا هُدًی وَّ لَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝﴾ (31/لقمان:20) ''انسانوں میں سے کچھ لوگ ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی علم ہو، یا ہدایت، یا کوئی روشنی دکھانے والی کتاب۔''

غ ض ب

(س) **غَضَبًا** انتقام کے لیے دل میں خون کا جوش مارنا۔غضبناک ہونا۔غصہ میں ہونا۔نبی اکرم ﷺ نے غَضَبٌ کی تعریف یوں فرمائی ہے: ((اِتَّقُوْا مِنَ الْغَضَبِ فَاِنَّهٗ جَمْرَةٌ تُوْقَدُ فِیْ قَلْبِ ابْنِ اٰدَمَ اَلَمْ تَرَوْا اِلٰی انْتِفَاخِ اَوْدَاجِهٖ وَحُمْرَةِ عَيْنَيْهِ)) ''غضب سے بچو کہ وہ آگ کی چنگاری ہے جو ابن آدم کے دل میں جلتی ہے۔تم دیکھتے نہیں کہ ایسے شخص کی رگیں پھول جاتی ہیں اور آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں۔'' (بحوالہ مترادفات القرآن، ص ۶۵۲، ذرا سے لفظی فرق کے ساتھ یہ حدیث مظاہر حق جدید، شرح مشکوٰۃ شریف، ج ۴، ص ۶۱۵ پر بھی ہے)۔غضب الٰہی سے مراد عذاب اور سزا ہے۔یہ فعل لازم ہے۔علیٰ کے صلے کے ساتھ متعدی ہو جاتا ہے۔

غَضْبَانُ فَعْلَانُ کے وزن پر مبالغہ ہے۔بہت زیادہ غضبناک۔ ﴿وَ لَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤی اِلٰی قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا﴾ (7/الاعراف:150) ''اور جب واپس ہوئے موسیٰؑ اپنی قوم کی طرف بہت غضبناک حالت میں اور افسوس کرتے ہوئے۔''

مَغْضُوْبٌ عَلٰی لازم افعال کا مفعول اور مجہول نہیں آتا لیکن صلے کے استعمال سے مفعول اور مجہول بن جاتا ہے۔اسی طرح غ ض ب فعل لازم ہے۔اِس کو متعدی بنانے کے لیے علیٰ کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔مَغْضُوْبٌ عَلٰی اسم المفعول ہے۔مطلب ہے جس پر غضب کیا گیا۔جب مفعول آئے تو مفعول کی جمع نہیں بنائی جاتی بلکہ علیٰ کے بعد واحد، تثنیہ یا جمع کا ذکر کیا جاتا ہے۔مَغْضُوْبٌ واحد ہی رہتا ہے۔چنانچہ جس پر غضب کیا گیا اگر وہ واحد مذکر ہو تو مَغْضُوْبٌ عَلَيْهِ کہیں گے۔واحد مؤنث ہو تو مَغْضُوْبٌ عَلَيْهَا کہیں گے۔علیٰ ہذا القیاس۔

(مفاعلہ) **مُغَاضَبَةً** کسی پر ناراض ہونا۔

مُغَاضِبٌ اسم الفاعل ہے۔کسی پر ناراض ہونے والا۔ ﴿وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا﴾ (21/الانبیاء:87) ''اور مچھلی والے کو جب چلا گیا غصہ ہو کر۔''

ض ل ل

(ض) **ضَلَالًا وَضَلَالَةً** بنیادی مفہوم ہے سیدھی راہ سے ہٹ جانا۔یہ ہدایت کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے۔راستے سے روگردانی دانستہ ہو یا بھول کر ہو، تھوڑی ہو یا زیادہ، اس کو ضلال کہتے ہیں۔ضلال کا اطلاق مندرجہ ذیل معانی پر ہوتا ہے:

(۱) گمراہ ہونا۔راہِ حق سے بھٹک کر باطل کی طرف جانا۔مثلاً: ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ ۝﴾ (1/الفاتحہ:7) ''جن پر غضب نہیں کیا گیا اور جو گمراہ ہونے والے نہیں۔''

(۲) راستہ کی تلاش میں ہونا۔ حیران و پریشان ہونا۔ مثلاً: ﴿ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝﴾ (93/الضحیٰ:7) ''اور آپ کو بے خبر پایا سو راستہ بتا دیا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) اِس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''ضال کے معنی حیران و سرگرداں کے ہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ دولت رسالت سے تو بعد کو مشرف ہوئے ہیں۔ اپنی قوم کی اصلاح کی فکر اور تڑپ آپ ﷺ کو بہت قبل سے تھی، اور اسی دھن میں آپ ﷺ برابر لگے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے وحی کی راہ آپ ﷺ پر کھول دی۔ اور سارے حقائق دین آپ ﷺ پر منکشف کر دیئے۔ سو ضال آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی زندگی کے دور قبل نبوت کے اعتبار سے فرمایا، جب آپ ﷺ راہِ فلاح و اصلاح کے لیے بے چین تھے۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص ۱۱۷۶)

(۳) ناواقف ہونا۔ جب کوئی شخص کسی شے کی حقیقت سے ناواقف ہو تو عرب کہتے ہیں ضَلَّ عَنْهُ۔ اسی معنی میں یہ آیت ہے: ﴿ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝﴾ (2/البقرۃ:198) ''اور اِس سے قبل تم یقیناً محض ناواقفوں میں تھے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) آیت کی تشریح کرتے ہوئے مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''ضالّ ہمیشہ گمراہی کے معنی میں نہیں آتا، ناواقف کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور ضلال سے مراد احکام الٰہی سے ناواقفیت ہو سکتی ہے اور یہاں یہی مراد ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص ۱۰۴)

(۴) گم ہونا۔ ضائع ہونا۔ نیست ہونا۔ چنانچہ عربی محاورے میں کہتے ہیں ضَلَّ الْمَآءُ فِي اللَّبَنِ۔ پانی دودھ میں گم ہو گیا۔ قرآن مجید میں ہے۔ ﴿ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ ﴾ (32/السجدۃ:10) ''اور کہتے ہیں کہ بھلا جب ہم زمین میں نیست و نابود ہو گئے تو کیا کہیں پھر ہم نئے جنم میں آئیں گے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

(۵) محبت کے معنی میں۔ جیسے فرمایا: ﴿ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ۝﴾ (12/یوسف:95) ''گھر والوں نے کہا بخدا (باباجی) آپؑ اپنی اس پرانی محبت میں مبتلا ہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت صاحبؒ احسن البیان فرماتے ہیں: ''ضَلَالٌ سے مراد، والہانہ محبت کی وہ وارفتگی ہے جو حضرت یعقوبؑ کو اپنے بیٹے یوسفؑ کے ساتھ تھی۔ بیٹے کہنے لگے، ابھی تک آپ اسی پرانی غلطی یعنی یوسفؑ کی محبت میں گرفتار ہیں۔ اتنا طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود یوسفؑ کی محبت دل سے نہیں گئی۔'' امام راغبؒ مفردات القرآن میں لکھتے ہیں: ''تو ان آیات (یوسف آیت 8 اور 95) میں ضلال سے مراد یہ ہے کہ وہ یوسف علیہ السلام کی محبت میں اور ان کے اشتیاق میں سرگرداں ہیں اسی طرح آیت کریمہ (یوسف آیت 30) میں بھی ضلال مبین سے والہانہ محبت مراد ہے۔'' ﴿ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝﴾ (93/الضحیٰ:7) ''اور آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو منزل مقصود تک پہنچا دیا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ حضرت پیر کرم شاہ صاحبؒ نے اس آیت میں ضَآلًّا کے بارے میں 6 قول نقل کیے ہیں۔ اِن میں سے چھٹا قول امام رازیؒ کا ہے چنانچہ لکھتے ہیں: ''امام رازیؒ کہتے ہیں کہ الضلال بمعنی المحبت کما فی قوله تعالٰی انك فی ضلالك القديم۔ یعنی یہاں ضلال سے مراد محبت ہے جس طرح سورہ یوسف کی اس آیت میں ہے۔''

(۶) غلطی کے معنی میں۔ ضلال کا لفظ نادانی، خطا یا نادانستگی کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝ ﴾ (26/الشعراء:20) ''(موسیٰؑ نے) کہا واقعی میں وہ حرکت کر بیٹھا تھا اور مجھ سے نادانستہ غلطی ہو گئی تھی۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے حاشیے میں مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''ضال کے معنی ہی ہیں انجان کوئی حرکت کر بیٹھنے والا۔ ضلال کا لفظ ارادی وغیر ارادی، بڑی اور چھوٹی ہر غلطی کے لیے عام ہے۔ اور اسی لیے اس کا اطلاق ضلال انبیاء و ضلال کفار دونوں پر ہوتا ہے۔ حالانکہ اس ضلال اور اُس ضلال کے درمیان زمین و آسمان کا

فرق ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص ۶۳ ۷)

(۷) غفلت یا غافل ہونا کے معنی میں۔ جیسے فرمایا: ﴿لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴾ (20/طٰہٰ:52)

''میرا رب نہ غافل ہوتا ہے نہ بھولتا ہے۔''

(۸) بھول جانے کے معنی میں۔ جیسے فرمایا: ﴿اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا﴾ (2/البقرۃ:282) ''اور اگر اُن میں سے ایک بھول جائے گی۔'' مفردات القرآن کے مطابق یہاں تَضِلَّ کے معنی بھول جانے کے ہیں۔ اور یہی وہ نسیان ہے جسے عفو قرار دیا گیا ہے۔

(۹) اس درخت کو بھی عربی میں ضلالۃ کہتے ہیں جو صحرا میں اکیلا کھڑا ہو اور آس پاس کوئی دوسرا درخت نہ ہو۔

(۱۰) ضائع ہونے کے لیے بھی ضلال کا لفظ بولا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی چیز ناموافق اور ناسازگار حالات میں ضائع ہو رہی ہو۔

(۱۱) ہلاک ہونے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

ضَالٌّ ج: ضَآلُّوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ گمراہ ہونے والا۔ راستہ کی تلاش میں سرگرداں ہونے والا۔ ضال کے معنی ہی ہیں انجان کوئی حرکت کر بیٹھنے والا۔ ﴿وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ﴾ (3/آل عمران:90) ''اور وہ لوگ ہی گمراہ ہونے والے ہیں۔'' ﴿وَ وَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى﴾ (93/الضحیٰ:7) ''اور اس نے پایا آپ ﷺ کو حق کی تلاش میں سرگرداں تو ہدایت دی۔''

(افعال) **اِضْلَالًا** گمراہ کرنا۔ ضائع کرنا۔ ﴿وَ مَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ﴾ (4/النساء:113) ''اور وہ لوگ گمراہ نہیں کرتے مگر خود اپنے آپ کو۔'' ﴿فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ سَيَهْدِيْهِمْ﴾ (47/محمد:4-5) ''(تو وہ ہرگز ضائع نہیں کرے گا) ان کے اعمال کو (بلکہ) وہ ان کو ہدایت دے گا۔''

مُضِلٌّ اسم الفاعل ہے۔ گمراہ کرنے والا۔ ﴿وَ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ﴾ (39/الزمر:37) ''اور جس کو اللہ ہدایت دے تو اس کو گمراہ کرنے والا کوئی نہیں ہے۔''

(تفعیل) **تَضْلِيْلًا** ضائع کر دینا۔ برباد کر دینا۔ ناکام بنا دینا۔ ﴿اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ﴾ (105/الفیل:2) ''کیا اس نے نہیں کر دیا ان کی خفیہ تدبیر کو برباد۔''

ترکیب غَيْرِ مضاف ہے اور اس کی جر بتا رہی ہے کہ یہ اَلَّذِيْنَ کا بدل ہے یا اُس کی صفت ہے جو محلاً حالت جر میں ہے۔ اَلْمَغْضُوْبِ مضاف الیہ ہے عَلَيْهِمْ جار مجرور مل کر محلاً حالت رفع میں ہیں۔ اَلْمَغْضُوْبِ کا نائب الفاعل ہونے کی وجہ سے۔ وَ عطف کا ہے اور آگے لَا زائدہ نفی کی تاکید کے لیے ہے۔ اَلضَّآلِّيْنَ عطف ہے الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ پر۔

ترجمہ

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ	وَلَا الضَّآلِّيْنَ
جن پر غضب نہیں کیا گیا	اور جو گمراہ نہیں ہوئے

نوٹ:1 سورۃ الفاتحہ کے مطالعہ سے دعا مانگنے کا سلیقہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مانگنے سے پہلے اسکی حمد وثناء کرنی چاہیے۔ متعدد احادیث میں حضور ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرو۔ پھر درود شریف پڑھو، اس کے بعد دعا مانگو۔

نوٹ:2 آمین غیر عربی لفظ ہے۔ اکثریت کی رائے ہے کہ یہ عبرانی لفظ ہے جس کے معنی ہیں ''اِسْمَعْ وَاسْتَجِبْ'' یعنی یا اللہ تو ہماری دعا سن اور قبول فرما (حضرت عبداللہ بن عباسؓ)۔ یہ لفظ قرآن مجید کا حصہ نہیں۔ اِس کا پڑھنا سنت سے ثابت ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ البقرہ

آیت: 1-2

﴿ الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ ۚۖۛ فِیۡہِ ۚۛ ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ۙ﴿۲﴾ ﴾

الٓمّٓ یہ حروف مقطعات ہیں۔ یہ پڑھنے میں پوری آواز کے ساتھ ادا کیے جاتے ہیں۔ ہمارے بزرگوں نے اِن حروف پر کافی کچھ لکھا ہے جو کتب تفاسیر میں سے دیکھا جا سکتا ہے البتہ اِن حروف کے بارے میں حرف آخر یہ ہے کہ ھٰذَا سِرٌّ بَیْنَ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ یہ وہ راز ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان ہے۔ امام رازیؒ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں: اِنَّ ھٰذَا عِلْمٌ مَسْتُوْرٌ وَسِرٌّ مَحْجُوْبٌ اِسْتَأْثَرَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَ تَبَارَکَ بِہٖ ''بے شک یہ چھپا ہوا علم ہے، اور حجاب میں راز ہے جو اللہ کے ساتھ خاص ہے۔'' حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اور شعبیؒ، سفیان ثوریؒ، ربیع بن خیثمؒ وابوحاتمؒ وغیرہ سب کا یہی مذہب ہے۔ (قرطبی وابن کثیر، بحوالہ تفسیر ماجدیؒ)

ذٰلِکَ یہ اشارہ بعید ہے۔ اس آیت میں اس سے کیا مراد ہے وہ آگے نوٹ 1 میں دیکھیں۔

ک ت ب

(ن) **کَتْبًا اور کِتَابًا** کھال یا چمڑے کے دو ٹکڑوں کو باہم ملا کر سی دینا، جوڑ دینا۔ اسی بنیادی لغوی مفہوم سے پھر یہ لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) حروف کو باہم ملا دینا۔ یہ کام بذریعہ تقریر بھی ہوتا ہے۔ اسی لیے کلام اللہ کو اس وقت بھی کتاب کہا گیا جب قرآن مجید باقاعدہ ضبط تحریر میں نہیں آیا تھا۔ ﴿ ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ ۚۖۛ فِیۡہِ ۚۛ ﴾ (2/البقرۃ:2) اور یہ کام بذریعہ تحریر بھی ہوتا ہے جسے لکھنا کہتے ہیں۔ ﴿ وَ رُسُلُنَا لَدَیۡہِمۡ یَکۡتُبُوۡنَ ﴿۸۰﴾ ﴾ (43/الزخرف:80) ''اور ہمارے رسول یعنی فرشتے ان کے پاس لکھتے ہیں۔'' (۲) پختہ ارادہ کرنا۔ حتمی فیصلہ کرنا۔ ﴿ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیۡ ؕ ﴾ (58/المجادلۃ:21) ''اللہ تعالیٰ لکھ چکا ہے کہ بے شک میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے۔'' (۳) لازم کرنا۔ فرض کرنا۔ ان معنوں میں عَلٰی کا صلہ آتا ہے۔ ﴿ کَتَبَ رَبُّکُمۡ عَلٰی نَفۡسِہِ الرَّحۡمَۃَ ۙ ﴾ (6/الانعام:54) ''لازم کیا تمہارے رب نے اپنے آپ پر رحمت کو۔'' ﴿ کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الصِّیَامُ ﴾ (2/البقرۃ:183) ''فرض کیا گیا تم لوگوں پر روزہ۔'' (۴) جمانا، نقش کرنا، ثبت کرنا۔

کِتَابٌ ج: کُتُبٌ۔ اسم ذات بھی ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے مثلاً،

(۱) کتاب یا لکھی ہوئی چیز۔ ﴿ یَسۡـَٔلُکَ اَہۡلُ الۡکِتٰبِ اَنۡ تُنَزِّلَ عَلَیۡہِمۡ کِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ ﴾ (4/النساء:153) ''مطالبہ کرتے ہیں آپ ﷺ سے اہل کتاب کہ آپ ﷺ اتروا دیں اُن پر کتاب آسمان سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن) ﴿ وَ مَاۤ اَہۡلَکۡنَا مِنۡ قَرۡیَۃٍ اِلَّا وَ لَہَا کِتَابٌ مَّعۡلُوۡمٌ ﴿۴﴾ ﴾ (15/الحجر:4) ''اور کوئی بستی ہم نے غارت نہیں کی مگر اُس کا وقت لکھا ہوا تھا مقرر۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

(۲) قانون الٰہی۔ ﴿ وَ لَا تَعۡزِمُوۡا عُقۡدَۃَ النِّکَاحِ حَتّٰی یَبۡلُغَ الۡکِتٰبُ اَجَلَہٗ ؕ ﴾ (2/البقرۃ:235) ''اور نہ ارادہ کرو نکاح کا یہاں تک کہ پہنچ جاوے عدت مقررہ اپنی انتہا کو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ﴿ لَوۡ لَا کِتٰبٌ مِّنَ اللّٰہِ سَبَقَ لَمَسَّکُمۡ

فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٦٨﴾ ﴾(8/الانفال:68)''اگر اللہ ہی کا ایک قانون پہلے سے نہ ہوتا تو جو امر تم نے اختیار کیا اُس کے بارہ میں تم پر کوئی سخت سزا نازل ہوتی۔''(ترجمہ ماجدیؒ)

(۳) اللہ تعالیٰ کا وہ رجسٹر جس میں ہر چیز محفوظ ہے یعنی لوحِ محفوظ۔﴿وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ﴿٤﴾ ﴾(50/قٓ:4)''اور ہمارے پاس تو (پورا) رجسٹر (ہی) محفوظ ہے۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔تفسیر عثمانیؒ میں آیت کے اس حصے کی وضاحت یوں کی گئی ہے:''یعنی یہ نہیں کہ آج سے معلوم ہے بلکہ ہمارا علم قدیم ہے حتیٰ کہ اُن میں قبل وقوع ہی سب اشیاء کے سب حالات ایک کتاب میں جو''لوح محفوظ'' کہلاتی ہے لکھ دیئے تھے اور اب تک ہمارے پاس وہ کتاب موجود چلی آتی ہے۔''﴿اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ؕ﴾(22/الحج:70)''یہ سب لکھا ہوا ہے کتاب میں۔''اس آیت میں کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے(عثمانیؒ)

(۴) خط اور پیغام۔﴿قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿٢٩﴾ ﴾(27/النمل:29)''(بلقیس) نے کہا اے اہل دربار میرے پاس ایک معزز خط ڈالا گیا ہے۔''(ترجمہ ماجدیؒ)

(۵) احکام الٰہی، احکام۔﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ ﴾(2/البقرة:129)''اے ہمارے پروردگار اِن میں ایک پیغمبر اُنہی میں سے بھیج جو اُنہیں تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور اُنہیں کتاب (الٰہی) اور دانائی کی تعلیم دے اور اُنہیں پاک (وصاف) کرے۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔اس آیت مبارکہ میں اور البقرة 151، آل عمران 164، الجمعہ آیت 2 میں کتاب سے عام طور پر احکام الٰہیہ مراد لیے گئے ہیں۔ واللہ اعلم۔﴿فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ﴿٣﴾ ؕ﴾(98/البینۃ:3)''جن میں لکھی ہوں سچی اور درست باتیں۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔ علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ آیت میں کتاب سے مراد احکام ہیں۔(بحوالہ ضیاء القرآن)

(۶) لوگوں کے اعمال نامے۔﴿وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا ۚ ﴾(18/الکہف:49)''اور کہہ رہے ہوں گے کہ ہائے ہماری کم بختی! یہ کیسی کتاب ہے کہ ہماری کوئی چھوٹی بڑی حرکت ایسی نہیں رہی جو اس میں درج نہ ہوگئی ہو۔''(ترجمہ تفہیم القرآن)﴿وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٦٩﴾ ﴾(39/الزمر:69)''کتابِ اعمال لا کر رکھ دی جائے گی، انبیاء اور تمام گواہ حاضر کر دیے جائیں گے، لوگوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اُن پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔''(ترجمہ تفہیم القرآن)

(۷) اللہ تعالیٰ کا اتارا ہوا کلام۔اس معنی کے لحاظ سے کبھی تو کتاب کا اطلاق بطورِ اسمِ جنس تمام آسمانی کتابوں پر ہوتا ہے جیسے فرمایا﴿هٰۤاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ ﴾(3/آل عمران:119)''تم ان سے محبت رکھتے ہو مگر وہ تم سے محبت نہیں رکھتے، حالانکہ تم تمام کتبِ آسمانی کو مانتے ہو۔''(ترجمہ تفہیم القرآن) یا فرمایا﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ﴾(3/آل عمران:23)''کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب الٰہی سے حصہ دیا گیا تھا اُنہیں کتاب اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے کہ وہ اُن کے درمیان فیصلہ کرے۔''اس آیت میں الْكِتٰبِ اور كِتٰبِ اللّٰهِ کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب تفسیر ماجدیؒ فرماتے ہیں:''الکتاب یہاں بطور اسم جنس استعمال ہوا ہے۔یعنی کتاب الٰہی اپنے عمومی وکلی مفہوم میں۔اور اسی کا ایک جزء توریت ہے۔كِتٰبِ اللّٰهِ اسی عمومی وکلی کتاب کا دوسرا جزء قرآن ہے اور وہی یہاں مراد ہے۔'' کبھی اس کا اطلاق تورات پر ہوتا ہے جیسے فرمایا﴿وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ﴾(2/البقرة:53)''اور جب ہم نے دی موسیٰؑ کو کتاب۔'' کبھی اِس کا اطلاق انجیل پر ہوتا ہے جیسے فرمایا﴿قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ۛ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ﴿٣٠﴾ لا﴾

(19/مریم:30)''وہ بولا میں بندہ ہوں اللہ کا مجھ کو اُس نے کتاب دی ہے اور مجھ کو اُس نے نبی کیا۔'' کبھی اِس کا اطلاق مجموعہ صحائف انبیاء بنی اسرائیل پر ہوتا ہے جیسے فرمایا﴿ وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۪ وَّ قَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّ هُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ ﴾(2/البقرۃ:113)''اور یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ کسی بنیاد پر نہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود کسی بنیاد پر نہیں درآنحالیکہ وہ سب (ایک ہی) کتاب (آسمانی) پڑھتے ہیں۔'' تفسیر ماجدیؒ کے مطابق آیت میں الکتاب سے مراد مجموعہ صحائف انبیاء بنی اسرائیل مراد ہے جس کو آج عہد نامہ عتیق کہتے ہیں۔ کبھی اِس کا اطلاق قرآن مجید سے پہلے نازل ہونے والی تمام کتب سماویہ پر ہوتا ہے جیسے فرمایا﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ ﴾(4/النساء:136)''اے ایمان والو! اللہ اور اُس کے رسول ﷺ اور اُس کتاب پر ایمان لاؤ جو اُس نے اپنے رسول ﷺ پر نازل کی ہے اور اُس (جنس) کتاب پر بھی جو وہ اُس سے قبل نازل کر چکا ہے۔'' اس آیت میں وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب تفسیر ماجدیؒ فرماتے ہیں: ''(الْكِتٰبِ) سے مراد یہاں جنس کتاب ہے۔ یعنی ان کتابوں پر ایمان لایا جائے جو قرآن سے قبل نازل ہو چکی ہیں۔'' اور کبھی اِس کا اطلاق قرآن مجید پر ہوتا ہے جیسے فرمایا﴿ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛۚ فِيْهِ ۛۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ۝۲ ﴾ (2/البقرۃ:2)''یہ کتاب (کہ) کوئی شبہ اِس میں نہیں، ہدایت ہے اللہ سے ڈر رکھنے والوں کے لیے۔'' قرآن مجید کی اصطلاح میں اہل کتاب سے یہود اور نصاریٰ مراد ہیں۔ یہود کو تورات دی گئی اور نصاریٰ کو انجیل دی گئی۔

(۸) تحریری معاہدہ یعنی مُكَاتَبَةٌ۔﴿ وَ الَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ ﴾ (24/النور:33)''اور تمہارے مملوکوں میں سے جو مکاتبت کی درخواست کریں ان سے مکاتبت کرلو۔'' (ترجمہ تفہیم القرآن)

(۹) تقدیر کا لکھا یا قسمت میں جو کچھ لکھا ہے۔﴿ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ ﴾(7/الاعراف:37)''اُنہیں مل جائے گا اُن کا حصہ جو اُن کی قسمت میں لکھا ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

مَكْتُوْبٌ اسم المفعول ہے۔ لکھا ہوا۔ یعنی وہ عبارت جو ضبط تحریر میں لائی گئی یا وہ آواز جو ریکارڈ کی گئی۔﴿ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ ﴾(7/الاعراف:157)''وہ لوگ پائیں گے اس کو لکھا ہوا اپنے پاس تو راۃ اور انجیل میں۔''

كَاتِبٌ اسم الفاعل ہے۔ لکھنے والا۔﴿ وَ لَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ ﴾(2/البقرۃ:282)''اور انکار نہ کرے کوئی لکھنے والا کہ وہ لکھے جیسا کہ اس کو سکھایا اللہ نے۔''

اُكْتُبْ فعل امر ہے۔ تو لکھ۔﴿ اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ ﴾(2/البقر:282)''جب بھی تم لوگ آپس میں کوئی ادھار کا معاملہ کرو ایک مقررہ مدت کے لیے تو اسے لکھ لو۔''

(مفاعلہ) **مُكَاتَبَةً** باہم خط و کتابت کرنا۔ تحریری معاہدہ کرنا۔ مکاتبت کے لفظی معنی تو ہیں ''لکھا پڑھی'' مگر اصطلاح میں یہ لفظ اس معنی میں بولا جاتا ہے کہ کوئی غلام یا لونڈی اپنی آزادی کے لیے اپنے آقا کو ایک معاوضہ ادا کرنے کی پیشکش کرے۔ اور جب آقا اسے قبول کر لے تو دونوں کے درمیان شرائط کی لکھا پڑھی ہو جائے (تفہیم القرآن)۔ معاوضہ کو ''بدلِ کتابت'' اور معاہدہ کرنے والے غلام کو مُكَاتَبٌ کہتے ہیں۔ معاوضہ مال کی صورت میں بھی ہوسکتا ہے اور مالک کے لیے کوئی خاص خدمت سر انجام دینے کی صورت میں بھی ہوسکتا ہے۔

كَاتِبْ فعل امر ہے۔ تو خط و کتابت کر۔ تو تحریری معاہدہ کر۔﴿ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖۗ ﴾(24/النور:33)''تو تم

لوگ تحریری معاہدہ کروا ن سے، اگر تم لوگ جانتے ہوان میں کوئی بھلائی۔''

(افتعال) اِكْتِتَابًا گھڑ کے لکھنا۔کسی سے لکھوانا۔﴿ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا ﴾(25/الفرقان:5)''اور کفار نے کہا یہ تو افسانے ہیں پہلے لوگوں کے، اِس شخص نے لکھوالیا ہے انہیں۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)

ر ی ب

(ض) رَيْبًا کسی کا کسی کو شک میں ڈالنا۔

رَيْبٌ شک۔شبہ (یہ مصدر ہے لیکن بطور اسم ذات بھی استعمال ہوتا ہے)۔رَيْبٌ ایسے تردّد اور وہم کو کہتے ہیں جس کی کوئی بنیاد نہ ہو اور ذرا غور کرنے سے ختم ہو جائے۔وہ شک یا گمان جس کی حقیقت بعد میں اس کے برخلاف منکشف ہو جائے۔رَيْبٌ کا استعمال جب مَنُوْنٌ (زمانہ) کے ساتھ ہو تو اس سے گردش زمانہ یا حوادث زمانہ مراد ہوتا ہے۔کیونکہ زمانہ کی گردشوں کی تعین اوقات میں شک رہتا ہے کہ خدا جانے کب گردش کا وقت آجائے، اس لیے یہ معنی مراد لیے جاتے ہیں۔انسان کی زندگی کا سب سے بڑا حادثہ یا گردش، انسان کی موت ہوتی ہے اس لیے رَيْبَ الْمَنُوْنِ سے حادثہ موت بھی مراد لی جاتی ہے۔حادثہ موت میں رَيْبٌ یعنی شک سے یہ مراد نہیں کہ موت واقع ہونے میں شک وشبہ ہے بلکہ اس لحاظ سے رَيْبٌ کہا جاتا ہے کہ موت کا وقت طے نہیں، اس لیے انسان تردّد میں رہتا ہے کہ نہ جانے کب موت کا وقت آجائے۔عربی زبان میں رَيْبَ الْمَنُوْنِ کا محاورہ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب کوئی شخص کسی دوسرے کے برے انجام کا منتظر ہو۔﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ۝ ﴾(52/الطور:30)''کیا کہتے ہیں یہ شاعر ہے ہم منتظر ہیں اُس پر گردش زمانہ کے۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔پھر رَيْبٌ کا لفظ ذہنی اضطراب، تہمت یا سوءِظن کے معنوں میں بھی آتا ہے۔واللہ اعلم۔

رِيْبَةٌ شک۔شبہ۔﴿ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ﴾(9/التوبۃ:110)''ہمیشہ رہے گا، ان کی عمارت سے جو انہوں نے بنائی، شبہ ان کے دلوں میں''

(افعال) اِرَابَةً کسی کا کسی کو شک میں ڈالنا، تہمت لگانا، بےقرار کرنا، بےچین کرنا، الجھن میں ڈالنا۔

مُرِيْبٌ اسم الفاعل ہے۔(۱) شک کرنے والا (جو خود بھی شک میں مبتلا ہوا سے بھی مریب کہتے ہیں) (۲) شک میں ڈالنے والا۔(۳) بےچین کرنے والا۔﴿ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبِ ۝ ﴾(50/قٓ:25)''بھلائی سے روکنے والا، حد سے بڑھنے والا، شبہ ڈالنے والا۔''ضیاء القرآن کے مطابق اس آیت میں مریب دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے یعنی شک کرنے والا بھی اور شک میں ڈالنے والا بھی۔

(افتعال) اِرْتِيَابًا شک کرنا۔شبہہ میں پڑنا۔﴿ وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ ﴾(57/الحدید:14)''لیکن تم لوگوں نے خود کو فتنہ میں مبتلا کیا، گومگو میں رہے اور شبہ میں پڑے۔''

مُرْتَابٌ اسم الفاعل ہے۔شک کرنے والا۔﴿ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ ۝ ﴾(40/المؤمن:34)''اس طرح اللہ گمراہ کرتا ہے اس کو جو ہے اسراف کرنیوالا شک کرنے والا۔''

هُدًى (ھ د ی): الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔

و ق ی

(ض) وِقَايَةً، وِقَاءً کسی کو تکلیف یا نقصان سے بچانا (یہ فعل ثلاثی مجرد میں متعدی ہے)۔﴿ وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ ﴾(52/الطور:18)''اوران کو بچایا ان کے رب نے دوزخ کے عذاب سے۔''

تَقِ یہ واحد مذکر مخاطب میں مضارع تَتَّقِیْ تھا۔مجزوم ہونے کی وجہ سے ''ی'' گر گئی ۔﴿وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ﴾(40/المومن:9)''اور جس کو تونے بچایا برائیوں سے اس دن تو یقیناً تونے رحمت کی اس پر۔''

قِ فعل امر ہے۔تو بچا۔اس کی گردان قِ- قِيَا- قُوْا- قِيْ- قِيَا- قِيْنَ آتی ہے۔ ﴿وَ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝﴾ (2/البقرہ:201)''اور تو بچا ہم کو آگ کے عذاب سے۔''

وَاقٍ اسم الفاعل ہے۔بچانے والا۔﴿وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝﴾(13/الرعد:34)''اور نہیں ہے ان کے لئے اللہ سے کوئی بھی بچانے والا۔''

(افتعال) **اِتِّقَاءٌ** نقصان یا تکلیف سے بچنا۔پرہیز کرنا۔اصطلاحاً ہر اس چیز سے بچنا جو اللہ کی ناراضگی کا باعث ہو۔(یہ فعل باب افتعال میں لازم ہے)۔﴿وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ﴾(4/النساء:77)''اور آخرت بہتر ہے اس کے لئے جو اللہ کی ناراضگی سے بچا۔'' اِتَّقٰى فُلَانٌ بِكَذَا کا مطلب ہے کسی چیز کو کسی دوسری چیز سے بچنے کے لیے ذریعہ بنانا،جس چیز کو بچنے کا ذریعہ بنایا جائے اس پر 'بِ' کا صلہ داخل ہوتا ہے،جیسے الزمر آیت 24 میں فرمایا﴿يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ﴾یعنی وہ سخت عذاب سے بچنے کے لیے اپنے چہرے کو ڈھال بناتا ہے۔

يَتَّقِ مضارع مجزوم ہے شرط ہونے کی وجہ سے۔﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ۙ﴾(65/الطلاق:2)''اور جو بچتا ہے اللہ کی ناراضگی سے تو اللہ بناتا ہے اس کے لئے نکلنے کا راستہ۔''

اِتَّقِ فعل امر ہے۔تو بچ۔﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ﴾(2/البقرہ:206)''اور جب کہا جائے اس سے کہ تو بچ اللہ کی ناراضگی سے۔''

مُتَّقُوْنَ اسم الفاعل جمع کا صیغہ ہے۔بچنے والے۔﴿وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝﴾(2/البقرہ:177)''اور وہ لوگ ہی بچنے والے ہیں اللہ کی ناراضگی سے۔''

اَتْقٰى افعل التفضیل ہے۔دوسروں سے یا سب سے زیادہ اللہ کی ناراضگی سے بچنے والا۔پرہیز گار۔﴿وَ سَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝ۙ﴾(92/اللیل:17)''اور دور کیا جائے گا اس سے یعنی آگ سے زیادہ پرہیز گار کو۔''

اَلتَّقْوٰى پرہیز گاری۔بچنا۔تقویٰ۔اِتَّقٰى سے اسم ہے۔لغت میں تو تقویٰ کے معنی ہیں نفس کو اس چیز سے بچانا اور حفاظت میں رکھنا کہ جس سے خوف ہو(جَعَلُ النَّفْسِ فِيْ وِقَايَةٍ مِّمَّا يَخَافُ)۔عرف شرع میں ''تقویٰ'' نفس کو ہر اس چیز سے بچانے کا نام ہے جو گناہ کی طرف لے جائے۔(لغات القرآن ج ۲ ص ۱۷۰)۔مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ لکھتے ہیں ''تقویٰ الٰہی سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے احکام کی پابندی زندگی کے ہر ہر شعبہ میں بلا استثناء رکھی جائے۔'' تقویٰ پر مزید تفصیل آگے نوٹ 3 میں دیکھیں۔﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَي الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠﴾(5/المآئدہ:2)''اور باہم تعاون کرو نیکی اور پرہیز گاری میں۔''

تُقَاةٌ (۱)اسم ذات ہے۔پرہیز گاری۔﴿اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾(3/آل عمران:102)''تم لوگ اللہ کی ناراضگی سے بچو جیسا کہ حق ہے اس کی ناراضگی سے بچنے کا۔''(۲)وَقٰی يَقِيْ کا مصدر بھی استعمال ہوتا ہے۔

تَقِيٌّ صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔باب افتعال میں فا کلمہ کی ''و'' کو ''ت'' میں تبدیل کر دیتے ہیں۔اس لئے فَعِيْلٌ کے وزن پر وَقِيٌّ کے بجائے تَقِيٌّ اسم الفاعل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ہمیشہ اور ہر حال میں اللہ کی ناراضگی سے بچنے والا۔﴿تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۝﴾(19/مریم:63)''یہ وہ جنت ہے جس کا ہم وارث

بنائیں گے اپنے بندوں میں سے اس کو جو تقویٰ پر دوام کرنے والا تھا۔''

لَا رَيْبَ سورۃ الفاتحہ میں آپ لفظ اَلْحَمْدُ میں لام استغراق پڑھ چکے ہیں، جو مذکورہ چیز کی تمام جنس اور ہر شکل وصورت کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے۔اب نوٹ کریں کہ رَيْبَ کے ساتھ جو لَا ہے یہ لائے نفی جنس ہے، جو مذکورہ چیز کی تمام جنس اور شکل وصورت کی نفی کرتا ہے۔اس کی پہچان یہ ہے کہ اپنے اسم کو نصب دیتا ہے اور اس کی تنوین کو ختم کرتا ہے اور واحد آتا ہے۔اس لئے لَا رَيْبَ میں ہر قسم کے شک کی نفی شامل ہے۔

ترکیب آیت نمبر 2 کی ایک سے زیادہ ترکیبیں ممکن ہیں اور کی بھی گئی ہیں۔اس کی ایک سادہ اور عام فہم ترکیب یہ ہے کہ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ مرکب اشاری اور مبتداء ہے، لَا رَيْبَ فِيْهِ، پورا جملہ اس کی خبر اوّل ہے۔اس میں لَا، لائے نفی جنس ہے اور رَيْبَ اس کا اسم اور فِيْهِ قائم مقام خبر ہے۔آگے هُدًى خبر ثانی ہے اور لِّلْمُتَّقِيْنَ متعلق خبر ہے۔هُدًى مصدر ہے اور یہاں بمعنی هَادٍ (ہدایت دینے والا) ہے۔واللہ اعلم۔

ترجمہ	الٓمّٓ ۚ ①	ذٰلِكَ الْكِتٰبُ	لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ	هُدًى	لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ ②
البقرۃ:1-2	الف لام میم	یہ کتاب	کوئی شک نہیں ہے اس میں	ہدایت ہے	تقویٰ اختیار کرنے والوں کیلئے

نوٹ۔1 ذٰلِكَ اشارہ بعید ہے۔اس لحاظ سے ذٰلِكَ الْكِتٰبُ کا ترجمہ ''وہ کتاب'' ہونا چاہیے۔لیکن عام طور پر اس کا ترجمہ ''یہ کتاب'' کیا جاتا ہے۔اس کی وضاحت حضرت عبدالماجد دریابادیؒ ان الفاظ میں کرتے ہیں ''ذٰلِكَ اسم اشارہ ہے۔اور اشارۂ بعید کا ترجمہ اردو میں ''وہ'' سے کیا جاتا ہے۔لیکن بُعد ہمیشہ بُعد مکان یا بُعد زمان ہی نہیں ہوتا۔بُعد منزلت وعلوئے مرتبت بھی بُعد ہی کی قسمیں ہیں۔اور هٰذَا کے مقابلہ میں ذٰلِكَ اسی بلندئ منزلت کے اظہار کے لیے آتا ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص۶)۔پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں ''ذٰلِكَ اگرچہ عام طور پر اُس مشارٌ الیہ کے لیے استعمال ہوتا ہے جو دُور ہو لیکن ایسے مشارٌ الیہ کے لیے بھی یہ استعمال ہوتا ہے جو حسًا تو نزدیک ہو لیکن اپنی شان اور رُتبہ کے اعتبار سے بہت بلند اور دسترس سے دُور ہو۔اس لیے ترجمہ میں قربِ حسی اور بُعدِ رتبی دونوں کا لحاظ رکھتے ہوئے ترجمہ کیا گیا ہے ''یہ ذی شان کتاب'' (ضیاء القرآن، ج۱،ص۲۹)

رُتبہ کی بلندی ظاہر کرنے کے لئے اشارہ بعید کے استعمال کی قرآن مجید میں ذٰلِكَ الْكِتٰبُ کے علاوہ اور بھی متعدد مثالیں ہیں۔جیسے ﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ۭ﴾ (2/البقرۃ:187) ﴿ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْھَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ﴾ (2/البقرۃ:252) ﴿ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ﴾ (29/العنکبوت:43) لیکن سورۃ یوسف کی آیات (31-32) میں اس کا فوری تقابل سامنے آتا ہے۔حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق عزیزِ مصر کی بیوی کے رویہ کی جب شہرت ہوئی اور شہر کی خواتین نے اس پر ملامت کی، تو اس نے خواتین کو بلایا اور یوسف علیہ السلام کو ان کے سامنے کیا۔ان کی شکل وصورت کی خوبی کی تعریف میں انہوں نے کہا یہ کوئی بشر نہیں ہے۔لیکن چونکہ وہ یوسف علیہ السلام کے کردار کی بلندی سے واقف نہ تھیں، اس لئے ان کے قول میں اشارہ قریب استعمال ہوا۔مَا هٰذَا بَشَرًا۔عزیزِ مصر کی بیوی نے جواب میں کہا کہ یہ ہے جس کے متعلق تم مجھے ملامت کرتی ہو۔چونکہ اسے یوسف علیہ السلام کی عظمت کا تجربہ تھا، اس لیے اس کے قول میں اشارہ بعید آیا۔ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ۔ مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں ''لفظ ذٰلِكَ کسی دُور کی چیز کی طرف اشارے کے لیے آتا ہے اور کِتٰبُ سے مراد قرآن کریم ہے، رَيْب کے معنی شک وشبہ، معنی یہ ہیں کہ یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں، یہ موقع بظاہر اشارۂ بعید کا نہیں تھا، کیونکہ اِسی قرآن کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جو لوگوں کے سامنے ہے، مگر اشارۂ بعید سے اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ سورۂ فاتحہ میں جس صراطِ مستقیم کی درخواست کی گئی تھی یہ سارا قرآن اس درخواست کا جواب بصورتِ قبولیت اور صراطِ مستقیم کی تشریح وتفصیل ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے یہ دعا سن لی اور قرآن بھیج دیا، جو ہدایت کا آفتاب ہے، جو شخص ہدایت چاہتا ہے وہ اس کو پڑھے، سمجھے اور اس کے مقتضی پر عمل کرے۔(معارف القرآن، ج۱،ص۱۰۷)

نوٹ۔2 قرآن کو ﴿ هُدًى لِّلنَّاسِ ﴾ (2/البقرۃ:185) کہا گیا ہے یعنی قرآن تمام انسانوں کے لئے ہدایت ہے۔لیکن یہاں اسے هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کہا گیا ہے۔یعنی قرآن صرف متقی لوگوں کیلئے ہدایت ہے۔اس وجہ سے کچھ لوگوں کے ذہن میں الجھن پیدا ہوتی ہے۔اس کی وضاحت یہ ہے کہ قرآن میں بالقوہ (Potentially) ہدایت موجود ہے جو ہر شخص کیلئے ہے۔لیکن اس سے بالفعل ہدایت صرف وہ لوگ حاصل کرتے ہیں جن کے دل میں اللہ کی

ناراضگی سے بچنے کا جذبہ ہوتا ہے۔ یہ بات ایسے ہی ہے جیسے پنجاب یونیورسٹی کے دروازے ہر شخص کیلئے کھلے ہوئے ہیں لیکن اس میں داخلہ کے لئے بی۔اے ہونا ضروری ہے۔ پھر داخلہ ملنے کے بعد بھی یہاں سے علم صرف وہ حاصل کرتا ہے جو فیس ادا کرے اور نظم کی پابندی کرے، ورنہ داخلہ ملنے کے بعد بھی محروم رہتا ہے۔ (از محترم جناب لطف الرحمٰن خان صاحب)۔ ''قرآن حکیم کے ایک طرف ھدی للعالمین اور ھدی للناس ہونے اور دوسری طرف ھدی للمتقین یا للمومنین ہونے پر ایک عالم کی بات بہت اچھی لگی کہ پہلی تعبیر میں استحقاق بتانا مقصود ہے جبکہ دوسری تعبیر میں افادیت بتانا مقصود ہے کہ استحقاق سب کا ہے لیکن افادیت مومنین و متقین کے حق میں ظاہر ہوگی جیسے کسی گاؤں یا کالونی میں بجلی کے کھمبے لگ کر بجلی کی سپلائی ہو جانے پر اس سے فائدہ اٹھانے کا استحقاق سب کا ہے لیکن افادیت اسی کے حق میں ظاہر ہوگی جو میٹر لگوا کر کنکشن حاصل کرے گا۔ (مفتی سعید صاحب)

نوٹ-3

تقویٰ: تقویٰ کا لفظ ہماری دین کی بنیادی اصطلاحات میں سے ہے۔ اللہ کے نزدیک اس کی کتنی اہمیت ہے وہ مندرجہ ذیل آیت سے واضح ہوتی ہے ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ﴾ (49/ الحجرات:13) ''لوگو، ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔''

تقویٰ کی تعریف: ''تقویٰ کی تعریف متعدد تعبیرات سے کی گئی، لیکن سب سے زیادہ جامع تعریف وہ ہے جو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال کرنے پر فرمائی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا تھا کہ تقویٰ کیا ہے؟ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امیر المؤمنین! کبھی آپ کا ایسے راستہ پر بھی گزر ہوا ہوگا جو کانٹوں سے پُر ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، کئی بار ہوا ہے، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ایسے موقع پر آپ نے کیا کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دامن سمیٹ لیا اور نہایت احتیاط سے چلا، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بس تقویٰ اسی کا نام ہے، یہ دنیا ایک خارستان ہے، گناہوں کے کانٹوں سے بھری پڑی ہے، اس لیے دنیا میں اس طرح چلنا اور زندگی گزارنا چاہیے کہ دامن گناہوں کے کانٹوں سے نہ اُلجھے، اسی کا نام تقویٰ ہے۔'' (معاف القرآن، ج۲،ص۲۴۱)۔ قرآن مجید میں جو بار بار آتا ہے اِتَّقُوا اللّٰهَ تو اس کے معنی حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ یوں بیان کرتے ہیں: ''بہرحال پہلے فرمایا کہ ڈرتے رہو اللہ سے لیکن یہ ڈر ایسا نہیں جیسے آدمی سانپ بچھو یا شیر بھیڑیئے سے ڈر کر دور بھاگتا ہے۔ بلکہ اس بات سے ڈرنا کہ کہیں اس کی خوشنودی اور رحمت سے دور نہ جا پڑو۔'' (تفسیر عثمانی، ص۱۵۰)

حقِ تقویٰ کیا ہے: سورۂ آل عمران، آیت 102 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ ﴾ ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔'' حقِ تقویٰ کی تفسیر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ربیع اور قتادہؒ اور حسن بصریؒ نے یہ فرمائی ہے جو مرفوعاً خود رسول اللہ ﷺ سے بھی منقول ہے: حَقَّ تُقٰتِهٖ هُوَ اَنْ يُّطَاعَ فَلَا يُعْصٰى وَ يُذْكَرَ فَلَا يُنْسٰى وَ يُشْكَرَ فَلَا يُكْفَرُ (بحر محیط) ''حقِ تقویٰ یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت ہر کام میں کی جائے کوئی کام اطاعت کے خلاف نہ ہو اور اس کو ہمیشہ یاد رکھیں کبھی بھولیں نہیں اور اس کا شکر ہمیشہ ادا کریں کبھی ناشکری نہ کریں۔'' (معارف القرآن، ج۲، ص:۱۲۷)

تقویٰ کے درجات: ''تقویٰ کے کئی درجات ہیں، ادنیٰ درجہ کفر و شرک سے بچنا (اور ایمان لانا ہے)۔ اس معنی کے لحاظ سے ہر مسلمان کو متقی کہا جا سکتا ہے، اگرچہ گناہوں میں مبتلا ہو، اس معنی کے لیے بھی قرآن میں کئی جگہ لفظ متقین اور تقویٰ استعمال ہوا ہے۔ دوسرا درجہ جو اصل میں مطلوب ہے وہ ہے اس چیز سے بچنا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک پسندیدہ نہیں، تقویٰ کے فضائل و برکات جو قرآن و حدیث میں آئے ہیں وہ اسی درجہ پر موعود ہیں۔ تیسرا درجہ تقویٰ کا اعلیٰ مقام ہے جو انبیاء علیہم السلام اور ان کے خاص نائبینِ اولیاء اللہ کو نصیب ہوتا ہے، کہ اپنے قلب کو ہر غیر اللہ سے بچانا اور اللہ کی یاد اور اس کی رضا جوئی سے معمور رکھنا۔ (معاف القرآن، ج۲،ص۱۲۷)

تقویٰ کے انعامات: تقویٰ کے انعامات خود قرآن مجید نے سورۃ الطلاق کی آیت نمبر 2، 3، 4، 5 میں بیان کر دیے ہیں۔ ﴿ وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ﴾ ''جو کوئی اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کرے گا اللہ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا۔'' ﴿ وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ﴾ ''اور اسے ایسے راستے سے رزق دے گا جدھر اُس کا گمان بھی نہ جاتا ہو۔ جو اللہ پر بھروسا کرے اس

کے لیے وہ کافی ہے۔'' ﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ﴾ ''جو شخص اللہ سے ڈرے اس کے معاملہ میں وہ سہولت پیدا کر دیتا ہے۔'' ﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ﴾ ''جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اُس کی برائیوں کو اُس سے دُور کر دے گا اور اس کو بڑا اجر دے گا۔'' اسی طرح الانفال کی آیت 29 میں فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ﴾ ''اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہیں ایک فیصلہ کی چیز دے دے گا اور تم سے دور کر دے گا تمہارے گناہ اور تمہیں بخش دے گا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

روزہ، تقویٰ کے حصول کا ذریعہ: اللہ تعالیٰ سورۃ البقرۃ کی آیت 183 میں فرماتے ہیں ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تم پر روزے فرض کر دیے گئے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تا کہ تم تقویٰ اختیار کرو۔''

تقویٰ سے قریب اعمال: قرآن مجید میں دو کاموں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ تقویٰ سے قریب ہیں (۱) سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 237 میں فرمایا ﴿ وَاَنْ تَعْفُوْۤا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ﴾ ''اور (اے اہل حق) تمہارا (اپنے حقوق کو) معاف کر دینا (بہ نسبت وصول کرنے کے) تقویٰ سے زیادہ قریب ہے (کیونکہ معاف کرنے سے ثواب ملتا ہے، اور ثواب کا کام کرنا ظاہر ہے کہ تقویٰ کی بات ہے) (ترجمہ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ) (۲) سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر 8 میں فرمایا ﴿ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ﴾ ''انصاف کرتے رہو (کہ) وہ تقویٰ سے بہت قریب ہے۔'' (ترجمہ، حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ)

تقویٰ کی جگہ: تقویٰ کی جگہ سینہ یعنی دل ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے سینے کی طرف تین دفعہ اشارہ کر کے فرمایا، اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا یعنی پرہیزگاری اس جگہ ہے۔ (پوری حدیث مبارکہ کے لیے ملاحظہ ہو مظاہر حق جدید، شرح مشکوٰۃ شریف، ج ۴، ص ۹۳، حدیث نمبر ۱۳)

آیت: 3

﴿ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴾

ء م ن سب سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ ڈکشنری المنجد کے مطابق مادہ ''ء م ن'' اگر باب سَمِعَ سے آئے تو معنی ہوتے ہیں ''مطمئن ہونا'' اور اگر باب ضَرَبَ سے آئے تو معنی ہوتے ہیں ''بھروسہ کرنا، اعتبار کرنا۔'' لیکن قرآن مجید میں یہ مادہ تینوں معانی میں باب سمع سے آیا ہے، اس لئے تینوں معانی باب سمع کے تحت دیئے گئے ہیں۔ (واللہ اعلم)

(س) اَمَنَةً۔ اَمْنًا۔ اَمَنًا۔ اَمَانًا

(1) مطمئن ہونا۔ امن میں ہونا (لازم)۔ ﴿ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ﴾ (2/البقرہ:196) ''پس جب تم امن میں ہو تو جس نے فائدہ اُٹھایا عمرہ کا حج تک تو (اس پر واجب ہے) جو میسر ہو قربانی کے جانوروں میں سے۔''

(2) کسی معاملہ میں کسی پر بھروسہ کرنا (متعدی)۔ ﴿ وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ ﴾ (3/آل عمران:75) ''اور اہلِ کتاب میں وہ بھی ہے کہ اگر تو بھروسہ کرے اس پر ڈھیروں (چیز یا امانت) کے بارے میں تو وہ ادا کرے گا اس کو تیری طرف۔''

(3) کسی کی بات کا اعتبار کرنا۔ ﴿ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَاۤ اَمِنْتُكُمْ عَلٰۤى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ﴾ (12/یوسف:64) ''اس نے یعنی یعقوبؑ نے کہا کیا میں اعتبار کروں تم لوگوں کا اس کے بارے میں سوائے اس کے کہ جیسے میں نے اعتبار کیا تم لوگوں کا اس کے بھائی کے بارے میں اس سے پہلے۔''

(4) کسی چیز سے نڈر رہونا۔ بے خوف ہونا۔ بے فکر ہونا۔ ﴿ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِى السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ ﴾ (67/الملک:16) ''کیا تم اِس سے نڈر ہو گئے ہو کہ جو آسمان میں ہے وہ کہیں تم کو زمین میں دھنسا نہ دے۔''

﴿ اَفَاَمِنَ اَهۡلُ الۡقُرٰٓى اَنۡ يَّاۡتِيَهُمۡ بَاۡسُنَا بَيَاتًا وَّ هُمۡ نَآئِمُوۡنَ ﴾ (7/الاعراف:97) ''تو کیا بستیوں والے اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ہماری سختی آئے اُن پر رات کے وقت اس حال میں کہ وہ سوئے ہوں؟''

اَمَنَةٌ مصدر کے علاوہ اسم بھی ہے مطلب ہے امن۔ چین۔ ﴿ ثُمَّ اَنۡزَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ الۡغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغۡشٰى طَآئِفَةً مِّنۡكُمۡ ﴾ (3/آل عمران:154) ''اس غم کے بعد پھر اللہ نے تم میں سے کچھ لوگوں پر ایسی اطمینان کی سی حالت طاری کر دی کہ وہ اونگھنے لگے۔''

مَاۡمُوۡنٌ اسم المفعول ہے۔ جس سے بے خوف ہوا جائے، نڈر ہوا جائے۔ ﴿ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمۡ غَيۡرُ مَاۡمُوۡنٍ ﴾ (70/المعارج:28) ''بے شک اُن کے رب کا عذاب ایسی چیز نہیں ہے کہ جس سے کوئی بے خوف ہو۔''

اٰمِنٌ ج: اٰمِنُوۡنَ۔ مونث: اٰمِنَةٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ امن والا۔ پُر امن۔ ﴿ وَ اِذۡ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّ اجۡعَلۡ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا ﴾ (2/البقرہ:126) ''اور جب کہا ابراہیمؑ نے اے میرے رب! تو بنا دے اس کو امن والا شہر۔'' یعنی پُر امن شہر۔

مَاۡمَنٌ مَفۡعَلٌ کے وزن پر اسم الظرف ہے۔ امن کی جگہ۔ ﴿ ثُمَّ اَبۡلِغۡهُ مَاۡمَنَهٗ ﴾ (9/التوبۃ:6) ''پھر تم پہنچا دو اس کو، اس کے امن کی جگہ۔''

(ک) **اَمَانَةٌ** امانت دار ہونا۔

اَمَانَةٌ ج: اَمَانَاتٌ۔ امانت۔ ﴿ اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالۡجِبَالِ ﴾ (33/الاحزاب:72) ''بیشک ہم نے پیش کیا اس امانت کو آسمانوں پر اور زمین پر اور پہاڑوں پر۔'' ﴿ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِاَمٰنٰتِهِمۡ وَعَهۡدِهِمۡ رٰعُوۡنَ ﴾ (23/المؤمنون:8) ''اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں کی اور اپنے عہد کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

اَمِيۡنٌ فَعِيۡلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ امانتدار۔ امن والا۔ ﴿ اِنِّيۡ لَكُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِيۡنٌ ﴾ (26/الشعراء:107) ''بیشک میں تم لوگوں کے لئے امانتدار رسول ہوں۔''

(افعال) **اِيۡمَانًا** یہ فعل لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ لازم ہو تو معنی ہوتے ہیں امن میں ہونا۔ مطمئن ہونا۔ بے خوف ہو جانا۔ ایمان لانا۔ کسی کی بات کی تصدیق کرنا (تصدیق کرنے سے اختلاف ختم ہو جاتا ہے اور امن ہو جاتا ہے) ﴿ اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيۡنَ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ﴾ (2/البقرۃ:62) ''یقین جانو کہ نبی عربی ﷺ کو ماننے والے ہوں یا یہودی، عیسائی ہوں یا صابی، جو بھی اللہ اور روزِ آخر پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا، اُس کا اجر اس کے ربّ کے پاس ہے۔'' اگر متعدی ہو تو معنی ہوتے ہیں کسی کو امن دینا۔ جیسے فرمایا ﴿ الَّذِيۡۤ اَطۡعَمَهُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ ۙ وَّ اٰمَنَهُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ ﴾ (106/قریش:4) ''جس نے اُن کو بھوک میں کھانے کو دیا اور اُنہیں خوف سے امن دیا۔'' اٰمَنَ يُؤۡمِنُ کے ساتھ عموماً ''لِ'' اور ''بِ'' کا صلہ بھی آتا ہے اٰمَنَ لِ کا مطلب ہے کسی بات کو تسلیم کر لینا خواہ اس میں دلی یقین شامل نہ ہو۔ جبکہ اٰمَنَ بِ کا مطلب ہے دلی یقین سے کسی کی بات کو تسلیم کرنا۔ البتہ قرآنِ مجید میں اس قاعدے کا استثناء بھی ہے۔ سورۃ العنکبوت، آیت 26 میں فرمایا: ﴿ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوۡطٌ ﴾ پھر لوطؑ نے اُن (حضرت ابراہیمؑ) کی تصدیق کی۔ یہاں آیت کا سیاق وسباق بتا رہا ہے کہ یہاں قلبی یقین کے ساتھ حضرت لوطؑ کا حضرت ابراہیمؑ پر ایمان لانے کا ذکر ہے (واللہ اعلم)۔

اِيۡمَانٌ اسم ذات بھی ہے۔ ایمان۔ قلبی تصدیق۔ ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡۤا اٰبَآءَكُمۡ وَ اِخۡوَانَكُمۡ اَوۡلِيَآءَ اِنِ اسۡتَحَبُّوا الۡكُفۡرَ عَلَى الۡاِيۡمَانِ ﴾ (9/التوبۃ:23) ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اپنے باپوں اور بھائیوں کو بھی اپنا رفیق نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر کو ترجیح دیں۔'' یہ لفظ بھی ہمارے دین کی بنیادی اصطلاحات میں سے ہے۔ کسی چیز کی دل سے تصدیق کرنا ایمان ہے۔ ایمان کا محل قلب ہے۔ حقیقی ایمان اس وقت معتبر ہے جب زبان سے اقرار بھی ہو اور دل

سے تصدیق بھی۔ اگر دل میں تصدیق ہے لیکن زبان سے اقرار نہیں تو معتبر نہیں اسی طرح زبان سے تصدیق کا اظہار یا فرمانبرداری کا اقرار اس وقت معتبر نہیں جب تک دل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تصدیق نہ ہو۔ اسی لیے ایمان مجمل کی تعریف ہے۔ ''اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِاَسْمَائِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَ قَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَ تَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ'' میں ایمان لایا اللہ پر جیسے وہ اپنے ناموں اور صفات سے ظاہر ہے اور میں نے قبول کیے اُس کے تمام احکام زبان سے اقرار کرتے ہوئے اور دل سے تصدیق کرتے ہوئے۔'' حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ ان الفاظ میں ''ایمان'' کی شرح کرتے ہیں ''لغت میں کسی کی بات کو کسی کے اعتماد پر یقینی طور سے مان لینے کا نام ایمان ہے، اسی لیے محسوسات ومشاہدات میں کسی کے قول کی تصدیق کرنے کو ایمان نہیں کہتے ،مثلاً کوئی شخص سفید کپڑے کو سفید یا سیاہ کو سیاہ کہہ رہا ہے اور دوسرا اس کی تصدیق کرتا ہے اس کو تصدیق کرنا تو کہیں گے ایمان لانا نہیں کہا جائے گا، کیونکہ اس تصدیق میں قائل کے اعتماد کو کوئی دخل نہیں بلکہ یہ تصدیق مشاہدہ کی بنا پر ہے اور اصطلاح شرع میں خبر رسول ﷺ کو بغیر مشاہدہ کے محض رسول ﷺ کے اعتماد پر یقینی طور سے مان لینے کا نام ایمان ہے۔'' پھر آگے فرماتے ہیں: ''اس تعریف میں ماننے کا نام ایمان بتلایا گیا ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ محض جاننے کو ایمان نہیں کہتے ، کیونکہ جہاں تک جاننے کا تعلق ہے وہ تو ابلیس وشیطان اور بہت سے کفار کو بھی حاصل ہے کہ ان کو آنحضرت ﷺ کے صدق کا یقین تھا، مگر اس کو مانا نہیں اس لیے وہ مومن نہیں۔'' (معارف القرآن، ج ا،ص:۱۰۹)۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ تفسیر عثمانی میں فرماتے ہیں: ''ایمان شرعی دو چیزوں کا نام ہے صحیح معرفت اور تسلیم وانقیاد (بات ماننا، تابعدار ہونا) یعنی خدا اور رسول ﷺ کے جملہ ارشادات کو صحیح صادق سمجھ کر تسلیم وقبول کے لیے اخلاص سے گردن جھکا دینا۔ اس تسلیمی جزء کے لحاظ سے ایمان فی الحقیقت تمام قوانین واحکام الٰہیہ کے ماننے اور جملہ حقوق ادا کرنے کا ایک مضبوط عہد واقرار ہے۔'' (تفسیر عثمانیؒ،ص ۱۳۹)۔

ایمان اور اطمینان میں فرق: ایمان اور اطمینان کا فرق واضح کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 260 (اس آیت مبارکہ میں حضرت ابراہیمؑ اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ اے اللہ آپ مُردوں کو کس طرح زندہ کریں گے۔ جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا آپؑ کو اس پر ایمان نہیں تو حضرت ابراہیمؑ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ایمان تو ہے لیکن یہ درخواست اس لیے کر رہا ہوں کہ میرے دل کو اطمینان حاصل ہو جائے) کے تحت لکھتے ہیں: ''انسان کی فطرت ہے کہ جو چیز اس کے مشاہدہ میں نہ ہو اس کی کیفیات کی کھوج لگانے کی فکر میں رہا کرتا ہے، اس میں اس کا خیال مختلف راہوں پر چلتا ہے، جس میں ذہنی انتشار کی تکلیف بھی برداشت کرتا ہے، اس ذہنی انتشار کو رفع کر کے قلب کو سکون مل جانے ہی کا نام اطمینان ہے، اسی کے لیے حضرت خلیل اللہؑ نے یہ درخواست پیش فرمائی تھی۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ایمان اور اطمینان میں کیا فرق ہے، ایمان اس اختیاری یقین کا نام ہے جو انسان کو رسول ﷺ کے اعتماد پر کسی غیب کی بات کے متعلق حاصل ہو جائے اور اطمینان سکونِ قلب کا نام ہے۔ بعض اوقات نظروں سے غائب کسی چیز پر یقین کامل تو ہوتا ہے، مگر قلب کو سکون اس لیے نہیں ہوتا کہ اس کی کیفیات کا علم نہیں ہوتا، یہ سکون صرف مشاہدہ سے حاصل ہو سکتا ہے، حضرت خلیل اللہؑ کو بھی حیات بعد الموت پر تو کامل ایمان ویقین تھا، سوال صرف کیفیت احیاء کے متعلق تھا۔''

ایمان اور یقین میں فرق: حضرت مولانا امین احسن اصلاحیؒ ایمان اور یقین میں فرق واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ایمان اور ایقان کے درمیان تھوڑا سا فرق ہے جس کو سمجھ لینا چاہیے۔ ایمان کے معنی تصدیق کرنے اور مان لینے کے ہیں۔ اس کا ضد کفر وانکار اور تکذیب ہے۔ ایقان کے معنی یقین کرنے کے ہیں۔ اس کا ضد گمان اور شک ہے جس طرح کسی شے پر یقین رکھنے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ آدمی اس پر ایمان بھی رکھتا ہو (حضرت موسیٰ علیہ السلام

نے جو نشانیاں دکھائیں فرعون کو پورا یقین تھا کہ یہ خدا کی طرف سے ہیں لیکن اس یقین کے باوجود وہ ان پر ایمان نہیں لایا) اسی طرح کسی چیز پر ایمان رکھنے کے لیے اس پر یقین کرنا شرط نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آدمی کا ایمان محض گمان غالب پر مبنی ہو اور وہ آہستہ آہستہ گمان کی منزل سے نکل کر یقین کی منزل تک پہنچے اور اس طرح اس کے ایمان کی تکمیل ہو جائے۔'' (تدبر قرآن، ج۱، ص ۹۳)

اٰمِنْ ج: اٰمِنُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو ایمان لا۔ ﴿ وَيْلَكَ اٰمِنْ ۖ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ ﴾ (46/الاحقاف:17) ''تیرے لئے تباہی ہے۔ تو ایمان لا۔ یقینا اللہ کا وعدہ حق ہے۔'' ﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ ﴾ (2/البقرۃ:13) ''اور جب کہا جاتا ہے ان سے کہ تم لوگ ایمان لاؤ جیسے لوگ (صحابہؓ) ایمان لائے۔''

مُؤْمِنٌ ج: مُؤْمِنُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ یہ لفظ جب انسان کے لیے بولا جائے تو اس کے دو معنی لیے جاتے ہیں (۱) اصطلاحی معنی یعنی ایمان لانے والا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کلام کی تصدیق کرنے والا مثلاً ﴿ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۭ ﴾ (64/التغابن:2) ''وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا، پھر تم میں سے کوئی کافر ہے اور کوئی مومن۔'' (۲) عام معنی یعنی یقین کرنے والا۔ مثلاً ﴿ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴾ (12/یوسف:17) ''اور آپ ہماری بات کا یقین نہ کریں گے چاہے ہم سچے ہی ہوں۔''

یہ لفظ جب اللہ تعالیٰ کے لیے بولا جائے تو اس کا مطلب ہوتا ہے امن دینے والا اور یہ لفظ اسمائے حسنیٰ میں سے ہے مثلاً ﴿ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ ﴾ (59/الحشر:23) ''کوئی الٰہ نہیں سوائے اس کے جو بادشاہ ہے، پاک ہے، سلامتی ہے، امن دینے والا ہے۔''

مُؤْمِنَةٌ ج: مُؤْمِنَاتٌ۔ ایمان لانے والی۔ ﴿ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ ﴾ (2/البقرۃ:221) ''بے شک مسلمان لونڈی بہتر ہے (آزاد) مشرک عورت سے اگرچہ وہ پسند آئے تمہیں۔'' ﴿ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۘ ﴾ (9/التوبۃ:71) ''اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔''

(افتعال) **اِيْتِمَانًا** کسی کو امانت دار بنانا۔ کسی کو امین بنانا۔ کسی کا اعتبار کرنا۔

اُؤْتُمِنَ ماضی مجہول واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ وہ جس کو امین بنایا گیا۔ جس پر اعتبار کیا گیا۔ ﴿ فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ ﴾ (2/البقرۃ:283) ''پس چاہیے کہ ادا کرے وہ جس پر اعتبار کیا گیا اُس کی امانت کو۔''

غ ی ب

(ض) **غَيْبًا** پوشیدہ ہونا۔ غیر حاضر ہونا۔ کسی چیز کا انسان کے علم و احساس سے بالاتر ہونا۔

غَيْبٌ ج غُيُوْبٌ۔ اسم ذات ہے۔ حواس سے پوشیدہ چیز یا بات۔ لفظ غیب پورے قرآنِ مجید میں بصورت نکرہ کہیں نہیں آیا، مضموم بھی آیا ہے، مفتوح بھی اور مکسور بھی مگر ہر جگہ معرفہ ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''قرآن میں لفظ غیب سے وہ تمام چیزیں مراد ہیں جن کی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی ہے اور ان کا علم بداہت عقل (یعنی عقل کی فوری رسائی) اور حواسِ خمسہ کے ذریعہ نہیں ہوسکتا، اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات بھی آجاتی ہیں، تقدیری امور، جنت و دوزخ کے حالات، قیامت اور اس میں پیش آنے والے واقعات بھی، فرشتے، تمام آسمانی کتابیں اور تمام انبیاء سابقینؑ بھی۔'' (معارف القرآن، ج۱، ص ۱۰۹)۔ ﴿ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴾ (5/المآئدہ:116) ''بیشک تو ہی تمام غیبوں کا خوب جاننے والا ہے۔''

غَائِبٌ ج: غَائِبُوْنَ۔ مونث: غَائِبَةٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ غائب ہونے والا یعنی غائب۔ ﴿ وَمَا مِنْ غَاۗىِٕبَةٍ فِي السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴾ (27/النمل:75) ''اور نہیں ہے کوئی بھی غائب ہونے والی چیز آسمانوں میں اور زمین میں مگر وہ ایک واضح کتاب میں ہے۔''

غَیَابَۃٌ — اسم ذات ہے۔ پستی۔ گہرائی۔ تاریکی۔ نشیبی زمین۔ ''ہر وہ چیز جو کسی چیز کو چھپا لے اور غائب کر دے۔ اس لیے قبر کو بھی غَیَابَۃٌ کہا جاتا ہے۔'' (معارف) ﴿قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ لَا تَقۡتُلُوۡا یُوۡسُفَ وَ اَلۡقُوۡهُ فِیۡ غَیٰبَتِ الۡجُبِّ﴾ (12 / یوسف:10) ''کہا ان میں سے ایک کہنے والے نے قتل مت کرو یوسفؑ کو اور اس کو ڈال دو کنویں کی گہرائی میں۔''

(افتعال) اِغۡتِیَابًا — پیٹھ پیچھے کسی کا عیب بیان کرنا اس طرح کہ اگر وہ اُسے سنتا تو اُسے برا لگتا۔ غیبت کرنا۔ چغلی کرنا۔ صاحب تفہیم القرآن فرماتے ہیں: ''غیبت کی تعریف یہ ہے کہ'' آدمی کسی شخص کے پیٹھ پیچھے اس کے متعلق ایسی بات کہے جو اگر اسے معلوم ہو تو اس کو ناگوار گزرے۔'' یہ تعریف خود رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے جسے مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور دوسرے محدثین نے نقل کیا ہے، اس میں حضور ﷺ نے غیبت کی یہ تعریف بیان فرمائی ہے: ذِکۡرُكَ اَخَاكَ بِمَا یَکۡرَهُ۔ قِیۡلَ اَفَرَاَیۡتَ اِنۡ کَانَ فِیۡ اَخِیۡ مَا اَقُوۡلُ؟ قَالَ اِنۡ کَانَ فِیۡهِ مَا تَقُوۡلُ فَقَدِ اغۡتَبۡتَهٗ وَ اِنۡ لَّمۡ یَکُنۡ فِیۡهِ مَا تَقُوۡلُ فَقَدۡ بَهَتَّهٗ۔ غیبت یہ ہے کہ ''تو اپنے بھائی کا ذکر اس طرح کرے جو اسے ناگوار ہو۔'' عرض کیا گیا کہ اگر میرے بھائی میں وہ بات پائی جاتی ہو جو میں کہہ رہا ہوں تو اس صورت میں آپ کا کیا خیال ہے؟ فرمایا اگر اس میں وہ بات پائی جاتی ہو تو، تو نے اس کی غیبت کی، اور اگر اس میں وہ موجود نہ ہو تو تو نے اس پر بہتان لگایا۔'' ایک دوسری روایت جو امام مالک نے مؤطا میں حضرت مُطّلِب بن عبداللہ سے نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: اِنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ ﷺ مَا الۡغِیۡبَةُ؟ فَقَالَ اَنۡ تَذۡکُرَ مِنَ الۡمَرۡءِ مَا یَکۡرَهُ اَنۡ یَّسۡمَعَ۔ قَالَ یَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ وَ اِنۡ کَانَ حَقًّا؟ قَالَ اِذَا قُلۡتَ بَاطِلًا فَذٰلِكَ الۡبُهۡتَانُ۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا غیبت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''یہ کہ تو کسی شخص کا ذکر اس طرح کرے کہ وہ سنے تو اسے ناگوار ہو۔'' اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر چہ میری بات حق ہو؟ آپ ﷺ نے جواب دیا اگر تیری بات باطل ہو تو یہی چیز پھر بہتان ہے۔'' ان ارشادات سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کے خلاف اس کے پیچھے جھوٹا الزام لگانا بہتان ہے اور اس کے واقعی عیوب بیان کرنا غیبت۔ (تفہیم القرآن، ج ۵، ص ۹۰)

لَا یَغۡتَبۡ — فعل نہی ہے۔ ﴿وَلَا یَغۡتَبۡ بَّعۡضُکُمۡ بَعۡضًا ؕ﴾ (49 / الحجرات:12) ''تم میں سے کوئی غیبت نہ کرے کسی کی۔''

یُقِیۡمُوۡنَ (ق و م): الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔

ص ل و

(ن) صَلۡوًا — پیٹھ کے درمیان میں مارنا۔ نرم ہونا (ثلاثی مجرد سے قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا)۔

(تفعیل) صَلَاۃً — (اس کا مصدر خلافِ قاعدہ صَلَاۃً استعمال ہوتا ہے) دعا کرنا۔ دعا دینا۔ تحسین و تعظیم کرنا۔ نشوونما دینا۔ بڑھانا۔ نماز پڑھنا (نماز کی اصل دعا ہی ہے)۔ چنانچہ محاورہ ہے صَلَّیۡتُ عَلَیۡهِ میں نے اسے دعا دی، نشوونما دی اور بڑھایا۔ اسی طرح حدیث میں آتا ہے اِذَا دُعِیَ اَحَدُکُمۡ اِلٰی طَعَامٍ فَلۡیُجِبۡ وَاِنۡ کَانَ صَآئِمًا فَلۡیُصَلِّ کہ ''جب کسی کو کھانے پر بلایا جائے تو اسے چاہیے کہ قبول کرلے اور اگر روزہ دار ہے تو وہ ان کے لیے دعا کر کے واپس چلا آئے۔'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے دعا (صلاۃٌ) کرنے کے معنی ہوتے ہیں ان کو نشوونما دینا، بڑھانا، ان پر اپنی رحمت کا نزول کرنا۔ جب دعا (صلاۃٌ) کی نسبت بندوں کی طرف ہو، خواہ فرشتے ہوں یا انسان تو اس کے معنی نزول رحمت کی دعا اور استغفار یعنی دعائے مغفرت کے ہوتے ہیں۔ یعنی فرشتے اور انسان اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ جن کے حق میں ہم دعا کر رہے ہیں تو ان پر اپنا فضل فرما اور انہیں اپنی عنایات سے نواز۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِکَتَهٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ﴾ (33 / الاحزاب:56) ''اللہ اور اس کے ملائکہ نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔'' یعنی اللہ رحمت نازل فرماتا ہے اور فرشتے نزولِ رحمت کی دعا کرتے ہیں۔

صَلَاۃٌ — اسم ذات بھی ہے۔ اس لفظ کا قرآنی املا صَلٰوۃٌ ہے اور اس کی جمع صَلَوٰتٌ ہے۔ نماز، شفقت و رحمت، عبادت گاہ، دعا۔ اصطلاح شرع میں وہ خاص عبادت صَلٰوۃٌ کہلاتی ہے جس کو نماز کہا جاتا ہے۔ اس کی اصل بھی دعا ہی ہے، اسی لیے اسے صَلٰوۃٌ کہا جاتا ہے۔ اور عربی زبان کا یہ اسلوب ہے کہ کسی چیز کے جزء ہی کو اس چیز کا نام دے دیا جاتا ہے۔ اسے تَسْمِيَةُ الشَّيْءِ بِاِسْمِ الْجُزْءِ کہتے ہیں۔ ﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ﴾ (2/البقرۃ:238) ''پابندی کرو سب نمازوں کی اور خصوصاً درمیانی نماز کی۔'' ﴿اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ ۟﴾ (2/البقرۃ:157) ''یہی وہ خوش نصیب ہیں جن پر اُن کے رب کی طرح طرح کی نوازشیں اور رحمت ہے۔''

قرآن مجید میں جہاں بھی لفظ صَلٰوۃ کی اضافت ضمیر بنی آدم کی طرف ہے وہاں یہ الف کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ جو لام سے ملا ہوا ہے۔ مثلاً صَلَاتُكَ، صَلَاتِیْ، صَلَاتُهُمْ وغیرہ۔ البتہ دو جگہ ضمیر مخاطب کی طرف اضافت کے باوجود واؤ ہی کے ساتھ لکھا ہوا ہے جو لام سے ملا ہوا ہے۔ (ا) ﴿اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ﴾ (9/التوبۃ:103) (ب) ﴿قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ﴾ (11/ھود:87)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دو قراءتیں ہیں اس لیے یہاں اس لفظ کو یوں لکھا جاتا ہے۔ (واللہ اعلم)۔ کبھی عبادت گاہ کو بھی صَلَاۃٌ کہہ دیا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں كَنَائِسُ یعنی یہود کی عبادت گاہوں کو صَلَوٰتٌ کہا گیا ہے۔ مثلاً ﴿لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ﴾ (22/الحج:40) ''تو راہبوں کے صومعے، عیسائیوں کے گرجے اور یہود کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں ویران ہو چکی ہوتیں۔'' قرآن مجید میں صَلَاۃٌ کی نسبت تمام جہان کی طرف بھی کی گئی ہے۔ مثلاً ﴿كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِيْحَهٗ ؕ﴾ (24/النور:41) ''ہر ایک کو معلوم ہے اپنی اپنی دعا اور اپنی تسبیح۔'' حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: ''یاد رہے کہ لفظ صلوٰۃ کچھ اصطلاحی نماز کے ساتھ مخصوص نہیں، قرآن نے ملائکہ اور بشر سے گزر کر تمام جہان کی طرف صلوٰۃ کی نسبت کی ہے (النور۔41) اور یہ بھی بتلا دیا کہ ہر چیز کی تسبیح و صلوۃ کا حال اللہ ہی جانتا ہے کہ کس کی صلوٰۃ و تسبیح کس رنگ کی ہے۔'' (تفسیر عثمانی، ص ۴۱۰)۔ حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ صلوٰۃ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''صلوۃ کے لفظی معنی دعا کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں ایک مخصوص ہیئت کی معروف عبادت کا نام ہے۔ اور یہ نام بھی اسی سے پڑا کہ دعا ہی اس عبادت کا جزوِ اعظم ہے۔ محققین نے کہا ہے کہ نماز تو یکسر دعا ہے۔ دعا زبان سے بھی، دل سے بھی، اعضائے ظاہری سے بھی۔ یعنی دعا قولی، دعا قلبی، دعا فعلی کا مجموعہ۔ (تفسیر ماجدی، ص ۷)

صَلِّ — ج: صَلُّوْا۔ فعل امر ہے۔ تو دعا کر۔ نماز پڑھ۔ ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ؕ﴾ (108/الکوثر:2) ''پس آپ ﷺ نماز پڑھیں اپنے رب کے لئے اور قربانی دیں۔'' ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ﴾ (33/الاحزاب:56) ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم لوگ دعا کرو ان کے لئے یعنی درود بھیجو۔''

مُصَلٍّ — ج: مُصَلُّوْنَ، مُصَلِّيْنَ۔ اسم الفاعل کا صیغہ ہے۔ نماز پڑھنے والا۔ ﴿قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿۴۳﴾﴾ (74/المدثر:43) ''ان لوگوں نے کہا ہم نہیں تھے نماز ادا کرنے والوں میں سے۔''

مُصَلًّى — اسم المفعول ہے جو بطور اسم الظرف استعمال ہوتا ہے۔ نماز کی جگہ۔ ﴿وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ﴾ (2/البقرۃ:125) ''اور تم لوگ بنا لو ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ میں سے نماز ادا کرنے کی جگہ۔''

مِمَّا — مرکب ہے۔ اصل میں 'مِنْ' اور 'مَا' تھا۔ مِنْ حرف جر اور مَا اسم موصولہ یا زائدہ یا مصدریہ یا استفہامیہ ہوسکتا ہے۔ اگر مَا استفہامیہ ہو تو اس کے الف کو اکثر حذف کر دیا جاتا ہے اور یوں لکھا جاتا ہے مِمَّ۔ یاد کرلیں کہ 'مَا' بھی کئی قسم کا ہے۔ مَا پہلے دو قسموں میں تقسیم ہوتا ہے (۱) حرفیہ (۲) اسمیہ۔ پھر حرفیہ کی چار قسمیں ہیں: نافیہ عاملہ، نافیہ غیر عاملہ، مصدریہ، زائدہ۔ اور ما اسمیہ کی تین قسمیں ہیں: استفہامیہ، موصولہ، ظرفیہ۔ مزید تفصیل کے لیے عربی کا معلم، ج ۴، ص ۵۹ دیکھیں۔

ر ز ق

(ن) رِزْقًا معاوضہ کے بغیر کوئی چیز دینا پھر دیتے رہنا۔عطیہ جاریہ دینا۔ روزی دینا۔عطا کرنا۔﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ﴾(30/الروم:40)''اللہ وہ ہی ہے جس نے تم لوگوں کو پیدا کیا پھر اس نے تم لوگوں کو روزی دی، پھر وہ تم لوگوں کو موت دے گا پھر وہ تم لوگوں کو زندہ کرے گا۔''

رِزْقٌ ج:اَرْزَاقٌ۔اسم ذات ہے۔وہ چیز جو عطیہ جاریہ کے طور پر دی جائے۔جو چیز ایک مرتبہ دی جائے اسے رِزْقَةٌ کہتے ہیں۔ پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''اَلرِّزْقُ فِى اللُّغَةِ النَّصِيْبُ وَالْعَطَاءُ وَ يُطْلَقُ عَلَى الْحِسِّيِ وَالْمَعْنَوِيِّ۔یعنی لغت میں رزق کہتے ہیں حصہ اور بخشش کو خواہ حسی ہو یا معنوی۔ مال، اولاد، علم و معرفت اسی لحاظ سے سب رزق ہیں۔'' (ضیاء القرآن، ج ا، ص ۳۱)۔صاحبِؒ تفہیم القرآن فرماتے ہیں: ''رزق عربی زبان میں محض خوارک تک محدود نہیں بلکہ عطا، نصیب اور بخشش کے معنی میں عام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی انسان کو دیا ہے حتیٰ اولاد تک، اس کا رزق ہے۔مشہور دعا ہے۔اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ یہاں رزق سے مراد توفیق ہے۔'' (واللہ اعلم) (تفہیم القرآن)۔صاحبِؒ تفسیر ماجدی لکھتے ہیں: ''رزق کا لفظ کلام عرب میں بڑے وسیع معنی رکھتا ہے۔اس کے اندر ہر قسم کی نعمتیں آجاتی ہیں خواہ ظاہری و مادی ہوں، مثلاً مال، صحت و اولاد، یا معنوی و روحانی ہوں، مثلاً علم و حکمت، فہم سلیم وغیرہ۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص ۸)۔عربی محاورے میں بولا جاتا ہے رُزِقْتُ عِلْمًا مجھے علم دیا گیا۔امام راغبؒ نے اس لفظ کی بہت عمدہ وضاحت کی ہے۔ اب اس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔فرماتے ہیں: اَلرِّزْقُ۔ وہ عطیہ جو جاری ہو۔ پھر یہ مندرجہ ذیل معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(ا) دنیوی عطاء: اس کے اندر سب نعمتیں آجاتی ہیں خواہ ظاہری ہوں جیسے مال و دولت، صحت، اولاد وغیرہ، خواہ روحانی ہوں جیسے، علم و حکمت، فہم اور تدبر وغیرہ۔ مثلاً ﴿ وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ ﴾(63/المنافقون:10)''جو رزق ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو۔'' اور ﴿ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ ﴾(2/البقرۃ:3)''اور جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔'' اِن دونوں آیات میں رزق اسی وسیع اور عام معنوں میں استعمال ہوا ہے۔﴿ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ رَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ﴾(11/ھود:88)'' آپؑ نے کہا اے میری قوم! بھلا یہ تو بتاؤ اگر میں روشن دلیل پر ہوں اپنے رب کی طرف سے اور اس نے عطا بھی کی ہو مجھے اپنی جناب سے عمدہ روزی۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ یہاں رزقًا حسنًا سے مراد علم وحی ہے۔

(۲) اخروی عطاء: مثلاً ﴿ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ ﴾(3/آل عمران:169)''وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں۔'' اور ﴿ وَ لَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا ۝ ﴾(19/مریم:62)'' اور انہیں اُس میں اُن کا رزق صبح و شام ملتا رہے گا۔'' ان دونوں آیات میں رزق سے انعامات اخروی مراد ہیں۔

(۳) حصہ: مثلاً ﴿ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ۝ ﴾(56/الواقعۃ:82)''اور اس نعمت میں اپنا حصہ تم نے یہ رکھا ہے کہ اسے جھٹلاتے ہو؟۔'' اس آیت میں رزق سے مراد حصہ ہے اور مطلب یہ کہ نعمتِ الٰہی کی تکذیب کو تم نے اپنا حصہ بنا لیا ہے۔

(۴) طعام (کھانا): مثلاً: ﴿ فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ ﴾(18/الکھف:19)''چاہیے کہ وہ وہاں سے تمہارے لیے کچھ کھانے کے لیے لائے۔'' آیت میں رزق سے مراد کھانا ہے جو انسانی غذا بنتا ہے۔

(۵) بارش: مثلاً: ﴿ وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ۝ ﴾(51/الذاریات:22)'' آسمان ہی میں ہے تمہارا رزق بھی اور وہ چیز بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔'' اس آیت میں عام طور پر مفسرین نے رزق سے مراد بارش لی ہے اس لیے کہ

وہ زمین سے حاصل ہونے والے رزق وغذائیات کا سبب ہے۔(واللہ اعلم)۔

اُرْزُقْ — فعل امر ہے۔تو عطا کر۔ ﴿ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴾ (14/ابراہیم:37) ''اور تو انہیں عطا کر پھلوں میں سے شائد کہ وہ لوگ شکر ادا کریں۔''

رَازِقٌ — ج: رَازِقُوْنَ- اسم الفاعل ہے۔عطا کرنے والا۔ یہ لفظ اللہ تعالیٰ اور انسانوں دونوں کے لیے بولا جاتا ہے۔ ﴿ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴾ (22/الحج:58) ''اور یقیناً اللہ ہی سب سے بہتر عطا کرنے والا ہے۔''
﴿ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴾ (15/الحجر:20) ''اور اس میں معیشت کے اسباب فراہم کیے، تمہارے لیے بھی اور اُن بہت سی مخلوقات کے لیے بھی جن کے رازق تم نہیں ہو۔''

رَزَّاقٌ — فَعَّالٌ کے وزن پر اسم مبالغہ ہے۔ یہ لفظ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ﴾ (51/الذّٰریٰت:58) ''یقیناً اللہ ہی بہت زیادہ عطا کرنے والا ہے۔''

ن ف ق

(ن-س) نَفْقًا، نُفُوْقًا، نَفَاقًا — (۱) خرچ ہوجانا۔ختم ہوجانا۔کچھ باقی نہ رہنا۔(۲) چیزوں کا خوب لین دین ہونا۔مال بکنا، بازار کا پر رونق ہوجانا، اس معنی کے لحاظ سے یہ لفظ کَسَاد کی ضد ہے جیسے اردو میں کساد بازاری کہہ دیتے ہیں یعنی مندا۔نَفَقَ الشَّیْءُ کا مطلب ہے وہ چیز چلی گئی، ختم ہوگئی۔ نَفَقَتِ الدَّرَاهِمُ کا مطلب ہے روپیہ ختم ہوگیا۔ نَفَقَتِ الدَّابَّةُ کا مطلب ہے گھوڑا مر گیا۔(قرآن مجید میں ثلاثی مجرد سے فعل استعمال نہیں ہوا)

نَفَقَةٌ — ج: نَفَقَاتٌ۔اسم ذات ہے۔خرچہ۔خرچ ہونے والی چیز۔ ﴿ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ﴾ (2/البقرہ:270) ''اور جو تم لوگ خرچ کرو کسی خرچہ میں سے یا منت مانگو کسی منت میں سے تو یقیناً اللہ اس کو جانتا ہے۔''

نَفَقٌ — سرنگ۔سرنگ کے بھی دو منہ ہوتے ہیں۔ ﴿ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ ﴾ (6/الانعام:35) ''تو اگر آپ ﷺ میں استطاعت ہے کہ آپ ﷺ تلاش کرلیں کوئی سرنگ زمین میں۔''

(افعال) اِنْفَاقًا — خرچ کرنا۔ ﴿ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ﴾ (57/الحدید:10) برابر نہیں ہے تم میں سے وہ جس نے خرچ کیا الفتح سے پہلے (یعنی فتح مکہ سے پہلے) اور قتال کیا۔''

اَنْفِقْ — ج: اَنْفِقُوْا۔فعل امر ہے۔تو خرچ کر۔ ﴿ وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ ﴾ (63/المنافقون:10) اور تم لوگ خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے تم کو عطا کیا اس سے پہلے کہ آئے تم میں سے کسی ایک کو موت۔''

مُنْفِقٌ — ج: مُنْفِقُوْنَ۔اسم الفاعل ہے۔خرچ کرنیوالا۔ ﴿ وَ الْمُنْفِقِيْنَ وَ الْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴾ (3/آل عمران:17) ''اور خرچ کرنے والے اور مغفرت مانگنے والے راتوں کے پچھلے پہر میں۔''

(مفاعلہ) مُنَافَقَةً و نِفَاقًا — دورُخا ہونا۔دوغلا ہونا۔ ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ (59/الحشر:11) ''کیا آپ ﷺ نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو دورُخے ہوئے، وہ لوگ کہتے ہیں اپنے بھائیوں سے جنہوں نے کفر کیا۔'' نَافِقَاءُ اور نُفَقَةٌ، گوہ (زمین پر رینگ کر چلنے والا ایک بڑے سائز کا جانور) کے بھٹ (کھوہ، بل) کو کہتے ہیں جس کے کم از کم دو منہ ہوتے ہیں ایک دہانے سے گوہ داخل ہوتی ہے اور شکاری اس سوراخ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو دوسرے سوراخ سے باہر نکل جاتی ہے۔نفاق اور منافقت اصطلاح قرآنی میں اسی دورُخی کا نام ہے، بظاہر زبان سے آدمی

مؤمن ہونے کا اقرار کرتا ہے اور دکھاوے کی نمازیں بھی پڑھتا ہے لیکن دل میں کا فر رہتا ہے اسلام کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے ایسے آدمی کو عرفِ شریعت میں منافق کہا جاتا ہے لیکن اگر عقیدہ مومنانہ ہو اور عمل کافرانہ تو دورُخی کی یہ بھی ایک شکل ہوتی ہے ایک دروازہ (عقیدہ) سے آدمی اسلام کے دائرہ میں داخل ہوتا ہے اور دوسرے (عمل کے) راستہ سے خارج ہوتا ہوا نظر آتا ہے لیکن قرآنی اصطلاح میں ایسے آدمی کو منافق نہیں کہا جاتا بلکہ فاسق اور عاصی کہا جاتا ہے۔ (البتہ حدیث پاک میں ایسے شخص کو بھی منافق کا نام دیا گیا ہے یعنی ''عملی منافق'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''منافق کی تین علامتیں ہیں اس کے بعد مسلمؒ نے اپنی روایت میں اتنا اضافہ کیا'' اگر چہ وہ نماز پڑھے اور روزہ رکھے اور مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی کرے۔ اس کے بعد بخاریؒ و مسلمؒ دونوں متفق ہیں (وہ تین علامتیں یہ ہیں) جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔'' (متفق علیہ، بحوالہ مظاہر حق جدید، ج ا، ص: ۱۳۴، از مفتی سعید صاحب)

مُنَافِقٌ ج: مُنَافِقُوْنَ۔ مونث: مُنَافِقَةٌ۔ ج: مُنَافِقَاتٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ دورُخا ہونے والا یعنی منافق۔ ﴿ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ﴾ (9/التوبۃ:64) ''ڈرتے ہیں منافق کہ نازل کردی جائے ان کے بارے میں کوئی سورت جو جتلا دے ان کو وہ، جو ان کے دلوں میں ہے۔'' ﴿ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ﴾ (9/التوبۃ:67) ''منافق مرد اور منافق عورتیں، ان کے بعض، بعض سے ہیں یعنی سب ایک جیسے ہیں۔''

ترکیب الَّذِيْنَ اسم موصول ہے۔ يُؤْمِنُوْنَ فعل مضارع ہے اور اس میں شامل ضمیر اس کا فاعل، آگے بِالْغَيْبِ جار مجرور متعلق ہیں يُؤْمِنُوْنَ سے۔ جملہ فعلیہ يُؤْمِنُوْنَ اپنے متعلق سے مل کر صلہ ہے الَّذِيْنَ کا اور صلہ اور موصولہ مل کر صفت ہیں اَلْمُتَّقِيْنَ کی اسی لیے محلاً حالت جر میں ہیں۔ 'وَ' عطف کا ہے اور آگے جملہ فعلیہ يُقِيْمُوْنَ عطف ہے يُؤْمِنُوْنَ پر اور الصَّلٰوةَ مفعول بہٖ ہے۔ یہ جملہ بھی صفت ہے اَلْمُتَّقِيْنَ کی۔ 'وَ' عطف کا ہے اور مِمَّا، مِنْ حرف جارہ اور 'مَا' موصول کا مرکب ہے۔ رَزَقْنَا فعل + فاعل اور هم ضمیر اس کا مفعول، پورا جملہ فعلیہ صلہ ہے 'مَا' موصول کا اور جار مجرور متعلق ہیں آگے جملہ فعلیہ يُنْفِقُوْنَ سے۔ يُنْفِقُوْنَ بھی عطف ہے يُقِيْمُوْنَ پر اور یہ جملہ بھی صفت ہے اَلْمُتَّقِيْنَ کی۔ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ کو اصل فعل يُنْفِقُوْنَ سے پہلے لا کر اس حقیقت میں تاکید اور زور پیدا کیا گیا ہے کہ انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔

ترجمہ البقرۃ:3

الَّذِيْنَ	يُؤْمِنُوْنَ	بِالْغَيْبِ	وَ يُقِيْمُوْنَ	الصَّلٰوةَ
وہ لوگ جو	ایمان لاتے ہیں	غیب پر	اور جو لوگ قائم رکھتے ہیں	نماز کو

وَمِمَّا	رَزَقْنٰهُمْ	يُنْفِقُوْنَ ۙ﴿3﴾
اور اس میں سے جو	ہم نے عطا کیا ان کو	وہ لوگ خرچ کرتے ہیں

نوٹ۔1 قرآن مجید میں صلوٰۃ کے ساتھ اکثر و بیشتر اقامت کا لفظ آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کردہ نماز کو اس کے ظاہری نظام اور باطنی روح کے ساتھ ادا کرنے کی تاکید ہے۔ جبکہ آیت فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى (نہ اس نے تصدیق کی اور نہ اس نے نماز پڑھی) (القیامۃ:31) میں وَلَا صَلّٰى سے مراد ہے کہ اس نے رسمی نماز بھی نہیں پڑھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسمی نماز پڑھنا بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ ایک روایت میں ہے اِنَّ الْمُصَلِّيْنَ كَثِيْرٌ وَالْمُقِيْمِيْنَ لَقَلِيْلٌ (نماز پڑھنے والے بہت ہیں جبکہ اس کو قائم کرنے والے کم ہیں)۔

نوٹ۔2 قرآن مجید میں انفاق سے مراد انفاق فی سبیل اللہ ہی ہوتا ہے خواہ فی سبیل اللہ کے الفاظ ساتھ نہ بھی لکھے ہوں۔ جس طرح صرف ایمان کا ذکر ہو تب بھی اس سے مراد وہ ایمان ہوتا ہے جو قرآن وسنت کے مطابق ہو۔ مولانا مودودیؒ سورۃ الحج کی آیت 35 کے تحت ''انفاق'' کی وضاحت

کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اللہ نے کبھی حرام و ناپاک مال کو اپنا رزق نہیں فرمایا ہے۔ اس لیے آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو پاک رزق ہم نے انہیں بخشا ہے اور جو حلال کمائیاں ان کو عطا کی ہیں ان میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔ پھر خرچ سے مراد بھی ہر طرح کا خرچ نہیں ہے بلکہ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی جائز ضروریات پوری کرنا، رشتہ داروں اور ہمسایوں اور حاجت مند لوگوں کی مدد کرنا، رفاہِ عام کے کاموں میں حصہ لینا، اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے مالی ایثار کرنا مراد ہے۔ بے جا خرچ، اور عیش وعشرت کے خرچ اور ریاکارانہ خرچ وہ چیز نہیں ہے جسے قرآن ''انفاق'' قرار دیتا ہو۔ بلکہ یہ اس کی اصطلاح میں اسراف اور تبذیر ہے۔ اسی طرح کنجوسی اور تنگ دلی کے ساتھ جو خرچ کیا جائے کہ آدمی اپنے اہل وعیال کو بھی تنگ رکھے اور خود بھی اپنی حیثیت کے مطابق اپنی ضرورتیں پوری نہ کرے، اور خلق خدا کی مدد بھی اپنی استطاعت کے مطابق کرنے سے جی چرائے، تو اس صورت میں اگرچہ آدمی خرچ تو کچھ نہ کچھ کرتا ہی ہے، مگر قرآن کی زبان میں اس خرچ کا نام 'اِنفاق' نہیں ہے۔ وہ اس کو 'بخل' اور 'شُحِّ نفس' کہتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۴۶)

آیت:4

﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۴ ﴾

يُؤْمِنُوْنَ (ء م ن): البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔

بِمَآ ''ب'' حرف جارہ ہے اور ''ما'' استفہامیہ، مصدریہ یا موصولہ ہو سکتا ہے۔ 'ما' استفہامیہ ہونے کی صورت میں الف حذف کر دیا جاتا ہے اور بِمَ لکھا جاتا ہے تاکہ 'ما' استفہامیہ اور 'ما' موصولہ میں فرق ہو سکے۔

ن ز ل

(ض) نُزُوْلًا اُترنا۔ بلندی سے کسی چیز کا نیچے آنا۔ اس کی ضد صعود اور عروج دونوں ہیں۔ ﴿وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ؕ﴾ (57/الحدید:4) ''اور جو کچھ آسمان سے اُترتا ہے اور جو کچھ اُس میں چڑھتا ہے۔'' ﴿وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ﴾ (57/الحدید:16) ''اور جو اُترا حق میں سے۔''

مَنْزِلٌ ج: مَنَازِلُ۔ اسم الظرف ہے۔ اُترنے کی جگہ۔ ٹھہرنے کی جگہ۔ ﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ﴾ (10/یونس:5) ''وہ ہے جس نے بنایا سورج کو روشن اور چاند کو نور اور اس کے لئے طے کر دیں منزلیں۔''

نَزْلَةً نَزَلَ کا اسم مرۃ ہے۔ ایک بار کا نزول۔ ایک مرتبہ اُترنا۔ ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝۱۳﴾ (53/النجم:13) ''اور انہوں ﷺ نے اس (فرشتہ) کو ایک بار اور بھی اترتے دیکھا ہے۔''

نُزُلٌ اسم ذات ہے۔ وہ چیز جو مہمان کے سواری سے اُترتے ہی یعنی آتے ہی اصل دعوت سے پہلے پیش کی جائے۔ ابتدائی مہمان نوازی۔ حضرت مفتی شفیعؒ فرماتے ہیں: ''نُزُلٌ اصلاً مہمان کی اس خاطر تواضع کو کہا جاتا ہے جو اصل دعوت سے پہلے کی جائے۔ بعد کے کھانے کو ضیافۃ یا مأدبۃ کہتے ہیں۔'' (معارف القرآن، ج ۷، ص ۳۷۷) ﴿اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ۝۱۰۲﴾ (18/الکہف:102) ''یقیناً ہم نے تیار کیا جہنم کو کافروں کے لئے ابتدائی مہمان نوازی کے طور پر۔''

(افعال) اِنْزَالًا اُتارنا۔ اتارنے کے لیے انزال کا لفظ عام ہے۔ یہ لفظ کسی چیز کو مکمل طور پر ایک ہی دفعہ اتارنے کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ﴾ (2/البقرۃ:174) ''بیشک وہ لوگ چھپاتے ہیں اس کو جو اُتارا اللہ نے الکتاب میں سے۔'' قرآن مجید میں لباس، مویشی اور لوہے کے اتارنے کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے مثلاً ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ﴾ (7/الاعراف:26) ''اے اولادِ آدمؑ کی ہم نے اتاری تم پر پوشاک جو ڈھانکے تمہاری شرمگاہیں اور اتارے آرائش کے کپڑے۔'' حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت میں اَنْزَلْنَا کے لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اتارنے سے مراد اُس کا مادہ وغیرہ پیدا کرنا اور اُس

کے تیار کرنے کی تدبیر بتلانا ہے۔ گو اتارنے کا لفظ اکثر اس موقع پر بولتے ہیں جہاں ایک چیز کو اوپر سے نیچے لایا جائے۔ مگر بہت دفعہ اس سے مکانی فوق وتحت مراد نہیں ہوتا۔ بلکہ جو مرتبہ کے اعتبار سے اُونچا ہو، اس کی طرف سے کوئی چیز نیچے والوں کو عطا کیے جانے پر بھی یہ لفظ اطلاق کیا جاتا ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ﴾ (39/الزمر:6) یا ﴿وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ﴾ (57/الحدید:25) (تفسیر عثمانی، ص ۲۰۴)۔ اِنْزَالٌ کا لفظ خَلْقٌ (پیدا کرنا) کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ الاعراف 26 میں اَنْزَلْنَا کے لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اَنْزَلْنَا کے لفظی معنی تو اتارنے کے ہیں۔ یہاں خَلَقْنَا کا مرادف قرار دیا گیا ہے۔ لفظ انزال میں اس کی برکتوں کی طرف اشارہ ہے کہ گویا وہ آسمان سے اُترا ہوا ہے۔ غور کیا جائے تو ہر لباس اپنی تیاری کے لیے اسباب آسمانی ہی کا محتاج نظر آئے گا۔ ریشم، اُون، سوت، سب کی پیداوار کے آخری، ظاہری اسباب جا کر بارش ہی پر ٹھہرتے ہیں۔ (تفسیر ماجدی، ص ۳۶۷)۔ چنانچہ حضرتؒ آیت کا ترجمہ کرتے ہیں: ''اے بنی آدم ہم نے تمہارے لیے لباس پیدا کیا ہے جو تمہارے پردہ والے بدن کو چھپاتا ہے اور موجب زینت بھی ہے۔'' اسی طرح سورۃ الزمر آیت 6 میں بھی انزل کے لفظ کا ترجمہ پیدا کیے سے ہی کرتے ہیں۔ ''اور تمہارے لیے اُس نے چار پایوں کے آٹھ (تعداد میں) جوڑے پیدا کیے۔'' پیر کرم شاہ صاحبؒ الاعراف 26 کے تحت فرماتے ہیں: ''اَنْزَلْنَا کا لفظی معنی تو اُوپر سے نیچے اتارنا ہے۔ یہاں لباس کے لیے اس کا استعمال بطور مجاز (مجاز یعنی کہ ظاہری معنی کے علاوہ جو معنی لیے جاتے ہیں) ہے یعنی بارش جو کپاس وغیرہ کی روئیدگی اور حیوانات (جن کی اُون سے گرم کپڑے بنتے ہیں) کی زندگی کا سبب ہے۔ وہ کیونکہ اُوپر سے نازل ہوتی ہے تو گویا لباس بھی اُوپر سے ہی نازل ہوا۔ تَسْمِيَةُ الْمُسَبَّبِ بِاِسْمِ السَّبَبِ (مسبب کا نام سبب والا رکھنا، یہاں مسبب لباس ہے اور سبب بارش) اور بعض علما نے کہا انزل بمعنی خلق ہے۔ اور یہ استعمال بھی عام ہے۔ جیسے ﴿وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ﴾ (39/الزمر:6) (ضیاء القرآن، ج۲، ص: ۲۲)۔ اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ انزال کا لفظ اتارنے کے لیے عام ہے۔ مرتبہ کے اعتبار سے جو اونچا ہو، اس کی طرف سے نیچے والوں کو کوئی چیز ملے تو اس پر بھی اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے اور خلق (پیدا کرنا) کے معنوں میں بھی اس کا استعمال عام ہے۔ (واللہ اعلم)

مُنْزِلٌ ج: مُنْزِلُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ اُتارنے والا۔ میزبان۔ مہمان نواز۔ ﴿اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَ اَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ﴾ (12/یوسف:59) ''کیا تم لوگ دیکھتے نہیں کہ میں پورا ناپتا ہوں پیمانے کو اور میں سب سے بہتر ہوں اُتارنے والوں میں یعنی بہترین مہمان نواز ہوں۔''

مُنْزَلٌ ج: مُنْزَلُوْنَ۔ اسم المفعول ہے۔ اُتارا ہوا۔ ﴿اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ﴾ (3/آل عمران:124) ''کہ تم لوگوں کی مدد کرے تمہارا رب تین ہزار فرشتوں سے جو اُتارے گئے۔''

(تفعیل) **تَنْزِيْلًا** کسی چیز کو بتدریج اُتارنا۔ رفتہ رفتہ اتارنا۔ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ﴾ (2/البقرۃ:176) ''یہ اس لئے کہ اللہ نے بتدریج اُتارا الکتاب کو حق کے ساتھ۔'' ﴿وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (17/بنی اسرائیل:82) ''اور ہم بتدریج اُتارتے ہیں قرآن میں سے جو شفاء ہے اور رحمت ہے مومنوں کیلئے۔''

مُنَزِّلٌ اسم الفاعل ہے۔ بتدریج اُتارنے والا۔ رفتہ رفتہ اتارنے والا۔ ﴿قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ﴾ (5/المائدہ:115) ''کہا اللہ نے کہ میں بتدریج اُتارنے والا ہوں اس کو تم لوگوں پر۔''

مُنَزَّلٌ اسم المفعول ہے۔ بتدریج اُتارا ہوا۔ ﴿وَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ﴾ (6/الانعام:114) ''اور جن لوگوں کو ہم نے دی الکتاب وہ لوگ جانتے ہیں کہ وہ (یعنی قرآن) بتدریج اُتارا ہوا ہے

آپ ﷺ کے رب کی جانب سے حق کے ساتھ۔''

(تفعّل) تَنَزُّلًا ٹھہر ٹھہر کر اُترنا۔ اُترتے رہنا۔ ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ﴾ (41/حٰمٓ السجدہ:30) ''بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ لوگ ڈٹے رہے (یعنی اپنے قول پر) تو اُترتے رہتے ہیں ان لوگوں پر فرشتے۔'' امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''جو کلام افتراء اور جھوٹ ہو یا شیاطین کی طرف سے القاء کیا گیا ہوا سکے متعلق صرف تَنَزُّلٌ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے کہ باب تفعّل میں تکلّف اور بناوٹ کی خاصیت ہوتی ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴾ (26/الشعراء:210) ''اور اس قرآن کو شیطان لے کر نازل نہیں ہوئے۔'' (مفردات القرآن)

قَبْلُ (مادہ ق ب ل، تفصیل سے انشاء اللہ اسی سورہ کی آیت 48 کے تحت آئے گا۔ یہاں آیت کی مناسبت سے صرف قَبْلُ لکھا جا رہا ہے)۔

قَبْلُ (پہلے)، ظرف زمان بھی ہے اور ظرف مکان بھی۔ اس کی ضد بَعْدُ ہے۔ قَبْلُ چار طرح استعمال ہوتا ہے۔ (1) تقدم مکانی یعنی کسی مقام کا دوران سفر پہلے آنا اور دوسرے کا اس کے بعد آنا جیسے فیصل آباد سے گوجرانوالہ جاتے ہوئے مانوالہ، شیخوپورہ سے پہلے آتا ہے اور گوجرانوالہ سے فیصل آباد آتے ہوئے شیخوپورہ، مانوالہ سے پہلے آتا ہے۔ (2) تقدم زمانی یعنی کسی انسان کا زمانہ کسی دوسرے انسان کے زمانے سے پہلے ہونا۔ جیسے عَبْدُ الْمَلِكِ قَبْلَ الْمَنْصُوْرِ کہ عبدالملک کا زمانہ منصور سے پہلے کا ہے۔ (3) تقدم بلحاظ مرتبہ یعنی مرتبے میں کسی سے بڑا ہونا جیسے عَبْدُ الْمَلِكِ قَبْلَ الْحَجَّاجِ کہ عبدالملک حجاج سے پہلے ہے یعنی مرتبہ میں بڑا ہے۔ (4) ترتیب تعلیمی میں ایک چیز کا دوسری سے پہلے ہونا جیسے کہا جاتا ہے کہ تَعَلُّمُ الْهِجَاءِ قَبْلَ تَعَلُّمِ الْخَطِّ کہ حروف ہجاء کی تعلیم کتابت سیکھنے سے پہلے دی جاتی ہے۔ ان چار استعمالات کے علاوہ قبل سے مراد ''بغیر'' بھی ہوتا ہے مثلاً ﴿ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ﴾ (7/الاعراف:123) ''فرعون بولا تم ایمان لے آئے بغیر اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اسی آیت کے تحت حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''قبل سے مراد ہمیشہ پیشتر ہی نہیں ہوتا۔ ''بغیر'' بھی مراد ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید کی ایک دوسری آیت میں آیا ہے لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ (کہف۔ ۱۰۹) یا اس حدیث میں وارد ہوا ہے۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ عَيْنَيْنِ هَطَّالَتَيْنِ تَسْقِيَانِ الْقَلْبَ بِذُرُوْفِ الدَّمْعِ مِنْ خَشْيَتِكَ قَبْلَ اَنْ تَكُوْنَ الدُّمُوْعُ دَمًا وَالْاَضْرَاسُ جَمْرًا ''اے اللہ مجھے عطا فرمایئے ایسی زیادہ آنسو بہانے والی آنکھیں جو دل کو سیراب کریں آنسوؤں کے موتیوں کے ساتھ آپ کے خوف سے نہ یہ کہ (یا اس سے پہلے کہ) آنسو خون بن جائیں اور داڑھیں انگارہ بن جائیں۔'' قَبْلُ ہمیشہ اضافت کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ (ا) اگر اس کا مضاف الیہ مذکور ہو (یعنی ذکر کیا جائے) اور اس پر حرف جر بھی داخل ہو تو پھر قَبْلُ زیر قبول کرتا ہے جیسے مِنْ قَبْلِهِمْ، مِنْ قَبْلِكُمْ وغیرہ۔ (ب) اگر اس کا مصاف الیہ مذکور نہ ہو اور اس پر حرف جر داخل ہو تو پھر قَبْلُ پیش کے ساتھ لکھا جاتا ہے جیسے هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ (البقرۃ:25) (ج) اگر اس پر حرف جر داخل نہ ہو تو پھر یہ زبر کے ساتھ لکھا جاتا ہے جیسے ﴿ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ﴾ (طٰہٰ:130)۔

ء خ ر

(x) x ثلاثی مجرد سے فعل استعمال نہیں ہوتا۔

(تفعیل) تَاْخِيْرًا پیچھے کرنا۔ مؤخر کرنا۔ مہلت دینا۔ ڈھیل دینا۔ ﴿ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ﴾ (75/القیامۃ:13) ''جتلا دیا جائے گا اس دن انسان کو جو اس نے آگے کیا اور جو اس نے پیچھے کیا۔'' ﴿ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ﴾ (63/المنافقون:11) ''اور اللہ ہرگز پیچھے نہیں کرے گا (یعنی ہرگز مہلت نہیں دے گا) کسی نفس کو جب آ جائے گی اس کی اجل (یعنی موت)۔''

(تفعّل) تَاَخُّرًا پیچھے رہنا۔ ﴿ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ۝ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ﴾ (74/المدثر:36-37) ''وارننگ ہے ہر اس شخص کے لئے جو چاہے تم میں سے کہ وہ آگے رہے یا پیچھے رہے۔''

(استفعال) **اِسْتِئْخَارًا** پیچھے ہونا۔﴿ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴾(7/الاعراف:34)''تو جب آجائے گی ان لوگوں کی اجل تو نہ وہ لوگ پیچھے ہوں گے ایک گھڑی اور نہ آگے ہوں گے۔''

مُسْتَاْخِرٌ اسم الفاعل ہے۔ پیچھے رہنے والا اور وہ جو ابھی پیدا نہیں ہوا۔﴿ وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴾(15/الحجر:24)''اور ہم نے جان رکھا ہے آگے بڑھنے والوں کو تم میں سے اور جان رکھا ہے پیچھے رہنے والوں کو۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔''پہلے جو لوگ تم میں سے ہو گزرے ہیں اُن کو بھی ہم نے دیکھ رکھا ہے، اور بعد کے آنے والے بھی ہماری نگاہ میں ہیں۔''(ترجمہ تفہیم القرآن)

آخِرٌ فاعل کا وزن ہے۔ آخری۔﴿ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴾(2/البقرہ:8)''اور لوگوں میں سے وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخری دن پر حالانکہ وہ لوگ مومن نہیں ہیں۔''

اٰخِرَةٌ یہ ضد ہے دنیا کی۔ دنیا مشتق ہے دُنُوٌّ سے جس کے معنی قریب ہونا کے ہیں خواہ یہ قرب ذاتی، حکمی، مکانی، زمانی یا بلحاظ مرتبہ کے ہو۔ چونکہ وہ حال کے بہت ہی قریب ہے اس لیے اسے دنیا کہتے ہیں۔ اسی طرح آخرت کو اس کے متاخر اور پیچھے ہونے کی وجہ سے آخرت کہتے ہیں۔ اصل میں دنیا اور آخرت دونوں دو صفتیں تھیں اب ان پر اسمیت غالب آئی اور استعمال میں دنیا و آخرت اسم کہلائے جانے لگے۔ اصل میں آخرت کا معنی دار البقا ہے یعنی مرنے کے بعد انسانوں کو دوسرے جہان میں جو دائمی زندگی حاصل ہوگی اور اس زندگی میں رُوح اور جسم دونوں کا کلی طور پر اتصال ہوگا اور نیک اور بدکار لوگوں کو اپنے اپنے اعمال کے بدلے میں جنت یا دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔ اسی لحاظ سے آخرت کی ضد عاجلۃ، دنیا، ادنیٰ، اُولیٰ سب قرآن میں استعمال ہوئی ہیں۔ مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں:''اَلْاٰخِرَةُ سے مراد ہے دارالآخرت یا عالم آخرت۔ یعنی وہ عالم جو موجودہ زندگی کے بعد شروع ہوگا۔ اُسے آخرۃ کہا ہی اسی لحاظ سے جاتا ہے کہ وہ اِس زندگی کے خاتمہ کے بعد پیش آئے گا۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر کہیں دارالآخرہ سے آیا ہے اور کہیں صرف آخرۃ سے۔ جزا و سزا کے لیے ایک مستقل آئندہ عالم پر یقین رکھنا دین صحیح کے لوازم میں سے ہے۔''(تفسیر ماجدی، ص۸)۔ مولانا مودودیؒ نے اس لفظ کی بہت خوبصورت وضاحت کی ہے وہ آگے نوٹ 2 میں دیکھیں۔

آخَرُ ج: اٰخَرُوْنَ، اٰخَرِيْنَ۔ اَفْعَلُ کا وزن ہے۔ دوسرا۔﴿ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ﴾(15/الحجر:96)''وہ لوگ جو بناتے ہیں اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود۔''﴿ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴾(6/الانعام:133)''جس طرح اُس نے تمہیں کچھ اور لوگوں کی نسل سے اُٹھایا ہے۔''

اُخْرٰى فُعْلٰى کے وزن پر اٰخَرُ کا مونث ہے۔ دوسری۔ اس کی جمع فُعَلٌ کے وزن پر اُخَرٌ آنی چاہیے تھی لیکن خلافِ قاعدہ اُخَرُ (غیر منصرف) آتی ہے۔﴿ وَ اُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ﴾(61/الصف:13)''اور دوسری تم لوگ پسند کرتے ہو جس کو۔''﴿ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ﴾(2/البقرہ:184)''تو گنتی ہے دوسرے دنوں میں۔'' کبھی اس کا معنی ''پیچھے سے، پچھلی طرف سے'' ہوتا ہے جیسے فرمایا﴿ وَّ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْۤ اُخْرٰىكُمْ ﴾(3/آل عمران:153)''اور رسول ﷺ پکارتا تھا تم کو تمہارے پیچھے سے۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ) کبھی اس سے مراد ''بعد والا یا بعد والی'' ہوتا ہے جیسے فرمایا:﴿ حَتّٰۤى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ﴾(7/الاعراف:38)''حتیٰ کہ جب سب وہاں جمع ہو جائیں گے تو ہر بعد والا گروہ پہلے گروہ کے حق میں کہے گا کہ اے ربّ! یہ لوگ تھے جنہوں نے ہم کو گمراہ کیا لہٰذا انہیں آگ کا دوہرا عذاب دے۔'' اس آیت کے تحت صاحبؒ احسن البیان

فرماتے ہیں: ''اُخْرٰی (پچھلے) سے مراد بعد میں داخل ہونے والے اور اُوْلٰی (پہلے) سے مراد ان سے پہلے داخل ہونے والے ہیں۔'' اور کبھی اُخْرٰی مطلقاً ''دوسرے'' کے معنی میں بھی آتا ہے جس میں مقدم اور مؤخر کا مفہوم نہیں ہوتا چنانچہ فرمایا: ﴿وَ لَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى ۝﴾ (20/طٰہٰ:37) ''اور احسان کیا تھا ہم نے تجھ پر ایک بار اور بھی۔'' حضرت مفتی محمد شفیعؒ اس آیت میں اُخْرٰی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''یہ نعمتیں جن کا ذکر آگے آتا ہے زمانہ وقوع کے اعتبار سے پہلی ہیں یہاں جو اُن کو اُخْرٰی کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ نعمتیں اس کے بعد کی ہیں بلکہ لفظ اُخْرٰی کبھی مطلقاً دوسرے کے معنی میں بھی آتا ہے جس میں مقدم مؤخر کا کوئی مفہوم نہیں ہوتا یہاں بھی یہ لفظ اسی معنی میں ہے۔'' (معارف القرآن، ج۶، ص ۸۲)

ی ق ن

(س) **يَقَنًا** روشن وثابت ہونا۔ قرآن مجید میں ثلاثی مجرد سے فعل استعمال نہیں ہوا۔

يَقِيْنٌ فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ کسی چیز کا ثبوت کے ساتھ ہمیشہ کے لئے سمجھ میں آجانا۔ یقین آنا۔ یقین، زوالِ شک کو کہتے ہیں۔ یقین اس چیز کو بھی کہتے ہیں جس کا ہونا یقینی ہو اسی لیے عربی میں یقین بمعنی موت بھی استعمال ہوتا ہے۔ ﴿وَ كُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ۝﴾ (74/المدثر:46-47) ''اور ہم جھٹلایا کرتے تھے بدلے کے دن کو یہاں تک کہ آیا ہم کو یقین۔'' اس آیت میں اکثر مفسرین نے یقین سے موت مراد لی ہے۔
(ایمان اور یقین میں فرق کے لیے البقرۃ آیت 3 دیکھیں)۔

(افعال) **اِيْقَانًا** یقین کرنا۔ ﴿قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝﴾ (2/البقرہ:118) ''ہم واضح کر چکے ہیں نشانیوں کو ایسی قوم کے لئے جو یقین کرتے ہیں۔''

مُوْقِنٌ ج: مُوْقِنُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ یقین کرنے والا۔ ﴿وَ كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝﴾ (6/الانعام:75) ''اور اس طرح ہم نے دکھائی ابراہیمؑ کو زمین اور آسمانوں کی بادشاہت اور اس لئے کہ وہ ہو جائے یقین کرنے والوں میں سے۔''

(استفعال) **اِسْتِيْقَانًا** یقین حاصل کرنا۔ یقین کے ساتھ جان لینا۔ واضح طور پر جان لینا۔ ﴿وَ مَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ (74/المدثر:31) ''اور ہم نے نہیں بنایا ان کی گنتی کو مگر آزمائش ان لوگوں کے لئے جنہوں نے کفر کیا، تاکہ یقین حاصل کریں وہ لوگ جنہیں دی گئی کتاب۔''

مُسْتَيْقِنٌ ج: مُسْتَيْقِنُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ یقین حاصل کرنے والا۔ ﴿قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّ مَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ۝﴾ (45/الجاثیہ:32) ''تم لوگوں نے کہا ہم نہیں جانتے قیامت کیا ہے، ہم گمان نہیں کرتے مگر ایک گمان یعنی کچھ گمان سا ہوتا ہے اور ہم یقین حاصل کرنے والے نہیں ہیں۔''

ترکیب یہ پوری آیت بھی آیت 2 میں اَلْمُتَّقِيْنَ کی صفت ہے۔ 'وَ' عطف کا ہے اور اَلَّذِيْنَ عطف ہے آیت 3 کے اَلَّذِيْنَ پر۔ يُؤْمِنُوْنَ اس کا صلہ ہے۔ بِمَا میں 'مَا' اسم موصول ہے اور اُنْزِلَ اس کا صلہ۔ اُنْزِلَ ماضی مجہول کا صیغہ ہے اور اس میں شامل ضمیر ''هُوَ'' اس کا نائب الفاعل ہے۔ اِلَيْكَ متعلق ہے اُنْزِلَ سے۔ آگے 'وَمَا' میں 'وَ' عطف کا ہے اور 'مَا'، بِمَا کے 'مَا' پر عطف ہے۔ اُنْزِلَ اس کا صلہ ہے۔ مِنْ قَبْلِكَ متعلق ہے اُنْزِلَ سے۔ بِالْاٰخِرَةِ، جار مجرور متعلق ہیں يُوْقِنُوْنَ سے اور 'هُمْ' مبتدا ہے اور يُوْقِنُوْنَ اس کی خبر۔ بِالْاٰخِرَةِ کو تاکید اور حصر کے لیے مقدم کیا گیا ہے اور اَلْاٰخِرَةِ صفت ہے۔ اس کا موصوف محذوف ہے۔ اَلْاٰخِرَةِ مونث ہے اس لئے اس کا موصوف مذکر نہیں ہو سکتا لازماً مونث ہوگا جیسے وَبِالسَّاعَةِ الْاٰخِرَةِ یعنی آخری گھڑی پر۔ (واللہ اعلم)۔

ترجمہ	وَالَّذِيْنَ	يُؤْمِنُوْنَ	بِمَآ	اُنْزِلَ	اِلَيْكَ	وَمَآ	اُنْزِلَ
البقرۃ:4	اور وہ لوگ جو	ایمان لاتے ہیں	اس پر جو	اُتارا گیا	آپ ﷺ کی طرف	اور جو	اُتارا گیا

مِنْ قَبْلِكَ	وَبِالْاٰخِرَةِ	هُمْ	يُوْقِنُوْنَ ④
آپ ﷺ سے پہلے	اور آخرت پر	وہ لوگ	یقین کرتے ہیں

نوٹ:1 اِنْزَالٌ اور تَنْزِيْلٌ دونوں کے معنی ہیں اُتارنا۔ جبکہ ان میں فرق یہ ہے کہ اِنْزَالٌ میں زیادہ تر کسی چیز کو ایک دفعہ اُتارنے کا مفہوم ہوتا ہے۔ اور تَنْزِيْلٌ میں کسی چیز کو رفتہ رفتہ اُتارنے کے معنی ہوتے ہیں۔ نزولِ قرآن کے لئے اِنْزَالٌ اور تَنْزِيْلٌ، دونوں کے مختلف صیغے استعمال ہوئے ہیں۔ اس کو سمجھنے میں ایک حدیث سے مدد ملتی ہے جس کا مفہوم ہے کہ قرآن پاک پہلے لوحِ محفوظ سے ایک ہی دفعہ آسمانِ دنیا پر نازل ہوا (انزال) پھر وہاں سے رفتہ رفتہ نازل ہوتا رہا (تنزیل)۔

نوٹ:2 آخرت: آخرت ایک جامع لفظ ہے جس کا اطلاق بہت سے عقائد کے مجموعے پر ہوتا ہے۔ اس میں حسب ذیل عقائد شامل ہیں:

(۱) یہ کہ انسان اس دُنیا میں غیر ذمہ دار نہیں ہے بلکہ اپنے تمام اعمال کے لیے خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔

(۲) یہ کہ دُنیا کا موجودہ نظام ابدی نہیں ہے بلکہ ایک وقت پر، جسے صرف خدا ہی جانتا ہے، اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔

(۳) یہ کہ اس عالم کے خاتمے کے بعد خدا ایک دوسرا عالم بنائے گا اور اس میں پوری نوعِ انسانی کو جو ابتدائے آفرینش سے قیامت تک زمین پر پیدا ہوئی تھی، بیک وقت دوبارہ پیدا کرے گا، اور سب کو جمع کر کے ان کے اعمال کا حساب لے گا، اور ہر ایک کو اس کے کیے کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

(۴) یہ کہ خدا کے اس فیصلے کی رُو سے جو لوگ نیک قرار پائیں گے وہ جنت میں جائیں گے اور جو لوگ بد ٹھہریں گے وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔

(۵) یہ کہ کامیابی و ناکامی کا اصلی معیار موجودہ زندگی کی خوشحالی و بدحالی نہیں ہے، بلکہ درحقیقت کامیاب انسان وہ ہے جو خدا کے آخری فیصلے میں کامیاب ٹھہرے، اور ناکام وہ ہے جو وہاں ناکام ہو۔

عقائد کے اِس مجموعے پر جن لوگوں کو یقین نہ ہو وہ قرآن سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتے، کیونکہ ان باتوں کا انکار تو درکنار، اگر کسی کے دل میں ان کی طرف سے شک اور تذبذب کی کیفیت بھی ہو، تو وہ اس راستہ پر نہیں چل سکتا جو انسانی زندگی کے لیے قرآن نے تجویز کیا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۵۱)

آیت:5

﴿ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑤ ﴾

هُدًى (ھ د ی): الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ رَبٌّ (ر ب ب): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

ف ل ح

(ن) فَلْحًا: پھاڑنا۔ زمین میں ہل چلانا۔ عربی میں کہا جاتا ہے اَلْحَدِيْدُ بِالْحَدِيْدِ يُفْلَحُ۔ لوہا، لوہے کو کاٹتا ہے۔ پھر فَلَّاحٌ کسان کو کہتے ہیں کیونکہ وہ زمین کو پھاڑتا ہے (بیج بونے کے لیے)۔ ثلاثی مجرد سے فعل یا اسم قرآنِ مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

(افعال) فَلَاحًا: اس کا مصدر اِفْلَاحٌ کے بجائے فَلَاحٌ استعمال ہوتا ہے۔ کامیاب ہونا۔ مراد پالینا۔ مشکلات اور رکاوٹوں کو پھاڑ کے یعنی عبور کر کے اپنا مطلوب حاصل کر لینا۔ (فعل لازم ہے)۔ فلاح ایسی کامیابی کو کہتے ہیں جو کسی کی اپنی محنت اور عمل کے نتیجے میں ہو۔ یہ لفظ خُسران کی ضد ہے جس کا معنی نقصان اور گھاٹا ہے۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں، فَلَاحٌ کے معنی کامیابی کے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں (۱) دنیوی (۲) اُخروی۔ دنیوی فلاح ان سعادتوں کو حاصل کر لینے کا نام ہے جن

سے دنیاوی زندگی خوشگوار ہوتی ہے یعنی بقاء مال اور عزت و دولت۔ اخروی فلاح چار چیزوں کو حاصل کرنے کا نام ہے۔ (ا) بقا بلا فنا (ب) غنا بلا فقر (ج) عزت بلا ذلت (د) علم بلا جہالت۔ اسی لیے کہا گیا ہے لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشَ الْاٰخِرَۃِ۔ یعنی آخرت کی زندگی ہی اصل زندگی ہے۔ (مفردات القرآن۔ تلخیصاً)۔ حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''فلاح عربی میں بڑے ہی وسیع معنی میں آتا ہے۔ دنیا و آخرت کی ساری خوبیوں کا جامع ہے۔ اس لیے المفلحون کا پورا ترجمہ ''کامیاب''، ''بامراد''، وغیرہ کسی اُردو لفظ سے ہونا دشوار ہی ہے۔ امام لغت زبیدی کا قول ہے کہ ائمۂ لسان کا اس پر اتفاق ہے کہ کلام عرب میں جامعیت خیر کے لیے فلاح سے بڑھ کر کوئی لفظ موجود نہیں۔ لَیْسَ فِیْ کَلَامِ الْعَرَبِ کُلِّہٖ اَجْمَعُ مِنْ لَفْظَۃِ الْفَلَاحِ لِخَیْرَیِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ کَمَا قَالَ اَئِمَّۃُ اللِّسَانِ (تاج)۔'' (تفسیر ماجدی، ص۸)۔ یہی بات پیر کرم شاہ صاحبؒ نے اِن الفاظ میں بیان کی ہے: ''فلاح کسی ادھوری اور جزوی کامیابی کو نہیں کہتے بلکہ فلاح اس مکمل کامیابی کو کہا جاتا ہے جس کے دامن میں دنیا و آخرت کی ساری سعادتیں اور برکتیں سمٹ آئی ہوں۔ لیس فی کلام ... ائمۃ اللسان (تاج)۔'' ائمہ لغت نے تصریح کی ہے کہ عربی زبان میں فلاح کے لفظ سے زیادہ اور کوئی لفظ نہیں جو دنیا و آخرت دونوں کی خیرات و برکات پر دلالت کرتا ہو۔'' (ضیاء القرآن، ج ۱، ص ۳۲)۔

مُفْلِحٌ ج: مُفْلِحُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ مراد پانے والا۔ ''قرآن مجید میں مفلحون کا لفظ صرف انہی لوگوں کے لیے استعمال کیا گیا ہے جو آخرت میں فلاح پانے والے (ہیں)۔ اخروی کامیابی کے دروازے جن کے لیے کھول دیئے جائیں گے، ہاں اَفْلَحَ کا لفظ ایک جگہ فرعون و موسیٰ کے قصہ میں دنیوی کامیابی کے لیے استعمال کیا گیا وہ بھی اللہ کا مقولہ نہیں ہے بلکہ دوسروں کا مقولہ اللہ نے نقل کیا ہے، فرمایا ہے ﴿وَقَدْ اَفْلَحَ الْیَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰی ﴿۶۴﴾﴾ (20/طٰہٰ:64) ''آج جو غالب آئے گا وہی کامیاب ہوگا۔'' (لغات القرآن)

ترکیب اُولٰٓئِکَ کا اشارہ گذشتہ آیت نمبر2 میں اَلْمُتَّقِیْنَ کی طرف ہے۔ نیز اس آیت میں اُولٰٓئِکَ مبتداء ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ عَلٰی ھُدًی قائم مقام خبر ہے۔ ھُدًی نکرہ موصوفہ ہے اور مِّنْ رَّبِّہِمْ اس کی صفت ہے۔ آگے اُولٰٓئِکَ مبتدا ہے اَلْمُفْلِحُوْنَ اس کی خبر اور درمیان میں ھُمْ ضمیر فاصل ہے جو حصر کا مفہوم پیدا کر رہی ہے۔

ترجمہ	اُولٰٓئِکَ	عَلٰی ھُدًی	مِّنْ رَّبِّہِمْ ۙ	وَاُولٰٓئِکَ	ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾
البقرۃ:5	یہی لوگ	ہدایت پر ہیں	اپنے رب کی طرف سے	اور یہ لوگ	ہی مراد پانے والے ہیں

آیت:6

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْہِمْ ءَاَنْذَرْتَہُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْہُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾﴾

ک ف ر

(ن) **کُفْرًا، کُفُوْرًا، کُفْرَانًا** کسی چیز کو دبا دینا، کسی چیز کو اس طرح چھپا دینا کہ اس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے۔ پھر اس بنیادی مفہوم کے ساتھ یہ الفاظ قرآن مجید میں شکر اور ایمان کے مقابلے میں استعمال ہوتے ہیں۔ چنانچہ اِن کا مفہوم ہے:

(ا) ناشکری کرنا یا ناقدری کرنا۔ ناشکری کو بھی کفر اس لیے کہا جاتا ہے کہ ناشکرا محسن کے احسانات کو چھپاتا ہے۔ (ب) ایمان لانے سے انکار کرنا۔ دراصل اللہ تعالیٰ کی معرفت، اسکی وحدانیت، نیکی بدی کا شعور، جذبہ شکر وغیرہ انسان کی فطرت میں ڈال کر اسے دنیا کی امتحان گاہ میں بھیجا جاتا ہے۔ یہ چیزیں جب اس کے اندر سے

ابھر کر شعور کی سطح پر آنا چاہتی ہیں تو کچھ لوگ اسے دبا دیتے ہیں یا چھپا لیتے ہیں۔ اسکے بعد ہی وہ اس قابل ہوتے ہیں کہ ناشکری کریں یا انکار کریں۔ کُفْرٌ زیادہ تر دین سے انکار کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کُفْرَانٌ زیادہ تر نعمت کے انکار اور ناقدری کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اور کُفُوْرٌ دونوں قسموں کے انکار پر بولا جاتا ہے۔ اصطلاح شریعت میں جن چیزوں پر ایمان لانا فرض ہے ان میں سے کسی چیز کے انکار کا نام کفر ہے۔ ﴿وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴾(31/لقمان:12) ''اور جو شکر کرے تو کچھ نہیں سوائے اسکے کہ وہ شکر کرتا ہے اپنے ہی لئے اور جس نے ناشکری کی تو بیشک اللہ بے نیاز، حمد کیا ہوا ہے۔''

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ﴾(3/آل عمران:90) ''یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ایمان لانے کے بعد پھر بڑھتے چلے گئے کفر میں، ہرگز قبول نہیں کی جائے گی ان کی توبہ۔''

﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۫ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴾ (17/بنی اسرائیل:89) ''ہم نے مختلف پیرایوں میں بیان کی ہے لوگوں کیلئے اس قرآن میں ہر طرح کی مثال، تو نہ مانا لوگوں کی اکثریت نے مگر ناشکری کرتے ہوئے۔''

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ﴾(21/الانبیاء:94) ''تو جو عمل کرے نیکیوں میں سے اس حال میں کہ وہ مومن رہے تو کسی قسم کی کوئی ناقدری نہیں ہے اسکی کوشش کے لئے۔'' کُفْر کا لفظ بطور اسم ذات بھی استعمال ہوتا ہے بمعنی کفر، انکار۔ ﴿وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴾(2/البقرۃ:108) ''اور جو بدل لیتا ہے کفر کو ایمان سے تو وہ بھٹک گیا سیدھے راستے سے۔''

اُكْفُرْ ج: اُكْفُرُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو کفر کر۔ ﴿كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ﴾(59/الحشر:16) ''شیطان کی مثال کی مانند جب اس نے کہا انسان سے کہ تو ناشکری کر یا انکار کر۔''

كَافِرٌ ج كَافِرُوْنَ، كُفَّارٌ اور كَفَرَةٌ۔ اسم الفاعل ہے (مذکر)۔ کفر کرنے والا، انکار کرنے والا، ناشکری کرنے والا۔ ﴿وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ۧ﴾(78/النبا:40) ''اور کہے گا انکار کرنے والا اے کاش میں مٹی ہوتا۔'' ﴿قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴾(7/الاعراف:76) ''وہ متکبر لوگ کہنے لگے ہم تو اُس چیز کے منکر ہیں جس پر تم ایمان لا چکے ہو۔''

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ﴾(2/البقرۃ:161) ''بیشک جن لوگوں نے انکار کیا اور وہ لوگ مر گئے اس حال میں کہ وہ لوگ انکار کرنے والے ہی رہے، ان لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے۔'' ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۧ﴾(80/عبس:42) ''یہی لوگ تو ہیں کافر فاجر۔''

کسان کو بھی كَافِرٌ کہتے ہیں کیونکہ وہ بیج کو زمین میں دبانے اور چھپانے والا ہوتا ہے۔ ﴿كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ﴾(57/الحدید:20) بارش کی مثال کی مانند جو بھلی لگی کسانوں کو۔''

رات کو بھی کافر کہتے ہیں کیونکہ وہ سب چیزوں کو چھپا لیتی ہے۔

كَافِرَةٌ ج: كَوَافِرُ۔ اسم الفاعل ہے (مؤنث)۔ انکار کرنے والی۔ ناشکری کرنے والی۔ ﴿وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ﴾(3/آل عمران:13) ''اور دوسری فوج کافروں کی ہے دیکھتے ہیں یہ اُن کو اپنے سے دو چند صریح آنکھوں سے۔'' ﴿وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ﴾(60/الممتحنۃ:10) ''اور تم کافر عورتوں کے تعلقات کو باقی مت رکھو۔''

كَفَّارٌ — فَعَّالٌ کے وزن پر اسم مبالغہ ہے۔بہت ناشکرا، بہت انکار کرنے والا۔﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِىۡ مَنۡ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ﴾(39/الزمر:3)''یقیناًاللہ ہدایت نہیں دیتا اس کو جو بہت زیادہ انکار کرنے والا جھوٹا ہے۔''

كَفُوۡرٌ — فَعُوۡلٌ کے وزن پر اسم مبالغہ ہے۔دل کھول کر ناشکری کرنے والا، انکار کرنے والا۔﴿ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَكَفُوۡرٌ ﴾(22/الحج:66)''بیشک انسان دل کھول کر ناشکری کرنے والا ہے۔''

مَاۤ اَكۡفَرَهٗ — صیغہ تعجب ہے جو اظہار تعجب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔﴿ قُتِلَ الۡاِنۡسَانُ مَاۤ اَكۡفَرَهٗ ﴾(80/عبس:17)''(کافر) انسان پر اللہ کی مار، وہ کیسا ناشکرا ہے۔''

(تفعیل) تَكۡفِيۡرًا — کسی کی ناپسندیدہ چیز کو اس سے دور کرنا، کسی چیز کو اس طرح چھپانا اور ڈھانپنا کہ گویا وہ کبھی تھی ہی نہیں۔غلطی کا جرمانہ ادا کر کے اس کی سزا کو دور کرنا۔کفارہ ادا کرنا۔﴿ كَفَّرَ عَنۡهُمۡ سَيِّاٰتِهِمۡ وَاَصۡلَحَ بَالَهُمۡ ﴾(47/محمد:2)''اس نے یعنی اللہ نے دور کیا ان کی برائیوں کو ان سے اور اس نے اصلاح کی ان کی حالتوں کی۔''(نوٹ: جوہریؒ فرماتے ہیں کہ ثواب مٹ جائے تو اس کے لیے'احباط' کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور اگر گناہ معاف کر دیے جائیں تو ان کے لیے'تکفیر' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔اَلتَّكۡفِيۡرُ فِي الۡمَعَاصِي كَالۡاِحۡبَاطِ فِي الثَّوَابِ)۔(بحوالہ ضیاء القرآن، ج۵،ص۳۰۴)

كَفِّرۡ — فعل امر ہے۔تو دور کر۔﴿ رَبَّنَا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَ كَفِّرۡ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ ﴾(3/آل عمران:193)''اے ہمارے رب تو بخش دے ہمارے لئے ہمارے گناہوں کو اور تو دور کر دے ہم سے ہماری برائیوں کو اور تو موت دے ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ۔''

كَفَّارَةٌ — کفارہ کے لغوی معنی ہیں''چھپانے والی چیز'' جو چیز گناہ کو دور کر دے اور اسے چھپا دے، کفارہ کہلاتی ہے یعنی گناہ کا شرعی اتار۔کسی نیکی کو گناہ کا''کفارہ'' قرار دینے کا مطلب ہوتا ہے کہ یہ نیکی اس گناہ پر چھا جائے اور اسے ڈھانپ لے، جیسے کسی دیوار پر داغ لگ جائے اور اس پر سفیدی پھیر کر اسے مٹا دیا جائے۔نوٹ: کفارہ گناہ سے متعلق ہوتا ہے۔جبکہ فِدۡيَةٌ، عبادت میں کوتاہی سے متعلق ہوتا ہے۔(واللہ اعلم)﴿ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيۡمَانِكُمۡ اِذَا حَلَفۡتُمۡ ﴾(5/المائدۃ:89)''یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب کہ تم قسم کھا کر توڑ دو۔''

س و ی

(س) سِوًى ، سَوَاءً — ہموار ہونا۔حالت یا مقدار میں برابر ہونا۔درمیان میں ہونا۔درست ہونا۔قرآن مجید میں ثلاثی مجرد سے فعل استعمال نہیں ہوا۔البتہ اس کا مصدر سَوَاءٌ آیت زیر مطالعہ میں استعمال ہوا ہے۔

سَوَاءٌ — مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔(۱) برابر۔﴿ وَدُّوۡا لَوۡ تَكۡفُرُوۡنَ كَمَا كَفَرُوۡا فَتَكُوۡنُوۡنَ سَوَآءً ﴾(4/النساء:89)''یہ لوگ تو دل سے چاہتے ہیں کہ تم بھی کفر کرو جیسے یہ لوگ کفر کر رہے ہیں تاکہ تم (سب) برابر ہو جاؤ۔''(ترجمہ ماجدیؒ)﴿ قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ تَعَالَوۡا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمۡ ﴾(3/آل عمران:64)''تو کہہ اے اہل کتاب آؤ ایک بات کی طرف جو برابر ہے ہم میں اور تم میں۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)﴿ فَانۡۢبِذۡ اِلَيۡهِمۡ عَلٰى سَوَآءٍ ﴾(8/الانفال:58)''تو پھینک دے ان کا عہد ان کی طرف ایسی طرح پر کہ ہو جاؤ تم اور وہ برابر۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)(۲) کسی چیز کا درمیان یا وسط۔﴿ وَمَنۡ يَّتَبَدَّلِ الۡكُفۡرَ بِالۡاِيۡمَانِ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيۡلِ ﴾(2/البقرہ:108)''اور جو تبدیل کرتا ہے کفر کو ایمان کے بدلے تو وہ بھٹک گیا ہے راستہ کے درمیان سے یعنی سیدھے راستے سے۔''﴿ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِىۡ سَوَآءِ الۡجَحِيۡمِ ﴾(37/الصافات:55)''پس اس نے جھانکا تو اس نے دیکھا اس کو بھڑکتی آگ کے وسط میں۔''(۳) پورا، تمام۔﴿ وَ جَعَلَ فِيۡهَا رَوَاسِىَ مِنۡ فَوۡقِهَا وَ بٰرَكَ فِيۡهَا وَ قَدَّرَ فِيۡهَاۤ اَقۡوَاتَهَا فِىۡۤ اَرۡبَعَةِ اَيَّامٍ سَوَآءً

لِّلسَّآئِلِیْنَ ﴿۱۰﴾ (41/حٰم السجدۃ:10) ''اور اُسی نے زمین کے اوپر پہاڑ بنا دیے اور اُس (زمین) میں فائدے کی چیزیں رکھ دیں اور اُسی میں اُس (پر رہنے والوں) کی غذائیں رکھ دیں (یہ سب) چار دن میں پورے ہیں پوچھنے والوں کے لیے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اور حضرت شیخ الہندؒ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ کا ترجمہ کرتے ہیں ''پورا ہوا پوچھنے والوں کو۔'' اور پھر حاشیے میں فرماتے ہیں: ''یعنی یہ سب کام چار دن میں ہوا۔ دو روز میں زمین پیدا کی گئی اور دو روز میں اس کے متعلقات کا بندوبست ہوا۔ جو پوچھے یا پوچھنے کا ارادہ رکھتا ہے اُسے بتلا دو کہ یہ سب مل کر پورے چار دن ہوئے بدون کسر اور کمی وبیشی کے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں: یعنی (پوچھنے والوں کا) جواب پورا ہوا۔'' نوٹ: نہ اِس کا تثنیہ بنایا جاتا ہے اور نہ جمع۔

سَوِیٌّ — فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ ہر لحاظ سے کمی یا زیادتی سے پاک۔ سیدھا۔ کامل۔ درمیانی۔ ﴿قَالَ اٰیَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا ﴿۱۰﴾﴾ (19/مریم:10) ''اس نے یعنی اللہ تعالیٰ نے کہا تیری نشانی ہے کہ تو کلام نہیں کرے گا لوگوں سے تین کامل راتیں یعنی تین رات اور دن۔'' یا ''(اللہ نے) فرمایا تمہارے لیے نشان یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین راتیں نہ بول سکو گے درآنحالیکہ تم تندرست ہو گے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

سُوًی — صاف، ہموار۔ درمیانی۔ جس چیز کی دونوں طرفیں برابر ہوں۔ یہ صفت بھی ہے، ظرف بھی ہے اور مصدر بھی۔ ﴿فَلَنَاْتِیَنَّکَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَ لَآ اَنْتَ مَکَانًا سُوًی ﴿۵۸﴾﴾ (20/طٰہٰ:58) ''سو ہم بھی لائیں گے تیرے مقابلے میں ایک ایسا ہی جادو سو ٹھہرا لے ہمارے اور اپنے بیچ میں ایک وعدہ نہ ہم خلاف کریں گے اُس کا اور نہ تو ایک میدان صاف میں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ آیت میں مَکَانًا سُوًی کے بارے میں صاحبؒ احسن البیان لکھتے ہیں: ''صاف ہموار جگہ، جہاں ہونے والے مقابلے کو ہر شخص آسانی سے دیکھ سکے یا ایسی برابر کی جگہ، جہاں فریقین سہولت سے پہنچ سکیں۔'' (احسن البیان، ص ۸۶۳)

(تفعیل) تَسْوِیَۃٌ — کسی چیز کو کمی یا زیادتی سے پاک کرنا۔ ہر لحاظ سے مناسب وموزوں بنانا یعنی نوک پلک درست کرنا۔ ہموار یا برابر کرنا۔ ﴿الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ﴿۲﴾﴾ (87/الاعلیٰ:2) ''جس نے پیدا کیا پھر نوک پلک درست کی۔'' ﴿رَفَعَ سَمْکَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿۲۸﴾﴾ (79/النٰزعٰت:28) ''اس نے بلند کیا اس کی یعنی آسمان کی چھت کو پھر اسے درست کیا۔'' ﴿اِذْ نُسَوِّیْکُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۸﴾﴾ (26/الشعراء:98) ''جب ہم تم کو برابر کرتے تھے پروردگار عالم کے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

تُسَوّٰی — مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔ ﴿یَوْمَئِذٍ یَّوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ عَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰی بِهِمُ الْاَرْضُ﴾ (4/النساء:42) ''جن لوگوں نے کفر کیا ہے اور پیغمبر کی نافرمانی کی ہے وہ اُس روز تمنا کریں گے کہ کاش زمین اُن پر برابر کر دی جائے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

(مفاعلہ) مُسَاوَاۃً — دو یا زیادہ چیزوں کو برابر کرنا۔ ﴿حَتّٰۤی اِذَا سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا﴾ (18/الکہف:96) ''یہاں تک کہ جب اس نے برابر کر دیا پہاڑوں کے دونوں کناروں کے درمیان کو، تو اس نے کہا تم لوگ پھونکو۔''

(افتعال) اِسْتِوَاءً — (1) استویٰ کے بعد اگر دو ''فاعل'' آئیں (یعنی اگر معطوف علیہ اور معطوف مل کر فاعل ہو) تو اس کے معنی ہوتے ہیں دونوں میں برابری کرنا۔ ﴿قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَ الْبَصِیْرُ اَمْ هَلْ تَسْتَوِی الظُّلُمٰتُ وَ النُّوْرُ﴾ (13/الرعد:16) ''آپ ﷺ کہیے کیا برابر ہوتے ہیں اندھا اور بصیرت والا یا کیا برابر ہوتے ہیں اندھیرے اور نور۔''

(2) اگر دو فاعل نہ ہوں، یعنی ایک ہی فاعل ہو، تو پھر اس کے معنی سنبھلنے، درست ہونے اور سیدھا ہونے کے ہوتے ہیں

جیسے فرمایا: ﴿ ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰى ۙ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ؕ ﴾ (53/النجم:6،7) ''زورآور نے، پھر سیدھا بیٹھا اور وہ تھا اونچے کنارہ پر آسمان کے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) یا فرمایا: ﴿ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى ﴾ (28/القصص:14) ''اور جب پہنچ گیا اپنے زور پر اور سنبھل گیا۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

(3) اِسْتَوٰى اِلٰى۔ ارادہ کرنا۔ متوجہ ہونا۔ قصد کرنا۔ ﴿ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ ﴾ (41/حٰمٓ السجدہ:11) ''پھر وہ متوجہ ہوا آسمان کی طرف اس حال میں کہ وہ دھواں تھا۔''

(4) اِسْتَوٰى عَلٰى۔ غالب آنا۔ قرار پکڑنا۔ قائم ہونا۔ جم کر بیٹھنا۔ ﴿ اِلَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ ﴾ (25/الفرقان:59) ''جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، چھ دنوں میں پھر وہ قائم ہوا عرش پر۔'' جب اللہ تعالیٰ کے لیے استویٰ علیٰ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کہ تخت حکومت پر اس طرح قابض ہونا کہ اس کا کوئی حصہ اور گوشہ اقتدار سے باہر نہ رہے اور قبضہ اور تسلط میں کسی قسم کی مزاحمت اور گڑبڑی نہ پائی جائے۔ سب کام اور انتظام برابر ہو۔ (تلخیص از تفسیر عثمانی، ص ۲۰۹)۔ ﴿ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ ﴾ (11/ھود:44) ''اور قرار پکڑا اُس کشتی نے جودی پہاڑ پر یعنی وہ کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی۔'' 'جم کر بیٹھنے' کے معنوں میں یہ آیت ہے۔ ﴿ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ ﴾ (43/الزخرف:13) ''تاکہ تم اُن کی پیٹھ پر جم کر بیٹھو پھر جب تم اُس پر جم کر بیٹھ چکو تو اپنے پروردگار کی اِس نعمت کو یاد کرو۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

ن ذ ر

(ض۔ن) نَذْرًا: کسی حادثے کی وجہ سے کسی غیر واجب چیز کو اپنے اوپر واجب کر لینا۔ منت ماننا (امام راغبؒ)۔ ﴿ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا ﴾ (19/مریم:26) ''میں نے منت مانی رحمٰن کے لئے ایک روزے کی۔''

نَذْرٌ: ج: نُذُوْرٌ۔ اسم ذات ہے۔ منت۔ نذر۔ ''نذر یہ ہے کہ آدمی اپنی کسی مراد کے برآنے پر کسی ایسے خرچ یا کسی ایسی خدمت کو اپنے اُوپر لازم کر لے، جو اس کے ذمے فرض نہ ہو۔ اگر یہ مراد کسی حلال و جائز امر کی ہو، اور اللہ سے مانگی گئی ہو، اور اس کے برآنے پر جو عمل کرنے کا عہد آدمی نے کیا ہے، وہ اللہ ہی کے لیے ہو تو ایسی نذر اللہ کی اطاعت میں ہے اور اس کا پورا کرنا اجر و ثواب کا موجب ہے۔ اگر یہ صورت نہ ہو تو ایسی نذر کا ماننا معصیت اور اس کا پورا کرنا موجب عذاب ہے۔'' (تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۲۰۸) ﴿ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ ﴾ (2/البقرہ:270) ''اور جو تم لوگ انفاق کرو کسی خرچے میں سے یا جو تم لوگ منت مانو کسی منت میں سے تو یقیناً اللہ اس کو جانتا ہے۔'' ﴿ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝ ﴾ (22/الحج:29) ''پھر ان لوگوں کو چاہیے کہ اتاریں اپنے میل کچیل اور پوری کریں اپنی منتیں اور طواف کریں قدیم گھر کا یعنی خانہ کعبہ کا۔''

(س) نَذْرًا: کسی متوقع خطرہ سے خبردار ہونا۔ چوکنا ہونا۔ باب سمع سے فعل قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

(افعال) اِنْذَارًا، نُذُرًا، نُذْرًا: کسی متوقع خطرے سے خبردار کرنا۔ وارننگ دینا۔ ''ایسی خبر دینا جس سے خوف پیدا ہو۔ اردو میں اس کا ترجمہ ڈرانے سے کیا جاتا ہے لیکن مطلقاً ڈرانے کو انذار نہیں کہتے۔ بلکہ ایسا ڈرانا جو شفقت اور رحمت کی بناء پر ہو۔ جیسے والدین اولاد کو

آگ سے، سانپ وغیرہ سے ڈراتے ہیں۔ اس میں شفقت اور ہمدردی کا پہلو ہوتا ہے۔ جبکہ ڈاکو اور چور جو انسانوں کو ڈراتے ہیں اس میں شفقت کا پہلو نہیں ہوتا اس لیے ان کے ڈرانے کو انذار اور ان لوگوں کو نذیر نہیں کہا جاتا۔ جبکہ انبیاء کو خصوصیت کے ساتھ نذیر کا لقب دیا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ آئندہ آنے والے مصائب سے ازراہِ شفقت لوگوں کو ڈراتے ہیں۔'' (معارف القرآن)۔ پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''نَذَرَ کے مادہ کا اطلاق اس ڈرانے پر ہوتا ہے جس میں کم از کم دو خصوصیتیں ہوں۔ ایک تو وہ ڈرانا بروقت ہو۔ یوں نہیں کہ جب پتھر آسمان سے برسنے شروع ہو جائیں تو خطرہ کا الارم بجنے لگے۔ دوسری بات یہ ہے کہ انذار سے مقصد صرف عذاب کی خبر دینا نہیں ہوتا بلکہ اصل مقصد اس شخص کی خیر خواہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے بچاؤ کا انتظام کر لے۔ لسان العرب میں ہے کہ عرب کہتے ہیں: اَنْذَرْتُ الْقَوْمَ مَسِيْرَ الْعَدُوِّ اِلَيْهِمْ فَنَذَرُوْا اَیْ عَلَّمْتُهُمْ ذٰلِكَ فَعَلِمُوْا وَ تَحَرَّزُوْا یعنی میں نے قوم کو دشمن کے حملے سے خبردار کیا۔ پس اُنہوں نے اپنا بچاؤ کر لیا۔'' (ضیاء القرآن، ج ۴، ص ۳۳۵)۔ ﴿وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ؕ﴾ (6/الانعام:19) ''اور وحی کیا گیا میری طرف یہ قرآن تاکہ میں خبردار کروں تم لوگوں کو اس کے ذریعہ سے اور اس کو جس کو وہ پہنچے۔''

اَنْذِرْ ج: اَنْذِرُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو خبردار کر۔ ﴿وَ اَنْذِرِ النَّاسَ یَوْمَ یَاْتِیْهِمُ الْعَذَابُ﴾ (14/ابراہیم:44) ''اور خبردار کیجئے لوگوں کو اس دن سے جب آئے گا ان کے پاس عذاب۔''

مُنْذِرٌ ج: مُنْذِرُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ خبردار کرنے والا۔ ڈرانے والا۔ صاحبؒ لغات القرآن فرماتے ہیں: ''ہر پیغمبر عذابِ الٰہی سے سرکشوں اور نافرمانوں کو ڈراتا ہے اس لیے ہر پیغمبر کو منذر کہا جاتا ہے اور چونکہ ہر پیغمبر کے ڈرانے کا اصل مقصد ہدایت کرنا ہوتا ہے اس لیے بعض ترجمہ کرنے والوں نے منذر کا ترجمہ ہادی بھی کیا ہے۔'' (لغات القرآن، ج ۵، ص: ۴۵۶) ﴿اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۧ﴾ (13/الرعد:7) ''کچھ نہیں سوائے اس کے کہ آپ ﷺ ایک خبردار کرنے والے ہیں اور ہر ایک قوم کیلئے ایک ہدایت دینے والا ہے۔''

مُنْذَرٌ اسم المفعول ہے۔ جس کو خبردار کیا گیا۔ جو ڈرایا گیا یعنی جس کو سرکشی اور نافرمانی کی سزا سے ڈرایا گیا۔ ﴿وَ اَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِیْنَ ۝﴾ (10/یونس:73) ''اور ہم نے ڈبو یا ان لوگوں کو جنہوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو، تو دیکھ کیسا تھا خبردار کئے جانے والوں کا انجام۔''

نَذِيْرٌ ج: نُذُرٌ۔ فَعِيْلٌ کا وزن ہے اسم الفاعل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن اس کے معنی خبردار ہونے والا کے بجائے خبردار کرنے والا، ڈرانے والا ہیں۔ نوٹ: صاحبؒ لغات القرآن فرماتے ہیں: ''یاد رکھو کہ قرآن مجید میں ہر جگہ نذیر یعنی ڈرانے والے سے مراد ہے نافرمانوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا۔'' (لغات القرآن، ج: ۶، ص: ۴۰) ﴿وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا﴾ (34/سبا:28) ''اور ہم نے نہیں بھیجا آپ ﷺ کو مگر تمام انسانوں کے لئے خوشخبری دینے والا اور خبردار کرنے والا ہوتے ہوئے۔'' ﴿وَ قَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ﴾ (46/الاحقاف:21) ''اور گزر چکے ہیں خبردار کرنے والے ان کے سامنے اور ان کے پیچھے۔''

اَمْ حرف عطف ہے اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) متصل (۲) منقطع۔

(۱) متصل: وہ ہے جس سے پہلے ہمزۂ تسویہ (سَوَاءٌ کا ہمزہ) آئے جیسے سَوَآءٌ عَلَیۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ ۔ایسی صورت میں 'اَ' کے معنی 'خواہ' یا 'چاہے' کے ہوتے ہیں۔اور اَمۡ کے معنی 'یا' کے ہوتے ہیں۔کسی جملہ میں ءَ کے بعد اگر اَمۡ لانا ہوتو، زیادہ تر ءَ کے بعد فعل ماضی لاتے ہیں اور اَمۡ کے بعد فعل مضارع لاتے ہیں۔پھر مضارع میں ماضی کا مفہوم پیدا کرنے کے لئے اس پر لَمۡ داخل کرتے ہیں۔یا اس سے پہلے ایسا ہمزہ استفہام آتا ہے جس کو اَمۡ کے ساتھ ملانے سے کسی چیز کا تعین مقصود ہو۔جیسے أَزَیۡدٌ عِنۡدَكَ اَمۡ عَمۡرٌ-ایسی صورت میں اَمۡ کے معنی اَوۡ (یا) کے ہوتے ہیں۔اسی وجہ سے اسے متصل کہتے ہیں کیونکہ اس سے ماقبل اور مابعد آپس میں ملے ہوتے ہیں۔

(۲) منقطع: یعنی وہ جو متصل کے خلاف ہو۔اس صورت میں اَمۡ کے وہ معنی جو اس سے کبھی جدا نہیں ہوتے 'اِضۡرَابٌ' ہے یعنی پہلی بات سے اعراض کرنا تبھی یہ منقطع کہلاتا ہے۔ایسے اَمۡ کے کئی معنی ہوتے ہیں مثلاً، یا، خواہ، کیا، بَلۡ (بلکہ)۔بَلۡ اور ہمزہ (بَلۡ اَ) استفہام کے لیے آتا ہے۔عموماً اس سے پہلے کوئی سوال ہوتا ہے۔جس کو چھوڑ کر اَمۡ (بمعنی بَلۡ اَ) سے کوئی دوسرا سوال پوچھا جاتا ہے مثلاً ﴿ اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ ﴾ یا ﴿ اَمۡ حَسِبۡتَ اَنَّ اَصۡحٰبَ الۡكَهۡفِ وَالرَّقِیۡمِ ۙ كَانُوۡا مِنۡ اٰیٰتِنَا عَجَبًا ۝ ﴾۔اَمۡ بعض دفعہ زائدہ بھی آتا ہے۔

یُؤۡمِنُوۡنَ (ء م ن): البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔

ترکیب اِنَّ حرف مشبہ بالفعل۔ الَّذِیۡنَ، اسم موصول اور كَفَرُوۡا، اس کا صلہ۔صلہ اور موصول مل کر اسم ہوئے اِنَّ کے۔آگے جملہ اسمیہ سَوَآءٌ عَلَیۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ تک خبر اوّل ہے اِنَّ کی۔اس میں سَوَآءٌ مبتدا ہے اور عَلَیۡهِمۡ جار مجرور متعلق ہیں سَوَآءٌ سے۔اَ۔ہمزۂ تسویہ ہے۔اَنۡذَرۡتَ فعل اور اس میں شامل ضمیر اُس کا فاعل اور هُمۡ اس کا مفعول بہٖ۔اَمۡ حرف عطف ہے اور جملہ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ عطف ہے اَنۡذَرۡتَهُمۡ پر اور جملہ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ ، سَوَآءٌ کی خبر ہے اور محلاً حالت رفع میں ہے۔آگے جملہ فعلیہ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ خبر ثانی ہے اِنَّ کی۔اس میں لَا نفی کا ہے۔اس آیت کی اور تراکیب بھی کی گئی ہیں۔

ترجمہ	اِنَّ	الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا	سَوَآءٌ عَلَیۡهِمۡ	ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ
البقرۃ:6	یقیناً	جن لوگوں نے انکار کیا	برابر ہے ان پر	خواہ آپ ؐ خبردار کریں ان کو

اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ	لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ۝
یا آپ ؐ خبردار نہ کریں ان کو	وہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے

نوٹ:1 کفر: حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ ''کفر'' کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:''کفر کے لفظی معنی چھپانے کے ہیں، ناشکری کو بھی کفر اس لیے کہتے ہیں کہ محسن کے احسان کو چھپانا ہے (مطلب انسان اپنے محسن کے احسان کو چھپاتا ہے)۔اصطلاح شریعت میں جن چیزوں پر ایمان لانا فرض ہے ان میں سے کسی چیز کے انکار کا نام کفر ہے، مثلاً ایمان کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں اور اس کا ثبوت قطعی و یقینی ہے اُن سب چیزوں کی دل سے تصدیق کرنا، اور حق سمجھنا، اس لیے جو شخص رسول کریم ﷺ کی اُن تعلیمات میں سے جن کا ثبوت یقینی اور قطعی ہے کسی ایک کو بھی حق نہ سمجھے اور اس کی تصدیق نہ کرے وہ کافر کہلائے گا۔'' (معارف القرآن، ج ۱، ص ۱۱۷)۔

حضرت مولانا مودودیؒ نے ''کفر'' کی وضاحت نہایت خوبصورت انداز میں کی ہے، فرماتے ہیں:''کفر کے اصلی معنی چھپانے کے ہیں۔اسی سے انکار کا مفہوم پیدا ہوا اور یہ لفظ ایمان کے مقابلے میں بولا جانے لگا۔ایمان کے معنی ہیں ماننا، قبول کرنا، تسلیم کرلینا۔اس کے برعکس کفر کے معنی ہیں نہ ماننا، رد کر دینا، انکار کرنا۔قرآن کی رُو سے کفر کے رویہ کی مختلف صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ انسان سرے سے خدا ہی کو نہ مانے، یا اُس کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم نہ کرے اور اس کو اپنا اور ساری کائنات کا مالک اور معبود ماننے سے انکار کر دے، یا اسے واحد مالک اور معبود نہ مانے۔

دوسرے یہ کہ اللہ کو تو مانے مگر اُس کے احکام اور اُس کی ہدایات کو واحد منبع علم و قانون تسلیم کرنے سے انکار کر دے۔

تیسرے یہ کہ اُصولاً اس بات کو بھی تسلیم کر لے کہ اسے اللہ ہی کی ہدایت پر چلنا چاہیے، مگر اللہ اپنی ہدایات اور اپنے احکام پہنچانے کے لیے جن پیغمبروں کو واسطہ بناتا ہے، انہیں تسلیم نہ کرے۔

چوتھے یہ کہ پیغمبروں کے درمیان تفریق کرے اور اپنی پسند یا اپنے تعصّبات کی بنا پر ان میں سے کسی کو مانے اور کسی کو نہ مانے۔

پانچویں یہ کہ پیغمبروں نے خدا کی طرف سے عقائد، اخلاق اور قوانینِ حیات کے متعلق جو تعلیمات بیان کی ہیں اُن کو یا اُن میں سے کسی چیز کو قبول نہ کرے۔

چھٹے یہ کہ نظریے کے طور پر تو ان سب چیزوں کو مان لے مگر عملاً احکامِ الٰہی کی دانستہ نافرمانی کرے اور اس نافرمانی پر اصرار کرتا رہے، اور دنیوی زندگی میں اپنے رویے کی بنا اطاعت پر نہیں بلکہ نافرمانی ہی پر رکھے۔

یہ سب مختلف طرزِ فکر و عمل اللہ کے مقابلے میں باغیانہ ہیں اور ان میں سے ہر ایک رویے کو قرآن کفر سے تعبیر کرتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض مقامات پر قرآن میں کفر کا لفظ کفرانِ نعمت کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے اور شکر کے مقابلے میں بولا گیا ہے۔ شکر کے معنی یہ ہیں کہ نعمت جس نے دی ہے انسان اس کا احسان مند ہو، اس کے احسان کی قدر کرے، اس کی دی ہوئی نعمت کو اسی کی رضا کے مطابق استعمال کرے، اور اُس کا دل اپنے محسن کے لیے وفاداری کے جذبے سے لبریز ہو۔ اس کے مقابلے میں کفر یا کفرانِ نعمت یہ ہے کہ آدمی یا تو اپنے محسن کا احسان ہی نہ مانے اور اسے اپنی قابلیت یا کسی غیر کی عنایت یا سفارش کا نتیجہ سمجھے، یا اُس کی دی ہوئی نعمت کی ناقدری کرے اور اسے ضائع کر دے، یا اُس کی نعمت کو اس کی رضا کے خلاف استعمال کرے، یا اس کے احسانات کے باوجود اس کے ساتھ غدر اور بے وفائی کرے۔ اس نوع کے کفر کو ہماری زبان میں بالعموم احسان فراموشی، نمک حرامی، غداری اور ناشکرے پن کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۱۲۹)

آیت:7

﴿ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۡ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾

خ ت م

(ض) خَتْمًا (1) مہر لگانا تا کہ اندر کی چیز باہر اور باہر کی چیز اندر نہ جا سکے یعنی محفوظ کر لینا، بند کر دینا۔ اس کے ساتھ علی کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ ﴾ (36/یٰسین:65) ''اس دن ہم مہر لگا دیں گے ان کے مونہوں پر۔''

(2) کسی کام سے فارغ ہونا، ختم کرنا۔

(3) کسی چیز کے آخر تک پہنچ جانا۔ اسی معنی میں ختم قرآن بولتے ہیں یعنی قرآن کو آخر تک پڑھ لینا۔

حضرت مولانا مودودیؒ ''ختم'' کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''عربی لغت میں محاورے کی رو سے ''ختم'' کے معنی مہر لگانے، بند کرنے، آخر تک پہنچ جانے اور کسی کام کو پورا کر کے فارغ ہو جانے کے ہیں۔ خَتَمَ الْعَمَلَ کے معنی میں فَرَغَ مِنَ الْعَمَلِ، ''کام سے فارغ ہو گیا۔'' خَتَمَ الْاِنَاءَ کے معنی ہیں ''برتن کا منہ بند کر دیا اور اس پر مہر لگا دی تا کہ نہ کوئی چیز اس میں سے نکلے اور نہ کچھ اس کے اندر داخل ہو۔'' خَتَمَ الْكِتَابَ کے معنی ہیں ''خط بند کر کے اس پر مہر لگا دی تا کہ خط محفوظ ہو جائے۔'' خَتَمَ عَلَى الْقَلْبِ ''دل پر مہر لگا دی کہ نہ کوئی بات اس کی سمجھ میں آئے، نہ پہلے سے جمی ہوئی کوئی بات اس میں سے نکل سکے۔'' خِتَامُ كُلِّ مَشْرُوْبٍ ''وہ مزا جو کسی چیز کو پینے کے بعد آخر میں محسوس ہوتا ہے۔'' خَاتِمَةُ كُلِّ شَيْءٍ، عَاقِبَتُهٗ وَ اٰخِرَتُهٗ، ''ہر چیز کے خاتمہ سے مراد ہے اس کی عاقبت اور آخرت۔'' خَتَمَ الشَّيْءَ،

بَلَغَ اٰخِرَہٗ ''کسی چیز کو ختم کرنے کا مطلب ہے اس کے آخر تک پہنچ جانا۔'' اسی معنی میں ختم قرآن بولتے ہیں اور اسی معنی میں سورتوں کی آخری آیات کو خواتیم کہا جاتا ہے۔ خَاتَمُ الْقَوْمِ ، اٰخِرُھُمْ ''خاتم القوم سے مراد ہے قبیلے کا آخری آدمی۔'' (ملاحظہ ہو لسان العرب، قاموس اور اقرب الموارد) (تفہیم القرآن، ج ۴، ص ۱۳۹)

خِتَامٌ اسم ذات ہے۔ وہ چیز جس سے مہر لگائی جائے جیسے لاکھ، گیلا آٹا، گیلی مٹی وغیرہ۔ ﴿ یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿۲۵﴾ خِتٰمُہٗ مِسْکٌ ؕ وَ فِیْ ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿۲۶﴾ ﴾ (83/المطففین:25-26) ''ان کو پلائی جائے گی خالص شراب مہر لگی ہوئی۔ اس کی مہر مشک ہے اور چاہیے کہ اس میں جان کھپائیں جان کھپانے والے۔''

خَاتَمٌ اس کے تین معنی ہیں (۱) مہر (۲) ختم کرنے والا (۳) آخری۔ ﴿ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَ لٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ ﴾ (33/الاحزاب:40) ''اور نہیں ہیں محمد ﷺ کسی ایک کے باپ، تمہارے مردوں میں سے، اور لیکن اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے سلسلہ کو ختم کرنے والے ہیں۔'' اس آیت میں خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ کے عام طور پر تین طرح سے ترجمے کیے گئے ہیں مثلاً (۱) حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں: ''اور مہر سب نبیوں پر۔'' یعنی آپ ﷺ کی تشریف آوری سے نبیوں کے سلسلے پر مہر لگ گئی۔ اب کسی کو نبوت نہیں دی جائے گی۔ بس جس کو ملنی تھی مل چکی۔ یا دوسرے لفظوں میں حضور ﷺ کی تشریف آوری کے بعد انبیاء کی آمد کا سلسلہ بند ہو گیا اور اس پر مہر لگا دی گئی تا کہ کوئی کذّاب، دجّال اس میں داخل نہ ہو سکے۔ (۲) تفسیر احسن البیان میں اس کا ترجمہ ''تمام نبیوں کے ختم کرنے والے'' سے کیا گیا ہے۔ یعنی انبیاء کے سلسلے کو ختم کرنے والے۔ (۳) حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''اور (سب) نبیوں کے ختم پر ہیں'' خَاتَمٌ اور خَاتِمٌ، دونوں کے معنی لغت میں آخر کے ہیں۔ قوم کے آخری فرد کو خِتَام، خَاتَم اور خَاتِم کہا جاتا ہے۔ کسی چیز کے آخر کو خاتمۃ الشیٔ کہتے ہیں۔ اسی مناسبت سے حضور ﷺ کو خاتم النبین کہا جاتا ہے۔ کہ وہ تمام نبیوں سے آخر میں تشریف لائے۔ (واللہ اعلم)

مَخْتُوْمٌ اسم المفعول ہے۔ جس پر مہر لگا دی جائے۔ مہر لگا ہوا۔ ﴿ یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿۲۵﴾ ﴾ (83/المطففین:25) ''اُن کو پلائی جائے گی خالص شراب مہر لگی ہوئی۔''

ق ل ب

(ض) **قَلْبًا** کسی چیز کو ایک حالت یا رخ سے دوسری طرف پھیرنا، پلٹنا یا موڑنا۔ ﴿ وَ اِلَیْہِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾ ﴾ (29/العنکبوت:21) ''اور اس کی طرف ہی تم لوگ پلٹائے جاؤ گے۔'' عربی زبان میں قَلْبُ الْاَمْرِ کا مطلب ہوتا ہے کسی معاملے کو الٹ پلٹ کر دیکھنا اور جانچنا کہ اس کا ہر پہلو صاف ظاہر ہو جائے۔

قَلْبٌ ج: قُلُوْبٌ۔ اسم ذات ہے۔ دل (کیونکہ یہ ہر لمحہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پلٹتا رہتا ہے۔) مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''دل سے مراد سینہ کے اندر کا وہ مضغۂ گوشت نہیں جو طبی اصطلاح میں دل کہلاتا ہے۔ بلکہ وہ دل مراد ہے جو محاورۂ زبان میں احساس، عقل، ارادہ سب کا مرکز ہے۔ انسانی بول چال میں دل اسی کو کہا جاتا ہے اور افعال ارادی کا صدور اسی سے ہوتا ہے۔ توریت، انجیل اور دوسرے صحیفے سب میں یہی محاورہ استعمال کیا گیا ہے۔'' ﴿ وَ مَنْ یُّؤْمِنْۢ بِاللّٰہِ یَھْدِ قَلْبَہٗ ؕ ﴾ (64/التغابن:11) ''اور جو ایمان لاتا ہے اللہ پر تو وہ ہدایت دیتا ہے اس کے دل کو۔'' ﴿ لَھُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ بِھَا ﴾ (7/الاعراف:179) ''ان کے دل ہیں (لیکن) وہ لوگ سمجھتے نہیں ان سے۔''

(تفعیل) **تَقْلِيْبًا** کسی چیز کو بار بار پلٹنا (اس میں مبالغے کا مطلب ہوتا ہے)۔﴿وَ نُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ ﴾ (18/الکہف:18) ''اور ہم بار بار پلٹتے ہیں ان کو دائیں جانب اور بائیں جانب یعنی ہم ان کی کروٹیں بدلتے رہتے ہیں۔''

(تفعّل) **تَقَلُّبًا** کسی چیز کا خود بار بار پلٹنا، گھومنا پھرنا۔﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ﴾(2/البقرہ:144) ''ہم نے دیکھ لیا ہے آپ ﷺ کے چہرے کا بار بار پلٹنا آسمان میں۔''﴿لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴾(3/آل عمران:196) ''ہرگز دھوکا نہ دے آپ ﷺ کو شہروں میں ان لوگوں کا گھومنا پھرنا جنہوں نے کفر کیا۔''

مُتَقَلَّبٌ اسم المفعول ہے جو بطور اسم ظرف استعمال ہوتا ہے۔ گھومنے پھرنے کی جگہ۔﴿وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَ مَثْوٰىكُمْ ﴾(47/محمد:19) ''اللہ جانتا ہے تمہارے گھومنے پھرنے کی جگہ کو اور تمہارے واپس ہونے کی جگہ کو۔''

(انفعال) **اِنْقِلَابًا** کسی چیز کا خود ایک حالت یا رخ سے دوسری طرف پھرنا یا پلٹنا۔﴿اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ﴾(3/آل عمران:144) ''تو کیا اگر وہ یعنی حضور ﷺ انتقال کر جائیں یا قتل کئے جائیں تو تم لوگ الٹے پھر جاؤ گے اپنی ایڑیوں کے بل۔''

مُنْقَلِبٌ ج: مُنْقَلِبُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ پھرنے والا۔ پلٹنے والا۔﴿قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴾(7/الاعراف:125) ''ان لوگوں نے کہا بیشک ہم اپنے رب کی طرف پلٹنے والے ہیں۔''

مُنْقَلَبٌ اسم المفعول ہے جو بطور اسم ظرف استعمال ہوتا ہے پلٹنے کی جگہ۔﴿وَ سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴾(26/الشعراء:227) ''اور جان لیں گے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا کہ کون سی پلٹنے کی جگہ وہ لوگ پلٹیں گے۔''

س م ع

(س) **سَمَاعًا ، سَمْعًا** سننا۔ کسی بات کو سن کر سمجھنا۔﴿رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ﴾(3/آل عمران:193) ''اے ہمارے رب بیشک ہم نے سنا ایک ندا دینے والے کو کہ وہ ندا دیتا ہے ایمان کیلئے۔''

نوٹ: سَمْعٌ مصدر بھی ہے اور اسم بھی۔ بطور مصدر استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے سننا۔ بطور اسم یہ لفظ ''سننے کی قوت'' اور ''کان'' دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ سَمْعٌ بمعنی کان، واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

اِسْمَعْ ج: اِسْمَعُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو سن۔﴿خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اسْمَعُوْا ﴾(2/البقرہ:93) ''تم لوگ پکڑو جو ہم نے دیا تم لوگوں کو مضبوطی سے اور تم لوگ سنو۔''

سَمِيْعٌ فَعِيْلٌ کا وزن ہے اسم الفاعل کے معنی میں۔ سننے والا۔﴿اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾(2/البقرہ:127) ''یقیناً تو ہی سننے والا جاننے والا ہے۔''

سَمَّاعٌ فَعَّالٌ کے وزن پر اسم المبالغہ ہے۔ بہت زیادہ سننے والا۔ کان دھرنے والا۔ خوب کان لگا کر سننا کبھی تو جاسوسی کے لیے ہوتا ہے، اور کبھی قبول کرنے اور ماننے کے لیے، چنانچہ سَمَّاعٌ کا استعمال جاسوس اور مطیع (ماننے والا) دونوں کے لیے ہوتا ہے۔﴿سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴾(5/المائدۃ:41) ''جاسوسی کرتے ہیں جھوٹ بولنے کے لیے، وہ جاسوس ہیں دوسری جماعت کے۔'' حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت میں سَمّٰعُوْنَ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''سَمّٰعُوْنَ کے معنی ہیں بہت زیادہ سننے والے اور کان دھرنے والے، پھر ''بہت زیادہ سننا'' کبھی تو

جاسوسی پر اطلاق کیا جاتا ہے اور کبھی اس کے معنی ہوتے ہیں ''بہت زیادہ قبول کرنے والا'' جیسے ''سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ'' میں سننے کے معنی قبول کرنے کے ہیں۔ مترجم رحمہ اللہ نے یہاں پہلے معنی مراد لیے ہیں۔ لیکن ابن جریرؒ وغیرہ محققین نے دوسرے معنی پر حمل کیا ہے۔ ''سمّاعون للکذب'' یعنی جھوٹ اور باطل کو بہت زیادہ ماننے اور قبول کرنے والے سمّاعون لقوم اٰخرین یعنی دوسری جماعت جس نے ان کو بھیجا اور خود تمہارے پاس نہیں آئی ان کی بات بہت زیادہ ماننے والے۔'' (تفسیر عثمانیؒ ص ۱۵۱)

(افعال) اِسْمَاعًا: کسی کو سنانا۔﴿ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ ﴾ (30/الروم:52) ''یقینا آپ ﷺ نہیں سناتے مردوں کو اور آپ ﷺ نہیں سناتے بہروں کو پکار۔''

مُسْمِعٌ: اسم الفاعل ہے۔ سنانے والا۔﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴾ (35/فاطر:22) ''بیشک اللہ سناتا ہے اسکو جس کو وہ چاہتا ہے۔ اور آپ ﷺ سنانے والے نہیں ہیں ان کو جو قبروں میں ہیں۔''

مُسْمَعٌ: اسم المفعول ہے۔ جس کو سنایا جائے۔﴿ وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ ﴾ (4/النساء:46) ''اور سنو اور تمہیں سنوایا نہ جائے۔''

نوٹ: اِسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ: یہ محاورہ دو طرح سے بولا جاتا ہے (۱) بطور بددعا۔ یعنی تم سنو اور بہرے ہو جاؤ اور کچھ نہ سن سکو۔ (۲) بطور دعا۔ یعنی سنو اور تمہیں کوئی بری بات نہ سننی پڑے اور تو ہمیشہ غالب اور معزّز رہے۔

(تفعّل) تَسَمُّعًا: سننے کی کوشش کرنا۔ کان لگانا۔﴿ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى ﴾ (37/الصافات:8) ''وہ لوگ کان نہیں لگا سکتے عالم بالا کی طرف۔'' (یَسَّمَّعُوْنَ، اصل میں یَتَسَمَّعُوْنَ تھا۔ 'ت'، 'س' سے بدل گئی اور پھر دونوں 'س' کا ادغام ہو گیا۔ یاد رہے کہ اس خصوصی قاعدے کا تعلق باب تفعّل اور تفاعل سے ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ اگر باب تفعّل اور تفاعل کے 'ف' کلمہ پر اگر مندرجہ ذیل دس حروف میں سے کوئی حرف آ جائے تو ان ابواب کی 'ت' تبدیل ہو کر وہی حرف بن جاتی ہے جو 'ف' کلمہ پر آیا ہو۔ اس کے بعد ان پر ادغام کے قواعد کا اطلاق ہوتا ہے۔ وہ دس حروف یہ ہیں: ''ث، د، ذ، ز، س، ش، ص، ض، ط، ظ۔'' (اس قاعدے کی تفصیل کے لیے ''آسان عربی گرامر'' از لطف الرحمٰن خان صاحب، حصہ سوم، صفحہ ۶۴ دیکھیں)۔

(افتعال) اِسْتِمَاعًا: دھیان سے سننا۔ غور سے سننا۔﴿ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ ﴾ (39/الزمر:18) ''جو لوگ دھیان سے سنتے ہیں بات کو پھر پیروی کرتے ہیں اس کی اچھی طرح۔''

اِسْتَمِعْ: ج: اِسْتَمِعُوْا۔ فعل امر ہے۔ دھیان سے سنو۔﴿ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا ﴾ (7/الاعراف:204) ''اور جب قرآن پڑھا جائے تو دھیان سے سنو اس کو اور خاموش رہو۔''

مُسْتَمِعٌ: ج: مُسْتَمِعُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ دھیان سے سننے والا۔﴿ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴾ (26/الشعراء:15) ''پس تم دونوں جاؤ ہماری نشانیوں کے ساتھ۔ بیشک ہم تمہارے ساتھ ہیں پوری طرح سننے والے ہیں۔''

ب ص ر

(ک) بَصَارَۃً: دیکھنا۔ دیکھ کر سمجھنا اور جاننا۔﴿ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ ﴾ (20/طٰہٰ:96) ''میں نے دیکھ کر سمجھا اسے جو وہ لوگ نہیں سمجھے۔''

بَصَرٌ ج:اَبْصَارٌ- اسم ذات ہے۔(۱) آنکھ۔(۲) دیکھنے کی قوت (بینائی) بینائی دل کی ہو یا آنکھ کی دونوں کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔(۳) دیکھ کر سمجھنے کی حِس ۔﴿ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ط﴾(45/الجاثیہ:23)''تو کیا آپ ﷺ نے دیکھا اس کو جس نے بنایا معبود اپنی خواہش کو اور گمراہ کیا اسکو اللہ نے علم کے باوجود اور اس نے مہر لگادی اس کی سماعت پر اور اس کے دل پر اور اس نے بنایا اس کی بصارت پر ایک پردہ۔''

بَصِيْرَةٌ ج:بَصَائِرُ۔اس کا لفظی مطلب ہے بینائی لیکن یہ صرف دل کی بینائی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔یعنی دل کی وہ روشنی یا نور جس سے انسان چیزوں کی حقیقت سے آگاہ ہوتا ہے۔ پھر یہ لفظ سمجھنے کی صلاحیت،نشانِ عبرت،سمجھ میں آنے والی دلیل اور حجت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔﴿ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْۤ اَدْعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ ؔ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِيْ ط﴾ (12/یوسف:108)''یہ میری راہ ہے بلاتا ہوں اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر میں اور جو میرے ساتھ ہے۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ) ﴿ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ج﴾(6/الانعام:104)''اب تمہارے پاس روشن دلائل تمہارے پروردگار کے پاس سے پہنچ چکے ہیں۔''﴿ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۙ﴾(75/القیامۃ:14)اس آیت کا ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ یہ کرتے ہیں،''بلکہ آدمی اپنے واسطے آپ دلیل ہے۔''اور حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ اس آیت کا ترجمہ کرتے ہیں:''بلکہ اصل یہ ہے کہ انسان خود ہی اپنی حالت پر خوب مطلع ہوگا۔''اس آیت میں بَصِيْرَةٌ سے اکثر بزرگوں نے ''حجت'' مراد لی ہے۔

بَصِيْرٌ فَعِيْلٌ کا وزن ہے۔اسم الفاعل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔دیکھنے والا۔﴿ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ع﴾ (2/البقرہ:96)اور اللہ دیکھنے والا ہے اس کو جو یہ لوگ کرتے ہیں۔''

(افعال) **اِبْصَارًا** دیکھنا اور دکھانا(لازم اور متعدی)۔سمجھ بوجھ رکھنا۔﴿ اَفَسِحْرٌ هٰذَاۤ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ج﴾(52/الطور:15)''تو کیا یہ بھی سحر ہے یا تمہیں نظر نہیں آتا۔''

اَبْصِرْ فعل امر ہے۔تو دیکھ۔﴿ وَّ اَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ﴾(37/الصافات:175)''اور آپ ﷺ انہیں دیکھتے رہیے سو عنقریب وہ بھی دیکھ لیں گے۔''

مُبْصِرٌ ج:مُبْصِرُوْنَ۔اسم الفاعل ہے۔دیکھنے والا،دکھانے والے،سمجھانے والا،چیزوں کو واضح کرنے والا۔جو خود واضح ہو وہ بھی مُبْصِرٌ ہے اور جو دوسرے کو واضح اور روشن کردے وہ بھی مُبْصِرٌ ہے۔دن خود بھی روشن ہے اور دوسری چیزوں کو بھی روشن کرنے والا ہے۔﴿ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا ط﴾(10/یونس:67)''وہ وہی (اللہ) تو ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی کہ تم اس میں چین پاؤ اور دن کو(بنایا) دکھلانے والا''حضرت شیخ الہندؒ نے بھی اس آیت میں ''مُبْصِرٌ'' کا ترجمہ ''دکھلانے والا'' سے کیا ہے۔

مُبْصِرَةٌ ﴿ وَ اٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ط﴾(17/بنی اسرائیل:59)''اور ہم نے دی ثمود کو اونٹنی اُن کے سمجھانے کو پھر ظلم کیا اُس پر۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔''اور ہم نے (قوم) ثمود کو اُونٹنی دی تھی بصیرت کے ذریعے کے طور پر لیکن اُنہوں نے (بڑا) ظلم اُس کے ساتھ کیا۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔''مُبْصِرَةٌ'' کے معنی ایک تو خود روشن چیز کے ہیں اور دوسرے اس چیز کو

بھی کہتے ہیں جس سے دوسری چیزوں پر روشنی پڑے۔‘‘ (تفسیر ماجدیؒ)

(تفعیل) تَبۡصِرَۃً تَفۡعِلَۃٌ باب تفعیل کے مصدر کا دوسرا وزن ہے، تَبۡصِرَۃٌ اسی وزن پر ہے۔ دکھانا اور سمجھانا۔ ﴿وَ اَنۡۢبَتۡنَا فِیۡهَا مِنۡ کُلِّ زَوۡجٍۭ بَهِیۡجٍ ۙ﴿۷﴾ تَبۡصِرَۃً وَّ ذِکۡرٰی﴾ (50/قٓ:7-8) ’’اور اُگائی اُس نے ہر ہر قسم کی رونق کی چیز سمجھانے کو اور یاد دلانے کو۔‘‘

یُبَصَّرُوۡنَ مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔ اُنہیں دکھائے جائیں گے۔ ﴿یُّبَصَّرُوۡنَهُمۡ ؕ﴾ (70/المعارج:11) ’’حالانکہ وہ اُنہیں دکھا بھی دیے جائیں گے۔‘‘

(استفعال) اِسۡتِبۡصَارًا بصیرت طلب کرنا۔ سوچ بچار کرنا۔

مُسۡتَبۡصِرٌ ج: مُسۡتَبۡصِرُوۡنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ سوچ بچار کرنے والا۔ ﴿وَ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیۡطٰنُ اَعۡمَالَهُمۡ فَصَدَّهُمۡ عَنِ السَّبِیۡلِ وَ کَانُوۡا مُسۡتَبۡصِرِیۡنَ ﴿ۙ۳۸﴾﴾ (29/العنکبوت:38) ’’اور مزین کیا ان کے لئے شیطان نے ان کے اعمال کو پس اس نے روک دیا ان کو راستہ سے حالانکہ وہ لوگ تھے غور وفکر کرنے والے۔‘‘

نوٹ: دیکھنے کے لیے قرآن مجید میں ’ب ص ر‘ کے علاوہ ’ر ء ی‘ اور ’ن ظ ر‘ کے مادے بھی استعمال ہوئے ہیں۔ تینوں میں کچھ بنیادی فرق ہے۔ ’رَاٰی‘ کا لفظ دیکھنے کے لیے عام ہے۔ چاہے آنکھوں سے دیکھنا ہو، غور وفکر کے لیے دیکھنا ہو، یا خواب میں دیکھنا ہو۔ ’نَظَرَ‘ کا لفظ بھی دونوں طرح کے دیکھنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ آنکھوں سے یا غور وفکر کے لحاظ سے۔ لیکن عام طور پر اس کا استعمال آنکھوں سے دیکھنے کے لیے ہوتا ہے۔ اور ’بَصَرَ‘ کا لفظ اگرچہ ہر طرح کے دیکھنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن عام طور پر دل سے دیکھنے اور سمجھنے بوجھنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں سورۃ الاعراف کی آیت 198 میں تینوں الفاظ ایک ساتھ استعمال ہوئے ہیں۔ ﴿وَ اِنۡ تَدۡعُوۡهُمۡ اِلَی الۡهُدٰی لَا یَسۡمَعُوۡا ؕ وَ تَرٰىهُمۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَیۡکَ وَ هُمۡ لَا یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۱۹۸﴾﴾ ’’اور اگر تم اُنہیں کوئی بات بتلانے کو پکارو تو وہ سن نہ سکیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُنہیں دیکھیں گے کہ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر کر رہے ہیں درآنحالیکہ اُنہیں کچھ نہیں سوجھ رہا ہے۔‘‘ (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس میں تَرٰی کا لفظ خیال کرنے کے لیے، نَظَرَ کا لفظ آنکھوں سے دیکھنے کے لیے اور بَصَرَ کا لفظ دیکھنے اور سمجھنے کے لیے استعمال ہوا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

غ ش و

(س) غَشَاوَۃً کسی کا کسی پر چھا جانا۔ ڈھانپ لینا۔

غِشَاوَۃٌ اسم ذات ہے۔ پردہ۔ ﴿وَّ عَلٰۤی اَبۡصَارِهِمۡ غِشَاوَۃٌ ۫﴾ (2/البقرہ:7) ’’اور ان کی بصارت پر ایک پردہ ہے۔‘‘

غَاشِیَۃٌ ج: غَوَاشٍ۔ اسم الفاعل ہے، واحد مؤنث کا صیغہ۔ ڈھانپنے والی، چھا جانے والی۔ ﴿هَلۡ اَتٰىکَ حَدِیۡثُ الۡغَاشِیَۃِ ؕ﴿۱﴾﴾ (88/الغاشیہ:1) ’’کیا پہنچی تجھ کو چھا جانے والی کی خبر۔‘‘ یہ لفظ بطور اسم ذات بھی استعمال ہوتا ہے یعنی اوڑھنے والی چیز، اوڑھنا۔ ﴿لَهُمۡ مِّنۡ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّ مِنۡ فَوۡقِهِمۡ غَوَاشٍ ؕ﴾ (7/الاعراف:41) ’’ان کے لیے آتش دوزخ کا بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر اسی کا اوڑھنا ہوگا۔‘‘

مَغۡشِیٌّ اسم المفعول ہے۔ جس پر ڈھانپا گیا۔ ﴿رَاَیۡتَ الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ یَّنۡظُرُوۡنَ اِلَیۡکَ نَظَرَ الۡمَغۡشِیِّ عَلَیۡهِ مِنَ الۡمَوۡتِ ؕ﴾ (47/محمد:20) ’’تو تم نے دیکھا کہ جن کے دلوں میں بیماری تھی وہ تمہاری طرف اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے کسی پر موت چھا گئی ہو۔‘‘

(افعال) اِغْشَاءً ایک چیز کو دوسری چیز سے ڈھانپ دینا۔ ﴿يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ﴾ (7/الاعراف:54) ''وہ ڈھانپ دیتا ہے رات کو دن سے۔''

(تفعیل) تَغْشِيَةً بتدریج کسی پر کسی چیز کو چھا دینا۔ ڈھانپ دینا۔ ﴿فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى﴾ (53/النجم:54) ''پس ان پر چھا گیا جو چھا گیا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

(تفعّل) تَغَشٍّ بتکلف کسی پر چھا جانا۔ ڈھانپ لینا۔ ﴿فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا﴾ (7/الاعراف:189) ''پھر جب اس نے ڈھانپ لیا اس کو تو اس نے اٹھایا ایک ہلکا حمل۔''

(استفعال) اِسْتِغْشَاءً کسی چیز سے خود کو ڈھانپنا۔ ﴿حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ﴾ (11/ھود:5) ''جس وقت وہ لوگ خود کو ڈھانپتے ہیں اپنے کپڑوں سے۔''

ترکیب خَتَمَ فعل اور اللہ فاعل ہے۔ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ پہلا اور عَلٰى سَمْعِهِمْ دوسرا متعلق فعل ہے۔ سَمْعٌ مصدر ہے اور مصادر جمع کی صورت میں نہیں لائے جاتے اس لیے سَمْعٌ مفرد لایا گیا ہے جب کہ قُلُوْبٌ اور اَبْصَارٌ جمع ہیں۔ عَلٰى اَبْصَارِهِمْ کو اگر خَتَمَ کا تیسرا متعلق فعل مانا جائے تو اگلا لفظ غِشَاوَةٌ بے معنی ہو جاتا ہے۔ اس طرح معلوم ہو گیا کہ پہلا جملہ عَلٰى سَمْعِهِمْ پر مکمل ہو گیا ہے۔ اسی لیے یہاں وقف مطلق کی علامت ''ط'' بھی ہے جو کہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں ٹھہرنا چاہیے۔ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ سے دوسرا جملہ شروع ہوتا ہے۔ اس میں وٗ استئنافیہ ہے۔ عَلٰى اَبْصَارِهِمْ قائم مقام خبر مقدم ہے اور غِشَاوَةٌ مبتداء مؤخر نکرہ ہے جبکہ خبر محذوف ہے۔ اسی طرح سے لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ میں لَهُمْ قائم مقام خبر مقدم ہے اور مرکب توصیفی عَذَابٌ عَظِيْمٌ مبتداء مؤخر نکرہ ہے اور خبر محذوف ہے۔

ترجمہ — البقرۃ:7

خَتَمَ	اللّٰهُ	عَلٰى قُلُوْبِهِمْ	وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ط	وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ
مہر لگا دی	اللہ نے	ان کے دلوں پر	اور ان کی سماعت پر	اور ان کی بصارتوں پر

غِشَاوَةٌ ز	وَّ لَهُمْ	عَذَابٌ عَظِيْمٌ ع ⑦
ایک پردہ ہے	اور ان کیلئے	ایک عظیم عذاب ہے

نوٹ: 1 <u>ختم قلوب کی حقیقت:</u> دلوں پر مہر لگ جانے کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''اللہ کی طرف سے مہر لگ جانے کا یہ فعل بندہ کے کفر اختیاری کے بعد ہوتا ہے نہ کہ اس کے قبل۔ اس کا نتیجہ ہوتا ہے نہ کہ اس کا سبب۔ فطرتِ سلیم ہر انسان کو عطا ہوئی ہے، اور اس میں دلائل حق پر غور و فکر کی استعداد بھی شامل ہے۔ لیکن انسان جب اپنے ارادہ و عقل کا غلط استعمال کرنے لگتا ہے، اور آسمانی ہدایتوں اور خداوندی نشانیوں سے مسلسل منہ موڑے ہوئے قانونِ شیطانی پر چلنے کی ٹھان لیتا ہے تو سلسلۂ غضبی کے تحت میں آ جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے سلسلۂ رحمت سے خارج ہو جاتا ہے، اور نصرتِ الٰہی اس کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ اب ہر روشنی اسے تاریک اور ہر تاریکی اسے روشن نظر آنے لگتی ہے۔ اس نے اپنے لیے جو کچھ اختیار کیا، وہی اللہ تعالیٰ اسے بحیثیت علت العلل و مسبب الاسباب اپنے قانونِ تکوینی (نہ کہ قانونِ رضا) کے ماتحت دینے لگتا ہے۔ اور یہی معنی ہیں انسان کے عقل و حواس پر مہر لگ جانے کے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ یہ مہر خداوندی کوئی مادی چیز نہیں۔'' (تفسیر ماجدی، ص۹)۔

پیر کرم شاہ صاحبؒ سادہ الفاظ میں ختم قلوب کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: ''یہاں بھی بعض لوگوں کو یہ کہتے سنا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی اور آنکھوں پر پردے ڈال دیئے تو غریب کیونکر ایمان لاتے۔ اُن کی خدمت میں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ انسان کے اعمال پر

کوئی نتیجہ اور اثر مرتب ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر انسان جسمانی صحت کے اصولوں کو لگا تار توڑتا رہے تو اس کا بلانوش معدہ جو ہر چیز ہضم کر لیا کرتا تھا کیا غذا ہضم کرنے سے معذور نہیں ہو جاتا؟ کیا اس کا جگر خون پیدا کرنا چھوڑ نہیں دیتا؟ اگر ایسا ہے اور یقیناً ایسا ہی ہے تو رُوحانی صحت کے بھی چند اُصول ہیں جن کی پابندی سے رُوحانی قوتیں نشوونما پاتی ہیں۔ اور جن کی پیہم خلاف ورزیوں سے وہ قوتیں ناکارہ ہو کر رہ جاتی ہیں۔ دل سے حق و باطل میں تمیز کرنے کی صلاحیت سلب ہو جاتی ہے۔ آنکھیں دیکھتی تو ہیں لیکن عبرت حاصل نہیں کرتیں۔ کان سنتے تو ہیں لیکن نصیحت قبول نہیں کرتے۔ بس اسی کیفیت کا اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں ذکر فرمایا ہے۔ ان کفار کی پیہم نافرمانیوں سے، حق سمجھ لینے کے باوجود اس سے مسلسل انکار کرنے کی وجہ سے ان کے دل و دماغ اور دیدہ و گوش (دیکھنا اور سننا) کی ساری قوتیں ناکارہ ہو کر رہ گئی ہیں۔ تو ان کی یہ محرومیاں نتیجہ ہیں ان مسلسل نافرمانیوں کا۔ اور طبعی اثر ہے اُن کی ہٹ دھرمی اور تعصب کا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ پہلے ہی انہیں ہوش و فہم سے محروم کر دیا گیا تھا تاکہ وہ حق کو سمجھ ہی نہ سکیں۔ اِس حقیقت کو قرآن کریم نے متعدد موقعوں پر اس قدر واضح فرمایا ہے کہ غلط فہمی کی گنجائش تک باقی نہیں چھوڑی۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد ہے بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ (النساء:155) یعنی ان کے کفر و انکار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں پر مہر لگادی۔ یعنی پہلے سے ان کے دل مہر شدہ نہ تھے بلکہ ان کے کفر و انکار اور اس پر ان کے شدید اصرار کی پاداش میں انہیں اس نعمت سے محروم کر دیا گیا۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (المطففین:14) یعنی جو کرتوت وہ کیا کرتے تھے اِن کا میل اُن کے دلوں پر جم گیا ہے اور ان کے دلوں کا روشن آئینہ اس قدر مکدّر ہو گیا ہے کہ آفتاب ہدایت کی روشن کرنیں اس میں چمک پیدا نہیں کر سکتیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حسن عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔'' (ضیاء القرآن، ج۱،ص ۳۳)

نوٹ:2 حق قبول کرنے کی صلاحیت کے ماند پڑ جانے یا ختم ہو جانے کے لیے قرآن مجید میں تین طرح کی اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں۔ ان میں سے پہلا درجہ ہے دلوں پہ زنگ لگنے کا جس کو قرآن نے ﴿ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ﴾ کہا ہے۔ اس سے اگلا درجہ دلوں پر مہر لگ جانے کا ہے۔ جس کے لیے قرآن نے ﴿ خَتَمَ اللّٰهُ ﴾ یا ﴿ طَبَعَ اللّٰهُ ﴾ کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ اور آخری اور سب سے سخت درجہ ہے دلوں پر تالے لگ جانے کا جس کو قرآن نے یوں فرمایا ﴿ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴾ چنانچہ حضرت مولانا ادریس کاندھلوی صاحبؒ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مومن جب کوئی گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ نقطہ اس کے قلب پر لگ جاتا ہے پس اگر توبہ کر لی اور اس گناہ سے باز آ گیا تو دل کو صاف کر دیا جاتا ہے اور اگر کوئی اور گناہ کیا تو وہ نقطہ اور بڑھ جاتا ہے حتیٰ کہ رفتہ رفتہ اس کے دل کو گھیر لیتا ہے اور یہی وہ رَیْن (زنگ) ہے جس کی حق تعالیٰ نے ﴿ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾ میں خبر دی ہے۔ (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح، پوری حدیث کے لیے ملاحظہ ہو مظاہر حق جدید، شرح مشکوٰۃ شریف، ج۲،ص ۵۴۱)۔ پس جس طرح ہم ظاہری سیاہی اور سفیدی اور زنگ کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اس سے کہیں زائد ملائکہ اللہ قلوب بنی آدم کی سیاہی اور سفیدی اور زنگ کا معائنہ کرتے ہیں مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ رَیْن یعنی زنگ کا درجہ ختم اور طبع سے کم ہے اور ختم اور طبع کا درجہ اقفال سے کم ہے اور اقفال سب سے زائد سخت ہیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴾ کیا ان کے دلوں پر قفل ہیں۔'' (معارف القرآن، ج۱،ص ۷۰)

آیت:8

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۸ ﴾

انسان: اس کے مادے کے بارے میں اختلاف ہے۔

(1) پہلی رائے یہ ہے کہ انسان ''ء ن س'' (س) اِنْسٌ یا اُنْسٌ، سے ہے جس کے معنی ہیں مانوس ہونا۔ چنانچہ انسان کا مطلب ہو گا ایسی مخلوق جو آپس میں انس (پیار و محبت) رکھتی ہو اور ایک دوسرے سے جان پہچان رکھتی ہو۔ اس لحاظ سے اس کی ضد وَحْشٌ ہو گی۔ شعر:

مَا سُمِّیَ الْاِنْسَانُ اِلَّا لِاِنْسِہٖ وَالْقَلْبُ قَلْبٌ لِاَنَّہٗ یَتَقَلَّبُ

انسان کا نام اس کے اُنس ہی کی وجہ سے رکھا گیا ہے اور دل، دل ہے اس لیے کہ وہ بدلتا رہتا ہے۔

(2) دوسری رائے یہ ہے کہ انسان ''ء ن س'' (افعال) اِیْنَاسٌ، سے ہے۔ اس کے معنی ہیں دور سے دیکھنا، محسوس کرنا، کسی چیز کا ادراک کرنا۔ انسان کو اِنْسٌ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ بھی ظاہر ہے اور آنکھوں سے اس کا ادراک کیا جاسکتا ہے۔ اس لحاظ سے اس کی ضد جَنٌّ ہو گی جس کے معنی ہیں پوشیدہ، مخفی۔ اسی سے جِنٌّ (جن) بنا ہے کیونکہ وہ ہماری آنکھوں سے پوشیدہ ہے۔

(3) تیسری رائے یہ ہے کہ انسان ''ن س ی'' (س) نَسْیًا، نِسْیَانًا، سے ہے۔ جس کے معنی ہیں بھول جانا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ انسان کو انسان یا اِنْسِیًّا اس لیے کہا گیا کہ اس سے عہد لیا گیا تھا جسے وہ بھول گیا۔ مقولہ ہے اَوَّلُ النَّاسِ اَوَّلُ نَاسٍ تمام انسانوں میں سب سے پہلا انسان وہ ہے جو سب سے پہلے بھولا۔

(4) چوتھی رائے یہ ہے کہ انسان ''ن و س'' (ن) نَوْسًا، سے ہے۔ جس کے معنی ہیں مضطرب ہونا، جھولنا، حرکت کرنا۔ اور انسان کو انسان اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی طبیعت میں اضطراب ہے اور اس کا مزاج بدلتا رہتا ہے۔

اِنْسٌ اسم جنس ہے ۔ واحد یعنی ایک شخص بھی مراد ہو سکتا ہے اور جمع یعنی تمام نوع انسانی (مذکر، مؤنث) بھی مراد ہو سکتی ہے۔ چنانچہ واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔﴿ فَيَوْمَىِٕذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّ لَا جَآنٌّ ﴾(55/الرحمٰن:39) ''تو اس دن نہیں پوچھا جائے گا اس کے گناہ کے بارے میں کسی انسان سے اور نہ ہی کسی جن سے۔'' ﴿ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ ﴾(6/الانعام:112) ''اور اسی طرح ہم نے بنایا ہر نبی کے لیے دشمن جنوں اور انسانوں کے شیطانوں کو۔'' واحد کے لیے اِنْسِیٌّ بھی استعمال ہوتا ہے۔﴿ فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴾(19/مریم:26) ''تو میں ہرگز بات نہیں کروں گی آج کے دن کسی انسان سے۔''

اِنْسَانٌ: یہ بھی اسم جنس ہے۔ یہ لفظ بول کر عموماً تمام بنی نوع انسان (مذکر مؤنث) مراد لیے جاتے ہیں۔ ''ا ل'' لگا دیں تو یہ اَلْاِنْسَانُ بن جائے گا۔ پھر ''ال'' جنس کا بھی ہوسکتا ہے، استغراق کا بھی، عہد خارجی یا عہد ذہنی کا بھی۔﴿ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴾(4/النساء:28) ''اور پیدا کیا گیا انسان کمزور۔'' یہاں 'ال' جنس کا ہے۔

اِنْسَانٌ اور اِنْسٌ کی جمع نَاسٌ، اُنَاسٌ اور اَنَاسِیُّ ہے۔

نَاسٌ اس میں عمومیت پائی جاتی ہے۔ اس پر ''ال'' داخل ہو تو یہ اَلنَّاسُ بن جائے گا۔ اَلنَّاسُ اسم جمع ہے یعنی جو کسی جماعت پر بولا جائے۔ معنوی لحاظ سے اس سے حال اور مستقبل کے سب انسان مراد ہوتے ہیں، خواہ مرد ہوں یا عورتیں، بچے ہوں یا بڑے، اچھے ہوں یا برے، مسلمان ہوں یا کافر، سب کے لیے یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ البتہ خطابی صورت میں ایک فرق ہے اور وہ یہ ہے خطابی صورتوں میں الناس سے وہی لوگ مراد ہوں گے جن میں مخاطب ہونے کی صلاحیت ہے یعنی عاقل اور بالغ۔ دیوانے اور بچے اگرچہ الناس میں لُغَۃً شامل ہیں لیکن خطابی شکل میں خطاب اُن کی طرف نہیں ہوتا۔﴿ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ ﴾(2/البقرۃ:24) ''لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا، اور یقیناً کبھی نہیں کر سکتے، تو ڈرو اُس آگ سے، جس کا ایندھن بنیں گے انسان اور پتھر۔''

اُنَاسٌ عموماً انسانوں کے ایک بڑے گروہ کو کہا جاتا ہے۔ جو تقسیم کار، قبیلہ یا کسی وجہ سے ایک دوسرے سے مختلف ہوں۔﴿ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ﴾(2/البقرۃ:60) ''ہر قبیلے نے جان لیا کہ کون سی جگہ اس کے پانی لینے کی ہے۔''

اَنَاسِیُّ یہ بھی عموماً انسانوں کے ایک بڑے گروہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔﴿ لِّنُحْيِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّ نُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَاۤ اَنْعَامًا وَّ اَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴾(25/الفرقان:49) ''تا کہ ایک مُردہ علاقے کو اُس کے ذریعے زندگی بخشیں اور اپنی مخلوق میں سے بہت سے جانوروں اور انسانوں کو سیراب کرے۔''

مَنْ مَنْ اسم ہے جو اکثر ذوی العقول (جو عقل رکھتے ہیں مثلاً انسان، جن اور فرشتے) کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ واحد، جمع، تثنیہ، مذکر، مؤنث سب کے لیے مَنْ ہی استعمال ہوتا ہے۔ مَنْ، شرطیہ، استفہامیہ، استفہامیہ انکاریہ، موصولہ اور موصوفہ ہوسکتا ہے۔ مَنْ کے صلہ، صفت وغیرہ میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی آیت میں کبھی تو اس کی ظاہری لفظی شکل کی رعایت کرتے ہوئے فعل کا صیغۂ واحد یا مفرد ضمیر عائد لائی جاتی ہے اور کبھی معنی کی رعایت

کرتے ہوئے فعل یا ضمیر کو جمع بھی لایا جاتا ہے، جیسے آیت زیر مطالعہ میں مَنْ کے بعد یَقُوْلُ واحد کا صیغہ لا کر اس کی لفظی رعایت کی گئی ہے (کیونکہ مَنْ اصلاً واحد لفظ ہے) اور آگے اٰمَنَّا جمع کا صیغہ لا کر اس کی معنوی رعایت کی گئی ہے کیونکہ مَنْ آیت میں جمع کے معنی میں آیا ہے۔ مَنْ کا ''ن'' ہمیشہ ساکن رہتا ہے اور اگر آگے ملانا ہو تو زیر دے کر ملایا جاتا ہے۔

ق و ل

(ن) **قَوْلًا** کہنا، بولنا۔ ﴿ وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ﴾ (2/البقرہ:30) ''اور جب کہا آپؐ کے رب نے بیشک میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک خلیفہ۔'' قَالَ کا صلہ جب عَلٰی کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں کسی کے خلاف کوئی بات گھڑ لینا، کسی پر بہتان لگانا۔ (ماجدیؒ)

قِيْلَ ماضی مجہول ہے۔ کہا گیا۔ ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴾ (2/البقرۃ:11) ''اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ زمین پر فساد مت پھیلاؤ تو کہتے ہیں کہ ارے! ہم تو اصلاح کر رہے ہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

يُقَالُ مضارع مجہول ہے۔ کہا جاتا ہے۔ ﴿ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ﴾ (41/حٰمٓ السجدۃ:43) ''نہیں کہا جاتا آپ ﷺ سے مگر جو کہا گیا ہے رسولوں سے آپ ﷺ سے پہلے۔''

قِيْلٌ اسم ذات ہے۔ بات۔ ﴿ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴾ (4/النساء:122) ''اور اللہ سے زیادہ سچا کون ہے بلحاظ بات کے۔''

قَوْلٌ ج: اَقْوَالٌ ۔ جمع کی جمع: اَقَاوِيْلُ ۔ اسم ذات ہے۔ بات۔ ﴿ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ وَّ مَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ﴾ (69/الحاقۃ:40-41) ''یقیناً یہ ایک بزرگ رسول کا قول ہے اور یہ کسی شاعر کی بات نہیں ہے۔''

قُلْ ج: قُوْلُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو کہہ۔ ﴿ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ﴾ (2/البقرہ:140) ''آپ ﷺ کہیے تم لوگ زیادہ جانتے ہو یا اللہ۔''

قَآئِلٌ اسم الفاعل ہے۔ کہنے والا۔ ﴿ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ ﴾ (12/یوسف:10) ''کہا ان میں سے ایک کہنے والے نے تم لوگ قتل مت کرو یوسفؑ کو۔''

(تفعّل) **تَقَوُّلًا** بات گھڑنا۔ کسی کی طرف ایسی بات منسوب کرنا جو اس نے نہیں کہی۔ اپنی طرف سے جھوٹ گھڑ لینا۔ اس کے ساتھ بھی عام طور پر عَلٰی کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔ ﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۙ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴾ (69/الحاقۃ:44-45) ''اور اگر وہ غلط منسوب کرتے ہم پر باتوں میں کوئی تو ہم ضرور پکڑتے ان کو قوت کے ساتھ۔''

اٰمَنَّا اور مُؤْمِنِيْنَ (ء م ن): البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔	اَللّٰهُ (ء ل ہ): آیت بسم اللہ دیکھیں۔
اَلْيَوْمِ: الفاتحہ آیت 3 دیکھیں۔	اَلْاٰخِرِ (ء خ ر): البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔

ترکیب آیت زیر مطالعہ کی ترکیب پہلے ایک مثال سے سمجھ لیں۔ اگر ہم کہیں کہ مِنَ النَّاسِ كَافِرٌ تو اس میں مِنَ النَّاسِ قائم مقام خبر مقدم ہے جبکہ خبر مَوْجُوْدٌ محذوف ہے اور كَافِرٌ مبتداء مؤخر ہے۔ اس کا سادہ جملہ یوں ہوتا اَلْكَافِرُ مَوْجُوْدٌ مِنَ النَّاسِ اور اس کا مطلب ہوتا کہ کافر ''یعنی خاص کافر'' لوگوں میں موجود ہے۔ لیکن جب مبتداء کو مؤخر کر کے نکرہ کر دیا تو اب مِنَ النَّاسِ كَافِرٌ کا مطلب ہو گیا کہ لوگوں میں سے کوئی کافر ہے یعنی لوگوں میں سب کافر نہیں ہیں بلکہ کچھ کافر ہیں۔ یہ رعایت اردو میں لفظ ''بھی'' سے ادا ہوتی ہے۔ اس لئے اس جملہ کا ترجمہ ہوگا ''لوگوں میں کافر بھی ہیں''۔

چنانچہ وَمِنَ النَّاسِ میں ''وَ'' استئنافیہ ہے اور مِنَ النَّاسِ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ مِنْ تبعیضیہ ہے (یعنی لوگوں میں سے کچھ لوگ)۔ خبر مَوْجُوْدٌ محذوف ہے اور مَنْ مبتدا مؤخر ہے۔ اور اس مَنْ کو موصول یا نکرہ موصوفہ، دونوں مانا گیا ہے۔ موصول ہونے کی صورت میں اگلا جملہ فعلیہ يَقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ

بِالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ اس کا صلہ بنے گا۔نکرہ موصوفہ ماننے کی صورت میں یہ جملہ فعلیہ اس کی صفت بنے گا۔یَقُوۡلُ کا صیغہ مَنۡ کی لفظی رعایت کے لحاظ سے لایا گیا ہے۔جبکہ معنوی لحاظ سے یہ جمع ہے۔ترجمہ ہوگا ''وہ کہتے ہیں'' اور آگے اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَ بِالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وہ بات ہے جو وہ کہتے ہیں۔اس میں اٰمَنَّا فعل اور اس میں شامل ضمیر اس کا فاعل ہے اور اٰمَنَّا جمع کا صیغہ مَنۡ کی معنوی رعایت کے لحاظ سے لایا گیا ہے۔اور آگے بِاللّٰہِ وَ بِالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ متعلق فعل ہے۔ان کے درمیان ''وَ'' عطف کا ہے۔وَ مَا ھُمۡ بِمُؤۡمِنِیۡنَ میں ''وَ'' حالیہ ہے۔'مَا' نافیہ ہے، ھُمۡ مبتدا اور بِمُؤۡمِنِیۡنَ اس کی خبر۔'بِ' زائدہ تاکید کے لیے ہے۔حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اس اسلوب کے متعلق لکھتے ہیں ''قرآن مجید میں یہ ترکیب جہاں جہاں بھی آئی ہے وہاں اس وصف کی نفی کامل مراد رہی ہے۔وَ مَا ھُمۡ بِمُؤۡمِنِیۡنَ ان میں ایمان ذرا بھی نہیں۔وَمَا رَبُّکَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِیۡدِ آپ ﷺ کا پروردگار بندوں کے حق میں ذرا سا بھی ظالم نہیں ہے۔''

ترجمہ	وَمِنَ النَّاسِ	مَنۡ	یَّقُوۡلُ	اٰمَنَّا
البقرۃ:8	اور لوگوں میں سے	وہ (بھی) ہیں جو	کہتے ہیں	ہم ایمان لائے

بِاللّٰہِ وَبِالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ	وَ	مَا ھُمۡ بِمُؤۡمِنِیۡنَ ۟﴿۸﴾
اللہ پر اور آخری دن پر	حالانکہ	وہ لوگ ہرگز ایمان لانے والے نہیں ہیں

نوٹ: 1 وَمَا ھُمۡ بِمُؤۡمِنِیۡنَ، آیت کے اِس حصے کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''یعنی ان کے دل میں ایمان کا گزر ذرّہ برابر بھی نہیں، ایمان انہیں چھو بھی نہیں گیا۔بِمُؤۡمِنِیۡنَ، حرف باء تاکید کے لیے ہے۔ظاہری سیاق کا تقاضا تھا کہ فعل ماقبل قَالُوۡۤا اٰمَنَّا کی تردید و تغلیط میں ما اٰمنوا یا اسی قسم کا کوئی اور فعل ماضی ہی لایا جاتا (اور فعل میں ماضی حال یا مستقبل کا مفہوم ہوتا ہے) لیکن یہاں تاکید اور زور کے لیے بجائے فعل کے اسم فاعل لایا گیا، کہ ان لوگوں سے نفی ایمان کی، ماضی، حال، مستقل ہر زمانہ سے متعلق نکل آئے۔(تفسیر ماجدیؒ)

نوٹ: 2 واوَ کی اقسام: آیت زیر مطالعہ میں تین مختلف طرح کے واوَ آئے ہیں۔شروع میں 'وَ' استئنافیہ ہے۔اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ میں 'وَ' عطف کا ہے اور وَمَا ھُمۡ بِمُؤۡمِنِیۡنَ میں 'وَ' حالیہ ہے۔نوٹ کرلیں کہ واوَ کی بھی کئی قسمیں ہیں جن میں سے مندرجہ ذیل چار قسمیں زیادہ استعمال ہوتی ہیں۔

(1) واوَ قسمیہ: (عامل)۔اس کے معنی ہیں ''قسم ہے''۔اس کی پہچان یہ ہے کہ یہ صرف اسم پر داخل ہوتا ہے اور اپنے اسم کو جر دیتا ہے، جیسے وَالۡعَصۡرِ (قسم ہے زمانے کی)۔اس کے بعد دوبارہ واوَ آئے تو دوسرا واوَ عطف کا ہوگا۔جیسے وَالتِّیۡنِ وَالزَّیۡتُوۡنِ میں پہلا واوَ قسمیہ ہے اور دوسرا عطف کا ہے۔

(2) واوَ عاطفہ: (غیر عامل)۔اس کے معنی ہیں ''اور'' یہ واوَ دو چیزوں کو ایک حکم میں جمع کرنے کے لیے آتا ہے۔یہ غیر عامل ہوتا ہے یعنی کوئی اعرابی تبدیلی نہیں لاتا۔

(3) واوَ حالیہ: (غیر عامل)۔اس کے معنی ہوتے ہیں ''اس حال میں کہ یا حالانکہ''۔حال عام طور پر تو وہ نکرہ اسم ہوتا ہے جو فعل کے واقع ہونے کے وقت فاعل یا مفعول کی حالت کو بیان کرے۔یہ حالت نصب میں ہوتا ہے۔مثلاً جَاءَ الۡاَمِیۡرُ مَاشِیًا (سردار چلتا ہوا آیا) اس مثال میں مَاشِیًا حال ہے فاعل، اَلۡاَمِیۡرُ کا۔جس کا حال بیان کیا جائے اسے ذوالحال کہتے ہیں۔(قرآن مجید سے مثال: سورۂ آل عمران کی آیت 39 میں فرمایا: اَنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکَ بِیَحۡیٰی مُصَدِّقًۢا بِکَلِمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ سَیِّدًا وَّ حَصُوۡرًا وَّ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ، اس آیت مبارکہ میں مُصَدِّقًا، سَیِّدًا، حَصُوۡرًا، نَبِیًّا، یہ سب حضرت یحییٰؑ کے حال ہیں)۔حال اسم کے علاوہ پورا جملہ (اسمیہ یا فعلیہ) بھی ہوسکتا ہے۔مثلاً جَاءَ الۡخَلِیۡلُ یَضۡحَکُ (خلیل ہنستا ہوا آیا)۔اس میں جملہ فعلیہ یَضۡحَکُ، خلیل کا حال ہے۔(قرآن مجید سے مثال: سورۂ البقرۃ کی آیت 15 میں فرمایا: وَ یَمُدُّھُمۡ فِیۡ طُغۡیَانِہِمۡ یَعۡمَھُوۡنَ، اس آیت مبارکہ میں جملہ فعلیہ یَعۡمَھُوۡنَ حال ہے یَمُدُّھُمۡ میں ھُمۡ ضمیر کا)۔کبھی حال اور ذوالحال کے درمیان ایک رابط (جوڑنے والے) کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ رابط اکثر واوَ ہوتا ہے جسے واوَ حالیہ کہا جاتا ہے۔مثلاً جَاءَ الرَّشِیۡدُ وَھُوَ یَضۡحَکُ۔رشید اس حال میں آیا کہ وہ ہنس رہا تھا۔اس میں جملہ اسمیہ ھُوَ یَضۡحَکُ، رشید کا حال ہے اور محلاً منصوب ہے۔درمیان میں 'وَ' حالیہ ہے۔(قرآن مجید سے مثال: سورۂ البقرۃ کی آیت زیر مطالعہ وَ مَا ھُمۡ بِمُؤۡمِنِیۡنَ، میں 'وَ' حالیہ ہے اور جملہ مَا ھُمۡ بِمُؤۡمِنِیۡنَ حال

ہے مَنْ کا۔ حضور ﷺ کی ایک تعلیم کردہ دعا میں واوٴ حالیہ اور واوٴ عاطفہ کا فوری تقابل بہت واضح ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ۔ اے اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں۔ اَنْ اُشْرِكَ بِكَ۔ کہ میں (کسی کو) شریک کروں تیرے ساتھ۔ وَاَعْلَمُ۔ اس حال میں کہ (واوٴ حالیہ) میں جانتا ہوں۔ وَاَسْتَغْفِرُكَ۔ اور (واوٴ عاطفہ) میں مغفرت مانگتا ہوں تجھ سے بِمَا لَا اَعْلَمُ۔ اس کی جو میں نہیں جانتا۔

(4) واوٴ استئنافیہ: (غیر عامل)۔ یہ وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں پچھلی بات کو چھوڑ کر نئی بات شروع کرنی ہو۔ چنانچہ اس کے بعد اگر فعل مضارع آئے تو وہ حالت رفع میں آتا ہے مثلاً لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ؕ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اس مثال میں 'و' عاطفہ نہیں ہے۔ ورنہ لِّنُبَيِّنَ کی طرح نُقِرُّ بھی حالت نصب میں ہوتا۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ اس واوٴ سے ایک نئی بات شروع کر دی گئی ہے جس کا پچھلی بات سے تعلق نہیں ہے۔ یہ واوٴ بھی غیر عامل ہے۔ (واوٴ کی اور بھی کئی قسمیں ہیں جو لغات القرآن حصہ ۶ سے دیکھی جا سکتی ہیں)۔

نوٹ: 3 مِنْ کی اقسام: ترکیب میں بتایا گیا ہے کہ "مِنَ النَّاسِ" میں مِنْ تبعیضیہ ہے۔ اب نوٹ کر لیں کہ مِنْ، جو حرف جر ہے، بھی کئی طرح سے استعمال ہوتا ہے۔

(1) مِنْ تبعیضیہ: اس کا مطلب ہوتا ہے "کسی چیز میں سے کچھ یا کل میں سے بعض"۔ جیسے وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ اور جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں یا آیت زیر مطالعہ میں فرمایا وَمِنَ النَّاسِ مَنْ اور لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں...... وغیرہ۔

(2) مِنْ بیانیہ: یہ کسی چیز کی وضاحت اور بیان کے لیے آتا ہے۔ مثلاً البقرہ 155 میں فرمایا: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ "ہم تمہیں آزمائیں گے کسی چیز سے۔ پھر "کسی چیز" کی وضاحت کے لیے مِنْ بیانیہ آیا۔ یعنی وہ چیز ہے خوف، بھوک، الخ۔ اسی طرح الحج کی آیت 30 میں فرمایا: فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ "پس تم بچتے رہو گندگی سے پھر مِنْ بیانیہ سے اس گندگی کی وضاحت کی کہ وہ گندگی بت ہیں۔ سو تم بتوں سے بچتے رہو۔ پھر اسی طرح سورہ الفتح کی آیت 29 میں فرمایا: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا یہاں بھی مِنْهُمْ میں مِنْ بیانیہ ہے (بحوالہ تفسیر ماجدیؒ) مراد سارے ہی صحابہؓ ہیں۔ آل عمران کی آیت 172 میں فرمایا: لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ یہاں بھی مِنْهُمْ میں مِنْ بیانیہ ہے یعنی تمام صحابہؓ ہی نیک اور متقی ہیں۔ (بحوالہ تفسیر ماجدیؒ)۔

(3) مِنْ سببیہ: یہ کسی حکم کی وجہ اور سبب بتانے کے لیے استعمال ہوتا ہے مثلاً البقرۃ کی آیت 202 میں فرمایا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ "انہی لوگوں کو بڑا حصہ ملے گا (دونوں جہانوں میں) بسبب اُن کی (نیک) کمائی کے۔" (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت میں مِّمَّا میں مِنْ سببیہ ہے۔ یا سورۃ البقرۃ کی آیت 19 میں فرمایا: يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ "ٹھونستے ہیں اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں کڑک کے سبب۔" اس آیت میں بھی 'مِنْ' سببیہ ہے۔ یا سورۂ نوح کی آیت 25 میں فرمایا: مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا یہاں بھی مِنْ سببیہ ہے (بحوالہ تفسیر ماجدیؒ) اور 'ما' تاکید کے لیے۔ مطلب ہے اپنے گناہوں کی وجہ سے وہ غرق کیے گئے اور وہ آگ میں داخل ہوئے۔

(4) مِنْ زائدہ: مِنْ کبھی زائدہ بھی ہوتا ہے۔ مِنْ زائدہ یا تو تحسین کلام کے لیے آتا ہے یا عموم کا معنی پیدا کرنے کے لیے یا پھر تاکید کے لیے آتا ہے۔ جیسے الانعام کی آیت 59 میں فرمایا: وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اس میں وَّرَقَةٍ لفظاً مجرور ہے مِنْ زائدہ کی وجہ سے لیکن محلاً مرفوع ہے تَسْقُطُ کے فاعل ہونے کی وجہ سے۔ اگر ہوتا مَا تَسْقُطُ وَرَقَةٌ تو معنی ہونے تھے 'نہیں گرتا کوئی پتّا' ...... لیکن مِنْ زائدہ لگ جانے کی وجہ سے وَرَقَةٌ میں تاکید اور عموم کے معنی پیدا ہوئے ہیں، اردو زبان میں اس کی ترجمانی ہوگی 'نہیں گرتا کوئی بھی پتّا'۔ اسی طرح سورۃ الانعام کی آیت 38 میں فرمایا: وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اس میں دَآبَّةٍ لفظاً مجرور ہے مِنْ زائدہ کی وجہ سے اور محلاً مرفوع ہے مبتدا ہونے کی وجہ سے، ترجمانی ہوگی 'نہیں ہے کوئی بھی چلنے والا زمین میں'۔ اسی آیت میں آگے فرمایا مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ...... شَيْءٍ لفظاً مجرور ہے مِنْ زائدہ کی وجہ سے لیکن محلاً منصوب ہے فَرَّطْنَا کے مفعول ہونے کی وجہ سے۔ ترجمانی ہوگی اور ہم نے نہیں چھوڑی لکھنے میں کوئی بھی چیز۔ اسی طرح کی اور کئی مثالیں قرآن مجید سے دیکھی جا سکتی ہیں۔ مِنْ زائدہ ہونے کے لیے تین شرطیں ہیں۔ (۱) اس سے پہلے نفی، نہی یا استفہام ہو۔ (۲) مجرور، نکرہ ہو۔ (۳) مجرور، فاعل، مفعول یا مبتدا ہو۔ (واللہ اعلم)

(5) مِنْ بمعنی عَنْ: یعنی مِنْ کا استعمال عَنْ کے معنوں میں جیسے فرمایا فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ (الزمر:22) یہاں مِنْ سے مراد ہے عَنْ

ذِكْرِ اللّٰهِ۔ مطلب ہے اللہ کی یاد کو چھوڑ کر جن کے دل سخت پڑ گئے۔ ان کے لیے وَيْلٌ ہے یا فرمایا يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا (الانبیاء:97) یعنی ہائے اس کو چھوڑ کر ہم غفلت میں تھے۔ یہاں بھی مِنْ بمعنی عَنْ هٰذَا ہے۔

(6) مِنْ بمعنی 'بِ': یعنی مِنْ کا استعمال 'بِ' کے معنوں میں۔ جیسے فرمایا يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ (الشوریٰ:45) وہ دیکھیں گے چوری کی نگاہ سے۔ مِنْ یہاں 'بِ' کا ہم معنی ہے۔

(7) مِنْ بمعنی فِيْ: یعنی مِنْ کا استعمال فِيْ کے معنوں میں جیسے فرمایا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ (الجمعہ:9) یہاں مِنْ، فِيْ کا ہم معنی ہے۔

(8) مِنْ بمعنی عَلٰی: یعنی مِنْ کا استعمال عَلٰی کے معنوں میں جیسے فرمایا وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ (الانبیاء:77) یہاں مِنَ الْقَوْمِ بمعنی عَلَى الْقَوْمِ ہے۔ (واللہ اعلم)

مِنْ کے اور بھی استعمالات ہیں جو کہ لغات القرآن حصہ پنجم سے دیکھے جا سکتے ہیں۔

آیت:9

﴿ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝۹ ؕ ﴾

خ د ع

(ف) خَدَعًا — دھوکا دینا۔ ﴿ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ ﴾ (8/الانفال:62) ''اور اگر وہ لوگ ارادہ کریں کہ وہ لوگ آپ ﷺ کو دھوکا دیں تو بیشک آپ ﷺ کے لئے اللہ کافی ہے۔''

خَادِعٌ — اسم الفاعل ہے۔ دھوکا دینے والا۔ ﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ ﴾ (4/النساء:142) ''بے شک منافق (اپنے گمان میں) دھوکہ دے رہے ہیں اللہ کو اور اللہ تعالیٰ سزا دینے والا ہے انہیں (اس دھوکہ بازی کی)۔''

(مفاعلہ) خِدَاعًا — دوسرے کو دھوکا دینے کی کوشش کرنا۔ جو کچھ دل میں ہو اُس کے خلاف ظاہر کرنا۔ فریب دینا۔ آیت زیر مطالعہ۔

اَللّٰهُ (ء ل ہ): آیت بسم اللہ دیکھیں۔ اٰمَنُوْا (ء م ن): البقرۃ، آیت 3 دیکھیں۔

ن ف س

(ک) نَفَاسَةً — پسندیدہ ہونا۔ نفیس ہونا۔ قرآن مجید میں ثلاثی سے فعل استعمال نہیں ہوا۔

نَفْسٌ — ج: اَنْفُسٌ اور نُفُوْسٌ۔ عربی زبان میں یہ لفظ بہت وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً

(1) سانس کے لیے جو ناک اور منہ کے ذریعے بدن کے اندر جاتا ہے جس پر زندگی کا دارومدار ہے۔ (اس کے لیے نَفَسٌ بھی استعمال ہوتا ہے)۔

(2) زندگی یا حیات کے لیے۔

(3) ہر جان اور ہر جاندار کے لیے جیسے آل عمران۔185 میں فرمایا كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ ''ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

(4) انسانی وجود، آدمی، شخص کے لیے جیسے البقرۃ۔48 میں فرمایا وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا ''اور ڈرو

اُس دن سے کہ کام نہ آئے کوئی شخص کسی کے کچھ بھی۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) یا آیت 281 میں فرمایا وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ''اور ڈرتے رہو اُس دن سے کہ جس دن لوٹائے جاؤ گے اللہ کی طرف پھر پورا دیا جائے گا ہر شخص کو جو کچھ اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہ ہوگا'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) یا آیت 44 میں فرمایا اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ ''کیا تم دوسرے لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ آیت زیر مطالعہ میں بھی اَنْفُسٌ انہیں معنوں میں ہے۔

(5) روح کے لیے۔ جیسے الانعام آیت۔93 میں فرمایا وَ لَوْ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِکَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَکُمْ ؕ اس آیت کا حضرت شیخ الہندؒ ترجمہ کرتے ہیں: ''اور اگر تو دیکھے جس وقت کہ ظالم ہوں موت کی سختیوں میں اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہیں کہ نکالو اپنی جانیں۔'' اور حاشیہ میں فرماتے ہیں: ''یعنی روح قبض کرنے اور سزا دینے کو ہاتھ بڑھا رہے ہیں۔'' اسی طرح حضرت عبدالماجد دریا بادیؒ اس آیت کا ترجمہ کرتے ہیں: ''کاش آپؐ اُس وقت دیکھیں جب (یہ) ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ (اُن کی طرف) بڑھا رہے ہوں کہ اپنی جانیں (جلد) نکالو۔'' اور آگے حاشیہ میں فرماتے ہیں: ''اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَکُمْ سے یہ بھی صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ انسان کی جان یا روح اس کے جسم سے الگ یا مغایر ایک چیز ہے۔'' صاحبؒ مفردات القران نے بھی نفس بمعنی روح کے تحت یہی آیت حوالے کے طور پر لکھی ہے۔ یا فرمایا الزمر آیت۔42 میں اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَ الَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا ۚ فَیُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْهَا الْمَوْتَ وَ یُرْسِلُ الْاُخْرٰۤی اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ اللہ ہی روحوں کو ان کی موت کے وقت اور جن کی موت نہیں آئی انہیں ان کی نیند کے وقت قبض کر لیتا ہے، پھر جن پر موت کا حکم لگا چکا ہے انہیں تو روک لیتا ہے اور دوسری (روحوں) کو ایک مقرر وقت تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان)، حضرت پیر کرم شاہ صاحبؒ اس آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ قبض کرتا ہے جانوں کو موت کے وقت اور جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا (ان کی روحیں) حالت نیند میں، پھر روک لیتا ہے ان روحوں کو جن کی موت کا فیصلہ کرتا ہے۔ اور واپس بھیج دیتا ہے دوسری رُوحوں کو مقرر میعاد تک۔'' تفسیر معارف القرآن میں بھی حضرت مفتی محمد شفیعؒ نے اس آیت میں نفس سے روح ہی مراد لی ہے۔ (واللہ اعلم)

(6) دل، جی کے لیے۔ جیسے المائدۃ کی آیت۔116 میں فرمایا تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَ لَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ؕ ''تو جانتا ہے جو کچھ میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو کچھ تیرے دل میں ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) یا بنی اسرائیل کی آیت۔25 میں فرمایا: رَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ نُفُوْسِکُمْ ؕ ''تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے اُس کو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ''تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے جی میں ہے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

(7) نفس بمعنی ذات۔ آلِ عمران کی آیت۔30 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَ یُحَذِّرُکُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ ''اور اللہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے۔'' اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''اس آیت میں نفس بمعنی ذات ہے۔ اور یہاں نَفْسَهٗ کی اضافت اگرچہ لفظی لحاظ سے مضاف اور مضاف الیہ میں مغایرۃ کو چاہتی ہے لیکن من حیث المعنی دونوں سے ایک ہی ذات مراد ہے۔ کیونکہ ذات باری تعالیٰ ہر قسم کی دوئی سے پاک ہے۔'' (مفردات القرآن، ج۲، ص: ۱۰۷) یا المائدۃ کی آیت۔116 میں فرمایا وَ لَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ؕ اور میں نہیں جانتا جو کچھ تیرے دل میں ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) آگے حاشیہ میں حضرتؒ فرماتے ہیں: ''مَا فِیْ نَفْسِكَ بعض اہل باطل نے حق تعالیٰ کی تجسیم نکالنا چاہی ہے، اور

کہا ہے کہ نفس سے مراد شخص ہوتی ہے۔ لیکن جیسا کہ امام رازیؒ نے فرمایا اوّل تو نفس و ذات مرادف ہیں۔ شخصیت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اور پھر نَفْسِیْ کے مقابلہ میں نَفْسِكَ لانا ہی بہ قاعدۂ مشاکلت عربی اسلوب بیان میں فصیح تر ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ۔ ۳۱۹)۔

نفس سے اگر روح اور جان مراد ہو تو مؤنث استعمال ہوتا ہے اور اگر شخص مراد ہو تو مذکر استعمال ہوتا ہے۔

نفس کی تین حالتیں: نفس مطمئنہ، نفس امّارہ، نفس لوّامہ: نفس کی تین حالتوں کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''محققین نے لکھا ہے کہ آدمی کا نفس ایک چیز ہے لیکن اس کی تین حالتوں کے اعتبار سے تین نام ہو گئے ہیں۔ اگر نفس عالم علوی کی طرف مائل ہوا اور اللہ کی عبادت و فرمانبرداری میں اس کو خوشی حاصل ہوئی اور شریعت کی پیروی میں سکون اور چین محسوس کیا اُس نفس کو ''مطمئنہ'' کہتے ہیں۔ یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ ○ ارْجِعِیْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً (الفجر۔27۔28) اور اگر عالم سفلی کی طرف جھک پڑا اور دنیا کی لذات و خواہشات میں پھنس کر بدی کی طرف رغبت کی اور شریعت کی پیروی سے بھاگا اُس کو ''نفس امارہ'' کہتے ہیں کیونکہ وہ آدمی کو برائی کا حکم کرتا ہے۔ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ (یوسف۔53) اور اگر کبھی عالم سفلی کی طرف جھکتا اور شہوت و غضب میں مبتلا ہوتا ہے اور کبھی عالم علوی کی طرف مائل ہو کر اُن چیزوں کو برا جانتا ہے اور اُن سے دُور بھاگتا ہے اور کوئی برائی یا کوتاہی ہو جانے پر شرمندہ ہو کر اپنے تئیں ملامت کرتا ہے اُس کو ''نفس لوامہ'' کہتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں'' آدمی کا جی اوّل کھیل میں اور مزوں میں غرق ہوتا ہے ہرگز نیکی کی طرف رغبت نہیں کرتا۔ ایسے جی کو ''امارہ بالسُّوء'' کہتے ہیں۔ پھر ہوش پکڑا، نیک و بد سمجھا تو باز آیا کبھی (غفلت ہوئی تو) اپنی خو پر دوڑ پڑا پیچھے کچھ سمجھ آئی تو اپنے کیے پر پچھتانے اور ملامت کرنے لگا۔ ایسا نفس (جی) ''لوامہ'' کہلاتا ہے پھر جب پورا سنور گیا، دل سے رغبت نیکی ہی پر ہو گئی بیہودہ کام سے خود بخود بھاگنے لگا اور بدی کے ارتکاب بلکہ تصور سے تکلیف پہنچنے لگی وہ نفس ''مطمئنہ'' ہو گیا۔'' (تفسیر عثمانیؒ۔ ۷۶۶)

(تفعّل) تَنَفُّسًا سانس لینا، ظاہر ہونا۔ ﴿ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ۙ۝۱۸ ﴾ (81/التکویر:18) ''قسم ہے صبح کی جب وہ سانس لے یعنی ظاہر ہو۔''

(تفاعل) تَنَافُسًا اس کا معنی ہے کہ چند آدمیوں کا کسی خاص مرغوب و محبوب چیز کو حاصل کرنے کے لیے جھپٹنا اور دوڑنا تاکہ دوسروں سے پہلے وہ اس کو حاصل کر لے۔ بطور مقابلہ رغبت کرنا۔ کسی چیز کے لئے جان کھپانا۔ ﴿ وَفِیْ ذٰلِكَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ؕ۝۲۶ ﴾ (83/المطففین:26) ''اور اس میں چاہئے کہ جان کھپائیں جان کھپانے والے۔''

مُتَنَافِسٌ ج: مُتَنَافِسُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ جان کھپانے والا۔ اوپر آیت 26 دیکھیں سورۂ المطففین کی۔

ش ع ر

(ن) شَعْرًا کسی چیز میں بال بھرنا یا لگانا۔

شُعُوْرًا، شِعْرًا بال کی طرح باریک علم حاصل کرنا۔ ''حواس'' سے کسی محسوس چیز کا ادراک حاصل کرنا۔ شعور حاصل کرنا۔ حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''شعور عربی میں علم حسی کو کہتے ہیں۔ اور اسی کا نام اُردو میں احساس ہے اور مَشَاعِرٌ انسان کے آلاتِ حواس کو کہتے ہیں۔'' ﴿ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّیْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ۚ۝۱۱۳ ﴾ (26/الشعراء:113) ''نہیں ہے ان کا حساب مگر میرے رب کے ذمہ، کاش تم لوگ شعور سے کام لیتے۔''

علم لطیف میں کلام کرنا یعنی شعر کہنا۔

شَعْرٌ ج: اَشْعَارٌ۔اسم ذات ہے۔بال۔ ﴿وَ مِنْ اَصْوَافِهَا وَ اَوْبَارِهَا وَ اَشْعَارِهَاۤ اَثَاثًا﴾(16/النحل:80)''اور(اسی نے بنائے ہیں) بھیڑوں کی صوف اوراونٹوں کی اون اور بکریوں کے بالوں سے مختلف گھریلو سامان۔''(ترجمہ ضیاءالقرآن)

شِعْرٌ ج:اَشْعَارٌ۔اسم ذات ہے۔موزوں(مناسب،درست،وزن میں ہونا) کلام۔شعر۔شعر اصل میں لطیف علم کا نام ہے لیکن عرف عام میں موزوں اور مقفّٰی کلام کوشعر کہا جانے لگا۔یعنی وہ کلام جس کا وزن بھی ہو اور قافیہ بھی۔اور شعر کہنے والے کوشاعر کہا جاتا ہے۔کفار حضورؐ کوشاعر اور قرآن مجید کوشعر کہا کرتے تھے۔لیکن بعض حقیقت شناس لوگوں نے کہا ہے کہ حضورؐ پر شاعر ہونے کی تہمت لگانے سے کفار کا مقصد موزوں اور مقفّٰی کلام بنانے کی تہمت لگانا نہیں تھا کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ قرآن اسلوب شعری سے بہت بلند ہے اور اس حقیقت کوعجمی عوام بھی سمجھ سکتے ہیں پھر فصحاء عرب کا کیا ذکر ہے۔بلکہ وہ تو آپؐ پر(نعوذ باللہ) جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے کیونکہ عربی زبان میں شعر بمعنی کذب (جھوٹ) اور شاعر بمعنی کاذب (جھوٹا) استعمال ہوتا ہے حتیٰ کہ جھوٹے دلائل کو اَدِلَّةٌ شِعْرِيَةٌ کہا جاتا ہے۔اسی لیے قرآن نے شعراء کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کیا کرتے ہیں اور شعر چونکہ جھوٹ کا پلندہ ہوتا ہے اس لیے مقولہ مشہور ہے کہ اَحْسَنُ الشِّعْرِ اَكْذَبُهٗ۔سب سے بہتر شعر وہ ہے جوسب سے زیادہ جھوٹ پر مشتمل ہو۔اسی لیے قرآن مجید میں فرمایا گیا﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ﴾ (36/یٰسین:69)''اور ہم نے تعلیم نہیں دی انؐ کوشاعری کی اور یہ شایان شان بھی نہیں ہے انؐ کے۔''

شَاعِرٌ ج: شُعَرَآءُ۔اسم الفاعل ہے۔شعر کہنے والا۔ ﴿وَّ مَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ﴾(69/الحاقۃ:41)''اور یہ کسی شعر کہنے والے کا کلام نہیں ہے۔''﴿وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾﴾(26/الشعراء:224) ''اور شاعر لوگ،ان کی پیروی کرتے ہیں گمراہ لوگ۔''

شَعِيْرَةٌ ج: شَعَآئِرُ۔اسم ذات ہے۔علامت یا نشان۔﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ﴾(2/البقرۃ:158)''بیشک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔'' شعائر اللہ سے وہ مقامات عبادت، زمانے، اوقات، اعمال یا مخصوص اشیاء مراد ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی علامتیں قرار دیا ہے۔مقامات عبادت میں کعبۃ اللہ،عرفہ،مزدلفہ،منیٰ، جمرات ثلاثہ، صفا،مروہ،اور تمام مساجد شامل ہیں۔زمانے یا اوقات میں ماہ رمضان، حج کے ایام،عیدین، اشہر حرم، ایام تشریق اور جمعہ شامل ہیں۔اعمال میں اذان، اقامت، باجماعت نماز اور نماز عیدین شامل ہیں۔مخصوص اشیاء میں قربانی کے جانور، احرام، کتب سماویہ، یہاں تک کہ تمام حدود وفرائض شامل ہیں۔حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں:''شَعَآئِرِ اللّٰهِ یعنی اللہ کے دین کی نشانیاں یا علامتیں، دین الٰہی کے وہ شعائر جو طاعتوں میں بطور علم کام دیں۔ شَعَآئِرِ جمع ہے **شعیرہ** کی اور اس کے معنی ہیں علامت کے۔اصطلاح میں مراد مناسک حج کی علامتیں ہیں۔''حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ حصہ اول باب ۷، شعائر اللہ کی تعظیم واحترام میں فرماتے ہیں:''شعائر الٰہیہ سے ہماری مراد وہ ظاہری ومحسوس امور اور اشیاء ہیں جن کا تقرر اسی لیے ہوا ہے کہ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے۔ان امور واشیاء کو خدا کی ذات سے ایسی مخصوص نسبت ہے کہ ان کی عظمت وحرمت کولوگ خود اللہ تعالیٰ کی عظمت وحرمت سمجھتے ہیں۔اور ان کے متعلق کسی قسم کی کوتاہی کو ذات الٰہی کے متعلق کوتاہی سمجھتے ہیں۔'' پھر آگے چل کر فرماتے ہیں:''بڑے بڑے شعائر الٰہیہ چار ہیں، قرآن حکیم، کعبۃ اللہ، نبی کریمؐ اور نماز۔'' شعائر اللہ کی مزید وضاحت، اگر اللہ نے چاہا، تو اسی سورہ مبارکہ کی آیت 158 کے تحت کی جائے گی۔

مَشْعَرٌ (1) نشانی یا علامت۔

(2) اسم الظرف ہے۔ شعور حاصل کرنے کی جگہ۔ ﴿فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ﴾ (2/البقرہ:198) ''پس جب تم لوگ فارغ ہو عرفات سے تو یاد کرو اللہ کو شعور حاصل کرنے کی محترم جگہ کے پاس۔''

اَلْمَشْعَرُ الْحَرَامُ: مشعر حرام ایک پہاڑ کا نام ہے، جو مزدلفہ میں واقع ہے، مشعر کے معنی شعار اور علامت کے ہیں اور حرام بمعنی محترم و مقدس کے ہے، معنی یہ ہیں کہ یہ پہاڑ شعار اسلام کے اظہار کے لیے ایک مقدس مقام ہے، اس کے آس پاس کے میدان کو مزدلفہ کہتے ہیں۔ (معارف القرآن، ج ا، ص ۴۸۸)۔ ''مشعر کے لفظی معنی نشانی یا علامت کے ہیں۔ اور حرام یعنی محترم یا مقدس اس کی تعظیمی صفت ہے۔ نام اُس خاص مقام کا بھی ہے، جو مزدلفہ کی دو پہاڑیوں کے درمیان ہے، اور خود سارے مزدلفہ کو بھی المشعر الحرام ہی کہتے ہیں۔'' (تفسیر ماجدیؒ۔ ۱۰۳)

(افعال) اِشْعَارًا خبر دینا۔ شعور دینا۔ آگاہ کرنا۔ ﴿فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا﴾ (18/الکہف:19) ''پس اسے چاہیے کہ وہ تمہارے لیے لائے اس میں سے کچھ کھانا اور چاہیے کہ وہ نرمی کرے اور ہرگز اطلاع نہ دے تمہاری کسی ایک کو۔''

ترکیب يُخٰدِعُوْنَ فعل، اس میں جمع مذکر غائب کی ضمیر فاعل ہے۔ لفظ اَللّٰهَ منصوب ہونے کی وجہ سے مفعول اول ہے اور وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مفعول ثانی ہے۔ آگے 'وَ' حالیہ ہے اور 'مَا' نافیہ ہے۔ مَا يَخْدَعُوْنَ منفی جملہ ہے جس کا استثنیٰ آگے اِلَّا سے بیان ہوا ہے اور یہ تاکید کے لیے ہے۔ یہ بھی بات میں زور پیدا کرنے کا ایک انداز ہے۔ مثلاً اگر ہم کہیں کہ اللہ ہے، تو یہ ایک سادہ سی خبر ہے۔ مگر جب ہم کہتے ہیں کہ کوئی الٰہ نہیں ہے سوائے اللہ کے تو خبر وہی رہتی ہے لیکن بات کا لہجہ بالکل تبدیل ہو جاتا ہے۔ نوٹ کریں کہ یہاں يَخْدَعُوْنَ اَنْفُسَهُمْ (وہ لوگ اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں)، کہنے کے بجائے مَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ (وہ لوگ دھوکا نہیں دیتے مگر اپنے آپ کو) کہا گیا ہے۔ اَنْفُسَهُمْ مفعول بِہٖ ہے يَخْدَعُوْنَ کا۔ آگے 'وَ' عطف کا ہے اور مَا يَشْعُرُوْنَ عطف ہے جملہ مَا يَخْدَعُوْنَ پر۔ اس 'وَ' کو استئنافیہ اور حالیہ بھی مانا گیا ہے۔

ترجمہ	يُخٰدِعُوْنَ	اللّٰهَ	وَالَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا
البقرۃ:9	وہ لوگ دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں	اللہ کو	اور ان لوگوں کو جو	ایمان لائے

وَ	مَا يَخْدَعُوْنَ	اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ	وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٩﴾
حالانکہ	وہ لوگ دھوکہ نہیں دیتے	مگر اپنے آپ کو	اور نہ ہی وہ لوگ سمجھتے ہیں

نوٹ: 1 يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ: ''مخادعت کے معنی ہیں دھوکا دینے کی کوشش کرنا عام اس سے کہ وہ دھوکا کامیاب ہو سکے یا نہ ہو سکے۔ یہاں مخادعت کا لفظ بھی استعمال فرمایا ہے اور خدع کا لفظ بھی استعمال فرمایا ہے، جہاں لفظ کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے وہاں تو مخادعت استعمال ہوا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینے کی خواہش تو کوئی شخص اپنی حماقت کے سبب سے کر سکتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس کو دھوکا دے نہیں سکتا۔ برعکس اس کے خود ان کے لیے خدع کا لفظ استعمال ہوا ہے کیونکہ جو شخص خدا کو دھوکا دینے کا ارادہ کرتا ہے وہ اپنی اس کوشش میں تو ناکام رہتا ہے لیکن خود اپنے آپ کو وہ ضرور دھوکے میں ڈال دیتا ہے۔'' (تدبر قرآن، ج ا، ص ۱۱۸)

نوٹ: 2 وَمَا يَشْعُرُوْنَ: ''شعور کا لفظ کسی محسوس چیز کے ادراک کے لیے آیا کرتا ہے۔ یہاں اس لفظ کا استعمال اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ اگرچہ خدا کو دھوکہ دینے کی کوشش میں خود دھوکہ کھا جانا ایک محسوس ہونے والی چیز ہے لیکن یہ برخود غلط لوگ ہوشیاری و چالاکی کے زعم کے باوجود اتنے غبی

ہیں کہ اس حقیقت کا احساس نہیں کر رہے ہیں کیونکہ ابھی اس کا نتیجہ ان کے سامنے نہیں آیا ہے۔'' (تدبر قرآن، ج۱، ص۱۱۹)

آیت: 10

﴿ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌۢ ۙ بِمَا كَانُوۡا یَكۡذِبُوۡنَ ۝۱۰ ﴾

قُلُوۡبٌ (ق ل ب): البقرۃ آیت 7 دیکھیں۔

م ر ض

(س) مَرَضًا: بیمار ہونا۔ ﴿ وَاِذَا مَرِضۡتُ فَهُوَ یَشۡفِیۡنِ ۝۸۰ ﴾ (26/الشعراء:80) ''اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے۔''

مَرَضٌ اور مَرۡضٌ: اسم ذات ہے۔ بیماری۔ اس کی دو قسمیں ہیں (ا) مرض جسمانی: مثلاً ﴿ وَّلَا عَلَی الۡمَرِیۡضِ حَرَجٌ ﴾ ''اور نہ بیمار آدمی پر الزام ہے۔'' (ب) مرض اخلاقی: مرض کا لفظ اخلاق کے بگڑنے پر بھی بولا جاتا ہے اس سے برے اخلاق مراد ہوتے ہیں مثلاً: شک، بزدلی، جہالت، حسد، نفاق وغیرہ۔ جس طرح جسمانی مرض انسان کے بدن کو کمزور کرتے ہیں اسی طرح برے اخلاق انسان کے دین کو کمزور کرتے ہیں مثلاً: آیت زیر مطالعہ اور ﴿ وَاِذۡ یَقُوۡلُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗۤ اِلَّا غُرُوۡرًا ۝۱۲ ﴾ (33/الاحزاب:12) ''اور جب کہا منافقوں نے اور ان لوگوں نے جن کے دلوں میں مرض ہے ہم سے وعدہ نہیں کیا اللہ نے اور اس کے رسول نے مگر فریب کا۔'' حضرت مولانا مفتی محمد شفیع 'مرض' کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''مرض اور بیماری اس کیفیت کو کہتے ہیں جس سے انسان اپنے اعتدال مناسب سے نکل جائے، اور اس کے افعال میں خلل پیدا ہو جائے، جس کا آخری نتیجہ ہلاکت اور موت ہوتا ہے۔ قرآن و حدیث کی اصطلاح میں اُن نفسانی کیفیات کو بھی مرض کہا جاتا ہے جو نفس انسانی کے کمال میں خلل انداز ہوں، اور جن کی وجہ سے انسان اپنے انسانی اعمال سے محروم ہوتا چلا جائے جس کا آخری نتیجہ روحانی موت و ہلاکت ہے۔'' (معارف القرآن، ج۱، ص: ۱۲۴)۔ صاحب تدبر قرآن فرماتے ہیں: ''مرض کا لفظ قرآن میں عموماً دو معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ایک کینہ اور حسد کے معنی میں۔ دوسرے نفاق کے معنی میں۔ جن مقامات میں یہ لفظ نفاق کے ساتھ استعمال ہوا ہے وہاں تو یہ واضح طور پر کینہ اور حسد کے معنی میں ہے لیکن جن مقامات میں یہ تنہا استعمال ہوا ہے۔ وہاں یا تو دونوں معانی اس کے اندر جمع ہیں یا قرینہ اس کے دونوں معانی میں سے کسی ایک معنی کو متعین کرتا ہے۔'' (تدبر قرآن، ج۱، ص۱۱۹)۔

مَرِیۡضٌ: ج: مَرۡضٰی۔ فَعِیۡلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ بیمار۔ ﴿ وَمَنۡ كَانَ مَرِیۡضًا اَوۡ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنۡ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ ﴾ (2/البقرۃ:185) ''اور جو مریض ہو یا سفر پر ہو تو گنتی ہے یعنی شمار پورا کرنا ہے دوسرے دنوں میں۔'' ﴿ وَلَا جُنَاحَ عَلَیۡكُمۡ اِنۡ كَانَ بِكُمۡ اَذًی مِّنۡ مَّطَرٍ اَوۡ كُنۡتُمۡ مَّرۡضٰۤی اَنۡ تَضَعُوۡۤا اَسۡلِحَتَكُمۡ ۚ ﴾ (4/النساء:102) ''اور کوئی گناہ نہیں ہے تم لوگوں پر اگر تم میں ہوں کچھ لوگ تکلیف میں بارش کے سبب سے، یا تم ہو بیمار، کہ تم کھول دو اپنے ہتھیار۔''

ز ی د

(ض) زِیَادَةً، زَیۡدًا، مَزِیۡدًا: (1) بڑھنا، زیادہ ہونا (لازم)۔ ﴿ وَاَرۡسَلۡنٰهُ اِلٰی مِائَةِ اَلۡفٍ اَوۡ یَزِیۡدُوۡنَ ۝۱۴۷ ﴾ (37/الصافات:147) ''اور ہم نے بھیجا اُنؑ کو ایک لاکھ لوگوں کی طرف یا وہ لوگ زیادہ ہوں گے۔''

(2) کسی چیز کے پورا ہونے پر اس میں اضافہ کرنا، بڑھانا، زیادہ کرنا (متعدی)۔ ﴿ اِنَّهُمۡ فِتۡیَةٌ اٰمَنُوۡا بِرَبِّهِمۡ وَ

زِدۡنٰهُمۡ هُدًى ﴿۱۳﴾ ﴾ (18 /الکہف:13) ''بیشک وہ کچھ نوجوان تھے جو ایمان لائے اپنے رب پر اور ہم نے بڑھایا ان کو بلحاظ ہدایت کے۔'' ﴿ وَادۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوۡلُوۡا حِطَّةٌ نَّغۡفِرۡ لَكُمۡ خَطٰيٰكُمۡ ؕ وَسَنَزِيۡدُ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۵۸﴾ ﴾ (2 /البقرہ:58) ''اور تم لوگ داخل ہو دروازے میں سجدہ کرنے والوں کی حالت میں اور کہتے ہوئے کہ گناہ معاف ہوں تو ہم بخش دیں گے تمہارے لئے تمہاری خطاؤں کو اور ہم زیادہ دیں گے احسان کرنے والوں کو۔''

نَزِدۡ مضارع مجزوم ہے۔ ﴿ مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ حَرۡثَ الۡاٰخِرَةِ نَزِدۡ لَهٗ فِىۡ حَرۡثِهٖ ۚ ﴾ (42 /الشوریٰ:20) ''جو ارادہ کرتا ہے آخرت کی کھیتی کا تو ہم اضافہ کرتے ہیں اس کے لئے اس کی کھیتی میں۔''

لَا تَزِدۡ فعل نہی ہے۔ تو مت بڑھا۔ ﴿ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيۡنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾ ﴾ (71 /نوح:24) ''اور تو مت بڑھا ظالموں کو مگر گمراہی میں۔''

زِدۡ فعلِ امر ہے۔ تو بڑھا۔ ﴿ اَوۡ زِدۡ عَلَيۡهِ وَرَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِيۡلًا ؕ ﴿۴﴾ ﴾ (73 /المزمل:4) ''یا آپ ﷺ اضافہ کریں اس پر اور ترتیل سے پڑھیں قرآن کو جیسا کہ ترتیل کا حق ہے۔'' ﴿ وَقُلۡ رَّبِّ زِدۡنِىۡ عِلۡمًا ﴿۱۱۴﴾ ﴾ (20 /طٰہٰ:114) ''اور آپؐ کہیے اے میرے رب تو بڑھا مجھ کو بلحاظ علم کے۔''

زِيَادَةٌ اسم ذات ہے۔ اضافہ، زیادتی۔ ﴿ اِنَّمَا النَّسِىۡٓءُ زِيَادَةٌ فِى الۡكُفۡرِ ﴾ (9 /التوبۃ:37) ''بیشک مہینے پیچھے کرنا اضافہ ہے کفر میں۔''

مَزِيۡدٌ اسم ذات ہے۔ اضافی چیز۔ ﴿ لَهُمۡ مَّا يَشَآءُوۡنَ فِيۡهَا وَلَدَيۡنَا مَزِيۡدٌ ﴿۳۵﴾ ﴾ (50 /قٓ:35) ''ان کے لئے اس میں ہے جو وہ لوگ چاہیں گے اور ہمارے پاس اور بھی چیزیں ہیں۔''

(افتعال) **اِزۡدِيَادًا** بڑھنا، زیادہ ہونا۔ ﴿ اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بَعۡدَ اِيۡمَانِهِمۡ ثُمَّ ازۡدَادُوۡا كُفۡرًا لَّنۡ تُقۡبَلَ تَوۡبَتُهُمۡ ۚ ﴾ (3 /آل عمران:90) ''بیشک جن لوگوں نے ناشکری کی اپنے ایمان کے بعد پھر وہ لوگ زیادہ ہوئے بلحاظ ناشکری کے تو ہرگز قبول نہیں کی جائے گی ان کی توبہ۔'' (نوٹ: 'ز ی د' مادہ جب باب افتعال میں استعمال ہوتا ہے تو افتعال کی 'ت' تبدیل ہو کر 'د' میں بدل جاتی ہے۔ اور یہ ایک استثنائی صورت ہے۔ باب افتعال کے خصوصی قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ ہے کہ باب افتعال کے 'ف' کلمہ پر اگر د، ذ، ز آ جائے تو باب کی 'ت' تبدیل ہو کر وہی حرف بن جاتی ہے۔ چنانچہ اس قاعدے کے لحاظ سے 'ت' کو 'ز' میں تبدیل ہونا چاہیے تھا لیکن خلاف قاعدہ 'ت'، 'د' میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس قاعدہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو آسان عربی گرامر از لطف الرحمٰن خان صاحب۔ حصہ سوم، صفحہ ۶۳)

اَللّٰهُ (ء ل ہ): آیت بسم اللہ دیکھیں۔

ع	ذ	ب

(ض) **عَذۡبًا** پیاس کی شدت کی وجہ سے کچھ کھانے کے قابل نہ رہنا۔ روکنا۔

(س) **عَذَبًا** پانی کا کائی دار ہونا۔

(ک) **عَذُوۡبَةً** پانی کا میٹھا اور خوشگوار ہونا۔ (ثلاثی مجرد سے کوئی فعل قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا)۔

عَذۡبٌ صفت ہے۔ خوشگوار پانی۔ میٹھا پانی۔ ﴿ وَهُوَ الَّذِىۡ مَرَجَ الۡبَحۡرَيۡنِ هٰذَا عَذۡبٌ فُرَاتٌ وَّ هٰذَا مِلۡحٌ اُجَاجٌ ۚ ﴾ (25 /الفرقان:53) ''اور وہی ہے جس نے ملائے دو سمندر، یہ خوشگوار شیریں ہے اور یہ نمکین تلخ ہے۔''

عَذَابٌ اسم ذات ہے۔ ہر وہ چیز جو انسان کو تکلیف دے، مشقت میں ڈالے۔ عذاب۔ ﴿ لَهُمۡ فِى الدُّنۡيَا خِزۡىٌ وَّ لَهُمۡ فِىۡ

الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١١٤﴾ ﴾(2/البقرہ:114)''ان کے لیے ہے دنیا میں رسوائی اور ان کے لیے ہے آخرت میں عظیم عذاب۔''

(تفعیل) تَعْذِيْبًا کسی کو تکلیف دینا۔عذاب دینا۔﴿ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ﴾(9/التوبہ:106) ''اور کچھ دوسرے لوگ موقوف رکھے گئے اللہ کے فیصلے کے لیے، چاہے وہ عذاب دے ان کو اور یا وہ توبہ قبول کرے ان کی۔''

مُعَذِّبٌ ج: مُعَذِّبُوْنَ۔اسم الفاعل ہے۔عذاب دینے والا۔﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿٣٣﴾ ﴾ (8/الانفال:33)''اور نہیں ہے اللہ ان کو عذاب دینے والا اس حال میں کہ وہ لوگ مغفرت طلب کرتے ہیں۔''

ء	ل	م

(س) اَلَمًا دکھی ہونا،تکلیف اٹھانا۔﴿ وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّھُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ ﴾(4/النساء:104)''اور تم لوگ سستی مت کرو اس قوم یعنی کافروں کی تلاش میں۔اگر تم لوگ تکلیف اٹھاتے ہو تو یقیناً وہ لوگ بھی تکلیف اٹھاتے ہیں جیسے تم لوگ تکلیف اٹھاتے ہو۔اور تم لوگ امید رکھتے ہو اللہ سے جس کی وہ لوگ امید نہیں رکھتے۔''

اَلِيْمٌ فَعِيْلٌ کا وزن ہے۔دردناک،تکلیف دینے والا۔عَذَابٌ اَلِيْمٌ (دردناک عذاب)۔

ک	و	ن

(ن) كَوْنًا کسی چیز کا اپنا وجود پانا۔کسی نئی بات کے وجود میں آنے کی خبر دینا۔واقع ہونا۔ہو جانا(مصدری معنی)۔كَانَ فعل ناقص بھی ہے اور فعل تام بھی۔فعل ناقص کی صورت میں جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے۔مبتدا حالت رفع میں ہی رہتا ہے جبکہ خبر حالت نصب میں آجاتی ہے۔مبتدا کو اس کا اسم اور خبر کو كَانَ کی خبر کہتے ہیں۔فعل تام کی صورت میں اس کا صرف اسم ہوتا ہے اور خبر نہیں ہوتی۔ایسی صورت میں كَانَ فعل ہوتا ہے اور اسم دراصل اس کا فاعل ہوتا ہے۔فعل اور فاعل مل کر بات مکمل کر دیتے ہیں۔ایسی صورت میں اس کا معنی ہوتا ہے''موجود ہونا'' یا ''پایا جانا۔''

<u>كَانَ کے معنوی استعمالات:</u> (1) ماضی: كَانَ سے ماضی مراد لیا جاتا ہے۔مثلاً ﴿ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً ﴾''یقیناً حضرت ابراہیمؑ اپنی ذات میں ایک پوری امّت تھے۔''کبھی اس سے ماضی بعید مراد لیا جاتا ہے جیسے فرمایا: ﴿ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ﴾''ابتدا میں سب لوگ ایک ہی طریقے پر تھے۔''(یاد کر لیجئے کہ فعل ماضی پر كَانَ داخل کرنے سے بھی ماضی بعید کے معنی پیدا ہوتے ہیں)۔کبھی اس سے ماضی استمراری (یعنی ماضی میں کسی کام کا مسلسل ہوتے رہنا) مراد لیا جاتا ہے۔ایسی صورت میں كَانَ کا مضارع پر داخل ہونا ضروری ہے۔جیسے آیت زیر مطالعہ میں فرمایا:﴿ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴾۔ماضی قریب کے لیے بھی كَانَ استعمال ہوتا ہے یہاں تک کہ بات کرتے ہوئے ایک لمحہ پہلے کے وقت کے لیے بھی اس کا استعمال جائز ہے۔جیسے فرمایا﴿ كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴾''ہم کیسے گفتگو کریں اس سے جو (ایک سیکنڈ پہلے) جھولے میں بچہ تھا۔''کبھی كَانَ ''ماضی غیر منقطع'' کے لیے استعمال ہوتا ہے یعنی ایک چیز جو ماضی میں تھی اس کا وجود یا حیثیت حال میں بھی ویسے ہی ہے۔مثلاً﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ ﴾ اس کے معنی ہیں كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ فِي عِلْمِ اللّٰهِ یعنی تم اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے ہی سے بہترین

امت تھے اور اب بھی بہترین امت ہو۔

(2) کَانَ کا استعمال جب اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ ہو تو اس سے دوام اور ازلیت کے معنی لیے جاتے ہیں یعنی وہ صفت ہمیشہ سے ہے، اب بھی ہے اور ہمیشہ رہے گی بالکل اسی طرح جیسے اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہے، اب بھی ہے اور ہمیشہ رہے گا: ﴿وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا﴾ ''اللہ تعالیٰ ہر چیز سے ازلاً ابداً خوب واقف ہے۔'' ﴿وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا﴾ ''اللہ کی ازلی ابدی قدرت ہر چیز کو محیط ہے۔''

(3) کَانَ کا استعمال جب کسی چیز کی ایسی صفت سے متعلق ہو جو اس میں موجود ہو تو معنی ہوتے ہیں کہ وہ صفت اس چیز کے ساتھ لازم وملزوم ہے اور بہت ہی کم اس سے جدا ہوتی ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَ كَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا﴾، ﴿وَ كَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا﴾، ﴿وَ كَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا﴾ ان آیات میں انسان کی جن صفات کا ذکر کیا گیا ہے ان سے مراد ہے کہ اکثر انسانوں کی یہ لازمی صفات ہیں اور شاذ و نادر ہی ان سے الگ ہوتی ہیں۔ اسی طرح شیطان کے متعلق فرمایا: ﴿وَ كَانَ الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا﴾، ﴿وَ كَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا﴾ یعنی یہ دونوں صفات خذول اور کفور، شیطان کی لازمی صفات میں سے ہیں۔ اسی طرح باطل کے متعلق فرمایا ﴿اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾ یعنی باطل ہمیشہ مٹ جاتا ہے اور کبھی قائم اور دائم نہیں رہتا۔

(4) ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہونے کے لیے بھی کَانَ کا استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً: ﴿وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ﴾ اکثر بزرگوں نے اس آیت کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ ابلیس انکار اور تکبر کر کے کافروں میں سے ہو گیا۔ ﴿فَاَتْبَعَهُ الشَّیْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِیْنَ﴾ ''تب پیچھے لگ گیا اس کے شیطان تو وہ ہو گیا گمراہوں میں سے۔'' (واللہ اعلم)

(5) کَانَ کبھی مستقبل کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿یَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِیْرًا﴾ ''وہ دن جس میں شر عمومی ہوگا (یعنی قیامت کا دن)۔'' (تلخیص از مفردات القرآن ولغات القرآن)

كَائِنٌ اسم الفاعل ہے۔ واحد مذکر۔ ہو جانے والا۔

كَائِنَةٌ ج: كَائِنَاتٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مؤنث۔ ہو جانے والی۔ کائنات سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کے امر کُنْ کے نتیجے میں ہو جانے والی تمام چیزیں۔

كُنْ فعل امر ہے۔ تو ہو جا۔ ﴿وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِیْنَ ۝﴾ (7/الاعراف 144:) ''اور تو ہو جا شکر کرنے والوں میں سے۔''

مَكَانٌ مَفْعَلٌ کے وزن پر اسم الظرف ہے۔ واقع ہونے کی جگہ۔ پھر مطلقاً جگہ۔ ٹھکانہ وغیرہ کے معانی میں آتا ہے۔ ﴿وَ اِذَا بَدَّلْنَاۤ اٰیَةً مَّكَانَ اٰیَةٍ ۙ﴾ (16/النحل:101) ''اور جب ہم بدلتے ہیں کسی آیت کو کسی آیت کی جگہ۔'' ﴿اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا﴾ (5/المآئدہ:60) ''وہ لوگ زیادہ برے ہیں ٹھکانے کے لحاظ سے۔''

مَكَانَةٌ مَفْعَلَةٌ کا وزن ہے۔ یہ بھی اسم ظرف کا وزن ہے۔ لفظی معنی ہیں مقام، جگہ۔ مجازاً (یعنی کسی لفظ کے غیر حقیقی معنی) اس سے ''حالت'' اور ''طریقہ'' مراد لیا جاتا ہے۔ ﴿قُلْ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ﴾ (6/الانعام:135) ''آپؐ کہہ دیجئے اے میری قوم والو! عمل کرتے رہو اپنے طریقے پر۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ''تو کہہ دے اے لوگو! تم کام کرتے رہو اپنی جگہ پر۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''آپؐ فرما دیجئے کہ اے میری قوم تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو۔'' (ترجمہ احسن البیان) یا فرمایا: ﴿وَ قُلْ لِّلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ ؕ﴾ (11/ھود:121) ''اور آپؐ اُن لوگوں سے کہہ دیجئے جو ایمان نہیں لاتے کہ تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

مَكِيْنٌ **فَعِيْلٌ** کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے **كَوْنٌ** مصدر سے۔ اس سے بھی مختلف معنی مراد لیے جاتے ہیں مثلاً معزز، مرتبہ والا، مضبوط، محفوظ اور مکان میں رہنے والا۔ ﴿ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ﴾ (23/مومنون:13) ''پھر ہم نے اُسے نطفہ بنایا ایک محفوظ مقام میں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ﴿ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۝ ﴾ (81/التکویر:20) ''جو قوت والا ہے عرش والے (اللہ) کے نزدیک بلند مرتبہ ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان) ﴿ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ۝ ﴾ (12/یوسف:54) ''تو اُن سے کہا گیا کہ تم آج سے ہمارے ہاں (ہر طرح) معزز اور معتبر ہو۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

(استفعال) **اِسْتِكَانَةٌ** وجود چاہنا۔ عاجزی کرنا۔ جھک جانا۔ ﴿ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ﴾ (3/آل عمران:146) ''اور نہ وہ کمزور ہوئے اور نہ وہ جھکے۔''

ك	ذ	ب

(ض) **كِذْبًا، كَذِبًا** جانتے بوجھتے کسی کو غلط خبر دینا۔ جھوٹ بولنا۔ دل اور زبان کی ہم آہنگی نہ ہونا۔ ﴿ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ﴾ (39/الزمر:60) ''اور قیامت کے دن تو دیکھے گا ان لوگوں کو جنہوں نے جھوٹ کہا اللہ پر کہ ان کے چہرے کالے ہیں۔'' كِذْبٌ، صِدْقٌ کی ضد ہے۔ کذب (جھوٹ)، قول (بات) میں بھی ہوتا ہے، فعل میں بھی اور عقیدے میں بھی۔ کوئی بات اگر حقیقت کے مطابق نہ ہو تو وہ جھوٹ ہے۔ اسی طرح اس کا استعمال افعال جوارح (جارحہ کی جمع۔ انسان کے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء) کے لیے بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ جب کوئی شخص جنگ کا حق ادا کر دے اور جو کچھ اس پر واجب تھا وہ کر دکھائے تو کہا جاتا ہے صَدَقَ فِي الْقِتَالِ یعنی وہ جنگ میں سچا رہا اور اگر اس کے خلاف ہو تو کہا جاتا ہے كَذَبَ فِي الْقِتَالِ وہ جنگ میں جھوٹا رہا یعنی بودا (بزدل، کمزور، پھُس پھُسا) ثابت ہوا۔ اسی طرح کذب کا استعمال ایسی بات کے لیے بھی ہوتا ہے جو بظاہر تو صحیح ہو لیکن عقیدے کے مطابق نہ ہو۔ جیسے فرمایا: ﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ﴾ بے شک منافق جھوٹے ہیں۔ منافق حضورؐ کی نبوت کی زبانی گواہی تو دیتے تھے لیکن چونکہ دل سے آپؐ کو اللہ کا رسول تسلیم نہیں کرتے تھے اسی لیے ان کو جھوٹا کہا گیا۔

كَذِبٌ اسم ذات ہے۔ جھوٹ، جھوٹی بات۔ ﴿ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ﴾ (40/المومن:28) ''اور اگر وہ جھوٹ بولنے والا ہے تو اس پر ہے اس کا جھوٹ۔''

كَاذِبٌ اسم الفاعل ہے۔ جھوٹ بولنے والا، جھوٹا۔ اوپر آیت المومن:28 دیکھیں۔

مَكْذُوْبٌ اسم المفعول ہے بمعنی جھوٹ۔ لفظی معنی ہے جو جھوٹ بولا گیا۔ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ کا معنی ہے جھوٹ کے بغیر۔ ﴿ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ۝ ﴾ (11/ھود:65) ''یہ وعدہ جھوٹا نہیں ہے۔''

كَذَّابٌ **فَعَّالٌ** کا وزن ہے۔ اسم المبالغہ۔ بہت زیادہ جھوٹ بولنے والا۔ بہت بڑا جھوٹا۔ ﴿ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝ ﴾ (38/ص:4) ''اور کہا انکار کرنے والوں نے کہ یہ بڑا جھوٹا جادوگر ہے۔''

(تفعیل) **تَكْذِيْبًا، كِذَّابًا** كِذَّابًا بھی باب تفعیل میں بطور مصدر استعمال ہوتا ہے۔ جھٹلانا۔ کسی کو جھوٹا قرار دینا چاہے وہ حقیقت میں سچا ہو یا واقعی جھوٹا ہو، دونوں حالتوں میں اس کا استعمال ہوتا ہے البتہ قرآن مجید میں اس کا استعمال اللہ تعالیٰ، اُس کے انبیاء اور اُن کی بتائی ہوئی باتوں اور اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کے لیے یہ استعمال ہوا ہے۔ ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴾ (2/البقرۃ:39) ''اور جن لوگوں نے انکار کیا اور جھٹلایا ہماری نشانیوں کو، وہ لوگ آگ والے ہیں۔'' ﴿ وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ۝ ﴾ (78/النباء:28) ''اور ہماری آیتوں کو انہوں نے بالکل جھٹلا دیا۔''

مُكَذِّبٌ ج: مُكَذِّبُوْنَ۔اسم الفاعل ہے ۔جھٹلانے والا۔﴿فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴾ (3/آل عمران:137)''تو سیر کرو زمین کی ، پس دیکھو کیسا تھا انجام جھٹلانے والوں کا۔''

ترکیب فِيْ قُلُوْبِهِمْ قائم مقام خبر مقدم ہے ،خبر مَوْجُوْدٌ محذوف ہے اور مَرَضٌ مبتداء مؤخر نکرہ ہے ۔فَزَادَ میں 'ف' نتیجہ ظاہر کرنے کے لیے ہے اور فعل زَادَ کا مفعول هُمْ کی ضمیر ہے جبکہ مَرَضًا تمیز ہے ۔لَهُمْ قائم مقام خبر مقدم ہے ،خبر وَاجِبٌ محذوف ہے اور مرکب توصیفی عَذَابٌ اَلِيْمٌ مبتداء مؤخر نکرہ ہے ۔بِمَا میں 'ب' سببیہ ہے اور 'ما' موصول ہے ۔كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ماضی استمراری ہے اور یہ پورا جملہ صلہ ہے 'ما' کا اور صلہ اور موصول مجرور ہیں 'ب' سببیہ کی وجہ سے اور جار مجرور مل کر متعلق خبر ہیں۔

ترجمہ	فِيْ قُلُوْبِهِمْ	مَّرَضٌ	فَزَادَ	هُمُ	اللّٰهُ
البقرۃ:10	ان کے دلوں میں	ایک مرض ہے	تو بڑھایا	ان کو	اللہ نے

مَرَضًا	وَلَهُمْ	عَذَابٌ اَلِيْمٌ	بِمَا	كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ⑩
مرض کے لحاظ سے	اور ان کیلئے	ایک دردناک عذاب ہے	اس سبب سے جو	وہ لوگ جھوٹ کہتے تھے

نوٹ :1 ''حضور کریم ﷺ کے خلاف منافقین کے دل میں عداوت کے جو جذبات پرورش پا رہے تھے اور حسد اور غصہ کی جو چنگاریاں چیخ رہی تھیں ان کو قرآن نے مرض سے تعبیر فرمایا ہے۔ جب وہ حضور کریم ﷺ اور اسلام کی روز افزوں عزت اور ترقی کو دیکھتے تو حسد و عناد کے شعلے بھڑک اُٹھتے ۔ اللہ تعالیٰ اُنہیں تنبیہ فرماتا ہے کہ اگر اُنہوں نے اس مرض کو یونہی بڑھنے دیا اور اِس کا علاج نہ کیا تو جس طرح جسمانی بیماریاں جسمانی موت کا باعث بنتی ہیں اسی طرح ان کا یہ مرض ان کے قلب و روح کا گلا گھونٹ کر رکھ دے گا۔'' (ضیاء القرآن ،ج ۱،ص: ۳۵)

نوٹ :2 حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فَزَادَهُمْ میں 'ف' کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''فَزَادَهُمْ میں حرف 'ف' بہت اہم ہے۔ یہ گویا اس کا اعلان ہے کہ آگے جس فعل کا ذکر آرہا ہے وہ محض بطور ثمرہ یا نتیجہ کے پیدا ہوا ہے۔حق تعالیٰ کی جانب اس قسم کے افعال کا انتساب صرف مجازی حیثیت رکھتا ہے۔یعنی یہ نہیں کہ اللہ نے خواہ مخواہ ان سے یہ افعال کرا چھوڑے ۔اس نے تو صرف وہ حالات و اسباب پیدا کر دیئے ،جن سے ان بدنصیبوں نے اپنے مرض کے بڑھانے کا کام لیا ، ورنہ اگر وہ اپنی عقل و ارادہ کا صحیح استعمال کرتے تو انہیں اسباب و حالات سے ہدایت بھی پا سکتے تھے۔ یہ سزا بھی جو کچھ ملی ٹھیک جرم کے مناسب حال ہی ملی ہے ۔اس قسم کے افعال کا حق تعالیٰ کی جانب انتساب ، قدیم صحیفوں کا بھی ایک محاورۂ عام ہے۔ ''اسرائیل نے مجھے نہ چاہا تب میں نے انہیں ان کے دلوں کی سرکشی کے بس میں چھوڑ دیا۔'' (زبور ۸:۱۰،۱۱) ''بس خدا نے منہ موڑ کر انہیں چھوڑ دیا کہ آسمانی فوج کو پوجیں'' (اعمال ۷: ۴۲) ''خدا نے ان کے دلوں کی خواہشوں کے مطابق اُنہیں ناپاکی میں چھوڑ دیا کہ ان کے بدن آپس میں بے حرمت کیے جائیں۔'' (رومیون ۱: ۲۴)۔(تفسیر ماجدیؒ ،ص ۔۱۰)۔

اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ صاحب فرماتے ہیں: ''یہاں حسد کے بڑھانے کے فعل کو اللہ تعالیٰ نے جو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے تو یہ درحقیقت اس سنت کو اس نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے جس کے تحت یہ فعل انجام پاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے سینہ کو ایمان و اسلام کی جلوہ گاہ بنانے کے بجائے اس کو بغض و حسد ہی کی پرورش گاہ بنائے رکھنا چاہتا ہے تو اس کے سامنے اسی طرح کے حالات و واقعات ظاہر ہوتے ہیں جو اس کی اسی بس بھری فصل کی آبیاری کرتے ہیں ۔ یہود کو مسلمانوں پر حسد تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کی نعمت کیوں دے دی ۔نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام اور اس کی برکتوں کی روز افزوں ترقی نے ان کے اس حسد کے اسباب میں اور زیادہ اضافہ کیا اور یہ اضافہ برابر ہوتا ہی رہا یہاں تک کہ اس چیز نے ان کو بالکل تباہ کر کے چھوڑا ۔(تدبر قرآن ،ج ۱،ص ۔۱۱۹)

آیت: 11-12

﴿وَ اِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ لَا تُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِۙ قَالُوۡۤا اِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ ۝۱۱ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ هُمُ الۡمُفۡسِدُوۡنَ وَلٰـكِنۡ لَّا يَشۡعُرُوۡنَ ۝۱۲﴾

اِذَا

یہ ظرف زمان ہے یعنی اس میں کام کرنے یا ہونے کے ''وقت'' کا مفہوم ہوتا ہے۔ عام طور پر اس کا ترجمہ ''جب، جب کبھی بھی، اس وقت، اچانک، ناگہاں'' سے کیا جاتا ہے۔ اِذَا کے ترجمے میں عموماً مستقبل کا مفہوم ہوتا ہے خواہ وہ ماضی پر آیا ہو جیسے فرمایا: ﴿اِذَا السَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ﴾ ''جب آسمان پھٹ جائے گا۔'' قسم کے بعد آئے تو حال کے لیے بھی آتا ہے جیسے فرمایا: ﴿وَالنَّجۡمِ اِذَا هَوٰى﴾ ''اور قسم ہے ستارے کی جب وہ گرنے لگے۔ اِذَا میں شرط کا مفہوم بھی ہوتا ہے۔ اِذَا شرطیہ کے بعد ہمیشہ فعل آتا ہے۔ اِذَا بعض دفعہ مفاجات یعنی کسی چیز کے اچانک پیش آنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اس وقت اس کے بعد اسم کا آنا ضروری ہوتا ہے۔ اسے اِذَا اَلۡفُجَائِيَّةُ کہتے ہیں۔ جیسے فرمایا: ﴿فَاِذَا هِىَ حَيَّةٌ تَسۡعٰى﴾ ''پس اچانک وہ دوڑتا ہوا سانپ بن گیا۔''

قِيۡلَ اور قَالُوۡا (ق و ل): البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔

ف س د

(ن۔ض) **فَسَادًا**: کسی چیز کا نظم بگڑ جانا، کسی چیز کا حد اعتدال سے تجاوز کر جانا، خراب ہونا۔ یہ صَلَاحٌ کی ضد ہے۔ ﴿وَ لَوۡ لَا دَفۡعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الۡاَرۡضُ﴾ (2/البقرۃ: 251) ''اور اگر نہ ہوتا اللہ کا دفع کرنا لوگوں کو، ان کے بعض کو بعض سے، تو زمین بگڑ جاتی یعنی اجتماعی نظام کا توازن بگڑ جاتا۔''

فَسَادٌ: اسم ذات ہے۔ نظم کی خرابی یا بگاڑ۔ ﴿ظَهَرَ الۡفَسَادُ فِى الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ بِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِى النَّاسِ﴾ (30/الروم: 41) ''ظاہر ہوئی نظم کی خرابی خشکی اور تری میں بسبب اس کے جو کمایا لوگوں کے ہاتھوں نے۔''

(افعال) **اِفۡسَادًا**: کسی چیز کا نظم بگاڑنا، کسی چیز کا توازن بگاڑنا، خراب کرنا۔ ﴿وَ قَالَ الۡمَلَاُ مِنۡ قَوۡمِ فِرۡعَوۡنَ اَتَذَرُ مُوۡسٰى وَ قَوۡمَهٗ لِيُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِ﴾ (7/الاعراف: 127) ''اور کہا سرداروں نے فرعون کی قوم میں سے، کیا تو چھوڑتا ہے موسیٰؑ اور ان کی قوم کو تاکہ وہ لوگ فساد مچائیں زمین میں۔''

مُفۡسِدٌ: ج: مُفۡسِدُوۡنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ نظم بگاڑنے والا۔ ﴿اِنَّ يَاۡجُوۡجَ وَمَاۡجُوۡجَ مُفۡسِدُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ﴾ (18/الکہف: 94) ''بیشک یاجوج اور ماجوج نظام بگاڑنے والے ہیں زمین میں۔''

ء ر ض

(ن) **اَرۡضًا**: کسی جگہ کا سرسبز اور خوش منظر ہونا۔

اَلۡاَرۡضُ: اسم ذات ہے۔ زمین۔ ''ارض ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جو انسان کے قدموں کے نیچے ہو'' (ماجدیؒ)

اِنَّمَا

اِنَّمَا ایک لفظ ہے اس میں اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے اور 'مَا' کافّہ ہے۔ جو اِنَّ کے عمل کو روک دیتا ہے۔ یہ حصر کا مفہوم دیتا ہے اور اس کے معنی ہیں۔ ''کچھ نہیں سوائے اس کے کہ'' یا ''بات اتنی ہے بس کہ'' اسی طرح اَنَّمَا ہے یعنی اَنَّ حرف مشبہ بالفعل اور 'مَا' کافّہ جو اَنَّ کے عمل کو روک دیتا ہے۔ اب ایک اہم بات نوٹ کریں اِنَّ اور مَا (یعنی اِنَّ مَا) دو لفظ ہیں۔ اس میں 'مَا' موصولہ ہے اور اِنَّ کا اسم ہے۔ اس کے معنی ہیں ''بے شک وہ جو کہ'' قرآن مجید

میں کہیں کہیں اِنَّ مَاکو ''اِنَّمَا'' بھی لکھا گیا ہے لیکن عبارت میں فرق صاف پتہ چل جاتا ہے۔مثلاً: ﴿اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ﴾ (المرسلات:7) ''جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جارہا ہے وہ ضرور واقع ہونے والی ہے۔'' یہاں 'مَا' موصولہ ہے اور اِنَّ کا اسم ہے۔اسی طرح اَنَّ مَا کو بھی اکٹھا ''اَنَّمَا'' لکھا گیا ہے۔مثلاً: ﴿وَ لَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِیْ لَھُمْ خَیْرٌ لِّاَنْفُسِھِمْ ؕ﴾ (آل عمران:178) ''اور جو لوگ کفر کررہے ہیں وہ یہ خیال نہ کریں کہ ہم جو اُنہیں مہلت دے رہے ہیں یہ اُن کے حق میں بہتر ہے۔'' یہاں بھی مَا کو موصولہ یا مصدریہ مانا گیا ہے۔یا فرمایا: ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ﴾ (الانفال:41) ''اور جان لو کہ جو غنیمت بھی تم حاصل کرو۔'' یہاں بھی 'مَا' اسم موصول ہے اور اَنَّ کا اسم ہے۔(واللہ اعلم)

ص ل ح

(ف) صَلَاحًا: نظم کا ٹھیک ہونا، درست ہونا، نیک ہونا۔صلاح کا لفظ کبھی فساد کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی سَیِّئَۃٌ (برائی) کے مقابلے میں۔ ﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَھَا وَ مَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِھِمْ وَ اَزْوَاجِھِمْ وَ ذُرِّیّٰتِھِمْ﴾ (13/الرعد:23) ''عدن کے باغات، وہ لوگ داخل ہوں گے اس میں اور ان کے باپ دادوں اور بیویوں اور ان اولادوں میں سے بھی جو نیکوکار ہوں گے۔''

صَالِحٌ: ج: صَالِحُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ نیک، اچھا، بھلا، اللہ تعالیٰ کے ایک پیغمبر کا نام جو قوم ثمود کی طرف بھیجے گئے تھے۔مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''صَالِح سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے خیالات اور عقائد میں، اپنی نیت اور ارادوں میں اور اپنے اقوال و افعال میں راہِ راست پر قائم ہو اور فی الجملہ اپنی زندگی میں نیک رویہ رکھتا ہو۔'' ﴿فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا﴾ (18/الکہف:110) ''پس جو امید رکھتا ہے اپنے رب سے ملاقات کی، تو اسے چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے۔'' ﴿وَ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صٰلِحًا﴾ (7/الاعراف:73) ''اور ثمود کی طرف ہم نے اُن کے بھائی صالح ؑ کو بھیجا۔''

صَالِحَۃٌ: ج: صَالِحَاتٌ۔ صَالِحٌ کا مونث۔قرآن مجید میں صرف صَالِحَاتٌ استعمال ہوا ہے۔یعنی نیکیاں، اچھے کام، نیک عورتیں۔مولانا عبدالرشید نعمانیؒ فرماتے ہیں: ''قرآن مجید میں صرف ایک مقام پر لفظ صَالِحَاتٌ نیک عورتوں کے لیے استعمال ہوا ہے ارشاد ہے ﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ﴾ ''پھر جو عورتیں نیک ہیں سو تابعدار ہیں۔'' اور باقی سب جگہ پر نیکیوں کے لیے آیا ہے۔(لغات القرآن، ج ۴، ص ۱۳)

صُلْحٌ: صلح۔امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''اَلصُّلْحُ کا لفظ خاص کر لوگوں سے باہمی نفرت کو دور کر کے امن و سلامتی پیدا کرنے پر بولا جاتا ہے چنانچہ اِصْطَلَحُوْا وَ تَصَالَحُوْا کے معنی باہم امن و سلامتی سے رہنے کے ہیں قرآن میں ہے: ﴿اَنْ یُّصْلِحَا بَیْنَھُمَا صُلْحًا ؕ وَ الصُّلْحُ خَیْرٌ ؕ﴾ (4/النساء:128) ''کہ آپس میں کسی قرارداد پر صلح کرلیں اور صلح ہی بہتر ہے۔'' (مفردات القرآن، ج ۲، ص ۵۹۰)

(افعال) اِصْلَاحًا: نظم کو درست کرنا، نظم کی خرابی کو دور کرنا، اصلاح کرنا، صلح کرانا، نیک ہونا، سنورنا۔ ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ وَ اَصْلَحُوْا ۚ﴾ (24/النور:5) ''سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کی اس کے بعد، اور (اپنی) اصلاح کی۔'' ﴿ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِہٖ وَ اَصْلَحَ﴾ (6/الانعام:54) ''پھر اُس کے بعد توبہ کرلے اور نیک ہوجائے۔'' امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کے کسی بندے کی اصلاح کرنا کے کبھی تو یہ معنی ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے فطرۃً صالح بنایا اور کبھی اس کے معنی اس سے خرابی اور نقص کو دور کرنے کے ہوتے ہیں۔چنانچہ قرآن میں ہے: ﴿وَ اَصْلَحَ بَالَھُمْ﴾ ''اور ان کی حالت

سنوار دی۔''﴿ یُّصۡلِحۡ لَکُمۡ اَعۡمَالَکُمۡ ﴾''وہ تمہارے لیے تمہارے اعمال درست کر دے گا۔''﴿ وَ اَصۡلِحۡ لِیۡ فِیۡ ذُرِّیَّتِیۡ ﴾''اور میرے لیے میری اولاد میں صلاح پیدا کر۔'' اور آیت کریمہ:﴿ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُصۡلِحُ عَمَلَ الۡمُفۡسِدِیۡنَ ﴾''بے شک اللہ تعالیٰ شریروں کے کام سنوارا نہیں کرتا''، کے معنی یہ ہیں کہ مفسد لوگ چونکہ عملی طور پر اللہ تعالیٰ کی مخالفت کر کے خرابیاں پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس کے برعکس ذات باری تعالیٰ ہر کام میں اصلاح کو پسند کرتی ہے۔لہٰذا یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے اعمال کو درست قرار دے۔''(مفردات القرآن، ج ۲، ص ۵۹۰)

مُصۡلِحٌ ج: مُصۡلِحُوۡنَ۔ اسم الفاعل ہے۔نظم کی خرابی دور کرنے والا۔اصلاح کرنے والا۔نیک۔﴿ وَمَا کَانَ رَبُّکَ لِیُهۡلِکَ الۡقُرٰی بِظُلۡمٍ وَّ اَهۡلُهَا مُصۡلِحُوۡنَ ﴾(11/ھود:117)''اور نہیں ہے تیرا رب کہ وہ ہلاک کرے بستیوں کو ظلم کے ساتھ،اس حال میں کہ ان کے لوگ اصلاح کرنے والے ہوں۔''

اَلَا یہ حروف تنبیہ میں سے ہے۔یہ وہ حروف ہیں جن کے ذریعے سے کسی کو خبردار کیا جاتا ہے۔عام طور پر اس کا ترجمہ''خبردار ہو جاؤ''''آگاہ ہو جاؤ''''سنو''اور''جان لو'' سے کیا جاتا ہے۔اَلَا تخصیص کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے حروف تخصیص وہ ہوتے ہیں جن سے کسی کو ترغیب دلائی جائے اور کسی کام پر آمادہ کیا جائے۔اس صورت میں اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے''کیوں نہیں'' اور یہ ہمیشہ فعل کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ اَلَا، استفتاح یعنی کلام کے شروع کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔کبھی حرف استفہام''اَ''اور''لَا'' نافیہ ساتھ آتے ہیں تب بھی اَلَا ہی بنتا ہے۔جس کے معنی ہوتے ہیں''کیا نہیں''۔ اِن دونوں میں فرق عبارت کے مفہوم سے کیا جاتا ہے۔مثلاً:﴿ اَلَا یَتَّقُوۡنَ ﴾(الشعراء:11)''کیا وہ پرہیزگاری نہ کریں گے۔'' یا فرمایا﴿ اَلَا تَسۡتَمِعُوۡنَ ﴾(الشعراء:25) کیا تم سن نہیں رہے۔'' یا فرمایا:﴿ اَلَا تُحِبُّوۡنَ اَنۡ یَّغۡفِرَ اللّٰہُ لَکُمۡ ﴾(النور:22)''کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہارے قصور معاف کر دے۔''(واللہ اعلم)

لٰکِنۡ اور لٰکِنَّ لٰکِنَّ حروف مشبہ بالفعل سے ہے۔ لٰکِنۡ اور لٰکِنَّ کے معنی میں کوئی فرق نہیں ہے اور دونوں کے معنی ہیں''لیکن''۔البتہ ان کے استعمال میں فرق ہے۔لٰکِنۡ اسم اور فعل دونوں پر آتا ہے اور غیر عامل ہے یعنی یہ اپنے اسم یا فعل مضارع میں کوئی اعرابی تبدیلی نہیں لاتا۔جبکہ لٰکِنَّ فعل پر نہیں آتا بلکہ صرف اسم پر آتا ہے اور یہ اپنے اسم کو نصب دیتا ہے۔

یَشۡعُرُوۡنَ (ش ع ر): البقرۃ آیت 9 دیکھیں۔

ترکیب 'وَ' استئنافیہ ہے۔ اِذَا ظرف زمان اور شرطیہ ہے۔قِیۡلَ ماضی مجھول ہے اور لَهُمۡ جار مجرور مل کر اس کا نائب الفاعل ہے۔ لَا تُفۡسِدُوۡا فعل نہی ہے اور فِی الۡاَرۡضِ اس کا متعلق فعل ہے۔قَالُوۡا فعل وفاعل اور یہ جملہ جواب شرط ہے۔نَحۡنُ مبتداء ہے اور اسم الفاعل مُصۡلِحُوۡنَ اس کی خبر ہے۔ اَلَا حرف تنبیہ ہے۔اِنَّهُمۡ میں هُمۡ کی ضمیر اِنَّ کا اسم ہے۔اس کی خبر اَلۡمُفۡسِدُوۡنَ معرف باللام ہے اس لئے درمیان میں ضمیر فاصل هُمۡ لائی گئی ہے۔لٰکِنۡ مخفف ہے لٰکِنَّ سے اور غیر عامل ہے۔لَا یَشۡعُرُوۡنَ مضارع منفی ہے۔

ترجمہ
البقرۃ:11-12

وَاِذَا قِیۡلَ	لَهُمۡ	لَا تُفۡسِدُوۡا	فِی الۡاَرۡضِ
اور جب بھی کہا جاتا ہے	ان لوگوں سے	تم لوگ فساد مت پھیلاؤ	زمین میں

قَالُوۡۤا	اِنَّمَا نَحۡنُ	مُصۡلِحُوۡنَ ﴿۱۱﴾	اَلَاۤ
وہ لوگ کہتے ہیں	ہم تو بس	اصلاح کرنے والے ہیں	آگاہ ہو جاؤ

اِنَّهُمۡ	هُمُ الۡمُفۡسِدُوۡنَ	وَلٰکِنۡ	لَّا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۲﴾
بے شک وہ لوگ	ہی فساد پھیلانے والے ہیں	اور لیکن	وہ لوگ سمجھتے نہیں

نوٹ: فساد فی الارض: حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''اس سے معلوم ہوا کہ قانون شریعت کے علاوہ کسی دین جاہلی پر قائم رہنا، اس کے طور طریقوں کی اشاعت کرنا فساد فی الارض کے مرادف ہے۔ امن عالم و نظام اقوام قائم جب ہی رہ سکتا ہے جب عملدرآمد قانون شریعت پر رہے۔ اس راہ سے انحراف، بلکہ سرمو تجاوز کرنا بھی دنیا کو بدنظمی، ابتری، کشت و خون اور ہر قسم کی طبقاتی جنگ و کشمکش کو دعوت دینا ہے۔ چنانچہ دنیا عملاً اس کا تجربہ بارہا کر چکی ہے، اور اس وقت بھی کر رہی ہے۔ اسلام کے اس پہلو پر کہ وہ نظام عالم کا بہترین ضامن ہے، اللہ مراتب میں اضافہ کرے، ہمارے زمانہ میں اقبال نے شاعرانہ زبان میں خوب ہی لکھ دیا ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص۱۱)

حضرت مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں: ''فساد فی الارض قرآن مجید کی ایک اصطلاح ہے جس کا مفہوم اس نظام حق کو بگاڑنا یا اس کو بگاڑنے کی کوشش کرنا ہے جو اللہ واحد کی عبادت اور اس کے احکام و قوانین کی اطاعت پر مبنی ہوتا ہے اور جس کی دعوت انبیائے کرامؑ لے کر آتے ہیں۔ قرآن کا دعویٰ یہ ہے کہ جس طرح اس کائنات کا نظام تکوینی اس وجہ سے قائم ہے کہ اس کے اندر ایک ہی رب قدیر و قہار کا ارادہ کارفرما ہے، اگر اس کے اندر کسی اور کا زور و اختیار بھی چلتا ہوتا تو یہ آن کے آن میں درہم برہم ہو کے رہ جاتا اسی طرح اس کے نظام تشریعی کے اندر اگر کسی اور کی عبادت و اطاعت کے جواز یا دخل کو تسلیم کر لیا جائے تو اس سے اس کا مزاج بالکل ہی بگڑ کے رہ جاتا ہے اور یہ بگاڑ سارے نظام تمدن کو خراب کر کے رکھ دیتا ہے۔ اس وجہ سے ہر وہ کوشش قرآن کے نزدیک فساد فی الارض کے حکم میں داخل ہے جو اس بگاڑ کا دروازہ کھولے اگرچہ یہ کوشش بظاہر اصلاح کے نیک ارادہ ہی کے ساتھ کیوں نہ کی جائے۔'' (تدبر قرآن، ج ۱، ص ۱۱۹)

آیت :13

﴿ وَ اِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا كَمَاۤ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوۡۤا اَنُؤۡمِنُ كَمَاۤ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ هُمُ السُّفَهَآءُ وَ لٰكِنۡ لَّا يَعۡلَمُوۡنَ ۝۱۳ ﴾

اِذَا: البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔　قِيۡلَ اور قَالُوۡا (ق و ل): البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔
اٰمِنُوۡا (ء م ن) اور دوسرے متعلقہ صیغوں کے لیے: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔

كَمَا مرکب ہے۔ ک تشبیہ و جر ہوتا ہے اور 'ما' کو موصول یا مصدریہ مانا جاتا ہے۔ 'ما' موصول ہونے کی صورت میں اگلا جملہ صلہ ہوتا ہے اور صلہ اور موصول مل کر محلاً حالت جر میں ہوتے ہیں۔ 'ما' مصدریہ ہونے کی صورت میں 'ما' اگلے فعل کے ساتھ مل کر مصدری معنی پیدا کر دیتا ہے اور محلاً حالت جر میں ہوتا ہے۔ كَمَا سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ مخاطب کو کسی کام کے کرنے پر آمادہ کیا جائے۔

اَلنَّاسُ: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔

س ف ه

(س) **سَفَاهَةً ، سَفَهًا** جسم کا ہلکا ہونا، بے وقوف ہونا، احمق ہونا، پست اخلاق والا ہونا۔ ﴿ وَ مَنۡ يَّرۡغَبُ عَنۡ مِّلَّةِ اِبۡرٰهٖمَ اِلَّا مَنۡ سَفِهَ نَفۡسَهٗ ؕ ﴾ (2/البقرۃ:130) ''اور کون منہ پھیرتا ہے ابراہیمؑ کے دین سے مگر وہ جو بے وقوف ہوا بلحاظ اپنے نفس کے۔''

سَفَاهَةٌ اسم ذات ہے۔ بے وقوفی، حماقت، بے عقلی۔ ﴿ اِنَّا لَنَرٰٮكَ فِىۡ سَفَاهَةٍ ﴾ (7/الاعراف:66) ''بیشک ہم خیال کرتے ہیں تم کو بے وقوفی میں۔''

سَفِيۡهٌ ج: سُفَهَاءُ۔ فَعِيۡلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ بے وقوف، کم عقل، جسے اپنے نفع و نقصان کی پوری تمیز نہ ہو۔ ﴿ فَاِنۡ كَانَ الَّذِىۡ عَلَيۡهِ الۡحَـقُّ سَفِيۡهًا اَوۡ ضَعِيۡفًا ﴾ (2/البقرۃ:282) ''پس اگر جس پر حق ہے وہ بے وقوف ہو یا ضعیف ہو۔''

﴿سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ ﴾(2/البقرۃ:142)''کہیں گے لوگوں میں سے بے وقوف لوگ، کس چیز نے پھیر دیا ان لوگوں کو ان کے قبلہ سے۔''

اَلَآ: البقرۃ آیت 12 دیکھیں۔	لٰكِنْ: البقرۃ آیت 12 دیکھیں۔	يَعْلَمُوْنَ (ع ل م): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

ترکیب

'وَ' عطف کا ہے۔ اِذَا ظرف زمان اور شرطیہ ہے۔ قِيْلَ، ماضی مجہول ہے۔ اور لَهُمْ جار مجرور مل کر اس کا نائب الفاعل ہے۔ اٰمِنُوْا فعل امر ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر (اَنْتُمْ) ہے۔ كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ متعلق فعل ہے اور اٰمَنَ کا فاعل النَّاسُ ہے۔ اَلنَّاسُ پر 'ال' عہد خارجی ہے یعنی ایسے لوگوں کی بات ہو رہی ہے جو کہنے اور سننے والے کے ذہنوں میں موجود ہیں۔ یعنی صحابہؓ۔ اگلا جملہ قَالُوْٓا ...... السُّفَهَآءُ تک جواب شرط ہے۔ اَنُؤْمِنُ میں اَ استفہامیہ ہے اور نُؤْمِنُ کا فاعل اس میں شامل ضمیر ہے اور كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ متعلق فعل ہے۔ اَلسُّفَهَآءُ فاعل ہے اٰمَنَ کا اور اس پر بھی 'ال' عہد خارجی ہے۔ یہاں بھی صحابہؓ ہی مراد ہیں۔ یعنی کفار صحابہؓ کو بے وقوف کہتے تھے (معاذ اللہ)۔ اَلَآ حرف تنبیہ ہے۔ اِنَّهُمْ میں هُمْ، اِنَّ کا اسم ہے اور اس کے بعد والا هُمْ ضمیر فاصل ہے، کیونکہ اِنَّ کی خبر اَلسُّفَهَآءُ معرف باللام ہے۔ لٰكِنْ مخفف ہے لٰكِنَّ سے اور غیر عامل ہے، آگے لَا يَعْلَمُوْنَ، مضارع منفی ہے۔

ترجمہ البقرۃ:13

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ	اٰمِنُوْا	كَمَآ	اٰمَنَ النَّاسُ
اور جب بھی کہا جاتا ہے ان لوگوں سے	تم لوگ ایمان لاؤ	جیسا کہ	ایمان لائے یہ لوگ (یعنی صحابہؓ)

قَالُوْٓا	اَنُؤْمِنُ	كَمَآ	اٰمَنَ السُّفَهَآءُ
وہ لوگ کہتے ہیں	کیا ہم ایمان لائیں	جیسے کہ	ایمان لائے یہ بیوقوف لوگ

اَلَآ	اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ	وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ⑬
آگاہ ہو جاؤ!	یقیناً وہ لوگ ہی بیوقوف ہیں	اور لیکن وہ جانتے نہیں ہیں

نوٹ:1 قَالُوْٓا فعل ماضی ہے۔ لیکن چونکہ بات اِذَا سے شروع ہوئی ہے۔ اس لئے قِيْلَ کی طرح قَالُوْٓا کا ترجمہ بھی حال میں کیا گیا ہے۔

نوٹ:2 حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ آیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''چھٹی آیت میں (یعنی آیت زیر مطالعہ میں) منافقین کے سامنے صحیح ایمان کا ایک معیار رکھا گیا کہ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ ''یعنی ایمان لاؤ جیسے ایمان لائے اور لوگ'' اس میں لفظ ''ناس'' سے مراد باتفاق مفسرین صحابہ کرامؓ ہیں، کیونکہ وہی حضرات ہیں جو نزولِ قرآن کے وقت ایمان لائے تھے، کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف وہی ایمان معتبر ہے جو صحابہ کرامؓ کے ایمان کی طرح ہو، جن چیزوں میں جس کیفیت کے ساتھ ان کا ایمان ہے اسی طرح کا ایمان دوسروں کا ہوگا تو ایمان کہا جائے گا، ورنہ نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کا ایمان ایک کسوٹی ہے، جس پر باقی ساری امت کے ایمان کو پرکھا جائے گا، جو اس کسوٹی پر صحیح نہ ہو اس کو شرعاً ایمان اور ایسا کرنے والے کو مومن نہ کہا جائے گا، اس کے خلاف کوئی عقیدہ اور عمل خواہ ظاہر میں کتنا ہی اچھا نظر آئے اور کتنی ہی نیک نیتی سے کیا جائے اللہ کے نزدیک ایمان معتبر نہیں، ان لوگوں نے صحابہ کرامؓ کو سفہاء یعنی بیوقوف کہا، اور یہی ہر زمانے کے گمراہوں کا طریقہ رہا ہے، کہ جو اُن کو صحیح راہ بتلائے اس کو بیوقوف جاہل قرار دیتے ہیں، مگر قرآن کریم نے بتلا دیا کہ درحقیقت وہ خود ہی بیوقوف ہیں کہ ایسی کھلی نشانیوں پر ایمان نہیں رکھتے۔'' (معارف القرآن، ج۱، ص:۱۲۵)

آیت:14

﴿وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَ اِذَا خَلَوۡا اِلٰی شَیٰطِیۡنِہِمۡ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّا مَعَکُمۡ ۙ اِنَّمَا نَحۡنُ مُسۡتَہۡزِءُوۡنَ ﴿۱۴﴾﴾

اِذَا: البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔

ل ق ی

(س) لِقَاءً: کسی کے سامنے آنا، ملنا، کسی کو پالینا، کسی چیز کا حس اور بصیرت سے ادراک کر لینا۔﴿وَ اِذَا لَقُوۡکُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَ اِذَا خَلَوۡا عَضُّوۡا عَلَیۡکُمُ الۡاَنَامِلَ مِنَ الۡغَیۡظِ ؕ﴾(3/آل عمران:119)''اور جب بھی تمہارے سامنے آتے ہیں کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب تنہا ہوتے ہیں تو انگلیاں چباتے ہیں تم پر غصہ سے۔''﴿اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ وَ اتَّبَعُوا الشَّہَوٰتِ فَسَوۡفَ یَلۡقَوۡنَ غَیًّا ﴿ۙ۵۹﴾﴾(19/مریم:59)''ان لوگوں نے ضائع کیا نماز کو اور پیروی کی خواہشات کی تو عنقریب وہ ملیں گے گمراہی سے۔''﴿بَلۡ ہُمۡ بِلِقَآیِٔ رَبِّہِمۡ کٰفِرُوۡنَ ﴿۱۰﴾﴾(32/السجدہ:10)''بلکہ وہ لوگ اپنے رب سے ملنے کا انکار کرنے والے ہیں۔''

یَلۡقَ: مضارع مجزوم ہے۔﴿وَ مَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِکَ یَلۡقَ اَثَامًا ﴿ۙ۶۸﴾﴾(25/الفرقان:68)''اور جو یہ کرے گا تو وہ ملے گا عذاب سے۔''

لَاقٍ: اسم الفاعل ہے۔ ملنے والا۔﴿اَفَمَنۡ وَّعَدۡنٰہُ وَعۡدًا حَسَنًا فَہُوَ لَاقِیۡہِ﴾(28/القصص:61)''تو کیا وہ جس سے وعدہ کیا ہم نے، ایک اچھا وعدہ، اور وہ ملنے والا ہے اس سے۔''

(افعال) اِلۡقَاءً: کسی کو کسی کے سامنے کرنا۔ کسی چیز کو اس طرح ڈالنا کہ وہ دوسرے کو سامنے سے نظر آئے۔ زمین پر پھینکنا۔﴿وَ لَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ اَلۡقٰۤی اِلَیۡکُمُ السَّلٰمَ لَسۡتَ مُؤۡمِنًا ۚ﴾(4/النساء:94)''اور تم لوگ مت کہو اس سے جس نے ڈالا تمہاری طرف سلام یعنی سلام کیا کہ تو مومن نہیں ہے۔''﴿قَالَ اَلۡقُوۡا ۚ فَلَمَّاۤ اَلۡقَوۡا سَحَرُوۡۤا اَعۡیُنَ النَّاسِ﴾(7/الاعراف:116)''موسیٰؑ نے کہا تم لوگ ڈالو۔ پس جب ان لوگوں نے ڈالا تو انہوں نے جادو کیا لوگوں کی آنکھوں پر۔''﴿سَنُلۡقِیۡ فِیۡ قُلُوۡبِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوا الرُّعۡبَ﴾(3/آل عمران:151)''ہم ڈال دیں گے ان کے دلوں میں جنہوں نے کفر کیا رعب کو۔''﴿وَ مَا کُنۡتَ لَدَیۡہِمۡ اِذۡ یُلۡقُوۡنَ اَقۡلَامَہُمۡ﴾(3/آل عمران:44)''اور آپ ﷺ ان کے پاس نہیں تھے جس وقت وہ لوگ ڈال رہے تھے اپنے قلم یعنی قلم کے ذریعہ قرعہ نکال رہے تھے۔'' اس میں یُلۡقُوۡنَ مضارع ہے لیکن اِذۡ کی وجہ سے ماضی میں ترجمہ ہوگا۔

اَلۡقٰی اِلٰی ــــ قَوۡلًا کا مطلب ہے کسی سے بات کرنا جیسے فرمایا:﴿فَاَلۡقَوۡا اِلَیۡہِمُ الۡقَوۡلَ﴾(16/النحل:86)''تو وہ اُن سے کہیں گے۔''

اَلۡقٰی اِلٰی ــــ سَلَمًا کا مطلب ہے کسی کے سامنے عاجزی ظاہر کرنا، اطاعت کا اقرار کرنا۔ جیسے فرمایا:﴿وَ اَلۡقَوۡا اِلَی اللّٰہِ یَوۡمَئِذِ ۣالسَّلَمَ﴾(16/النحل:87)''اور آپڑیں اللہ کے آگے اُس دن عاجز ہو کر۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)

اَلۡقٰی اِلٰی ــــ مَوَدَّۃً کا مطلب ہے کسی سے دوستی بڑھانا۔ جیسے فرمایا:﴿تُلۡقُوۡنَ اِلَیۡہِمۡ بِالۡمَوَدَّۃِ﴾(60/الممتحنۃ:1)''تم اُن کو دوستی کا پیغام بھیجتے ہو۔''

اُلْقِيَ ماضی مجہول ہے۔﴿ فَلَوْ لَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ ﴾(43/الزخرف:53)''تو کیوں نہیں ڈالے گئے انؑ پر کنگن سونے کے۔''

اَلْقِ فعل امر ہے۔تو ڈال۔﴿وَاَلْقِ مَافِيْ يَمِيْنِكَ﴾(20/طٰہٰ:69)''اور تو ڈال جو تیرے داہنے ہاتھ میں ہے۔''۔اس کی جمع اَلْقُوْا آتی ہے۔اوپر دیکھیں الاعراف:116۔

فَلْيُلْقِ فعل امر غائب ہے۔چاہیے کہ وہ ڈالے۔﴿ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ ﴾ (20/طٰہٰ:39)''کہ تو (یعنی موسیٰؑ کی والدہ) رکھ دے انؑ کو تابوت میں، پھر تو رکھ دے اس کو دریا میں، پھر دریا کو چاہیے کہ وہ ڈال دے اس کو ساحل پر۔''نوٹ کرلیں کہ فَلْيُلْقِ میں لام امر ساکن ہوگیا ہے۔جبکہ لام کَیْ ساکن نہیں ہوتا۔

مُلْقٍ ج: مُلْقُوْنَ، مُلْقِيْنَ۔اسم الفاعل ہے۔ڈالنے والا۔ ﴿ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴾ (26/الشعراء:43)''کہا ان سے موسیٰؑ نے کہ تم لوگ ڈالو جو تم ڈالنے والے ہو۔''

مُلْقِيَةٌ ج: مُلْقِيَاتٌ۔ مُلْقٍ کی مؤنث ہے۔ڈالنے والی۔﴿ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ﴾(77/المرسلت:5)''پھر (دلوں میں خدا کی) یاد ڈالتی ہیں۔''(ترجمہ تفہیم القرآن)

(تفعیل) **تَلْقِيَةٌ** کسی کے سامنے پھینکنا۔دینا۔اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہو تو معنی ہوتے ہیں کسی کو وحی کرنا اور عطا کرنا۔﴿ فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَ لَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّ سُرُوْرًا ﴾(76/الدھر:11)''تو بچایا ان کو اللہ نے اس دن کے شر سے اور عطا کی ان کو تازگی اور سرور۔''

يُلَقّٰى مضارع مجہول ہے۔﴿وَ مَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴾(41/حٰمٓ السجدہ:35)''اور نہیں دی جاتی (یہ صفت) مگر بڑے نصیبے والوں کو۔''

(مفاعلہ) **مُلَاقَاةٌ اور لِقَاءٌ** ایک دوسرے کے سامنے آنا۔ایک دوسرے سے ملنا۔ملاقات کرنا۔﴿ فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴾(52/الطور:45)''تو آپؐ چھوڑ دیں ان کو یہاں تک کہ وہ لوگ ملاقات کریں اپنے اس دن سے جس میں وہ بے ہوش ہوں گے۔''

مُلَاقٍ ج: مُلٰقُوْنَ۔اسم الفاعل ہے ۔ملاقات کرنے والا۔﴿ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴾(69/الحاقۃ:20) ''بیشک مجھے گمان تھا کہ میں ملاقات کرنے والا ہوں اپنے حساب سے۔''﴿وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ﴾ (2/البقرہ:223)''اور بچو اللہ سے یعنی اس کی ناراضگی سے اور جان لو کہ تم لوگ ملاقات کرنے والے ہو اس سے۔''

تِلْقَاءٌ تِفْعَالٌ کا وزن ہے۔علمائے کرام نے بتایا ہے کہ اس وزن پر عربی میں دو ہی الفاظ آتے ہیں، ایک تِبْيَانٌ اور دوسرا تِلْقَاءٌ۔تِلْقَاءٌ کے متعلق ایک رائے یہ ہے کہ یہ لَقِيَ يَلْقٰى کے متعدد مصادر میں سے ایک مصدر ہے۔دوسری رائے یہ ہے کہ یہ باب مفاعلہ کا ظرف ہے یعنی ملاقات کی جگہ یا سمت۔صاحبؒ لغات القرآن فرماتے ہیں:تِلْقَاءَ طرف،لِقَاءٌ سے،جس کے معنی ملاقات کرنے کے ہیں۔اسم ہے۔ملاقات کرنے اور آمنے سامنے ہونے کی جگہ کو تِلْقَاءَ کہتے ہیں اور اسی اعتبار سے طرف اور جہت کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔(لغات القرآن،ج۲،ص:۱۸۰)''﴿تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ﴾ (7/الاعراف:47)''آگ والوں کی طرف۔''﴿ وَ لَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ ﴾(28/القصص:22)''اور جب موسیٰؑ مدین کی طرف ہو لیے۔''فَعَلَ الْاَمْرَ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِهٖ کا مطلب ہوتا ہے کہ اس نے اس کام کو خود بخود،بغیر کسی کے مجبور کیے ہوئے،اپنے جی سے کیا۔جیسے فرمایا:﴿ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ﴾(10/یونس:15)''آپؐ کہہ دیجیے میں یہ نہیں کرسکتا کہ اس میں اپنے جی سے ترمیم کردوں۔''(ترجمہ ماجدیؒ)

(تفعّل) **تَلَقِّیْ** بتکلّف کسی کے سامنے آنا۔شوق اور رغبت کے ساتھ کسی کا استقبال کرنا اور اُس کو قبول کرنا (معارف القرآن)۔ بتکلّف کسی سے کچھ حاصل کرنا۔سیکھنا۔﴿ فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ ﴾(2/البقرہ:37)''تو سیکھے آدمؑ نے اپنے رب سے کچھ کلمات۔'' ﴿ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ﴾(21/الانبیاء:103)''ان لوگوں کو غمگین نہیں کرے گی بڑی گھبراہٹ اور استقبال کریں گے ان کا فرشتے۔''

مُتَلَقِّیْ اسم الفاعل ہے۔ لینے والا۔اس کا تثنیہ مُتَلَقِّيَانِ (دو لینے والے) قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے۔﴿ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ﴾(50/ق:17)''جس وقت دو لینے والے جا لیتے ہیں ایک دائیں طرف اور ایک بائیں طرف بیٹھا ہوا ہے۔''(ترجمہ احسن البیان)

تُلَقّٰى مضارع مجہول ہے۔اصل میں تُتَلَقّٰى تھا۔ایک 'ت' حذف ہوگئی۔مطلب ہے اُسے سکھایا جاتا ہے۔﴿ وَ اِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ﴾(27/النمل:6)''بے شک آپ ﷺ کو اللہ حکیم وعلیم کی طرف سے قرآن سکھایا جارہا ہے۔''(ترجمہ احسن البیان)

نوٹ: باب تفعیل میں مضارع مجہول کی بھی یہی شکل ہوتی ہے یعنی تُلَقّٰى لیکن ان معنوں میں یعنی کسی سے کچھ سیکھنا یا حاصل کرنا باب تفعّل سے ہی استعمال ہوتا ہے۔

(افتعال) **اِلْتِقَاءً** اہتمام سے ملنا۔﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ﴾(3/آل عمران:155)''بیشک جن لوگوں نے منہ موڑا تم میں سے جس دن ملیں دو فوجیں۔'' ﴿ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴾(55/الرحمٰن:19-20)''اس نے بہایا دو سمندروں کو وہ دونوں ملتے ہیں،ان کے مابین ایک پردہ ہے،وہ حد سے نہیں بڑھتے۔''

(تفاعل) **تَلَاقٍ** ایک دوسرے سے ملاقات کرنا۔باہم جمع ہونا۔اس کا مصدر تَلَاقٍ قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے۔﴿ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴾(40/مومن:15)''وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے وحی نازل فرماتا ہے۔تاکہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرائے۔''(ترجمہ احسن البیان)

اٰمَنُوْا (ء م ن) اور دوسرے متعلقہ صیغوں کے لیے البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ قَالُوْٓا (ق و ل): البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔

خ ل و

(ن) **خَلَاءً** اور **خَلْوَةً** کسی چیز،جگہ یا زمانہ کا خالی ہونا۔تنہا ہونا۔علیحدہ ہونا۔یہ لفظ ظرف زمان اور مکان دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اور زمانہ میں چونکہ گزرنے کا مفہوم ہوتا ہے اس لیے یہ گزرے ہوئے زمانے،گزرنے،ہوچکنے اور چھوڑ کر چلے جانے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔﴿ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ﴾(2/البقرہ:134)''وہ ایک امت تھی جو گزر چکی۔اس کے لئے جو اس نے کمایا اور تمہارے لئے ہے جو تم نے کمایا۔'' ﴿ وَ لَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾(2/البقرہ:214)''اور ابھی آیا نہیں تم لوگوں کے پاس ان لوگوں کی طرح یعنی ان کے جیسے حالات جو گزرے تم سے پہلے۔'' یہ فعل جب اِلٰى کے ساتھ آتا ہے تو معنی ہوتے ہیں تنہائی میں ملنا۔﴿ وَ اِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ﴾(2/البقرہ:76)''اور جب تنہائی میں ملتے ہیں ان کے بعض،بعض سے۔''

خَالٍ اسم الفاعل ہے گزرنے والا۔گزشتہ۔اس کی مؤنث خَالِيَةٌ آتی ہے اور اَيَّامٌ خَالِيَةٌ کا مطلب ہوتا ہے گزشتہ دن،

گزشتہ ایام۔ ﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓــًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ؀﴾ (69/الحاقۃ:24) ''کھاؤ اور پیو مزے کے ساتھ اُن اعمال کے بدلے میں جو تم گزشتہ ایام میں کر چکے ہو۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

(تفعیل) تَخْلِيَةٌ کسی کو گزرنے دینا۔ آزاد چھوڑنا۔ چھوڑ دینا۔

خَلُّوْا فعل امر کا صیغہ ہے۔ جمع مذکر حاضر۔ تم چھوڑ دو۔ ﴿فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ﴾ (9/التوبۃ:5) ''پس اگر وہ لوگ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو تم لوگ چھوڑ دو ان کا راستہ۔''

(تفعّل) تَخَلِّيْ بتکلّف خالی ہونا۔ ﴿وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ؀ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ؀﴾ (84/الانشقاق:3-4) ''اور جب زمین دراز کی جائے گی اور وہ ڈال دے گی جو اس میں ہے اور وہ خالی ہو جائے گی۔''

شَيٰطِيْنُ (ش ط ن) (ش ی ط): اَعُوْذُ بِاللّٰهِ دیکھیں۔ اِنَّمَا: البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔

ھ	ز	ء

(ف۔س) هُزُوًا ، هُزُءًا مذاق اُڑانا۔ کسی کا مذاق بنانا۔

هُزُوٌ اسم ذات بھی ہے۔ مذاق۔ ہنسی۔ مذاق کا ذریعہ۔ ﴿وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۡ﴾ (2/البقرۃ:231) ''اور تم لوگ مت بناؤ اللہ کی آیات کو مذاق کا ذریعہ۔''

(استفعال) اِسْتِهْزَاءٌ کسی سے مذاق کرنا۔ کسی چیز کو خلاف عقل اور عجیب سمجھ کر مذاق اُڑانا۔ ﴿اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ؀﴾ (9/التوبۃ:65) ''کیا اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسولؐ سے تم لوگ مذاق کرتے ہو۔''

مُسْتَهْزِءٌ ج: مُسْتَهْزِءُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ مذاق کرنے والا۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب ''وَ'' عطف کا ہے۔ اِذَا ظرف زمان اور شرطیہ ہے۔ فعل لَقُوْا کا فاعل اس میں شامل ضمیر ھُمْ ہے اور اَلَّذِيْنَ اسم موصول اور آگے جملہ فعلیہ اٰمَنُوْا اس کا صلہ۔ صلہ اور موصول مل کر مفعول ہیں لَقُوْا کے۔ جملہ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بطور جواب شرط ہے اِذَا کا۔ اسی طرح سے فعل خَلَوْا کا فاعل بھی اس میں شامل ضمیر ھُمْ ہے اور اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ متعلق فعل کہلائے گا۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے اور نَا اس کا اسم۔ اس کی خبر محذوف ہے۔ اور مَعَكُمْ ظرف ہے اور اِنَّ کی محذوف خبر سے متعلق ہے۔ اِنَّمَا کلمہ حصر ہے۔ نَحْنُ مبتدا ہے۔ مُسْتَهْزِءُوْنَ اسم الفاعل ہے اور نَحْنُ کی خبر ہے۔

ترجمہ
البقرۃ:14

وَاِذَا	لَقُوا	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	قَالُوْٓا
اور جب بھی	وہ لوگ ملتے ہیں	ان لوگوں سے جو ایمان لائے	تو وہ کہتے ہیں

اٰمَنَّا ښ	وَاِذَا	خَلَوْا اِلٰى	شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ	قَالُوْٓا
ہم ایمان لائے	اور جب بھی	تنہائی میں ملتے ہیں	اپنے شیطانوں سے	تو کہتے ہیں

اِنَّا	مَعَكُمْ ۙ	اِنَّمَا نَحْنُ	مُسْتَهْزِءُوْنَ ؀
بیشک ہم	تمہارے ساتھ ہیں	ہم تو بس	مذاق کرنے والے ہیں

نوٹ آیت میں لفظ شَيٰطِيْنُ کے بارے میں حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''شیطان کا لفظ عربی میں بڑا وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ ہر سرکش اور ہر بھڑکانے والے کو شیطان کہتے ہیں۔ انسان، جنات، حیوانات سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہاں شیاطین سے مراد رؤساء یہود و منافقین لیے گئے ہیں جو اپنی سرکشی و طغیان کے لحاظ سے خود ہی شیطان بنے ہوئے تھے۔ نیز اُن کے کاہن جن کے یہ لوگ بہت معتقد تھے۔''

آیت:15

﴿ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴾

اَللّٰهُ (ء ل ہ): آیت بسم اللہ دیکھیں۔ يَسْتَهْزِئُ (ھ ز ء): البقرۃ آیت 14 دیکھیں۔

م د د

(ن) مَدَدًا مدد دینا۔

مَدًّا دراز کرنا، مہلت دینا، پھیلانا، کسی چیز کو لمبائی میں کھینچنا اور بڑھانا۔ اسی سے عرصۂ دراز کو مدت کہتے ہیں۔ ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ﴾ (25/الفرقان:45) ''کیا آپ ﷺ نے دیکھا نہیں اپنے رب (کی قدرت) کو کہ اس نے کیسے دراز کیا سائے کو۔'' ﴿ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴾ (19/مریم:79) ''ہم لکھ لیں گے جو وہ کہتا ہے اور ہم دراز کریں گے اس کے لئے عذاب جیسا کہ دراز کرنے کا حق ہے۔'' جب آنکھوں کے لیے اس کا استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے نظر اٹھا کر کسی کی طرف دیکھنا۔ ﴿ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ ﴾ (15/الحجر:88) ''مت ڈال اپنی آنکھیں اُن چیزوں پر جو برتنے کو دیں ہم نے اُن میں سے کئی طرح کے لوگوں کو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ لَا تَمُدَّنَّ فعل نہی کا صیغہ ہے اور یاد کر لیں کہ نّ ثقیلہ کا استعمال فعل نفی اور فعل نہی میں سے، فعل نہی کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔

مَدَدٌ مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ مدد۔ ﴿ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴾ (18/الکہف:109) ''اور اگر ہم لے آئیں اس کے جیسا بطور مدد کے۔''

مُدَّةٌ اسم ذات ہے۔ معین عرصہ۔ مدت۔ ﴿ فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ﴾ (9/التوبۃ:4) ''تو تم لوگ پورا کرو ان سے کیا ہوا وعدہ ان کی مدت تک۔''

مِدَادٌ اسم ذات ہے۔ سیاہی۔ روشنائی۔ ﴿ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ ﴾ (18/الکہف:109) ''اگر ہوتا سمندر سیاہی میرے رب کے فرمانوں کے لئے تو ختم ہو جاتا سمندر قبل اس کے کہ ختم ہوتے میرے رب کے فرمان۔''

مَمْدُوْدٌ اسم المفعول ہے۔ دراز کیا ہوا۔ بڑھایا ہوا۔ کثیر۔ ﴿ وَجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴾ (74/المدثر:12) ''اور میں نے بنایا اس کے لے بڑھایا ہوا مال (یعنی کثرت سے مال دیا)۔''

(افعال) اِمْدَادًا مدد کرنا۔ بوقت ضرورت دینا۔ حسب خواہش دینا۔ وقتاً فوقتاً دینا۔ ﴿ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴾ (26/الشعراء:133) ''اس نے مدد کی تمہاری چوپایوں سے اور بیٹوں سے۔'' ﴿ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴾ (52/الطور:22) ''اور ہم ان کو ہر طرح کے پھل اور گوشت جس چیز کو بھی اُن کا جی چاہے گا، خوب دیے چلے جائیں گے۔'' (ترجمہ تفہیم القرآن)

مُمِدٌّ اسم الفاعل ہے۔ مدد کرنے والا۔ ﴿ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ ﴾ (8/الانفال:9) ''کہ میں مدد کرنے والا ہوں تمہاری ایک ہزار فرشتوں سے۔''

(تفعیل) تَمْدِيْدًا کسی چیز کو پھیلانا۔

مُمَدَّدٌ — اسم المفعول ہے۔ پھیلایا ہوا۔ ﴿ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴾ (104/الھمزۃ:9) ''پھیلائے ہوئے ستونوں میں (یعنی بڑے بڑے لمبے ستونوں میں)۔''

ط	غ	ی

(ف) طُغْيَانًا — نافرمانی میں حد سے گزرنا۔ سرکشی کرنا۔ طَغَى الْمَاءُ کا مطلب ہے پانی میں طغیانی آجانا یعنی پانی کا بلند ہو کر اپنے کناروں سے باہر آجانا۔ ﴿ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴾ (20/طٰہٰ:24) ''آپؐ جائیں فرعون کی طرف بیشک اس نے سرکشی کی۔'' ﴿ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ﴾ (96/العلق:6) ''بیشک انسان سرکشی کرتا ہے۔''

طَاغٍ — ج: طَاغُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مذکر۔ سرکشی کرنے والا۔ حد سے گزرنے والا۔ ﴿ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴾ (51/الذریات:53) ''بلکہ وہ لوگ سرکشی کرنے والی قوم ہیں۔''

طَاغِيَةٌ — اسم الفاعل ہے۔ واحد مؤنث۔ سرکشی کرنے والی۔ حد سے گزرنے والی۔ ﴿ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ﴾ (69/الحاقۃ:5) ''سو ثمود تو ایک زور کی آواز سے ہلاک کر دیئے گئے۔''

لَا تَطْغَ — فعل نہی ہے۔ تو سرکشی مت کر۔ حد سے تجاوز مت کر۔ ﴿ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ﴾ (55/الرحمٰن:8) ''کہ تم لوگ حد سے تجاوز مت کرو ترازو میں یعنی تول میں۔''

طُغْيَانٌ — اسم ذات بھی ہے۔ حد سے بہت زیادہ تجاوز۔ بہت زیادہ سرکشی۔ ﴿ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴾ (10/یونس:11) ''تو ہم چھوڑ دیتے ہیں ان لوگوں کو جو امید نہیں رکھتے ہماری ملاقات کی کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔''

طَغْوٰى — طُغْيَانٌ سے اسم ہے۔ سرکشی، نافرمانی۔ ﴿ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ﴾ (91/الشمس:11) ''قوم ثمود نے اپنی سرکشی کی بنا پر تکذیب کی۔''

طَاغُوْتٌ — سرکشی کا ذریعہ۔ واحد، جمع، مذکر، مؤنث سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾ (16/النحل:36) ''اور ہم نے بھیجا ہے ہر امت میں ایک رسول کہ تم لوگ عبادت کرو اللہ کی اور تم لوگ بچو سرکشی کے ذریعوں سے۔'' امام راغبؒ لفظ 'طاغوت' کی وضاحت کرتے ہوئے مفردات القرآن میں فرماتے ہیں: ''طاغوت سے مراد ہر وہ شخص ہے جو حدود شکن ہو (یعنی حدود اللہ کو توڑنے والا ہو) اور ہر وہ چیز جس کی اللہ کے سوا پرستش کی جائے اسے طاغوت کہا جاتا ہے۔'' صاحبؒ مترادفات القرآن اسی لفظ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''طاغوت ہر وہ چیز ہے جس کی اللہ کے سوا غلامی اختیار کی جائے خواہ یہ کوئی نظام ہو یا کوئی شخصیت۔'' (مترادفات القرآن۔ ۵۸۷)۔ مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''طاغوت کا صحیح ترجمہ مشکل ہی ہے۔ اُردو میں اس کے لیے قریب ترین لفظ شیطان کا ہوسکتا ہے۔ اپنے عام و وسیع معنی میں عربی میں اس کا اطلاق ہر معبود باطل اور ہر سرکش پر ہوتا ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص:۱۳۸)۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ ہر وہ شخص جو اللہ کی نافرمانی میں حد سے گزرنے والا ہو وہ طاغوت ہے۔ اس اعتبار سے اس کا اطلاق کاہن اور غیب جاننے کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے پر ہوتا ہے جو اپنے جھوٹے دعوؤں سے لوگوں کو فریب دیتے ہیں۔ اس کا اطلاق ساحر پر بھی ہوتا ہے۔ اس کا اطلاق شیطان پر بھی ہوتا ہے کیونکہ اس نے سب سے پہلے اللہ کے احکام کی نافرمانی کی۔ اور وہ سب سے بڑا سرکش ہے۔ اس کا اطلاق بتوں اور تمام معبودان باطل پر بھی ہوتا ہے کیونکہ اِن کے ذریعے سے لوگ گمراہ ہوتے ہیں۔ اس کا اطلاق ہر اس شخص پر بھی ہوتا

ہے جو کسی گمراہ مذہب، غلط نظریے اور کسی بُرے عمل کا بانی اور کرتا دھرتا ہو۔ گویا تمام سرکشی کے ذرائع، طاغوت ہیں۔'' کسی کو طاغی (سرکش) کہنے کی بجائے اگر طاغوت (سرکشی) کہا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ انتہا درجے کا سرکش ہے۔ مثال کے طور پر کسی کو حسین کے بجائے اگر یہ کہا جائے کہ وہ حسن ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ خوبصورتی میں درجۂ کمال کو پہنچا ہوا ہے۔'' (تفہیم القرآن، ج ۴، ص: ۳۶۵)۔ مولانا مودودیؒ نے اس لفظ کی بہت خوبصورت تشریح کی ہے فرماتے ہیں: ''طاغوت لغت کے اعتبار سے ہر اُس شخص کو کہا جائے گا جو اپنی جائز حد سے تجاوز کر گیا ہو۔ قرآن کی اصطلاح میں طاغوت سے مراد وہ بندہ ہے جو بندگی کی حد سے تجاوز کر کے خود آقائی و خداوندی کا دم بھرے اور خدا کے بندوں سے اپنی بندگی کرائے۔ خدا کے مقابلے میں ایک بندے کی سرکشی کے تین مرتبے ہیں۔ پہلا مرتبہ یہ ہے کہ بندہ اُصولاً اس کی فرمانبرداری ہی کو حق مانے، مگر عملاً اس کے احکام کی خلاف ورزی کرے۔ اس کا نام فسق ہے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ اس کی فرمانبرداری سے اُصولاً منحرف ہو کر یا تو خود مختار بن جائے یا اس کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے لگے۔ یہ کفر ہے۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ مالک سے باغی ہو کر اس کے ملک اور اس کی رعیت میں خود اپنا حکم چلانے لگے۔ اس آخری مرتبے پر جو بندہ پہنچ جائے، اسی کا نام طاغوت ہے اور کوئی شخص صحیح معنوں میں اللہ کا مومن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ اس طاغوت کا منکر نہ ہو۔'' (تفہیم القرآن، ج ۱، ص: ۱۹۶)۔ اب قرآن مجید کی یہ آیت پڑھیے: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ ﴾ (4/النساء:60) ''اے نبیؐ! آپؐ نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اس کتاب پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور ان کتابوں پر جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں، مگر چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لیے طاغوت کی طرف رجوع کریں، حالانکہ انہیں طاغوت کا انکار کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔'' اس آیت مبارکہ سے آپ کو طاغوت کی ایک اور قسم بھی معلوم ہو گئی یعنی وہ بھی طاغوت ہے جو احکام الٰہی کے خلاف اپنے وضع کردہ قوانین کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلے کرے۔ مولانا مودودیؒ اس آیت یعنی النساء 60 کے تحت فرماتے ہیں: ''یہاں صریح طور پر ''طاغوت'' سے مراد وہ حاکم ہے جو قانون الٰہی کے سوا کسی دوسرے قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہو، اور وہ نظام عدالت ہے جو نہ تو اللہ کے اقتدارِ اعلیٰ کا مطیع ہو اور نہ اللہ کی کتاب کو آخری سند مانتا ہو۔'' مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اسی آیت میں طاغوت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''(طاغوت سے) یہاں مراد ہر غیر اللہ کی حکومت و اقتدار ہے۔'' طاغوت کے لفظ کی مندرجہ بالا وضاحت کے بعد اب قرآن مجید کی یہ آیت پڑھیے: ﴿ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ ﴾ (2/البقرۃ:256) ''اب جو کوئی طاغوت کا اِنکار کر کے اللہ پر ایمان لے آئے تو، اُس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا، جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔''

(افعال) اِطْغَاءً سرکشی پر اکسانا، ابھارنا، آمادہ کرنا۔ ﴿ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴾ (50/قٓ:27) ''اے ہمارے رب میں نے سرکشی پر نہیں اکسایا اس کو بلکہ وہ تھا دور کی گمراہی میں۔''

ع	م	ہ

(ف۔س) عَمَهًا فقدان بصیرت کی وجہ سے بھٹکنا۔ دل کا اندھا ہونا۔ حیران ہونا۔ حیرانگی کی وجہ سے تردّد میں پڑھنا۔ حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''عمہ اُس کیفیت کو کہتے ہیں کہ انسان کو راستہ سجھائی نہ دے اور وہ اِدھر اُدھر اندھوں کی طرح ٹٹولتا اور ہاتھ پاؤں مارتا پھرے۔ وحی الٰہی کی روشنی سے محرومی کے بعد انسان کی واقعی یہی حالت ہو جاتی ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص ۱۱)۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب لفظ اَللّٰہُ مبتداء اور یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے۔ وَ عطف کا ہے اور یَمُدُّھُمْ جملہ فعلیہ عطف ہے یَسْتَھْزِئُ پر۔ فِیْ طُغْیَانِھِمْ ، یَمُدُّھُمْ کا متعلق فعل ہے۔ جملہ فعلیہ یَعْمَھُوْنَ حال ہے یَمُدُّھُمْ میں ھُمْ ضمیر کا۔

ترجمہ	اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ	وَ	یَمُدُّھُمْ
البقرۃ:15	اللہ مذاق کرتا ہے اُن سے یعنی اللہ سزا دے رہا ہے اُنہیں اس مذاق کی	اور	وہ ڈھیل دیتا ہے ان کو

فِیْ طُغْیَانِھِمْ	یَعْمَھُوْنَ ﴿۱۵﴾
ان کی سرکشی میں	اور حالت یہ ہے کہ عقل کے اندھے ہیں

نوٹ:1 __آیت مبارکہ کے تراجم اور قاعدۂ مشاکلت:__ آیت زیر مطالعہ میں یَسْتَھْزِئُ کا ترجمہ ہمارے بعض بزرگوں نے تو اس لفظ کا ظاہری معنی (ہنسی، مذاق) لے کر کیا ہے اور بعض بزرگوں نے اس کا ترجمہ عربی کے ایک خاص اسلوب کی مناسبت سے کیا ہے جو اس آیت مبارکہ میں استعمال ہوا ہے۔ جن بزرگوں نے اس کا لفظی ترجمہ کیا ہے وہ یوں ترجمہ کرتے ہیں: ''اللہ ہنسی کرتا ہے اُن سے۔'' (شیخ الہندؒ)، ''اللہ بھی ان سے مذاق کرتا ہے۔'' (احسن البیان)، ''اللہ ان سے مذاق کرتا ہے۔'' (تفہیم القرآن) اور جن بزرگوں نے اس خاص اسلوب کی مناسبت سے ترجمہ کیا ہے وہ یوں ترجمہ کرتے ہیں: ''اللہ سزا دے رہا ہے انہیں اس مذاق کی'' (ضیاء القرآن)۔ معلوم ہوا کہ ہمارے بزرگوں نے دونوں طرح سے اس آیت مبارکہ کا ترجمہ کیا ہے۔ یہاں یہ بھی ضروری ہے کہ اس خاص اسلوب کی وضاحت کر دی جائے کیونکہ جن بزرگوں نے اس لفظ کا ظاہری ترجمہ کیا ہے انہوں نے بھی حاشیے میں اس اسلوب کی طرف اشارہ کیا ہے مثلاً ترجمہ شیخ الہندؒ کے حاشیے میں لکھا ہے ''تمسخر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس تمسخر کا بدلہ اور سزا اُن کو دے گا۔'' اور اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس اسلوب کی دوسری آیات پڑھتے وقت سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔ چنانچہ اس اسلوب کو ''مشاکلت'' کہتے ہیں۔ اس کی سادہ الفاظ میں وضاحت کرتے ہوئے صاحبؒ ضیاء القرآن اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں: ''اہل عرب میں یہ عام محاورہ ہے کہ جب کوئی کام کسی فعل کی سزا دینے کے لیے کیا جائے تو اس کی تعبیر بھی اسی لفظ سے کر دیتے ہیں جس لفظ سے اس فعل کی تعبیر کی گئی ہو جس پر سزا یا عتاب کیا جا رہا ہے مثلاً ﴿ وَ جَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا ﴾ یعنی بُرے فعل کی جزاء بھی اسی طرح بُری ہوا کرتی ہے۔ حالانکہ سزا جو عدل و انصاف کا عین تقاضا ہوتا ہے بُری نہیں ہوتی۔ یا ﴿ نَسُوا اللّٰہَ فَاَنْسٰھُمْ ﴾ اُنہوں نے خدا کو بھلا دیا اور خدا نے اُن کو بھلا دیا۔ حالانکہ خدا کی ذات بھول سے پاک ہے لیکن ان کے بھلانے پر جو سزا دی گئی اُس کو بھلانے سے تعبیر کیا گیا۔ اِسی طرح اِستہزاء پر منافقین کو جو سزا دی گئی اُس کو بھی استہزاء سے بیان کر دیا۔ کیونکہ یہ استعمال محاورۂ عرب کے عین مطابق تھا۔ اس لیے کفار جو قرآن پر اعتراض کرنے کے لیے کسی ادنیٰ سے بہانے کے متلاشی رہتے تھے اِس استعمال پر کوئی اعتراض نہ کر سکے۔'' اسی طرح حضرتؒ سورہ آل عمران کی آیت 54 ﴿ وَ مَکَرُوْا وَ مَکَرَ اللّٰہُ ؕ ﴾ کے تحت فرماتے ہیں: ''عربی میں کسی برے اور ناپسندیدہ فعل پر جو سزا دی جاتی ہے اسے اسی لفظ سے تعبیر کر دیتے ہیں اگرچہ وہ سزا کتنی مناسب اور قرین انصاف کیوں نہ ہو۔ مثلاً ﴿ وَ جَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا ﴾ یعنی برائی کا بدلہ برائی ہے اسی طرح حالانکہ برائی کی سزا برائی نہیں ہوتی بلکہ عین انصاف ہوا کرتی ہے یا مثلاً ﴿ فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْہِ ﴾ یعنی جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کر لو۔ حالانکہ زیادتی اور تعدّی کی روک تھام کرنا زیادتی اور ظلم نہیں بلکہ دین اور اخلاق کے تمام ضابطے اس کے درست ہونے کی تائید کرتے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی (آل عمران۔54) حضرت مسیحؑ کے قتل کرنے کی جو مکارانہ سازش ان یہودیوں نے کر رکھی تھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو ناکام بنانے کی جو تدبیر کی گئی اُسے مکر سے تعبیر فرما دیا اور اس میں کوئی نقص نہیں۔ ''حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ البقرہ کی آیت 193 ﴿ فَاِنِ انْتَھَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ﴾ کے تحت لکھتے ہیں: ''عُدْوَانَ، اس کے لفظی معنی زیادتی کے ہیں۔ یہاں سزا اور سزائے قتل کے معنی میں ہے۔ عربی اسلوب بیان میں ایک دستور یہ بھی ہے کہ جزاءِ عمل کے موقع پر بعینہٖ وہی لفظ بول دیا جاتا ہے جو خود اس عمل کے لیے ہوتا ہے۔ مثلاً مکر کے مقابلہ میں مکر ہی کا لفظ، کید کی سزا کے موقع پر لفظ کید کا استعمال، استہزاء کے معاوضہ میں لفظ استہزاء وقس علیٰ ہذا۔ اس صنعت کا نام مشاکلت ہے اور قرآن مجید نے عربی بلاغت کی دوسری صنعتوں کی طرح اس کا بھی بار بار استعمال کیا ہے، چنانچہ یہاں سزائے عدوان کے موقع پر

خود لفظ عدوان کا لانا اسی طرز پر ہے۔'' اور اسی طرح سورہ آل عمران کی آیت 54 ﴿ وَ مَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ ﴾ کے تحت فرماتے ہیں: ''عربی زبان میں ایک قاعدہ مشاکلت کا ہے۔ یعنی کسی فعل کی سزا یا جواب کو بھی بجنسہٖ اسی فعل کے لفظ سے ادا کیا جاتا ہے اور اس طرز ادا میں مطلق کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا۔ مثلاً کسی نے زید پر حملہ کیا، اور زید نے اس کا جواب دیا۔ تو عربی محاورہ میں یوں کہیں گے کہ اس نے زید پر حملہ کیا اور زید نے اس پر حملہ کیا حالانکہ زید کا ''حملہ'' مطلق نہ ہو گا۔ بلکہ صرف سزائے حملہ ہوگی یا زیادہ سے زیادہ ''جوابی حملہ'' یا کوئی مجھے ٹھگ لے اور میں اس سے انتقام لوں تو عربی میں پیرایہ ادا یہ ہوگا کہ اس نے مجھے ٹھگا۔ اور میں نے بھی اسے ٹھگ لیا۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ میری طرف سے ٹھگنے کی سزا ہی ملے گی۔ اس اصل کو ذہن نشین کر لینے کے بعد قرآن مجید کی اس قسم کی آیتوں سے کہ (۱) ﴿ وَ مَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ ﴾ انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی ''مکر'' کیا۔ (۲) ﴿ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ۝ وَّ اَكِيْدُ كَيْدًا ۝ ﴾ وہ ''کید'' سے کام لیتے ہیں اور میں بھی ''کید'' سے کام لیتا ہوں۔ (۳) ﴿ وَ جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ﴾ ''برائی'' کی سزا ویسی ہی ایک ''برائی'' ہے۔ (۴) ﴿ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ ﴾ وہ کہتے ہیں کہ ہم تو محض ہنسی کرتے ہیں۔ اللہ ان سے ''ہنسی'' کرتا ہے۔ (۵) ﴿ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ ﴾ جو تم پر زیادتی کرتا ہے، تم اس پر ''زیادتی'' کرو۔ (اسی اسلوب کی النساء کی 142 آیت بھی ہے۔ ﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ ﴾ (مرتب)۔ جو اشکال محض ترجمہ کی بنا پر پیدا ہوتا ہے وہ از خود ساقط ہو جاتا ہے۔ ان تمام مثالوں میں جوابی اور سزائی ''مکر'' نہ مکر ہے، نہ ''کید'' کید ہے۔ نہ ''سیئہ'' سیئہ ہے، نہ ''استہزاء'' استہزاء، نہ ''زیادتی'' زیادتی ہے۔ بلکہ ہر موقع پر مراد صرف سزائے مکر، سزائے کید، سزائے سیئہ، سزائے استہزاء، اور سزائے اعتداء ہے۔ تو اس جوابی و تعزیری مکر اللہ پر کوئی سوال ہی نہیں عائد ہوتا۔ لیکن اس کے علاوہ عربی میں مکر میں کوئی ذم کا پہلو لازمی طور پر ہے بھی نہیں۔ مکر محمود بھی ہوسکتا ہے۔ اور مکر مذموم بھی۔ اصل معنی صرف خفیہ تدبیر، گہری تدبیر یا انگریزی میں Plan کے ہیں۔ پس جس کسی ہندی نے اردو کے مکر و فریب پر قیاس کر کے مکر اللہ پر حرف گیری کی ہے، اس نے خود اپنی جہالت کا پردہ فاش کیا ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ۔ 169)

نوٹ:2 آیت زیرِ مطالعہ کی ترکیب میں بتایا گیا ہے کہ فِيْ طُغْيَانِهِمْ، يَمُدُّهُمْ سے متعلق ہے۔ اس کو يَعْمَهُوْنَ سے متعلق ماننے کی گنجائش بھی ہے۔ اس سے معنی میں جو باریک فرق پڑتا ہے اُسے پہلے سمجھ لیں۔ فِيْ طُغْيَانِهِمْ کو اگر يَمُدُّهُمْ کے ساتھ مانیں تو مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کی سرکشی میں ڈھیل دیتا ہے تاکہ وہ بھٹکتے رہیں۔ اور اگر اسے ہم يَعْمَهُوْنَ کے ساتھ مانیں تو مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ڈھیل دیتا ہے تاکہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔ لیکن حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں: ''جاننا چاہیے کہ آیت میں فِيْ طُغْيَانِهِمْ فعل يَمُدُّهُمْ کے متعلق ہے مگر تراجم دہلویہ جدیدہ میں اس کو يَعْمَهُوْنَ کے متعلق کر دیا (جس سے معنی بگڑ کر معتزلہ کے موافق اور اہل سنت کے خلاف اور استعمال اہل عرب کے مخالف ہو گئے) جو غلط ہے اور جاننے والے اس کو خوب جانتے ہیں۔ (تفسیر عثمانیؒ، ص ۵)۔ اسی طرح کی سورۂ اعراف کی آیت 186 بھی ہے جس میں فرمایا: ﴿ وَ يَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ ﴾ (الاعراف:186) ''اور اللہ چھوڑے رکھتا ہے اُن کو اُن کی شرارت میں سرگرداں۔''

نوٹ:3 اندھے پن کے لیے قرآن مجید میں عَمِيَ (ع م ی) عَمِهَ (ع م ہ) اور اَكْمَهَ (ک م ہ) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اندھا پن بھی دو طرح کا ہے۔ ایک ظاہری آنکھوں کا اندھا پن ہے اور دوسرا دل یا بصیرت کا اندھا پن ہے۔ اس مناسبت سے ان تینوں الفاظ میں کچھ بنیادی فرق ہیں۔ عَمِيَ کا لفظ ظاہری آنکھوں اور بصیرت، دونوں قسم کے اندھے پن کے لیے بولا جاتا ہے۔ مثلاً ظاہری آنکھوں کے اندھے پن کے لیے فرمایا: ﴿ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ﴾ (عبس:2) ''اس بات پر کہ اُنؐ کے پاس نابینا آیا'' یا فرمایا ﴿ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ ﴾ (الرعد:16) ''آپؐ کہیے کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہوسکتا ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) اور بصیرت کے اندھے پن کے لیے فرمایا ﴿ وَ حَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَ صَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَ صَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ﴾ (المائدۃ:71) ''اور گمان یہی کرتے رہے کہ وبال کچھ نہ پڑے گا سو اندھے اور بہرے ہو گئے پھر اللہ نے اُن پر رحمت سے توجہ فرمائی پھر بھی اُن میں کے بہت سے اندھے اور بہرے ہی رہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ حاشیے میں حضرتؒ فرماتے ہیں: ''عَمُوْا عَنِ الْهُدٰى وَ صَمُّوْا عَنْ سَمَاعِ الْحَقِّ'' یعنی ہدایت سے اندھے ہو گئے اور حق سننے سے بہرے ہو گئے۔'' یا فرمایا: ﴿ وَ مَآ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ﴾ (النمل:81) ''اور آپؐ اندھوں کو اُن کی گمراہی سے راستہ دکھانے والے نہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ بلکہ الحج کی آیت 46 میں بصارت اور دل، دونوں کے لیے تَعْمَى کا

لفظ استعمال ہوا ہے ﴿ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ﴾(الحج:46)''اصل یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوجایا کرتیں بلکہ دل جوسینوں میں ہیں وہ اندھے ہوجایا کرتے ہیں۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔قرآن مجید میں جہاں کہیں اَلْعَمٰی کی مذمت آئی ہے وہاں بصیرت کا اندھا پن مراد لیا گیا ہے،اور بصیرت کے اندھے پن سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص حق کو نہ پہنچانے اور شک اور شبہ میں مبتلا ہوجائے۔(واللہ اعلم)۔

عَمِہَ کا لفظ خاص دل یا بصیرت کے اندھے پن کے لیے استعمال ہوتا ہے۔اور بصیرت کی کمی کا لازمی نتیجہ حیرانی اور بھٹکنا ہے اس لیے یہ لفظ حیران ہونا اور بھٹکنا کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔آیت زیر مطالعہ۔

اَکْمَہَ کا لفظ پیدائشی اندھے پن کے لیے استعمال ہوتا ہے۔﴿ وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي ﴾(المائدۃ:110)''اور تم مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کردیتے تھے۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔

آیت 16:

﴿ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴾

ش ر ی

(ض) شِرَاءً سوداگری کرنا۔خرید وفروخت کرنا۔''گو شِرَاءٌ کے معنی خریدنے اور بیچنے دونوں کے ہیں لیکن بیشتر اس کا استعمال بیچنے ہی کے لیے ہوتا ہے۔''(لغات القرآن،ج ۳،ص ۲۷۴)۔﴿ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنفُسَهُمْ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴾(2/البقرہ:102)''اور کتنا برا ہے جوان لوگوں نے سودا کیا اپنے آپ کا۔کاش وہ لوگ جانتے ہوتے۔''

(افتعال) اِشْتِرَاءً اشتراء کا لفظ لغات اضداد میں سے ہے یعنی یہ لفظ دو متضاد معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔چنانچہ اس کا مطلب خریدنا بھی ہے اور بیچنا بھی۔قرآن مجید میں عام طور پر خریدنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے مثلاً آیت زیر مطالعہ میں خریدنے کے معنوں میں ہے یا فرمایا:﴿ وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِن مِّصْرَ ﴾(12/یوسف:21)''اور کہا اُس نے جس نے خریدا اُس کو مصر سے۔'' اس کے علاوہ بیچنے کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے مثلاً﴿ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنفُسَهُمْ ﴾(2/البقرہ:90)''بری ہے وہ چیز جس کے عوض میں انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔حاشیے میں حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں:''اشتر الغات اضداد میں سے ہے۔خریدنے اور فروخت کرنے دونوں کے معنی میں آتا ہے۔یہاں بیچنے کے معنی میں ہے الاشتراء ھٰهنا بمعنی البیع (معالم)معناہ باعوا (بیضاوی)''۔ان معنوں کے علاوہ اشتراء کا لفظ ایک کام کے بدلے دوسرے کام کو اختیار کرنے اور ایک چیز کو دوسری چیز سے بدل لینے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

> اَلضَّلٰلَۃَ (ض ل ل):الفاتحہ آیت 7 دیکھیں۔ اَلْھُدٰی اور مُھْتَدِیْنَ (ھ د ی):الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔

ر ب ح

(س) رَبْحًا نفع بخش ہونا۔یہ فعل لازم ہے۔آیت زیرِ مطالعہ۔

ت ج ر

(ض)(ن) تِجَارَۃً سوداگری کرنا۔

تِجَارَۃٌ اسم ذات بھی ہے۔سوداگری۔سرمایہ۔بیوپار۔آیت زیر مطالعہ۔

> کَانُوْا (ک و ن):البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔

ترکیب أُولٰٓئِكَ مبتداء ہے۔ اَلَّذِيْنَ موصول اور اِشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ، جملہ فعلیہ اس کا صلہ ہے۔ موصول اور صلہ مل کر پورا جملہ أُولٰٓئِكَ کی خبر ہے۔ رَبِحَتْ (واحد مونث غائب کا صیغہ) فعل اور تِجَارَتُهُمْ اس کا فاعل ہے، آیت مبارکہ کے اس حصے کا ترجمہ ''اُن کی تجارت نے اُن کو نفع نہ دیا'' کرنا غلط ہے کیونکہ اِس کی عربی یہ ہوتی فَمَا رَبِحَتْهُمْ تِجَارَتُهُمْ ۔ یہ عربی جملہ غلط ہے کیونکہ رَبِحَتْ فعل لازم ہے اور اِس کے ساتھ مفعول هُمْ نہیں آ سکتا چنانچہ صحیح ترجمہ ہوگا اُن کی تجارت نفع بخش نہ ہوئی (واللہ اعلم)۔ 'ما' نافیہ ہے اور كَانُوْا میں شامل هُمْ کی ضمیر كَانَ کا اسم ہے اور مُهْتَدِيْنَ اس کی خبر ہے اس لئے حالت نصب میں ہے۔ اِشْتَرَوُا دراصل اِشْتَرَوْا ہے۔ آگے ملانے کے لئے واو پر ضمہ (پیش) آئی ہے۔

ترجمہ	أُولٰٓئِكَ	الَّذِيْنَ	اشْتَرَوُا	الضَّلٰلَةَ	بِالْهُدٰى ۠	فَمَا رَبِحَتْ
البقرۃ:16	یہ لوگ ہیں	جن لوگوں نے	خریدا	گمراہی کو	ہدایت کے بدلے	تو نفع بخش نہ ہوئی

تِّجَارَتُهُمْ	وَمَا كَانُوْا	مُهْتَدِيْنَ ﴿١٦﴾
ان کی تجارت	اور وہ لوگ نہیں تھے	ہدایت پانے والے

نوٹ:1 __صلہ اور اس کا استعمال:__ عربی میں مفعول کے ساتھ صلہ کے استعمال کے متعلق ایک ابتدائی بات سمجھ لیں۔ آپ نے نوٹ کیا ہوگا کہ متعلق خبر اور متعلق فعل زیادہ تر مرکب جاری بن کر آتے ہیں۔ جیسے اَلرَّجُلُ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ۔ اس میں مرکب جاری فِي الْمَسْجِدِ متعلق خبر ہے۔ ضَرَبْتُ زَيْدًا بِالسَّوْطِ اس میں مرکب جاری بِالسَّوْطِ متعلق فعل ہے۔

اب نوٹ کریں کہ یہی حروف جارہ کبھی مفعول کے ساتھ آتے ہیں تو انہیں صلہ کہتے ہیں۔ جو مفعول صلہ کے بغیر آتے ہیں انہیں مفعول بنفسہٖ کہتے ہیں۔ مفعول پر صلہ آنے کی وجہ سے معنی میں کچھ فرق پڑتا ہے۔ اس بات کو اب چند مثالوں سے سمجھ لیں۔ سَئَلْتُ زَيْدًا۔ اس میں زَيْدًا مفعول ہے۔ اور بنفسہٖ آیا ہے۔ اس کا مطلب ہے میں نے زید سے پوچھا۔ سَئَلْتُ عَنْ زَيْدٍ۔ اب زید کے ساتھ عَنْ کا صلہ آیا ہے۔ اور اب مطلب ہوگا میں نے زید کے بارے میں پوچھا۔ قرآن مجید میں ہے۔ ﴿ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ ﴾ (2/البقرۃ:186) اس میں جس سے پوچھا جا رہا ہے، اس کیلئے ضمیر مفعولی ''کَ'' بنفسہٖ آئی ہے۔ اور جس کے بارے میں پوچھا جا رہا ہے اس کے لئے ضمیر مفعولی ''نِيْ'' ''عَنْ'' کے صلہ کے ساتھ آئی ہے۔ جبکہ عِبَادِيْ فاعل ہے۔ ترجمہ: ''اور جب میرے بندے آپ ﷺ سے میرے بارے میں پوچھیں۔''

غَفَرْتُ لِلْوَلَدِ كَذِبَهٗ۔ اس میں جس کو معافی دی جا رہی ہے وہ اَلْوَلَدَ ہے اور اس کے ساتھ لام کا صلہ آیا ہے اور جو غلطی معاف کی جا رہی ہے وہ كَذِبَهٗ ہے۔ اور یہ بنفسہٖ آیا ہے۔ اس کا مطلب ہے میں نے لڑکے کے لئے اس کا جھوٹ معاف کیا۔ قرآن مجید میں ہے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ﴾ (39/الزمر:53) اس میں جو غلطی معاف کی جا رہی ہے۔ وہ اَلذُّنُوْبَ ہے جو بنفسہٖ آئی ہے۔ جَمِيْعًا (کل کے کل) حرف تاکید ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ دوسری جگہ ہے۔ ﴿ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ﴾ (61/الصّف:12) ''اس میں جس کو معافی دی جا رہی ہے اس کے لئے ضمیر مفعولی ''كُمْ'' کے ساتھ لام کا صلہ آیا ہے۔ اور جو غلطی معاف کی جا رہی ہے وہ ذُنُوْبَكُمْ ہے جو بنفسہٖ ہے۔ اس کا مطلب ہے وہ معاف کر دے گا تم لوگوں کے لئے تمہارے گناہ۔ ایک اور جگہ ہے۔ ﴿ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ ﴾ (71/نوح:4) ''اب مطلب ہوگیا کہ وہ معاف کر دے گا تمہارے لئے تمہارے گناہوں میں سے کچھ۔''

نوٹ:2 کوئی مفعول کب بنفسہٖ آتا ہے اور کب کس صلہ کے ساتھ آتا ہے۔ اس بات کا علم ہمیں ڈکشنری سے ہوتا ہے۔ فعل اِشْتَرٰى - يَشْتَرِيْ (افتعال) کے متعلق نوٹ کر لیں کہ خریدی جانے والی چیز کا ذکر اس میں بنفسہ آتا ہے۔ اور قیمت کے طور پر جو چیز دی جاتی اس پر بِ کا صلہ آتا ہے۔ آیت زیر مطالعہ میں اَلضَّلٰلَةَ بنفسہٖ آیا ہے۔ اس لئے یہ چیز ہے جو خریدی گئی یعنی حاصل کی گئی۔ جبکہ اَلْهُدٰى پر بِ کا صلہ آیا ہے۔ اس لئے یہ وہ قیمت ہے جو ادا کی گئی۔ (واللہ اعلم)

آیت:17

﴿ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِی اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَ تَرَكَهُمْ فِیْ ظُلُمٰتٍ لَّا یُبْصِرُوْنَ ۝۱۷ ﴾

م ث ل

(ن) مَثْلًا — کسی کے جیسا ہونا۔ مانند ہونا۔

(ض) مُثْلَةً — مثالی سزا دینا۔ قتل کے بعد ناک کان وغیرہ اعضاء کاٹ دینا۔

(ک) مُثُوْلًا — فضیلت والا ہونا۔ کسی کے سامنے سیدھا کھڑا ہونا۔ ((مَنْ اَحَبَّ اَنْ یَّمْثُلَ لَهُ الرِّجَالُ فَلْیَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ)) (حدیث)۔ ''جو پسند کرتا ہے کہ کھڑے رہیں اس کے لئے لوگ، تو اسے چاہیے کہ وہ بنا لے اپنا ٹھکانہ آگ میں۔''

مِثْلٌ — اسم صفت ہے۔ مانند۔ مشابہ۔ ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ ﴾ (2/البقرہ:275) ''یہ اس لئے کہ ان لوگوں نے کہا کچھ نہیں سوائے اس کے کہ خرید و فروخت سود کی مانند ہے۔''

مَثَلٌ — ج: اَمْثَالٌ۔ اسم ذات ہے۔ اس سے مراد ہے ایسی بات جو کسی دوسری بات سے ملتی جلتی ہو اور ان میں سے کسی ایک کے ذریعے دوسری کا مطلب واضح ہو جاتا ہو۔ مَثَل مندرجہ ذیل معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(1) مثال یا مشابہت بیان کرنے کے لیے: ﴿ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ ﴾ (22/الحج:73) ''اے لوگو ایک مثال دی جاتی ہے تو دھیان سے سنو اس کو۔'' ﴿ وَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ۝۲۵ ﴾ (14/ابراہیم:25) ''اور اللہ مثالیں دیتا ہے لوگوں کے لئے شاید وہ لوگ یاددہانی حاصل کریں۔''

(2) حالت، صفت یا کیفیت بیان کرنے کے لیے۔ مثلاً: ﴿ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ ﴾ (16/النحل:60) ''بری حالت ہے اُن لوگوں کی جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ''جو نہیں مانتے آخرت کو اُن کی بری مثال ہے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''اُن لوگوں کے لیے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے بری صفتیں ہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ یا فرمایا: ﴿ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ ﴾ (47/محمد:15) ''جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا جاتا ہے اُس کی کیفیت یہ ہے کہ۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ''احوال اُس بہشت کا جس کا وعدہ ہوا ہے ڈرنے والوں سے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

(3) مَثَلٌ جب معرف باللام ہو تو اس سے ''عظیم الشان صفت'' یا ''شان'' مراد لی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں ایسا صرف دو جگہ ہے اور دونوں جگہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوا ہے: ﴿ وَ لِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ ﴾ (16/النحل:60) ''اور اللہ کے لیے اعلیٰ صفات ثابت ہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ﴿ وَ لَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ ﴾ (30/الروم:27) ''اور اُس کی شان سب سے اُوپر ہے آسمان اور زمین میں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''اور آسمانوں اور زمین میں اُس کی شان سب سے اعلیٰ ہے'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

<u>نوٹ:</u> اللہ تعالیٰ کے لیے مَثَلٌ کا لفظ استعمال ہو سکتا ہے البتہ مِثْلٌ کا لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''لفظ مَثَلٌ بفتح میم و ثاء ہر ایسی چیز کے لیے بولا جاتا ہے جو دوسرے سے کچھ مماثلت اور مناسبت رکھتی ہو بالکل اس جیسی ہونا اس کے مفہوم میں داخل نہیں اسی لیے حق تعالیٰ کے لیے

مَثَلٌ ہونا تو قرآن میں کئی جگہ آیا ہے، ایک یہیں (یعنی سورۂ الروم آیت 27) دوسرے فرمایا ﴿مَثَلُ نُوۡرِهٖ كَمِشۡكٰوةٍ﴾ لیکن مِثْل اور مثال سے حق تعالیٰ کی ذات پاک اور وراء الوراء ہے۔'' (واللہ اعلم) (معارف القرآن، ج۶ ص ۷۳۸)۔ اسی طرح حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''مَثَلٌ (بفتحتین) جس کے معنی مثال کے ہیں، اور معنی میں شریک فی الوصف کے ہے اس کا اللہ کے لیے لانا جائز ہے۔ اور اللہ کے مِثْل (بہ کسرہ میم) کا بیان کرنا، جس کے معنی شریک فی النوع کے ہیں، ناجائز۔ (تفسیر ماجدیؒ ص، ۸۳۷)۔ اسی لیے قرآن مجید میں فرمایا گیا ﴿لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَىۡءٌ ۚ﴾ (42/الشوریٰ:11) ''اُس جیسی کوئی چیز نہیں۔'' اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''اب رہا یہ سوال کہ اگر یہاں مثل بمعنی مشابہ ہے تو پھر کاف تشبیہ کیوں لایا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں کو تاکید نفی کی غرض سے یک جا لایا گیا ہے یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں نہ تو مِثْل کا استعمال صحیح ہے اور نہ ہی کاف کا اس لیے یکبارگی دونوں کی نفی کر دی ہے۔'' (مفردات القرآن، ج ۲، ص: ۹۸۵)

مَثُلَةٌ ج: مَثُلَاتٌ۔ مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ عبرتناک سزا۔ ایسی سزا جو انسان کو سب کے سامنے رسوا کر دے اور جس سے دوسرے عبرت حاصل کریں۔ یہی معنی نَكَالٌ کے بھی ہیں۔ ﴿وَقَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِمُ الۡمَثُلٰتُ ؕ﴾ (13/الرعد:6) ''اور گزر چکی ہیں ان سے پہلے عبرتناک سزائیں۔''

اَمۡثَلُ مونث: مُثْلٰى۔ اسم التفضیل ہے۔ زیادہ فضیلت والا۔ افضل و اعلیٰ۔ خوب روشن، خوب واضح۔ ﴿اِذۡ يَقُوۡلُ اَمۡثَلُهُمۡ طَرِيۡقَةً اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا يَوۡمًا ۝١٠٤﴾ (20/طٰہٰ:104) ''جب بولے گا اُن میں اچھی راہ روش والا تم نہیں رہے مگر ایک دن۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿يُرِيۡدٰنِ اَنۡ يُّخۡرِجٰكُمۡ مِّنۡ اَرۡضِكُمۡ بِسِحۡرِهِمَا وَيَذۡهَبَا بِطَرِيۡقَتِكُمُ الۡمُثۡلٰى ۝٦٣﴾ (20/طٰہٰ:63) ''یہ دونوں چاہتے ہیں کہ نکال دیں تم لوگوں کو تمہاری زمین سے اپنے جادو سے اور لے جائیں تمہارے اعلیٰ طور طریقوں کو۔''

تِمۡثَالٌ ج: تَمَاثِيۡلُ۔ اسم جامد ہے اور اسم ذات ہے۔ تصویر۔ کسی چیز کا مجسمہ۔ مورتی۔ تمثال کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب تفہیم القرآنؒ فرماتے ہیں: ''تمثال عربی زبان میں ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جو کسی قدرتی شے کے مشابہ بنائی جائے، قطع نظر اس سے کہ وہ کوئی انسان ہو یا حیوان، کوئی درخت ہو یا پھول یا دریا یا کوئی دوسری بے جان چیز۔'' (تفہیم القرآن، ج ۴، ص ۱۸۰)۔ ﴿مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيۡلُ الَّتِىۡۤ اَنۡتُمۡ لَهَا عٰكِفُوۡنَ ۝٥٢﴾ (21/الانبیاء:52) ''کیا ہیں یہ مجسمے جن کیلئے تم لوگ اعتکاف کرتے ہو۔''

نوٹ: تَمۡثَالٌ، ت کی زبر کے ساتھ مصدر ہے اور تِمۡثَالٌ، ت کی زیر کے ساتھ تصویر کو کہا جاتا ہے۔ (معارف القرآن)

(تفعّل) **تَمَثُّلًا** کسی کے جیسا ہو جانا۔ کسی دوسرے کی صورت جیسا ہونا۔ مشابہ ہو جانا۔ کسی دوسرے کا سا کردار ادا کرنا۔ ﴿فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝١٧﴾ (19/مریم:6) ''تو وہ اس کے لئے مکمل آدمی جیسا ہو گیا۔''

و ق د

(ض) **وُقُوۡدًا اور وَقۡدًا** آگ کا بھڑکنا۔ چمکنا۔ جلنا۔

وَقُوۡدٌ اسم ذات ہے۔ ایندھن، جس سے آگ جلائی جاتی ہے۔ Fuel۔ ﴿فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ ۖۚ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ۝٢٤﴾ (2/البقرہ:24) ''تو بچو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔''

(افعال) **اِيۡقَادًا** آگ کو بھڑکانا یا جلانا۔ کسی چیز کو چمکانا۔ ﴿كُلَّمَاۤ اَوۡقَدُوۡا نَارًا لِّلۡحَرۡبِ اَطۡفَاَهَا اللّٰهُ﴾ (5/المائدہ:64) ''جب کبھی وہ لوگ بھڑکاتے ہیں آگ لڑائی کے لیے تو بجھا دیتا ہے اس کو اللہ۔''

يُوْقَدُ مضارع مجہول ہے۔جس کو بھڑکایا جاتا ہے یا جس کو جلایا جاتا ہے۔﴿ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ ﴾(24/النور:35)''گویا ایک چمک دار ستارہ ہے، چراغ روشن کیا جاتا ہے ایک نہایت مبارک درخت یعنی زیتون سے۔''

اَوْقِدْ فعل امر ہے۔تو جلا۔تو بھڑکا۔﴿ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ ﴾(28/القصص:38)''تو اے ہامان میرے لیے مٹی کو آگ میں پکا۔''

مُوْقَدٌ اسم المفعول ہے۔واحد مذکر۔بھڑکایا ہوا۔

مُوْقَدَةٌ اسم المفعول ہے۔واحد مؤنث۔بھڑکائی ہوئی۔﴿ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝ ﴾(104/الھمزۃ:6)''وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔''

(استفعال) **اِسْتِيْقَادًا** آگ جلانا۔سلگانا۔آیت زیرِ مطالعہ۔

ن	و	ر

(ن) **نَوْرًا** روشن ہونا۔

نُوْرٌ ج:اَنْوَارٌ۔اسم ذات ہے۔ پھیلنے والی روشنی جو اشیاء کو دیکھنے اور سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔نور۔امام راغبؒ فرماتے ہیں کہ نور کی دو قسمیں ہیں ایک ہے دنیاوی نور اور دوسرا ہے اُخروی نور۔دنیاوی نور کی پھر دو قسمیں ہیں۔ایک وہ جس کا تعلق بصیرت سے ہے یعنی جو بصیرت سے دیکھا جاتا ہے جیسے عقل کا نور، علم کا نور، قرآن کا نور وغیرہ۔اور دوسرا وہ جس کا تعلق نظر سے ہے یعنی جو آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے جیسے ستاروں، سورج اور چاند کا نور۔ چنانچہ وہ نور جس کا تعلق بصیرت سے ہے اس کے متعلق فرمایا:﴿ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ ﴾(5/المائدۃ:15)''بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی اور واضح کتاب آ چکی ہے۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔ حاشیے میں حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں:''نُوْرٌ سے اشارہ ہے رسالت محمدؐ کی جانب اور كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ سے قرآن مجید کی جانب۔'' یا فرمایا:﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ ۚ ﴾(5/المآئدہ:44)''بیشک ہم نے نازل کیا تورات کو اس میں ہدایت اور نور ہے۔'' یا فرمایا:﴿ اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۭ ﴾(6/الانعام:122)''کیا جو شخص مردہ تھا پھر ہم نے اُس کو زندہ کر دیا اور ہم نے اُس کے لیے ایک نور بنا دیا کہ اُس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے وہ اُس کی طرح ہو سکتا ہے جو تاریکیوں میں پڑا ہے (اور) اُن سے نکلنے نہیں پاتا۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔حاشیے میں حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں:''نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ۔ضمیر اس نور کی طرف ہے اور نور سے مراد نورِ ایمان اور نورِ ہدایت ہے۔'' یا فرمایا:﴿ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ ﴾(39/الزمر:22)''اب کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا اور وہ اپنے رب کی طرف سے ایک روشنی پر چل رہا ہے۔(اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس نے ان باتوں سے کوئی سبق نہ لیا؟)۔''(ترجمہ تفہیم القرآن)۔اور وہ نور جس کا تعلق ظاہری آنکھوں سے دیکھنے سے ہے اُس کے متعلق فرمایا:﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ڛ ﴾(6/الانعام:1)''تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے زمین اور آسمان بنائے، روشنی اور تاریکیاں پیدا کیں۔''(ترجمہ تفہیم القرآن) یا فرمایا:﴿ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاۗءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا ﴾(10/یونس:5)''وہ اللہ وہی ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو روشن۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔اور اُخروی نور کے متعلق فرمایا:﴿ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ ﴾

(66/التحریم:8)''اُن کا نور دوڑ رہا ہوگا اُن کے سامنے اور اُن کے داہنے اور وہ کہہ رہے ہوں گے اے ہمارے پروردگار تو پورا کردے ہمارے لیے ہمارے نور کو اور تو بخش دے ہمیں۔''

نَارٌ اسم ذات ہے۔آگ۔جہنم۔﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴾(2/البقرہ:39)''اور جن لوگوں نے انکار کیا اور جھٹلایا ہماری نشانیوں کو، وہ لوگ آگ والے ہیں۔''﴿ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴾ (56/الواقعہ:71)''اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جس آگ کو تم سلگاتے ہو۔''

(افعال) **اِنَارَةً** روشن ہونا، چمکنا (لازم)۔روشن کرنا۔روشنی دینا۔کسی چیز کو واضح کرنا۔(متعدی)۔درخت پر پھول آنا۔خوبصورت ہونا۔

مُنِيْرٌ اسم الفاعل ہے۔خود بھی روشن اور دوسروں کو روشن کرنے والا۔﴿ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴾ (33/الاحزاب:46)''اور اللہ کی طرف بلانے والا ہوتے ہوئے اس کی اجازت سے اور روشن کرنے والا چراغ ہوتے ہوئے۔''

ض و ء

(ن) **ضِيَاءً ، ضَوْءً** روشن ہونا۔

ضَوْءٌ ج:ضِيَاءٌ۔اسم ذات بھی ہے۔روشنی۔﴿ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ﴾(28/القصص:71) ''کون معبود ہے اللہ کے سوا جو لاتا ہے تم لوگوں کے لئے روشنیاں۔''

(افعال) **اِضَاءَةً** روشن ہونا۔روشن کرنا۔(لازم ومتعدی) ﴿ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ ﴾(24/النور:35)''قریب ہے کہ اس کا تیل روشن ہوجائے۔''

ضِيَاءٌ اور نُوْرٌ کا فرق آگے نوٹ 2 میں دیکھیں۔

لَمَّا

(1) حرفِ جازم ہے لَمْ کی طرح فعل مضارع پر داخل ہوتا ہے اور اس کو جزم دیتا ہے اور مضارع کو ماضی منفی کے معنی میں کر دیتا ہے جیسے ﴿ وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ﴾(الحجرات:14)''ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔''

(2) حرف شرط ہے۔ماضی کے دو جملوں پر آتا ہے۔پہلا جملہ شرط اور دوسرا جزاء ہوتا ہے۔لَمَّا کی جزاء کا فعل ماضی ہونا بالاتفاق صحیح ہے بلکہ جمہور کے نزدیک شرط ہے جیسے ﴿ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ﴾(بنی اسرائیل:67)''جب اُس نے بچا کر تم کو خشکی تک پہنچا دیا تو تم نے روگردانی کی۔''کبھی لَمَّا کی جزاء کے مقام پر ایسا جملہ اسمیہ واقع ہوتا ہے جس کا آغاز اِذَا فُجَائِيَّه سے ہوتا ہے جیسے فرمایا:﴿ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴾(العنکبوت:65)''جب اُس نے ان کو بچا کر خشکی تک پہنچا دیا تو ایک دم وہ شرک کرنے لگے۔'' یا اس کے شروع میں فاء ہوتی ہے جیسے ﴿ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ﴾ (لقمان:32)''جب اس نے ان کو بچا کر خشکی تک پہنچا دیا تو ان میں سے کچھ لوگ سیدھی چال پر رہے۔''اور کبھی لَمَّا کی جزاء پر فعل مضارع آتا ہے جیسے ﴿ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَ جَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴾ (ھود:74)''جب ابراہیم کے دل سے خوف جاتا رہا اور خوشخبری پہنچ گئی تو ہمارے فرشتوں سے قوم لوط کے بارے میں جھگڑنے لگے۔

(3) کبھی لَمَّا استثنائیہ بھی آتا ہے، اِلَّا کا ہم معنی، جیسے فرمایا:﴿ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ﴾(الطارق:4)''کوئی نفس نہیں مگر اس پر نگران (فرشتہ) مامور ہے۔''

(4) بعض لوگ قائل ہیں کہ لَمَّا مصدر ہے اصل میں لَمًّا تھا جس کی تنوین گرا دی گئی۔اس کا معنی ہے جَمْعًا ''جمع کرنا۔''(واللہ اعلم)

ح و ل

(ن) **حَوْلًا** کسی چیز کا متغیر ہونا یعنی ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلنا۔ دوسری چیزوں سے الگ ہونا۔ دو چیزوں کے درمیان حائل ہونا یا آڑ بن جانا۔ دو چیزوں کے درمیان حائل کرنا، جدائی ڈالنا۔ ﴿وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ﴾ (11/ھود:43) ''اور حائل ہوئی ان دونوں کے درمیان موج۔ ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ﴾ (8/الانفال:24) ''اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ آدمی کے اور اس کے قلب کے درمیان آڑ بن جایا کرتا ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان)

حِيْلَ ماضی مجہول ہے۔ حائل کیا گیا۔ ﴿وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ﴾ (34/سبا:54) ''اور حائل کی گئی یعنی رکاوٹ ان کے اور جو وہ چاہتے تھے اس کے درمیان۔''

حَوْلٌ اسم ظرف ہے۔ (1) کسی کے اردگرد کی جگہ۔ ماحول۔ ﴿قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿25﴾﴾ (26/الشعراء:25) ''اس نے کہا ان سے جو اس کے اردگرد تھے کیا تم لوگ غور سے سنتے نہیں ہو؟'' (2) ایک سال۔ کیونکہ اس عرصہ میں زمین سورج کے اردگرد اپنی حرکت یعنی گردش مکمل کرتی ہے۔ ﴿وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ (2/البقرہ:233) ''اور مائیں دودھ پلائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال۔''

(3) حَوْلٌ کا لفظ مالی، بدنی اور جسمانی تینوں قسم کی قوت پر بھی بولا جاتا ہے۔ چنانچہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کا مطلب ہے اللہ کے سوا کچھ حیلہ اور قوت نہیں۔ (مفردات)

حِوَلٌ مصدر ہے۔ پھرنا۔ پلٹنا۔ جگہ بدلنا۔ ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿108﴾﴾ (18/الکہف:108) ''ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور نہ وہ اُن سے کہیں اور نکلنا چاہیں گے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

حِيْلَةٌ اسم ذات ہے۔ مقصد تک پہنچنے کیلئے پوشیدہ حرکت۔ خفیہ تدبیر اچھی ہو یا بری۔ حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''حِيْلَةٌ عربی میں تدبیر کے لیے عام ہے۔ اردو کے ''بہانہ'' کے مرادف نہیں۔'' ﴿لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿98﴾﴾ (4/النساء:98) ''وہ لوگ استطاعت نہیں رکھتے کسی خفیہ تدبیر کی اور نہ کوئی راستہ پاتے ہیں۔''

(تفعیل) **تَحْوِيْلًا** کسی چیز کو متغیر کرنا یعنی ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلنا۔ تبدیل کرنا۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا۔ ﴿فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ﴿56﴾﴾ (17/بنی اسرائیل:56) ''اور وہ لوگ اختیار نہیں رکھتے تکلیف کو دور کرنے کا تم لوگوں سے اور نہ ہی تبدیل کرنے کا۔''

ذ ھ ب

(ف) **ذَهَابًا** جانا۔ ﴿ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ﴾ (11/ھود:10) ''گئیں برائیاں مجھ سے۔'' ذَهَبَ فعل لازم ہے جب اس کے ساتھ 'بِ' تعدیہ آتا ہے تو مطلب ہوتا ہے لے جانا۔ ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ﴾ (2/البقرۃ:20) ''اور اگر چاہے اللہ تو لے جائے اُن کے سننے کی قوت اور اُن کی بینائی۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ عربی محاورے میں ذَهَابُ نَفْسٍ سے موت مراد لی جاتی ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ﴾ (35/فاطر:8) ''سو اُن پر افسوس کر کر کے کہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان نہ جاتی رہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

اِذْهَبْ فعل امر ہے۔ تو جا۔ ﴿اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ﴾ (20/طٰہٰ:24) ''آپؑ جایئے فرعون کی طرف۔''

ذَاهِبٌ — اسم الفاعل ہے۔ جانے والا۔ ﴿ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ ﴾(37/الصافات:99)''میں جانے والا ہوں اپنے رب کی طرف۔''

مَذْهَبٌ — اسم الظرف ہے۔ جانے کی جگہ یعنی راستہ۔ اعتقاد پر عمل کرنے کا طریقہ۔ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

(س) ذَهَبًا — کان میں سونا دیکھ کر حیران ہونا۔ قرآن مجید میں فعل استعمال نہیں ہوا۔

ذَهَبٌ — اسم ذات ہے۔ سونا۔ ﴿ یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ ﴾(43/الزخرف:71)''طواف کریں گے ان پر سونے کے پیالوں کے ساتھ۔''

(افعال) اِذْهَابًا — لے جانا۔ ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ﴾(35/فاطر:34)''اللہ کا شکر ہے جو لے گیا ہم سے غم کو۔''

لفظ اَللّٰہُ کے لیے آیت بسم اللہ دیکھیں۔

ت ر ک

(ن) تَرْكًا — کسی چیز کو چھوڑ دینا۔ ﴿ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ ﴾(4/النساء:7)''مردوں کے لیے ایک حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑا والدین نے۔''

اُتْرُكْ — فعل امر ہے۔ تو چھوڑ۔ ﴿ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ﴾(44/الدخان:24)''اور آپ چھوڑ دیں سمندر کو تھما ہوا۔''

تَارِكٌ — ج: تَارِكُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ چھوڑنے والا۔ ﴿ اَىِٕنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴾(37/الصّٰفّٰت:36)''کیا ہم لوگ اپنے خداؤں کو چھوڑنے والے ہیں ایک مجنون شاعر کے لیے۔''

یُتْرَكُ — مضارع مجہول ہے۔ اس کو چھوڑا جاتا ہے۔ وہ چھوڑا جائے گا۔ ﴿ اَتُتْرَكُوْنَ فِیْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِیْنَ ﴾(26/الشعراء:146)''کیا چھوڑیں رکھیں گے تم کو یہاں کی چیزوں میں بے خوف۔''

ظ ل م

(ض) ظُلْمًا — اس کا اصل مفہوم ہے کسی چیز کو اس کے صحیح مقام پر نہ رکھنا خواہ کمی یا زیادتی کر کے یا اس کے صحیح وقت یا اصلی جگہ سے ہٹا کر۔ عربی میں اس کی تعریف یوں کی جاتی ہے۔ وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ غَیْرِ مَحِلِّهٖ۔ پھر ظلم کا لفظ حق سے تجاوز کرنے، زیادتی کرنے، کمی کرنے، گھٹانے اور نقصان اٹھانے کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ﴾(65/الطلاق:1)''اور جو تجاوز کرتا ہے اللہ کی حدود سے تو اس نے ظلم کیا اپنے آپ پر۔'' ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ﴾(4/النساء:40)''بیشک اللہ ظلم نہیں کرتا ذرہ بھر بھی۔'' ﴿ كِلْتَا الْجَنَّتَیْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَیْـًٔا ﴾(18/الکہف:33)''دونوں باغ اپنا پورا پھل دیتے تھے اور کسی کی پیداوار میں ذرا کمی نہ رہتی۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت مبارکہ میں یہ لفظ کمی کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔
(ظلم کی مزید تشریح آگے نوٹ 3 میں دیکھیں)۔

ظُلْمٌ — اسم ذات بھی ہے۔ زیادتی۔ ظلم۔ نقصان۔ خسارہ۔ ﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ﴾(31/لقمان:13)''بیشک شرک ایک عظیم ظلم ہے۔''

ظَالِمٌ — اسم فاعل ہے۔ ظلم کرنے والا۔ نا انصاف۔ نقصان اٹھانے والا۔ ﴿ وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾(2/البقرہ:229)''اور جو تجاوز کرتے ہیں اللہ کی حدود سے تو وہ لوگ ہی ظلم کرنے والے ہیں۔'' مولانا

مودودیؒ فرماتے ہیں: ''ظالم کا لفظ نہایت معنی خیز ہے''ظلم'' دراصل حق تلفی کو کہتے ہیں۔ظالم وہ ہے جو کسی کا حق تلف کرے جو شخص خدا کی نافرمانی کرتا ہے، وہ درحقیقت تین بڑے بنیادی حقوق تلف کرتا ہے۔اولاً خدا کا حق، کیونکہ وہ اس کا مستحق ہے کہ اس کی فرمانبرداری کی جائے۔ثانیاً اُن تمام چیزوں کے حقوق جن کو اس نے اس نافرمانی کے ارتکاب میں استعمال کیا اس کے اعضائے جسمانی، اس کے قوائے نفس، اس کے ہم معاشرت انسان، وہ فرشتے جو اس کے ارادے کی تکمیل کا انتظام کرتے ہیں، اور وہ اشیاء جو اس کام میں استعمال ہوتی ہیں، ان سب کا اس پر یہ حق تھا کہ وہ صرف ان کے مالک ہی کی مرضی کے مطابق ان پر اپنے اختیارات استعمال کرے۔مگر جب اس کی مرضی کے خلاف اس نے ان پر اختیارات استعمال کیے، تو درحقیقت ان پر ظلم کیا۔ثالثاً خود اپنا حق، کیونکہ اس پر اس کی ذات کا یہ حق ہے کہ وہ اسے تباہی سے بچائے، مگر نافرمانی کر کے جب وہ اپنے آپ کو اللہ کی سزا کا مستحق بناتا ہے، تو دراصل اپنی ذات پر ظلم کرتا ہے، انہی وجوہ سے قرآن میں جگہ جگہ گناہ کے لیے ظلم اور گناہ گار کے لیے ظالم کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔'' (تفہیم القرآن ج۱،ص۶۶) ﴿وَ يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۹﴾ (7/الاعراف:19)''اور اے آدم! رہو تم اور تمہاری بیوی جنت میں اور کھاؤ جہاں سے چاہو اور مت نزدیک جانا اس (خاص) درخت کے ورنہ تم دونوں ہو جاؤ گے اپنا نقصان کرنے والوں سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔اس آیت کے حاشیے میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''میرے نزدیک یہاں فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ کا ترجمہ اگر یوں کیا جاتا تو زیادہ موزوں ہوتا ''پھر ہو جاؤ گے نقصان اٹھانے والوں میں سے۔''،ظلم کے معنی نقصان اور کمی و کوتاہی کے آتے ہیں جیسا کہ ﴿وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا﴾ (الکہف:33) میں۔''

ظَلُوْمٌ — فَعُوْلٌ کے وزن پر اسم المبالغہ ہے۔بہت ظلم کرنے والا۔﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝۳۴﴾ (14/ابراہیم:34) ''بیشک انسان بہت ظلم کرنے والا بڑا ناشکرا ہے۔'' صاحبؒ لغات القرآن فرماتے ہیں: ''واضح رہے کہ قرآن مجید میں ''ظلوم'' انسان کی صفت بیان ہوئی ہے اور انسان سے جنس انسان مراد ہے اور جب جنس کو مبالغہ کے صیغہ سے متصف کیا جائے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ صفت اس جنس کے تمام افراد میں یا بعض میں مبالغہ ہی کے ساتھ پائی بھی جائے ہاں اگر پائی جائے تو بہتر ضرور ہے چنانچہ یہ بات یہاں بھی موجود ہے کہ اکثر افرادِ انسانی ظلم شدید کے مرتکب ہیں۔تاہم یہ چیز ضروری اور لازمی نہیں ہے۔اور روح المعانی میں ہے کہ شاید ''ظلوم جہول'' (جیسے سورۂ الاحزاب آیت 72 میں فرمایا اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا) سے یہ مراد ہو کہ جس کی شان ظلم کرنا اور جہالت ہو۔اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ حجۃ اللہ البالغہ میں رقمطراز ہیں: ''بلاشبہ ظلوم (وہ) ہے جو عادل نہ ہو اور اس میں عدل کی صلاحیت موجود ہو۔اور جہول یہ ہے کہ جو عالم نہ ہو اور اس کی شان یہ ہو کہ وہ عالم بن سکے۔'' (لغات القرآن، ج۴، ص:۱۳۸)

ظَلَّامٌ — فَعَّالٌ کے وزن پر اسم المبالغہ ہے۔بہت زیادہ ظلم کرنے والا۔ ﴿وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝۱۸۲﴾ (3/آل عمران:182)''اور یہ کہ اللہ ہرگز ظلم کرنے والا نہیں ہے بندوں پر۔'' صیغہ مبالغہ میں نفی کر کے معمولی ظلم کی بھی شدید نفی کی گئی ہے۔صاحبؒ لغات القرآن فرماتے ہیں: ''واضح رہے کہ آیت شریفہ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ''اور اللہ ظلم نہیں کرتا بندوں پر'' اور اسی طرح دیگر آیات میں کہ جہاں حق تعالیٰ شانہ کی ذات عالی سے نفی ظلم کے سلسلہ میں مبالغہ کا صیغہ استعمال ہوا ہے اور ظَلَّامٌ کا لفظ لایا گیا تو ظَلَّامٌ میں مبالغہ کمیت کے اعتبار سے ہے نہ کہ کیفیت کے لحاظ سے یعنی ذرا سا بھی ظلم نہیں کرتا یہ مطلب نہیں کہ زیادہ ظلم نہیں کرتا اور تھوڑا کرتا ہے۔'' (لغات القرآن، ج۴، ص:۱۳۱)

اَظۡلَمُ اسم التفضیل ہے۔زیادہ ظالم۔﴿ وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعۡرَضَ عَنۡهَا ﴾(18/الکہف:57)''اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس کو یاد دلائی گئیں اس کے رب کی آیات تو اس نے منہ موڑا ان سے۔''

(س) **ظَلَمًا** تاریک ہونا۔اندھیرا ہونا۔

ظُلۡمَةٌ ج:ظُلُمَاتٌ۔اسم ذات ہے۔تاریکی۔اندھیرا۔جہالت،شرک،فسق وفجور۔محاورہ عرب میں یہ لفظ مصیبتوں،حادثات اور آفات کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔﴿ اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ﴾(2/البقرہ:257)''اللہ ولی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے وہ نکالتا ہے ان کو اندھیروں سے نور کی طرف۔''

(افعال) **اِظۡلَامًا** اندھیرا چھا جانا۔اندھیرے میں ہونا۔﴿ وَاِذَآ اَظۡلَمَ عَلَیۡهِمۡ قَامُوۡا ﴾(2/البقرہ:20)''اور جب اندھیرا چھا جاتا ہے ان پر تو کھڑے رہتے ہیں۔''

مُظۡلِمٌ ج:مُظۡلِمُوۡنَ۔اسم الفاعل ہے۔اندھیرے میں ہونے والا۔تاریکی میں پڑا ہوا۔﴿ وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیۡلُ ۚ نَسۡلَخُ مِنۡهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمۡ مُّظۡلِمُوۡنَ ﴾(36/یٰسین:37)''اور نشانی ہے ان کے لئے رات،ہم کھینچ لیتے ہیں اس میں سے دن کو تو وہ اندھیرے میں ہونے والے ہیں۔''

یُبۡصِرُوۡنَ(ب ص ر): البقرہ آیت 7 دیکھیں۔

ترکیب

مَثَلُهُمۡ مبتداء ہے۔اس کی خبر محذوف ہے۔ک حرف تشبیہ ہے اور مَثَلِ اسم مجرور ہے اور مضاف ہے۔الَّذِی اسم موصول ہے اور اِسۡتَوۡقَدَ نَارًا صلہ ہے۔صلہ اور موصول مل کر مضاف الیہ ہے مَثَل کا۔اور جار مجرور مل کر متعلق خبر ہے۔مَثَلُهُمۡ میں 'هُمۡ' ضمیر گزشتہ آیات میں بیان کردہ کافر، یہود اور منافقوں کے اُس گروہ کے لیے ہے جو بالآخر ہدایت چھوڑ کر گمراہی اختیار کرتے ہیں۔(واللہ اعلم) کَمَثَلِ الَّذِی میں اَلَّذِیۡ کے بارے میں ہمارے بزرگوں کی دو رائے ہیں اور اس کا ترجمہ بھی دونوں طرح کیا گیا ہے۔ایک رائے یہ ہے کہ اَلَّذِیۡ یہاں واحد استعمال ہوا ہے۔اس رائے کے مطابق جن بزرگوں نے ترجمہ کیا ہے وہ یہ ہیں:''ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی۔''(حضرت شیخ الہندؒ)۔''ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے آگ روشن کی۔''(تفہیم القرآن) وغیرہ۔اور زیادہ تر ترجمہ اسی طرح کیا گیا ہے۔دوسری رائے یہ ہے کہ اَلَّذِیۡ یہاں بمعنی اَلَّذِیۡنَ استعمال ہوا ہے کیونکہ اس کے بعد ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوۡرِهِمۡ میں 'هُمۡ' جمع کی ضمیر لائی گئی ہے۔اَلَّذِیۡ کا لفظ جمع کے معنوں میں قرآن مجید میں اور جگہ بھی استعمال ہوا ہے مثلاً: ﴿ وَخُضۡتُمۡ کَالَّذِیۡ خَاضُوۡا ﴾(التوبۃ:69)''اور تم لوگ بھی گھسے جیسے وہ لوگ گھسے تھے۔''اور ﴿ وَالَّذِیۡ جَآءَ بِالصِّدۡقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ ﴾(الزمر:33)''اور جو لوگ سچی بات لے کر آئے اور خود بھی اُس کو سچ جانا تو یہی لوگ تو پرہیزگار ہیں۔''دونوں جگہ اَلَّذِیۡ جمع کے معنوں میں ہے۔گویا آیت زیر مطالعہ ان معنوں میں ہے۔مَثَلُ قِصَّتِهِمۡ کَمَثَلِ قِصَّةِ الَّذِیۡنَ اسۡتَوۡقَدُوۡا نَارًا (ابن کثیرؒ)۔ہمارے بزرگوں نے اس ترکیب کے لحاظ سے بھی ترجمہ کیا ہے۔مثلاً''ان کی (عجیب) مثال تو ان کی سی (عجیب) مثال ہے جنہوں نے آگ جلائی......''(ماجدیؒ)(واللہ اعلم)۔لَمَّا حرف شرط ہے اور اَضَآءَتۡ مَا حَوۡلَهٗ شرط ہے۔ذَهَبَ اللّٰهُ سے اخیر تک جواب شرط ہے۔اَضَآءَتۡ میں ضمیر فاعلی هِیَ، نَارٌ یعنی آگ کے لئے ہے۔'مَا' اسم موصول ہے اور حَوۡلَهٗ اس کا صلہ اور دونوں مل کر مفعول بہ ہیں اَضَآءَتۡ کا۔حَوۡلَهٗ میں ضمیر 'ہ' اَلَّذِیۡ اسۡتَوۡقَدَ نَارًا کے لیے ہے یعنی وہ شخص جس نے آگ جلائی۔ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوۡرِهِمۡ میں ذَهَبَ فعل لازم ہے اور اللّٰهُ اس کا فاعل۔بِنُوۡرِهِمۡ میں 'ب' تعدیہ کا ہے جو فعل لازم کو متعدی کر دیتا ہے اس لیے ہم ترجمہ کریں گے کہ اللہ اُن کے نور کو لے گیا۔تَرَکَ میں ضمیر فاعلی هُوَ، اللہ کے لئے ہے اور هُمۡ اس کا مفعول۔فِیۡ ظُلُمٰتٍ متعلق فعل ہے۔لَا یُبۡصِرُوۡنَ پورا جملہ فعلیہ حال ہے جو مَثَلُهُمۡ میں هُمۡ کی حالت بیان کر رہا ہے۔

ترجمہ
البقرۃ:17

مَثَلُهُمْ	كَمَثَلِ الَّذِي	اسْتَوْقَدَ نَارًا	فَلَمَّآ اَضَآءَتْ
ان لوگوں کی مثال	اس شخص کی مثال کی مانند ہے جس نے	جلایا آگ کو	پھر جب اس نے روشن کیا

مَا حَوْلَهٗ	ذَهَبَ اللّٰهُ	بِنُوْرِهِمْ	وَتَرَكَهُمْ
اس کو جو اس کے اردگرد تھا	تو اللہ لے گیا	ان کا نور	اور اس نے چھوڑ دیا ان کو

فِيْ ظُلُمٰتٍ	لَّا يُبْصِرُوْنَ ⑰
اندھیروں میں	اس حال میں کہ وہ لوگ نہیں دیکھتے

نوٹ:1 حضرت مولانا امین احسن اصلاحیؒ تشبیہ اور تمثیل کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''تمثیل اگرچہ تشبیہ ہی کی نوعیت کی ایک چیز ہے لیکن تشبیہ اور تمثیل میں بڑا فرق ہے۔ ایک عام تشبیہ میں اصلی نگاہ مشبہ اور مشبہ بہ پر ہوتی ہے ان دونوں کے اجزا کو الگ الگ ایک دوسرے کے مقابل میں رکھ کے دیکھا جاتا ہے کہ ان میں باہم دگر کتنی مشابہت و مطابقت پائی جاتی ہے اور پھر اسی مطابقت و مشابہت کے لحاظ سے اس تشبیہ کا حسن و قبح متعین ہوتا ہے لیکن تمثیل میں اجزا کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہوتی بلکہ اس میں صورت واقعہ کو صورتِ واقعہ سے تشبیہ دی جاتی ہے اگر ایک صورت حال اور دوسری صورت حال میں پوری پوری مطابقت موجود ہے اور تمثیل صورت حال کی پوری تصویر نگاہوں کے سامنے پیش کر رہی ہے تو وہ تمثیل مکمل ہے، اگرچہ تشبیہ کے وہ تمام ضوابط اس پر منطبق نہ ہو رہے ہوں جو ایک تشبیہ کے مکمل ہونے کے لیے اہل فن نے ضروری قرار دیے ہیں۔ (تدبر قرآن، ج ا،ص:۱۲۹)

نوٹ۔2 <u>نور اور ضیاء میں فرق:</u> حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''بعض کے نزدیک ''نور'' عام ہے ''ضیاء'' سے۔ ''ضیاء'' خاص اُس نور کو کہتے ہیں جو زیادہ تیز اور چمکدار ہو اور بعض نے کہا کہ جس کی روشنی ذاتی ہو، وہ ضیاء اور جس کی دوسرے سے مستفاد (کسی دوسرے سے فائدہ حاصل کرنا) ہو، وہ ''نور'' ہے سورج کی روشنی عالم اسباب میں کسی دوسرے کرہ سے حاصل نہیں ہوئی۔ چاند کی روشنی البتہ سورج سے مستفاد ہے۔ اور بعض محققین نے دونوں میں یہ فرق بتلایا ہے کہ ''نور'' مطلق روشنی کو کہتے ہیں ''ضیاء'' اور ''ضوء'' اُس کے انتشار (پھیلاؤ) کا نام ہے سورج کی روشنی کا پھیلاؤ چونکہ زیادہ ہے اس لیے ''ضیاء'' سے تعبیر فرمایا۔'' (واللہ اعلم) (تفسیر عثمانیؒ ص ۲۷۶)۔ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''ضیاء'' وہ روشنی ہے جو اپنی ذاتی، مستقل حیثیت رکھتی ہو۔ نور وہ روشنی ہے جو ضیاء سے مستعار (مانگا ہوا، ادھار لیا ہوا) ہو۔ اس کا انعکاس (عکس) ہو۔ قرآن مجید نے (چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی کے عرب کے ایک امی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے قرآن نے) دو لفظ الگ الگ لا کر جدید سائنس کے اس بیان پر مہر تصدیق لگا دی کہ چاند بذات خود بے نور ہے، اس میں چمک دمک جو کچھ ہے وہ سورج کے عکس سے ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ ص ۴۶۶)۔ پیر کرم شاہ صاحبؒ سورۂ یونس کی آیت 5 کے تحت فرماتے ہیں: ''یہاں ایک امر غور طلب ہے کہ سورج کی روشنی کے لیے ضیاء کا لفظ اور چاند کی روشنی کے لیے نور کا لفظ استعمال فرمایا اس کی حکمت یہ ہے کہ ضیاء اس روشنی کو کہتے ہیں جو ذاتی ہو اور نور اس کو کہتے ہیں جو ذاتی نہ ہو بلکہ کسی دوسری چیز سے حاصل ہو۔ کیونکہ سورج کی روشنی ذاتی ہے اس لیے اس کے لیے ضیاء کا لفظ استعمال کیا اور قمر کی روشنی سورج سے مستفاد ہے اس لیے اس کے لیے نور کا لفظ مستعمل ہوا۔'' (واللہ اعلم)۔ (ضیاء القرآن، ج ۲،ص: ۲۸۰)۔ ''ضیاء میں روشنی کے ساتھ تپش کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے اور نور ٹھنڈی روشنی کو کہتے ہیں۔'' (تدبر قرآن)۔

نوٹ:3 <u>ظلم:</u> جیسے کہ پہلے عرض کیا گیا کہ کسی چیز کو اس کے صحیح مقام پر نہ رکھنے یا اس کی مخصوص جگہ سے ناجائز طریقے سے ہٹا دینے کا نام ظلم ہے۔ اسی سے عربی کا محاورہ ہے، ظَلَمْتُ السِّقَاءَ یعنی میں نے مشکیزے کے دودھ کا بے وقت استعمال کیا۔ ''سقاء'' اس مشکیزہ کو کہتے ہیں جس میں پانی اور دودھ وغیرہ رکھا جائے۔ جب مشکیزے میں دودھ کو دہی جمانے کی غرض سے رکھا جائے اور دہی بننے سے پہلے ہی اس کو پی لیا جائے تو ایسے موقع پر یہ محاورہ بولتے ہیں۔ استعمال شدہ دودھ ظَلِيْمٌ کہلاتا ہے۔ اسی طرح عربی میں ظَلَمْتُ الْاَرْضَ کے معنی ہیں میں نے زمین کو ایسی جگہ سے کھودا جہاں سے کھودنا نہیں چاہیے تھا۔ وہ جگہ مَظْلُوْمَةٌ کہلاتی ہے اور جو مٹی اس زمین سے نکلتی ہے وہ بھی ظَلِيْمٌ کہلاتی ہے۔ ظلم کی ضد عدل ہے۔ جو چیز بھی عدل و انصاف کے منافی ہوگی یا حق سے تجاوز ہوگی

وہ ظلم ہوگا۔ گویا ظلم کے لفظ کا دائرہ استعمال بہت وسیع ہے۔ چنانچہ کسی بھی چیز میں کمی وبیشی ہو اور اس کمی یا بیشی کی مقدار کم ہو یا زیادہ کسی بھی قسم کا حق سے تجاوز ہو خواہ تجاوز قلیل ہو یا کثیر، اس پر ظلم کا اطلاق ہوتا ہے۔ پھر یہ لفظ مادی اور معنوی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ مادی لحاظ سے اس کی مثال الکھف کی آیت 33 ہے۔ علمائے کرام نے ظلم کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ (1) وہ ظلم جو انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ کرتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی قسم شرک ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾ (لقمان:13) ''شرک بہت بڑا ظلم ہے۔'' شرک کو اس لیے ظلم کہتے ہیں کیونکہ اس میں مشرک خالقِ حقیقی کو معبود بنانے کی بجائے مخلوق کو معبود ٹھہراتا ہے۔ گویا کسی شے کو اپنی اصل جگہ پر رکھنے کی بجائے غلط جگہ پر رکھنے کی یہ بدترین مثال ہے۔ اسی طرح کفر ونفاق اور اللہ پر جھوٹ باندھنا بھی وہ ظلم ہے جو انسان اللہ تعالیٰ سے کرتا ہے۔ (2) وہ ظلم جو انسان ایک دوسرے پہ کرتا ہے۔ مثلاً: ﴿ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ﴾ (الشوریٰ:42) ''ملامت کے مستحق تو وہ ہیں جو دوسروں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق زیادتیاں کرتے ہیں۔'' ﴿ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا ﴾ (بنی اسرائیل:33) ''اور جو شخص مظلومانہ قتل کیا گیا ہو اس کے ولی کو ہم نے قصاص کے مطالبے کا حق عطا کیا ہے۔'' (3) وہ ظلم جو انسان خود اپنے آپ پر کرتا ہے۔ ﴿ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ﴾ (فاطر:32) ''اب کوئی تو ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے۔'' ﴿ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ ﴾ (القصص:16) ''پھر وہ کہنے لگا: اے میرے رب، میں نے اپنے نفس پر ظلم کرڈالا، مجھے معاف کردے۔'' علمائے کرام نے وضاحت کی ہے کہ یہ تینوں قسم کے ظلم اصل میں وہ ظلم ہیں جو انسان اپنے آپ پر ہی کرتا ہے اسی لیے قرآن حکیم میں کئی جگہ فرمایا: ﴿ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴾ (النحل:33) ''اُن پر اللہ نے ذرا بھی ظلم نہیں کیا تھا بلکہ وہ اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔'' ﴿ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴾ (البقرۃ:57) ''اور انہوں نے ہم پر زیادتی نہیں کی بلکہ اپنی ہی جانوں پر زیادتی کرتے تھے۔'' آخرت میں سزا کے لحاظ سے بھی ظلم کی تین قسمیں ہیں۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''ظلم کی ایک قسم وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہرگز نہ بخشیں گے، دوسری قسم وہ ہے جس کی مغفرت ہوسکے گی، اور تیسری قسم وہ ہے کہ جس کا بدلہ اللہ تعالیٰ لیے بغیر نہ چھوڑیں گے۔ پہلی قسم کا ظلم شرک ہے، دوسری قسم کا ظلم حقوق اللہ میں کوتاہی ہے، اور تیسری قسم کا ظلم حقوق العباد کی خلاف ورزی ہے۔'' (ابن کثیر بحوالہ مسند بزار، بحوالہ معارف القرآن، ج ۲ ص: ۵۵۰)۔

آیت:18
﴿ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنََ ﴾

ص م م

(س) صَمَمًا — اونچا سننا یا بالکل نہ سننا۔ بہرا ہونا۔ ﴿ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ﴾ (5/المآئدہ:71) ''اور ان لوگوں نے گمان کیا کہ کوئی آزمائش نہ ہوگی تو وہ لوگ اندھے اور بہرے ہوئے۔''

اَصَمُّ — ج: صُمٌّ ۔اَفْعَلُ الوان وعیوب ہے بطور صفت استعمال ہوتا ہے۔ بہرا۔ ﴿ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ ﴾ (11/ھود:24) ''دونوں فریقوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا اور بہرہ۔'' ۔ ﴿ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴾ (8/الانفال:22) ''بیشک جانداروں میں بدترین، اللہ کے نزدیک، بہرے گونگے ہیں جو عقل استعمال نہیں کرتے۔''

(افعال) اِصْمَامًا — کسی کو بہرا کرنا۔ ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَ اَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴾ (47/محمد:23) ''وہ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی پس اس نے انہیں بہرا کیا اور ان کی بصارت کو اندھا کیا۔''

ب ک م

(س) بَكَمًا — گونگا ہونا۔

اَبْكَمُ ج: بُكْمٌ۔ اَفْعَلُ الوان وعیوب ہے بطور صفت استعمال ہوتا ہے۔ گونگا۔ اوپر آیت نمبر (8/الانفال:22)

ع م ی

(س) عَمِیَ عَمِیَ کا لفظ ظاہری آنکھوں اور بصیرت، دونوں قسم کے اندھے پن کے لیے بولا جاتا ہے۔ مثلاً ظاہری آنکھوں کے اندھے پن کے لیے فرمایا: ﴿ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ﴾ (عبس:2) ''اس بات پر کہ اُنؐ کے پاس نابینا آیا۔'' یا فرمایا: ﴿ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَ الْبَصِیْرُ ﴾ (الرعد:16) ''آپؐ کہیے کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہوسکتا ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) اور بصیرت کے اندھے پن کے لیے فرمایا: ﴿ وَ حَسِبُوْۤا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَ صَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ ﴾ (المائدۃ:71) ''اور گمان یہی کرتے رہے کہ وبال کچھ نہ پڑے گا سو اندھے اور بہرے ہوگئے پھر اللہ نے اُن پر رحمت سے توجہ فرمائی پھر بھی اُن میں کے بہت سے اندھے اور بہرے ہی رہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) حاشیے میں حضرتؒ فرماتے ہیں: ''عَمُوْا عَنِ الْهُدٰى وَ صَمُّوْا عَنْ سَمَاعِ الْحَقِّ'' یعنی ہدایت سے اندھے ہوگئے اور حق سننے سے بہرے ہوگئے۔'' یا فرمایا: ﴿ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِی الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ﴾ (النمل:81) ''اور آپؐ اندھوں کو اُن کی گمراہی سے راستہ دکھانے والے نہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ بلکہ الحج کی آیت 46 میں بصارت اور دل، دونوں کے لیے تَعْمَى کا لفظ استعمال ہوا ہے ﴿ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ﴾ (الحج:46) ''اصل یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوجایا کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہوجایا کرتے ہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ قرآن مجید میں جہاں کہیں اَلْعَمٰى کی مذمت آئی ہے وہاں بصیرت کا اندھا پن مراد لیا گیا ہے اور بصیرت کے اندھے پن سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص حق کو نہ پہچانے اور شک اور شبہ میں مبتلا ہوجائے۔ (واللہ اعلم)۔ عَمِیَ عَلَیْهِ کے معنی ہیں کہ اس پر فلاں معاملہ اس طرح غیر واضح اور مشتبہ ہوگیا ہے کہ گویا وہ اس سے اندھا ہے اور اسے کچھ سجھائی نہیں دیتا یعنی اسے کچھ سمجھ نہیں آتی۔ ﴿ فَعَمِیَتْ عَلَیْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ یَوْمَىِٕذٍ ﴾ (28/القصص:66) ''تو اس روز ان پر تمام خبریں اندھی ہوجائیں گی۔''

عَمًى مصدر کے علاوہ اسم ذات کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ مراد ہے اندھا پن۔ نابینائی۔ ﴿ وَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَیْهِمْ عَمًى ﴾ (41/حم السجدہ:44) ''اور جو یقین نہیں لاتے اُن کے کانوں میں بوجھ ہے اور یہ قرآن اُن کے حق میں اندھاپا ہے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''اور جو ایمان نہیں لاتے اُن کے کانوں میں تو بہرہ پن اور بوجھ ہے اور یہ اُن پر اندھا پن ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان)

اَعْمٰى ج: عُمْیٌ اور عُمْیَانٌ۔ اَفْعَلُ الوان و عیوب ہے۔ بطور صفت استعمال ہوتا ہے۔ اندھا۔ ﴿ مَثَلُ الْفَرِیْقَیْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِیْرِ وَالسَّمِیْعِ ﴾ (11/ھود:24) ''دونوں فریقوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا اور بہرہ اور ایک دیکھنے والا اور سننے والا ہو'' عُمْیٌ آیت زیر مطالعہ میں آیا ہے۔ ﴿ وَالَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْهَا صُمًّا وَّ عُمْیَانًا ﴾ (25/الفرقان:73) ''اور وہ لوگ کہ جب اُن کو سمجھائیے اُن کے رب کی باتیں، نہ پڑیں اُن پر بہرے اندھے ہوکر۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

عَمٍ یا عَمِی ج: عَمُوْنَ اور عَمِیْنَ۔ اصل میں عَمِیٌ تھا۔ قاعدے کے اطلاق کے بعد عَمٍ ہوگیا (حالت رفع)۔ فَعِلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ اندھا۔ ﴿ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴾ (27/النمل:66) ''بلکہ یہ اس کی طرف سے اندھے بنے ہوئے ہیں۔'' ﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِیْنَ ﴾ (7/الاعراف:64) ''بے شک وہ لوگ اندھے ہورہے تھے۔'' (دونوں ترجمے تفسیر ماجدیؒ سے لکھے گئے ہیں)۔

(افعال) اِعْمَاءً اندھا کر دینا۔﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَ اَعْمٰۤى اَبْصَارَهُمْ ﴾(47/محمد:23)''یہی لوگ تو ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے سو اُنہیں بہرہ کر دیا اور اُن کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔'' باب افعال کے پہلے صیغے میں مادہ ع م ی کی اصلی شکل اَعْمَیَ ہوتی ہے جو قاعدہ کے تحت تبدیل ہو کر اَعْمٰی ہوجاتی ہے۔ اَفْعَلُ کے وزن پر اس کی اصلی شکل اَعْمَیُ ہوتی ہے اور یہ بھی تبدیل ہو کر اَعْمٰی ہوجاتی ہے۔ ان میں تمیز عبارت کے سیاق وسباق سے ہوتی ہے۔

(تفعیل) تَعْمِيَةً اندھا کر دینا۔ چھپا دینا۔ کسی چیز کی حقیقت کو پوشیدہ کر دینا۔﴿ وَ اٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ﴾ (11/ھود:28)''اور اس نے یعنی اللہ نے دی مجھ کو رحمت اپنے پاس سے تو وہ پوشیدہ کر دی گئی تم لوگوں پر۔'' (نوٹ: اندھے پن کے لیے قرآن مجید میں جو مختلف الفاظ آئے ہیں، اس کے لیے آیت 15 کے تحت نوٹ 3 بھی دیکھ لیں)۔

| ر ج ع |

اس مادہ سے مندرجہ ذیل مصادر استعمال ہوئے ہیں۔

(ض) (ا) رُجُوْعًا (لازم) لوٹنا، پلٹنا، واپس ہونا۔﴿ وَ لَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ ﴾(7/الاعراف:150)''اور جب واپس ہوئے موسیٰ اپنی قوم کی طرف۔''

(ب) رَجْعًا (متعدی) کسی کو لوٹانا، پلٹانا، واپس کرنا۔﴿ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰۤى اُمِّكَ ﴾(20/طٰہٰ:40)''اور ہم نے واپس کیا آپؑ کو آپؑ کی والدہ کی طرف۔''

(ج) مَرْجِعًا (1) مصدر میمی ہے۔ لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ واپس ہونا۔ واپس کرنا۔ لوٹنا۔ لوٹانا۔﴿ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ﴾ (11/ھود:4)''اللہ کی طرف ہے تم کو لوٹ کر جانا۔'' (2) یہ ظرف مکان بھی ہے مَفْعِلٌ کے وزن پر۔ مطلب ہے لوٹنے کی جگہ۔

(د) رُجْعٰی (لازم) یہ بھی مصدر ہے۔ پھرنا۔ لوٹنا۔ فُعْلٰی کے وزن پر بھی اکثر مصادر آتے ہیں۔ یہی وزن (فُعْلٰی) افعل التفضیل میں واحد مؤنث کا بھی ہے۔﴿ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ﴾(96/العلق:8)''بے شک تیرے رب کی طرف پھر جانا ہے۔''

رَجْعٌ اسم ذات ہے۔ (۱) واپسی۔﴿ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ﴾ (50/قٓ:3)''وہ دور کی واپسی ہے۔ یعنی محال ہے۔'' (۲) بارش (کیونکہ سمندر کا پانی اس کی طرف واپس آتا ہے)۔ ''رَجْعٌ کے لغوی معنی ہیں، لوٹنا۔ پلٹنا۔ بارش بھی بار بار اور پلٹ پلٹ کر ہوتی ہے، اس لیے بارش کو رَجْعٌ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ بادل، سمندروں سے ہی پانی لیتے ہیں اور پھر وہی پانی زمین پر لوٹا دیتے ہیں، اس لیے بارش کو رَجْعٌ کہا۔ بعض کہتے ہیں بطور تفاؤل عرب بارش کو رَجْعٌ کہتے تھے تا کہ وہ بار بار ہوتی رہے۔'' (فتح القدیر بحوالہ تفسیر احسن البیان، ص ۱۷۰۸)۔﴿ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴾ (86/الطارق:11)''قسم ہے بارش والے آسمان کی۔'' حضرت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''آسمان کے لیے ذات الرجع کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ رَجْع کے لغوی معنی تو پلٹنے کے ہیں، مگر مجازاً عربی زبان میں یہ لفظ بارش کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، کیونکہ وہ بس ایک ہی دفعہ برس کر نہیں رہ جاتی بلکہ بار بار اپنے موسم میں اور کبھی خلافِ موسم پلٹ پلٹ کر آتی ہے اور وقتاً فوقتاً برستی رہتی ہے۔ ایک اور وجہ بارش کو رَجْع کہنے کی یہ بھی ہے کہ زمین کے سمندروں سے پانی بھاپ بن کر اٹھتا ہے اور پھر پلٹ کر زمین ہی پر برستا ہے۔'' (تفہیم القرآن، ج ۶، ص: ۳۰۵)

اِرْجِعْ ج: اِرْجِعُوْا۔ فعل امر ہے۔ تم واپس ہو۔ پلٹو۔﴿ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا ﴾(24/النور:28)''اور اگر کہا جائے تم لوگوں سے کہ واپس جاؤ تو واپس ہوجاؤ۔''

رَاجِعٌ ج: رَاجِعُوْنَ- اسم الفاعل ہے۔ واپس ہونے والا۔ پلٹنے والا۔﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾(2/البقرہ:156) ''ہم اللہ کے لئے ہیں اور ہم اس کی طرف ہی پلٹنے والے ہیں۔''

(تفاعل) تَرَاجُعًا باہم مل جانا۔ باہم رجوع کرنا۔ اپنی اپنی جگہ واپس ہونا۔﴿ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَاۤ اَنْ يَّتَرَاجَعَاۤ ﴾(2/البقرہ:230) ''تو کوئی گناہ نہیں ان دونوں پر کہ وہ باہم مل جائیں۔''

ترکیب صُمٌّ، بُكْمٌ اور عُمْيٌ یہ تینوں خبر ہیں اور ان کا مبتداء هُمْ محذوف ہے۔ لَا يَرْجِعُوْنَ جملہ فعلیہ اپنے مبتداء فَهُمْ کی خبر ہے۔

ترجمہ	صُمٌّۢ	بُكْمٌ	عُمْيٌ	فَهُمْ	لَا يَرْجِعُوْنَ
البقرۃ:18	(وہ) بہرے ہیں	گونگے ہیں	اندھے ہیں	پس وہ لوگ	نہیں پلٹیں گے

آیت:19

﴿ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۞ ﴾

ص و ب

(ن) صَوْبًا اوپر سے اترنا۔ بارش برسنا (ٹھیک مقدار میں)

صَيِّبٌ صَيِّبٌ دراصل صَوْبٌ (بارش) سے فَعِيْلٌ کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے۔ زور کی بارش۔ Rain Storm۔ اصل میں صَوِيْبٌ تھا۔ 'وْ' ، 'یْ' میں تبدیل ہوگئی اور پھر ادغام ہو کر صَيِّبٌ بن گیا۔ آیت زیر مطالعہ۔

(ض) صَيْبًا ٹھیک جگہ اترنا۔ نشانہ پر لگنا۔

صَوَابٌ اسم ذات ہے۔ ٹھیک بات۔﴿ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا ۞ ﴾(78/النبا:38) ''وہ لوگ بات نہیں کریں گے سوائے اس کے جسے اللہ اجازت دے اور وہ ٹھیک بات کہے گا۔''

(افعال) اِصَابَةً پالینا۔ پکڑ لینا۔ ارادہ کرنا۔ ٹھیک نشانے پر لگنا۔ ٹھیک جگہ پر پہنچنا۔ (اس کا استعمال خیر اور شر، دونوں طرح کے اوپر سے ٹپک پڑنے والے حادثات وواقعات کے لئے ہوتا ہے)۔﴿ مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَاۤ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ ﴾(4/النساء:79) ''جو پہنچی تم کو کوئی بھلائی تو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو پہنچی تم کو کوئی برائی تو وہ تمہاری اپنی طرف سے ہے۔'' اَصَابَ کے ساتھ جب 'بِ' تعدیہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کہ ٹھیک نشانے پر پہنچانا۔ ڈالنا۔﴿ قَالَ عَذَابِيْۤ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ ﴾(7/الاعراف:156) ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنا عذاب میں اُسی پر واقع کرتا ہوں جس کے لیے میں چاہتا ہوں۔''

يُصِبْ مضارع مجزوم ہے۔﴿ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ ﴾(9/التوبۃ:50) ''اگر پہنچتی ہے تم کو کوئی بھلائی تو ان لوگوں کو برا لگتا ہے۔''

مُصِيْبَةٌ ج: مَصَائِبُ۔ اسم الفاعل ہے۔ اصل میں تو اس تیر کو کہتے ہیں جو ٹھیک نشانے پر جا کر بیٹھے۔ عربی میں ایسے تیر کو سَهْمٌ مُصِيْبٌ کہتے ہیں۔ اس کے بعد عرف عام میں ہر حادثہ اور واقعہ کے ساتھ یہ لفظ مخصوص ہو گیا۔ ٹھیک نشانے پر لگنے

والی۔ ناگہانی آفت۔غم۔تکلیف۔﴿ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ﴾(64/التغابن:11)''نہیں پہنچتی کوئی آفت مگر اللہ کی اجازت سے۔'' فقہ کی اصطلاح میں غور وفکر اور اجتہاد کے نتیجے میں صحیح رائے تک پہنچنے والے کو مُصِيْب اور غلط رائے پر پہنچنے والے کو مُخْطِئٌ کہہ دیتے ہیں۔

اَلسَّمَآءِ (س م و): آیت بسم اللہ دیکھیں۔ ظُلُمٰتٌ (ظ ل م) :البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔

ر ع د

(ف۔ن) رَعْدًا باول کا گرجنا۔کڑکنا۔

رَعْدٌ اسم ذات ہے۔بادل کی گرج۔کڑک۔Thunder۔اس کا تعلق سننے سے ہے۔'رعد' اس فرشتے کا نام بھی ہے جو بارش برسانے پر مامور ہے۔

ب ر ق

(ن) بَرْقًا چمکنا۔کسی چیز کا جگمگانا۔

(س) بَرَقًا چندھیا جانا۔حیران ہونا۔﴿ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۙ﴾(75/القیامۃ:7)''تو جب چندھیا جائے گی آنکھ'' بَرْقٌ کے معنی بجلی کے ہیں اور اسی اعتبار سے اس کے معنی 'چمکنے' کے آنے لگے۔لیکن جب آنکھ کے ساتھ اس کا استعمال ہو(باب سمع میں) تو اِس کے معنی خوف اور دہشت سے پتلیوں کے پھرنے،نظر کے چندھیا جانے اور خیرہ ہونے کے آتے ہیں۔ مولانا مودودیؒ سورۃ القیامۃ کی آیت 7 کے تحت فرماتے ہیں: ''اصل میں بَرِقَ الْبَصَرُ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جن کے لغوی معنی بجلی کی چمک سے آنکھوں کے چندھیا جانے کے ہیں۔لیکن عربی محاورے میں یہ الفاظ اِسی معنی کے لیے مخصوص نہیں ہیں بلکہ خوف زدگی، حیرت، یا کسی اچانک حادثہ سے دوچار ہو جانے کی صورت میں اگر آدمی ہک دک رہ جائے اور اس کی نگاہ اُس پریشان کن منظر کی طرف جم کر رہ جائے جو اس کو نظر آرہا ہو تو اس کے لیے بھی یہ الفاظ بولے جاتے ہیں۔''(تفہیم القرآن،ج٦،ص١٦٥)

بَرْقٌ اسم ذات ہے۔بجلی کی چمک۔Lightening۔اس کا تعلق دیکھنے سے ہے۔

اِبْرِيْقٌ ج: اَبَارِيْقُ۔ اسم ذات ہے۔ جگ۔ایسا برتن جس کا دستہ اور ٹوٹی ہو۔آفتابہ(ماجدیؒ،ضیاء القرآن)﴿ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۙ بِاَكْوَابٍ وَّ اَبَارِيْقَ ۙ﴾(56/الواقعہ:17-18)''طواف کریں گے ان پر ہمیشہ رہنے والے لڑکے آبخوروں اور آفتابوں کے ساتھ۔''

اِسْتَبْرَقٌ ریشم کا بنا ہوا موٹا کپڑا۔گاڑھا ریشم۔Thick Silk۔اس کا ہمزہ،ہمزۃ القطع ہے۔﴿ وَّ يَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّ اِسْتَبْرَقٍ ﴾(18/الکہف:31)''اور وہ لباس پہنیں گے سبز کپڑے کے جو باریک ریشم کے اور گاڑھے ریشم کے ہوں گے۔''

ج ع ل

(ف) جَعْلًا یہ لفظ ہر کام کرنے کے لیے بولا جاسکتا ہے اور 'فَعَلَ' اور 'صَنَعَ' وغیرہ افعال کی نسبت عام ہے۔ یہ پانچ طرح استعمال ہوتا ہے۔

(1) بمعنی صَارَ وَ طَفِقَ اس صورت میں متعدی نہیں ہوتا۔ (بلکہ فعل لازم ہوتا ہے) جیسے جَعَلَ زَیْدٌ یَقُوْلُ کَذَا یعنی زید یوں کہنے لگا۔

(2) بمعنی اَوْجَدَ (یعنی ایجاد اور پیدا کرنا) اس صورت میں یہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ﴾ (6/الانعام:1) ''اور اس نے اندھیرے اور روشنی بنائی۔'' ﴿وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ﴾ (67/الملک:23) ''اور اس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے۔''

(3) ایک شے کو دوسری شے سے پیدا کرنا اور بنانا جیسے فرمایا: ﴿جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا﴾ (16/النحل:72) ''اسی نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کے جوڑے بنائے۔'' ﴿وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا ﴾ (16/النحل:81) ''اور اُس نے پہاڑوں میں تمہارے لیے غاریں بنائیں۔''

(4) بمعنی تصییر یعنی کسی شے کو ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل کر دینا اس صورت میں عام طور پر دو مفعول ہوتے ہیں جیسے فرمایا: ﴿ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا ﴾ (2/البقرۃ:22) ''وہ جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا۔'' ﴿ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا ﴾ (43/الزخرف:3) ''بے شک ہم نے اس کو عربی قرآن بنایا ہے۔''

(5) کسی چیز پر کسی چیز کا سچا یا جھوٹا حکم لگا دینا۔ حق کی مثال جیسے: ﴿ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ (28/القصص:7) ''ہم ان کو تمہارے پاس واپس پہنچا دیں گے اور (پھر) اسے پیغمبر بنا دیں گے۔'' اور باطل کی مثال جیسے: ﴿ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا ﴾ (6/الانعام:136) ''اور (یہ لوگ) خدا ہی کی پیدا کی ہوئی چیزوں یعنی کھیتی اور چوپایوں میں سے خدا کا بھی ایک حصہ مقرر کرتے ہیں۔'' ﴿ وَ يَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ ﴾ (16/النحل:57) ''اور یہ لوگ خدا کے لیے تو بیٹیاں تجویز کرتے ہیں۔'' (تلخیص از مفردات القرآن، ج ا، ص ۱۸۳)

اِجْعَلْ — ج: اِجْعَلُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو بنا تو مقرر کر۔ ﴿ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ﴾ (19/مریم:10) ''انہوں نے کہا اے میرے رب تو مقرر کر دے میرے لیے ایک نشانی۔''

لَا تَجْعَلْ — فعل نہی ہے۔ تو مت بنا۔ ﴿ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ﴾ (17/بنی اسرائیل:22) ''تو مت بنا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود۔''

جَاعِلٌ — اسم الفاعل ہے۔ بنانے والا۔ مقرر کرنے والا۔ کرنے والا۔ ﴿ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ﴾ (2/البقرہ:30) ''بیشک میں مقرر کرنے والا ہوں زمین میں ایک خلیفہ۔''

ص ب ع

(ف) صَبْعًا — انگلی سے اشارہ کر کے بتانا۔

اِصْبَعٌ — ج: اَصَابِعُ۔ اسم ذات ہے۔ انگلی۔ (اِصْبَعٌ عربی کے ان چند الفاظ میں سے ہے جس کی متعدد شکلوں کا استعمال جائز ہے۔ دراصل اس کا ہمزہ بھی اور عین کلمہ (ب) بھی تینوں حرکات کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح دونوں حروف کی مختلف حرکات کے امتزاج سے جتنی شکلیں بنیں گی وہ سب جائز ہیں)۔

ء ذ ن

(س) اَذَنًا — کان لگانا۔ سننا۔ خبردار ہونا۔ جاننا۔ عام طور پر اس کے ساتھ 'اِلٰی' یا 'لِ' کا صلہ لگتا ہے۔ ﴿ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ

حُقَّتْ ۙ﴾(84/الانشقاق:5)''اور وہ سنے گی اپنے رب کے حکم کو اور اس پر واجب بھی ہے۔''

اِذْنًا اجازت دینا۔اس صورت میں بھی اس کے ساتھ عام طور پر 'لِ' کا صلہ آتا ہے۔﴿ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ ﴾(20/طٰہٰ:109)''اس دن نفع نہیں دے گی شفاعت سوائے اس کے جس کو اجازت دے گا رحمٰن۔''

<u>نوٹ:</u> اَذِنَ لِ: اگر اَذَنٌ مصدر سے ہو تب اس کے معنی ہوتے ہیں کان لگا کر کسی کی بات سننا اور حکم کی تعمیل کرنا اور اگر اِذْنٌ مصدر سے ہو تب اس کے معنی ہوتے ہیں اجازت دینا۔

اِيْذَنْ فعل امر ہے۔تو اجازت دے۔یاد کرلیں اِيْذَنْ کو جب ماقبل سے ملا کر پڑھا جائے تو تبدیل شدہ ہمزہ واپس آجاتا ہے جیسے فَ(اِيْذَنْ)۔فَأْذَنْ۔﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ ﴾(9/التوبۃ:49)''اور ان میں وہ بھی ہے جو کہتا ہے آپ ﷺ اجازت دیں مجھ کو۔''

اُذُنٌ ج: اٰذَانٌ۔اسم ذات ہے۔کان۔اُذُنٌ واحد، تثنیہ، جمع، مذکر، مؤنث سب کے لیے استعمال ہو جاتا ہے۔﴿ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّ تَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿١٢﴾ ﴾(69/الحاقۃ:12)''تاکہ ہم بنادیں اس کو تمہارے لئے یاد دہانی اور یاد رکھے اس کو یاد رکھنے والا کان۔''﴿ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ﴾(7/الاعراف:195)''کیا ان کے کان ہیں وہ لوگ سنتے ہیں جس سے۔'' اِستعارہ کے طور پر ہر وہ شخص جو ہر ایک کی بات سن کر اسے مان لے اُسے اُذُنٌ کہہ دیتے ہیں۔جیسے قرآن مجید میں فرمایا:﴿ وَ يَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ۭ ﴾''اور کہتے ہیں وہ نرا کان ہے۔'' یعنی ہر ایک کی بات سن کر مان لیتا ہے۔مبالغے کا مفہوم پیدا کرنے کے لیے تمام وجود کو جسم کے ایک حصے کا نام دیا گیا۔(اِستعارہ: لفظی معنی ہیں کسی سے کچھ مانگ لینا۔علم بیان کی اصطلاح میں اس سے مراد ہوتا ہے کسی لفظ کے غیر حقیقی معنی مراد لینا۔یہ مجازی معنی کی ایک قسم ہے۔فیروز اللغات۔۶۱)

اَذَانٌ اسم ذات ہے۔اعلان۔پکار۔نماز کی اذان۔﴿ وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖٓ ﴾(9/التوبۃ:3)''اور اعلان ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے۔''

اِذْنٌ اسم ذات ہے۔اجازت۔﴿ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ ﴾(2/البقرۃ:102)''اور وہ تکلیف پہنچانے والے نہیں ہیں اس سے کسی ایک کو بھی مگر اللہ کی اجازت سے۔''

(افعال) **اِيْذَانًا** سنانا۔آگاہ کرنا۔خبردار کرنا۔﴿ فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ وَ اِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿١٠٩﴾ ﴾(21/الانبیاء:109)''تو آپ ﷺ کہہ دیجئے میں نے آگاہ کیا تم لوگوں کو پوری طرح اور میں نہیں جانتا آیا وہ قریب ہے یا دور ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔''

(تفعیل) **تَاْذِيْنًا** اعلان کرنا۔خبر دینا۔سنانا۔پکارنا۔اذان دینا۔﴿ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٤﴾ ﴾(7/الاعراف:44)''تو پکارا ایک پکارنے والے نے ان کے مابین کہ اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر۔''

مُؤَذِّنٌ اسم الفاعل ہے۔پکارنے والا۔اوپر الاعراف آیت 44 دیکھیں۔

اَذِّنْ فعل امر ہے۔تو پکار۔﴿ وَ اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ ﴾(22/الحج:27)''اور آپ ﷺ پکاریئے لوگوں کو حج کے لیے۔''

(تفعّل) **تَاَذُّنًا** کان کھول کر سنا دینا۔جتلا دینا۔کسی فیصلے کا اعلان کرنا۔اطلاع دینا۔خبردار کرنا۔نوٹس دینا۔﴿ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ ﴾(14/ابراہیم:7)''اور جب سنا دیا تمہارے رب نے اگر تم لوگ شکر کرو گے تو میں لازماً زیادہ دوں گا تم کو۔''

(استفعال) اِسْتِئْذَانًا اجازت طلب کرنا۔﴿اِسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ﴾(9/التوبۃ:86)''اجازت طلب کی آپ ﷺ سے ان میں سے صاحبِ حیثیت لوگوں نے۔''

| ص ع ق |

(ف) صَاعِقَةً بجلی گرنا۔ بجلی گرانا۔

(س) صَعْقًا، صَعَقًا ہولناک دھماکہ ہونا۔ گرجنا۔ گرج کی آواز سے مرنا۔ بیہوش ہونا۔ زوردار آواز سن کر عقل کا خراب ہونا۔﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ﴾(39/الزمر:68)''اور پھونکا جائے گا صور میں تو مر جائیں گے جو بھی آسمانوں میں ہیں اور جو بھی زمین میں ہیں مگر جس کو اللہ چاہے۔''

صَعِقٌ صفت ہے۔ مردہ۔ بیہوش۔﴿فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ﴾(7/الاعراف:143)''پس جب تجلّی ڈالی اس کے رب نے پہاڑ پر تو کر دیا اس کو پاش پاش اور گر پڑے موسیٰؑ بیہوش ہو کر۔''

صَاعِقَةٌ ج: صَوَاعِقُ۔ اسم ذات ہے۔ صَاعِقَةٌ کے اصل معنی بیہوش کرنے والی چیز کے ہیں پھر یہ لفظ آسمان سے گرنے والی بجلی جو ہلاک کر دے۔ چیخ۔ عذاب اور کڑک کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔﴿فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ﴾(2/البقرۃ:55)''تو پکڑا تم کو زوردار چیخ نے۔''

| ح ذ ر |

(س) حَذَرًا آنے والے خطرے سے ہوشیار رہنا۔ محتاط رہنا۔ بچنا۔ ڈرنا۔﴿يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ﴾(9/التوبۃ:64)''ڈرتے ہیں منافق کہ اتاری جائے ان پر کوئی سورت جو خبر دے ان کو اس کی جو ان کے دلوں میں ہے۔'' نظم و نثر میں کسی چیز سے محتاط و ہوشیار رہنے کی دعوت دیتے ہوئے تکرار کے ساتھ بولا جاتا ہے: اَلْحَذَرَ اَلْحَذَرَ۔

اِحْذَرْ ج: اِحْذَرُوْا۔ فعل امر ہے۔ تم بچو۔﴿اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ﴾(64/التغابن:14)''بیشک تمہارے جوڑوں میں اور تمہاری اولاد میں تمہارے دشمن ہیں بس تم لوگ ان سے محتاط رہو۔''

لِيَحْذَرْ امر غائب ہے۔ چاہیے کہ وہ بچے۔﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ﴾(24/النور:63)''پس چاہیے کہ وہ لوگ ڈریں جو خلاف کرتے ہیں اس کے حکم سے کہ ان کو پہنچے کوئی آزمائش۔''

حَاذِرٌ ج: حَاذِرُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ (1) خطرے سے بچنے والا۔ ہتھیار بند۔ مسلح۔ (2) ڈرنے والا۔ خطرہ رکھنے والا۔﴿وَ اِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ؕ﴾(26/الشعراء:56)''اور ہم سب کو اُن سے خطرہ ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔''اور یقیناً ہم بڑی جماعت ہیں اُن سے چوکنا رہنے والے۔'' (ترجمہ احسن البیان)

حَذَرٌ اسم ذات ہے۔ ڈر۔ خوف۔﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ هُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۪﴾(2/البقرہ:243)''کیا آپ ﷺ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جو نکلے اپنے گھروں سے اور وہ ہزاروں تھے، موت کے ڈر سے۔''

حِذْرٌ اسم ذات ہے۔ ذریعہ بچاؤ۔ ہر وہ چیز جس کے ذریعے بچاؤ کیا جائے۔ ہتھیار۔ اسلحہ۔﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ﴾(4/النساء:71)''اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم لوگ پکڑو اپنے ہتھیار۔''

مَحۡذُوۡرٌ اسم المفعول ہے۔وہ چیز جس سے بچا جائے۔ڈرنے کی چیز۔قابل خوف۔﴿ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحۡذُوۡرًا ﴾ (17/بنی اسرائیل:57)''بیشک تیرے رب کا عذاب بچنے کی چیز ہے۔''

(تفعیل) **تَحۡذِيۡرًا** محتاط رہنے کی تلقین کرنا۔ڈرانا۔﴿ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفۡسَهٗ ﴾(3/آل عمران:28)''اور اللہ تم کو محتاط رہنے کی تلقین کرتا ہے اپنے نفس سے۔''

م	و	ت

یہ مادہ باب (ن) (س) (ض) تینوں ابواب سے استعمال ہوتا ہے کیونکہ سورۂ مریم کی آیت 23 میں مِتُّ کا صیغہ استعمال ہوا ہے (واحد متکلم) جو کہ باب (ض) یا باب (س) سے ہوسکتا ہے۔اور باب (ن) سے یہ مُتُّ بنتا ہے۔اسی طرح فعل امر مُوۡتُوۡا (واحد: مُتۡ) باب (ن) سے استعمال ہوا ہے۔(واللہ اعلم)

(ن) (س) (ض) **مَوۡتًا** آگ کا بجھنا۔کسی جاندار چیز کا بے جان ہونا۔مرنا۔﴿ اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَمَاتُوۡا وَهُمۡ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيۡهِمۡ لَعۡنَةُ اللّٰهِ ﴾(2/البقرہ:161)''بیشک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ مرے اس حال میں کہ وہ کافر تھے،تو یہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت ہے۔''

تَمُتۡ مضارع مجزوم ہے۔﴿ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الۡاَنۡفُسَ حِيۡنَ مَوۡتِهَا وَالَّتِىۡ لَمۡ تَمُتۡ فِىۡ مَنَامِهَا ﴾(39/الزمر:42)''اللہ قبض کر لیتا ہے جان کو اسکی موت کے وقت اور اس کو بھی جو نہیں مرتی ہے اپنی نیند میں۔''

مُتۡ ج: مُوۡتُوۡا۔فعل امر ہے۔تو مرجا۔﴿ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوۡتُوۡا ﴾(2/البقرہ:243)''تو کہا ان لوگوں سے اللہ نے کہ تم لوگ مرجاؤ۔''

مَيِّتٌ ج: مَيِّتُوۡنَ۔اَمۡوَاتٌ۔اسم صفت ہے۔وہ چیز جس میں پہلے جان تھی اب نہیں ہے۔مردہ۔﴿ وَتُخۡرِجُ الۡحَىَّ مِنَ الۡمَيِّتِ ﴾(3/آل عمران:27)''اور تو نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے۔''مَيِّتٌ اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو آئندہ مرنے والا ہو۔جیسے فرمایا:﴿ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمۡ مَّيِّتُوۡنَ ﴾(39/الزمر:30)''بیشک تم کو مردہ ہونا ہے اور ان لوگوں کو بھی مردہ ہونا ہے۔''﴿ كَيۡفَ تَكۡفُرُوۡنَ بِاللّٰهِ وَكُنۡتُمۡ اَمۡوَاتًا فَاَحۡيَاكُمۡ ﴾(2/البقرۃ:28)''تم لوگ کیسے انکار کرتے ہو اللہ کا حالانکہ تم لوگ مردہ تھے تو اس نے زندہ کیا تم لوگوں کو۔''

مَيۡتٌ اور **مَيۡتَةٌ** ج: مَوۡتٰى۔اسم صفت ہے۔بے جان چیز۔مردہ۔﴿ وَاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوۡرًا لِّنُحۡیِۦَ بِهٖ بَلۡدَةً مَّيۡتًا ﴾(25/الفرقان:48-49)''اور ہم نے نازل کیا آسمان سے پاک پانی تاکہ ہم زندہ کریں اس سے کسی مردہ شہر کو۔''﴿ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الۡاَرۡضُ الۡمَيۡتَةُ اَحۡيَيۡنٰهَا ﴾(36/یٰسین:33)''اور ایک نشانی ہے ان کے لیے مردہ زمین،ہم نے زندہ کیا اس کو۔''﴿ وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِىۡ كَيۡفَ تُحۡىِ الۡمَوۡتٰى ﴾(2/البقرہ:260)''اور جب کہا ابراہیمؑ نے اے میرے رب تو دکھادے مجھے کہ تو کیسے زندہ کرے گا مردوں کو۔''

مَوۡتٌ اور **مَوۡتَةٌ** اسم ذات ہے۔بے جان ہونے کی کیفیت۔موت۔﴿ كُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ ﴾(3/آل عمران:185)''ہر جان موت کو چکھنے والی ہے۔''﴿ لَا يَذُوۡقُوۡنَ فِيۡهَا الۡمَوۡتَ اِلَّا الۡمَوۡتَةَ الۡاُوۡلٰى ﴾(44/الدخان:56)''وہ لوگ نہیں چکھیں گے اس میں موت کو سوائے پہلی موت کے۔''

مَمَاتٌ اسم ظرف زمان ہے۔مردہ رہنے کا عرصہ۔زمانۂ موت۔﴿ اَمۡ حَسِبَ الَّذِيۡنَ اجۡتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنۡ نَّجۡعَلَهُمۡ

كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ﴾ (45/الجاثیہ:21) ''کیا گمان کیا ان لوگوں نے جنہوں نے ارتکاب کیا برائیوں کا، کہ ہم ان کو بنا دیں گے ان لوگوں کی طرح جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کئے، تا کہ برابر کر دیں ان کا عرصۂ حیات اور ان کا زمانۂ موت۔'' مَمَاتٌ کا لفظ مصدر میمی کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے، مطلب ہوتا ہے ''مرنا''۔﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ (6/الانعام:162) ''آپؐ فرما دیجئے کہ بے شک میری نماز اور میری ساری عبادتیں اور میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔''

(افعال) اِمَاتَةً کسی کو موت دینا۔ مردہ کرنا۔﴿فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ﴾ (2/البقرہ:259) ''تو موت دی اس کو اللہ نے ایک سو برس تک پھر اٹھایا اسکو۔'' کوئی اگر کسی اور کو مارے تو کوئی اور فعل استعمال ہوگا (مثلاً: اَهْلَكَ)۔ لیکن اَمَاتَ، يُمِيْتُ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے۔ اسی سے اَلْمُمِيْتُ (اسم الفاعل بمعنی موت دینے والا) اللہ کا صفاتی نام ہے۔

اَللّٰهُ (ء ل ہ): آیت بسم اللہ دیکھیں۔

ح و ط

(ن) حَوْطًا حفاظت کرنا۔ دیکھ بھال کرنا۔

(افعال) اِحَاطَةً چاروں طرف سے گھیرنا۔ احاطہ کرنا۔ کسی شے پر اس طرح چھا جانا، گھیر لینا یا قابو پانا کہ وہ فرار نہ ہو سکے۔ اس کے ساتھ 'ب' کا صلہ آتا ہے۔ عربی میں یوں نہیں کہتے اَحَاطَهٗ بلکہ یوں کہتے ہیں اَحَاطَ بِهٖ۔﴿وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ﴾ (2/البقرہ:255) ''اور وہ لوگ احاطہ نہیں کرتے کسی چیز کا اس کے علم میں سے مگر جو وہ چاہے۔''

مُحِيْطٌ اسم الفاعل ہے۔ واحد مذکر۔ گھیرنے والا۔ آیت زیر مطالعہ۔

مُحِيْطَةٌ اسم الفاعل ہے۔ واحد مؤنث۔ گھیرنے والی۔﴿وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴾ (29/العنکبوت:54) ''یقینا جہنم چاروں طرف سے گھیرنے والی ہے کافروں کو۔''

كٰفِرِيْنَ (ك ف ر): البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔

ترکیب 'اَوْ' حرفِ عطف ہے بمعنی 'یا'۔ دو چیزوں میں برابری بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً جَالِسِ الْحَسَنَ اَوِابْنَ سیرین چاہے تو حسن کے پاس بیٹھ یا ابن سیرین کے۔ دونوں کے پاس بیٹھنا برابر ہے۔ یہاں اَوْ سے مراد ہے کہ منافقوں کو خواہ آگ جلانے والوں سے تشبیہ دو چاہے مینہ سے بھاگنے والوں سے، دونوں برابر ہیں۔ (حقانیؒ)۔ كَصَيِّبٍ، آیت 17 میں كَمَثَلِ پر عطف ہے۔ اور صَيِّبٍ سے پہلے مضاف محذوف ہے۔ سادہ جملہ یوں ہوتا۔ اَوْ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ اَصْحَابِ صَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ (حقانیؒ)۔ مَثَلُهُمْ مبتدا محذوف ہے۔ كَصَيِّبٍ، محذوف خبر کے متعلق ہے۔ مِّنَ السَّمَآءِ، صَيِّبٍ کی صفت ہے۔ یعنی ان کی مثال بارش میں گھرے ہوئے لوگوں کی مثال کی مانند ہے۔ تفسیر عثمانیؒ کے حاشیے میں حضرتؒ فرماتے ہیں: ''دوسری مثال ان منافقین کی ان ''لوگوں'' کی سی ہے کہ ان پر آسمان سے مینہ شدت کے ساتھ پڑ رہا ہو۔'' آگے ظُلُمٰتٌ، رَعْدٌ، اور بَرْقٌ مبتدا مؤخر نکرہ ہیں۔ ان کی خبر موجودٌ محذوف ہے اور فِيْهِ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ فِيْهِ میں ضمیر صَيِّبٌ کے لیے ہے، السَّمَآءِ کے لیے نہیں کیونکہ السَّمَآءِ کے لیے 'ھا' آتی ہے۔ (واللہ اعلم)۔ يَجْعَلُوْنَ فعل ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر هُمْ ہے۔ اَصَابِعَهُمْ اس کا مفعول ہے۔ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ متعلق فعل ہے۔ مِّنَ الصَّوَاعِقِ میں مِنْ سببیہ ہے۔ یعنی کڑک کے سبب سے اور حَذَرَ الْمَوْتِ، مفعول لَهٗ ہے يَجْعَلُوْنَ کا۔ یعنی موت کے ڈر کی وجہ سے۔ مطلب یہ ہے کہ کڑک کے سبب سے

وہ اپنی انگلیاں کانوں میں ڈال لیتے ہیں۔ اور یہ سارا فعل اس لیے کرتے ہیں کہ انہیں موت کا خوف ہے۔ گویا کانوں میں انگلیاں ڈالنے کی دو وجہیں ہیں۔ کڑک اور موت کا خوف۔ (واللہ اعلم)

حَذَرَ الْمَوْتِ میں یہ بات نوٹ کر لیں کہ حَذَرَ ماضی کا پہلا صیغہ نہیں ہے۔ یہ اسم حَذَرٌ ہے جو منصوب ہونے کی وجہ سے حَذَرًا ہوا۔ پھر مضاف ہونے کی وجہ سے تنوین ختم ہوئی تو حَذَرَ استعمال ہوا۔ اَللّٰهُ مبتداء، مُحِيْطٌ خبر اور بِالْكٰفِرِيْنَ متعلق خبر ہے۔

ترجمہ	اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ	فِيْهِ	ظُلُمٰتٌ	وَّرَعْدٌ
البقرۃ:19	یا آسمان سے بارش کی مانند ہے	اس میں	اندھیرے ہیں	اور بادل کی گرج ہے

وَّبَرْقٌ	يَجْعَلُوْنَ	اَصَابِعَهُمْ	فِيْٓ اٰذَانِهِمْ	مِّنَ الصَّوَاعِقِ
اور بجلی کی چمک ہے	وہ لوگ رکھتے ہیں	اپنی انگلیوں کو	اپنے کانوں میں	کڑک کے سبب سے

حَذَرَ الْمَوْتِ	وَاللّٰهُ مُحِيْطٌ	بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿١٩﴾
موت کے ڈر سے	اور اللہ گھیرنے والا ہے	کافروں کو

آیت:20

﴿ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ۭ كُلَّمَآ اَضَاۗءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ڎ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٠﴾ ﴾

ک	و	د

(س) كَوْدًا (ا) یہ افعال مقاربہ میں سے ہے۔ ماضی اور مضارع دونوں استعمال ہوتے ہیں۔ کسی دوسرے فعل کے ساتھ بطور معاون فعل استعمال ہوتا ہے۔ بنیادی مفہوم ہے قریب ہونا۔ یہ دو طرح سے استعمال ہوتا ہے۔

(i) اگر جملہ مثبت ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں ''کام کرنے کے قریب ہونا لیکن نہ کرنا''۔ مثلاً: ﴿ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ۭ ﴾ ''قریب ہے کہ بجلی اچک لے اُن کی نظروں کو (لیکن اس نے ایسا نہیں کیا)۔ ﴿ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۭ ﴾ (25/الفرقان:42) ''قریب تھا کہ وہ ہمیں بہکا دے ہمارے خداؤں سے اگر نہ ہوتا کہ ہم ڈٹے رہتے ان پر۔'' ﴿ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ ﴾ (19/مریم:90) ''قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں اس سے۔''

(ii) اگر اس کے ساتھ حرف نفی آ جائے تو پھر اس کے معنی ہوتے ہیں ''قریب تھا کہ نہ کرے لیکن کر لیا'' یا ''لگتا نہیں تھا کہ کرے لیکن کر لیا''۔ مثلاً: ﴿ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧١﴾ ﴾ (2/البقرۃ:71) ''پس ان لوگوں نے ذبح کیا اس گائے کو اور لگتا نہیں تھا کہ وہ لوگ کریں گے۔'' یا فرمایا: ﴿ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿٩٣﴾ ﴾ (18/الکھف:93) ''جو کوئی بات ہی نہیں سمجھتے تھے۔''

(ب) بعض بزرگوں نے اس کا معنی هَمَّ و اَرَادَ بھی کیے ہیں یعنی پختہ ارادہ کرنا۔ مثلاً ﴿ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا ﴾ (20/طٰہٰ:15) ''یقیناً قیامت آنے والی ہے، میں ارادہ کرتا ہوں کہ میں خفیہ رکھوں اس کو۔''

افعال مقاربہ کی مزید تشریح عربی کا معلم حصہ سوم، ص ۸۶ سے دیکھیں۔

اَلْبَرْقُ:(ب ر ق) البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔

خ ط ف

(س) **خَطْفَۃً، خَطْفًا** اُچک لینا۔﴿ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ ﴾(22/الحج:31)''اور جس نے شرک کیا اللہ کے ساتھ تو گویا کہ وہ گرا آسمان سے پس اچک لے جاتے ہیں اس کو پرندے۔''

اَلْخَطْفَۃُ اسم ذات بھی ہے۔مراد ہے اُچکی ہوئی چیز۔جسم کا وہ حصہ جس کو درندہ جھپٹا مار کر اُتار لے۔(مصباح)﴿ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝۱۰ ﴾(37/الصافات:10)''مگر جو کوئی ایک آدھ بات اچک لے بھاگے تو (فوراً ہی) اس کے پیچھے دہکتا ہوا شعلہ لگ جاتا ہے۔''

(تفعّل) **تَخَطُّفًا** کھینچ کر یا گھسیٹ کر لے جانا۔اچک لینا۔﴿ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ ﴾(8/الانفال:26)''تم لوگ ڈرتے تھے کہ تم کو زبردستی لے جائیں گے لوگ۔''

اَبْصَارٌ(ب ص ر): البقرۃ آیت 7 دیکھیں۔

ك ل ل

(ض) **كَلَالًا ، كَلًّا** تھکنا۔والد اور اولاد کے بغیر ہونا۔

كَلٌّ اسم ہے۔وہ شخص جس کا نہ باپ ہو نہ بیٹا۔بیکار آدمی جس سے کسی فائدے کی امید نہ ہو۔بوجھ۔واحد، تثنیہ، جمع سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔﴿ وَّ هُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ﴾(16/النحل:76)''اور وہ ایک بوجھ ہے اپنے آقا پر۔''(كَلٌّ قرآن مجید میں ایک ہی دفعہ استعمال ہوا ہے مندرجہ بالا آیت میں)۔

كَلَّا كَلَّا حرف الرّدع ہے۔ردع کے معنی ہیں''جھڑک دینا''،''انکار کر دینا''۔ كَلَّا ماقبل کلام کی نفی کے لیے آتا ہے اور عام طور پر اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے'ہرگز نہیں'۔مثلاً:﴿ اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّ وَلَدًا ۝ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝ كَلَّا ﴾(19/مریم:77-79)''بھلا تم نے اُس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں سے کفر کیا اور کہنے لگا (اگر میں دوبارہ زندہ ہوا بھی تو یہی) مال اور اولاد مجھے وہاں ملے گا کیا اُس نے غیب کی خبر پا لی ہے یا اللہ کے یہاں سے عہد لے لیا ہے، ہرگز نہیں۔''اور اسی طرح کی اور بہت سی آیات ہیں۔ كَلَّا کبھی حَقًّا (بے شک، یقیناً) کے معنی میں بھی آتا ہے۔جیسے فرمایا:﴿ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۝۶ ﴾(96/العلق:6)''بے شک انسان سرکشی کرتا ہے۔''اس آیت میں كَلَّا کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں:''كَلَّا ہمیشہ تردید ہی کے معنی میں نہیں بلکہ کبھی زور و تاکید کے موقع پر یقیناً کے معنی میں بھی آتا ہے۔''(تفسیر ماجدیؒ، ص ۱۱۷۸)

كُلٌّ كُلٌّ لفظاً واحد ہے اور معنی کے لحاظ سے جمع۔مذکر کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور مؤنث کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔كُلٌّ ہمیشہ مضاف استعمال ہوتا ہے۔اگر مضاف الیہ مذکور نہ ہو تو محذوف مانا جاتا ہے۔ كُلٌّ دو طرح کا ہوتا ہے، مجموعی اور افرادی۔ كُلٌّ افرادی ہمیشہ نکرہ، مفرد کی طرف مضاف ہوتا ہے جس کا ترجمہ ہوتا ہے ہر ایک، جیسے كُلُّ اِنْسَانٍ (ہر انسان)، بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (ہر چیز کا علم رکھنے والا)، كُلُّ كِتَابٍ (ہر ایک کتاب)۔ كُلٌّ مجموعی معرف

باللام کی طرف مضاف ہوتا ہے یا اس ضمیر کی طرف مضاف ہوتا ہے جو معرف باللام کی طرف راجع ہوتی ہے، اس وقت مجموعہ افراد پر دلالت کرتا ہے اور ترجمہ ہوتا ہے سب، پورا۔ کُلُّ الْقَوْمِ (سب قوم، پوری قوم) فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ (سب فرشتوں نے سجدہ کیا)، لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (تا کہ سب مذہبوں پر اُس کو غالب کر دے)۔ کبھی اس سے ایک چیز کے تمام اجزاء مراد ہوتے ہیں، جیسے كُلُّ الرُّمَّانِ (پورا انار یعنی اس کے سب اجزاء، چھلکا، دانہ، عرق وغیرہ)، كُلُّ الْكِتٰبِ (کل کی کل کتاب یعنی وہ پوری کتاب جس کی بات ہو رہی ہے)۔ كُلٌّ مجموعی اور افرادی کے علاوہ کبھی كُلٌّ بمعنی بعض بھی آتا ہے جیسے فرمایا: ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا (بعض پہاڑوں پر اُن کا ایک ایک حصہ رکھ دو)۔ یا فرمایا: قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ (ہم نے کہا کہ اس کشتی میں ہر قسم کے جوڑوں میں سے دو دو کو چڑھا لو) اس آیت کے حاشیے میں حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''اس كُلٍّ سے مراد یقیناً آبی اور ہوائی اور زمینی جانوروں کے سارے انواع واقسام نہیں ہو سکتے بلکہ مراد صرف خشکی ہی کے جانور ہیں اور ان میں بھی صرف وہ جو عادۃً انسان کے کام آتے رہتے ہیں۔ لفظ كُلٍّ کے اس محدود معنی میں استعمال کی مثالیں قرآن مجید ہی میں بہ کثرت مل جاتی ہیں۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص ۴۹۹)۔ قرآن پاک اور فصحائے عرب کے کلام میں کہیں بھی یہ لفظ معرّف باللام یعنی اَلْكُلُّ استعمال نہیں ہوا۔ (واللہ اعلم)

كُلَّمَا كُلَّمَا مرکب ہے۔ كُلَّ اور 'مَا' سے۔ یہ ظرف کے تکرار کا مفہوم دیتا ہے اور مطلب ہوتا ہے۔ جب کبھی بھی، جس جس وقت۔ اس میں ظرف کا مفہوم 'مَا' کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اس لیے اسے 'مَا مصدریہ ظرفیہ' کہتے ہیں۔ اور اسی ظرفیت کی وجہ سے كُلَّ ہمیشہ منصوب رہتا ہے۔۔ اکثر كُلَّمَا کے بعد فعل ماضی آتا ہے۔ جیسے ﴿كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ﴾ (4/النساء:56) ''جب کبھی بھی اُن کی جلدیں جل جائیں گی۔'' ﴿كُلَّمَآ اَضَاۗءَ لَهُمْ﴾ (2/البقرۃ:20) ''جب کبھی چمکتی ہے اُن کے لیے۔'' ﴿كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ﴾ (71/نوحؑ:7) ''جب کبھی میں نے اُنہیں بلایا۔'' اس میں شرط کا مفہوم بھی ہوتا ہے۔

كَلٰلَةً لغوی معنی ہیں کمزور اور ضعیف۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ اس لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''صاحبؒ روح المعانی لکھتے ہیں کہ کلالہ اصل میں مصدر ہے جو کلال کے معنی میں ہے، اور کلال کے معنی ہیں تھک جانا، جو ضعف پر دلالت کرتا ہے (یعنی معنی ہوئے کمزور اور ضعیف) باپ بیٹے والی قرابت کے سوا قرابت کو کلالہ کہا گیا، اس لیے کہ وہ قرابت باپ بیٹے کی قرابت کی نسبت سے کمزور ہے۔ پھر کلالہ کا اطلاق اس مرنے والے (مرد یا عورت) پر بھی کیا گیا جس نے نہ اولاد چھوڑی اور نہ والد، اور اس وارث پر بھی اطلاق کیا گیا جو مرنے والے کا ولد (اولاد) اور والد نہ ہو، لغت کے اعتبار سے جو اشتقاق بتلایا اس کا تقاضا ہے کہ لفظ ''ذو'' مقدر ہو، اور کلالہ بمعنی ''ذو کلالہ'' ہوگا، یعنی ضعیف رشتہ والا، پھر اس مال موروث پر بھی اس کا اطلاق ہونے لگا، جو ایسی میت نے چھوڑا ہو جس کا کوئی ولد (اولاد) اور والد نہ ہو۔ (معارف القرآن، ج ۲، ص ۳۲۷) امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''اَلْكَلَالَةُ باپ اور اولاد کے علاوہ جو وارث بھی ہو وہ كَلَالَةٌ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ كَلَالَةٌ ہر اس وارث کو کہتے ہیں جو اولاد کے علاوہ ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ سے ''كَلَالَةٌ'' کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا: مَنْ مَّاتَ وَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَلَا وَالِدٌ کہ كَلَالَةٌ ہر اس میت کو کہتے ہیں جس کا باپ اور اولاد زندہ نہ ہوں۔ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے خود میت کو کلالہ قرار دیا ہے اور کلالہ کے یہ دونوں معنی صحیح ہیں کیونکہ ''كَلَالَةٌ'' مصدر ہے جو وارث اور موروث دونوں پر بولا جا سکتا ہے۔'' (مفردات القرآن، ج ۲، ص ۹۲۵)

کِلَا تاکید تثنیہ مذکر کے لیے آتا ہے۔ یعنی دونوں مذکر۔ یہ لفظ، لفظاً مفرد ہے لیکن معنی کے اعتبار سے تثنیہ ہے۔ اس لیے مفرد بھی استعمال ہوتا ہے اور تثنیہ بھی۔ بغیر مضاف الیہ کے استعمال نہیں ہوتا۔ اگر مضاف الیہ اسم ظاہر ہو تو رفع، نصب اور جرّ میں اس کا 'الف' باقی رہتا ہے۔ جیسے جَاءَ کِلَا الرَّجُلَانِ اور رَاَیْتُ کِلَا الرَّجُلَیْنِ اور مَرَرْتُ بِکِلَا الرَّجُلَیْنِ۔ مگر جب مضاف الیہ ضمیر ہو تو حالت رفع میں کِلَاھُمَا اور نصب جر میں کِلَیْھِمَا (ی کے ساتھ) آئے گا۔ جیسے رَاَیْتُ الرَّجُلَیْنِ کِلَیْھِمَا۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا ﴾ (بنی اسراءیل:23) ''اگر تیری موجودگی میں اُن میں سے ایک یا یہ دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں۔''

کِلْتَا تاکید تثنیہ مؤنث کے لیے آتا ہے۔ یعنی دونوں مؤنث۔ اس کا استعمال بھی کِلَا کی طرح ہے۔ اِن دونوں کی طرف (یعنی کِلَا اور کِلْتَا) جب ضمیر راجع ہو تو واحد کی ضمیر لائی جاتی ہے۔ جیسے ﴿ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا ﴾ (الکھف:33) ''دونوں باغ خوب پھلے پھولے۔''

اَضَآءَ (ض و ء): البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔

م ش ی

(ض) **مَشْیًا** قصد اور ارادہ سے چلنا۔ ﴿ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ﴾ (7/الاعراف:195) ''کیا ان کے پاؤں ہیں وہ لوگ چلتے ہیں جن سے۔'' 'ب' صلے کے ساتھ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کسی چیز کو لے کر چلنا۔ ﴿ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ ﴾ (6/الانعام:122) ''اور ہم نے اُس کو ایک ایسا نور دے دیا کہ وہ اُس کو لیے ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان)

اِمْشِ ج: اِمْشُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو چل۔ ﴿ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا ﴾ (67/الملک:15) ''وہی ہے جس نے کر دیا تمہارے لئے زمین کو پست و مطیع، تو تم لوگ چلو اس کے راستوں میں۔''

مَشْیٌ اسم ذات ہے۔ چال۔ ﴿ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ ﴾ (31/لقمان:19) ''اور تم میانہ روی کرو اپنی چال میں۔''

مَشَّاءٌ فَعَّالٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ بہت زیادہ چلنے والا۔ ﴿ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ ﴾ (68/القلم:11) ''بہت طعنے دینے والا، چغلی لیے پھرنے والا۔'' مَشَّاءٌ اصل میں مَشَّایٌ تھا جو قاعدے کے مطابق تبدیل ہو کر مَشَّاءٌ استعمال ہوتا ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ کسی اسم کے حرف علت (و، ی) کے ماقبل اگر الف زائدہ ہو تو اس و، ی کو ہمزہ میں بدل دیتے ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو آسان عربی گرامر از لطف الرحمٰن خان صاحب حصہ سوم، ص ۹۲)

مَشِیَّۃٌ ارادہ۔ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

اِذَا: البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔ اَظْلَمَ (ظ ل م): البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ قَامُوْا (ق و م): الفاتحۃ آیت 5 دیکھیں۔

لَوْ لَوْ کئی طرح استعمال ہوتا ہے۔

(i) بطور حرف شرط۔ ماضی کے دو جملوں پر آتا ہے۔ پہلا جملہ شرط اور دوسرا جزا ہوتا ہے۔ جس طرح اِنْ مستقبل کے لیے آتا ہے اسی طرح لَوْ ماضی میں ایک غیر تکمیل شدہ شرط کے اظہار کے لیے آتا ہے۔ اِنْ کے ترجمے میں کہا جائے گا اگر ایسا ہو گا یا نہ ہو گا تو ایسا ہو گا یا نہ ہو گا۔ لَوْ کے ترجمے میں کہا جائے گا اگر ایسا ہو گیا ہوتا یا نہ ہوا ہوتا تو ایسا ہو جاتا یا نہ ہو جاتا۔ لَوْ کے جواب پر اکثر لام استعمال ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا ﴿ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا ﴾ (الواقعہ:65) یا آیت زیر

مطالعہ میں فرمایا﴿ لَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَذَھَبَ ﴾۔اور کبھی نہیں بھی آتا۔جیسے فرمایا:﴿ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰہُ اُجَاجًا ﴾ (الواقعۃ:70)۔اگر جملہ منفی ہو تب بھی لام نہیں آتا جیسے فرمایا:﴿ لَوْ شَآءَ رَبُّکَ مَا فَعَلُوْہُ ﴾(الانعام:112)۔

(ii) لَوْ پر واوٗ بڑھا کر وَلَوْ پڑھیں تو مطلب ہوتا ہے"اگرچہ"اور اس کے بعد ہمیشہ فعل ماضی آتا ہے۔﴿وَ لَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ ﴾(التوبۃ:33)"اگرچہ مشرک ناگوار سمجھیں۔"﴿وَ لَوْ اَعْجَبَکَ کَثْرَۃُ الْخَبِیْثِ ۚ ﴾(المائدۃ:100)"اگرچہ (اے مخاطب) تم کو ناپاک کی کثرت اچھی معلوم ہو۔"وَلَوْ کے بعد جوابی جملہ نہیں آتا بلکہ ایک جملہ پہلے ہی آجاتا ہے۔

(iii) لَوْ کبھی اَنْ مصدریہ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے لیکن فعل مضارع کو نصب نہیں دیتا۔ایسا اکثر اس وقت ہوتا ہے جب لَوْ، وَدَّ یَوَدُّ کے بعد آتا ہے۔وَدُّوْا لَوْ تُدْھِنُ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈھیلے پڑ جانے کو وہ دل سے چاہتے ہیں۔یَوَدُّ اَحَدُھُمْ لَوْ یُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَۃٍ ہزار برس زندہ رہنے کو ان میں سے ہر ایک دل سے چاہتا ہے۔وَدَّ کَثِیْرٌ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ لَوْ یَرُدُّوْنَکُمْ مِّنْ بَعْدِ اِیْمَانِکُمْ کُفَّارًا "ایمان کے بعد تمہارے کافر بنا دینے کے خواہش مند بکثرت اہل کتاب ہیں۔"

(iv) لَوْ کبھی کاش کے معنی بھی دیتا ہے۔جس سے جملہ میں ماضی تمنی کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔اس کی پہچان یہ ہے کہ ایسی صورت میں جملے میں جواب شرط نہیں آتا۔جیسے لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ "کاش وہ لوگ جانتے ہوتے۔" فَلَوْ اَنَّ لَنَا کَرَّۃً "کاش ایک بار اور ہم کو دنیا میں جانا مل جاتا۔"(لَوْ کے اور استعمالات بھی ہیں جو لغات القرآن، ج۵،ص ۲۳۲ اور مصباح الغات،ص ۷۹۵ سے دیکھے جاسکتے ہیں)۔

ش ی ء

(ف) شَیْئًا، مَشِیْئَۃً چاہنا۔خواہش کرنا۔﴿مَا شَآءَ اللّٰہُ ۙ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ۚ ﴾(18/الکہف:39)"جو چاہا اللہ نے،کوئی قوت ہے ہی نہیں مگر اللہ سے۔"

شَیْءٌ ج:اَشْیَاءُ۔اسم ذات ہے۔اللہ کی مشیئت کا ظہور یا وجود۔ہر وہ چیز جو جانی پہچانی جائے اور جس کی خبر دی جا سکے۔﴿وَ ھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۹﴾ ﴾(2/البقرہ:29)"اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔"﴿لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ ۚ ﴾(5/المآئدہ:101)"تم لوگ مت پوچھو چیزوں کے بارے میں اگر وہ ظاہر کی جائیں تو تم کو بُری لگیں۔"

مَشِیْئَۃٌ اسم ذات ہے۔خواہش۔چاہت۔قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

اَللّٰہُ (ء ل ہ) : آیت بسم اللہ دیکھیں۔ ذَھَبَ (ذ ھ ب):البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ سَمْعٌ (س م ع):البقرۃ آیت 7 دیکھیں۔

ق د ر

(ن۔ض۔س) (۱) قَدَرًا کسی چیز کا اندازہ کرنا، اس کی دیکھ بھال کرنا اور اسکی تدبیر کرنا۔اندازہ لگانا۔﴿ اَلَمْ نَخْلُقْکُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّھِیْنٍ ﴿۲۰﴾ فَجَعَلْنٰہُ فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ ﴿۲۱﴾ اِلٰی قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾ فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾ ﴾(77/المرسلٰت:20-23)"کیا ہم نے پیدا نہیں کیا تم کو ایک بے وقعت پانی سے پھر ہم نے رکھا اس کو ایک محفوظ ٹھکانے میں ایک معلوم اندازے تک، پھر ہم نے اندازہ کیا تو ہم کیا ہی اچھا اندازہ کرنے والے ہیں۔" جب یہ لفظ رزق کے متعلق استعمال ہو تو اس کے معنی رزق کی تنگی کے ہوتے ہیں اور اس کی ضد بسط آتی ہے۔مثلاً ﴿ اَللّٰہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَقْدِرُ ؕ ﴾ (13/الرعد:26)"اللہ کشادہ کرتا ہے رزق کو جس کے لئے وہ چاہتا ہے اور اندازہ لگاتا ہے یعنی جس کو چاہتا ہے ناپ تول کر دیتا ہے۔" عَلٰی کے صلے کے ساتھ بھی"تنگ کرنا" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔پھر یہ تنگی یا تو رزق کی ہو سکتی ہے جیسے

فرمایا: ﴿ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ ﴾ (65/الطلاق:7) ''اور جس پر اس کے رزق کی تنگی کی گئی ہو۔'' یا حالات کی جیسے فرمایا: ﴿ وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ ﴾ (21/الانبیاء:87) ''اور مچھلی والے پیغمبر کا بھی ذکر کیجئے جب کہ وہ خفا ہو کر چلے گئے اور یہ سمجھے کہ ہم اُن پر تنگی نہ کریں گے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ آگے حاشیے میں حضرتؒ فرماتے ہیں: ''قدر بمعنی استطاعت وقابو نہیں ضیق وتنگی کے مفہوم میں ہے۔''

(۲) قُدْرَةً قابو یافتہ ہونا۔ قدرت رکھنا۔ طاقت رکھنا۔ ﴿ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ ﴾ (16/النحل:76) ''اللہ ایک مثال دیتا ہے دو آدمیوں کی، ان میں کا ایک گونگا ہے وہ قدرت نہیں رکھتا کسی چیز پر۔'' عَلٰی کے صلے کے ساتھ اس مصدر سے صیغہ استعمال ہو تو معنی ہوتے ہیں کسی کو قابو کرنا، کسی کو پکڑنا۔ ﴿ وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ ﴾ (21/الانبیاء:87) بعض بزرگوں نے اس آیت میں نَقْدِرَ عَلَيْهِ کا ترجمہ ''قابو کرنا، پکڑنا سے بھی کیا ہے مثلاً: ''اور مچھلی والے کو جب چلا گیا غصہ ہو کر پھر سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے اُس کو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ''مچھلی والے حضرت یونسؑ کو یاد کرو جب کہ وہ غصے سے چل دیا اور خیال کیا کہ ہم اُسے نہ پکڑ سکیں گے۔'' (ترجمہ احسن البیان)

(۳) قَدْرًا کسی کی عظمت کا ادراک کرنا۔ تعظیم کرنا۔ کسی کی عظمت کو پہچاننا۔ ﴿ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ ﴾ (6/الانعام:91) ''اور ان لوگوں نے تعظیم نہیں کی اللہ کی جیسا کہ اس کی تعظیم کا حق ہے۔''

قَدَرٌ اسم ذات ہے۔ (i) اندازہ۔ ﴿ وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ ﴾ (43/الزخرف:11) ''اور جس نے نازل کیا آسمان سے پانی ایک اندازے سے۔'' ﴿ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴾ (77/المرسلات:22) ''ایک معلوم اندازے تک۔''

(ii) وہ قوانین فطرت جن کے تحت کوئی چیز وجود میں آتی اور ترتیب پاتی ہے اور یہ صفت اللہ تعالیٰ سے خاص ہے اور صرف اچھے معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ ﴿ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴾ (54/القمر:49) ''ہم نے ہر چیز اندازہ مقررہ کے ساتھ پیدا کی ہے۔''

(iii) اصطلاحِ شرح میں لفظ قَدَرٌ بمعنی تقدیر الٰہی بھی استعمال ہوتا ہے۔ (معارف)۔

قَدْرٌ اسم ذات ہے۔ (i) کسی چیز کی عظمت۔ ﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴾ (97/القدر:1) ''اور ہم نے اتارا اس کو عظمت والی رات میں۔''

(ii) قدر و قیمت، اندازہ۔ ﴿ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ﴾ (65/الطلاق:3) ''اللہ نے رکھا ہے ہر چیز کا اندازہ۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''اللہ نے ہر شے کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

(iii) قَدْرٌ کے دوسرے معنی تقدیر و حکم کے بھی آتے ہیں۔ (معارف)۔

قَادِرٌ ج: قَادِرُوْنَ۔ فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ قدرت رکھنے والا۔ اندازہ کرنے والا۔ قابو پانے والا۔ طاقت رکھنے والا۔ ﴿ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴾ (75/القیامۃ:40) ''کیا وہ قدرت رکھنے والا نہیں ہے اس پر کہ وہ زندہ کرے مردہ کو۔'' صرف اللہ تعالیٰ کی ذات مبارک ایسی ہے کہ جو مکمل طور پر قدرت رکھنے والی ہے۔ اس لیے کسی انسان کو مطلقاً هُوَ قَادِرٌ کہنا درست نہیں۔ البتہ یوں کہا جا سکتا ہے هُوَ قَادِرٌ عَلٰى كَذَا یعنی وہ اس چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

مَقْدُوْرٌ اسم المفعول ہے۔ مقرر کردہ۔ وہ جو ٹھہرایا جا چکا۔ ﴿ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ﴾ (33/الاحزاب:38) ''اور اللہ تعالیٰ کے کام اندازے پر مقرر کیے ہوئے ہیں۔''

قَدِیْرٌ فَعِیْلٌ کے وزن پر صیغۂ مبالغہ ہے۔ اسم الفاعل کے معنی میں۔ ہر وقت قدرت رکھنے والا۔ ﴿ وَ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ ۨ﴾ (22/الحج:39) ''بیشک اللہ ان کی مدد پر ہر وقت قدرت رکھنے والا ہے۔'' قدیر اُس کو کہتے ہیں جو حکمت کے مطابق جو کچھ چاہے کرے اسی لیے اللہ کے سوا کسی مخلوق کو قدیر نہیں کہہ سکتے۔ قرآن مجید یا حدیث میں کسی جگہ انسان، فرشتے، جن یا کسی مخلوق کو قدیر نہیں کہا گیا۔ (واللہ اعلم)

قِدْرٌ ج: قُدُوْرٌ۔ ہانڈیاں۔ دیگیں۔ ﴿ وَ قُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ ؕ﴾ (34/سبا:13) ''اور چولہوں پر جمی ہوئی مضبوط دیگیں۔''

مِقْدَارٌ مِفْعَالٌ کے وزن پر اسم الآلہ ہے۔ اندازہ کرنے کا پیمانہ۔ مقدار۔ ﴿ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْہِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗۤ اَلْفَ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴾ (32/السجدہ:5) ''پھر وہ چڑھ جاتا ہے اس کی طرف ایک ایسے دن میں، جس کی مقدار ایک ہزار سال ہے جس سے تم لوگ گنتی کرتے ہو۔''

(تفعیل) **تَقْدِیْرًا** کسی کو اندازہ یا قدر و قیمت یا قدرت دینا۔ تجویز کرنا۔ کسی چیز کو خاص اندازے پر بنانا۔ مقرر کرنا۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''تقدیر کے معنی کسی چیز کو زمانہ یا مکان یا صفات کے اعتبار سے ایک مخصوص مقدار اور پیمانہ پر رکھنے کے ہیں۔ رات اور دن کے اوقات کو ایک خاص پیمانہ پر رکھنے کے لیے قرآن کریم نے فرمایا وَاللّٰہُ یُقَدِّرُ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ، مکانی فاصلے اور مسافت کو ایک خاص پیمانہ پر رکھنے کے لیے دوسری جگہ ملک شام اور سباء کی درمیانی بستیوں کے متعلق فرمایا وَقَدَّرْنَا فِیْھَا السَّیْرَ اور عام مقادیر کے متعلق فرمایا وَ خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقْدِیْرًا۔ (معارف القرآن، ج ۴، ص ۵۰۵)۔ ﴿ الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ۙ وَ الَّذِیْ قَدَّرَ فَھَدٰی ۙ﴾ (87/الاعلیٰ:2-3) ''جس نے پیدا کیا اور نوک پلک درست کی اور جس نے اندازہ کیا پھر ہدایت دی۔'' ﴿ وَ الْقَمَرَ قَدَّرْنٰہُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ کَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ﴾ (36/یٰس:39) ''اور چاند، ہم نے مقرر کیں اس کی منزلیں یہاں تک کہ وہ ہوگیا پرانے کھجور کی ٹہنی کی مانند۔''

تَقْدِیْرٌ یہ مصدر بطور اسم ذات بھی استعمال ہوتا ہے۔ طے شدہ بات۔ تقدیر۔ اندازہ۔ (Decree)۔ ﴿ وَ الشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّھَا ؕ ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴾ (36/یٰس:38) ''اور سورج وہ تیرتا ہے اپنے مدار پر۔ یہ علم والے بالادست کا طے شدہ امر ہے۔''

(افتعال) **اِقْتِدَارًا** اہتمام سے قابو حاصل کرنا۔

مُقْتَدِرٌ ج: مُقْتَدِرُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ قابو پانے والا۔ قابو یافتہ۔ ﴿ وَ کَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴾ (18/الکہف:45) ''اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح قابو یافتہ ہے۔'' ﴿ فَاِنَّا عَلَیْھِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴾ (43/الزخرف:42) ''سو ہم اُن پر بھی قدرت رکھتے ہیں۔''

ترکیب

یَکَادُ فعل مقاربہ ہے۔ اَلْبَرْقُ فاعل ہے۔ اور یَخْطَفُ اصل فعل ہے۔ اس میں شامل ضمیر 'ھُوَ' اس کا فاعل ہے جو کہ اَلْبَرْقُ کے لیے ہے۔ اَبْصَارَھُمْ مفعول ہے۔ فعل مضارع اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے یَکَادُ کی اور یَکَادُ اپنے اسم اور خبر کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔ کُلَّمَا بھی اِذَا کی طرح حرف شرط ہے۔ اَضَاءَ لَھُمْ اس کی شرط اور مَشَوْا فِیْہِ جواب شرط ہے۔ اسی طرح اِذَا کی شرط اَظْلَمَ عَلَیْھِمْ ہے اور قَامُوْا جواب شرط ہے۔ لَوْ شَاءَ اللّٰہُ میں لَو تمنی نہیں بلکہ شرطیہ ہے۔ لَذَھَبَ جواب شرط ہے۔ لَذَھَبَ کا صلہ بِ، سَمْعِھِمْ پر ظاہر ہے اور اَبْصَارِھِمْ میں محذوف ہے۔ اسی لیے اَبْصَارِ حالت جر میں آیا ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے اور لفظ اَللّٰہَ اس کا اسم، عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ متعلق خبر اور قَدِیْرٌ خبر ہے۔ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ کو خبر سے مقدم کرنے کی وجہ سے حصر کا مفہوم پیدا ہوا ہے۔ اَضَاءَ۔ مَشَوْا۔ اَظْلَمَ اور قَامُوْا ماضی کے صیغے ہیں لیکن کُلَّمَا اور اِذَا کی وجہ سے ان کا ترجمہ حال میں ہوگا۔

ترجمہ
البقرۃ:20

اَضَآءَ لَهُمْ	كُلَّمَآ	اَبْصَارَهُمْ ؕ	يَخْطَفُ	الْبَرْقُ	يَكَادُ
چمکتی ہے اُن کے لیے	جب کبھی	ان کی بصارت کو	اچک لے	بجلی	قریب ہے کہ

قَامُوْا ؕ	اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ	وَاِذَآ	مَّشَوْا فِيْهِ ۙ
وہ لوگ کھڑے رہتے ہیں	اندھیرا چھا جاتا ہے ان پر	اور جب کبھی	وہ لوگ چلتے ہیں اس میں

وَ اَبْصَارِهِمْ ؕ	بِسَمْعِهِمْ	لَذَهَبَ	وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ
اور ان کی بصارت	ان کی سماعت	تو لے جاتا	اور اگر اللہ چاہتا

قَدِيْرٌ ؑ ﴿۲۰﴾	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	اِنَّ اللّٰهَ
قدرت رکھنے والا ہے	ہر چیز پر	بیشک اللہ

نوٹ آیت نمبر۔17 اور 18 میں دی گئی پہلی مثال میں ہے کہ اللہ ان کے باطنی نور کو لے گیا۔اس سے معلوم ہوا کہ یہ مثال کافروں، یہودیوں اور منافقین میں سے اُن لوگوں کی ہے جنہوں نے اپنے ضعفِ ایمان کے مرض کا علاج نہیں کیا اور آخر کار کفر و نفاق میں مبتلاء ہو گئے۔اب وہ ایسے مقام پر ہیں جہاں سے واپسی ممکن نہیں ہے۔

جبکہ آیت نمبر۔19 اور 20 میں دی گئی دوسری مثال میں ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو ان کی سماعت اور بصارت کو لے جاتا یعنی ان کی صلاحیتیں ابھی باقی ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ یہ مثال منافقوں میں سے ایسے لوگوں کی ہے جن کی مہلت ابھی باقی ہے اور ان کا مرض ابھی لاعلاج نہیں ہوا ہے۔جو چاہے اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر علاج کر لے۔(واللہ اعلم)

آیت:21

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ﴿۲۱﴾ ﴾

اَلنَّاسُ: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ اُعْبُدُوْا (ع ب د): الفاتحہ آیت 4 دیکھیں۔ رَبٌّ (ر ب ب): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

خ ل ق

(ن) **خَلْقًا و خَلْقَةً** خلق کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔مثلاً

(i) کسی چیز کو بنانے کے لیے اس کا اندازہ لگانا، منصوبہ بنانا یا خاکہ تیار کرنا۔اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی انجینئر ایک عمارت بنانے سے پہلے یہ ارادہ کرتا ہے کہ اسے ایسی اور ایسی عمارت فلاں خاص مقصد کے لیے بنانی ہے اور اپنے ذہن میں اس کا نقشہ سوچتا ہے کہ اس مقصد کے لیے زیر تجویز عمارت کی تفصیلی صورت اور مجموعی شکل یہ ہونی چاہیے۔

(ii) خلق کا عام مفہوم یہ ہے کہ ایک چیز سے دوسری چیز بنائی جائے۔پہلے مادہ موجود ہو تو اس سے کوئی دوسری چیز ایجاد کی جائے۔جیسے ارشاد باری ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا ﴾ (4/النساء:1) ''لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی جان سے اس کا جوڑا بنایا۔'' اس صورت میں اس کی نسبت غیر اللہ کی طرف بھی ہو سکتی ہے۔جیسے حضرت عیسیٰؑ سے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:

﴿وَ اِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ﴾ (5/المائدۃ:110) ''اور جب تو بناتا تھا گارے سے پرندے کی صورت۔''

(iii) کبھی خلق، اِبْدَاع کے معنی میں بھی آتا ہے۔قرآن کریم میں جیسے خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ آتا ہے، ایسے ہی بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بھی آتا ہے۔اس صورت میں اس کی نسبت غیر اللہ کی طرف نہیں ہوسکتی۔(ابداع یعنی مادہ اور سابقہ مثال کے بغیر بنانا)۔

(iv) عام لوگوں کے لیے خلق کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔(ا) کسی چیز کو بنانے کے لیے اندازہ کرنا۔(ب) جھوٹ بولنا یا جھوٹ گھڑنا۔مثلاً ﴿اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّ تَخْلُقُوْنَ اِفْكًا﴾ (29/العنکبوت:17) ''تم تو پوجتے ہو اللہ کے سوائے یہی بتوں کے تھان اور بناتے ہو جھوٹی باتیں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

خَلْقٌ یہ لفظ مصدر کے علاوہ (1) اسم ذات بھی ہے بمعنی پیدائش۔﴿وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ (3/آل عمران:191) ''اور وہ لوگ غور وفکر کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں۔''

(2) مخلوق کے معنی میں بھی آتا ہے۔﴿هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ﴾ (31/لقمان:11) ''یہ اللہ کی مخلوق ہے۔''

(3) اور ہر وہ مقام جہاں خلق کا لفظ کلام کے متعلق استعمال ہوا ہے اس سے جھوٹ ہی مراد ہے۔اس بنا پر اکثر لوگ قرآن کے متعلق خلق کا لفظ استعمال نہیں کیا کرتے تھے۔(مفردات)

خَالِقٌ اسم الفاعل ہے۔ پیدا کرنے والا۔اندازہ کرنے والا۔منصوبہ بنانے والا۔ ﴿قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ (13/الرعد:16) ''آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔''

خَلَّاقٌ فَعَّالٌ کے وزن پر اسم المبالغہ ہے۔بہت زیادہ پیدا کرنے والا۔﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝﴾ (15/الحجر:86) ''بیشک تیرا رب ہی سب کچھ پیدا کرنے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''

(س) **خَلَقًا** چکنا ہونا۔نرم ہونا۔قرآن مجید میں فعل استعمال نہیں ہوا۔

(ک) **خُلُوْقَةً** اچھے اخلاق والا ہونا۔قرآن مجید میں فعل استعمال نہیں ہوا

خُلُقٌ ج: اَخْلَاقٌ۔ عادت، خصلت، اخلاقی خوبیاں۔﴿اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ۝﴾ (26/الشعراء:137) ''اور کچھ نہیں یہ باتیں عادت ہے اگلے لوگوں کی۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔﴿وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝﴾ (68/القلم:4) ''اور بے شک آپ ﷺ اخلاق کے اعلیٰ مرتبے پر ہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔اس آیت میں خُلُقٌ کی وضاحت کرتے ہوئے پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''پہلے یہ سمجھیے کہ خُلق کس کو کہتے ہیں۔امام فخر الدین رازیؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔اَلْخُلُقُ مَلَكَةٌ نَفْسَانِيَّةٌ يَسْهَلُ عَلَى الْمُتَّصِفِ بِهَا الْاِتْيَانُ بِالْاَفْعَالِ الْجَمِيْلَةِ۔یعنی خلق، نفس کے اس ملکہ اور استعداد کو کہتے ہیں جس میں وہ پایا جائے، اس کے لیے افعال جمیلہ اور خصال حمیدہ پر عمل پیرا ہونا آسان اور سہل ہو جائے۔(کبیر)۔پھر فرماتے ہیں کسی اچھے اور خوبصورت فعل کا کرنا الگ چیز ہے، لیکن اس کو سہولت اور آسانی سے کرنا الگ چیز ہے۔کوئی کام خُلُق اسی وقت کہلائے گا جب اس کے کرنے میں تکلف سے کام لینے کی نوبت نہ آئے (کبیر)۔یعنی جس طرح آنکھ بے تکلف دیکھتی ہے کان بے تکلف سنتے ہیں، زبان بے تکلف بولتی ہے اسی طرح سخاوت، شجاعت، حیا، حق گوئی، تقویٰ وغیرہ تجھ سے کسی تردّد اور توقّف کے بغیر صدور پذیر ہونے لگیں تو اس وقت ان امور کو تیرے اخلاق شمار کیا جائے گا۔'' (ضیاء القرآن، ج۵، ص۳۳۱)

خَلَاقٌ اسم ذات ہے۔بھلائی کا حصہ۔وہ فضیلت جو انسان اپنے اخلاق سے حاصل کرتا ہے۔﴿اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ﴾ (3/آل عمران:77) ''وہ لوگ ہیں جن کے لئے بھلائی کا کوئی حصہ نہیں ہے آخرت میں۔''

(تفعیل) تَخْلِیْقًا شکل وصورت بنانا۔ کسی صورت کے ابتدائی نقش ونگار بنانا۔

مُخَلَّقَۃٌ اسم المفعول ہے۔ واحد مؤنث کا صیغہ۔ جس کی شکل بنائی گئی۔ شکل دیا ہوا۔ ﴿فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَیْرِ مُخَلَّقَةٍ﴾ (22/الحج:5) ''تو تمہیں معلوم ہو کہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے، پھر نطفے سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر گوشت کی بوٹی سے جو شکل والی بھی ہوتی ہے اور بے شکل بھی۔'' (ترجمہ تفہیم القرآن)

(افتعال) اِخْتِلَاقًا جھوٹ گھڑنا۔ ﴿اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۚۖ﴾ (38/صٓ:7) ''نہیں ہے یہ مگر جھوٹ گھڑنا۔''

قَبْلُ: البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔

لَعَلَّ حرف مشبہ بالفعل ہے۔ ''شاید کہ''۔ عربی زبان میں لَعَلَّ وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں کسی چیز کے حاصل ہونے کی توقع اور امید ہو لیکن یقین نہ ہو یا اس جگہ استعمال ہوتا ہے جہاں کسی چیز کا اندیشہ ظاہر کرنا ہو۔ اللہ تعالیٰ کے لیے جب یہ کلمہ استعمال ہو تو تعجب ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ہمیشہ سے ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ بندوں سے بندوں کے محاورے میں کلام کرتا ہے اور جس موقع پر بندے اس کلمہ کو استعمال کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ بھی اس موقع پر استعمال کرتا ہے۔ البتہ بندوں اور اللہ تعالیٰ کے استعمال میں فرق یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کلمہ استعمال ہو تو معنی میں قطعیت آجاتی ہے اور شک کی جگہ یقین کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں جہاں لَعَلَّ کے ساتھ کُمْ یا هُمْ کی ضمیر لگا کر فعل مضارع آیا ہے، مثلاً تَتَّقُوْنَ۔ تَهْتَدُوْنَ۔ تَشْكُرُوْنَ وغیرہ۔ وہاں اس کا اصل مفہوم یہ ہوتا ہے کہ یہ کام کرنے کا ایک موقع فراہم کیا گیا ہے، اب جس کا جی چاہے فائدہ اٹھائے یا نہ اٹھائے۔ اردو محاورہ میں یہ مفہوم لفظ ''تاکہ'' سے صحیح طور پر ادا ہوتا ہے۔ حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''لَعَلَّ ہے تو اظہار شک اور امید و آرزو کے لیے۔ لیکن قرآن مجید میں جہاں حق تعالیٰ کی طرف سے ادا ہوا ہے، تو کسی فعل کی آرزو کی جگہ اس کے وقوع کا اور شک و احتمال کی جگہ یقین کا مفہوم پیدا ہو گیا ہے۔ اور اُردو ترجمہ ''تاکہ'' سے بھی جائز ہو گیا ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص ۱۳)

تَتَّقُوْنَ (و ق ی): البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔

ترکیب یا۔ حرف ندا ہے۔ اَیُّهَا النَّاسُ منادیٰ ہے۔ اَلنَّاسُ چونکہ معرف باللام ہے اور مذکر ہے اس لیے اس سے پہلے اَیُّهَا کا اضافہ ہوا ہے۔ اُعْبُدُوْا۔ فعل امر ہے۔ اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر اس کا فاعل ہے۔ رَبَّكُمْ مفعول ہے۔ اَلَّذِیْ اسم موصول ہے اور اگلا جملہ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ اس کا صلہ ہے۔ اس میں اَلَّذِیْنَ عطف ہے خَلَقَكُمْ میں كُمْ ضمیر پر یعنی جس نے تمہیں پیدا کیا اور ان کو پیدا کیا جو تم سے پہلے تھے۔ موصول اور صلہ مل کر صفت ہے رَبَّكُمْ میں رَبَّ کی۔ لَعَلَّ حرف مشبہ بالفعل ہے كُمْ اس کا اسم ہے اور جملہ فعلیہ تَتَّقُوْنَ اس کی خبر ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ کا ترجمہ عام طور پر ہمارے بزرگوں نے تَتَّقُوْنَ کے لفظ کا اصطلاحی مفہوم لے کر کیا ہے یعنی ''تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔'' البتہ کچھ بزرگوں نے اس کے لفظی مفہوم 'بچنا، محفوظ رہنا' سے بھی ترجمہ کیا ہے۔ مثلاً حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: ''اے لوگو! عبادت اختیار کرو اپنے پروردگار کی جس نے تم کو پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں عجب نہیں کہ تم دوزخ سے بچ جاؤ (شاہی محاورہ میں 'عجب نہیں' کا لفظ وعدہ کے موقع پر بولا جاتا ہے۔) اور صاحب تدبر قرآن ترجمہ کرتے ہیں: ''اے لوگو! بندگی کرو اپنے اس خداوند کی جس نے تم کو بھی پیدا کیا اور ان کو بھی جو تم سے پہلے گزرے ہیں، تاکہ دوزخ کی آگ سے محفوظ رہو۔''

ترجمہ البقرۃ:21

خَلَقَكُمْ	الَّذِیْ	رَبَّكُمْ	اعْبُدُوْا	یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ
پیدا کیا تم لوگوں کو	جس نے	اپنے اُس رب کی	تم لوگ بندگی کرو	اے لوگو

تَتَّقُوْنَ	لَعَلَّكُمْ	مِنْ قَبْلِكُمْ	وَالَّذِیْنَ
پرہیز گار بن جاؤ	تاکہ تم لوگ	تم سے پہلے تھے	اور ان لوگوں کو بھی جو

آیت:22

﴿ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخۡرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزۡقًا لَّکُمۡ ۚ فَلَا تَجۡعَلُوۡا لِلّٰہِ اَنۡدَادًا وَّ اَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۲﴾ ﴾

جَعَلَ (ج ع ل): البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ اَلۡاَرۡضُ (ء ر ض): البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔

ف ر ش

(ن۔ض) **فَرۡشًا و فِرَاشًا** کسی چیز کو بچھانا۔کشادہ کرنا۔﴿ وَالۡاَرۡضَ فَرَشۡنٰہَا فَنِعۡمَ الۡمٰہِدُوۡنَ ﴿۴۸﴾ ﴾(51/الذٰریات:48)''اور زمین، ہم نے بچھایا اس کو، تو ہم کیا ہی اچھا بچھانے والے ہیں۔''

فِرَاشٌ ج: فُرُشٌ۔فِعَالٌ کے وزن پر اسم المفعول ہے۔بچھائی ہوئی چیز۔بچھونا۔بستر۔﴿ مُتَّکِـِٕیۡنَ عَلٰی فُرُشٍۭ بَطَآئِنُہَا مِنۡ اِسۡتَبۡرَقٍ ؕ ﴾(55/الرحمٰن:54)''تکیہ لگانے والے بچھونوں پر، ان کا استر (یعنی اندر کا کپڑا) ہے موٹے ریشم کا۔''

فَرۡشٌ مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔بچھونا۔چوپایوں کے چھوٹے بچے جو زمین سے لگے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور جن پر بوجھ نہیں لادا جاتا۔﴿ وَ مِنَ الۡاَنۡعَامِ حَمُوۡلَۃً وَّ فَرۡشًا ؕ ﴾(6/الانعام:142)''اور چوپایوں میں سے کچھ بوجھ اٹھانے والے اور کچھ زمین سے لگے ہوئے جانور۔''

فَرَاشَۃٌ ج: فَرَاشٌ۔اسم ذات ہے۔پروانہ۔پتنگا۔﴿ یَوۡمَ یَکُوۡنُ النَّاسُ کَالۡفَرَاشِ الۡمَبۡثُوۡثِ ۙ﴿۴﴾ ﴾(101/القارعۃ:4)''جس دن لوگ ہو جائیں گے پھیلائے ہوئے پتنگوں کی مانند۔''

اَلسَّمَآءُ (س م و): آیت بسم اللہ دیکھیں۔

ب ن ی

(ض) **بِنَاءً، بُنۡیَا** بنانا۔تعمیر کرنا۔﴿ وَالسَّمَآءَ بَنَیۡنٰہَا بِاَیۡىدٍ ﴾(51/الذٰریات:47)''اور آسمان، ہم نے بنایا اس کو ہاتھوں سے۔''

اِبۡنِ فعل امر ہے۔تو بنا۔تو تعمیر کر۔﴿ اِذۡ قَالَتۡ رَبِّ ابۡنِ لِیۡ عِنۡدَکَ بَیۡتًا فِی الۡجَنَّۃِ ﴾(66/التحریم:11)''اور جب اس نے کہا اے میرے رب! تو بنا میرے لئے اپنے پاس ایک گھر جنت میں۔''

بِنَاءٌ فِعَالٌ کے وزن پر اسم المفعول ہے۔جو چیز بنائی جائے۔پھر یہ لفظ عمارت، چھت یا بلندی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔آیت زیر مطالعہ۔اصل میں بِنَایٌ تھا۔قاعدہ یہ ہے کہ کسی اسم کے حرف علت (و یا ی) کے ماقبل اگر الف زائدہ ہو تو اس و یا ی کو 'ء' سے بدل دیتے ہیں۔اس لیے بِنَایٌ، بِنَاءٌ ہو گیا۔

مَبۡنِیَّۃٌ اسم المفعول ہے۔واحد مونث۔ناقص یائی کا اسم المفعول ''مَفۡعِیٌّ'' کے وزن پر آتا ہے۔اور اس کی مؤنث کا وزن ہے مَفۡعِیَّۃٌ۔اسی پر مَبۡنِیَّۃٌ ہے۔مطلب ہے بنائی ہوئی، تیار کی ہوئی۔﴿ لٰکِنِ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا رَبَّہُمۡ لَہُمۡ غُرَفٌ مِّنۡ فَوۡقِہَا غُرَفٌ مَّبۡنِیَّۃٌ ۙ ﴾(39/الزمر:20)''البتہ جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں اُن کے لیے بالا خانے ہیں جن کے اوپر بنے بنائے (تیار) بالا خانے ہیں۔''(ترجمہ ماجدیؒ)

بُنْيَانٌ فُعْلَانٌ کا وزن ہے۔ بہت زیادہ بنا ہوا۔عمارت۔﴿ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ﴾(18/الکھف:21)''تو ان لوگوں نے کہا تم لوگ تعمیر کروان پر ایک عمارت۔''﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝ ﴾(61/الصّف:4)''بے شک اللہ تعالیٰ اُن لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اُس کی راہ میں صف بستہ جہاد کرتے ہیں گو یا وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں۔''(ترجمہ احسن البیان)

بَنَّاءٌ فَعَّالٌ کے وزن پر اسم المبالغہ ہے۔ بہت زیادہ تعمیر کرنے والا۔معمار۔﴿ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاصٍ ۝ ﴾(38/صٓ:37)''اور شیاطین جو سب معمار اور غوطہ لگانے والے تھے۔'' یہ بھی اصل میں بَنَّايٌ تھا۔'ی' سے پہلے الف زائدہ ہونے کی وجہ سے 'ی' ، 'ء' میں تبدیل ہوگئی۔

اَنْزَلَ (ن ز ل): البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔

م و ہ

(ن) مَوْهًا پانی پلانا۔دو چیزوں کو ملانا۔قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

مَاءٌ اسم ذات ہے۔پانی۔(یہ دراصل مَوَهٌ ہے جو قاعدے کے مطابق مَاهٌ کے بجائے مَاءٌ استعمال ہوتا ہے)۔

خ ر ج

(ن) خُرُوْجًا باہر نکلنا۔﴿ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾(2/البقرہ:149)''اور جہاں سے بھی آپ ﷺ نکلیں تو رخ کریں اپنے چہرے کا مسجد حرام کی طرف۔''﴿ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ ﴾(40/المومن:11)''تو ہم نے اعتراف کیا اپنے گناہوں کا تو کیا نکلنے کیلئے کوئی راستہ ہے۔''

اُخْرُجْ فعل امر ہے۔تو نکل۔﴿ فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ ﴾(7/الاعراف:13)''تو تیرے لئے نہیں تھا کہ تو تکبر کرے اس میں پس تو نکل جا۔''

خَارِجٌ اسم الفاعل ہے۔نکلنے والا۔﴿ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ۝ ﴾(2/البقرہ:167)''اور وہ لوگ نکلنے والے نہیں ہیں آگ سے۔''

مَخْرَجٌ اسم الظرف ہے۔نکلنے کی جگہ۔نکلنے کا راستہ۔﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ ﴾(65/الطلاق:2)''اور جو تقویٰ کرتا ہے اللہ سے تو وہ بنا دیتا ہے اس کے لئے کوئی نکلنے کا راستہ۔''

خَرْجٌ اسم ذات ہے۔سرمایہ۔خرچ۔محصول۔ٹیکس۔خراج وغیرہ۔﴿ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰۤى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۝ ﴾(18/الکھف:94)''تو کیا ہم مقرر کر دیں تیرے لئے کوئی سرمایہ اس بات پر کہ تو بنا دے ہمارے اور ان کے مابین ایک دیوار۔''

خَرَاجٌ اسم ذات ہے۔مال۔مزدوری۔خراج۔اجر و ثواب۔عطا وغیرہ۔خَرَاجٌ کا لفظ عموماً زمین کے لگان پر بولا جاتا ہے اور خَرَاجٌ اور خَرْجٌ دونوں تقریباً ہم معنی ہیں۔(ضیاء القرآن)﴿ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ﴾(23/المومنون:72)''کیا آپؐ طلب کرتے ہیں اُن سے کچھ معاوضہ (آپؐ کے لیے) تو آپؐ کے رب کی عطا بہتر ہے۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)

(افعال) اِخْرَاجًا باہر نکالنا۔﴿ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ ﴾(7/الاعراف:32)''آپ ﷺ کہہ دیجئے کس نے حرام کیا اللہ کی اس زینت کو جو اس نے نکالی اپنے بندوں کیلئے۔''

	اَخْرِجْ	ج: اَخْرِجُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو نکال۔ ﴿ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ ھٰذِہِ الْقَرْيَةِ ﴾ (4/النساء:75) ''اے ہمارے رب! تو نکال ہم کو اس بستی سے۔''
	مُخْرِجٌ	اسم الفاعل ہے۔ نکالنے والا۔ ﴿ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴾ (2/البقرہ:72) ''اور اللہ نکالنے والا ہے جو تم لوگ چھپایا کرتے تھے۔''
	مُخْرَجٌ	اسم المفعول ہے۔ نکالا جانے والا یعنی جس کو نکالا جائے۔ ﴿ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَ كُنْتُمْ تُرَابًا وَّ عِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴾ (23/المومنون:35) ''کیا وہ وعدہ دیتا ہے تم کو کہ جب تم مردہ ہو گے اور ہو جاؤ گے مٹی اور ہڈیاں تو تم نکالے جانے والے ہو۔''
(استفعال)	اِسْتِخْرَاجًا	کسی چیز میں سے کچھ نکالنا۔ ﴿ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ﴾ (12/یوسف:76) ''پھر اس نے نکالا اس کو اپنے بھائی کے سامان میں سے۔'' کسی آیت یا حدیث سے کوئی مسئلہ نکالنا بھی استخراج یا استنباط کہلاتا ہے۔

ث م ر

(ن)	ثُمُوْرًا	پھل دار ہونا۔ پھل والا ہونا۔ قرآن مجید میں فعل استعمال نہیں ہوا۔
	ثَمَرٌ	اسم ذات ہے۔ پھل۔ پھلوں کے لیے یہ لفظ عام ہے۔ اس کی واحد ثَمَرَۃٌ آتی ہے اور جمع ثَمَرَاتٌ اور ثِمَارٌ آتی ہے۔ ﴿ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ﴾ (2/البقرۃ:25) ''جب کوئی پھل انہیں کھانے کو دیا جائے گا۔'' ثَمَرَاتٌ آیت زیر مطالعہ میں آیا ہے۔ ﴿ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَ يَنْعِهٖ ﴾ (6/الانعام:99) ''تم لوگ دیکھو اُس کے پھل کی طرف جب وہ پھل دے اور اُس کے پکنے کی طرف۔'' حضرت مفتی محمد شفیعؒ ثمرۃ کے لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''ثَمَرَاتٌ، ثمرہ کی جمع ہے، ہر نفع آور چیز سے حاصل ہونے والے نتیجہ کو اس کا ثمرہ کہا جاتا ہے، اس لیے لفظ ثَمَرَاتٌ میں وہ تمام چیزیں بھی شامل ہیں جو انسان کی غذا بنتی ہیں، اور وہ چیزیں بھی جو اس کا لباس بنتی ہیں، اور وہ چیزیں بھی جو اس کے رہنے سہنے کا مکان بنتی ہیں۔'' (معارف القرآن، ج۵، ص ۲۵۴)۔ حضرتؒ سورہ ابراہیم کی آیت 37 کے تحت فرماتے ہیں: ''ثَمَرَاتٌ، ثَمَرَۃ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں پھل اور عادۃً ان پھلوں کو کہا جاتا ہے جو کھائے جاتے ہیں۔ اور کبھی لفظ ثمرہ نتیجہ اور پیداوار کے معنی میں بھی آتا ہے جو کھانے کی چیزوں سے زیادہ عام ہے، ہر نفع آور چیز کے نتیجہ اور حاصل کو اُس کا ثمرہ کہا جا سکتا ہے، مشینوں اور صنعتی کارخانوں کے ثمرات ان کی مصنوعات کہلائیں گی، ملازمت اور مزدوری کا ثمرہ وہ اُجرت اور تنخواہ کہلائے گی جو اس کے نتیجہ میں حاصل ہوئی۔'' (معارف القرآن، ج۵، ص ۲۶۵) امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''مجازاً ہر چیز کے نفع پر ثمر کا لفظ بولا جاتا ہے جیسے کہا جاتا ہے ثَمَرَۃُ الْعِلْمِ، اَلْعَمَلُ الصَّالِحُ کہ علم کا ثمرہ نیک عمل ہے وَثَمَرَۃُ الْعَمَلِ الصَّالِحِ، اَلْجَنَّۃُ۔ اور نیک عمل کا ثمرہ جنت ہے۔'' بطور کنایہ ثَمَرٌ کا لفظ مطلق مال و دولت یا کمائے ہوئے مال پر بھی بولا جاتا ہے۔ جیسے فرمایا ﴿ وَّ كَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ﴾ (الکہف:34)۔ اس آیت کے تحت حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''لفظ ثمر درختوں کے پھل کو بھی کہا جاتا ہے، اور مطلق مال و زر کو بھی، اس جگہ (الکہف۔34) حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ، قتادہؒ سے یہی دوسرے معنی منقول ہیں (ابن کثیرؒ)۔ قاموس میں ہے کہ لفظ ثمرہ درخت کے پھل اور انواعِ مال و زر سب کو کہا جاتا ہے۔'' (معارف القرآن، ج۵، ص ۵۹۲)۔ اولاد کو بھی والدین کا ثمر قرار دیا گیا ہے۔
(افعال)	اِثْمَارًا	پھل دینا۔ ﴿ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ ﴾ (6/الانعام:141) ''تم لوگ کھاؤ اس کے پھل میں سے جب بھی وہ پھل دے۔''

رِزْقًا (ر ز ق) :البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ اَللّٰہُ (ء ل ہ) : آیت بسم اللہ دیکھیں۔

ن د د

(ض) نَدًّا کسی کا ہم پلہ ہونا۔ مدمقابل ہونا۔

نِدٌّ ج: اَنْدَادٌ ۔اسم صفت ہے۔ ہم پلہ۔ ہم سر۔ مدمقابل۔ برابر کا مخالف۔ Rival۔ آیت زیر مطالعہ۔ نِدٌّ عربی زبان میں اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی کے جیسی بھی ہو اور اس کے مخالف بھی۔ تفسیر ماجدیؒ میں ہے نِدٌّ عربی میں کہتے ہیں مثل ومشابہ کو بھی اور مخالف و مدمقابل کو بھی چنانچہ انداد کے معنی اضداد (مخالف ہونا) اور اشباہ (کسی کے جیسا ہونا) دونوں کیے گئے ہیں۔ (ص: ۱۴)۔ ''کسی کے جیسا ہونا'' کے لیے عربی میں مِثْلٌ اور نِدٌّ کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ مِثْلٌ عام ہے اور ہر طرح کی شرکت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جبکہ نِدٌّ خاص ہے اور اس کو کہتے ہیں جو کسی شے کی ذات اور جوہر میں شریک ہو اور یہ بھی مماثلت کی ایک قسم ہے۔ اس لیے ہر نِدٌّ کو مثل کہہ سکتے ہیں، لیکن ہر مثل کو نِدٌّ نہیں کہہ سکتے۔ اسی مفہوم کو واضح کرنے کے لیے ہمارے بزرگوں نے اس کا ترجمہ ''ہم سر اور مدمقابل'' سے کیا ہے۔ مثلاً صاحب تفہیم القرآنؒ، البقرۃ آیت 165 کا ترجمہ کرتے ہیں۔ ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَنْدَادًا﴾ ''کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا ہمسر اور مدِّ مقابل بناتے ہیں۔'' اور بعض بزرگوں نے اس کا ترجمہ ''برابر کا مخالف''، ''شریک و ہم سر'' ، وغیرہ الفاظ سے کیا ہے۔ انگلش کا لفظ ''Rival'' اس لفظ کے مفہوم کے صرف ایک جز ''مخالف'' کی ترجمانی کرتا ہے۔ (واللہ اعلم)۔ اس وضاحت کے بعد اب نوٹ کیجیے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا نِدٌّ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر ویسی ہی صفات ماننا جیسی کہ اللہ تعالیٰ کی ہیں اور جو حقوق اللہ تعالیٰ کے بندوں پر ہیں ان میں سے سب یا بعض اس بناوٹی معبود کو دینا۔ البقرہ آیت 165 کے تحت مولانا مودودیؒ ''انداد'' کے اسی مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''یعنی خدائی کی جو صفات اللہ کے لیے خاص ہیں اُن میں سے بعض کو دوسروں کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور خدا ہونے کی حیثیت سے بندوں پر اللہ تعالیٰ کے جو حقوق ہیں، وہ سب یا اُن میں سے بعض حقوق یہ لوگ اُن دوسرے بناوٹی معبودوں کو ادا کرتے ہیں۔ مثلاً سلسلہ اسباب پر حکمرانی، حاجت روائی، مشکل کشائی، فریاد رسی، دعائیں سننا اور غیب وشہادت ہر چیز سے واقف ہونا، یہ سب اللہ کی مخصوص صفات ہیں۔'' اور آگے فرماتے ہیں: ''جو شخص خدا کی اِن صفات میں سے کسی صفت کو بھی کسی دوسرے کی طرف منسوب کرتا ہے، اور اُس کے ان حقوق میں سے کوئی ایک حق بھی کسی دوسرے کو دیتا ہے وہ دراصل اُسے خدا کا مدمقابل اور ہمسر بناتا ہے۔ اور اسی طرح جو شخص یا جو ادارہ اِن صفات میں سے کسی صفت کا مدعی ہو اور ان حقوق میں سے کسی حق کا انسانوں سے مطالبہ کرتا ہو، وہ بھی دراصل خدا کا مدمقابل اور ہمسر بنتا ہے خواہ زبان سے خدائی کا دعویٰ کرے یا نہ کرے۔'' نبی اکرم ﷺ کے سامنے ایک صحابی نے ایسے ہی کہہ دیا: ''مَاشَاءَ اللّٰہُ وَمَا شِئْتَ'' یعنی جو اللہ چاہے اور جو آپؐ چاہیں۔'' آپ ﷺ نے انہیں فوراً ٹوک دیا اور فرمایا: ((اَجَعَلْتَنِیْ لِلّٰہِ نِدًّا؟ مَا شَاءَ اللّٰہُ وَحْدَہٗ)) ''کیا تو نے مجھے اللہ کا مدمقابل بنا دیا ہے؟ (بلکہ وہی ہوگا) جو تنہا اللہ چاہے۔'' (ان الفاظ میں یہ حدیث علامہ محمد بن عبدالوہاب نے ''کتاب التوحید'' میں نسائی کے حوالے سے درج کی ہے۔ مسند احمد میں الفاظ وارد ہوئے ہیں: ((اَجَعَلْتَنِیْ وَاللّٰہَ عَدْلًا؟)) ''کیا تو نے مجھے اور اللہ کو برابر کر دیا؟''۔ صوفیاء کرام نے ''انداد'' کی تفسیر یہ فرمائی

ہے: ’’ہر وہ چیز جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دے اور اس کے اِحکام کی تعمیل سے روک دے وہ ’’انداد‘‘ سے ہے۔ خواہ وہ بت ہوں، گمراہ رئیس ہوں، مال و دولت ہو، فرزند و زن ہوں یا علم و فن ہر چیز جو اللہ تعالیٰ سے دور کرنے والی ہو وہ ’’نِدٌّ‘‘ ہے اور پاش پاش کر دینے کے لائق ہے۔‘‘ (ضیاء القرآن، ج ۱، ص: ۱۱۳)۔ تفسیر ابن جریر طبریؒ میں متعدد صحابہ کرامؓ سے آیت زیر مطالعہ میں انداد کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ یہاں انداد سے مراد وہ حکام ہیں جن کی اطاعت خدا کی نافرمانی میں کی جاتی ہو گویا اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے غیر اللہ کی اطاعت کرنا، غیر اللہ کی پرستش کی طرح شرک ہے۔ (بحوالہ فی ظلال القرآن، ج ۱، ص ۱۳۴)

نِدٌّ اور ضِدٌّ کا فرق بھی ذہن میں رہے۔ ضِدٌّ ان دو چیزوں کو کہا جاتا ہے جو ایک جنس کے تحت ہوں مگر ان میں سے ہر ایک اپنی خاص صفات اور خصوصیات کی وجہ سے دوسری سے مخالف ہو اور ان میں انتہائی دوری ہو اور کبھی جمع نہ ہو سکتی ہوں۔ مثلاً سیاہی اور سفیدی، دونوں کی جنس رنگ ہے لیکن دونوں کبھی جمع نہیں ہو سکتے ہیں اور دونوں کی متضاد خصوصیات بھی ہیں۔ اسی طرح، خیر اور شر ہے یا دن اور رات وغیرہ۔ جب کہ نِدٌّ میں دونوں چیزوں کی صفات اور خصوصیات کو ایک جیسا بھی مانا جاتا ہے اور ایک دوسرے کے مخالف بھی مانا جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ لَا نِدَّ لَهٗ وَلَا ضِدَّ لَهٗ۔ یعنی نہ اس کا کوئی نِدٌّ ہے (یعنی جو اللہ تعالیٰ جیسی صفات رکھتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے مد مقابل بھی ہو) اور نہ اس کا کوئی ضِدٌّ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی جنس کی کوئی اور چیز ہے ہی نہیں اس لیے ضِدٌّ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مختصراً: ایک جیسی صفات کے ساتھ ہم پلہ، ہم سر اور مخالف نِدٌّ ہے اور مخالف صفات کے ساتھ مد مقابل ضِدٌّ ہے۔ (واللہ اعلم)۔

تَعْلَمُوْنَ (ع ل م): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

ترکیب اَلَّذِیْ گذشتہ آیت میں رَبَّكُمْ پر عطف ہے۔ اور پورا جملہ اس کی صفت ہے۔ جَعَلَ فعل، لَكُمْ متعلق فعل اور اَلْاَرْضَ مفعول ہے۔ فِرَاشًا کو جَعَلَ کا مفعول ثانی بھی مانا جا سکتا ہے اور اَلْاَرْضَ کا حال بھی۔ اَلسَّمَآءَ مفعول ہے جَعَلَ کا۔ بِنَآءً کو مفعول ثانی بھی مانا جا سکتا ہے اور حال بھی۔ اَنْزَلَ کی ضمیر فاعلی اَلَّذِیْ یعنی رَبَّكُمْ کے لئے ہے۔ مِنَ السَّمَآءِ متعلق فعل ہے۔ مَآءً مفعول ہے۔ اَخْرَجَ کی ضمیر فاعلی رَبَّكُمْ کے لئے ہے۔ بِهٖ کی ضمیر مَآءً کے لئے ہے۔ مِنَ الثَّمَرٰتِ متعلق فعل، رِزْقًا مفعول بِهٖ ہے اور لَكُمْ متعلق ہے۔ دوسری ترکیب کے مطابق مِنَ الثَّمَرٰتِ کو مفعول مانا گیا ہے اور رِزْقًا لَّكُمْ کو مفعول لَهٗ مانا گیا ہے۔ لَا تَجْعَلُوْا فعل نہی ہے۔ لِلّٰهِ متعلق فعل اور اَنْدَادًا مفعول ہے۔ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کا واو حالیہ ہے۔ اَنْتُمْ مبتداء اور تَعْلَمُوْنَ جملہ فعلیہ بن کر اس کی خبر ہے۔

ترجمہ
البقرۃ:22

اَلَّذِیْ جَعَلَ	لَكُمُ	الْاَرْضَ	فِرَاشًا	وَّ السَّمَآءَ
جس نے بنایا	تمہارے لئے	زمین کو	بچھونا/فرش	اور آسمان کو

بِنَآءً ۠	وَّ اَنْزَلَ	مِنَ السَّمَآءِ	مَآءً	فَاَخْرَجَ
چھت	اور اس نے اتارا	آسمان سے	پانی کو	پھر اس نے نکالا

بِهٖ	مِنَ الثَّمَرٰتِ	رِزْقًا	لَّكُمْ ۚ	فَلَا تَجْعَلُوْا	لِلّٰهِ
اس سے	پھلوں میں سے	رزق کو	تمہارے لئے	پس تم لوگ مت بناؤ	اللہ کے

اَنۡدَادًا	وَّ	اَنۡتُمۡ	تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۲﴾
ہمسر اور مدمقابل	اس حال میں کہ	تم لوگ	جانتے ہو

نوٹ:1 ہدایت اور ضلالت کے اعتبار سے انسانوں کے تین گروہوں کے تذکرے کے بعد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی عبادت کی دعوت تمام انسانوں کو دی جا رہی ہے۔ فرمایا کہ جب تمہارا اور کائنات کا خالق اللہ ہے، تمہاری تمام ضروریات کا مہیا کرنے والا وہی ہے، تو پھر تم اسے چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ دوسروں کو اس کا شریک کیوں ٹھہراتے ہو؟ اگر تم عذاب خداوندی سے بچنا چاہتے ہو تو اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ اللہ کو ایک مانو اور صرف اسی کی عبادت کرو، جانتے بوجھتے شرک کا ارتکاب مت کرو۔ (احسن البیان، ص ۱۳)

نوٹ۔2 حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اَلَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ میں جَعَلَ لَکُمُ کے متعلق فرماتے ہیں: ''آیت کے اس ٹکڑے کی جان یا اصل رُوح جَعَلَ لَکُمُ ہے۔ مقصود زمین یا آسمان کی ہیئت بیان کرنا، یا ان کی ارضیاتی یا فلکیاتی ماہیت بیان کرنا کسی درجہ میں بھی نہیں۔ بیان صرف یہ کرنا ہے کہ زمین ہو یا آسمان، کوئی بھی از خود نہیں بن گئے ہیں، بلکہ جو کچھ اور جیسے بھی کچھ ہیں، اللہ کے بنائے ہوئے، اور اسی قادر مطلق کے زیر فرمان ہیں۔ دوسری تعلیم ساتھ ہی ساتھ یہ ملی، کہ زمین و آسمان انسان کے لیے خلق ہوئے ہیں۔ انسان زمین و آسمان کے لیے خلق نہیں ہوا ہے۔ مقصود و مطلوب انسان ہے۔ زمین و آسمان دونوں، باذنِ الٰہی، اسی خلیفۃ اللہ کے خادم ہیں۔ پھر یہ کیسی شدید حماقت ہے کہ انسان اپنے ان خدائی خادموں کے آگے جھکنے لگے۔ اور اُلٹا انہیں کو معبود قرار دے کر اُن کی پرستش کرنے لگے۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص ۱۳)

آیت 23:

﴿وَ اِنۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَۃٍ مِّنۡ مِّثۡلِہٖ ۪ وَ ادۡعُوۡا شُہَدَآءَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۲۳﴾﴾

اِنۡ اِنۡ چار طرح استعمال ہوتا ہے۔

(1) اِنۡ شرطیہ: اِنۡ شرطیہ کے معنی ہیں ''اگر''۔ یہ حروف عاملہ میں سے ہے۔ مضارع کو جزم دیتا ہے۔ ﴿اِنۡ یَّنۡتَہُوۡا یُغۡفَرۡ لَہُمۡ مَّا قَدۡ سَلَفَ ۚ﴾ (8/الانفال:38) ''اگر وہ باز آ جائیں تو معاف کر دیے جائیں گے ان کے لیے جو گناہ پہلے ہو چکے۔'' یہی کثیر الاستعمال ہے۔

(2) اِنۡ مخفّفہ: جو اِنَّ ثقیلہ سے مخفف ہو کر اِنۡ بنتا ہے۔ یہ کبھی عمل کرتا ہے اور کبھی نہیں۔ یہ تحقیق اور ثبوت کے معنی دیتا ہے۔ اس کی خبر پر لام تاکید (لَ) لگا ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿وَ اِنۡ کَانَ اَصۡحٰبُ الۡاَیۡکَۃِ لَظٰلِمِیۡنَ ﴿ۙ۷۸﴾﴾ (15/الحجر:78) ''بلاشبہ اصحاب الایکہ ظالم تھے۔'' اس لام تاکید کو لام فارقہ کہتے ہیں۔

(3) اِنۡ نافیہ: اِنۡ نافیہ کے معنی ہیں ''نہیں''۔ یہ غیر عامل ہے۔ یہ جملہ اسمیہ پر بھی آتا ہے اور جملہ فعلیہ پر بھی۔ جیسے الانعام کی آیت 116 میں فرمایا: ﴿اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ﴾ (جملہ فعلیہ) ﴿وَ اِنۡ ہُمۡ اِلَّا یَخۡرُصُوۡنَ ﴿۱۱۶﴾﴾ (جملہ اسمیہ) ''سو کچھ نہیں مگر پیچھے پڑے ہیں اپنے خیال کے اور کچھ نہیں مگر قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔'' ﴿اِنۡ ہٰذَاۤ اِلَّا قَوۡلُ الۡبَشَرِ ﴿ؕ۲۵﴾﴾ (74/المدثر:25) ''نہیں ہے یہ مگر بشر کا کلام۔'' اس کے بعد اکثر اِلَّا و لَمَّا آتا ہے۔ مگر ہر جگہ ضروری نہیں۔ مثلاً ﴿اِنۡ عِنۡدَکُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍۭ بِہٰذَا ؕ﴾ (10/یونس:68) ''تمہارے پاس کوئی بھی دلیل اس دعوے کی نہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) اس آیت مبارکہ میں اِنۡ نافیہ ہے۔ (ماجدیؒ)

(4) اِنۡ زائدہ: اِنۡ زائدہ جو مَا نافیہ کے بعد آتا ہے اور مَا نافیہ کی تاکید یا تحسین کلام کے معنی دیتا ہے۔ حضرت حسّان بن ثابتؓ کا ایک شعر ہے:

مَا اِنۡ مَدَحۡتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِیۡ   لٰکِنۡ مَدَحۡتُ مَقَالَتِیۡ بِمُحَمَّدٍ

''میں نے اپنے اشعار کے ذریعے سے محمد ﷺ کی تعریف نہیں کی بلکہ محمد ﷺ کے ذریعے میں نے اپنے اشعار کی تعریف کی۔''

اس میں مَا کے بعد اِنۡ زائدہ ہے اور تحسین کلام کے لیے آیا ہے۔ قرآن مجید میں اِس کی مثال الاحقاف:26 ہے۔ جس میں فرمایا ﴿وَ لَقَدۡ مَکَّنّٰہُمۡ

فِیْمَآ اِنْ مَّکَّنّٰکُمْ فِیْہِ ﴾ ’’اور ہم نے اُن لوگوں کو جو قدرت دی تھی وہ قدرت تم لوگوں کو نہیں دی۔‘‘ اس آیت میں بھی مَا کے بعد اِنْ زائدہ ہے اور تحسین کلام کے لیے ہے۔

کُنْتُمْ (ك و ن): البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔	رَیْبٌ (ر ی ب): البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔	مِمَّا: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔
نَزَّلْنَا (ن ز ل): البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔	عَبْدٌ (ع ب د): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔	

ء ت ی

(ض) اِتْیَانًا (1) کسی تک پہنچنا۔ آنا۔ خواہ کوئی خود آئے یا اُس کا حکم پہنچے یا اس کا نظم و نسق جاری ہو۔ خیر اور شر دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ فعل لازم ہے۔ ﴿ وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ﴾ (38/صٓ:21) ’’کیا تم کو پہنچی جھگڑالو کی خبر۔‘‘ ﴿ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ﴾ (9/التوبۃ:70) ’’ان کے پاس آئے ان کے رسول واضح دلیلوں کے ساتھ۔‘‘ ﴿ اَتٰٓى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ﴾ (16/النحل:1) ’’آ گیا اللہ کا فیصلہ، اب اس کے لیے جلدی نہ مچاؤ۔‘‘ ’ب‘ کے صلے کے ساتھ متعدی ہو جاتا ہے۔ اَتٰی کا مطلب ہے آنا اور اَتٰی بِ کا مطلب ہے لانا اور کسی کو کوئی چیز دینا۔ قرآن مجید میں ہے ﴿ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ﴾ (2/البقرۃ:25) ’’اور ان کو ایک دوسرے کے ہم شکل پھل دیے جائیں گے۔‘‘ اس سورت میں اس کا مجہول بھی استعمال ہوتا ہے جیسے کہ مندرجہ بالا آیت مبارکہ سے واضح ہے۔

(2) کوئی کام کرنا۔ کوئی حرکت یا کرتوت کرنا۔ ﴿ وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ ﴾ (4/النساء:15) ’’تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں۔‘‘ ﴿ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴾ (27/النمل:54) ’’اور لوطؑ کا (ذکر کر) جب اُنھوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم بدکاری کرتے ہو اس حال میں کہ تم سمجھ رکھتے ہو۔‘‘ ﴿ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا ﴾ (3/آل عمران:188) ’’وہ لوگ خوش ہوتے ہیں اُس پر جو اُنھوں نے کیا۔‘‘

یَاْتِ مضارع مجزوم ہے۔ ﴿ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴾ (14/ابراہیم:19) ’’اگر وہ چاہے تو لے جائے تم لوگوں کو اور وہ ایک نئی مخلوق لے آئے۔‘‘ ﴿ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ﴾ (20/طٰہٰ:74) ’’بیشک جو پہنچا اپنے رب کے پاس اس حال میں کہ وہ مجرم ہے تو یقیناً اس کے لئے جہنم ہے۔‘‘

اِئْتِ فعل امر ہے۔ تو پہنچ۔ تو آ۔ ’ب‘ کے صلے کے ساتھ مطلب ہوگا ’’تو لا‘‘۔ ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ ﴾ (2/البقرۃ:258) ’’بیشک اللہ سورج کو لاتا ہے مشرق سے، پس تو لے آ اس کو مغرب سے۔‘‘

اٰتٍ اسم الفاعل ہے۔ آنے والا۔ ﴿ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ﴾ (6/الانعام:134) ’’تم سے جس چیز کا وعدہ کیا جا رہا ہے وہ یقیناً آنے والی ہے۔‘‘ ﴿ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ﴾ (29/العنکبوت:5) ’’پس اللہ کا ٹھہرایا ہوا وقت یقیناً آنے والا ہے۔‘‘ یہ جب مضاف بنتا ہے تو اس کی شکل اٰتِیْ بن جاتی ہے۔ ﴿ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴾ (19/مریم:93) ’’آسمان اور زمین میں جو بھی ہیں سب کے سب اللہ کے غلام بن کر ہی آنے والے ہیں۔‘‘ ﴿ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴾ (19/مریم:95) ’’یہ سارے کے سارے قیامت کے دن اکیلے اُس کے پاس حاضر ہونے والے ہیں۔‘‘ نوٹ کر لیں مضارع میں واحد متکلم کے صیغے کی بھی یہی شکل ہوتی ہے اس لیے دونوں میں فرق سیاق و سباق سے ہوتا ہے۔ جب اس کے ساتھ ’ب‘ کا صلہ لگتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں ’’لانے والا‘‘ ﴿ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ﴾ (27/النمل:39) ’’کہا ایک دیو نے جنوں میں سے میں لاؤں گا آپؑ کے پاس اُس کو اِس سے پہلے کہ آپؑ کھڑے ہوں اپنی جگہ سے۔‘‘

اٰتِیَۃٌ اسم الفاعل ہے۔مونث کا صیغہ۔آنے والی۔﴿وَ اِنَّ السَّاعَۃَ لَاٰتِیَۃٌ﴾(15/الحجر:85)''اور بے شک قیامت کی گھڑی ضرور آنے والی ہے۔''

مَاْتِیٌّ ناقص یائی میں اسم المفعول کا وزن مَفْعِیٌّ ہوتا ہے۔مَاْتِیٌّ اسی وزن پر بنا ہے۔لیکن یہ اسم الفاعل کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور اس کا مطلب ہوتا ہے آنے والا۔ پورا ہو کر رہنے والا۔(لغات القرآن،ج ۵،ص ۲۶۲)۔﴿کَانَ وَعْدُہٗ مَاْتِیًّا ﴿۶۱﴾﴾(19/مریم:61)''بے شک اُس کا وعدہ پورا ہونے والا ہی ہے۔''(ترجمہ احسن البیان)''بے شک اُس کا وعدہ پورا ہوکر رہنے والا ہے۔''(ترجمہ ماجدیؒ)

(افعال) **اِیْتَاءً** کسی تک پہنچانا۔دینا۔عطا کرنا۔﴿وَ اَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَی الزَّکٰوۃَ﴾(9/التوبۃ:18)''اور اس نے قائم کی نماز اور ادا کی زکوٰۃ۔''حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں:''قرآن مجید میں عموماً زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ کا لفظ اِیْتَاء کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔لفظ اِیْتَاء لغت میں عطاء کرنے کے معنی میں آتا ہے، امام راغب اصفہانیؒ نے مفردات القرآن میں فرمایا وَالْاِیْتَاءُ الْاِعْطَاءُ وَ خُصَّ وَضْعُ الصَّدَقَۃِ فِی الْقُرْاٰنِ بِالْاِیْتَاءِ، یعنی ایتاء کے معنی عطاء فرمانے کے ہیں، اور قرآن میں صدقہ واجبہ ادا کرنے کو ایتاء کے لفظ کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے۔''اور ظاہر ہے کہ کسی کو کوئی چیز عطاء کرنے کا مفہوم حقیقی یہی ہے کہ اس کو اس چیز کا مالک بنا دیا جائے۔اور علاوہ زکوٰۃ وصدقات کے بھی لفظ ایتاء قرآن کریم میں مالک بنا دینے ہی کے لیے استعمال ہوا ہے، مثلاً اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِھِنَّ، یعنی دے دو عورتوں کو اِن کے مہر، ظاہر ہے مہر کی ادائیگی جب ہی تسلیم ہوتی ہے جب رقم مہر پر عورت کو مالکانہ قبضہ دیدے۔''(معارف القرآن،ج ۴،ص ۴۱۰)۔حضرت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:''عربی زبان میں''دینے''(ایتاء) کا لفظ صرف مال یا کوئی مادی چیز دینے ہی کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا بلکہ معنوی چیزیں دینے کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے مثلاً کسی شخص کی اطاعت قبول کر لینے کے لیے کہتے ہیں اٰتیتہ من نفسی القبول کسی شخص کی اطاعت سے انکار کر دینے کے لیے کہتے ہیں اٰتیتہ من نفسی الابائۃ۔''(تفہیم القرآن،ج ۳،ص ۲۸۶)۔عام طور پر اِس کے دو مفعول ہوتے ہیں یعنی کس کو دیا اور کیا دیا۔عربی محاورے میں اِیْتَاءٌ عَنِ الْیَمِیْنِ کا مطلب ہوتا ہے''کسی پر زور اور دباؤ ڈالنا۔''جیسے فرمایا:﴿قَالُوْٓا اِنَّکُمْ کُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْیَمِیْنِ ﴿۲۸﴾﴾(37/الصافات:28)''(تابعین) کہیں گے کہ تمہاری ہی آمد ہم پر بڑے زور سے ہوا کرتی تھی۔''(ترجمہ ماجدیؒ) حاشیے میں حضرتؒ فرماتے ہیں:''ایتاء عن الیمین کے معنی محاورہ میں زور اور دباؤ ڈالنے کے آتے ہیں۔'' یا اس محاورے سے مراد لی جاتی ہے''کسی کو نیکی اور بھلائی کے راستے سے روکنا۔'' کیونکہ عربی میں یمین سے خیر اور برکت بھی مراد لی جاتی ہے۔تفسیر عثمانیؒ میں یہ دونوں باتیں بیان کر دی گئیں ہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ الصافات:28 کا ترجمہ کرتے ہیں:''بولے تم ہی تھے کہ آتے تھے ہم پر داہنی طرف سے۔''اور حاشیے میں حضرت شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں: ''یمین''(داہنے ہاتھ) میں عموماً زور وقوت زائد ہوتی ہے یعنی تم ہی تھے جو ہم پر چڑھے آتے تھے بہکانے کو زور دکھلا کر اور مرغوب کر کے۔ یا یمین سے مراد خیر و برکت کی جانب لی جائے یعنی تم ہی تھے کہ ہم پر چڑھائی کرتے تھے بھلائی اور نیکی سے روکنے کے لیے۔''(تفسیر عثمانیؒ،ص ۵۹۵)

یُؤْتِ مضارع مجزوم ہے۔﴿وَ اٰتٰىکُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۰﴾﴾(5/المآئدہ:20)''اور اس نے دیا تم لوگوں کو جو اس نے نہیں دیا کسی ایک کو تمام جہانوں میں سے۔''

اٰتِ ج:اٰتُوْا۔فعل امر ہے۔تو پہنچا۔تو دے۔﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ﴾(17/بنی اسرائیل:26)''اور تو پہنچا قرابت والوں کو ان کا حق۔''﴿وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ﴾(2/البقرۃ:43)''اور تم قائم کرو نماز اور تم دو زکوٰۃ۔''

اُوْتِیَ ماضی مجہول ہے۔ دیا گیا۔ ﴿وَ مَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَ عِیْسٰی﴾ (2/البقرہ:136) ''اور جو دیا گیا موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو۔'' ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَیَعْلَمُوْنَ اَنَّہُ الْحَقُّ﴾ (2/البقرہ:144) ''بیشک جن لوگوں کو دی گئی کتاب وہ لوگ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے۔''

س و ر

(ن) سَوْرًا دیوار پر چڑھنا۔

سُوْرٌ اسم ذات ہے۔ شہر پناہ۔ شہر کی چار دیواری کو سُوْرٌ کہتے ہیں۔ فصیل۔ دیوار۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''یہ لفظ دراصل شہر پناہ کے لیے بولا جاتا ہے، جو بڑے شہروں کے گرد غنیم (ڈاکو، دشمن) سے حفاظت کے لیے بڑی مضبوط اور مستحکم چوڑی دیوار سے بنایا جاتا ہے، ایسی دیواروں میں فوج کے حفاظتی دستوں کی کمین گاہیں بھی بنی ہوتی ہیں جو حملہ آوروں سے باخبر رہتے ہیں۔'' (معارف القرآن، ج ۳،ص ۵۶۷) ﴿فَضُرِبَ بَیْنَہُمْ بِسُوْرٍ﴾ (57/الحدید:13) ''تو بنادی گئی ان کے درمیان ایک فصیل۔''

سُوْرَۃٌ ج: سُوَرٌ۔ اسم ذات ہے۔ (1) فضیلت میں بلند۔ (2) شہر کی چار دیواری۔ (3) کسی چیز کا بقیہ اور بچا ہوا حصہ (4) قرآن مجید کی سورت۔ باقی تفصیل آیت بسم اللہ کے بعد دیکھیں۔ ﴿سُوْرَۃٌ اَنْزَلْنٰہَا﴾ (24/النور:1) ''یہ ایک سورت ہے، ہم نے اتارا اس کو۔'' ﴿فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِہٖ﴾ (11/ھود:13) ''تو تم لوگ لے آؤ اس کے جیسی دس سورتیں۔''

سِوَارٌ ج: اَسْوِرَۃٌ اور اَسَاوِرُ۔ اسم ذات ہے۔ کنگن۔ ﴿فَلَوْ لَآ اُلْقِیَ عَلَیْہِ اَسْوِرَۃٌ﴾ (43/الزخرف:53) ''تو کیوں نہیں ڈالے گئے اس پر کنگن سونے کے۔'' ﴿یُحَلَّوْنَ فِیْہَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَہَبٍ﴾ (18/الکھف:31) ''وہ لوگ پہنائے جائیں گے اس میں سونے کے کنگن۔''

(تفعّل) تَسَوُّرًا دیوار پھلانگنا۔ ﴿اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ﴾ (38/صٓ:21) ''جب ان لوگوں نے پھلانگا محراب کو۔''

مِثْلٌ (م ث ل): البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔

د ع و

(ن) دُعَاءً، دَعْوَۃً، دَعْوٰی (1) کسی کو پکارنا، مانگنا یا دعا کرنا۔ ﴿وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّہٗ﴾ (39/الزمر:8) ''اور جب بھی چھوتی ہے انسان کو کوئی تکلیف تو وہ پکارتا ہے اپنے رب کو۔'' جب اس کے ساتھ 'ل' کا صلہ استعمال ہو تو معنی ہوتے ہیں کسی کے حق میں دعا کرنا جیسے دَعَالَہٗ، اس نے اس کے حق میں دعا کی۔ جب اس کے ساتھ عَلٰی کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کسی کو بددعا دینا۔ جیسے دَعَا عَلَیْہِ۔ اس نے اس کو بددعا دی۔

(2) کسی کو یاد کرنا۔ اس کا ذکر کرنا۔

(3) کسی کو کسی چیز کی طرف دعوت دینا۔ کسی کام یا مقصد کے لیے بلانا۔ اِن معنوں میں اس کے ساتھ عام طور پر اِلٰی کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔ ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ﴾ (41/حٰمٓ السجدہ:33) ''اور کون زیادہ اچھا ہے، بلحاظ بات کے، اس سے جس نے بلایا اللہ کی طرف۔''

(4) کسی چیز کے بارے میں دعویٰ کرنا کہ یہ چیز یوں ہے۔﴿ اَنۡ دَعَوۡا لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدًا ۚ﴾(19/مریم:91)''اس بات پر کہ لوگوں نے رحمان کے لیے اولاد ہونے کا دعویٰ کیا۔''

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں:''دعا کا لفظ قرآن میں دو معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے، ایک اللہ کا ذکر، اس کی حمد و ثنا، تسبیح و تمجید کے ساتھ۔ دوسرے حاجات و مشکلات کے وقت اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت طلب کرنا اور مصائب و آفات سے نجات اور مشکلات کی آسانی کی درخواست کرنا۔''(معارف القرآن، ج ۴،ص ۱۲۹) اور پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''قرآن کریم کی وہ آیات جہاں دَعَا یَدۡعُوۡ کے فاعل مُشرک ہیں اور مفعول ان کے معبودانِ باطل ہیں۔ وہاں تمام متقدمین علماء تفسیر نے دعا یدعو کا معنی عَبَدَ یَعۡبُدُ (عبادت کرنا) کیا ہے۔''(ضیاء القرآن، ج ۲، ص، ۱۱۴)

دُعِیَ ج: دُعُوۡا۔ ماضی مجہول ہے۔ بلایا گیا۔ پکارا گیا۔﴿ اِذَا دُعِیَ اللّٰہُ وَحۡدَہٗ کَفَرۡتُمۡ ۚ﴾(40/مومن:12)''جب بھی پکارا گیا اللہ واحد کو تو تم لوگوں نے انکار کیا۔''﴿ اِنَّمَا کَانَ قَوۡلَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذَا دُعُوۡۤا اِلَی اللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ لِیَحۡکُمَ بَیۡنَہُمۡ اَنۡ یَّقُوۡلُوۡا سَمِعۡنَا وَ اَطَعۡنَا ؕ﴾(24/النور:51)''مومنوں کی بات تو بس یہ ہوتی ہے کہ جب بھی انہیں بلایا جاتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف تا کہ وہ فیصلہ کرے ان کے درمیان تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی۔''

یُدۡعٰی ج: یُدۡعَوۡنَ۔ مضارع مجہول ہے۔ بلایا جاتا ہے۔ پکارا جاتا ہے۔﴿ وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ وَ ھُوَ یُدۡعٰۤی اِلَی الۡاِسۡلَامِ ؕ﴾(61/الصف:7)''اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے جھوٹ باندھا اللہ پر اس حال میں کہ اسے بلایا جاتا ہے اسلام کی طرف۔''﴿ یُدۡعَوۡنَ اِلٰی کِتٰبِ اللّٰہِ لِیَحۡکُمَ بَیۡنَہُمۡ ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیۡقٌ مِّنۡہُمۡ ﴾(3/آل عمران:23)''ان لوگوں کو بلایا جاتا ہے اللہ کی کتاب کی طرف تا کہ وہ فیصلہ کرے ان کے درمیان، تو منہ موڑتا ہے ان میں سے ایک فریق۔''

لَاتَدۡعُ فعل نہی ہے۔تو مت پکار۔﴿ فَلَا تَدۡعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ فَتَکُوۡنَ مِنَ الۡمُعَذَّبِیۡنَ ۚ﴾(26/الشعراء:213)''پس تو مت پکار اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پھر تو ہو جائے گا عذاب دیئے ہوئے لوگوں میں سے۔''

اُدۡعُ فعل امر ہے۔ تو پکار۔ تو بلا۔ تو مانگ۔ تو دعا کر۔﴿ فَادۡعُ لَنَا رَبَّکَ یُخۡرِجۡ لَنَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ ﴾(2/البقرہ:61)'' پس تو پکار ہمارے لئے اپنے رب کو کہ وہ نکالے ہمارے لئے اس میں سے جو اگاتی ہے زمین۔''﴿ اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَ الۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ ﴾(16/النحل:125)''تو بلا اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت سے اور اچھی نصیحت سے۔''

دَاعِ اسم الفاعل ہے۔ پکارنے والا۔ بلانے والا۔﴿ وَ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ ؕ اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ ﴾(2/البقرہ:186)''اور جب بھی تجھ سے پوچھیں میرے بندے میرے بارے میں تو یقیناً میں قریب ہوں، میں جواب دیتا ہوں پکارنے والے کی پکار کا جب بھی وہ پکارتا ہے مجھ کو۔''

دَعۡوَۃٌ اسم ذات بھی ہے۔ دعا۔ پکار۔ بلاوا۔ دعوت۔ اوپر آیت نمبر۔(2/البقرہ:186) دیکھیں

دُعَآءٌ اسم ذات بھی ہے۔ پکار۔ بلاوا۔ دعا۔﴿ اِنَّکَ سَمِیۡعُ الدُّعَآءِ ﴾(3/آل عمران:38)''بیشک تو ہر وقت اور ہر حال میں دعا کا سننے والا ہے۔''

دَعۡوٰی اسم ذات بھی ہے۔ پکار۔ دعا۔﴿ فَمَا کَانَ دَعۡوٰىہُمۡ اِذۡ جَآءَہُمۡ بَاۡسُنَاۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اِنَّا کُنَّا ظٰلِمِیۡنَ ﴿۵﴾ ﴾

(7/الاعراف:5)''تو نہیں تھی ان کی پکار جب آیا ان کے پاس ہمارا عذاب، سوائے اس کے کہ انہوں نے کہا کہ بیشک ہم ظالم تھے۔'' ﴿دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ﴾(10/یونس:10)''اُسی میں اُن کا قول ہوگا پاک ہے تو اے اللہ اور اُس میں اُن کی (باہمی) دعا ''سلام'' ہوگی۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ حاشیے میں حضرتؒ فرماتے ہیں: ''دعویٰ یہاں دونوں موقعوں پر دعا یا پکار کے معنی میں لیا گیا ہے۔''

(افعال) اِدْعَاءً باپ کے علاوہ کسی اور سے منصوب کر کے پکارنا۔ منہ بولا بیٹا کہنا۔

دَعِیٌّ ج: اَدْعِيَاءُ۔ اسم ذات ہے۔ منہ بولا بیٹا۔ لے پالک۔ فَعِيْلٌ کا وزن ہے بمعنی مَفْعُوْلٌ۔ یعنی مَدْعُوٌّ۔ جس کو پکارا گیا۔ یعنی جس کو بیٹا کہہ کر پکارا گیا ہو۔ ﴿وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ﴾(33/الاحزاب:4)''اور اس نے یعنی اللہ نے نہیں بنایا تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے بیٹے۔''

(افتعال) اِدِّعَاءً طلب کرنا۔ مانگنا۔ ﴿لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ﴾(36/یٰس:57)''ان کے لئے ہے وہاں میوہ اور ان کے لئے ہے جو وہ مانگیں گے۔''

ش ھ د

(س۔ک) (ا) شُهُوْدًا حاضر ہونا۔ موقع پر موجود ہونا۔ معائنہ کرنا۔ ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ﴾(2/البقرہ:185)''تو جو موجود ہو اس مہینے میں یا دیکھے اس مہینہ کو تو اسے چاہیے کہ وہ روزے رکھے اس کے۔''

(ب) شَهَادَةً گواہی دینا۔ ﴿وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ﴾(36/یٰسین:65)''اور بات کریں گے ہم سے ان کے ہاتھ اور گواہی دیں گے ان کے پیر۔'' گواہی عینی بھی ہوسکتی ہے اور قلبی بھی۔ عینی گواہی وہ ہے جس کی بنیاد انسان کا اپنا مشاہدہ ہو یعنی جس معاملے کو انسان نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو۔ اور قلبی گواہی وہ ہے جس کی بنیاد بصیرت ہو۔ بصیرت، دل کی اس روشنی یا بینائی کو کہتے ہیں جس سے انسان چیزوں کی حقیقت سے آگاہ ہوتا ہے۔ مثلاً کلمہ شہادت، جو ہر مسلمان گواہی دیتا ہے۔ حالانکہ کسی مسلمان نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا اور صحابہؓ کے علاوہ دوسرے مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کو بھی نہیں دیکھا۔ ہر مسلمان یہ گواہی بصیرت کی بنیاد پر دیتا ہے۔ پھر یہی قلبی گواہی اپنی ذات سے متعلق ہو تو معنی ہوتے ہیں ''اقرار کرنا'' مثلاً: ﴿قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓي اَنْفُسِنَا﴾(6/الانعام:130)''اور وہ سب عرض کریں گے کہ ہم اپنے اوپر اقرار کرتے ہیں۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ کسی کے حق میں گواہی دینے سے وہ گواہی ایک طرح سے اس کی تقویت کا باعث بنتی ہے۔ اس لیے یہ لفظ کسی کے حق میں گواہی دے کر اس کی مدد کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اسی لیے شہید کا ایک معنی ''مددگار'' بھی کیا گیا ہے۔ کبھی شہادت کے معنی ''فیصلہ کرنے'' کے بھی آتے ہیں۔ مثلاً: ﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ﴾(12/یوسف:26)''اور گواہی دی ایک گواہ نے جو اس عورت کے خاندان سے تھا۔'' اس آیت کے تحت علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں: ''یہاں شَهِدَ شَاهِدٌ، حَكَمَ حَاكِمٌ کے معنی میں ہے کہ ایک فیصلہ کرنے والے نے فیصلہ کر دیا۔ کیونکہ شہادت کے لیے شاہد کا موقع پر حاضر ہونا ضروری ہے اور جس نے یہ بات کہی وہ موقع پر موجود نہ تھا۔ (بحوالہ ضیاء القرآن، ج ۲، ص ۴۲۵)۔ 'شہادت' کا اصطلاحی معنی ہے 'اللہ کی راہ میں جان دینا''۔ گویا جان دینے والے کو عقیدہ آخرت اور جزا و سزا پر اتنا پختہ یقین ہوتا ہے کہ وہ اپنی جان دے کر اس کی گواہی پیش کرتا ہے۔ شَهِدَ کے ساتھ عَلٰی کا صلہ آئے تو عام طور پر اس کے معنی ہوتے ہیں کسی کے خلاف گواہی دینا اور اگر 'لِ' کا صلہ آئے تو معنی ہوتے ہیں کسی کے حق میں گواہی دینا۔ (واللہ اعلم)

مَشْهَدٌ (1) مصدر میمی ہے۔ حاضر ہونا۔ موجود ہونا۔
(2) اسم ظرف مکان یا زمان ہے۔ حاضری کی جگہ یا حاضری کا وقت۔ شہادت گاہ۔ ﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝﴾ (19/مریم:37) ''پس کافروں کے لیے ''ویل'' ہے ایک بڑے سخت دن کی حاضری سے۔'' (ترجمہ احسن البیان)

اِشْهَدْ ج: اِشْهَدُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو گواہی دے۔ تو گواہ رہ۔ ﴿وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝﴾ (11/ھود:54) ''اور تم لوگ گواہ رہو کہ میں بری ہوں اس سے جو تم لوگ شرک کرتے ہو۔''

شَاهِدٌ ج: شَاهِدُوْنَ۔ شُهُوْدٌ۔ اَشْهَادٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ حاضر رہنے والا۔ گواہی دینے والا۔ ﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ﴾ (12/یوسف:26) ''اور گواہی دی ایک گواہی دینے والے نے اس کے گھر والوں میں سے۔'' ﴿اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ۝﴾ (37/الصافات:150) ''کیا ہم نے فرشتوں کو مؤنث پیدا کیا اور وہ دیکھ رہے تھے۔'' ﴿وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ۝ وَّ بَنِيْنَ شُهُوْدًا ۝﴾ (74/مدثر:13،14) ''اور میں نے بنایا اس کے لئے کثیر مال اور حاضر رہنے والے بیٹے۔'' ﴿وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ﴾ (11/ھود:18) 'اور کہیں گے گواہی دینے والے یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے جھوٹ کہا اپنے رب پر۔''

شَهِيْدٌ ج: شُهَدَاءُ ۔ فَعِيْلٌ کا وزن ہے۔ ہمیشہ اور ہر حال میں گواہی دینے والا۔ کسی جگہ موجود ہونے والا۔ حاضر۔ نگران۔ مدد کرنے والا (ابن عباسؓ)۔ ﴿لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۭ﴾ (2/البقرہ :143) ''تاکہ تم لوگ ہو جاؤ گواہی دینے والے لوگوں پر اور ہو جائیں رسول ﷺ تم لوگوں پر گواہی دینے والے۔'' یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے وہ ہستی جس کے علم سے کوئی چیز غائب نہ ہو۔ اور کبھی اس مفہوم کے ساتھ یہ معنی بھی شامل ہوتا ہے کہ وہ قیامت میں خلق پر گواہ ہوگا۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝﴾ (22/الحج:17) ''اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے۔'' اصلاحِ شرع میں شہید وہ شخص ہے جو اللہ کی راہ میں قتل کیا گیا ہو۔ حضرت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''شہید کے اصل معنی گواہ کے ہیں۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے ایمان کی صداقت پر اپنی زندگی کے پورے طرزِ عمل سے شہادت دے۔ اللہ کی راہ میں لڑ کر جان دینے والے کو بھی شہید اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ جان دے کر ثابت کر دیتا ہے کہ وہ جس چیز پر ایمان لایا تھا اسے واقعی سچے دل سے حق سمجھتا تھا اور اسے اتنا عزیز رکھتا تھا کہ اس کے لیے جان قربان کرنے میں بھی اس نے دریغ نہ کیا۔ ایسے راستباز لوگوں کو بھی شہید کہا جاتا ہے جو اس قدر قابلِ اعتماد ہوں کہ جس چیز پر وہ شہادت دیں اس کا صحیح و برحق ہونا بلا تامل تسلیم کر لیا جائے۔'' (تفہیم القرآن، ج ا،ص: ٣٧٠)۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں: ''شہید کا وزن فعیل بمعنی فاعل ہے۔ وہ شخص جو کبھی نورِ برہان اور قوت بیان سے اور کبھی شمشیر وسنان سے دین الٰہی کی حقانیت کی شہادت دے، وہ شہید کہلاتا ہے اور راہِ خدا میں قتل ہونے والے کو اسی مناسبت سے شہید کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنی جان قربان کر کے دین کی حقانیت کی گواہی دی۔ اس کے معاً بعد امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ وہی افراد جو دنیا میں دین کی صداقت کے شاہد رہے وہی قیامت کے روز لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ کے مصداق ہوں گے۔'' (بحوالہ ضیاء القرآن، ج ا ص ٣٦٢)

مَشْهُوْدٌ اسم المفعول ہے۔ جسے حاضر کیا جائے۔ جو دکھلایا جائے۔ جس کا معائنہ کیا جائے۔ جس کے لیے گواہی دی جائے۔ ﴿ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ۝﴾ (11/ھود:103) ''وہ جمع کیے جانے والا دن ہے لوگوں کو اور وہ حاضر کیے جانے والا دن ہے۔''

شَـهَادَةٌ — ج: شَهَادَاتٌ۔ اسم ذات ہے۔ ظاہر یا حاضر چیز۔ گواہی، وہ بیان جو اس علم کی بنیاد پر ہو جو مشاہدہ بصیرت یا مشاہدہ بصر کے ذریعے حاصل ہو۔ ﴿وَ سَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ﴾ (9/توبہ:105) ''اور تم لوگ لوٹائے جاؤ گے حاضر اور غائب کے جاننے والے کی طرف۔'' ﴿وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ﴾ (2/البقرہ:140) ''اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے چھپایا گواہی کو جو اس کے پاس ہے اللہ کی طرف سے۔'' ﴿فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ﴾ (24/نور:6) 'ان میں سے ایک کی گواہی چار گواہیاں ہیں۔''

(افعال) اِشْهَادًا — کسی کو گواہ بنانا۔ ﴿وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ﴾ (7/اعراف:172) 'اور جب نکالا تیرے رب نے آدمؑ کی اولاد کو ان کی پشتوں سے اور ان کو گواہ بنایا ان کے نفس پر۔''

اَشْهِدْ — ج: اَشْهِدُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو گواہ بنا۔ ﴿وَ اَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ص﴾ (2/البقرہ:282) '' اور تم لوگ گواہ بناؤ جب خرید وفروخت کرو۔''

(استفعال) اِسْتِشْهَادًا — گواہی کیلئے کہنا۔ گواہ طلب کرنا۔ گواہ بنانا۔

اِسْتَشْهِدْ — ج: اِسْتَشْهِدُوْا۔ فعل امر ہے۔ گواہ طلب کرو۔ ﴿فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ج﴾ (4/النساء:15) ''تو تم لوگ گواہ طلب کرو ان عورتوں پر اپنوں میں سے چار۔''

دُوْنَ — دُوْنَ کا لفظ عربی زبان میں تین مختلف معنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ایک، کسی اونچی چیز کے مقابلے میں نیچے ہونا۔ دوسرے، کسی افضل واشرف چیز کے مقابلے میں کم تر ہونا۔ تیسرے، کسی چیز کے ماسوا یا اس کے علاوہ ہونا۔ (تفہیم القرآن، ج ۵ ص ۲۷۰)

اَللّٰهُ (ء ل ہ): آیت بسم اللہ دیکھیں۔

ص د ق

(ن) صِدْقًا — سچ بولنا۔ سچ کر دکھانا۔ سچائی کا مطلب ہے کہ (1) دل اور زبان میں ہم آہنگی ہو (2) بات واقعہ کے مطابق ہو اور (3) عمل قول کے مطابق ہو۔ ﴿هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ صَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ﴾ (33/الاحزاب:22) ''یہ ہے وہ جو ہم سے وعدہ کیا اللہ نے اور اس کے رسول نے اور سچ کہا اللہ نے اور اس کے رسول نے۔'' ﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ج﴾ (48/الفتح:27) ''بیشک اللہ نے عملاً سچ کر دیا اپنے رسول کے خواب کو حق کے ساتھ۔'' صِدْقٌ کی ضد کِذْبٌ ہے۔ (کذب کی لغت کے لیے آیت 10 دیکھیں) اصل میں صِدْقٌ اور کِذْبٌ، قول (بات) سے متعلق ہیں۔ کوئی بات سچ اس وقت ہوتی ہے جب دل اور زبان میں بھی ہم آہنگی ہو اور جس کے متعلق جو بات کہی گئی ہو وہ بھی حقیقت میں ویسا ہی ہو۔ اگر ان میں سے کوئی شرط پوری نہ ہو تو یہ ''صدق تام'' (یعنی مکمل سچ) نہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المنافقون کی آیت 1 میں منافقین کو جو جھوٹا قرار دیا ہے تو وہ اس وجہ سے ہے کہ منافقین زبان سے تو سچ بول رہے تھے اور حضورؐ کے بارے میں جو خبر دے رہے تھے (کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں) وہ بھی صحیح تھی لیکن دل میں اس کے خلاف عقیدہ رکھتے تھے اس لیے ان کی اس گواہی کو سچ نہیں مانا گیا۔ نیز صِدْق کا استعمال افعال جوارح (جارحہ کی جمع۔ انسان کے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء) کے لیے بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ جب کوئی شخص جنگ کا حق ادا کر دے تو کہا جاتا ہے صَدَقَ فِی الْقِتَالِ وہ جنگ میں سچا رہا یعنی جو کچھ اس پر لازم تھا اس نے کر دکھایا مطلب جان توڑ کر لڑا اور اپنے عمل سے بہادری ثابت کر دی اور اگر اس کے خلاف ہو تو کہا جاتا ہے کہ كَذَبَ فِی الْقِتَالِ وہ جنگ میں جھوٹا رہا یعنی

بزدل ثابت ہوا۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ ﴾ (الاحزاب:23) ''ایمان لانے والوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جنھوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا ہے۔'' نیز اہل عرب کی یہ عادت ہے کہ جس چیز میں ظاہری یا باطنی فضیلت ہو یا جب وہ کسی چیز کی خوبی بیان کریں تو اسے صِدْقٌ کی طرف مضاف کر دیتے ہیں یعنی وہ چیز اتنی عمدہ ہے کہ اس سے بھلائی کی جو توقع کی جائے گی وہ چیز اس پر پوری اترے گی اور توقع کرنے والے کی تصدیق کر دے گی۔ اسی لیے قرآن مجید میں قَدَمَ صِدْقٍ، اونچا مرتبہ، بلند مرتبہ (یونس:2)، مُبَوَّاَ صِدْقٍ، پسندیدہ جگہ (یونس:93)، مُدْخَلَ صِدْقٍ، سچا داخل کرنا، مُخْرَجَ صِدْقٍ، سچا نکالنا (بنی اسرائیل:80)، لِسَانَ صِدْقٍ، سچا بول، ذکر خیر (مریم:50، اور الشعراء:84) اور مَقْعَدِ صِدْقٍ، سچی بیٹھک، اعلیٰ مقام (القمر:55) کے الفاظ آئے ہیں۔ یاد رہے کہ صَدَقَ کا تعدیہ کبھی دو مفعولوں کی طرف بھی ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿ وَ لَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ ﴾ (آل عمران:152) ''بے شک اللہ نے (تائید ونصرت کا) جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ اُس نے سچا کر دیا۔''

صَادِقٌ ج: صَادِقُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ سچ کہنے والا۔ سچ کرنے والا۔ سچا۔ ﴿ وَ اِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ؕ ﴾ (40/المومن:28) ''اور اگر وہ ہوا سچ کہنے والا تو آن پہنچے گا اس میں سے بعض جس کا وہ وعدہ کرتا ہے تم سے۔'' ﴿ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۖ٘ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝۱۴۶ ﴾ (6/الانعام:146) ''یہ ہم نے جزا دی ان کو ان کی سرکشی کے سبب سے اور یقیناً ہم سچ کہنے والے ہیں۔''

اَصْدَقُ اسم التفضیل ہے۔ زیادہ سچا۔ ﴿ وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ۝۱۲۲ ﴾ (4/النساء:122) ''اور کون زیادہ سچا ہے اللہ سے، بلحاظ بات کے۔''

صِدْقٌ اسم ذات بھی ہے۔ سچائی۔ ﴿ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَ كَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ ﴾ (39/الزمر:32) ''اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے جھوٹ کہا اللہ پر اور جھٹلایا سچائی کو جب وہ آئی اس کے پاس۔''

صَدِيْقٌ اسم ذات ہے۔ دوست۔ ﴿ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ۝۱۰۰ وَ لَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ۝۱۰۱ ﴾ (26/الشعراء:100-101) ''تو نہیں ہے ہمارے لئے کوئی شفاعت کرنے والا اور نہ کوئی گرم جوش دوست۔''

صِدِّيْقٌ فِعِّيْلٌ کے وزن پر مبالغے کا صیغہ ہے۔ بہت سچا۔ انتہائی سچا۔ صِدِّيْقٌ وہ ہے جس سے کثرت سے سچائی ظاہر ہو اور وہ کبھی جھوٹ نہ بولے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ صدیق وہ ہے جس کو سچائی کی عادت کی وجہ سے جھوٹ بولنا ہی نہ آتا ہو۔ ﴿ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖۗ ﴾ (57/الحدید:19) ''اور جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر وہ لوگ ہی کامل سچے ہیں۔'' حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''لفظ صِدِّيْقٌ بکسر صاد قرآن کا ایک اصطلاحی لفظ ہے اس کے معنی اور تعریف میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ جس شخص نے عمر میں کبھی جھوٹ نہ بولا ہو وہ صدیق ہے بعض نے فرمایا کہ جو شخص اعتقاد اور قول و عمل ہر چیز میں صادق ہو یعنی جو دل میں اعتقاد ہو ٹھیک وہی زبان پر ہو اور اس کا ہر فعل اور ہر حرکت وسکون اسی اعتقاد اور قول کے تابع ہو۔ روح المعانی اور مظہری وغیرہ میں اسی آخری معنی کو اختیار کیا ہے اور پھر صدیقیت کے درجات متفاوت (مختلف، فرق والے) ہیں۔ اصل صدیق تو نبی ورسول ہی ہو سکتا ہے اور ہر نبی ورسول کے لیے صدیق ہونا وصف لازم ہے مگر اس کا عکس نہیں کہ جو صدیق ہو اس کا نبی ہونا ضروری ہو بلکہ غیر نبی بھی جو اپنے نبی ورسول کے اتباع میں صدق کا یہ مقام حاصل کر لے وہ بھی صدیق کہلائے گا۔

حضرت مریم کو خود قرآن کریم نے اُمُّہٗ صِدِیقہ کا خطاب دیا ہے حالانکہ جمہور اُمت کے نزدیک وہ نبی نہیں، اور کوئی عورت نبی نہیں ہوسکتی۔'' (معارف القرآن، ج۶ ص ۳۴)

حضرت مولانا مودودیؒ اس لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''صِدِّیْقٌ سے مراد وہ شخص ہے جو نہایت راست باز ہو، جس کے اندر صداقت پسندی اور حق پرستی کمال درجہ پر ہو، جو اپنے معاملات اور برتاؤ میں ہمیشہ سیدھا اور صاف طریقہ اختیار کرے، جب ساتھ دے تو حق اور انصاف ہی کا ساتھ دے اور سچے دل سے دے، اور جس چیز کو حق کے خلاف پائے اس کے مقابلہ میں ڈٹ کر کھڑا ہو جائے اور ذرا کمزوری نہ دکھائے۔ جس کی سیرت ایسی ستھری اور بے لوث ہو کہ اپنے اور غیر کسی کو بھی اس سے خالص راست روی کے سوا کسی دوسرے طرزِ عمل کا اندیشہ نہ ہو۔'' (تفہیم القرآن، ج۱ ص: ۳۷۰)۔ حضرت مولانا مودودیؒ نے اس لفظ کی مزید وضاحت تفہیم القرآن، ج۵ ص ۳۱۶ پر بھی کی ہے۔ وہاں سے بھی ایک نظر دیکھ لیا جائے۔

صَدَقَۃٌ ج: صَدَقَاتٌ۔ اسم ذات ہے۔ خیرات۔ زکوٰۃ۔ یہ عملی سچائی کا مظہر ہے اور لفظ صدقہ فرض خیرات یعنی زکوٰۃ اور نفلی خیرات، دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَ یُرْبِی الصَّدَقٰتِ ؕ ﴾ (2/البقرۃ:276) ''اللہ بے برکت کرتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو۔'' حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''صدقہ لغت میں مال کے اس جزء کو کہا جاتا ہے جو اللہ کے لیے خرچ کیا جائے (قاموس)۔ امام راغبؒ نے مفردات القرآن میں فرمایا کہ صدقہ کو صدقہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا دینے والا گویا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں اپنے قول و فعل میں صادق ہوں، اس کے خرچ کرنے کی کوئی غرض دنیوی نہیں، بلکہ صرف اللہ کی رضا کے لیے خرچ کر رہا ہوں، اسی لیے جس صدقہ میں کوئی نام و نمود یا دنیوی غرض شامل ہو جائے قرآن کریم نے اس کو کالعدم قرار دیا ہے۔ لفظ صدقہ اپنے اصلی معنی کی رُو سے عام ہے، نفلی صدقہ کو بھی کہا جاتا ہے، فرض زکوٰۃ کو بھی، نفل کے لیے اس کا استعمال عام ہے ہی، فرض کے لیے بھی قرآن کریم میں بہت جگہ یہ لفظ استعمال ہوا ہے، جیسے خُذْ مِنْ اَمْوَالِھِمْ صَدَقَۃً اور آیت زیر بحث (توبہ:60) اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ وغیرہ، بلکہ قرطبیؒ کی تحقیق تو یہ ہے کہ قرآن میں جب مطلق لفظ صدقہ بولا جاتا ہے تو اس سے صدقۂ فرض ہی مراد ہوتا ہے، اور روایات حدیث میں لفظ صدقہ ہر نیک کام کے لیے بھی استعمال ہوا ہے، جیسے حدیث میں ہے کہ کسی مسلمان سے خوش ہو کر ملنا بھی صدقہ ہے، کسی بوجھ اٹھانے والے کا بوجھ اُٹھوا دینا بھی صدقہ ہے، کنویں سے پانی کا ڈول اپنے لیے نکالا اس میں سے کسی دوسرے کو دے دینا بھی صدقہ ہے، اس حدیث میں لفظ صدقہ مجازی طور پر عام معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔'' (معارف القرآن، ج۴ ص ۳۹۵)

حضرت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''صَدَقَہ اردو زبان میں تو بہت ہی برے معنوں میں بولا جاتا ہے، مگر اسلام کی اصطلاح میں یہ اُس عطیے کو کہتے ہیں جو سچے دل اور خالص نیت کے ساتھ محض اللہ کی خوشنودی کے لیے دیا جائے، جس میں کوئی ریاکاری نہ ہو، کسی پر احسان نہ جتایا جائے، دینے والا صرف اس لیے دے کہ وہ اپنے رب کے لیے عبودیت کا سچا جذبہ رکھتا ہے۔ یہ لفظ صدق سے ماخوذ ہے اس لیے صداقت عین اس کی حقیقت میں شامل ہے۔ کوئی عطیہ اور کوئی صَرفِ مال اُس وقت تک صدقہ نہیں ہوسکتا جب تک اس کی تہ میں انفاق فی سبیل اللہ کا خالص اور بے کھوٹ جذبہ موجود نہ ہو۔'' (تفہیم القرآن، ج۵ ص ۳۱۵)

صَدُقَۃٌ ج: صَدُقَاتٌ۔ بیوی کا حق مہر۔ ﴿ وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِھِنَّ نِحْلَۃً ؕ ﴾ (4/النساء:4) ''اور عورتوں کے مَہر خوشدلی کے ساتھ ادا کرو۔'' حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''صَدُقَۃ اور صَدَاق عورتوں کے مہر کو کہا جاتا ہے، ملا علی قاریؒ

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں: وَسُمِّیَ بِہٖ لِاَنَّہٗ یَظْھَرُ بِہٖ صِدْقُ مَیْلِ الرَّجُلِ اِلَی الْمَرْاَۃِ، یعنی مہر کو صُداق اور صَدُقہ اس لیے کہتے ہیں کہ ''صدق'' کے اس مادہ میں سچ کے معنی ہیں، اور مہر سے بھی چونکہ شوہر کا اپنی بیوی کی طرف سچا میلان ظاہر ہوتا ہے اس لیے اس مناسبت سے مہر کو صُدَاق کہنے لگے۔'' (معارف القرآن، ج۲،ص۲۹۹)

(تفعیل) **تَصْدِیْقًا** (1) کسی کو سچا قرار دینا، کسی کی تصدیق کرنا۔ (2) سچ کر دکھانا۔ ﴿وَ الَّذِیْنَ یُصَدِّقُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ﴾ (70/المعارج:26) ''اور جو لوگ سچا قرار دیتے ہیں یعنی تصدیق کرتے ہیں بدلے کے دن کی۔''

مُصَدِّقٌ اسم الفاعل ہے۔ تصدیق کرنے والا۔ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ﴾ (4/النساء:47) ''اے لوگو جن کو دی گئی کتاب، تم لوگ ایمان لاؤ اس پر جو ہم نے نازل کیا اس حال میں کہ وہ تصدیق کرنے والا ہے اس کی جو تمہارے پاس ہے۔''

(تفعّل) **تَصَدُّقًا** تَصَدَّقَ، اِصَّدَّقَ (ماضی) اور یَتَصَدَّقُ، یَصَّدَّقُ (مضارع)۔ اپنے حق سے دست بردار ہونا۔ دوسرے کو حق سے زیادہ دینا۔ خیرات کرنا۔ ﴿وَ اَنْ تَصَدَّقُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ﴾ (2/البقرہ:280) ''اور یہ کہ تم لوگ اپنا حق چھوڑ دو، بہتر ہے تمہارے لئے۔''

تَصَدَّقْ فعل امر ہے۔ تُو زیادہ دے۔ تُو خیرات کر۔ ﴿فَاَوْفِ لَنَا الْكَیْلَ وَ تَصَدَّقْ عَلَیْنَا﴾ (12/یوسف:88) ''پس تو پورا بھر ہمارے لئے پیمانے کو اور زیادہ دے۔''

مُتَصَدِّقٌ اور **مُصَّدِّقٌ** اسم الفاعل ہے۔ خیرات کرنے والا۔ ﴿وَ الْمُتَصَدِّقِیْنَ وَ الْمُتَصَدِّقٰتِ وَ الصَّآىِٕمِیْنَ وَ الصّٰٓىِٕمٰتِ﴾ (33/الاحزاب:35) ''اور خیرات کرنے والا اور خیرات کرنے والیاں اور روزے والے اور روزے والیاں۔'' ﴿اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَ الْمُصَّدِّقٰتِ﴾ (57/الحدید:18) ''بیشک خیرات کرنے والے اور خیرات کرنے والیاں۔''

ترکیب 'وَ' استئنافیہ ہے۔ یعنی اس سے نیا جملہ شروع ہو رہا ہے۔ اِنْ شرطیہ ہے اور آگے کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ سے عَلٰی عَبْدِنَا تک پورا جملہ شرط ہے۔ اس میں کُنْتُمْ کا اسم اس میں شامل ضمیر ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے اور فِیْ رَیْبٍ متعلق خبر ہے۔ مِمَّا میں مِنْ حرف جر ہے اور 'مَا' موصول ہے۔ اگلا جملہ فعلیہ نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا، صلہ ہے 'مَا' موصول کا۔ نَزَّلْنَا فعل ہے اور اس میں شامل ضمیر اس کا فاعل ہے۔ عَلٰی عَبْدِنَا، متعلق فعل ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مجرور ہیں، مِنْ کی وجہ سے اور جار مجرور مل کر صفت ہیں رَیْبٍ کی۔ آگے فَاْتُوْا سے شروع ہونے والا جملہ جواب شرط ہے۔ اس میں 'ف' جواب شرط کے لیے ہے اور اِئْتُوْا فعل امر ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر ہے۔ بِسُوْرَۃٍ متعلق فعل ہے۔ بِسُوْرَۃٍ میں 'ب' تعدیہ کا ہے جس سے معنی ہو جائیں گے ''تم لے آؤ ایک سورۃ''۔ مِّنْ مِّثْلِهٖ صفت ہے سورت کی۔ اگر ہوتا بِسُوْرَۃٍ مِّثْلِهٖ تو مطلب ہوتا ''اس کے جیسی ایک سورۃ''۔ لیکن یہاں مِنْ کی وجہ سے معنی ہوں گے ''ایک سورۃ جو کسی بھی لحاظ سے یا کسی بھی پہلو سے اس کے جیسی ہو'' (مِنْ تبعیضیہ)۔ مزید یہ کیا گیا کہ سورہ پر 'ال' داخل نہیں کیا یعنی کوئی خاص سورت مراد نہیں لی گئی۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ قرآنِ مجید کی چھوٹی سے چھوٹی سورت بھی اس دعویٰ میں شامل ہو گئی۔ (واللہ اعلم)۔ وَادْعُوْا میں 'وَ' عطف کا ہے اور اُدْعُوْا عطف ہے فَاْتُوْا پر۔ اُدْعُوْا میں شامل ضمیر اس کا فاعل ہے آگے شُهَدَآءَكُمْ اس کا مفعول ہے اور مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ متعلق فعل ہے۔ اگلا جملہ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ پھر جملہ شرطیہ ہے۔ كُنْتُمْ کا اسم اس میں شامل ضمیر ہے اور صٰدِقِیْنَ اس کی خبر ہے۔ اس کا جواب شرط محذوف ہے جو کہ فَافْعَلُوْا ذٰلِكَ ہو سکتا ہے۔ (درویشؒ)۔

عَلٰی عَبْدِنَا	نَزَّلْنَا	مِّمَّا	فِیْ رَیْبٍ	كُنْتُمْ	وَاِنْ	ترجمہ
اپنے بندے پر	ہم نے اتارا	اس کے بارے میں جو	کسی شک میں	تم لوگ ہو	اور اگر	البقرۃ:23

فَاْتُوْا	بِسُوْرَةٍ	مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠	وَادْعُوْا	شُهَدَآءَكُمْ
تو تم لوگ آؤ	ایک سورہ کے ساتھ	کسی طرح اس کے جیسی	اور تم لوگ بلاؤ	اپنے مددگاروں کو

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اِنْ كُنْتُمْ	صٰدِقِيْنَ ﴿٢٣﴾
اللہ کے علاوہ	اگر تم لوگ ہو	سچے

نوٹ:1 حرف شرط اِنْ عام طور پر ماضی پر نہیں آتا۔لیکن اگر آئے تو پھر ماضی کا ترجمہ حال میں ہوتا ہے۔اس لئے اِنْ كُنْتُمْ کے معنی ہیں اگر تم لوگ ہو۔

نوٹ:2 اَتٰى (پہنچنا۔آنا)اور جَآءَ (آنا) ، یہ دو فعل ایسے ہیں جن کے ساتھ مفعول آتا ہے،حالانکہ یہ دونوں افعال لازم ہیں۔جیسے هَلْ اَتٰكَ (کیا وہ پہنچا/آیا تیرے پاس)۔اِذْ جَآءَ هُمْ (جب وہ آیا ان کے پاس)اس کو ایک استثناء کی صورت بھی کہہ سکتے ہیں۔لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں افعال کے مفعول سے پہلے عام طور پر لفظ عِنْدَ محذوف ہوتا ہے۔جیسے هَلْ اَتٰكَ دراصل هَلْ اَتٰى عِنْدَكَ ہے۔اور اِذْ جَآءَ هُمْ دراصل اِذْ جَآءَ عِنْدَهُمْ ہے۔اس طرح دراصل یہ مفعول نہیں بلکہ متعلق فعل ہوتا ہے۔جیسے جَلَسَ عَلَى الْكُرْسِيِّ (وہ بیٹھا کرسی پر) میں عَلَى الْكُرْسِيِّ متعلق فعل ہے۔(از لطف الرحمٰن خان صاحب)

آیت:24

﴿ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٤﴾ ﴾

اِنْ: البقرة آیت 23 دیکھیں۔

ف ع ل

(ف) فَعْلًا: کرنا۔﴿ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْىٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ﴾(2/البقرة:85)''اُن کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل وخوار ہوکر رہیں۔'' ﴿ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ ﴾(7/الاعراف:155) ''کیا تو ہلاک کرے گا ہمیں بسبب اُس کے جو ہم میں سے بیوقوفوں نے کیا۔''

اِفْعَلْ: فعل امر ہے۔تو کر۔﴿ قَالَ يٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ﴾(37/الصافات:102)''اُس نے کہا،''ابّا جان، جو کچھ آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اسے کر ڈالئے۔''

فَاعِلٌ: اسم الفاعل ہے۔کرنے والا۔﴿ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَاىْءٍ اِنِّىْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۙ﴿٢٣﴾ ﴾(18/الکهف:23)''اور کسی چیز کے بارے میں کبھی یہ نہ کہا کیجیے کہ میں کل یہ کام کر دوں گا۔''

مَفْعُوْلٌ: اسم المفعول ہے۔وہ کام جو کیا جائے۔﴿ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿٤٧﴾ ﴾(4/النساء:47)''اور ہے اللہ کا کام کیا گیا۔''

فِعْلٌ: ج: اَفْعَالٌ۔اسم ذات ہے۔کام۔﴿ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ ﴾(21/الانبیاء:73)''اور ہم نے اُن کی طرف نیک کاموں کے کرنے کی وحی کی۔''(بعض کے نزدیک فِعْلٌ بطور مصدر بھی استعمال ہوتا ہے)۔

فَعَّالٌ: مبالغے کا صیغہ ہے۔بہت زیادہ کام کرنے والا۔وہ ہستی جو چاہے کر گزرے۔﴿ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿١٠٧﴾ ﴾(11/هود:107)''یقیناً تیرا رب جو کچھ چاہے کر گزرتا ہے۔''

اِتَّقُوْا(و ق ی):البقرة آیت 2 دیکھیں۔ اَلنَّارُ (ن و ر):البقرة آیت 17 دیکھیں۔ وَقُوْدُ(و ق د):البقرة آیت 17 دیکھیں۔
اَلنَّاسُ:البقرة آیت 8 دیکھیں۔

ح ج ر

(ن) **حَجْرًا** منع کرنا۔روک دینا۔سخت ہونا۔جب قاضی کسی کو اس کی بے وقوفی یا کم سنی کی وجہ سے اس کے اپنے مال کو خرچ کرنے سے روک دے تو کہتے ہیں حَجَرَ الْقَاضِیْ عَلٰی فُلَانٍ قاضی نے فلاں کو خرچ کرنے سے روک دیا۔اس مادے کے تمام مشتقات میں بندش اور روک کا مفہوم لازمی ہوتا ہے۔

حِجْرٌ ج:حُجُوْرٌ۔ اسم ذات ہے۔ممنوع۔حفاظت۔حرام چیز۔گود۔عقل۔اصل میں جس جگہ کے اردگرد پتھروں سے احاطہ کیا گیا ہو اسے حِجْرٌ کہا جاتا ہے۔اسی لیے حطیم کعبہ اور دیارِ ثمود کو حجر کہا گیا۔حطیم کعبہ، خانہ کعبہ کا وہ حصہ ہے جسے قریشِ مکہ نے خانہ کعبہ میں شامل نہیں کیا تھا۔اس لیے طواف کرنے والوں کے لیے اس کے اندر سے طواف کرنا منع ہے۔طواف کرتے وقت اس کے بیرونی حصے سے گزر جانا چاہیے، جسے دیوار سے ممتاز کر دیا گیا ہے اور ثمود کے بارے میں فرمایا﴿ وَ لَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾(حجر:80)''اور حجر کے رہنے والوں نے بھی پیغمبروں کی تکذیب کی۔'' چونکہ پتھروں سے کسی جگہ کا احاطہ کرنے سے اصل مقصد حفاظت اور روک تھام ہوتی ہے اسی لیے انسانی عقل کو بھی حجر کہا جاتا ہے کیونکہ وہ نقصان دہ، غلط اور حرام چیزوں سے روکتی ہے (اس مفہوم کے اعتبار سے اسے نُهْيَةٌ بھی کہتے ہیں)۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:﴿ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ﴾(89/الفجر:5)''کیا اس میں قسم ہے عقل والے کیلئے۔'' اور جس چیز سے روکا اور منع کیا جائے وہ بھی حجر کہلاتی ہے۔﴿ وَقَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّ حَرْثٌ حِجْرٌ ﴾(6/الانعام:138) ''اور ان لوگوں نے کہا یہ مویشی اور کھیتی ہیں جو منع ہے یعنی ان کو کھانا منع ہے۔'' گود کو بھی حجر اس لیے کہتے ہیں کہ گود میں بچے کی حفاظت ہوتی ہے۔﴿ وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ ﴾(4/النساء:23)''اور تمہاری سوتیلی بیٹیاں جو تمہاری گودوں میں ہیں۔''

حَجَرٌ ج:حِجَارَةٌ۔ اسم ذات ہے۔سخت مٹی۔پتھر۔﴿ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ﴾(2/البقرة:60)''تو ہم نے کہا تم مارو اپنی لاٹھی کو اس پتھر پر۔''﴿ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ﴾ (2/البقرة:74)''پھر سخت ہو گئے تمہارے دل اسکے بعد تو وہ پتھروں کی مانند ہیں یا زیادہ شدید بلحاظ سختی کے۔''

حُجْرَةٌ ج:حُجُرَاتٌ۔ سخت مٹی کا بنایا ہوا کمرہ۔حجرہ۔''اصل لغت میں حجرہ ایک چار دیواری سے گھرے ہوئے مکان کو کہتے ہیں جس میں کچھ صحن ہو کچھ مسقّف (جس پر چھت ڈالی گئی ہو) عمارت ہو۔''(معارف القرآن)۔﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴾(49/الحجرات:4)''بیشک جو لوگ پکارتے ہیں آپؐ کو حجروں کے باہر سے ان میں سے اکثر عقل نہیں کرتے۔''

مَحْجُوْرٌ اسم المفعول ہے۔سخت کیا ہوا۔منع کیا ہوا۔مضبوط۔﴿ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَ يَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴾(25/الفرقان:22)''جس روز یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے اُس روز مجرموں کے لیے کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی اور یہ (کفار) کہیں گے کہ پناہ پناہ۔''(ترجمہ ماجدیؒ)''جس روز وہ دیکھیں گے فرشتوں کو تو کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی اُس روز مجرموں کے لیے اور فرشتے کہیں گے تمہارے لیے (جنت کا داخلہ) قطعاً حرام ہے۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔

__حِجْرٌ مَحْجُوْرٌ__: حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ایک محاورہ ہے۔جاہلیت کا دستور تھا کہ جب کسی کے سامنے کوئی ایسا شخص آجاتا جس سے اسے اذیت کا خوف ہوتا تو وہ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا کہہ دیتا (یعنی ہم تمہاری پناہ چاہتے ہیں) یہ الفاظ سن کر دشمن

اسے کچھ نہ کہتا، تو قرآن نے یہاں بیان کیا کہ کفار بھی (عذاب کے) فرشتوں کو دیکھ کر (حسب عادت) یہ الفاظ کہیں گے کہ شاید عذاب سے پناہ مل جائے۔ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ایک محاورہ ہے۔ عہد جاہلیت میں جب کسی کو کوئی بلا پیش آتی یا کوئی اپنے دشمن کو دیکھ پاتا اور خیال یہ ہوتا کہ وہ اس پر حملہ کرے گا تو یہی لفظ پکار کر کہتا۔ جیسے اردو محاورہ میں کہتے ہیں دور دور۔ (تفسیر ماجدیؒ، ص ۷۵۳)۔ صاحبؒ ضیاء القرآن نے یَقُوْلُوْنَ کا فاعل فرشتے مراد لیا ہے۔ اس صورت میں حِجْرٌ موصوف ہوگا اور مَحْجُوْرٌ اس کی صفت برائے تاکید ہوگی۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ضیاء القرآن، ج ۳، ص ۳۵۹)

دو چیزوں کے درمیان مضبوط رکاوٹ یا آڑ کو بھی حِجْرٌ مَحْجُوْرٌ کہتے ہیں۔ جیسے فرمایا: ﴿وَ جَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝﴾ (25/الفرقان:53) ''اور اس نے بنایا ان دونوں کے مابین ایک پردہ اور ایک مضبوط رکاوٹ۔'' قرآن مجید میں حِجْرٌ مَحْجُوْرٌ دو جگہ ہی استعمال ہوا ہے۔ ایک سورہ الفرقان کی آیت 22 میں جہاں یہ محاورے کے طور پر آیا ہے اور دوسرا سورہ الفرقان ہی کی آیت 53 میں جہاں یہ مضبوط رکاوٹ کے معنی میں آیا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

ع د د

(ن) **عَدًّا** شمار کرنا۔ گننا۔ ﴿ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝﴾ (32/السجدہ:5) ''پھر وہ چڑھے گا اس کی طرف ایک دن میں، اس کی مقدار ہے ایک ہزار سال جس سے تم لوگ شمار کرتے ہو۔'' ﴿لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَ عَدَّهُمْ عَدًّا ۝﴾ (19/مریم:94) ''اُس نے اُن کو احاطے میں لے رکھا ہے اور اُنہیں خوب شمار کر رکھا ہے۔''

عَادٌّ ج: عَادُّوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ گننے والا۔ شمار کرنے والا۔ ﴿لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّیْنَ ۝﴾ (23/المومنون:113) ''ہم رہے ایک دن یا دن کا کوئی حصہ، تو پوچھ لو گننے والوں سے۔''

مَعْدُوْدٌ اسم المفعول ہے (مذکر)۔ گنا ہوا۔ شمار کیا ہوا۔ ﴿وَ مَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ۝﴾ (11/ھود:104) ''ہم اُسے ایک گنی ہوئی مدت کے لیے ملتوی کیے ہوئے ہیں۔''

مَعْدُوْدَةٌ ج: مَعْدُوْدٰتٌ۔ اسم المفعول ہے (مؤنث)۔ گنی ہوئی۔ شمار کی ہوئی۔ ﴿لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً﴾ (2/البقرہ:80) ''ہرگز نہیں چھوئے گی ہم کو آگ مگر گنے ہوئے چند دن۔'' ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِیْۤ اَیَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ﴾ (2/البقرہ:203) ''اور تم لوگ یاد کرو اللہ کو گنے ہوئے دنوں میں۔''

عَدَدٌ اسم ذات ہے۔ گنتی۔ شمار۔ ﴿فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّ اَقَلُّ عَدَدًا ۝﴾ (72/الجن:24) ''تو وہ لوگ جان لیں گے کون زیادہ کمزور ہے بلحاظ مددگار کے اور زیادہ قلیل ہے بلحاظ گنتی کے۔''

عِدَّةٌ اسم ذات ہے۔ گنی ہوئی چیز۔ گنتی۔ شمار۔ شمار کی ہوئی مدت۔ عورت کی عدت بھی اسی معنی میں ہے یعنی اس کے گنے ہوئے دن۔ شرعی اصطلاح میں اس مدت کو عدّت کہا جاتا ہے جس میں عورت ایک شوہر کے نکاح سے نکلنے کے بعد دوسرے نکاح سے ممنوع ہوتی ہے۔ یہ مدت گزر جانے کے بعد اس سے نکاح کرنا حلال ہو جاتا ہے۔ ﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا﴾ (9/التوبۃ:36) ''بیشک مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں۔'' ﴿قُلْ رَّبِّیْۤ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ﴾ (18/الکہف:22) ''آپ ﷺ کہیے میرا رب زیادہ جانتا ہے ان کی مدت کو۔'' ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَ اَحْصُوا الْعِدَّةَ﴾ (65/الطلاق:1) ''اے نبیؐ (اپنی امت

سے کہو کہ) جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہو تو اُن کی عدت (کے دنوں کے آغاز) میں اُنہیں طلاق دو اور عدت کا حساب رکھو۔'' (ترجمہ احسن البیان)

	عُدَّۃٌ	ج: عُدَدٌ۔ ساز و سامان۔ مال۔ ہتھیار وغیرہ۔ ﴿وَ لَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَہٗ عُدَّۃً﴾ (9/توبہ:46) ''اگر اُن کا ارادہ جہاد کے لیے نکلنے کا ہوتا تو وہ ضرور اس سفر کے لیے سامان کی تیاری رکھتے۔''
(افعال)	اِعْدَادًا	تیار کرنا۔ ﴿وَ اَعَدَّ لَہٗ عَذَابًا عَظِیْمًا ﴿۹۳﴾﴾ (4/:93) ''اور اس نے تیار کیا اس کے لئے ایک عظیم عذاب۔''
	اُعِدَّ	ماضی مجہول ہے۔ تیار کیا گیا۔ ﴿وَ جَنَّۃٍ عَرْضُہَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۳۳﴾ۙ﴾ (3/آل عمران:133) ''اور جنت، جس کی چوڑائی آسمان اور زمین ہیں، وہ تیار کی گئی متقی لوگوں کیلئے۔''
	اَعِدَّ	ج: اَعِدُّوْا۔ فعل امر ہے۔ تو تیار کر۔ ﴿وَ اَعِدُّوْا لَہُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّۃٍ﴾ (8/الانفال:60) ''اور تم لوگ تیار کرو ان کے لئے جو تم سے ہو سکے قوت میں سے۔''
(تفعیل)	تَعْدِیْدًا	کثرت سے گننا۔ بار بار گننا۔ ﴿الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَہٗ ﴿۲﴾ۙ﴾ (104/الھمزۃ:2) ''جس نے جمع کیا مال کو اور بار بار گنا اس کو۔''
(افتعال)	اِعْتِدَادًا	اہتمام سے شمار کرنا۔ گننا۔ ﴿فَمَا لَکُمْ عَلَیْہِنَّ مِنْ عِدَّۃٍ تَعْتَدُّوْنَہَا ۚ﴾ (33/الاحزاب:49) ''تو اُن پر تمہارا کوئی حق عدت کا نہیں جسے تم شمار کرو۔''

کٰفِرِیْنَ (ک ف ر): البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔

ترکیب 'فَ' استئنافیہ ہے۔ یعنی اس سے نئی بات شروع ہو رہی ہے۔ اِنْ شرطیہ ہے اور جملہ لَّمْ تَفْعَلُوْا شرط ہے۔ لَمْ جوازمِ مضارع میں سے اور تَفْعَلُوْا مجزوم ہے۔ آگے 'وَ' اعتراضیہ ہے اور لَنْ تَفْعَلُوْا شرط اور جوابِ شرط کے درمیان، جملہ معترضہ ہے۔ لَنْ نواصبِ مضارع میں سے ہے اور یہ تَفْعَلُوْا منصوب ہے۔ فَاتَّقُوا النَّارَ میں 'فَ' جوابِ شرط کے لیے ہے۔ اور اِتَّقُوا النَّارَ جوابِ شرط ہے۔ اِتَّقُوْا فعل امر کا صیغہ ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر 'اَنْتُمْ' ہے اور اَلنَّارَ اس کا مفعول بہ ہے۔ فَاتَّقُوْا میں 'فَ' کے بارے میں حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''فَ' نتیجہ کو بتلا رہا ہے۔ یعنی جب قرآن کی پیش کی ہوئی دلیل کے جواب سے عاجز آ چکے ہو، اور اپنے انکار پر کوئی دلیل خود رکھتے نہیں ہو، تو اب انکارِ حق کیے چلے جانا بجز عناد و خبثِ نفس کے اور کس چیز کا نتیجہ ہو سکتا ہے؟ اور جہنم کا عذاب آتشیں اسی معاندانہ انکارِ حق کا لازمی اور قدرتی نتیجہ ہے۔'' اَلَّتِیْ اسم موصول ہے۔ وَقُوْدُہَا مرکب اضافی، مبتدا ہے۔ اَلنَّاسُ اس کی خبر۔ 'وَ' عطف کا ہے اور اَلْحِجَارَۃُ عطف ہے اَلنَّاسُ پر۔ یہ سارا جملہ اسمیہ صلہ ہے، اَلَّتِیْ کا اور صلہ اور موصول مل کر صفت ہیں اَلنَّارَ کی۔ اُعِدَّتْ، ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ اس کا نائب الفاعل اس میں شامل ضمیر 'ہِیَ' ہے جو کہ اَلنَّارَ کے لیے ہے۔ لِلْکٰفِرِیْنَ متعلق فعل ہے اور یہ جملہ حال ہے اَلنَّارَ کا۔

ترجمہ	فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا	وَ لَنْ تَفْعَلُوْا	فَاتَّقُوا النَّارَ	الَّتِیْ وَقُوْدُہَا
البقرۃ:24	تو اگر تم لوگ نہ کر سکو	اور تم لوگ ہرگز نہ کر سکو گے	تو بچو اس آگ سے	جس کا ایندھن

النَّاسُ وَ الْحِجَارَۃُ ۚۖ	اُعِدَّتْ	لِلْکٰفِرِیْنَ ﴿۲۴﴾
انسان اور پتھر ہیں	جو تیار کی گئی ہے	کافروں کیلئے

نوٹ:1 قرآن مجید اور نبی اکرمؐ کا انکار کرنے والوں کو جو ایک سورۃ بنانے کا چیلنج دیا گیا وہ کئی پہلوؤں سے تھا۔ ایک پہلو تو زبان کی فصاحت و بلاغت تھی۔ یعنی قرآنِ مجید کی زبان کی جو فصاحت اور بلاغت ہے اس جیسی یا اس سے ملتی جلتی کوئی ایک سورۃ بناؤ۔ دوسرا پہلو اس میں یہ بھی تھا کہ قرآنِ مجید انسانی زندگی کے مختلف حصوں کے بارے میں جو راہنمائی اپنی آیات میں پیش کر رہا ہے، اس سے بہتر کوئی ہدایت ہے تو لاؤ۔ ہمارے بزرگوں نے اپنی تفاسیر میں اس پہلو کی طرف بھی اشارہ کیا ہے مثلاً حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ آیتِ مبارکہ کا ترجمہ کرتے ہیں ''اور اگر تم (یہ) نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے'' پھر حاشیے میں فرماتے ہیں: ''(قیامت تک) اللہ اکبر! کس زور کی تحدی ہے اور وہ بھی ایک اُمیؐ کی زبان سے اپنی عقل وحکمت، اپنے علوم وفنون پر ناز رکھنے والوں کو کیسا کیسا جوش اُس وقت بھی آیا ہوگا، اور آج بھی آرہا ہے۔ ؏ لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی! کتنے نئے نئے مسلک روز پیدا ہو رہے ہیں، کیسی کیسی ''isms'' ہر روز اُٹھ رہی ہیں، اور دنیا کو راہِ نجات دکھانے میں سب کی سب بیکار ہی ثابت ہو رہی ہیں۔ یہ سب گویا قرآن کے جوابات ہی ہیں۔ ہر جواب ناکام اور شرمناک حد تک ناکام!'' (تفسیر ماجدیؒ، ص ۱۵)

نوٹ:2 ''اَلْحِجَارَۃُ'' کا لفظ اگرچہ عام ہے لیکن موقع کلام سے واضح ہے کہ اس سے مراد وہی تراشے ہوئے پتھر ہیں جن کی دیوی دیوتا کی حیثیت سے پرستش ہوتی ہے۔ ان کو دوزخ میں پھینکنے سے مقصود دراصل ان کو عذاب دینا نہیں بلکہ ان کے پرستاروں کے عذاب میں اضافہ کرنا ہوگا۔ اس طرح ان کو دکھایا جائے گا کہ جن کے آگے وہ دنیا میں ڈنڈوت کرتے رہے ہیں اور جن کی ضیافت کے لیے دودھ اور حلوے پیش کرتے رہے ہیں ان کی یہاں کیا گت بن رہی ہے۔'' (تدبر قرآن، ج ۱، ص ۱۳۹)

آیت: 25

﴿ وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَ اُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙۗ وَّ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۵ ﴾

ب ش ر

بَشَرًا اور بَشْرًا (ن، ض، س) کھال کو چھیل کر اسے ظاہر کرنا۔ خوش ہونا۔ خوش کرنا۔ (کیونکہ خوشی میں چہرے کی جلد جگمگا اٹھتی ہے)۔

بُشْرٰی خوشخبری۔ بشارت، جس کو سن کر چہرے پر خوشی کے آثار ظاہر ہو جائیں۔ ﴿ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۹۷ ﴾ (2/البقرہ:97) ''تو یقیناً انہوں نے یعنی جبریلؑ نے نازل کیا اس کو آپ ﷺ کے دل پر اللہ کے حکم سے تصدیق کرنے والا ہوتے ہوئے اس کی جو پہلے سے ہے اور ہدایت اور بشارت ہوتے ہوئے مومنوں کے لئے۔''

بَشِيْرٌ فَعِيْلٌ کا وزن ہے۔ خوش خبری دینے والا۔ ﴿ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۙ ﴾ (2/البقرہ:119) ''یقیناً ہم نے بھیجا آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا ہوتے ہوئے۔''

بَشِيْرَۃٌ ج: بُشْرٌ۔ خوش خبری دینے والی۔ ﴿ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ ﴾ (25/الفرقان:48) ''اور وہی ہے جو باران رحمت سے پہلے خوش خبری دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے۔''

بَشَرٌ اسم ذات ہے۔ انسان۔کھال، جلد۔﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ﴾(18/الکہف:110)''آپؐ کہیے کہ کچھ نہیں سوائے اس کے کہ میں ایک بشر ہوں تم لوگوں کی مانند۔''عربی زبان میں بَشَرَةٌ، انسان کی جلد کی اوپر کی سطح کو کہتے ہیں اسی سے انسان کو بَشَرٌ کہتے ہیں کیونکہ اس کی جلد دوسرے حیوانات کے مقابلے میں اون، بالوں اور پشم وغیرہ سے کافی حد تک صاف ہوتی ہے جس کی وجہ سے جلد زیادہ ظاہر دکھائی دیتی ہے۔ بشر کا لفظ واحد، جمع، مذکر، مؤنث سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ البتہ اس کا تثنیہ بَشَرَيْنِ استعمال ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا﴾ (23/المومنون:47)''تو کہنے لگے کیا ہم اپنے جیسے دو شخصوں پر ایمان لائیں۔''بشر کا استعمال اس وقت ہوتا ہے جب انسان کی جسمانی بناوٹ، اس کے ظاہری جسم، اس کے فطری تقاضے، ضروریات اور کمزوریوں کا ذکر کرنا مقصود ہو۔ جیسے اوپر المومنون کی آیت 47 سے واضح ہے۔ اور بشر کے مقابلے میں مَلَكٌ (بمعنی فرشتہ) کا لفظ ہے جو مادی پہلو، یعنی ظاہری جسم اور فطری ضروریات سے پاک ہوتا ہے۔ کفار کا ہمیشہ یہی اعتراض رہا کہ ہم اپنے ہی جیسے ایک بشر جو ہماری طرح پیدا ہوتا ہے اور مرتا ہے، کھاتا پیتا، بازاروں میں چلتا پھرتا اور اپنی ضروریات ہماری طرح ہی پوری کرتا ہے تو اس میں آخر کیا فوقیت ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے۔ ہاں اگر کوئی فرشتہ ہوتا، جو ان ضروریات سے پاک ہوتا تو کوئی بات بھی تھی۔ درج ذیل آیات میں اللہ تعالیٰ نے اسی اعتراض کا جواب دیا ہے:﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۞ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۞﴾(17/بنی اسرائیل:94، 95)''اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آ گئی تو ایمان لانے سے اس کے سوا کوئی چیز مانع نہ ہوئی کہ کہنے لگے کہ کیا اللہ نے آدمی کو پیغمبر بنا کے بھیجا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر فرشتے زمین میں آباد ہوتے جو چلتے پھرتے اور آرام کرتے تو ہم ان کے پاس آسمان سے فرشتہ ہی پیغمبر بنا کر بھیجتے۔''قرآن مجید میں بشر کا لفظ خاص جلد کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ فرمایا: ﴿ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۞﴾ (74/المدثر:29)''جلد کو جھلسا دینے والی۔''

(افعال) اِبْشَارًا خوشخبری حاصل کرنا۔ بشارت لینا۔

اَبْشِرْ ج: اَبْشِرُوْا۔فعل امر ہے۔تو بشارت لے۔﴿وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ ﴾(41/حمٓ السجدہ:30)''اور تم لوگ بشارت لو جنت کی۔''

(تفعیل) تَبْشِيْرًا خوش خبری سنانا۔ بشارت دینا۔ ایسی خوش خبری دینا کہ جس سے سرور پیدا ہو۔ بَشَّرَ - يُبَشِّرُ باب تفعیل میں دو مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ جس کو بشارت دی جاتی ہے وہ بِنَفْسِهٖ (براہِ راست بغیر صلہ کے) آتا ہے۔ اور جو بشارت دی جاتی ہے۔ اس پر کبھی بِ کا صلہ آتا ہے اور کبھی اَنْ یا اَنَّ آتا ہے۔

بَشِّرْ فعل امر ہے۔ تو خوش خبری سنا۔ تو بشارت دے۔﴿ وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ﴾(2/البقرۃ:25)''آپؐ خوش خبری دے دیجئے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور اُنہوں نے نیک عمل کیے کہ اُن کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں۔''اور قرآن مجید میں یہ جو فرمایا﴿ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۞﴾(3/آل عمران:21)''تو آپؐ بشارت دیں اُن لوگوں کو ایک دردناک عذاب کی۔'' تو یہ اس لیے فرمایا کہ تبشیر کا لفظ بطور استعارہ کے کبھی کبھی غصے کے اظہار کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں کہ تبشیر کے لفظ سے تنبیہ کی گئی ہے یعنی خبردار کیا گیا ہے اور آگاہ کیا گیا ہے کہ سب سے بہتر خوش خبری جو وہ سن سکتے ہیں وہ عذاب الیم کی ہے جس میں وہ قیامت کے دن مبتلا ہوں گے۔ عذاب کے متعلق بَشِّرْ کا لفظ بطور تہکم (ڈانٹ) استعمال ہوتا ہے۔

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ النساء کی آیت 138 ﴿ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ۙ۝۱۳۸ ﴾ کے تحت فرماتے ہیں: ''تبشیر کے معنی ہمیشہ خوشخبری ہی کے نہیں ہوتے۔ لغت میں عام ہے ہر ایسی خبر کے لیے جس کا اثر چہرہ سے ظاہر ہونے لگے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بشارت یہاں طنز و زجر کے معنی میں ہو۔ اور عرب ایسے موقع پر ایسا ہی استعمال کرتے ہیں۔ اردو میں (بھی) تو طنزیہ موقع پر کہتے ہیں۔ لو، اب اپنا انعام لو۔ اب تو مزہ پایا۔ اب دیکھو اپنا تماشا۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص ۲۵۶) اور صاحبؒ ضیاء القرآن بھی اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں: ''بشارت کا عام استعمال تو خوشخبری کے معنی میں ہوتا ہے اور اس عذاب الیم کی خبر کو بشارت سے تعبیر کرنا بطور طنز ہے۔ اور علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ ہر اس اچھی یا بری خبر کو بشارت کہتے ہیں جس کے سننے کے بعد اس کے اثرات چہرہ پر نمایاں ہو جائیں۔'' (ضیاء القرآن، ج۱، ص ۴۰۴)

(مفاعلہ) **مُبَاشَرَةً** باہم رہنا سہنا۔ مباشرت کرنا۔ ''مُبَاشَرَةً کے اصل معنی تو ایک کی جلد کو دوسرے کی جلد کے ساتھ ملانا کے ہیں مگر کنایۃً عورت سے مجامعت کرنا کے معنی میں آجاتا ہے۔'' (مفردات القرآن)

بَاشِرْ فعل امر ہے۔ تو مباشرت کر۔ ﴿ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ ﴾ (2/البقرۃ:187) ''تو اب تم لوگ مباشرت کرو ان سے یعنی اپنی بیویوں سے۔''

(استفعال) **اِسْتِبْشَارًا** خوش ہونا۔ خوشی منانا۔

اِسْتَبْشِرْ ج: اِسْتَبْشِرُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو خوش ہو جا۔ تو خوشی منا۔ ﴿ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ ﴾ (9/التوبۃ:111) ''پس تم لوگ خوشی مناؤ اپنے سودے کی۔''

مُسْتَبْشِرٌ اسم الفاعل ہے۔ خوشی منانے والا۔ ﴿ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝۳۹ ﴾ (80/عبس:39) ''ہشاش بشاش اور خوش و خرّم ہوں گے۔''

اٰمَنُوْا (ء م ن): البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔

ع م ل

(س) **عَمَلًا** کام کرنا۔ عمل ہر اس فعل کو کہتے ہیں جو کسی جاندار سے ارادۃً صادر ہو۔ عمل کا لفظ، فعل سے خاص ہے۔ کیونکہ فعل کا لفظ حیوانات اور کبھی جمادات کی طرف بھی منسوب ہو جاتا ہے مگر عمل کا لفظ ان کی طرف بہت کم منسوب ہوتا ہے۔ عمل کا لفظ اچھے اور برے دونوں قسم کے افعال پر بولا جاتا ہے۔ ﴿ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ ﴾ (2/البقرۃ:62) ''جو ایمان لایا اللہ پر اور آخری دن پر اور اُس نے نیک عمل کیا تو اُس کا اجر ہے اُس کے رب کے پاس۔'' اور برے کام کے لیے فرمایا: ﴿ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ ﴾ (4/النساء:123) ''جو بھی بُرائی کرے گا اُس کی جزا پائے گا۔''

عَمَلٌ ج: اَعْمَالٌ۔ اسم ذات بھی ہے۔ کام۔ ﴿ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ ﴾ (3/آل عمران:195) ''پس اُن کے رب نے اُن کی دعا قبول فرمالی کہ تم میں سے کسی کام کرنے والے کے کام کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت میں ہرگز ضائع نہیں کرتا۔'' ﴿ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ﴾ (11/ھود:46) ''اس کے کام بالکل ہی ناشائستہ ہیں۔'' ﴿ وَ لَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ۝۶۳ ﴾ (23/المومنون:63) ''اور اُن کے لیے اُس کے سوا بھی بہت سے اعمال ہیں جنہیں وہ کرنے والے ہیں۔''

اِعْمَلْ ج: اِعْمَلُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو کر۔ ﴿ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۝ ﴾ (41/حم السجدۃ:5) ''پس تو کر بے شک ہم بھی کرنے والے ہیں۔'' ﴿ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ ﴾ (6/الانعام:135) ''آپؐ کہہ دیجئے اے میری قوم تم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو بے شک میں بھی عمل کرنے والا ہوں۔''

عَامِلٌ ج: عَامِلُوْنَ۔ عَامِلِيْنَ۔ کام کرنے والا۔ ﴿ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّىْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ ﴾ (3/آل عمران:195) ''پس اُن کے رب نے اُن کی دعا قبول فرمالی کہ تم میں سے کسی کام کرنے والے کے کام کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت میں ہرگز ضائع نہیں کرتا۔'' ﴿ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ ﴾ (3/آل عمران:136) ''کتنا اچھا ہے بدلہ نیک عمل کرنے والوں کا۔'' ﴿ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ۝ ﴾ (11/ھود:121) ''بے شک ہم بھی عمل کرنے والے ہیں۔''

عَامِلَةٌ ج: عَامِلَاتٌ اور عَوَامِلُ۔ کام کرنے والی۔ ﴿ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ ﴾ (88/الغاشیۃ:3) ''اور محنت کرنے والے تھکے ہوئے ہوں گے۔''

اَلصّٰلِحٰتِ (ص ل ح): البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔

ج ن ن

(ن) (ا) جَنًّا کسی چیز کو ڈھانپ کر چھپا دینا کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو جائے۔ ڈھانپنا۔ چھپا دینا۔ ﴿ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ ﴾ (6/الانعام:76) ''تو جب ڈھانپ دیا اس کو رات نے، اس نے دیکھا ایک تارا۔'' اس مصدر سے جِنٌّ (جن)، جِنَّةٌ (دیوانگی)، جُنَّةٌ (ڈھال)، جَنَّةٌ (جنت) مشتق ہیں۔

(ب) جُنُوْنًا چھپی ہوئی عقل والا ہونا۔ دیوانہ ہونا۔

جِنٌّ اسم ذات ہے۔ جن۔ انسانوں اور فرشتوں کے علاوہ ایک مخلوق جو آگ سے بنائی گئی اور ان کو جن اس لیے کہتے ہیں کہ یہ مخلوق ہم سے چھپی ہوئی ہے۔ ہماری طرح یہ بھی احکام شرعیہ کے مکلف ہیں ان میں توالد وتناسل کا سلسلہ بھی ہے اور نیک و بد بھی ہیں۔ ﴿ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ ﴾ (18/الکہف:50) ''تو ان لوگوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، وہ تھا جنوں میں سے تو وہ نکلا یعنی اس نے خلاف ورزی کی اپنے رب کے حکم کی۔''

جَآنٌّ فَاعِلٌ کا وزن ہے۔ لیکن یہ لفظ زیادہ تر جن کے اسم جمع کے طور پر اور سانپ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ جس طرح ابوالبشر کا نام آدم ہے اسی طرح ابوالجن کا نام اَلْجَآنُّ ہے۔ صاحبؒ ضیاء القرآن فرماتے ہیں: ''جآنّ جنوں کے پہلے باپ کا نام ہے۔ جس طرح آدمؑ کی تخلیق مٹی سے ہوئی اسی طرح جآنّ کی تخلیق خالص آگ سے ہوئی۔ پھر جنوں کی نسل کو چلانے کے لیے ازدواج کا وہی نظام یہاں بھی جاری ہے جو انسانوں میں ہے۔'' (ضیاء القرآن، ج۵، ص۷۰)۔ ﴿ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝ ﴾ (55/الرحمٰن:15) ''اور اس نے پیدا کیا جنوں کو آگ کی لو سے۔'' ﴿ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا ﴾ (28/القصص:31) ''تو جب اس نے دیکھا اس کو لہراتا ہوا گویا کہ وہ سانپ ہے تو وہ چلا پیٹھ پھیر کر۔''

جِنَّةٌ اسم ذات ہے۔ جن۔ دیوانگی، چونکہ دیوانگی عقل کو چھپا دیتی ہے اس لیے اسے جِنَّةٌ کہتے ہیں۔ ﴿ الَّذِىْ يُوَسْوِسُ فِىْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝ ﴾ (114/الناس:5-6) ''جو وسوسہ اندازی کرتا ہے لوگوں کے سینوں میں، جنات اور انسانوں میں سے۔'' ﴿ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ ﴾ (7/الاعراف:184) ''نہیں ہے ان کے صاحب کو کسی

قسم کی کوئی دیوانگی۔''

جُنَّةٌ ڈھال۔ کیونکہ اس سے انسان اپنے آپ کو چھپاتا ہے۔﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً ﴾(63/المنافقون:2)''اُنہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے۔''

جَنَّةٌ ج: جَنّٰتٌ۔ اسم ذات ہے۔ بہشت۔ جنت۔ درختوں والا ہر وہ باغ جس کے درخت زمین کو چھپا لیں جنت کہلاتا ہے۔ اصطلاح شرع میں مراد وہ عظیم الشان باغ ہے جو بے شمار نعمتیں لیے ہوئے عالم آخرت میں نیک لوگوں کے لیے مخصوص ہے اور آج نظروں سے پوشیدہ ہے۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں:''بہشت کو جنت یا تو دنیوی باغات سے تشبیہ دے کر کہا گیا ہے، اگرچہ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے اور یا اس لیے کہ بہشت کی نعمتیں ہم سے مخفی رکھی گئی ہیں جیسے سورہ السجدہ کی آیت 17 میں فرمایا:﴿ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ ﴾''کوئی متنفس نہیں جانتا کہ اُن کے لیے کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا رکھی گئی ہے۔'' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جَنّٰتٍ جمع لانے کی وجہ یہ ہے کہ بہشت سات ہیں۔(۱) جَنَّةُ الْفِرْدوس (۲) جَنَّةُ عَدْنٍ (۳) جَنَّةُ النعیم۔ (٤) دَارُ الْخُلْدِ (٥) جَنَّةُ الْمَاْوٰی (٦)دَارُالسَّلَام (۷)عِلِّيِّيْن(بحوالہ مفردات القرآن، ج۱،ص ۱۹۴)۔﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ ﴾(2/البقرہ:82)''اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل کیے نیک، وہ لوگ جنت والے ہیں۔''﴿ وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ﴾(9/التوبۃ:72)''اور پاکیزہ ٹھکانوں کا عدن کے باغات میں۔''

مَجْنُوْنٌ مَفْعُوْلٌ کا وزن ہے۔ اسم صفت کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ دیوانہ، پاگل۔﴿ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۭ ۳۶ ﴾(37/الصافات:36)''کیا ہم چھوڑ دیں اپنے خداؤں کو ایک دیوانے شاعر کے لئے۔''

جَنِيْنٌ فَعِيْلٌ کا وزن ہے۔ فَعِيْلٌ کا وزن فاعل اور مفعول، دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ جَنِيْنٌ اگر مفعول کے معنوں میں ہو تو مراد ہوتا ہے چھپایا ہوا، ڈھانپا ہوا اور پھر اس سے وہ بچہ مراد ہوتا ہے جو ماں کے پیٹ میں ہو۔ اس صورت میں اس کی جمع اَجِنَّةٌ آتی ہے۔ جیسے فرمایا:﴿ وَ اِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ ﴾(53/النجم:32)''اور وہ وقت یاد کرو جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے۔'' جَنِيْنٌ اگر فاعل کے معنی میں ہو تو مراد ہوتی ہے چھپانے والی۔ اور اس صورت میں یہ لفظ قبر کے لیے استعمال ہوتا ہے۔(واللہ اعلم)۔

ج ر ی

(ض) **جَرْيًا** بہنا۔ جاری ہونا۔ چلنا۔ تیزی سے گزر جانا(لازم)۔﴿ وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ ﴾(2/البقرۃ:25)''اور آپؐ خوشخبری دے دیجئے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور اُنہوں نے نیک عمل کیے کہ اُن کے لیے ایسے باغات ہیں بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں۔'' جَرٰی يَجْرِيْ کے ساتھ جب''ب'' کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے لے کر چلنا۔ لے جانا۔﴿ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ ﴾(2:البقرۃ164)''اور کشتیوں کا لوگوں کو نفع دینے والی چیزوں کو لیے ہوئے سمندروں میں چلنا۔''

جَارٍ اسم الفاعل ہے۔ مذکر۔ بہنے والا۔

جَارِیَۃٌ ج: جَارِیَاتٌ اور جَوَارٍ-اسم الفاعل ہے۔ مؤنث۔ بہنے والی۔ کشتی۔ ﴿فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝﴾ (88/الغاشیۃ:12) ''اس میں ہے بہنے والا چشمہ۔'' ﴿اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۝﴾ (69/الحاقۃ:11) ''بیشک جب پانی اونچا ہوا تو ہم نے سوار کیا تم لوگوں کو کشتی میں۔''۔ ﴿وَ مِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۝﴾ (42/الشوریٰ:32) ''اور اس کی نشانیوں میں سے کشتیاں ہیں سمندر میں پہاڑیوں کی مانند۔'' ﴿فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۝﴾ (51/الزاریات:3) ''پھر نرمی سے چلنے والی کشتیوں کی۔''

مَجْرٍ مَفْعِلٌ کا وزن ہے۔ (1) اسم الظرفِ زمان ہے، مطلب ہے بہنے کا وقت۔ (2) اسم الظرفِ مکان ہے، مطلب ہے بہنے کی جگہ۔ (3) مصدر میمی ہے، مطلب ہے بہنا یا چلنا۔ ﴿وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا﴾ (11/ھود:41) ''اور نوحؑ نے کہا آؤ اس میں سوار ہو جاؤ اللہ ہی کے نام سے اس کا چلنا ہے اور اس کا ٹھہرنا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے حاشیے میں حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''مَجْرٖىهَا عربی تلفظ میں ی کی آواز صرف یا معروف کی ہے چنانچہ قرآن مجید کے قاری بھی ہر جگہ اس قاعدہ کا لحاظ رکھتے ہیں۔ لیکن اس خاص موقع پر مجری کی ی کی آواز یائے مجہول کی نکلے گی اور اسے بجائے ''مجری'' کے ''مجرے'' ہی پڑھا جائے گا۔'' اس آیت کے تحت صاحبؒ ضیاء القرآن فرماتے ہیں: ''مجری و مرسی ظرف زمان اور ظرف مکان دونوں ہو سکتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہوں کشتی چلنے کے وقت اور اس کے ساحل پر لنگر انداز ہونے کے وقت۔ یا اس جگہ اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہوں جہاں وہ چلتی ہے اور جہاں وہ رکتی ہے یا یہ دونوں مصدر میمی ہیں یہاں پھر مضاف (وقت) محذوف ماننا پڑے گا۔ ای وقت جریھا و وقت ارسائھا۔'' (ضیاء القرآن، ج ۲، ص ۳۶۲)

تَحْتَ ج: تُحُوْتٌ۔ نیچے۔ اسم ظرف مکان ہے۔ یہ فوق (اوپر) کی ضد ہے۔ اس لفظ کے لیے اضافت لازم ہے اور جب مضاف الیہ محذوف ہو تو مبنی برضمہ استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے ﴿لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ﴾ (المائدۃ:66) ''تو وہ ضرور کھاتے اپنے اوپر سے بھی اور اپنے پاؤں کے نیچے سے بھی۔'' ﴿جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ (البقرۃ:25) ''(نعمت کے) باغ میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔'' حدیث میں ہے لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَظْهَرَ التُّحُوْتُ کہ قیامت قائم نہیں ہوگی تاوقتیکہ کمینے لوگ غلبہ حاصل نہ کرلیں۔'' (تلخیص از مفردات القرآن)۔ تحت اور اسفل میں فرق یہ ہے کہ تحت اس چیز کو کہتے ہیں جو دوسری کے نیچے ہو مگر اسفل کسی چیز کے نچلے حصے کو کہتے ہیں جیسے اَلْمَالُ تَحْتَهٗ (مال اس کے نیچے ہے)۔ اَسْفَلُهٗ اَغْلَظُ مِنْ اَعْلَاهُ (اس کا نچلا حصہ اعلیٰ حصہ سے سخت ہے)۔

ن ھ ر

(ف) **نَهَرًا** کسی کو جھڑکنا۔ پانی کا اپنے بہنے کے لئے راستہ بنانا۔

لَا تَنْهَرْ فعل نہی ہے۔ تو مت جھڑک۔ ﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا﴾ (17/بنی اسرائیل:23) ''تو تم مت کہو ان دونوں سے اُف تک اور تم مت جھڑکو ان دونوں کو۔''

نَهَرٌ ج: اَنْهَارٌ۔ اسم ذات ہے۔ دریا۔ نہر۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ﴾ (2/البقرہ:249) ''بیشک اللہ تم لوگوں کو آزمانے والا ہے ایک نہر سے۔'' ﴿وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝﴾ (71/نوح:12) ''اور وہ بنا دے گا تمہارے لئے باغات اور وہ بنا دے گا تمہارے لئے نہریں۔''

نَهَارٌ اسم ذات ہے۔ دن۔ ﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾ (2/البقرہ:274) ''جو لوگ خیرات کرتے ہیں اپنے مال رات میں اور دن میں۔''

کُلَّمَا: البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔ رُزِقُوْا اور متعلقہ صیغے (ر ز ق): البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔
ثَمَرَۃٌ (ث م ر): البقرۃ آیت 22 دیکھیں۔ قَبْلُ: البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔ اُتُوْا (ء ت ی): البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔

ش ب ہ

ثلاثی مجرد سے فعل استعمال نہیں ہوتا۔

(تفعیل) تَشْبِیْھًا (1) کسی چیز کو کسی چیز کے مانند کرنا۔ ملتا جلتا کرنا۔ (2) شبہ یا شک میں ڈالنا (اتنا ملتا جلتا کرنا کہ فرق مشکل ہو جائے)

شُبِّہَ ماضی مجہول ہے۔ مانند کیا گیا۔ مشکوک کیا گیا۔ ﴿ وَمَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَھُمْ ؕ ﴾ (4/ النساء:157) ''اور انہوں نے انؑ کو قتل نہیں کیا اور نہ ہی انہوں نے انؑ کو سولی چڑھایا لیکن اُن پر شبہ ڈال دیا گیا۔''

(تفاعل) تَشَابُھًا ایک دوسرے کے مانند ہونا۔ ﴿ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَہَ عَلَیْنَا ؕ ﴾ (2/ البقرہ:70) ''بیشک تمام گائیں باہم ملتی جلتی ہوئیں ہم پر۔''

مُتَشَابِہٌ اسم الفاعل ہے۔ باہم مانند ہونے والا۔ ﴿ وَّ الزَّیْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُشْتَبِھًا وَّ غَیْرَ مُتَشَابِہٍ ؕ ﴾ (6/ الانعام:99) ''اور زیتون اور انار، ملتے جلتے ہونے والے اور باہم مانند نہ ہونے والے۔'' اور آیت زیر مطالعہ۔

(افتعال) اِشْتِبَاھًا کسی کے مانند ہونا۔

مُشْتَبِہٌ اسم الفاعل ہے۔ کسی کے مانند ہونے والا۔ ﴿ وَّ الزَّیْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُشْتَبِھًا وَّ غَیْرَ مُتَشَابِہٍ ؕ ﴾ (6/ الانعام:99) ''اور زیتون اور انار، ملتے جلتے ہونے والے اور باہم مانند نہ ہونے والے۔''

ز و ج

(ن) زَوْجًا بھڑکانا۔ ملانا۔

زَوْجٌ ج: اَزْوَاجٌ۔ اسم ذات ہے۔ بہت وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(1) جوڑا اور جوڑے کا ہر فرد۔ جن حیوانات میں نر اور مادہ ہوتے ہیں ان میں سے ہر ایک دوسرے کا زوج ہے۔ مثلاً شوہر، بیوی کا زوج ہے اور بیوی، شوہر کی زوج ہے۔ اور میاں بیوی دونوں مل کر بھی ایک زوج ہیں۔ عورت کے لیے فرمایا: ﴿ وَقُلْنَا یٰۤاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُکَ الْجَنَّۃَ ﴾ (البقرۃ:35) ''اور ہم نے کہا اے آدمؑ آپ اور آپ کی بیوی جنت میں رہیں۔'' اور مرد کے لیے فرمایا: ﴿ قَدْ سَمِعَ اللّٰہُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُکَ فِیْ زَوْجِھَا ﴾ (المجادلہ:1) ''یقیناً اللہ نے سُن لی اُس عورت کی بات جو اپنے شوہر کے معاملہ میں آپؐ سے تکرار کر رہی تھی۔'' عام طور پر بیوی کو زَوْجَۃٌ (ۃ کے ساتھ) بھی کہہ دیتے ہیں۔

(2) حیوانات کے علاوہ دوسری چیزوں میں سے جفت (دو چیزوں) کو زوج کہا جاتا ہے۔ جیسے موزے اور جوتے وغیرہ۔

(3) بہت سے درختوں میں بھی نر و مادہ ہوتے ہیں ان کو اس مناسبت سے بھی زوج کہا جا سکتا ہے اور کبھی لفظ زوج ''ایک خاص قسم'' کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے درختوں کی ہر قسم کو زوج کہا جا سکتا ہے۔ مثلاً ﴿ اَوَ لَمْ یَرَوْا اِلَی الْاَرْضِ کَمْ اَنْۢبَتْنَا فِیْھَا مِنْ کُلِّ زَوْجٍ کَرِیْمٍ ۝ ﴾ (الشعراء:7) ''کیا نہیں دیکھتے وہ زمین کو کتنی اگائیں ہم نے

اُس میں ہر ایک قسم کی خاصی چیزیں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''کیا اُنہوں نے زمین کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اُس میں کس قدر بوٹیاں عمدہ عمدہ قسم کی اگائی ہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ''کیا اُنہوں نے زمین پر نظریں نہیں ڈالی کہ ہم نے اُس میں ہر طرح کے نفیس جوڑے کس قدر اگائے ہیں۔'' (ترجمہ احسن البیان) ﴿ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ۞ ﴾ (طٰہٰ:53) ''پھر نکالی ہم نے اُس سے طرح طرح کی سبزی۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''پھر ہم نے اُس کے ذریعے سے مختلف قسم کے طرح طرح کے نباتات پیدا کیے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ''پھر اُس برسات کی وجہ سے مختلف قسم کی پیداوار بھی ہم ہی پیدا کرتے ہیں۔'' (ترجمہ احسن البیان)

(4) کبھی زوج سے مراد ''ساتھی'' ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا ﴿ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَ اَزْوَاجَهُمْ وَ مَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۞ ﴾ (37/الصّٰفّٰت:22) ''جمع کرلو مشرکوں اور اُن کے ہم مشربوں کو اور ان کو جن کی وہ عبادت اللہ کو چھوڑ کر کیا کرتے تھے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے حاشیے میں حضرتؒ لکھتے ہیں: ''زوج کے لفظی معنی ساتھی یا مقارن کے ہیں۔ یہاں ازواج بیویوں کے معنی میں نہیں بلکہ رفیقوں، ہم مشربوں کے مرادف ہے۔'' امام راغبؒ نے بھی اس آیت میں ازواج سے ساتھی مراد لیے ہیں۔ شاہ عبداللہ القادر دہلویؒ نے بھی آیت کریمہ میں ازواج کا ترجمہ ''ساتھیوں'' سے کیا ہے۔

(5) کبھی زوج سے مراد ''قسم'' یا ''گروہ'' ہوتا ہے۔ (جیسے اوپر نمبر 3 میں بھی بیان ہوا) ﴿ وَّ كُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۞ ﴾ (56/واقعہ:7) ''اور تم تین قسم کے ہو جاؤ گے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ حاشیے میں حضرتؒ فرماتے ہیں: ''زوج یہاں صِنف یا قسم کے معنی میں ہے۔'' یا فرمایا: ﴿ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۞ ﴾ (طٰہٰ:131) ''اور اپنی نگاہیں ہرگز اُن چیزوں کی طرف نہ دوڑانا جو ہم نے اُن میں سے مختلف لوگوں کو آرائش دنیا کی دے رکھی ہیں۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ اس آیت کے حاشیے میں بھی حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ سے مراد کافروں کی مختلف قسمیں ہیں۔ مثلاً یہود، نصاریٰ، مشرکین وغیرہا۔''

(6) زوج کا تثنیہ (زوجان، زوجین) جب استعمال ہو تو اس سے بھی مختلف معنی مراد لیے جاتے ہیں مثلاً (ا) کبھی اس سے ایک ہی جوڑے کے دونوں فرد، نر اور مادہ مراد ہوتے ہیں مثلاً: ﴿ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ ﴾ (ھود:40) ''تو ہم نے نوحؑ کو فرمایا سوار کرلو کشتی میں ہر جنس سے نر اور مادہ دو۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ پیر کرم شاہ صاحبؒ اس آیت کے حاشیے میں فرماتے ہیں: ''زوج جوڑے کے ہر فرد کو بھی کہتے ہیں جس طرح عورت کو بھی زوج کہا جاتا ہے اور مرد کو بھی زوج۔ قرآن کریم میں ہے ﴿ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا ﴾ اس سے اس کا زوج پیدا کیا۔ اس لیے زوجین جب تثنیہ ہوگا تو اس سے جوڑے کے دونوں فرد نر اور مادہ مراد ہوں گے قرآن مجید میں ہے ﴿ وَ اَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰى ۞ ﴾ اس نے زوجین یعنی نر اور مادہ پیدا کیے۔ (ضیاء القرآن، ج۲ ص۳۶۰) (ب) کبھی اس سے ''مقابل کی چیزیں'' مراد ہوتی ہیں۔ مثلاً ﴿ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۞ ﴾ (الذاریات:49) ''اور ہم نے ہر چیز کو دو دو قسم کی بنایا تا کہ تم سمجھو۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ حاشیے میں حضرتؒ فرماتے ہیں: ''زَوْجَيْنِ سے یہاں مراد مقابل کی چیزیں ہیں۔ مثلاً گرمی سردی، جوہر عرض، آسمان زمین، پستی بلندی، بڑی چھوٹی، الٹی سیدھی، وحدت کثرت، نور ظلمت و قس علیٰ ہذا۔ کائنات بھری پڑی ہے ایسی ہی اضداد یا متقابلات سے۔'' حضرت شیخ الہندؒ اس آیت کا ترجمہ کرتے ہیں: ''اور ہر چیز کے بنائے ہم نے جوڑے تا کہ تم دھیان کرو۔'' حاشیے میں حضرتؒ فرماتے ہیں: ''یعنی نر اور مادہ، جیسا کہ

ابن زید نے کہا۔ اور آج جدید حکماء اس کا اعتراف کررہے ہیں کہ ہر ایک نوع میں نر اور مادہ کی تقسیم پائی جاتی ہے اور یا زوجین سے متقابل ومتضاد چیزیں مراد ہیں۔ مثلاً رات دن، زمین آسمان، اندھیرا اُجالا، سیاہی سفیدی، صحت ومرض، کفر وایمان وغیر ذٰلک۔'' (ج) اور کبھی اس سے مراد ''دو قسمیں'' ہوتا ہے۔ مثلاً ﴿ فِيهِمَا مِن كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجَانِ ﴾ (الرحمٰن:52) ''اور ان باغوں میں ہر میوہ کی دو دو قسمیں ہوں گی۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

(7) قرآن مجید میں یہ لفظ اپنے ان تمام مفاہیم کے مجموعے کے ساتھ بھی استعمال ہوا ہے۔ مثلاً ﴿ وَالَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا ﴾ (الزخرف:12) ''اور جس نے بنائے سب چیز کے جوڑے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ حاشیے میں حضرتؒ فرماتے ہیں: ''یعنی دنیا میں جتنی چیزوں کے جوڑے ہیں اور مخلوق کی جتنی قسمیں اور متماثل یا متقابل انواع ہیں سب کو اللہ ہی نے پیدا کیا۔'' صاحبؒ احسن البیان اس آیت کے حاشیے میں فرماتے ہیں: ''یعنی ہر چیز کو جوڑا جوڑا بنایا، نر اور مادہ، نباتات، کھتیاں، پھل، پھول اور حیوانات سب میں نر اور مادہ کا سلسلہ ہے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد ایک دوسرے کی مخالف چیزیں ہیں جیسے روشنی اور اندھیرا، مرض اور صحت، انصاف اور ظلم، خیر اور شر، ایمان اور کفر، نرمی اور سختی وغیرہ۔ بعض کہتے ہیں ازواج، اصناف کے معنی میں ہے۔ تمام انواع واقسام کا خالق اللہ ہے۔''

(تفعیل) تَزْوِيجًا (1) کسی کو کسی کا جوڑا بنانا۔ نکاح کر دینا۔ ﴿ زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ ﴾ (33/الاحزاب:37) ''ہم نے جوڑا بنایا آپ ﷺ کا اس کو، تاکہ نہ رہے مومنوں پر کوئی گناہ اپنے منہ بولوں کی بیویوں میں۔''

(2) ساتھی بنا دینا۔ اکٹھا کر دینا۔ جمع کر دینا۔ ﴿ يَهَبُ لِمَن يَشَاءُ إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَن يَشَاءُ الذُّكُورَ ۝ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَاثًا ﴾ (42/الشوریٰ:50) ''جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے یا اُنہیں جمع کر دیتا ہے بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی۔'' اس آیت مبارکہ میں يُزَوِّجُ کا معنی ہے جمع کر دینا، اکٹھا کر دینا۔ اور اسی طرح فرمایا ﴿ وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ﴾ (81/التکویر:7) ''اور جب جانیں جسموں سے ملا دی جائیں گی۔''

ط ھ ر

(ن۔ک) طُهْرًا اور طَهَارَةً پاک ہونا۔ ﴿ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ ﴾ (2/البقرہ:222) ''اور ان سے قرابت مت کرو یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں۔''

(ف) طَهْرًا گندگی دور کرنا۔ پاک کرنا۔

طَهُورٌ فَعُولٌ کے وزن پر اسم المبالغہ ہے۔ پاک کرنے والا۔ بہت پاک کیا ہوا۔ ﴿ وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ﴾ (76/الدہر:21) ''اور پلائے گا ان کو، ان کا رب نہایت پاکیزہ شراب۔'' حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''طہور کا لفظ عربی زبان میں مبالغہ کا صیغہ ہے۔ طہور اس کو کہا جاتا ہے جو خود بھی پاک ہو اور دوسری چیزوں کو بھی اس سے پاک کیا جا سکے۔'' (معارف القرآن، ج۶ص ۴۸۴)۔ ﴿ وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا ﴾ (25/الفرقان:48) ''اور ہم آسمان سے پاک پانی برساتے ہیں۔'' اس آیت میں طہور کی وضاحت کرتے ہوئے امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''لفظ طہور معنوی اعتبار سے تطہیر کو چاہتا ہے۔ کیونکہ طاہر (پاکیزہ) دو قسم پر ہوتا ہے ایک وہ جو خود تو پاک ہو مگر دوسری چیز کو بھی پاک کرنے کی اس میں صلاحیت نہ ہو جیسے کپڑا کہ گو یہ پاک ہے مگر دوسری چیز کو پاک نہیں کر سکتا۔ دوم وہ جو خود بھی پاک ہو اور دوسری چیز کو بھی پاک کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو جیسے پانی چنانچہ قرآن پاک نے پانی کو طہور کہہ کر اس

معنی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔'' (مفردات القرآن، ج۲،ص۶۳۹)۔صاحبؒ احسن البیان فرماتے ہیں: ''طَهُوْرٌ (بِفَتْحِ الطَّاءِ) فعول کے وزن پر آلے کے معنی میں ہے یعنی ایسی چیز جس سے پاکیزگی حاصل کی جاتی ہے۔جیسے وضو کے پانی کو وضوا اور ایندھن کو وقود کہا جاتا ہے،اس معنی میں پانی طَاهِرٌ (خود بھی پاک) اور مُطَهِّرٌ (دوسروں کو پاک کرنے والا) بھی ہے۔حدیث میں بھی ہے ((اِنَّ الْمَآءَ طَهُوْرٌ لَا يُنَجِّسُهٗ شَيْءٌ)) (ابوداود،ترمذی وغیرہ) ''پانی پاک ہے، اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔'' ہاں اگر اس کا رنگ یا بو یا ذائقہ بدل جائے تو ایسا پانی ناپاک ہے۔کما فی الحدیث۔'' (تفسیر احسن البیان،ص۱۰۰۵)۔حدیث میں مٹی اور زمین کو بھی طہور کہا گیا ہے۔(مظاہر حق جدید ج۱،ص۳۸۵)

اَطْهَرُ — فعل التفضیل کا صیغہ ہے۔زیادہ پاک۔﴿ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَ اَطْهَرُ ﴾(2/البقرۃ:232) ''اس میں تمہاری بہترین صفائی اور پاکیزگی ہے۔''

(تفعیل) تَطْهِيْرًا — پاک کرنا۔کثرت سے یا بار بار پاک کرنا۔یہ لفظ ظاہری اور باطنی دونوں طرح کی نجاستوں سے پاکیزگی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔مثلاً: ظاہری نجاست کو دور کرنے کے لیے فرمایا: ﴿ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ ﴾ (74/المدثر:3،4) ''اور اپنے پروردگار کی بڑھائی کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو'' اور باطنی برائیوں کو صاف کرنے کے لیے فرمایا: ﴿ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝ ﴾ (33/الاحزاب:33) ''اے (پیغمبرؐ کے) اہل بیت! اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی کو دور کر دے اور تمہیں بالکل پاک صاف کر دے جیسا کہ پاکیزگی کا حق ہے۔''

طَهِّرْ — فعل امر ہے۔تو پاک کر۔تو پاک رکھ۔ ﴿ وَّ طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ ﴾(22/الحج:26) ''اور پاک رکھ میرے گھر کو طواف کرنے والوں کیلئے۔''

مُطَهِّرٌ — اسم الفاعل ہے۔پاک کرنے والا۔﴿ وَ رَافِعُكَ اِلَيَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾(3/ال عمران:55) ''اور میں اٹھانے والا ہوں آپؐ کو اپنی طرف اور پاک کرنے والا ہوں آپؐ کو ان سے جنہوں نے انکار کیا۔''

مُطَهَّرٌ — ج:مُطَهَّرُوْنَ۔اسم المفعول ہے۔مذکر۔خوب پاک کیا ہوا۔﴿ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ ﴾ (56/الواقعۃ:79) ''نہیں چھو سکتے اُس کو مگر پاک لوگ۔''

مُطَهَّرَةٌ — اسم المفعول ہے۔مؤنث۔خوب پاک کی ہوئی۔﴿ وَ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ﴾(2/البقرۃ:25) ''اور اُن کے لیے بیویاں ہیں صاف ستھری۔''

(تفعّل) تَطَهُّرًا — کوشش کر کے خود کو پاک کرنا۔پاک ہونا۔پاک رہنا۔﴿ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ﴾(9/توبہ:108) '''' اس میں ایسے لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں کہ پاک رہیں۔''

اِطَّهَّرْ — ج:اِطَّهَّرُوْا۔فعل امر ہے۔خود کو پاک کر۔پاک ہو۔﴿ وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ﴾(5/المائدۃ:6) ''اور اگر تم لوگ ہو ناپاک تو خود کو پاک کرو۔''

مُتَطَهِّرٌ اور مُطَّهِّرٌ — ج: مُتَطَهِّرُوْنَ اور مُطَّهِّرُوْنَ۔اسم الفاعل ہے۔پاک ہونے والا۔خود کو پاک رکھنے والا۔﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۝ ﴾(2/البقرۃ:222) ''بیشک اللہ پسند کرتا ہے خوب توبہ کرنے والوں کو اور وہ پسند کرتا ہے خود کو پاک رکھنے والوں کو۔'' ﴿ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝ ﴾ (9/التوبہ:108) ''اور اللہ پسند کرتا ہے خود کو پاک رکھنے والوں کو۔''

خ ل د

(ن) خُلُوۡدًا — کسی تبدیلی کے بغیر عرصہ دراز تک ایک حالت میں رہنا۔ ہمیشہ رہنا۔ صاحبؒ لغات القرآن فرماتے ہیں: ''کسی شے کے بربادی سے بچنے اور اپنی حالت پر باقی رہنے کا نام ''خلود'' ہے، اسی بنا پر اہل عرب عام طور پر خلود کا استعمال اس چیز کے لیے کرتے ہیں کہ جو دیرپا ہو، اور اس میں تغیر وفساد مدت کے بعد پیدا ہو، چنانچہ چولہے کے ان تین پتھروں کو جن پر دیگ چڑھائی جاتی ہے اسی لیے خَوَالِدُ کہتے ہیں کہ وہ دیر تک قائم رہتے ہیں، عالم آخرت کے لیے جہاں خُلُوۡدٌ کا استعمال ہوتا ہے، وہاں اس کے اصلی معنی ہیں تمام اشیاء کا اپنی اپنی حالت پر برقرار رہنا۔'' (لغات القرآن، ج ۲،ص ۳۲۲)۔ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''خلود کے اصل معنی ہیں کسی چیز کا ایک حال پر قائم و برقرار رہنا اور اس کے اندر کوئی تغیر، کوئی خرابی نہ پیدا ہونا۔ اس سے ثانوی مفہوم دوام وہیشگی کا پیدا ہو گیا۔ خود قرآن مجید میں اس معنیٰ میں بہت صاف طور پر آیا ہے، جہاں خالد کو باقی کے معنیٰ میں لے کر فانی سے اس کا تقابل کیا ہے۔ ﴿وَمَا جَعَلۡنَا لِبَشَرٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ الۡخُلۡدَ ؕ اَفَا۟ئِنۡ مِّتَّ فَهُمُ الۡخٰلِدُوۡنَ ۝﴾ (الانبیا:34) ''اور خلود فی الجنۃ اور خلود فی النار سے مراد ہے جنت کی نعمتوں یا جہنم کے عذاب کا دوام اور اہل جنت اور اہل جہنم کا کبھی اپنے اپنے مقام سے باہر نہ نکلنا اہل جنت کے تنعمّ اور اہل جہنم کے عذاب کا دائم وغیر منقطع ہونا امت کے اجماعی مسلمات میں سے ہے۔'' (تفسیر ماجدی، ص ۲۳)۔ جنت بھی ہمیشہ رہے گی، جنتی بھی ہمیشہ رہے گا اور جنت کی نعمتیں بھی ہمیشہ رہیں گی۔ ﴿وَتَتَّخِذُوۡنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمۡ تَخۡلُدُوۡنَ ۝ۚ﴾ (26/الشراء:129) ''اور تم لوگ بناتے ہو قلعے شائد کہ تم لوگ ہمیشہ رہو گے۔'' ﴿ذٰلِكَ يَوۡمُ الۡخُلُوۡدِ ۝﴾ (50/قٓ:34) ''یہ دن ہیشگی کا ہے۔''

خَالِدٌ — ج: خَالِدُوۡنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ ہمیشہ رہنے والا۔ ﴿اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ۝ؑ﴾ (2/البقرہ: 82) ''وہ لوگ جنت والے ہیں، وہ لوگ اس میں ہمیشہ ایک حالت میں رہنے والے ہیں۔''

خُلۡدٌ — اسم ذات ہے۔ دوام۔ ہیشگی۔ ﴿ثُمَّ قِيۡلَ لِلَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡخُلۡدِ ۚ﴾ (10/یونس:52) ''پھر کہا جائے گا ان لوگوں سے جنہوں نے ظلم کیا تم لوگ چکھو ہیشگی کا عذاب۔''

(افعال) اِخۡلَادًا — یہ فعل لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کے معنی ''سدا رہنا، ہمیشہ رہنا'' بھی ہیں اور ''کسی کو دوام بخشنا، ہیشگی دینا'' بھی ہیں۔ جیسے قرآن مجید میں فرمایا: ﴿يَحۡسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخۡلَدَهٗ ۝ۚ﴾ (الھمزۃ:3) اس آیت مبارکہ میں اَخۡلَدَهٗ کے دونوں طرح ترجمے کیے گئے ہیں مثلاً: ''خیال کرتا ہے کہ اس کا مال سدا کو رہے گا اس کے ساتھ۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''وہ یہ خیال کر رہا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس سدا رہے گا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ''وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کے مال نے اُسے لافانی بنا دیا ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے حاشیے میں صاحبؒ احسن البیان فرماتے ہیں: ''اَخۡلَدَهٗ کا زیادہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ''اسے ہمیشہ زندہ رکھے گا'' یعنی یہ مال، جسے وہ جمع کر کے رکھتا ہے، اس کی عمر میں اضافہ کر دے گا اور اسے مرنے نہیں دے گا۔''

اس فعل کے ساتھ جب 'اِلٰی' کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کسی کی طرف مائل ہونا۔ کسی ایک طرف جھک جانا۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿وَلَوۡ شِئۡنَا لَرَفَعۡنٰهُ بِهَا وَلٰـكِنَّهٗۤ اَخۡلَدَ اِلَى الۡاَرۡضِ وَاتَّبَعَ هَوٰٮهُ ۚ﴾ (7/الاعراف:176) ''اور اگر ہم چاہتے تو بلند کر دیتے اُس کا رتبہ ان آیتوں کے باعث لیکن وہ تو جھک گیا پستی کی طرف اور پیروی کرنے لگا اپنی خواہش کی۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ آگے حاشیے میں حضرتؒ فرماتے ہیں: ''اَخۡلَدَ کا صلہ جب اِلٰی ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے اس چیز کی طرف مائل ہونا۔''

(تفعیل) تَخْلِیْدًا کسی کو ہمیشگی دینا۔ ہمیشہ کیلئے بنانا۔

مُخَلَّدٌ ج: مُخَلَّدُوْنَ۔ اسم المفعول ہے۔ ہمیشہ کیلئے بنایا ہوا۔ ہیشگی دیا ہوا۔ ﴿ یَطُوْفُ عَلَیْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴾ (56/واقعہ:17) ''طواف کریں گے ان پر ہیشگی دیئے ہوئے لڑکے۔''

ترکیب بَشِّرْ فعل امر ہے۔ آگے اَلَّذِیْنَ سے ملانے کے لئے اسے کسرہ دی گئی ہے۔ اَلَّذِیْنَ (موصول) اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (صلہ) یہ پورا جملہ، موصول اور صلہ مل کر، بَشِّرْ کا مفعول اول ہے۔ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ، وہ بشارت ہے جسے دینے کا حکم ہے۔ اس طرح یہ بَشِّرْ کا مفعول ثانی ہے۔

اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ میں جَنّٰتٍ مبتداء موخر نکرہ ہے اور اَنَّ کا اسم ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔ لَهُمْ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ اس کی خبر ثَابِتٌ یا وَاجِبٌ محذوف ہے۔ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ، یہ جملہ جَنّٰتٍ کی صفت اول ہے۔ تَجْرِیْ فعل ہے، اَلْاَنْهٰرُ اس کا فاعل اور مِنْ تَحْتِهَا متعلق فعل ہے۔ تَحْتِهَا میں هَا کی ضمیر جَنّٰتٍ کے لئے ہے۔

کُلَّمَا حرف شرط ہے رُزِقُوْا سے لے کر رِزْقًا تک بیان شرط ہے اور قَالُوْا سے لے کر مُتَشَابِهًا تک جواب شرط ہے۔ یہ پورا جملہ شرطیہ جَنّٰتٍ کی دوسری صفت ہے۔

رُزِقُوْا ماضی مجہول ہے لیکن شرط ہونے کی وجہ سے اس کا ترجمہ مستقبل میں ہوگا۔ اس میں شامل ضمیر اس کا نائب الفاعل ہے۔ مِنْهَا میں هَا کی ضمیر جنت کے لئے ہے۔ مِنْ ثَمَرَةٍ متعلق ہے رِزْقًا سے اور رِزْقًا مفعول ثانی ہے رُزِقُوْا کا۔ دوسری صورت میں مِنْ ثَمَرَةٍ مفعول ثانی ہے رُزِقُوْا کا جو اصل میں ثَمَرَةً تھا، مِنْ تبعیضیہ کی وجہ سے حالت جر میں چلا گیا اس لیے محلاً منصوب ہے۔ اور رِزْقًا مفعول لَهٗ ہے۔ (واللہ اعلم)۔ آگے هٰذَا مبتدا ہے اور الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ موصول اور صلہ مل کر خبر ہے۔

اُتُوْا بِهٖ کو سمجھ لیں۔ اَتٰی۔ یَاْتِیْ (آنا) فعل لازم ہے جس کا مجہول نہیں آتا۔ لیکن جب اس کے ساتھ 'ب' کا صلہ آئے تو یہ متعدی استعمال ہوتا ہے اور اس کے معنی ہوتے ہیں کوئی چیز لانا یا کسی کو کوئی چیز دینا۔ اس صورت میں اس کا مجہول استعمال ہوجاتا ہے۔ یہاں پر اُتُوْا۔ ماضی مجہول کا صیغہ ہے اور اس میں شامل ضمیر اس کا نائب الفاعل ہے۔ بِهٖ جار مجرور اس کے متعلق ہیں اور 'ہ' ضمیر ثمرۃ کے لیے ہے اور متشابھًا، اس کا حال ہے۔ یعنی وہ پھل جو انہیں دیے جائیں گے وہ باہم ملتے جلتے ہوں گے۔ یہاں اُتُوْا بِهٖ ''دینا'' کے معنوں میں ہے اور ہمارے بزرگوں نے تراجم بھی اسی طرح کیے ہیں مثلاً ''اور دیے جائیں گے ان کو پھل ایک صورت کے'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''اور انہیں وہ (واقعی) دیا ہی جائے گا ملتا جلتا ہوا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ''اور دیا گیا اُنہیں پھل (صورت میں) ملتا جلتا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن) وغیرہ۔

اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ یہ مرکب توصیفی مبتداء موخر نکرہ ہے۔ جبکہ لَهُمْ فِیْهَا قائم مقام خبر مقدم ہے۔ هُمْ مبتداء، فِیْهَا متعلق خبر اور خٰلِدُوْنَ خبر ہے۔

ترجمہ	وَبَشِّرِ	الَّذِیْنَ	اٰمَنُوْا	وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
البقرۃ:25	اور آپ ﷺ بشارت دیجئے	ان لوگوں کو جو	ایمان لائے	اور نیک عمل کیے

اَنَّ	لَهُمْ	جَنّٰتٍ	تَجْرِیْ	مِنْ تَحْتِهَا	الْاَنْهٰرُ ط
کہ	ان کیلئے	باغات ہیں	بہتی ہیں	جن کے نیچے سے	نہریں

کُلَّمَا	رُزِقُوْا	مِنْهَا	مِنْ ثَمَرَةٍ	رِّزْقًا	قَالُوْا
جب بھی	ان کو دیا جائے گا	اس میں	کوئی پھل	کھانے کو	وہ لوگ کہیں گے

هٰذَا الَّذِیْ	رُزِقْنَا	مِنْ قَبْلُ	وَاُتُوْا بِهٖ	مُتَشَابِهًا
یہ ہے جو	ہم کو دیا گیا	(اس) سے پہلے	اور انہیں دیا جائے گا وہ (پھل)	باہم ملتا جلتا

وَلَهُمْ فِيْهَآ	اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ	وَّهُمْ	فِيْهَا	خٰلِدُوْنَ ۝۲۵
اور ان کے لیے ہیں اس میں	پاک کیے ہوئے جوڑے	اور وہ لوگ	اس میں	ہمیشہ ایک حالت میں رہنے والے ہیں

نوٹ حروف اِنَّ - اَنَّ - اَنْ اور اِنْ کے متعلق چند باتیں ذہن نشین کرلیں:

(1) اِنَّ کے معنی ہیں ''بیشک'' جبکہ اَنَّ کے معنی ہیں ''کہ''۔ یہ دونوں حروف اسم پر داخل ہوتے ہیں اور دونوں اپنے اسم کو منصوب کرتے ہیں۔

(2) اِنَّ جملہ کے شروع میں آتا ہے جبکہ اَنَّ جملہ کے درمیان میں آتا ہے۔ البتہ قَالَ یا اس کے مشتقات سے شروع ہونے والے جملوں کے درمیان میں اِنَّ آتا ہے لیکن ایسی صورت میں اِنَّ کے معنی ''کہ'' ہوتے ہیں۔ اس کا دوسرا استثناء یہ ہے کہ اگر خبر پر لام تاکید (لام مزحلقہ) آ رہا ہو تو پھر جملے کے درمیان میں اَنَّ کی بجائے اِنَّ آتا ہے اور ایسی صورت میں بھی اس کا ترجمہ ''کہ'' کیا جاتا ہے۔ مثلاً سورۃ المنافقون کی پہلی آیت: ﴿اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝۱﴾۔

(3) اَنْ کے معنی ہیں ''کہ'' جبکہ اِنْ کے معنی ہیں ''اگر''۔ یہ دونوں حروف فعل پر داخل ہوتے ہیں۔ اَنْ مضارع کو منصوب کرتا ہے جبکہ اِنْ مضارع کو مجزوم کرتا ہے۔ اَنْ مفسّرہ ہمیشہ اس فعل کے بعد آتا ہے جس میں کہنے کے معنی پائے جائیں خواہ کہنے کے معنی پر اس فعل کی دلالت لفظی ہو جیسے کہ ﴿فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ﴾ (المومنون:27) ''''پھر ہم نے اس کو حکم بھیجا یہ کہ تو کشتی بنا۔'' یا دلالت معنوی جیسے ﴿وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا﴾ (ص:6) ''اور ان میں سے کئی سردار چل کھڑے ہوئے کہ چلو۔'' یعنی ان کے اٹھ کر چلنے کا مطلب گویا یہ کہنا ہے کہ تم بھی چلو۔

آیت: 26

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝۲۶﴾

اِنَّ: البقرۃ آیت 25 کے آخر میں نوٹ دیکھیں۔ اَللّٰهُ (ء ل ہ): آیت بسم اللہ دیکھیں۔

ح ی ی

(س) (ا) حَيَاءً شرمانا۔ حیا کرنا۔

(ب) حَيَاةً زندہ ہونا۔ زندہ رہنا۔ ﴿لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ؕ﴾ (8/الانفال:42) ''تاکہ جو ہلاک ہو، دلیل پر ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ بھی دلیل پر زندہ رہے۔'' ﴿فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝۷۴﴾ (20/طٰہٰ:74) ''''تو یقیناً اس کے لئے جہنم ہے، نہ وہ مرے گا اس میں اور نہ زندہ رہے گا۔''

حَيٰوةٌ اسم ذات ہے۔ زندگی۔ ﴿الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ﴾ (67/الملک:2) ''جس نے پیدا کیا موت اور زندگی کو تاکہ وہ آزمائے تم لوگوں کو کہ تم میں سے کون زیادہ اچھا ہے بلحاظ عمل کے۔''

حَيَوَانٌ اسم ذات ہے۔ اصل زندگی۔ حقیقی زندگی جس کے بعد موت نہیں۔ یہ ح ی ی (س) کا مصدر بھی ہے اور حَيَاةٌ سے زیادہ

بلیغ اور پرزور بھی ہے۔ اصل میں فَعَلَانٌ کے وزن پہ حَيَيَانٌ تھا۔ یائے ثانی کو 'وٗ' میں تبدیل کر دیا۔ یہ قرآن مجید میں صرف ایک مرتبہ استعمال ہوا ہے مندرجہ ذیل آیت میں۔ ﴿وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ ۘ﴾ (29/العنکبوت:64) ''اور دارِ آخرت کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے (جس کے بعد موت نہیں)۔''

حَیٌّ ج: اَحْیَاءٌ۔ اسم صفت ہے۔ زندہ۔ ﴿وَ تُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ ۫﴾ (3/آل عمران:27) ''اور تو نکالتا ہے زندہ کو مردہ میں سے اور تو نکالتا ہے مردہ کو زندہ میں سے۔'' ﴿وَ مَا یَسْتَوِی الْاَحْیَآءُ وَ لَا الْاَمْوَاتُ ؕ﴾ (35/فاطر:22) ''اور برابر نہیں ہیں زندہ اور مردہ۔'' 'حَیٌّ' جب اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے وہ ہستی جو ہمیشہ سے زندہ ہے، اب بھی زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گی اور جس کے متعلق موت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اَلْحَیُّ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ ﴿اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ﴾ (2/البقرۃ:255) ''اللہ، وہ زندۂ جاوید ہستی، جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔''

حَیَّةٌ ج: حَیَّاتٌ۔ اسم جنس ہے۔ ہر قسم کا سانپ۔ مذکر اور مونث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿قَالَ اَلْقِهَا یٰمُوْسٰی ﴿۱۹﴾ فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَسْعٰی ﴿۲۰﴾﴾ (20/طٰہٰ:19-20) ''اللہ تعالیٰ نے کہا تو ڈال دے لاٹھی کو اے موسیٰ، تو انہوں نے ڈالا اس کو، پھر اُسی وقت وہ لاٹھی سانپ بن گئی دوڑتی ہوئی۔''

مَحْیَا (1) اسم ظرف زمان ہے۔ زندہ رہنے کا زمانہ، عرصۂ حیات۔ (2) مصدر میمی ہے مطلب ہے ''جینا''۔ ﴿اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَ مَمَاتُهُمْ ؕ﴾ (45/الجاثیۃ:21) ''کہ ہم بنا دیں گے ان کو ان کی مانند جو ایمان لائے اور نیکیاں کیں، برابر یعنی ایک جیسا، ان کا جینا اور اُن کا مرنا۔''

حَیَّ اسم فعل ہے۔ غفلت سے جاگو۔ متوجہ ہو۔ آؤ۔ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

یَحْیٰی اللہ تعالیٰ کے ایک پیغمبر کا نام۔ ﴿وَ زَكَرِیَّا وَ یَحْیٰی وَ عِیْسٰی وَ اِلْیَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿ۙ۸۵﴾﴾ (6/الانعام:85) ''اور زکریاؑ کو اور یحییٰؑ کو اور عیسیٰؑ کو اور الیاسؑ کو (ہم نے ہدایت دی) سب نیک لوگوں میں سے تھے۔''

(تفعیل) تَحِیَّةً کسی کو زندگی دینا۔ درازی عمر کی دعا دینا۔ سلام کرنا۔ وہ کلمہ جس کے ذریعے سے کسی آنے والے یا ملنے والے شخص کا استقبال کیا جاتا ہے جیسے سلام یا خوش آمدید یا اھلاً و سھلاً وغیرہ ﴿وَ اِذَا جَآءُوْكَ حَیَّوْكَ بِمَا لَمْ یُحَیِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ﴾ (58/المجادلہ:8) ''اور جب آپؐ کے پاس آتے ہیں تو آپؐ کو اُن لفظوں سے سلام کرتے ہیں جن لفظوں سے اللہ تعالیٰ نے نہیں کہا۔'' حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ تَحِیَّةٌ کے لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''تحیہ کے لفظی معنی ہیں کسی کو ''حَیَّاكَ اللّٰهُ'' کہنا، یعنی اللہ تم کو زندہ رکھے۔ قبل از اسلام عرب کی عادت تھی کہ جب آپس میں ملتے تو ایک دوسرے کو ''حیّاك الله'' یا ''اَنْعَمَ اللّٰهُ بِكَ عَیْنًا'' یا اَنْعِمْ صَبَاحًا وغیرہ الفاظ سے سلام کیا کرتے تھے، اسلام نے اس طرز تحیہ کو بدل کر اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ کہنے کا طریقہ جاری کیا، جس کے معنی ہیں ''تم ہر تکلیف اور رنج و مصیبت سے سلامت رہو۔'' (معارف القرآن، ج۲، ص۵۰۱)۔ پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''تحیۃ باب تفعیل کا مصدر ہے۔ اس کا اصلی معنی زندگی کی درازی کی دعا دینا ہے۔ واصل التحیۃ الدعاء بالحیاۃ (قرطبیؒ) اور اس کا معنی ملک بھی ہے التحیات اللہ میں یہی معنی ملحوظ ہے۔'' (ضیاء القرآن، ج۱، ص ۳۷۳)۔ علامہ عثمانیؒ سورہ ابراہیم، آیت 23 تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ کے تحت فرماتے ہیں: ''حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ دنیا میں 'سلام' دعاء ہے سلامتی مانگنے کی وہاں (یعنی جنت میں) 'سلام' کہنا مبارکباد ہے سلامتی ملنے پر۔''

حَيِّ — فعل امر ہے۔تو دعا دے۔تو سلام کر۔﴿ وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ ﴾(4/النساء:86) ’’اور جب سلام دیا جائے تمہیں کسی لفظ دعا سے تو سلام دو تم ایسے لفظ سے جو بہتر ہو اُس سے یا (کم از کم) دہرا دو وہی لفظ۔‘‘(ترجمہ ضیاء القرآن)

(افعال) اِحْيَاءً — زندہ کرنا۔﴿ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ ﴾(16/النحل:65)’’اور اللہ نے نازل کیا آسمان سے پانی، پھر اس نے زندہ کیا اس سے یعنی پانی سے زمین کو اس کی موت کے بعد۔‘‘نوٹ کر لیجئے کہ مضارع معروف يُحْيِيُ کو قرآنِ مجید میں ایک ’ی‘ اور کھڑی زیر کے ساتھ يُحْيِ لکھا جاتا ہے اور اسی طرح اس کے باقی صیغے لکھے جاتے ہیں مثلاً اُحْيِ، نُحْيِ وغیرہ۔اگر آگے ملانا ہو تو ایک ی اور زیر کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔جیسے يُحْيِ اللّٰهُ یا نُحْيِ الْمَوْتٰى وغیرہ۔اگر اس کے بعد ضمیر ہو تو پھر دو ’ی‘ کے ساتھ لکھا جاتا ہے جیسے يُحْيِيْكُمْ۔اور اگر مضارع منصوب ہو تو اصل شکل يُحْيِيَ بنتی ہے جس کو پھر يُحْيِيَ لکھا جاتا ہے جیسے لِّنُحْيِيَ (الفرقان:49)(واللہ اعلم)

مُحْيِ — اسم الفاعل ہے۔مذکر۔زندہ کرنے والا۔﴿ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ ﴾(30/الروم:50)’’بے شک وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔‘‘

(استفعال) اِسْتِحْيَاءً — زندہ رہنے دینا۔کسی بات سے حیا کرنا۔شرم کرنا۔اِسْتِحْيَاءٌ اگر حَيَاةٌ سے مشتق ہو تو معنی ہوگا طَلَبُ الْحَيَاةِ زندگی چاہنا، زندہ رہنے دینا۔اگر حَيَاءٌ سے مشتق ہو تو معنی ہوگا حیاء کرنا، شرمانا، شرم کا اظہار کرنا۔قرآن مجید میں دونوں طرح استعمال ہوا ہے۔﴿ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَ يَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ؕ ﴾(28/القصص:4)’’وہ ذبح کرتا ان کے بیٹوں کو اور زندہ رہنے دیتا ان کی عورتوں کو۔‘‘ ﴿ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ ﴾(33/الاحزاب:53)’’اور اللہ شرم نہیں کرتا حق بیان کرنے سے۔‘‘﴿ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ﴾(28/القصص:25)’’اتنے میں اُن دونوں عورتوں میں سے ایک اُن کی طرف شرم وحیاء سے چلتی ہوئی آئی۔‘‘

اِسْتَحْيِ — ج:اِسْتَحْيُوْا۔فعل امر ہے۔تو زندہ رکھ۔تو حیا کر۔﴿ قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ ﴾(40/المومن:25)’’ان لوگوں نے کہا تم لوگ قتل کرو ان کے بیٹوں کو جو ایمان لائیں اس کے ساتھ اور زندہ رکھو ان کی عورتوں کو۔‘‘

اَنْ :البقرۃ آیت 25 کے آخر میں نوٹ دیکھیں۔

ض ر ب

(ض) ضَرْبًا — عربی زبان کا یہ ایک کثیر المعانی لفظ ہے۔اس کا بنیادی مفہوم ہے’’ایک چیز کو دوسری چیز پر واقع کرنا۔‘‘چونکہ اس کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں اس لیے مختلف موقعوں پر اس کے مختلف معانی آتے ہیں۔مثلاً

(1) مارنا۔﴿ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ۚ ﴾(8/الانفال:50)’’وہ یعنی فرشتے مارتے ہیں انکے چہروں پر اوران کی پیٹھوں پر۔‘‘جس چیز کے ساتھ مارا جائے اس پر ’ب‘ کا صلہ آتا ہے جیسے فرمایا:﴿ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ ﴾(2/البقرۃ:60)’’تو ہم نے کہا آپ ماریں اپنی لاٹھی سے اس پتھر کو۔‘‘

(2) چلنا۔سفر کرنا، کیونکہ انسان چلتے وقت زمین پر پاؤں رکھتا ہے۔اس صورت میں اس کے ساتھ عام طور پر ’’فِيْ‘‘ کا صلہ آتا ہے۔جیسے فرمایا:﴿ وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ ﴾(4/النساء:101)’’اور جب بھی تم لوگ سفر کرو زمین میں تو تم لوگوں پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم لوگ قصر کرو نماز میں۔‘‘﴿ لَا

﴿يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ﴾ (2/البقرۃ:273) ''وہ زمین پر چلنے پھرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔'' ﴿فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا﴾ (20/طٰہٰ:77) ''اوراُن کے لیے دریا میں خشک راستہ بنالیجئے۔''

(3) ایک چیز کودوسری چیز پرلازم کردینا، مسلط کردینا، چسپاں کردینا یاتھوپ دینا۔اس صورت میں عموماً ''عَلٰی'' کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔جیسے فرمایا: ﴿وَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ﴾ (2/البقرہ:61) ''اورتھوپ دی گئی ان لوگوں پر ذلت۔'' ﴿وَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ﴾ (3/آل عمران:112) ''اور ان پر محتاجی ومغلوبی مسلط کر دی گئی۔'' ﴿فَضَرَبْنَا عَلٰۤى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا﴾ (18/الکہف:11) ''سوہم نے غار میں اُن کے کانوں پر سالہا سال تک (نیندکا) پردہ ڈالے رکھا۔'' یعنی اُن کے کانوں پرنیندکا پردہ مسلط کردیا گیااوراُن کے کان بندکردیے تاکہ کوئی آوازاُن کی نیند میں خلل پیدانہ کرے۔

(4) بنانا۔ایک اینٹ کودوسری اینٹ پرلگانا۔ ﴿فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ﴾ (57/الحدید:13) ''توبنادی گئی ان کے مابین ایک دیوار۔''

(5) ضَرَبَ مَثَلًا کا مطلب ہے مثال دینا۔بیان کرنا۔کسی ایک بات سے دوسری بات کوواضح کرنا۔ ﴿وَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ﴾ (24/النور:35) ''اوراللہ بیان کرتا ہے مثالیں لوگوں کے لئے۔'' ضرب المثل مشہورلفظ ہے۔

(6) منہ پھیرلینا۔نظرانداز کردینا۔اس صورت میں عام طور پر 'عَنْ' کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔ ضَرَبْتُ عَنْهُ کا مطلب ہے میں نے اسے چھوڑ دیا یا میں اس سے رُک گیا۔ ﴿اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ﴾ (43/الزخرف:5) ''کیا پھیردیں گے ہم تمہاری طرف سے یہ کتاب موڑ کر اس سبب سے کہ تم ہو ایسے لوگ کہ حد پرنہیں رہتے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔اس آیت کے تحت پیرکرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''علامہ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی چیز سے منہ پھیرلے اوراسے نظرانداز کردے توعرب کہتے ہیں ''قَدْ ضَرَبْتُ عَنْهُ صَفْحًا اِذَا اَعْرَضْتُ عَنْهُ وَ تَرَكْتُهٗ'' (قرطبیؒ) علامہ ابن منظور اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اَیْ نُهْمِلُكُمْ وَلَا نُعَرِّفُكُمْ مَا يَجِبُ عَلَيْكُمْ لِاَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ اَیْ لِاَنْ اَسْرَفْتُمْ (لسان العرب) یعنی کیا ہم تم کونظرانداز کردیں گے اورتمہیں ان فرائض وواجبات سے مطلع نہیں کریں گے جن کی تعمیل تم پرلازمی ہےاور یہ اس لیے کہ تم اسراف کے خوگرہو ''صفحًا'' کے متعلق علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں کہ یہ نَضْرِبُ کا مفعول مطلق ہے جیسے قَعَدْتُ جُلُوْسًا۔اسے مفعول لَهٗ اورحال بھی قراردیا جاسکتا ہے۔اس وقت صَفْحًا صَافِحِيْنَ کے معنی میں ہوگا۔

(روح المعانی، بحوالہ ضیاء القرآن، ج ۴، ص ۴۰۱)۔

مَثَلًا (م ث ل): البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔

ب ع ض

(س) بَعَضًا مچھر سے تکلیف پہنچنا۔

بَعْضٌ کسی چیز کا جزیا حصہ۔ ﴿فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا﴾ (2/البقرہ:73) ''توہم نے یعنی اللہ تعالیٰ نے کہا کہ تم لوگ مارو اس کویعنی مقتول کواس کے یعنی گائے کے ٹکڑے سے۔'' ﴿وَ يَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا﴾ (29/العنکبوت:25) ''اورلعنت کریں گے تم میں سے کچھ لوگ کچھ لوگوں پر۔''

بَعُوْضٌ اسم جنس ہے۔مچھر۔بَعُوْضَةٌ ۔ایک مچھر۔مچھر کا بچہ۔یہ بَعْضٌ سے مشتق ہے، چونکہ تمام حیوانات کی بہ نسبت اس کا جسم ذراسا ہوتا ہے اس لیے اس کو ''بَعُوْضَةٌ'' کہنے لگے۔

ف و ق

(ن) فَوْقًا بلند ہونا۔اوپر ہونا۔

فَوْقٌ ظرف بھی ہے اور بطور صفت بھی استعمال ہوتا ہے۔اس کے مفاہیم بھی متعدد ہیں۔(1) کسی کے اوپر ﴿وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ﴾(2/البقرہ:63)''اور ہم نے بلند کیا تمہارے اوپر طور کو''۔اس صورت میں اس کی ضد تحت ہے جس کے معنی نیچے کے ہیں۔جیسے فرمایا:﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰۤى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ﴾(6/الانعام:65)''کہہ دو کہ وہ اس پر قدرت رکھتا ہے کہ تم پر اُوپر کی طرف سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے عذاب بھیجے۔'' فَوْقَ اگر حالت جر میں ہو تو عموماً اس کے معنی ''اوپر یا اوپر سے'' مراد ہوتے ہیں جیسے: مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ ، مِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ، مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ،وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا، عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ۔

(2) کسی جگہ سے بلند سطح یا بلندی کی جانب سے۔﴿اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ﴾ (33/الاحزاب:10)''جب وہ لوگ آئے تمہارے پاس تم سے بلند جگہ سے اور تم سے پست جگہ سے''۔اس صورت میں اس کی ضد اسفل آتی ہے یعنی پستی کی جانب سے۔

(3) گنتی میں زیادہ۔﴿فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ﴾(4/النساء:11)''پھر اگر ان کی لڑکیاں دو سے زیادہ ہیں''

(4) جسامت کے لحاظ سے بڑا یا چھوٹا۔جیسے آیت زیر مطالعہ میں فرمایا:﴿بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ﴾ اس آیت مبارکہ میں فَوْقَهَا کے دونوں معنی بیان کیے گئے ہیں یعنی مچھر یا مچھر سے بڑی چیز(جیسے مکھی یا مکڑی) یا چھوٹی چیز(جیسے مچھر کا پر یا باز و جیسے بعض احادیث میں آیا بھی ہے)۔

(5) حقارت اور ذلت میں زیادہ۔آیت زیر مطالعہ میں﴿بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ﴾ میں فَوْقَهَا سے بعض بزرگوں نے ''حقارت میں زیادہ ہونا'' معنی مراد لیے ہیں۔یعنی مچھر اور مچھر سے بھی زیادہ حقیر چیز۔(واللہ اعلم)

(6) رُتبہ اور فضیلت میں زیادہ۔﴿وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ﴾(43/الزخرف:32)''اور ہم نے بلند کیا ان میں سے کچھ لوگوں کو رتبہ میں زیادہ کچھ لوگوں سے۔''

(افعال) اِفَاقَةً (1) بے ہوشی یا غشی کے بعد ہوش میں آنا۔مرض کے بعد قوت پانا۔صحت یاب ہونا۔﴿وَ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ﴾(7/الاعراف:143)''اور گرے موسیٰؑ بے ہوش ہو کر پھر جب ہوش آیا تو کہا پاکی تیری ہے۔''

(2) دودھ دوہنے کے بعد دودھ کا پھر تھنوں میں لوٹ آنا۔

فَوَاقٌ درمیانی وقفہ۔وہ وقفہ جو دو مرتبہ دودھ دوہنے کے درمیان ہوتا ہے۔دوہنے والا ایک مرتبہ دودھ دوہنے کے بعد پھر بچے کو پینے کے لیے چھوڑ دیتا ہے، بچے کے پینے سے جانور کے تھنوں میں دوبارہ دودھ اُتر آتا ہے۔اور دودھ دوہنے والا بچے کو ہٹا کر خود

دوبارہ دوہ لیتا ہے۔ اس درمیانی وقفے کا نام اصل لغت میں فواق ہے اور بعض کے نزدیک اس کے معنی سکون، راحت اور افاقہ کے ہیں (واللہ اعلم)۔ ﴿وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴾(38/ص:15)''اُنہیں صرف ایک چیخ کا انتظار ہے جس میں کوئی توقف اور ڈھیل نہیں ہے۔'' یعنی صور پھونکنے کے بعد اتنا وقفہ بھی نہیں ملے گا جتنا دو مرتبہ دودھ دوہنے کے درمیان ہوتا ہے، بلکہ صور پھونکنے کی دیر ہوگی کہ قیامت کا زلزلہ برپا ہو جائے گا۔

اَمَّا اَمَّا حرف ہے جو کسی اجمال کی تفصیل کے لیے آتا ہے اور اَحَدُ الشَّيْئَيْنِ (دو چیزوں میں سے ایک) کے معنی دیتا ہے۔ یہ کلام میں دوبار استعمال ہوتا ہے۔ اس میں شرط کا مفہوم بھی ہوتا ہے اس لیے اس کے جواب پر کلمہ 'ف' آتا ہے۔ اَمَّا کے بعد جو اسم آتا ہے وہ مبتدا اور جس پر 'ف' آئے وہ خبر ہوتی ہے۔

اَمَّا کبھی کلام کی ابتداء کے لیے بھی آتا ہے جیسے اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّهٗ كَذَا۔

اٰمَنُوْا (ء م ن): البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ يَعْلَمُوْنَ (ع ل م): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

ح ق ق

(ن۔ض) **حَقًّا** کسی چیز یا بات کا کسی چیز یا بات کے مطابق اور موافق ہونا۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''حق کے اصل معنی مطابقت اور موافقت کے ہیں۔ جیسا کہ دروازے کی چول اپنے گڑھے میں اس طرح فٹ آجاتی ہے کہ وہ استقامت کے ساتھ اس میں گھومتی رہتی ہے۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ پھر یہ لفظ مختلف مفاہیم میں استعمال ہوتا ہے۔ (1) ثابت ہونا یعنی کسی چیز کا دعویٰ کے مطابق ہونا۔ ﴿وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴾(17/بنی اسرائیل:16)''اور جب کبھی ہم ارادہ کرتے ہیں کہ ہم ہلاک کریں کسی بستی کو تو ہم حکم دیتے ہیں اس کے خوشحال لوگوں کو، پھر وہ حکم عدولی کرتے ہیں اس میں، تو ثابت ہوتی ہے بات اس بستی پر، تو ہم تباہ کرتے ہیں اس کو جیسے تباہ کرنے کا حق ہے۔'' (2) سچ ہونا یعنی کسی دعوے کا چیز کے مطابق ہونا۔ ﴿فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ اِنَّا لَذَآىِٕقُوْنَ ﴾(37/الصافات:31)''تو سچ ہوا ہم پر ہمارے رب کا فرمان، بیشک ہم چکھنے والے ہیں یعنی عذاب چکھنے والے ہیں۔'' (3) بامقصد ہونا یعنی کسی چیز کا اس کے مقصد کے مطابق ہونا۔ (4) واجب اور لازم ہونا۔ جو چیز ثابت ہو، سچ ہو اور بامقصد ہو، اسے لازم ہونا چاہیے۔ ﴿اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ﴾ (39/الزمر:19)''تو کیا جس پر لازم ہوا عذاب کا فرمان۔'' ﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (30/الروم:47)''اور ہم پر مومنوں کی مدد کرنا لازم ہے۔''

حُقَّتْ ماضی مجہول ہے۔ اُس پر لازم ہوا۔ اُس پر ثابت ہوا۔ ﴿وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴾(84/الانشقاق:2)''اور کان لگا کر سنے گا اپنے رب کا فرمان اور اُس پر فرض بھی یہی ہے۔''

حَقٌّ اسم ذات بھی ہے۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''اَلْحَقُّ لِلْفِعْلِ وَالْقَوْلِ: اَلْوَاقِعُ بِحَسْبِ مَا يُجِبُ وَ قَدْرِ مَا يَجِبُ وَ فِي الْوَقْتِ الَّذِيْ يَجِبُ۔ یعنی وہ قول یا عمل حق ہے جو اس طرح واقع ہو جس طرح اس کا ہونا ضروری ہے اور اسی مقدار اور اسی وقت میں ہو جس مقدار میں اور جس وقت میں اس کا ہونا واجب ہے جیسے قرآن مجید کے بارے میں خود قرآن میں فرمایا گیا: ﴿نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ﴾ (آل عمران:3)''اُتاری تجھ پر کتاب سچی۔'' اس آیت کے حاشیے میں علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''یعنی قرآن کریم جو عین حکمت کے موافق، نہایت بروقت، سچائی اور انصاف کو اپنی آغوش میں لے کر اترا۔'' حضرت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''حق کا لفظ باطل کی ضد ہے اور بالعموم یہ دو معنوں میں استعمال

ہوتا ہے۔ایک صحیح اور سچی اور مطابق عدل وانصاف اور مطابق حقیقت بات،خواہ وہ عقیدہ وایمان سے تعلق رکھتی ہو یا دنیا کے معاملات سے دوسرے، وہ حق جس کا ادا کرنا انسان پر واجب ہو،خواہ وہ خدا کا حق ہو یا بندوں کا حق یا خود اپنے نفس کا حق۔'' (تفہیم القرآن، ج ۲، ص ۴۵۳)۔اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ لفظ ''حق'' کئی طرح استعمال ہوتا ہے جس کی مختصر سی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

(1) ثابت شدہ حقیقت، ثابت شدہ سچائی، ٹھیک بات۔﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ ﴾(2/البقرہ:144)''اور جن کو ملی ہے کتاب وہ یقیناً جانتے ہیں کہ یہ ہی ٹھیک ہے اُن کے رب کی طرف سے۔''

(2) ہر وہ چیز جو با مقصد ہو اور حکمت کے تحت بنائی گئی ہو۔اس لیے اللہ تعالیٰ کا ہر کام حق ہے۔چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا:﴿ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ ﴾(10/یونس:5)''نہیں پیدا کیں اللہ نے یہ چیزیں مگر با مقصد۔''﴿ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ ﴾(6/الانعام:73)''اور وہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا حق کے ساتھ۔'' یعنی یہ تخلیق پُرحکمت اور با مقصد ہے۔

(3) اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہو تو مراد ہوتا ہے وہ ہستی جو حکمت کے تحت چیزوں کو ایجاد کرے۔اسی لیے اَلْحَقُّ اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔﴿ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ ﴾(10/یونس:32)''سو یہ اللہ ہے رب تمہارا سچا۔''﴿ ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ ﴾(6/الانعام:62)''پھر وہ سب واپس لائے جائیں گے اپنے مالک حقیقی کے پاس۔''

(4) کسی چیز کے بارے میں اس طرح اعتقاد رکھنا جیسا کہ فی الحقیقت وہ ہے۔چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ جزا وسزا، جنت و دوزخ کے متعلق فلاں کا اعتقاد حق ہے۔﴿ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ ﴾(2/البقرۃ:213)''پھر ہدایت کی اللہ نے ایمان والوں کو اُس سچی بات کی جس میں وہ جھگڑ رہے تھے اپنے حکم سے۔''

(5) ثابت شدہ لازم چیز۔﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ ﴾(3/آل عمران:102)''اے لوگو تم لوگ تقویٰ کرو اللہ کا، جیسا اسکا تقویٰ لازم ہے۔''۔﴿ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ ﴾(17/بنی اسرائیل:26)''اور تو دے قرابت والے کو اسکی ثابت شدہ لازم چیز یعنی اس کا حق۔''

حَقِيْقٌ سزاوار، لائق، ثابت، قائم۔حَقٌّ سے بروزن فَعِيْلٌ صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔﴿ حَقِيْقٌ عَلٰۤى اَنْ لَّاۤ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ ﴾(7/الاعراف:105)''قائم ہوں اس بات پر کہ نا کہوں اللہ کی طرف سے مگر جو سچ ہے۔''اس آیت کے تحت علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں:''اکثر مفسرین نے حقیق کے معنی جدیر (لائق) کے لیے ہیں۔اسی لیے ''علیٰ'' کو بمعنی ''با'' لینا پڑا ہے یعنی میری شان کے یہ ہی لائق ہے کہ خدا کی طرف سے کوئی ناحق اور غلط بات نہ کہوں بعض نے ''حقیق'' کو بمعنی ''حریص'' لیا ہے لیکن مترجم محقق رحمۃ اللہ نے ''حقیق'' کو ''قائم وثابت'' کے معنی میں لیا۔جس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں بدون ادنیٰ تزلزل اور تذبذب کے پوری مضبوطی اور استقلال کے ساتھ اس پر قائم ہوں کہ سچ کے سوا کوئی چیز زبان سے نہ نکالوں، خدا کا پیام بلا کم و کاست تم کو پہنچا دوں۔ اور تمہاری تکذیب وتخویف کی وجہ سے ذرا بھی نہ ڈگمگاؤں۔''بعض قراءتوں میں حَقِيْقٌ عَلَيَّ بھی آیا ہے۔اس کے مطابق حقیق کا معنی ''واجب'' ہوگا۔یعنی مجھ پر واجب ہے کہ سچی بات ہی کہوں۔چنانچہ بعض بزرگوں نے ترجمہ کیا ہے ''واجب ہے مجھ پر کہ میں نہ کہوں اللہ پر سوائے سچی بات کے۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔ قرآن مجید میں حقیق ایک ہی دفعہ استعمال ہوا ہے مندرجہ بالا آیت مبارکہ میں۔

حَاقٌّ فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل۔ثابت، سچا، لازم ہونے والا۔

حَاقَّۃٌ — حَاقٌّ کی مونث۔ ثابت، سچی، لازم ہونے والی۔﴿ اَلۡحَآقَّۃُ ۙ﴿۱﴾ مَا الۡحَآقَّۃُ ۚ﴿۲﴾ ﴾(69/العنکبوت:1-2) ''ثابت ہونے والی، کیا ہے ثابت ہونے والی یعنی قیامت۔'' الحاقہ کی وضاحت کرتے ہوئے مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''لفظ حاقہ کے معنی حق اور ثابت کے بھی آتے ہیں اور دوسری چیزوں کو حق ثابت کرنے والی چیز کو بھی حاقہ کہتے ہیں۔ قیامت پر یہ لفظ دونوں معنی کے استعمال سے صادق آتا ہے کیونکہ قیامت خود بھی حق ہے اور اس کا وقوع ثابت اور یقینی ہے اور قیامت مومنین کے لیے جنت اور کفار کے لیے جہنم ثابت اور مقرر کرنے والی بھی ہے۔''(معارف القرآن، ج۸،ص ۵۴۵)۔

اَحَقُّ — افعل التفضیل ہے۔ زیادہ حقدار۔﴿ وَنَحۡنُ اَحَقُّ بِالۡمُلۡكِ مِنۡهُ ﴾(2/البقرہ:247) ''اور ہم اس سے زیادہ حقدار ہیں سلطنت کے۔''

(افعال) اِحۡقَاقًا — ثابت کرنا۔﴿ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الۡحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۸۲﴾ ﴾(10/یونس:82) ''اور اللہ ثابت کرتا ہے سچ کو اپنے فرمانوں سے اگر چہ ناپسند کریں مجرم لوگ۔''

(استفعال) اِسۡتِحۡقَاقًا — حق دار ہونا۔ مستحق ہونا۔﴿ فَاِنۡ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسۡتَحَقَّاۤ اِثۡمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوۡمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيۡنَ اسۡتَحَقَّ عَلَيۡهِمُ الۡاَوۡلَيٰنِ ﴾(5/المائدۃ:107) ''پھر اگر پتہ چل جائے کہ وہ دونوں مستحق ہوئے گناہ کے تو دوسرے دو کھڑے ہوں اُن دونوں کی جگہ پر اُن لوگوں میں سے جن کا حق دبایا گیا جو زیادہ قریب ہوں میت کے۔''

رَبُّ (ر ب ب): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ كَفَرُوۡا (ك ف ر): البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ يَقُوۡلُوۡنَ (ق و ل): البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔

ر و د

(ن) رَوۡدًا — نرمی کے ساتھ بار بار کسی چیز کی طلب میں گھومنا۔ چلنا پھرنا۔

رُوَيۡدٌ — رُوَيۡدٌ دراصل اِرۡوَادٌ کی تصغیر ہے اور اس کے معنی ہیں ''کسی کو تھوڑی تھوڑی مہلت دیتے جانا۔'' یا ''آہستہ آہستہ، چپکے چپکے کسی کی رسی دراز کرتے جانا تاکہ وہ اپنے انجام کو پہنچ جائے۔''﴿ فَمَهِّلِ الۡكٰفِرِيۡنَ اَمۡهِلۡهُمۡ رُوَيۡدًا ﴿۱۷﴾ ﴾(86/الطارق:17) ''سو ڈھیل دے منکروں کو، ڈھیل دے اُن کو تھوڑے دنوں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ''پس آپؐ کفار کو تھوڑی سی مہلت اور دے دیں، کچھ وقت اُنہیں کچھ نہ کہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت صاحبؒ ضیاء القرآن فرماتے ہیں: ''رُوَيۡدٌ، اِرۡوَادٌ سے حروفِ زوائد کو حذف کر کے رُوَيۡدٌ اس کی تصغیر بنائی گئی ہے۔ اس کو تصغیر ترخیم کہتے ہیں یہ راودت الریح و تَرُوۡدُ رَوۡدًا سے ماخوذ ہے جب ہوا آہستہ آہستہ چلے اور یہ لفظ ہمیشہ مصغّر ہی استعمال ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں دھمکی دی جا رہی ہے۔'' (ضیاء القرآن، ج ۵، ص ۵۳۸)۔ اور رُوَيۡدٌ قرآن مجید میں صرف ایک ہی دفعہ مندرجہ بالا آیت مبارکہ میں استعمال ہوا ہے۔ (واللہ اعلم)

(افعال) اِرَادَۃٌ — طلب کرنا۔ چاہنا۔ خواہش کرنا۔ ارادہ کرنا۔ ارادہ نام ہے اس قوت کا جس میں خواہش، ضرورت اور آرزو کے ملے جلے جذبات ہوں۔ اس کا مرکز دل ہے۔ صاحبؒ تدبر قرآن فرماتے ہیں: ''ارادہ کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک تو قطعی فیصلہ اور حتمی ارادہ کے معنی میں، دوسرے چاہنے کے معنی میں جب پہلے معنی مراد ہوتے ہیں تو اس کے بعد 'ل' آتا ہے اور جب مجرد چاہنے کے معنی میں آتا ہے تو اس کے بعد 'اَنۡ' آتا ہے مثلاً﴿ اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ ﴾(33/الاحزاب:33) ''اللہ کا ارادہ تو بس یہ ہے، اے اہل بیت نبی کہ تم سے ناپاکی کو دور کرے۔''﴿ اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ بِهَا فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ﴾(9/التوبۃ:55) ''اللہ تو بس یہ ارادہ کیے ہوئے ہے کہ اس کے ذریعے سے ان کو دنیا کی زندگی میں عذاب دے۔''﴿ وَاللّٰهُ يُرِيۡدُ اَنۡ يَّتُوۡبَ عَلَيۡكُمۡ ﴾

(4/النساء:27) ''ہاں، اللہ تو تم پر رحمت کے ساتھ توجہ کرنا چاہتا ہے۔'' ﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ﴾ (25/الفرقان:62) ''اور وہ ہے جس نے بنایا رات کو اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے، اس کے لئے جو چاہے کہ وہ یاد دہانی حاصل کرے۔'' اللہ تعالیٰ کے لیے جب یہ لفظ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کسی کام کا فیصلہ کرنا جیسے فرمایا: ﴿اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ﴾ (33/الاحزاب:17) ''یعنی اگر اللہ تمہاری برائی کا فیصلہ کرے یا تم پر اپنا فضل و کرم کرنا چاہے۔'' یا کسی کام کا حکم دینا۔ ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (2/البقرۃ:188) ''اللہ تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے تمہارے ساتھ سختی نہیں کرنا چاہتا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ آسان کاموں کا حکم دیتا ہے اور ایسے کاموں کا حکم نہیں دیتا جس سے تم سختی میں مبتلا ہو جاؤ۔ ارادہ کا لفظ حیوانات اور جمادات دونوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے قرآن مجید میں دیوار کے متعلق فرمایا: ﴿فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ﴾ (18/الکہف:77) ''تو وہاں اُن دونوں نے ایک دیوار پائی جو گرا ہی چاہتی تھی۔ تو اس نے اسے ٹھیک کر دیا۔'' اور عربی زبان میں کہا جاتا ہے فَرَسِيْ تُرِيْدُ الْتِبْنَ میری گھوڑی بھوسہ کھانا چاہتی ہے۔ (واللہ اعلم)

(مفاعلہ) رِوَادًا، مُرَاوَدَةً کسی کو پھسلانا، بہکانا۔ کسی کو ایسے کام کے لیے آمادہ کرنا جس کو کرنے کا وہ ارادہ نہ رکھتا ہو۔ عربی میں کہتے ہیں رَاوَدْتُّ فُلَانًا عَنْ كَذَا میں نے اس کو اس کام سے پھسلانے کی کوشش کی۔ عام طور پر اس کے ساتھ عَنْ کا صلہ آتا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ﴾ (12/یوسف:26) ''یوسفؑ نے کہا: یہی مجھے پھسلانے کی کوشش کر رہی تھی۔'' ﴿وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ﴾ (54/القمر:37) ''اور یقیناً انہوں نے پھسلایا اس کو یعنی حضرت لوطؑ کو ان کے مہمان کے بارے میں تو ہم نے مٹا دیا ان کی آنکھوں کو۔''

يُضِلُّ (ض ل ل): الفاتحہ آیت 7 دیکھیں۔

ك ث ر

(ک) كَثْرَةً تعداد اور مقدار میں زیادہ ہونا۔ فضیلت میں زیادہ ہونا۔ ﴿مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ﴾ (4/النساء:7) ''اس میں سے جو کم ہو اس میں یا زیادہ ہو۔''

كَثْرَةٌ اسم ذات بھی ہے۔ زیادتی۔ کثرت۔ ﴿لَا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ﴾ (5/المآئدہ:100) ''برابر نہیں ہوتے خبیث اور پاکیزہ چاہے بھلی لگے تجھ کو خبیث کی کثرت۔''

اَكْثَرُ افعل التفضیل ہے۔ زیادہ تر۔ اکثریت۔ ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (7/الاعراف:187) ''اور لیکن لوگوں کی اکثریت نہیں جانتی۔''

كَثِيْرٌ (ضد قَلِيْلٌ)۔ فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ بمعنی زیادہ۔ مقدار اور تعداد دونوں صورتوں میں آتا ہے۔ اس کا استعمال عام ہے۔ مادی اور معنوی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ﴾ (2/البقرۃ:269) ''اور جسے حکمت عطا کی گئی۔ اسے گویا بہت بھلائی دے دی گئی۔'' مذکورہ آیت میں كَثِيْرٌ کا استعمال مقدار کے لیے معنوی طور پر ہوا ہے اور درج ذیل آیت کے ٹکڑا میں اس کا استعمال حسّی طور پر ہے اور تعداد کے لیے ہے۔ ﴿فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ (57/الحدید:27) ''تو جو لوگ ان میں سے ایمان لائے انہیں ہم نے ان کا بدلہ دیا۔ اور زیادہ تو ان میں سے نافرمان ہی

تھے۔'' اور اسی طرح کی اور بہت سی آیات ہیں۔

كَثِيْرَةٌ — كَثِيْرٌ کا مونث۔ ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۭ﴾ (2/البقرۃ:245) ''تم میں کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسن دے تاکہ اللہ اسے کئی گنا بڑھا چڑھا کر واپس کرے۔''

كُثْرٌ — کسی چیز کی بہتات۔ یہ لفظ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

كَوْثَرٌ — کوثر، كُثْرٌ یا كَثْرَةٌ سے مبالغے کا صیغہ ہے۔ اس کا وزن فَوْعَلٌ ہے۔ اس کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کا اتنا کثیر ہونا کہ اس کا اندازہ نہ لگایا جاسکے۔ جو چیز تعداد میں، قدر و قیمت میں اور اپنی اہمیت کے لحاظ سے بہت زیادہ ہوا سے عرب کوثر کہتے ہیں۔ ﴿اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ۭ﴾ (108/الکوثر:1) ''بیشک ہم نے عطا کیا آپؐ کو بے انتہا۔'' علمائے تفسیر نے الکوثر کی تفسیر میں متعدد اقوال نقل کیے ہیں جو کہ کتب تفاسیر میں سے دیکھے جاسکتے ہیں۔ حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''کوثر کے لفظی معنی خیر کثیر کے ہیں اور یہ لفظ دنیا اور آخرت، دونوں کی ساری بھلائیوں کا جامع ہے۔''

(افعال) اِكْثَارًا — زیادہ کرنا۔ ﴿فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ۝﴾ (89/الفجر:12) ''پھر انہوں نے زیادہ کیا اس میں فساد کو۔''

(تفعیل) تَكْثِيْرًا — بتدریج زیادہ کرنا۔ ﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠﴾ (7/الاعراف:86) ''اور یاد کرو جب تم لوگ تھوڑے تھے تو اس نے زیادہ کیا تم لوگوں کو۔''

(تفاعل) تَكَاثُرًا — تکاثر کے تین معنی ہیں: (1) زیادہ سے زیادہ کثرت حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔ کثرت میں تمام فوائد و منافع، مال و دولت، سامانِ عیش، اسبابِ لذت، وسائلِ قوت واقتدار، اولاد، سب شامل ہیں۔

(2) کثرت کے حصول میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا۔

(3) کثرت پر فخر کرنا۔ ﴿وَتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ ۭ﴾ (57/الحدید:20) ''اور ایک دوسرے پر فخر کرنا تمہارے مابین اور ایک دوسرے سے زیادہ ہونے کی کوشش کرنا مال میں اور اولاد میں۔''

(استفعال) اِسْتِكْثَارًا — کسی چیز کی کثرت چاہنا۔ جمع کرنا۔ ﴿وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَا سْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ڔ﴾ (7/الاعراف:188) ''اور اگر میں جانتا ہوتا غیب کو تو میں جمع کرتا بھلائی میں سے۔''

يَهْدِيْ (ھ د ی): الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔

ف س ق

(ن۔ک) فِسْقًا اور فُسُوْقًا — فِسْقٌ کے لغوی معنی ہیں نکلنا۔ جب چوہا اپنے بل سے نکلتا ہے تو عرب کہتے ہیں فَسَقَتِ الْفَاْرَةُ مِنْ حُجْرِهَا۔ اسی طرح کھجور جب اپنے چھلکے سے باہر نکل آتی ہے تو عرب کہتے ہیں فَسَقَ الرُّطَبُ عَنْ قَشْرِهٖ۔ شریعت کی اصطلاح میں فسق کے معنی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے گناہ کر کے خارج ہوجانا۔ اطاعت کے دائرے سے باہر نکلنا۔ نافرمانی کرنا۔ اسلام سے پہلے فسق کا لفظ انسانوں کے لیے استعمال نہیں ہوتا تھا بلکہ صرف کھجور کا اپنے چھلکے سے باہر نکلنے کے لیے یہ لفظ بولا جاتا تھا۔ انسانوں کے لیے فاسق کا لفظ قرآنِ کریم نے استعمال کیا۔ (واللہ اعلم)۔ ﴿فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ﴾ (18/الکھف:50) ''تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ وہ تھا جنوں میں سے تو وہ نکل گیا اپنے رب کے حکم سے۔'' ﴿وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝﴾ (6/الانعام:49) ''اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلائیں ان کو عذاب پہنچے گا اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے ہیں۔'' (اس لفظ کی مزید تشریح آگے نوٹ 2 میں دیکھیں)۔

فِسْقٌ اسم ذات ہے۔ نافرمانی۔ ﴿وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ﴾ (6/الانعام:121) ''اور تم لوگ مت کھاؤ اس میں سے جس پر نہیں لیا گیا اللہ کا نام اور یقیناً یہ نافرمانی ہے۔''

فُسُوْقٌ یہ بھی اسم ذات ہے۔ نافرمانی۔ گناہ۔ ﴿وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ﴾ (49/الحجرات:7) ''اور اُس نے ناپسند بنا دیا تمہارے لیے کفر کو اور گناہ کو اور نافرمانی کو۔'' ﴿بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ﴾ (49/الحجرات:11) ''ایمان کے بعد فسق برا نام ہے۔''

فَاسِقٌ ج: فَاسِقُوْنَ: اسم الفاعل ہے۔ نافرمانی کرنے والا۔ ﴿اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ﴾ (49/الحجرات:6) ''اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے۔'' ﴿فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾﴾ (3/آل عمران:82) ''تو جو وعدہ سے پھرے اس کے بعد تو وہ لوگ ہی نافرمانی کرنے والے ہیں۔''

ترکیب اِنَّ حرف مشبہ بالفعل اور اللّٰہَ اس کا اسم ہے۔ لَا يَسْتَحْيٖٓ سے لے کر فَمَا فَوْقَهَا تک پورا جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے۔ اس میں لَا نفی کا ہے اور فعل مضارع يَسْتَحْيٖٓ کا فاعل اس میں شامل ضمیر هُوَ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اَنْ حرف مصدریہ ہے جس نے اگلے فعل يَضْرِبَ کے ساتھ مل کر اس میں مصدری معنی پیدا کر دیے ہیں اور اَنْ نواصب مضارع میں سے بھی ہے اس لیے يَضْرِبَ حالت نصب میں ہے۔ مَثَلًا مفعول بِہٖ ہے يَضْرِبَ کا۔ اور یہ مصدر مؤوّل، مفعول بِہٖ ہے يَسْتَحْيٖٓ کا۔ مَثَلًا کے آگے جو 'مَا' ہے اسے ''ما ابہامیہ'' کہتے ہیں۔ جو نکرہ اسم کے عموم اور ابہام کو اور زیادہ کر دیتا ہے یعنی اس کے مفہوم کو اور غیر واضح کر دیتا ہے۔ مثلاً عربی میں اٰتِنِيْ كِتَابًا کا مطلب ہے تم مجھے ایک کتاب دو۔ اٰتِنِيْ كِتَابًا مَّا کا مطلب ہے تم مجھے کوئی سی بھی کتاب دے دو۔ چنانچہ مَثَلًا مَّا کا مطلب ہے کوئی سی بھی مثال۔ صاحبؒ تفسیر ماجدی فرماتے ہیں: ''مَثَلًا کا لفظ خود نکرہ تھا، مَا کے اضافے نے اس کے وصفِ تنکیر کو اور بڑھا دیا۔'' بَعُوْضَةً۔ یہ بدل ہے مَثَلًا کا۔ 'ف' عطف کا ہے اور 'مَا' نکرہ موصوفہ ہے۔ اور فَوْقَهَا اس کی صفت ہے اور یہ 'مَا'، بَعُوْضَةً پر عطف ہے۔ فَوْقَهَا میں 'هَا' ضمیر بَعُوْضَةً کے لیے ہے۔ فَوْقَهَا میں ''فَوْقَ'' کے عموماً دو مفہوم مراد لیے گئے ہیں۔ ایک جو مچھر سے حقارت میں بڑھ کر ہو جیسے مچھر کا پر یا بازو۔ دوسرے جو جسامت میں مچھر سے بڑھ کر ہو یعنی مکھی یا مکڑی (واللہ اعلم)۔ فَاَمَّا میں 'ف' استئنافیہ ہے اور اَمَّا حرف شرط و تفصیل ہے۔ اَلَّذِيْنَ موصول اور اٰمَنُوْا اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مبتدا ہیں۔ اور آگے جملہ فعلیہ فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ، خبر ہے۔ اس میں 'ف' جواب شرط کے لیے ہے۔ يَعْلَمُوْنَ فعل مضارع اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر ہے۔ اَنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے اور 'ہٗ' ضمیر اس کا اسم جو کہ مثال کے لیے ہے۔ اور اَلْحَقُّ، اَنَّ کی خبر ہے مِنْ رَّبِّهِمْ متعلق خبر ہے۔ یہ جملہ اسمیہ مفعول ہے يَعْلَمُوْنَ کا۔ آگے 'ف' عطف کا ہے اور اَمَّا حرف شرط و تفصیل ہے۔ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا، موصول اور صلہ مل کر مبتدا ہیں، اور فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ سے بِهٰذَا مَثَلًا تک خبر ہے۔ یاد کر لیجیے کہ اسمائے استفہام جملے میں مبتدا، فاعل، مفعول اور جن اسماء میں ظرفیت کے معنی پائے جاتے ہیں وہ خبر بن کر، استعمال ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہاں مَاذَآ، مفعول مقدم ہے اَرَادَ کا اور اللّٰهُ فاعل ہے۔ بِهٰذَا متعلق فعل ہے اور مَثَلًا تمیز ہے۔ يُضِلُّ کا فاعل اس میں شامل هُوَ کی ضمیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ بِہٖ متعلق فعل ہے اور یہ ضمیر مثال کے لیے ہے یعنی اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے اس مثال سے۔ كَثِيْرًا مفعول ہے۔ 'وَ' عطف کا ہے اور يَهْدِيْ عطف ہے يُضِلُّ پر۔ آگے وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ میں 'وَ' استئنافیہ ہے اور 'مَا' نافیہ ہے۔ اِلَّا حصر کے لیے ہے۔ 'مَا' اور اِلَّا زور دار نفی پیدا کر رہے ہیں۔ اَلْفٰسِقِيْنَ، مفعول ہے يُضِلُّ کا۔ (واللہ اعلم)۔

ترجمہ
البقرۃ:26

اِنَّ اللّٰهَ	لَا يَسْتَحْيٖٓ	اَنْ يَّضْرِبَ	مَثَلًا مَّا	بَعُوْضَةً
بیشک اللہ	حیا نہیں کرتا	کہ وہ بیان کرے	کوئی سی بھی مثال	مچھر کے بچے کی

فَمَا فَوْقَهَا ؕ	فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	فَيَعْلَمُوْنَ
یا جو اس سے بڑھ کر ہے (حقارت میں یا حجم میں)	پس وہ لوگ جو ایمان لائے	وہ لوگ تو جانتے ہیں

اَنَّهُ الْحَقُّ	مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ	وَ اَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	فَيَقُوْلُوْنَ
کہ یہ (مثال) صحیح ہے	ان کے رب کی طرف سے	اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا	تو وہ لوگ کہتے ہیں

مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ	بِهٰذَا	مَثَلًا ۘ	يُضِلُّ بِهٖ	كَثِيْرًا ۙ
اللہ نے کیا ارادہ کیا	اس سے	بطور مثال کے	وہ گمراہ کرتا ہے اس (مثال) سے	بہتوں کو

وَّ يَهْدِيْ بِهٖ	كَثِيْرًا ؕ	وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ
اور وہ ہدایت دیتا ہے اس (مثال) سے	بہتوں کو	اور وہ گمراہ نہیں کرتا اس (مثال) سے

اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ﴿۲۶﴾
مگر نافرمانی کرنے والوں کو

نوٹ۔1 اس آیت کا یہ شانِ نزول معروف ہے کہ قرآن مجید میں جب مکھی، مکڑی وغیرہ کی مثالیں دی گئیں تو مخالفین نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اس سے اعلیٰ وارفع ہے کہ اتنی حقیر چیزوں کی مثال دے۔ اس لئے قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہوسکتا۔ ان کی اس بات کا جواب اس آیت میں دیا گیا۔

لیکن ایک رائے یہ بھی ہے کہ یہ آیت خود ایک مستقل مثال ہے جو دنیا کی دی گئی ہے۔ مچھر جب تک بھوکا یا کم خوراک ہوتا ہے زندہ رہتا ہے۔ جب زیادہ خوراک کی وجہ سے موٹا تازہ ہوجاتا ہے تو مرجاتا ہے۔ اسی طرح لوگ جب دنیا کو دل کھول کر حاصل کر لیتے ہیں تو ان کی پکڑ آجاتی ہے۔ (ابن کثیرؒ)

نوٹ۔2 **فِسْقٌ**: صاحبِ تفسیر حقانی فرماتے ہیں: ''فسق نکلنے کو کہتے ہیں۔ عرب بولتے ہیں: فسقت الرطبة عن قشرھا کہ چھوہارا اپنے پوست (چھلکے) سے باہر ہوگیا اور عرفِ شرع میں فسق خدا کی فرمانبرداری سے گناہ کر کے خارج ہونے کو کہتے ہیں اور اس کے تین درجے ہیں:

(1) ایک فاسق وہ ہے جو نافرمانی کو برا سمجھتا ہے لیکن بشری تقاضے کے تحت کبھی نافرمانی کا ارتکاب ہوجاتا ہے اور اس کے متعلق فکر مند رہتا ہے۔

(2) ایک فاسق وہ ہے جو کسی نافرمانی کا عادی ہوجاتا ہے اور اس کے متعلق فکر مند بھی نہیں رہتا۔

(3) ایک فاسق وہ ہے جو کسی نافرمانی کو اچھا عمل سمجھ کر اختیار کرتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان کو حقیقت نہیں سمجھتا۔

پہلے دو درجے تک فاسق مومن رہتا ہے کیونکہ تصدیق قلبی جو اصل ایمان ہے اس کے دل میں موجود ہے اور صرف تیسرے درجے میں کافر ہوتا ہے۔ (تفسیر حقانی، ج۱، ص ۴۰۴، تلخیصاً)۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''فسق کے لفظی معنی خروج اور باہر نکل جانے کے ہیں، اصطلاحِ شرح میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل جانے کو فسق کہتے ہیں اور اطاعت الٰہیہ سے نکل جانا کفر وانکار کے ذریعہ بھی ہوتا ہے، اور عملی نافرمانی کے ذریعہ بھی، اس لیے لفظ فاسق کافر کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں بیشتر لفظ فاسقین، کافروں ہی کے لیے استعمال ہوا ہے اور مومن گناہگار کو بھی فاسق کہا جاتا ہے۔ فقہاء کی اصطلاح میں عموماً لفظ فاسق اسی معنی کے لیے استعمال ہوا ہے ان کی اصطلاح میں فاسق کو کافر کے بالمقابل اس کی قسم قرار دیا گیا ہے۔ جو شخص کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے اور پھر اس سے توبہ بھی نہ کرے، یا صغیرہ گناہ پر اصرار کرے، اس کی عادت بنالے وہ فقہاء کی اصطلاح میں فاسق کہلاتا ہے، (مظہری) اور جو شخص یہ فسق کے کام اور گناہ علانیہ جرأت کے ساتھ کرتا پھرے اس کو فاجر کہا جاتا ہے۔ (معارف القرآن، ج۱، ص ۱۶۸)۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں: ''فسق کے اصل معنی خروج کے ہیں۔ یہاں یہ لفظ معروف سے منکر اور اطاعت سے نافرمانی کی طرف نکل جانے

کے لیے استعمال ہوا ہے۔ قرآن مجید میں ابلیس کے متعلق ہے: ﴿ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ﴾(18/الکہف:50) ''وہ جنات میں سے تھا پس اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔'' معروف سے منکر اور اطاعت سے نافرمانی کی طرف نکل جانے کے مختلف مدارج ہو سکتے ہیں۔ منکر چھوٹا بھی ہوسکتا ہے اور بڑا بھی، اسی طرح نافرمانی معمولی درجہ کی بھی ہوسکتی ہے اور بغاوت کے درجہ کی بھی۔ چنانچہ قرآن میں یہ لفظ عام منکرات سے لے کر کفر و بغاوت تک سب کے لیے استعمال ہوا ہے بلکہ زیادہ تر اس کا استعمال ان بڑی نافرمانیوں ہی کے لیے ہوا ہے جن کے ساتھ ایمان جمع نہیں ہوتا اس وجہ سے قرآن میں اس لفظ کو اس ہلکے معنی میں ہرگز نہیں لینا چاہیے جس معنی میں اس کو عام طور پر ہمارے فقہاء اور متکلمین نے لیا ہے۔ (تدبر قرآن، ج ا، ص ۱۴۲)۔

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''فسق کہتے ہیں احکام سے تجاوز کر جانے کو۔ اور فاسق وہ ہے جو دائرہ اطاعت سے بار بار نکل جائے۔ ائمہ لغت نے کہا ہے کہ فاسق کے استعمال کی مثال عربی میں اسلام سے قبل، عہد جاہلی میں نہیں ملتی۔ فسق بہ حیثیت فعل، بے جان چیزوں کے سلسلہ میں ضرور استعمال میں تھا۔ لیکن بحیثیت اسم، فاسق کا استعمال انسان کے لیے کلام عرب میں نہیں ملتا۔ اس اصطلاحی معنی میں جس میں اس کا استعمال اب عربی بلکہ اردو میں عام ہے، یہ تمام تر ایک اسلامی لفظ ہے۔ اور ان چند لفظوں میں سے ہے، جو قرآن نے آکر عربی زبان کو دیے۔'' (تفسیر ماجدیؒ۔ ص ۱۷)۔

آیت: 27

﴿ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ ﴾

ن ق ض

(ن) نَقْضًا: کسی بنی ہوئی چیز کو توڑنا۔ عمارت مسمار کرنا۔ رسی کا بل کھولنا۔ ﴿ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ﴾(16/النحل:92) ''اور تم لوگ مت ہو اس خاتون کی مانند جس نے توڑا اپنے سوت کو مضبوطی کے بعد ریزہ ریزہ کر کے۔'' نقض کا لفظ معنوی طور پر کسی چیز کو توڑنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے آیت زیر مطالعہ میں فرمایا الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ۔

لَا تَنْقُضُوْا: فعل نہی ہے۔ تم لوگ مت توڑو۔ ﴿ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا ﴾(16/النحل:91) ''اور تم لوگ مت توڑو قسموں کو ان کی تاکید کے بعد۔''

(افعال) اِنْقَاضًا: بوجھل کرنا۔ بوجھ کی وجہ سے ٹوٹنے کے قریب کرنا یا توڑ دینا۔ کسی چیز کا لاغر اور دُبلا ہونا۔ ''ویسے لغتِ عرب میں جب اونٹ کی پُشت پر زیادہ بوجھ لادا جائے تو اس کی پسلیوں سے ایک قسم کی ''کڑ کڑ'' کی آواز نکلتی ہے اسے بھی انقاض کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔'' (ضیاء القرآن)۔ ﴿ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝ ﴾(94/الانشراح:2-3) ''اور ہم نے اتارا آپ ﷺ سے آپ ﷺ کے بوجھ کو جس نے بوجھل کیا آپ ﷺ کی پیٹھ کو۔''

ع ھ د

(س) عَهْدًا: (1) مسلسل نگہداشت کرنا۔ وعدہ کرنا۔ ﴿ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ﴾(7/الاعراف:134) ''انہوں نے کہا اے موسیٰ ہمارے لیے اپنے رب سے اس بات کی دعا کیجئے جس کا اُس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے۔'' (2) کسی سے عہد لے کر اسے اس پر قائم رہنے کی تاکید کرنا۔ چنانچہ یہ لفظ تاکید کرنا۔ ذمہ دار بنانا۔ وعدہ لینا۔ کوئی کام کسی کے سپرد کرنا کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے اور عام طور پر ان معنوں میں اِلٰی کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔

﴿وَ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ﴾(2/البقرۃ:125)''اور تاکید کی ہم نے ابراہیمؑ اور اسمعیلؑ کو کہ وہ دونوں پاک رکھیں میرے گھر کو۔'' ﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ﴾(36/یٰسین:60) ''کیا میں نے وعدہ نہیں لیا تم لوگوں سے اے آدمؑ کی اولاد کہ تم لوگ بندگی مت کرنا شیطان کی۔''

عَهْدٌ ج: عُهُوْدٌ۔اسم ذات بھی ہے۔ایسا وعدہ جس کی مسلسل نگہداشت کی جائے۔عہد۔﴿وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ﴾(17/بنی اسرائیل:34)''اور تم لوگ پورا کرو وعدہ کو۔'' عام طور پر عہد ایسے معاہدے کو کہتے ہیں جو دو شخصوں کے درمیان طے ہو جائے اور وعدہ عموماً یک طرفہ ہوتا ہے۔'عہد' کی وضاحت کرتے ہوئے صاحبِ تفسیر حقانیؒ فرماتے ہیں: ''عہد لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جس کی حفاظت اور رعایت کی جاتی ہے۔جیسا کہ وصیت، قسم اور گھر۔گھر کو عرب عہد اس لیے کہتے ہیں کہ ہر طرف سے پھر کر انسان وہاں آتا ہے۔اور اس کی طرف خیال رکھتا ہے۔تاریخ کو بھی عہد اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی محافظت ہوتی ہے۔''(تفسیر حقانیؒ، ج ا،ص ۴۰۴)۔اور مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''لفظ عہد ان تمام معاملات و معاہدات کو شامل ہے جن کا زبان سے التزام کیا جائے یعنی اس کی ذمہ داری لی جائے خواہ اس پر قسم کھائے یا نہ کھائے، خواہ وہ کسی کام کے کرنے سے متعلق ہو یا نہ کرنے سے۔''(معارف القرآن، ج ۵،ص ۳۹۵)

(مفاعلہ) **مُعَاهَدَةً** باہم وعدہ کرنا۔معاہدہ کرنا۔﴿وَ مِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ﴾(9/التوبۃ:75)''اور ان میں سے وہ بھی ہیں جنہوں نے معاہدہ کیا اللہ سے کہ اگر وہ دے گا ہم کو اپنے فضل میں سے تو ہم لازماً خیرات کریں گے۔''

اَللّٰهُ (ع ل ہ): آیت بسم اللہ دیکھیں۔

بَعْدُ بعد۔ظرف زمان ہے۔قَبْلُ کی ضد ہے۔اضافت اس کو لازمی ہے۔اس کی اعرابی حالت وہی ہوتی ہے جو قَبْلُ کی ہوتی ہے۔

و ث ق

(ض) **ثِقَةً، وُثُوْقًا** اعتبار کرنا۔بھروسہ کرنا۔

ثِقَةٌ قابل بھروسہ آدمی کو کہتے ہیں۔واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے رَجُلٌ ثِقَةٌ اور قَوْمٌ ثِقَةٌ۔

(ک) **وَثَاقَةً** بہت مضبوط ہونا۔

وَثَاقٌ اسم ذات ہے۔یہ وَثَاقٌ اور وِثَاقٌ دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔اس رسی یا زنجیر کو کہتے ہیں جس سے کسی چیز کو کس کر باندھ دیا جائے۔بندھن، بندش۔﴿حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ﴾(47/محمد:4)''یہاں تک کہ جب تم قتل کر چکو ان کو تو اب خوب مضبوط قید و بند سے گرفتار کرو۔'' ﴿وَّ لَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗۤ اَحَدٌ ﴿۲۶﴾﴾(89/الفجر:26)''اور کوئی نہیں جکڑے گا اس کے جکڑ جیسی۔''

مَوْثِقٌ مَفْعِلٌ کا وزن ہے لیکن اسم الظرف کے بجائے اسم ذات کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔پختہ وعدہ۔﴿فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۶۶﴾﴾(12/یوسف:66)''تو جب انہوں نے دیا ان کو یعنی یعقوبؑ کو اپنا پختہ وعدہ تو انہوں نے کہا اللہ ذمہ دار ہے اس کا جو ہم کہتے ہیں۔''

وُثْقٰى اسم التفضیل ہے۔مونث۔بہت مضبوط۔﴿فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ق﴾(2/البقرۃ:256)''تو اُس نے تھام لیا ایک مضبوط حلقہ۔''

مِیۡثَاقٌ مِفۡعَالٌ کے وزن پر اسم الالہ ہے۔ جکڑنے کی زنجیر یا رسی۔ پھر جکڑی ہوئی چیز کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور مراد اس سے ہوتا ہے وہ پختہ عہد جس کو قسموں کے ساتھ مضبوط کیا گیا ہو یا لکھ کر فریقین کو معاہدہ کا پابند کر دیا گیا ہو۔ ﴿وَاِذۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِیۡثَاقَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكۡتُمُوۡنَهٗ﴾ (3/آل عمران:187) ''اور جب لیا اللہ نے ان کا پختہ وعدہ جن کو کتاب دی گئی کہ تم لوگ لازماً واضح کرو گے اس کو لوگوں کے لئے اور اس کو نہیں چھپاؤ گے۔'' اور آیت زیر مطالعہ۔

(افعال) اِیۡثَاقًا کسی کو جکڑنا۔ مضبوط باندھنا۔ ﴿وَّلَا یُوۡثِقُ وَثَاقَهٗۤ اَحَدٌ ﴿۲۶﴾﴾ (89/الفجر:26) ''اور کوئی نہیں جکڑے گا اُس کے جکڑ جیسی۔''

(مفاعلہ) وِثَاقًا باہم معاہدہ کرنا۔ کسی کو معاہدہ کا پابند کرنا۔ ایک دوسرے کو معاہدے میں جکڑنا۔ ﴿وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَیۡكُمۡ وَمِیۡثَاقَهُ الَّذِیۡ وَاثَقَكُمۡ بِهٖۤ﴾ (5/المآئدہ:7) ''اور تم لوگ یاد کرو اللہ کی نعمت کو اپنے اوپر، اور اس کے پختہ عہد کو جس کا اُس نے پابند کیا تھا تم کو۔''

ق ط ع

(ف) قَطۡعًا کاٹنا۔ کسی چیز کو کاٹ کر علیحدہ کر دینا۔ جدا کر دینا۔ یہ لفظ مادی طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور معنوی طور پر بھی۔ مثلاً مادی طور پر فرمایا: ﴿لَاُقَطِّعَنَّ اَیۡدِیَكُمۡ وَاَرۡجُلَكُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ﴾ (7/الاعراف:124) ''میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹوا دوں گا۔'' اور معنوی طور پر پھر یہ بہت سے محاوروں میں استعمال ہوتا ہے مثلاً

(1) قَطۡعُ الرَّحِمِ کا مطلب ہے رحمی رشتوں کو کاٹ دینا یعنی رشتے داروں سے حسن سلوک نہ کرنا۔ جیسے آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: وَیَقۡطَعُوۡنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنۡ یُّوۡصَلَ ''اور جس چیز (یعنی رشتہ، قرابت) کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے یہ اس کو کاٹ ڈالتے ہیں۔''

(2) قَطۡعُ السَّبِیۡلِ یا قَطۡعُ الطَّرِیۡقِ کا لفظی مطلب ہے راستہ کاٹنا۔ پھر اس کے دو معنی مراد لیے جاتے ہیں۔ (ا) راستہ طے کرنا۔ ان معنوں میں قرآن مجید کی یہ آیت ہے ﴿وَّلَا یَقۡطَعُوۡنَ وَادِیًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمۡ﴾ (9/التوبۃ:121) ''اور جتنے میدان اُن کو طے کرنے پڑے یہ سب بھی اُن کے نام لکھا گیا۔'' (ب) راہزنی کرنا۔ راستہ گزرتے لوگوں کو لوٹنا۔ راہزنی کی وجہ سے لوگ اس راستے پر چلنا چھوڑ دیتے ہیں اور راستہ بند ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿اَئِنَّكُمۡ لَتَاۡتُوۡنَ الرِّجَالَ وَتَقۡطَعُوۡنَ السَّبِیۡلَ ۙ﴾ (29/العنکبوت:29) ''ارے تم تو مردوں سے فعل کرتے ہو اور تم راہزنی کرتے ہو'' (ترجمہ ماجدیؒ) ''کیا تم بدفعلی کرتے ہو مردوں کے ساتھ اور ڈاکے ڈالتے ہو عام راستوں پر۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ قَطۡعُ الطَّرِیۡقِ کے ایک معنی قطع نسل بھی کیے گئے ہیں۔ یعنی جو لوگ اپنی جنسی خواہش مردوں سے پوری کرتے ہیں وہ اپنی نسل بڑھنے کے سلسلے کو کاٹتے ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ عنکبوت۔29 میں تَقۡطَعُوۡنَ السَّبِیۡلَ کا ترجمہ کرتے ہیں: ''راہ مارتے ہو'' اور حاشیے میں فرماتے ہیں: ''راہ مارنے سے مراد ممکن ہے ڈاکہ زانی ہو، یہ بھی اُن میں رائج ہوگی، یا اسی بدکاری سے مسافروں کی راہ مارتے تھے کہ ڈر کے مارے اُس طرف ہو کر نہ نکلیں یا تَقۡطَعُوۡنَ السَّبِیۡلَ کا مطلب یہ ہو کہ فطری اور معتاد راستہ کو چھوڑ کر توالد و تناسل کا سلسلہ منقطع کر رہے تھے۔''

(3) قَطۡعُ الدَّابِرِ کا مطلب ہے کسی چیز کی جڑ کاٹ دینا۔ کسی کو نیست و نابود کر دینا۔ جیسے فرمایا: ﴿وَقَطَعۡنَا دَابِرَ الَّذِیۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا﴾ (7/الاعراف:72) ''اور کاٹا ہم نے ان لوگوں کی پیٹھ کو جو جھٹلاتے تھے ہماری نشانیوں کو۔''

(4) قَطۡعُ الۡاَمۡرِ کا مطلب ہے کسی کام کا حتمی فیصلہ کرنا گویا ایک شق پر فیصلہ کر کے دیگر شقوں اور احتمالات کو

کاٹ دیا۔ جیسے فرمایا: ﴿مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿۳۲﴾﴾ (27/النمل:32) ''میں کسی معاملے کا فیصلہ نہیں کرتی جب تک تم میرے پاس موجود نہ ہو۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

اِقْطَعْ — ج: اِقْطَعُوْا- فعل امر ہے۔ تو کاٹ۔ ﴿وَالسَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا﴾ (5/المآئدہ:38) ''اور مرد چور ہو اور عورت چور ہو تو تم لوگ کاٹو ان کے ہاتھ۔''

قَاطِعٌ — اسم الفاعل ہے۔ کاٹنے والا۔ ﴿مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿۳۲﴾﴾ (27/النمل:32) ''میں کاٹنے والی نہیں کوئی فیصلہ یعنی قطعی یا حتمی فیصلہ کرنے والی نہیں یہاں تک کہ تم لوگ موقع پر موجود ہو۔''

مَقْطُوْعٌ — اسم المفعول ہے۔ کاٹا ہوا۔ روکا ہوا۔ ختم ہونے والا۔ ﴿وَّ فَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿۳۲﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّ لَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿۳۳﴾﴾ (56/الواقعہ:32-33) ''اور کثیر میوے، نہ روکے ہوئے اور نہ منع کئے ہوئے۔''

قِطْعٌ — اسم ذات ہے۔ کسی چیز کا ٹکڑا۔ حصہ۔ یہ لفظ واحد ہے اس کی جمع اَقْطَاعٌ ہے۔ ﴿فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ﴾ (11/ھود:81) ''تو آپ یعنی لوطؑ سفر پر روانہ ہوں اپنے اہل کے ساتھ رات کے ایک حصے میں۔''

قِطَعٌ — ٹکڑے۔ یہ لفظ جمع ہے۔ اس کی واحد قِطْعَةٌ ہے۔ (لغات القرآن)۔ ﴿كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا﴾ (10/یونس:27) ''گویا کہ ڈھانک دیے گئے اُن کے چہرے اندھیری رات کے ٹکڑوں سے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ﴾ (13/الرعد:4) ''اور زمین میں (مختلف قسم کے) ٹکڑے ہیں جو قریب قریب ہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

(تفعیل) **تَقْطِيْعًا** — ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔ تقسیم کرنا۔ حسی اور معنوی دونوں چیزوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ ﴿وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾﴾ (47/محمد:15) ''اور ان کو پلایا جائے گا کھولتا ہوا پانی تو وہ ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا ان کی آنتوں کو۔'' ﴿وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا﴾ (7/الاعراف:160) ''اور ہم نے تقسیم کیا ان کو بارہ نسلی گروہوں میں۔''

قُطِّعَتْ — ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ ﴿فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ﴾ (22/الحج:19) ''ان میں سے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اُن کے لیے آگ کے لباس کاٹے جا چکے ہیں۔'' (ترجمہ تفہیم القرآن)

(تفعّل) **تَقَطُّعًا** — ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا۔ ٹکڑے ٹکڑے کر دینا۔ (لازم ومتعدی) ﴿اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾﴾ (2/البقرہ:166) ''جب بیزاری ظاہر کریں گے وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی ان لوگوں سے جنہوں نے پیروی کی، اور وہ لوگ دیکھیں گے عذاب کو تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے ان کے تعلقات۔'' ﴿وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ﴾ (21/الانبیاء:93) ''اور ان لوگوں نے ٹکڑے ٹکڑے کیا اپنے کام کو اپنے مابین یعنی فرقے فرقے ہو گئے۔''

ء م ر

(ک) **اِمَارَةً** — بااختیار ہونا۔ حاکم ہونا۔

(ن) **اَمْرًا** — کسی کو کسی کام کیلئے کہنا۔ (1) حکم دینا۔ ﴿قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ﴾ (7/الاعراف:12) ''اس نے یعنی اللہ تعالیٰ نے کہا کس چیز نے منع کیا تجھ کو کہ تو سجدہ نہ کرے جب میں نے حکم دیا تجھ کو۔'' جب امر حکم کے معنی میں آئے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ امر ہی کے صیغے میں ہو بلکہ یہ حکم خبر یا اشارہ و کنایہ سے بھی دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ جب حضرت ابراہیمؑ

نے حضرت اسمٰعیلؑ کوخواب میں اپنے ہاتھ سے ذبح کرتے ہوئے دیکھاتو معلوم ہوا کہ بچے کی قربانی کاحکم ہے، کیونکہ نبی کا خواب سچا ہوتا ہے اس لیے قرآن نے جب اس واقعے کو بیان کیا تو حضرت اسماعیلؑ کی زبانی اس کو امر قرار دیا۔ چنانچہ فرمایا قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ (الصافات۔102) ''ابا جان آپ کیجئے جس کا آپ کوحکم ہوا ہے۔'' (2) ترغیب دینا۔ ﴿لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ﴾ (4/النساء:114) ''کوئی خیرنہیں ہے ان کے اکثر مشوروں میں سوائے اسکے جو ترغیب دے خیرات کی یا بھلائی کی۔'' ۔(3) مشورہ دینا ﴿يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴾ (7/الاعراف:110) ''وہ یعنی موسیٰؑ ارادہ کرتا ہے کہ وہ نکالے تم لوگوں کوتمہاری زمین سے توتم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو۔''

اُوْمُرْ، مُرْ فعل امر ہے۔ توحکم دے۔ مہموز الفاء کا امر دونوں طرح آتا ہے۔ ﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ﴾ (20/طٰہٰ:132) ''اور توحکم دے اپنے اہل کو نماز کا اور ثابت قدم رہ اس پر۔'' حدیث مبارک میں ہے: ''مُرُوْا اَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ اپنے بچوں کو سات سال کی عمر میں نماز کاحکم دو۔''

اٰمِرٌ ج: اٰمِرُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ حکم دینے والا۔ ﴿الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (9/التوبۃ:112) ''اور ترغیب دینے والے بھلائی کی اور منع کرنے والے برائی سے۔''

اَمَّارٌ فَعَّالٌ کے وزن پر مبالغے کا صیغہ ہے۔ بطور اسم الفاعل استعمال ہوتا ہے۔ بار بار حکم دینے والا۔

اَمَّارَةٌ فَعَّالَةٌ کا وزن ہے۔ بار بار حکم دینے والی۔ ﴿اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْۗءِ﴾ (12/یوسف:53) ''بے شک نفس تو برائی پر ابھارنے والا ہی ہے۔''

اَمْرٌ اَمْرٌ کا لفظ عربی زبان میں بہت سے معنوں میں آتا ہے۔ مثلاً

(ا) بطور مصدر، جیسے اوپر لغت میں بیان کیا گیا۔ اس صورت میں اس کا مطلب ہوتا ہے حکم دینا۔

(ب) بطور اسم ذات بمعنی حکم۔ اس صورت میں اس کی جمع اَوَامِرُ آتی ہے جیسے فرمایا: ﴿قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ﴾ (3/154:) ''آپؐ کہہ دیجئے کل کا کل حکم اللہ کے لیے ہی ہے۔'' اور اسی معنی کے لحاظ سے اولی الامر کا مطلب ہے ''حکم والے۔'' جیسے سورۃ النساء کی آیت 59 میں فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی اور اُن لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔''

(ج) اَمْرٌ کی جمع جب اُمُوْرٌ آئے تو بھی یہ بطور اسم ذات کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً

(1) ہر شاندار قول وفعل کو کہتے ہیں۔

(2) اختیار۔ جیسے فرمایا: ﴿يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ﴾ (3/آل عمران:154) ''وہ لوگ کہتے ہیں کیا ہمارے لئے ہے اختیار میں سے کچھ بھی۔''

(3) فرائض۔ کام۔ جیسے فرمایا: ﴿وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَاۗءٍ اَمْرَهَا ۭ﴾ (41/حٰمٓ السجدہ:12) ''اور اس نے وحی کیا ہر آسمان میں اس کے مناسب احکام (یعنی اُن کے مخصوص کام)۔'' ﴿وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾ (3/آل عمران:186) ''اور اگر تم لوگ ثابت قدم رہو اور تقویٰ اختیار کرو تو یقیناً یہ بڑے حوصلے کے کاموں میں سے ہے۔''

(4) معاملات: ﴿وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ﴾ (11/ھود:123) ''اور اس کی طرف ہی لوٹائے جائیں گے کل کے

کل معاملات۔''

(5) اللہ تعالیٰ کی ایک مخصوص صفت کے لیے ہے جیسے فرمایا: ﴿ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ﴾(7/الاعراف:54)''آگاہ ہوجاؤ، اُسی کے لیے ہے خلق اور امر۔''اس آیت مبارکہ میں خلق اور امر کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں پہلا مفہوم یہ کہ اس آیت مبارکہ میں خلق سے مراد ہے پیدا کرنا اور امر سے مراد ہے ان کی تدبیر کرنا اور ان کے لیے تکوینی اور تشریعی احکام دینا۔ دوسرے مفہوم کے اعتبار سے خلق سے مراد ''عالم خلق'' ہے یعنی زمین و آسمان اور جو کچھ اس میں شامل ہے اور امر سے مراد 'عالم امر' ہے، جہاں نہ وقت درکار ہوتا ہے اور نہ مادے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہاں صرف ''کُنْ'' کہہ دیا جاتا ہے اور چیز وجود میں آجاتی ہے۔ فرشتوں، انسانی ارواح اور وحی کا تعلق اسی 'عالم امر' سے ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں فرمایا: ﴿ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾(17/بنی اسرائیل:85)''آپؐ جواب دے دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمہیں بہت ہی کم علم دیا گیا ہے۔''

اِمْرٌ اسم ذات ہے ۔ناپسندیدہ یا بری بات۔ خلاف شرع اور خلاف عقل سلیم بات۔ ﴿ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا ﴾ (18/الکہف:71)''تو آیا ہے ایک ناپسندیدہ چیز کے پاس یعنی تو نے ایک بہت برا کام کیا ہے۔''

(افتعال) **اِيْتِمَارًا** مشورہ کرنا۔ سازش کرنا۔ ﴿ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ ﴾(28/القصص:20)''اس نے کہا اے موسیٰؑ بیشک سردار لوگ مشورہ کرتے ہیں آپؑ کے لئے کہ وہ لوگ آپؑ کو قتل کر دیں۔''

و ص ل

(ض) (ا) **وَصْلًا** (1) ملنا (لازم)۔ ملانا، جوڑنا (متعدی)۔ ﴿ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ ﴾(13/الرعد:21) ''اور وہ لوگ جو جوڑتے ہیں اس کو جس کا حکم دیا اللہ نے کہ وہ جوڑا جائے۔''

(2) کسی سے تعلق رکھنا۔ ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ﴾(4/النساء:90)''سوائے ان لوگوں کے جو تعلق رکھتے ہیں ایک ایسی قوم سے تمہارے اور جس کے مابین معاہدہ ہے۔''

(ب) **وُصُوْلًا** پہنچنا۔ اِلٰی صلہ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے جیسے وُصُوْل اِلَى اللّٰهِ۔ ﴿ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ ﴾(11/ھود:81)''انہوں نے کہا اے لوطؑ بیشک ہم آپ (یعنی لوطؑ) کے رب کے رسول ہیں، یہ لوگ ہرگز نہیں پہنچیں گے آپؑ تک۔''

وَصِيْلَةٌ اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض بزرگوں کے مطابق اس سے مراد وہ اونٹنی ہے جس سے پہلی مرتبہ بھی مادہ پیدا ہوا اور پھر دوبارہ بھی مادہ ہی پیدا ہو۔ اس معنی کے اعتبار سے اس اونٹنی کو وصیلہ اس لیے کہتے ہیں کہ ایک مادہ کے بعد دوسری مادہ مل گئی اور اِن کے درمیان کسی نر سے تفریق نہیں ہوئی۔ اس اونٹنی کو وہ اپنے بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ اور بعض بزرگوں کی رائے کے مطابق عربوں میں جو بکری مسلسل مادہ بچے دینے کے بعد کسی حمل میں نر اور مادہ بچے اکٹھے دے تو وہ اس مادہ بچے کی وجہ سے نر بچے کو ذبح نہ کرتے اور کہتے وَصَلَتِ الْاُنْثٰى اَخَاهَا پھر اس مادہ بکری کو نر بکرے کے ساتھ ملا کر بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے۔ یہ مادہ بکری جو اپنے بھائی کے ساتھ مل کر بتوں کی نذر ہوتی اس کو وصیلہ کہتے تھے۔ (واللہ اعلم)۔ ﴿ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآىِٕبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ ﴾(5/المائدۃ:103)''اللہ نے نہ کوئی بحیرہ مقرر کیا ہے نہ سائبہ اور نہ وصیلہ۔''

(تفعیل) **تَوْصِيْلًا** ملانا۔ پہنچانا۔ رسی کے مختلف ٹکڑوں کو آپس میں جوڑنا اور اُسے مضبوط کرنا۔ عربی زبان میں تَوْصِيْلُ الْقَوْلِ کا مطلب

ہے کسی بات کو بار بار اور مسلسل بیان کرتے رہنا۔ جیسے قرآن مجید میں فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴾ (28/القصص:51)''اور ہم نے اس کلام کو اُن لوگوں کے لیے یکے بعد دیگرے بھیجا تاکہ یہ لوگ نصیحت مانیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے حاشیے میں مولانا ماجدیؒ فرماتے ہیں: ''توصیل قول کے معنی ہیں بات کو بار بار اور مسلسل بیان کرتے رہنا۔ یہاں مراد یہ ہے کہ ہم قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے مسلسل نازل کرتے رہے اور اس کے نظم کو نہایت مرتبط رکھا۔''

يُفْسِدُوْنَ (ف س د): البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔

خ س ر

(س) خَسَارًا، خَسَرًا راس المال میں کمی ہو جانا۔ خود نقصان اٹھانا۔ کسی کو نقصان یا گھاٹے میں ڈالنا۔ (لازم ومتعدی)۔ اس کی ضد رَبِحَ (نفع ہونا) ہے۔ ﴿ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ﴾ (10/یونس:45)''گھاٹے میں رہے وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا اللہ سے ملنے کو۔'' ﴿ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ﴾ (7/الاعراف:9)''اور جن کے ہلکے ہوئے ترازو تو یہ لوگ ہیں جنہوں نے گھاٹے میں ڈالا اپنے نفس کو۔'' اس کا استعمال مادی طور پر مال واسباب میں کمی کے لیے بھی ہوتا ہے اور معنوی طور پر صحت، عقل، ایمان وثواب میں نقصان کے لیے بھی ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے دنیا میں کفر کیا اور کفر کی حالت میں ہی مر گئے وہ لوگ قیامت کے روز سب سے زیادہ نقصان میں ہوں گے۔ اس کو قرآن مجید نے اَلْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ کہا ہے۔ ﴿ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴾ (39/الزمر:15)''آپؐ کہہ دیجئے کہ حقیقی نقصان اٹھانے والے وہ ہیں جو اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن نقصان میں ڈال دیں یاد رکھو کھلم کھلا نقصان یہی ہے۔'' امام راغبؒ کے مطابق قرآن مجید میں جہاں خُسْرَان کا لفظ آیا ہے وہاں ایمان وثواب میں نقصان اٹھانا ہی مراد ہے، دنیاوی کاروبار و دیگر چیزوں میں نقصان اٹھانا مراد نہیں۔ (واللہ اعلم)۔

خَاسِرٌ ج: خَاسِرُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ نقصان اٹھانے والا۔ ﴿ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ (3/آل عمران:85) ''اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہے۔''

اَخْسَرُ ج: اَخْسَرُوْنَ۔ اسم التفضیل ہے۔ زیادہ گھاٹے میں ہونے والا۔ ﴿ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴾ (11/ھود:22)''یقیناً یہی لوگ ہیں جو آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔'' ﴿ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ﴾ (18/الکہف:103)''آپ ﷺ کہیے کیا ہم خبر دیں تم لوگوں کو سب سے زیادہ گھاٹے میں ہونے والوں کی بلحاظ اعمال کے۔''

خُسْرَانٌ فُعْلَانٌ کے وزن پر اسم المبالغہ ہے۔ بے انتہا گھاٹا۔ ﴿ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴾ (39/الزمر:15)''سن لو یہ واضح طور پر بے انتہا گھاٹا ہے۔''

خُسْرٌ اسم ذات ہے۔ گھاٹا۔ نقصان۔ ﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ﴾ (103/العصر:2)''یقینا تمام انسان خسارے میں ہیں۔''

خَسَارٌ اسم ذات ہے۔ گھاٹا۔ نقصان۔ ﴿ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ﴾ (35/فاطر:39)''اور زیادہ نہیں کرتا کافروں کو ان کا کفر کرنا سوائے گھاٹے کے۔''

(افعال) اِخْسَارًا گھاٹا دینا۔کمی کرنا۔﴿ وَلَا تُخۡسِرُوا الۡمِیۡزَانَ ﴾(55/الرحمٰن:9)''اور تم لوگ کمی مت کرو ترازو میں یعنی تول میں۔''

مُخْسِرٌ ج: مُخْسِرُوْنَ۔اسم الفاعل ہے۔کمی کرنے والا۔﴿ اَوۡفُوا الۡکَیۡلَ وَ لَا تَکُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُخۡسِرِیۡنَ ﴾ (26/الشعراء:181)''تم لوگ پورا بھرو پیمانے کو اور مت ہو جاؤ کمی کرنے والوں میں سے۔''

(تفعیل) تَخْسِیْرًا کسی کو گھاٹے میں ڈالنا۔نقصان پہنچانا۔ہلاک کرنا۔﴿ فَمَا تَزِیۡدُوۡنَنِیۡ غَیۡرَ تَخۡسِیۡرٍ ﴾(11/ھود:63)''تم تو میرا نقصان ہی بڑھا رہے ہو۔''

ترکیب اَلَّذِیْنَ اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ یَنْقُضُوْنَ عَھْدَ اللّٰہِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِہٖ اس کا صلہ ہے۔صلہ اور موصول مل کر صفت ہے گزشتہ آیت کے آخری لفظ اَلْفٰسِقِیْنَ کی۔اس لیے اَلَّذِیْنَ محلاً حالت نصب میں ہے کیونکہ اَلْفٰسِقِیْنَ ، یُضِلُّ کا مفعول ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔عَھْدَ اللّٰہِ ، یَنْقُضُوْنَ کا مفعول ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔مِیْثَاقِہٖ کی ضمیر عہد کے لیے ہے۔یَقْطَعُوْنَ عطف ہے یَنْقُضُوْنَ پر۔'مَا' اسم موصول ہے اور مفعول ہے۔اَمَرَ فعل ہے اور اَللّٰہُ اُس کا فاعل۔بِہٖ جار مجرور متعلق ہے اَمَرَ سے اس میں 'ہٖ' ضمیر اسم موصول 'مَا' کی ضمیر عائد ہے۔اردو میں عام طور پر اسکے ترجمے کی ضرورت نہیں پڑتی کیونکہ اردو میں بیان کا یہ اسلوب رائج نہیں۔آگے اَنْ یُّوْصَلَ میں اَنْ مصدر یہ ہے جس نے اگلے فعل میں مصدری معنی پیدا کر دیے ہیں۔یُّوْصَلَ مضارع مجہول ہے اور اَنْ کی وجہ سے حالت نصب میں ہے اور اس کا نائب الفاعل اس میں شامل 'ھُوَ' ضمیر ہے۔اور یہ مصدر مؤوّل بدل ہے۔بِہٖ میں 'ہٖ' ضمیر کا یعنی وَ یَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰہُ بِوَصْلِہٖ (درویشؒ) یعنی ''اور وہ لوگ کاٹتے ہیں اُسے، حکم دیا اللہ نے جس کے جوڑنے کا۔'' آگے یُفْسِدُوْنَ عطف ہے یَقْطَعُوْنَ پر فِی الْاَرْضِ متعلق فعل ہے۔اُولٰٓئِکَ مبتدا۔ھُمْ ضمیر فاصل ہے اور تاکید کے لیے ہے اور اَلْخٰسِرُوْنَ خبر ہے۔(واللہ اعلم)۔

ترجمہ
البقرۃ:27

وَ یَقْطَعُوْنَ	مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِہٖ	عَھْدَ اللّٰہِ	یَنْقُضُوْنَ	اَلَّذِیْنَ
اور وہ لوگ کاٹتے ہیں	اُس کو مضبوط کرنے کے بعد	اللہ کے وعدے کو	توڑتے ہیں	وہ لوگ

وَیُفْسِدُوْنَ	اَنْ یُّوْصَلَ	اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖٓ	مَآ
اور وہ لوگ فساد کرتے ہیں	جس کے جوڑنے کا	حکم دیا اللہ نے	اسے

اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ	فِی الْاَرْضِ
وہ لوگ ہی نقصان اٹھانے والے ہیں	زمین میں

نوٹ:1 عَھْدُ اللّٰہِ سے مراد وہ ازلی عہد ہے جسے ''عہد الست'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جب اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کی ارواح کو، اس دنیا میں پیدا کرنے سے پہلے، جمع کر کے فرمایا تھا ''اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ '' کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔اس وقت سب نے یک زبان ہو کر کہا بَلٰی یعنی کیوں نہیں آپ ہی ہمارے رب ہیں۔اس میں بڑی تاکید کے ساتھ اس بات کا اقرار ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمارا رب اور پروردگار ہے اور اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اسکی ہی اطاعت کی جائے۔یہ وہ ازلی عہد ہے جو انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہو چکا۔اب دنیا میں پیدا ہونے کے بعد تمام انبیاء اور آسمانی کتابیں اسی عہد کی یاد دہانی اور اس پر عمل کی تفصیلات بتانے کے لیے آئے۔تقریباً تمام بزرگوں نے اس آیت مبارکہ میں عہد اللہ کی یہی تفسیر کی ہے۔مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''بادشاہ اپنے ملازموں اور رعایا کے نام جو فرمان یا ہدایات جاری کرتا ہے، ان کو عربی محاورے میں عہد سے تعبیر کیا جاتا ہے، کیونکہ ان کی تعمیل رعایا پر واجب ہوتی ہے۔ یہاں عہد کا لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔اللہ کے عہد سے مراد اس کا وہ مستقل فرمان ہے، جس کی رو سے تمام نوعِ انسانی صرف اسی کی بندگی، اطاعت اور پرستش کرنے پر مامور ہے ''مضبوط باندھ لینے کے بعد'' سے اشارہ اس طرف ہے کہ آدم کی تخلیق کے وقت تمام نوع انسانی سے اس فرمان کی پابندی کا اقرار لے لیا گیا تھا۔سورۂ اعراف، آیت ۱۷۲ میں اس عہد و اقرار پر نسبتاً زیادہ تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔'' (تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۶۰)

نوٹ:2 آیت مبارکہ میں یہ جو فرمایا وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ تو اس سے مراد ہے کہ وہ ان تمام تعلقات کو توڑ ڈالتے ہیں جن کو جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا۔ ان تعلقات میں وہ تعلق بھی داخل ہے جو اللہ اور بندے کے درمیان ہے اور وہ تعلقات بھی شامل ہیں جو ایک انسان کے اپنے گھر والوں، عزیزوں، پڑوسیوں اور عام مسلمانوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اِن تمام تعلقات کے حقوق ادا کرنے کا نام ہی اسلام ہے اور اِن میں کوتاہی کرنے سے ہی فساد برپا ہوتا ہے اسی لیے آگے فرمایا وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اور اس فساد مچانے کا لازمی نتیجہ ہے آخرت میں نقصان۔ اسی لیے آگے فرمایا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (واللہ اعلم)۔

آیت: 28

﴿ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾ ﴾

كَيْفَ كَيْفَ اسمائے استفہام میں سے ہے اور کسی چیز کی حالت دریافت کرنے کے لیے آتا ہے۔ معنی ہوتا ہے کیسا یا کیسے۔ اسمائے استفہام جملے میں مبتداء، خبر، فاعل اور مفعول بن کر استعمال ہوتے ہیں۔ البتہ کیف کے متعلق بعض علماء کا قول ہے کہ یہ صرف خبر بنتا ہے، مبتدا نہیں بن سکتا کیونکہ اس میں ظرفیت کے معنی پائے جاتے ہیں۔ (واللہ اعلم)۔ کیف جملے میں بطور حال بھی آتا ہے جیسے فرمایا: فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ تو اس وقت ان کا کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہی دینے والا لائیں گے۔ جہاں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے متعلق کیف استعمال ہو تو وہاں اظہارِ تعجب یا مخاطب کو تنبیہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ یا فرمایا: كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وغیرہ۔

> تَكْفُرُوْنَ (ك ف ر): البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ اَللّٰهُ (ء ل ہ): آیت بسم اللہ دیکھیں۔ كُنْتُمْ (ك و ن): البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔
> اَمْوَاتًا اور يُمِيْتُ (م و ت): البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ اَحْيَا اور يُحْيِيْ (ح ی ی): البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔
> تُرْجَعُوْنَ (ر ج ع): البقرۃ آیت 18 دیکھیں۔

ترکیب كَيْفَ اسم استفہام ہے۔ تَكْفُرُوْنَ فعل اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے جو آیت 26 میں مذکور فاسقین کے لیے ہے اور بِاللّٰهِ متعلق فعل ہے۔ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ جملہ استفہام ہے اور كَيْفَ یہاں اظہار تعجب یا کافروں کو تنبیہ کے لیے آیا ہے۔ وَ كُنْتُمْ میں 'وَ' حالیہ ہے اور كُنْتُمْ کا اسم اس میں شامل ضمیر ہے اور اَمْوَاتًا، كَانَ کی خبر ہے اسی لیے حالت نصب میں ہے اور یہ جملہ حال بیان کر رہا ہے تَكْفُرُوْنَ کی ضمیر فاعلی کا۔ فَاَحْيَاكُمْ میں 'فَ' حرف عطف ہے اور اَحْيَا فعل اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور كُمْ اس کا مفعول ہے اس جملے کا عطف جملہ ماقبل پر ہے۔ ثُمَّ حرف عطف ہے اور يُمِيْتُ فعل بافاعل اور كُمْ ضمیر مفعولی ہے۔ يُمِيْتُ کی ضمیر فاعلی بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور اس جملے کا عطف بھی جملہ ماقبل پر ہے۔ یہی ترکیب يُحْيِيْكُمْ کی ہے۔ آگے ثُمَّ حرف عطف ہے۔ اِلَيْهِ متعلق ہے تُرْجَعُوْنَ سے اور یہ حصر کا مفہوم پیدا کر رہا ہے۔ تُرْجَعُوْنَ، مضارع مجہول ہے اور اس کا نائب الفاعل اس میں شامل ضمیر ہے۔ (واللہ اعلم)۔

ترجمہ
البقرۃ:28

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ	وَ كُنْتُمْ	اَمْوَاتًا
تم لوگ کیسے انکار کرتے ہو اللہ کا	حالانکہ تم لوگ	مردہ تھے

فَاَحْيَاكُمْ ۚ	ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ	ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ
تو اس (اللہ) نے زندہ کیا تم کو	پھر وہ موت دے گا تم کو	پھر وہ زندہ کرے گا تم کو

ثُمَّ اِلَيْهِ	تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾
پھر اس ہی کی طرف	تم لوٹائے جاؤ گے

آیت: 29

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝۲۹ ع﴾

خَلَقَ (خ ل ق): البقرۃ آیت 21 دیکھیں۔ اَلْاَرْضِ (ء ر ض): البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔

ج م ع

(ف) **جَمْعًا** متفرق چیزوں کو باہم ملا دینا۔ اکٹھا کرنا۔ جمع کرنا۔ (متعدی)۔ ﴿فَكَیْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ ۫﴾ (3/آل عمران:25) ''تو کیسا ہوگا جب ہم اکٹھا کریں گے ان کو اس دن کے لئے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔'' ﴿اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ۝۱۷ ۚ﴾ (75/القیامۃ:17) ''یقیناً ہم پر ہے اسکا یعنی قرآن کا جمع کرنا اور اسکا پڑھنا۔''

جَمْعٌ تثنیہ: جَمْعَانِ۔ مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ جمع کی ہوئی چیز یعنی جماعت۔ ﴿سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ یُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝۴۵﴾ (54/القمر:45) ''شکست دی جائے گی اس جماعت کو اور وہ لوگ پیٹھ پھیریں گے۔'' ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ۙ﴾ (3/آل عمران:155) ''تم میں سے جن لوگوں نے اُس دن پیٹھ دکھائی جس دن دو جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں۔''

جَامِعٌ اسم الفاعل ہے۔ جمع کرنے والا۔ ﴿رَبَّنَاۤ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ ؕ﴾ (3/آل عمران:9) ''اے ہمارے رب بیشک تو لوگوں کو جمع کرنے والا ہے اس دن کے لئے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔''

مَجْمُوْعٌ ج: مَجْمُوْعُوْنَ۔ اسم المفعول ہے۔ جمع کیا گیا۔ جمع کیا ہوا۔ ﴿ذٰلِكَ یَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ﴾ (11/ھود:103) ''وہ دن جس میں سب لوگ جمع کیے جائیں گے۔'' ﴿اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ ۝۴۹ ۙ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ۬﴾ (56/الواقعہ:49-50) ''بیشک اگلے اور پچھلے یعنی سب جمع کیے جانے والے ہیں۔''

مَجْمَعٌ اسم الظرف ہے۔ جمع کرنے کی جگہ۔ ﴿لَاۤ اَبْرَحُ حَتّٰۤی اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ﴾ (18/الکھف:60) ''میں نہیں ٹلوں گا یہاں تک کہ میں پہنچوں دو سمندروں کو ملانے کی جگہ۔''

جُمْعَةٌ اور **جُمُعَةٌ** دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ لفظی معنی ہے اجتماع۔ جمعہ کا دن، چونکہ اس دن سب نماز کے لیے ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اس لیے جمعہ کہلاتا ہے۔ ﴿اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ (62/الجمعہ:9) ''جب ندا دی جائے نماز کے لئے جمعہ کے دن تو لپکو اللہ کی یاد کی طرف۔''

جَمِیْعٌ **فَعِیْلٌ** کے وزن پر صفت ہے۔ کُل کے کُل۔ سب کے سب۔ جماعت۔ ﴿قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِیْعًا ۚ﴾ (2/البقرہ:38) ''ہم نے کہا تم لوگ اترو اس میں سے سب کے سب۔'' ﴿اَمْ یَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِیْعٌ مُّنْتَصِرٌ ۝۴۴﴾ (54/القمر:44) ''یا یہ کہتے ہیں کہ ہم غلبہ پانے والی جماعت ہیں۔''

اَجْمَعُ ج: اَجْمَعُوْنَ۔ **اَفْعَلُ** کے وزن پر صفت ہے۔ سب۔ تمام۔ ﴿فَسَجَدَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝۳۰ ۙ﴾ (15/الحجر:30) ''چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔'' ﴿اُولٰٓىِٕكَ عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ۝۱۶۱ ۙ﴾ (2/البقرہ:161) ''یہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی۔''

(افعال) اِجْمَاعًا کسی بات یا کام پر جمع ہونا۔اتفاق کرنا۔پختہ ارادہ کرنا۔اکٹھا کرنا۔﴿ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ ﴾ (12/یوسف:102)''اور آپؐ اُن کے پاس نہیں تھے جب وہ متفق ہو گئے تھے اس بات پر۔''﴿ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَ اَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ﴾(12/یوسف:15)''اور متفق ہوئے کہ ڈالیں اُس کو گمنام کنویں میں۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)''اور پختہ ارادہ کر لیا کہ اُنہیں اندھیرے کنویں میں ڈال دیں۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔اسی سے''اجماع امت''ہے جو کہ اصول اربعہ میں سے ایک مستقل اصول ہے یعنی قرآن،حدیث،اجماع اور قیاس۔

اَجْمِعْ ج: اَجْمِعُوْا۔فعل امر ہے۔تو جمع کر۔﴿ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَ شُرَكَآءَكُمْ ﴾(10/یونس:71)''تو تم جمع کر لو اپنی تدبیر اور اپنے شریکوں کو۔''

(افتعال) اِجْتِمَاعًا لوگوں یا چیزوں کا جمع ہونا۔(لازم)۔﴿ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ ﴾(17/بنی اسرائیل:88)''آپ ﷺ کہیے کہ اگر اکٹھے ہوں تمام انسان اور تمام جن اس پر کہ وہ لے آئیں اس قرآن کی مانند تو وہ نہ لا سکیں گے اس جیسا۔''

مُجْتَمِعٌ ج: مُجْتَمِعُوْنَ۔اسم الفاعل ہے۔جمع ہونے والا۔﴿ وَّ قِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴾(26/الشعراء:39) ''اور کہا گیا لوگوں سے کیا تم لوگ جمع ہونے والے ہو۔''

اِسْتَوٰٓى اور سَوّٰى(س و ی):البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ اَلسَّمَآءُ اور سَمٰوٰتٍ(س م و):آیت بسم اللہ دیکھیں۔
كُلٌّ(ک ل ل):البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔ شَيْءٍ(ش ی ء):البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔ عَلِيْمٌ(ع ل م):الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

ترکیب

هُوَ مبتدا ہے اور یہ ضمیر گزشتہ آیت میں مذکور لفظ اللہ کے لیے ہے۔اَلَّذِيْ اسم موصول ہے۔اور جملہ فعلیہ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا اس کا صلہ ہے۔صلہ اور موصول مل کر خبر ہے هُوَ کی۔خَلَقَ کا مفعول 'مَا' ہے جَمِيْعًا حال ہے اسم موصول 'مَا' کا۔لَكُمْ، خَلَقَ سے متعلق ہے۔ثُمَّ حرف عطف ہے۔اِسْتَوٰٓى فعل اور اس میں شامل ضمیر ''هُوَ'' اس کا فاعل ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔اِلَى السَّمَآءِ متعلق فعل ہے۔فَسَوّٰىهُنَّ میں ف عطف کا ہے اور سَوّٰى فعل بافاعل اور هُنَّ اس کا مفعول ہے۔ضمیر هُنَّ، اَلسَّمَآءِ کے لیے ہے جو کہ واحد اور جمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اس لیے اس کے لیے ضمیر هُنَّ جائز ہے۔اور بعض بزرگوں کے نزدیک''اَلسَّمَآءِ''یہاں اسم جنس کے طور پر آیا ہے اور معناً جمع ہے۔اس لیے ''هُنَّ'' کی ضمیر آئی ہے۔(ماجدیؒ)۔سَبْعَ حال یا بدل ہے، هُنَّ ضمیر کا۔اور سَمٰوٰتٍ مضاف الیہ اور تمیز ہے۔هُوَ۔مبتدا، بِكُلِّ شَيْءٍ متعلق خبر مقدم اور عَلِيْمٌ خبر ہے۔(واللہ اعلم)۔

ترجمہ
البقرۃ:29

هُوَ الَّذِيْ	خَلَقَ	لَكُمْ	مَّا فِي الْاَرْضِ	جَمِيْعًا	ثُمَّ
وہی (اللہ) ہے جس نے	پیدا کیا	تمہارے لئے	جو کچھ زمین میں ہے	کُل کا کُل	پھر

اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ	فَسَوّٰى	هُنَّ	سَبْعَ سَمٰوٰتٍ
وہ متوجہ ہوا آسمان کی طرف	تو اس نے ٹھیک ٹھیک بنا دیا	اُنہیں	سات آسمان

وَهُوَ	بِكُلِّ شَيْءٍ	عَلِيْمٌ
اور وہ	ہر چیز کو	جاننے والا ہے

نوٹ:1 لَكُمْ میں لام تملیک یعنی ملکیت ظاہر کرنے والا لام نہیں ہے۔انسان اس زمین کی کسی بھی چیز کا مالک نہیں ہے۔انسان خلیفہ ہے اور خلیفہ مالک نہیں ہوتا۔لَكُمْ کا لام تمتع کا ہے یعنی فائدہ اٹھانے کے لئے ہے۔اس لئے یہ مفہوم ''تمہارے لئے'' یا ''تمہاری خاطر'' کے ترجمہ سے ادا کیا جا سکتا ہے۔

نوٹ:2 اَلسَّمَآءُ کی لغوی بحث آپ آیت بسم اللہ کے تحت پڑھ چکے ہیں۔ یہاں آیت مبارکہ میں ''اَلسَّمَآءُ'' سے اَجرام عُلوی (یعنی سورج، چاند، ستارے) اسمتِ عُلوی (اوپر کی طرف یا بلندی) مراد لیا گیا ہے۔ تراجم میں عام طور پر اس کا ترجمہ ''آسمان'' سے ہی کیا گیا ہے۔ البتہ اس لفظ کے لغوی معنی سے بھی ترجمہ کیا گیا ہے۔ مثلاً صاحبؒ ضیاء القرآن فرماتے ہیں ''پھر توجہ فرمائی اوپر کی طرف۔'' اور صاحبؒ تفہیم القرآن فرماتے ہیں: ''پھر اوپر کی طرف توجہ فرمائی۔'' صاحبؒ تفسیر حقانی اس آیت میں اَلسَّمَآءُ کے لفظ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اَلسَّمَآءُ کی ہمزہ، واؤ سے بدلی ہوئی ہے۔ پہلے واؤ تھا اور جو واؤ، الف کے بعد زائد ہو، بیشتر عرب اس کو ہمزہ سے بدل دیتے ہیں۔ لغت میں لفظ سماء کا چند معانی پر اطلاق ہوتا ہے۔ بادل کو بھی کہتے ہیں اور افق کو بھی اور اوپر کی جانب کو بھی اور اس نیلی چھت کو بھی کہ جو ایک گول گنبد سا نظر آتا ہے۔ قرآن میں جو جا بجا سماء کا ذکر ہے کہ ہم نے اس کو اپنے ہاتھ سے بنایا۔ ﴿وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ﴾ وغیرہ من الآیات۔ پس اس سے وہی آخری معنی مراد ہیں کہ جس کو ہماری زبان میں آسمان اور ہندی میں اکاش اور انبر کہتے ہیں اور ہر زبان میں اس کا نام ہے۔ (تفسیر حقانیؒ ج۱ ص۴۰۹ تلخیصاً)

آیت:30

﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاۗءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۰﴾

اِذْ جب، جبکہ۔ اِذْ ظرف زمان ہے یعنی اس میں کسی کام کے کرنے یا ہونے کے وقت کا مفہوم ہوتا ہے۔ اِذْ، اکثر زمانہ ماضی کے لیے آتا ہے اگرچہ مضارع پر داخل ہوا ہو۔ جیسے فرمایا: ﴿وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ۭ﴾ ''اور وہ وقت یاد کرو جب حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے۔'' اِذْ کے بعد فعل بھی آ سکتا ہے (جیسے اوپر آیت میں آیا) اور اسم بھی آ سکتا ہے جیسے فرمایا اِذْ هُمَا فِى الْغَارِ ''جب وہ دونوں غار میں تھے۔'' قرآنِ مجید میں جہاں کہیں آیت کے شروع میں اِذْ آیا ہے وہاں اُذْكُرْ یا اُذْكُرُوْا محذوف مانا جاتا ہے جیسے وَاِذْ يَرْفَعُ کے معنی ہیں ''اور وہ وقت یاد کرو جب''۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ اِذْ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''عربی زبان میں جب کلام کا آغاز ''اِذْ'' سے ہوتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس سے پہلے خیال کرو۔ تصور کرو، یاد کرو یا ان کے ہم معنی کوئی فعل یہاں محذوف ہے۔ عموماً اس کے بعد کسی ایسی ہی سرگزشت یا واقعہ کا حوالہ آتا ہے جو یا تو مخاطب کے علم میں ہو، یا خود متکلم اس کی قطعیت پر اس درجہ مطمئن ہو کہ ایک معلوم و معروف حقیقت کی حیثیت سے اس کا حوالہ دے سکے۔'' (تدبر قرآن، ج۱ ص۱۵۶)

قَالَ، قَالُوْا (ق و ل): البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ رَبٌّ (ر ب ب): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ اَلْمَلٰٓئِكَةُ (م ل ك): الفاتحہ آیت 3 دیکھیں۔ جَاعِلٌ، تَجْعَلُ (ج ع ل): البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ اَلْاَرْضُ (ء ر ض): البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔

خ ل ف

(ن) خِلَافَةً کسی کا جانشین ہونا۔ کسی کا قائم مقام ہونا۔

خَلْفًا کسی کے پیچھے آنا۔ ﴿فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ﴾ (7/الاعراف:169) ''پھر اُن کے پیچھے آئے ناخلف۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ﴿فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ﴾ (19/مریم:59) ''پھر اُن کے بعد بعض ایسے ناخلف جانشین ہوئے جنھوں نے نماز کو برباد کیا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ﴿قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِىْ مِنْۢ بَعْدِىْ ۚ﴾ (7/الاعراف:150) ''تو (حضرت موسیٰؑ نے) فرمایا تم نے میرے بعد بڑی بری جانشینی کی۔'' (ترجمہ احسن البیان)

خَلْفٌ (1) جانشین۔ واحد اور جمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ خَلْفٌ اس نسل کو کہتے ہیں جو دوسری نسل کے بعد آئے۔ عربی زبان میں خَلَفٌ (لام کی زبر کے ساتھ) کے معنی بھی جانشین کے ہوتے ہیں۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ خَلْفٌ (لام کے سکون کے ساتھ) عام طور پر برے جانشین اور بری اولاد کے لیے استعمال ہوتا ہے اور خَلَفٌ (لام کی زبر کے ساتھ) اچھے جانشین اور اچھی اولاد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ خَلْفٌ قرآن مجید میں دو مرتبہ آیا ہے (الاعراف۔169) اور (مریم۔59) اور دونوں جگہ مذمت ہی کے انداز میں ان کا ذکر ہوا ہے۔ خَلَفٌ کا لفظ قرآنِ مجید میں استعمال نہیں ہوا۔ (واللہ اعلم)

(2) خَلْفٌ، ظرف کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ مطلب ہوتا ہے "پیچھے"۔ یعنی جہاتِ ستّہ میں سے ہے (اَمَام۔ خَلْف) (یَمِیْن۔ شِمَال) (فَوْق۔ تَحْت) ﴿یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ج﴾ (2/البقرہ:255) "وہ جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے۔"

اُخْلُفْ فعل امر ہے۔ تو پیچھے رہ۔ تو جانشینی کر۔ ﴿وَ قَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ﴾ (7/الاعراف:142) "اور کہا موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارونؑ کو، تو میرے پیچھے رہ میری قوم میں یا تو میری قوم میں میری جانشینی کر۔"

خَالِفٌ ج: خَالِفُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ پیچھے رہنے والا، خَلْفًا مصدر سے۔ ﴿فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِیْنَ ﴿۸۳﴾﴾ (9/التوبۃ:83) "تو تم لوگ بیٹھو پیچھے رہنے والوں کے ساتھ۔" پیر کرم شاہ صاحبؒ اس آیت میں خٰلِفِیْنَ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "خَالِفٌ کا ایک معنی تو یہ ہے پیچھے رہ جانے والا۔ لیکن علامہ قرطبیؒ نے فرمایا ہے کہ خلف بمعنی فسد کے ہے جس طرح کہتے ہیں خَلَفَ اللَّبَنُ دودھ خراب ہو گیا۔ یا عرب کہتے ہیں کہ فُلَانٌ خلافة اَهْلِ بَیْتِهٖ فلاں شخص اپنے سارے کنبہ سے فسادی ہے۔ اسی سے خَلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ ہے جبکہ منہ کی بو روزہ رکھنے سے خراب ہو جاتی ہے۔ اب آیت کا معنی یہ ہو گا فَاقْعُدُوْا مَعَ الْفَاسِدِیْنَ یعنی فساد برپا کرنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔" (ضیاء القرآن، ج۲ ص۲۳۹)

خَالِفَةٌ ج: خَوَالِفُ۔ اسم الفاعل خَالِفٌ کا مؤنث ہے۔ پیچھے رہنے والی عورتوں کو کہتے ہیں جو مردوں کے جانے کے بعد گھروں میں رہتی ہیں۔ ﴿رَضُوْا بِاَنْ یَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ﴾ (9/التوبۃ:87) "راضی ہوئے اس پر کہ وہ لوگ ہوں پیچھے رہنے والیوں کے ساتھ۔"

خَلِیْفَةٌ ج: خُلَفَاءُ اور خَلَائِفُ۔ جانشین۔ نائب۔ فَعِیْلٌ کے وزن پر خَلِیْفٌ تھا لیکن ۃ مبالغہ کا اضافہ کر کے خَلِیْفَةٌ بنایا گیا۔ ۃ مبالغے کے لیے بھی آتی ہے جیسے عَلَّامَةٌ، خَائِنَةٌ وغیرہ۔ خلیفہ وہ ہے جو کسی کے ملک میں اس کے نائب کی حیثیت سے اس کے احکام کے مطابق عمل کرائے۔ خلیفہ مالک نہیں ہوتا۔ بلکہ اصل مالک کا نائب ہوتا ہے۔ ﴿یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ﴾ (38/ص:26) "اے داؤد بیشک ہم نے بنایا تم کو جانشین زمین میں۔" ﴿اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ﴾ (7/الاعراف:69) "جب اس نے بنایا تم لوگوں کو جانشین، نوحؑ کی قوم کے بعد۔" ﴿هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ ط﴾ (35/فاطر:39) "وہ ہے جس نے بنایا تم لوگوں کو جانشین زمین میں۔"

خِلْفَةٌ کسی کے پیچھے پیچھے آنے والا۔ اصل میں مصدر ہے جس کا مطلب ہے لگاتار ایک دوسرے کے پیچھے آنا۔ ﴿وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ خِلْفَةً﴾ (25/الفرقان:62) "وہ ہے جس نے بنایا رات کو اور دن کو پیچھے پیچھے آنے والا ہوتے ہوئے۔"

(افعال) اِخْلَافًا (1) وعدہ کے خلاف کرنا۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۹﴾ ع﴾ (3/آل عمران:9) "بیشک اللہ وعدہ کے خلاف نہیں

کرتا۔''(2) کسی چیز کے بدلے میں کچھ دینا۔﴿ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَھُوَ یُخْلِفُهٗ ﴾(34/سبا:39)''اور جو تم لوگ خرچ کرتے ہو، کوئی بھی چیز، تو وہ اس کے بدلے میں دے گا۔''

مُخْلِفٌ اسم الفاعل ہے۔وعدہ کے خلاف کرنے والا۔﴿ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ﴾(14/ابراہیم:47)''تو ہرگز گمان مت کر اللہ کو اپنے وعدہ کے خلاف کرنے والا، اپنے رسولوں سے۔''

(تفعیل) **تَخْلِیْفًا** کسی کو پیچھے کر دینا۔ پیچھے چھوڑ دینا۔﴿ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِیْنَ خُلِّفُوْا ﴾(9/التوبۃ:118)''اور اُن تین شخصوں پر جن کو پیچھے رکھا تھا۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ خُلِّفُوْا ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔

مُخَلَّفٌ ج: مُخَلَّفُوْنَ۔ اسم المفعول ہے۔ پیچھے چھوڑ ہوا۔ یعنی جس کو چھوڑ دیا گیا ہو۔﴿ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ ﴾(9/التوبۃ:81)''خوش ہوئے پیچھے چھوڑے ہوئے لوگ اپنے بیٹھ رہنے پر۔''

(مفاعلہ) **مُخَالَفَةً اور خِلَافًا** کسی کی مخالفت کرنا۔ کسی کے خلاف روش اختیار کرنا۔﴿ فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ ﴾(24/النور:63)''تو چاہیے کہ وہ لوگ ڈریں جو خلاف کرتے ہیں اُس کے حکم کے۔'' خِلَافٌ کے معنی ''بعد'' یا ''پیچھے'' کے بھی آتے ہیں جیسے فرمایا:﴿ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﴾(9/التوبۃ:81)''پیچھے رہ جانے والے لوگ رسول اللہؐ کے جانے کے بعد اپنے بیٹھے رہنے پر خوش ہیں۔''(ترجمہ احسن البیان)۔ اس آیت کے حاشیے میں صاحبؒ احسن البیان فرماتے ہیں:''خلاف کے معنی ہیں، پیچھے یا مخالفت۔ یعنی رسول اللہؐ کے جانے کے بعد آپؐ کے پیچھے یا آپؐ کی مخالفت میں مدینہ میں بیٹھے رہے۔'' اسی طرح فرمایا:﴿ وَاِذًا لَّا یَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴾(17/بنی اسرائیل:76)''اور اُس وقت نہ ٹھہریں گے وہ بھی تیرے پیچھے مگر تھوڑا۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)''اور اس حالت میں یہ بھی آپؐ کے بعد بہت کم ٹھہرنے پاتے۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے حاشیے میں مولانا عبدالماجدؒ فرماتے ہیں:''خلاف یہاں بَعْد کے معنی میں ہے۔'' خلاف کے معنی ''مخالف جانب'' یا ''الٹی طرف سے'' کے بھی آتے ہیں، جیسے فرمایا:﴿ اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ ﴾(5/المائدۃ:33)''یا مخالف جانب سے اُن کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں۔''(ترجمہ احسن البیان)

(تفعّل) **تَخَلُّفًا** پیچھے رہنا۔﴿ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِیْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ یَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﴾(9/التوبۃ:120)''مناسب نہیں تھا مدینہ والوں کیلئے اور جو ان کے گرد بدو ہیں کہ وہ لوگ پیچھے رہیں اللہ کے رسولؐ سے۔''

(افتعال) **اِخْتِلَافًا** (1) کسی چیز یا رائے کے خلاف ہونا۔ مختلف ہونا۔﴿ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ﴾(30/الروم:22)''اور اس کی نشانیوں میں سے ہے زمین اور آسمانوں کی پیدائش اور مختلف ہونا تمہاری زبانوں کا اور تمہارے رنگوں کا۔'' ﴿ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴾(5/المائدہ:48)''اللہ ہی کی طرف تم سب کا پلٹنا ہے تو وہ جتادے گا تم کو وہ جس میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔''

(2) آنا جانا، اِلٰی کے صلے کے ساتھ۔ عربی میں کہتے ہیں فُلَانٌ یَخْتَلِفُ اِلَیْنَا، فلاں ہمارے پاس آتا جاتا ہے۔

مُخْتَلِفٌ اسم الفاعل ہے۔ مختلف ہونے والا۔ مختلف۔﴿ یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ ﴾(16/النحل:69)''اُس کے پیٹ کے اندر سے ایک مشروب نکلتا ہے اُس کی رنگتیں مختلف ہوتی ہیں۔''(ترجمہ ماجدیؒ)

(استفعال) **اِسْتِخْلَافًا** کسی کو جانشین مقرر کرنا۔ نائب بنانا۔﴿ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَیَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا یَشَآءُ ﴾(6/الانعام:133)''اگر وہ چاہے تو لے جائے تم لوگوں کو اور جانشین مقرر کرے تمہارے بعد جسے چاہے۔''

مُسْتَخْلَفٌ ج: مُسْتَخْلَفُوْنَ۔ اسم المفعول ہے۔ جس کو جانشین یا نائب بنایا گیا۔﴿ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْهِ ﴾(57/الحدید:7)''اور جس مال میں اُس نے تم کو دوسروں کا جانشین بنایا ہے اُس میں سے خرچ کرو۔''

مَنْ: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ یُفْسِدُ (ف س د): البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔

س ف ك

(ض) سَفْكًا خون ریزی کرنا۔ کسی چیز کو بہانا۔ ﴿وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ﴾(2/البقرۃ:84)''اور جب ہم نے لیا پختہ وعدہ تم سے کہ تم لوگ نہیں بہاؤ گے اپنوں کا خون۔'' اسی سے انتہائی قاتل یا ظالم شخص کو سَفَّاک اور ایسی کارروائی کو سفّاکیت کہہ دیا جاتا ہے۔

د م ی

(س) دَمِّی زخم سے خون نکلنا۔
دَمٌ ج: دِمَآءٌ۔ اسم ذات ہے۔خون۔ ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ﴾(5/المآئدہ:3)''حرام کیا گیا تم پر مردار اور (بہنے والا) خون۔'' ﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا﴾(22/الحج:37)''ہرگز نہیں پہنچتے اللہ کو ان کے گوشت اور نہ ہی ان کے خون۔''

س ب ح

(ف) (ا) سَبْحًا پانی یا ہوا میں تیز رفتاری سے گزر جانا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ یہ لفظ آسمان میں ستاروں اور سیاروں کی گردش اور تیز رفتاری کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ عربی زبان میں وہ گھوڑا جو بہت تیز رفتار ہو اسے فَرَسٌ سَابِحٌ کہتے ہیں اور سَبَّاحٌ تیراک کو کہتے ہیں۔ چنانچہ ستاروں کے متعلق فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝﴾(21/الانبیاء:33)''وہی ہے جس نے پیدا کیا رات کو اور دن کو اور سورج کو اور چاند کو، سب آسمان میں تیرتے ہیں۔'' پھر یہ لفظ کسی کام میں مشغول ہونے اور مصروف ہونے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ۝ ؕ﴾(73/المزمل:7)''بیشک آپؐ کے لئے دن میں طویل مصروفیت ہے۔''

(ب) سُبْحَانًا اپنے بلند مقام پر برقرار رہنا یعنی ہر نقص اور عیب، کمی اور کوتاہی سے پاک ہونا۔ یہ مصدر، مضاف، مضاف الیہ بن کر استعمال ہوتا ہے۔ کسی مفرد اسم کی طرف اس کی اضافت لازمی ہے خواہ وہ اسم ظاہر ہو جیسے سُبْحَانَ اللّٰهِ (اللہ پاک ہے) یا سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى (پاک ہے وہ ذات جو لے گئی) یا ضمیر ہو، جیسے سُبْحَانَهٗ (وہ پاک ہے) سُبْحَانَكَ (تو پاک ہے) وغیرہ۔ اس کی نصب محذوف فعل کی وجہ سے آتی ہے۔ یعنی اُسَبِّحُ/ نُسَبِّحُ سُبْحَانَهٗ میں یا ہم اس کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ سُبْحَانَ اس ترکیب میں مفعول مطلق ہوتا ہے۔ سُبْحَانَ کا لفظ ایسے موقع پر بھی بولتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں انسان کو حیرت میں ڈال دیں۔ ہماری زبان میں ''سبحان تیری قدرت'' ایسے ہی موقع پر بولتے ہیں۔ (واللہ اعلم)۔ ﴿وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝﴾(12/یوسف:108)''اور اللہ پاک ہے اور میں نہیں ہوں شرک کرنے والوں میں سے۔''

سَابِحٌ مؤنث: سَابِحَةٌ ج: سَابِحَاتٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ تیرنے والا۔ ﴿وَّ السّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۝ ۙ﴾(79/النزعت:3)''قسم ہے تیرنے والیوں کی جیسا کہ تیرنے کا حق ہے۔''

(تفعیل) تَسْبِيْحًا کسی کو اس کی سطح پر برقرار رکھنا۔ تیرانا۔ ہر نقص وعیب سے اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرنا۔ اصل میں اس کے معنی عبادت الٰہی میں تیزی کرنا کے ہیں۔ پھر اس کا استعمال ہر فعل خیر پر ہونے لگا۔ پس تسبیح کا لفظ قولی، فعلی، قلبی ہر قسم کی عبادت پر بولا جاتا ہے۔ یہ سَبْحٌ سے ہے جس کے معنی پانی یا ہوا میں تیز رفتاری سے گزر جانے کے ہیں۔ پھر استعارۃً فلک میں نجوم کی

گردش اور تیز رفتاری کے لیے استعمال ہونے لگا۔ پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''تسبیح کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کو تمام ایسی چیزوں سے منزّہ اور پاک سمجھنا جو اس کے شایانِ شان نہیں۔ انسان کا اعتقاد بھی یہی ہو، وہ اپنے قول سے بھی اس کا اقرار کرے اور اس کا عمل بھی اس کی شہادت دے رہا ہو'' (ضیاء القرآن)۔ جس طرح تیرنے والا پانی میں ڈوبنے سے بچتا ہے اسی طرح تسبیح کرنے والا شرک سے نجات پاتا ہے۔ ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ﴾ (42/الشوریٰ:5) ''اور فرشتے پاکی بیان کرتے ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ۔'' ﴿كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِيْحَهٗ ؕ﴾ (24/النور:41) ''ہر ایک کی نماز اور تسبیح اُسے معلوم ہے۔''

سَبِّحْ فعل امر ہے۔ تو پاکی بیان کر۔ ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّ سَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴾ (3/آل عمران:41) ''اور یاد کر اپنے رب کو کثرت سے اور پاکی بیان کر رات اور صبح کو۔''

مُسَبِّحٌ ج: مُسَبِّحُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ پاکی بیان کرنے والا۔ ﴿ وَ اِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴾ (37/الصافات:166) ''اور بیشک ہم پاکی بیان کرنے والے ہیں۔''

حَمْدٌ (ح م د): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

ق د س

(ک) **قُدْسًا، قُدُسًا** (1) تمام بری صفات سے پاک ہونا۔ اس میں محسوس نجاست کی بجائے معنوی نجاست سے پاک ہونے کا مفہوم ہے یعنی کسی خیال یا اندازے کی غلطی سے پاک ہونا یا شرک سے پاک ہونا وغیرہ۔
(2) بابرکت ہونا۔

قُدُسٌ اسم ذات بھی ہے۔ پاکیزگی۔ ﴿وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَ اَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ﴾ (2/البقرۃ:87) ''اور ہم نے دیں عیسیٰؑ بن مریم کو واضح نشانیاں اور ان کو تقویت دی پاکیزگی کی روح سے۔'' روح القدس حضرت جبریلؑ کا لقب ہے۔ انہی کو دوسرے مقام پر روح الامین بھی کہا گیا ہے۔

قُدُّوْسٌ صیغہ مبالغہ ہے۔ بہت پاک۔ بہت برکت والا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے ہے۔ ﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ﴾ (59/الحشر:23) ''وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ حقیقی بادشاہ ہے، نہایت پاک ہے۔'' مولانا مودودیؒ اس آیت میں قُدُّوْسٌ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اصل میں لفظ قُدُّوْس استعمال ہوا ہے جو مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس کا مادہ قدس ہے۔ قدس کے معنی ہیں تمام بری صفات سے پاکیزہ اور منزّہ ہونا۔ اور قُدُّوس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے بدرجہا بالا و برتر ہے کہ اس کی ذات میں کوئی عیب، یا نقص، یا کوئی قبیح صفت پائی جائے۔ بلکہ وہ ایک پاکیزہ ترین ہستی ہے جس کے بارے میں کسی برائی کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا۔'' (تفہیم القرآن، ج ۵، ص ۴۱۳)

(تفعیل) **تَقْدِيْسًا** کسی کو معنوی نجاستوں سے پاک کرنا۔ اگر اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے اس کی پاکیزگی کا اقرار کرنا۔ اس کی مثال زیرِ مطالعہ آیت ہے۔

مُقَدَّسٌ اسم المفعول ہے۔ مذکر۔ پاک کیا ہوا۔ ﴿اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴾ (20/طٰہٰ:12) ''بے شک آپؐ پاک میدان طویٰ میں ہیں۔''

مُقَدَّسَةٌ اسم المفعول ہے۔ مؤنث۔ پاک کی ہوئی۔ ﴿ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ (5/المآئدہ:21) ''اے میری قوم تم لوگ داخل ہو جاؤ پاک کی ہوئی زمین میں جو اللہ نے لکھ دی ہے تمہارے لئے۔''

اَعۡلَمُ اور تَعۡلَمُوۡنَ (ع ل م): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

ترکیب

'وَ' استئنافیہ ہے اور اِذۡ ظرف زمان ہے اس سے پہلے اُذۡکُرۡ یا اُذۡکُرُوۡا محذوف ہے۔ قَالَ فعل، رَبُّكَ فاعل اور لِلۡمَلٰٓئِكَةِ متعلق فعل ہے۔ اگلا جملہ مقولہ ہے یعنی وہ بات جو کہی گئی۔ اس میں اِنِّیۡ میں شامل یائے متکلم کی ضمیر اِنَّ کا اسم ہے۔ جَاعِلٌ خبر ہے جبکہ فِی الۡاَرۡضِ متعلق خبر ہے۔ جَاعِلٌ اسم الفاعل ہونے کے ساتھ فعل کا بھی کام کر رہا ہے۔ اور خَلِیۡفَةً اس کا مفعول ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ اگلے جملے میں قَالُوۡا کا فاعل ھُمۡ کی ضمیر ہے جو فرشتوں کے لئے ہے اور تَجۡعَلُ کا فاعل اس میں شامل اَنۡتَ کی ضمیر ہے جو ربّ کے لئے ہے اور مَنۡ اسم موصول ہے۔ یُفۡسِدُ فِیۡهَا وَیَسۡفِكُ الدِّمَآءَ، یہ دونوں جملے مَنۡ کا صلہ ہیں۔ اور صلہ اور موصول مل کر مفعول ہیں فعل تَجۡعَلُ کا۔ فِیۡهَا میں ھَا کی ضمیر زمین کے لئے ہے۔ وَنَحۡنُ نُسَبِّحُ میں 'وُ' حالیہ ہے۔ نَحۡنُ مبتدا ہے۔ نُسَبِّحُ جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے۔ اور بِحَمۡدِكَ، جار مجرور متعلق ہے نُسَبِّحُ کے۔ جملہ فعلیہ کو اگر جملہ اسمیہ میں تبدیل کیا جائے تو مبتدا پر زور دینا مقصود ہوتا ہے۔ وَنُقَدِّسُ میں 'وُ' عطف کا ہے اور نُقَدِّسُ عطف ہے نُسَبِّحُ پر۔ لَكَ جار مجرور متعلق ہے نُقَدِّسُ سے۔ قَالَ کا فاعل ھُوَ کی ضمیر ہے جو ربّ کے لئے ہے۔ اَعۡلَمُ مضارع میں واحد متکلم کا صیغہ ہے اور اسم موصول 'مَا' اس کا مفعول ہے۔ جملہ فعلیہ لَا تَعۡلَمُوۡنَ اس کا صلہ ہے۔ (واللہ اعلم)

ترجمہ
البقرۃ:30

فِی الۡاَرۡضِ	اِنِّیۡ جَاعِلٌ	لِلۡمَلٰٓئِكَةِ	رَبُّكَ	وَاِذۡ قَالَ
زمین میں	کہ میں بنانے والا ہوں	فرشتوں سے	تیرے رب نے	اور (وہ وقت یاد کرو) جب کہا

یُّفۡسِدُ فِیۡهَا	مَنۡ	اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا	قَالُوۡٓا	خَلِیۡفَةً ؕ
فساد کرے گا اس میں	اس کو جو	کیا تو بناتا ہے اس میں	ان فرشتوں نے کہا	ایک جانشین/ نائب

بِحَمۡدِكَ	نَحۡنُ نُسَبِّحُ	وَ	وَیَسۡفِكُ الدِّمَآءَ ۚ
تیری حمد کے ساتھ	ہم تسبیح کرتے ہیں	حالانکہ	اور بہائے گا خون

مَا	اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ	قَالَ	وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ
وہ جو	میں جانتا ہوں	اس (اللہ تعالیٰ) نے کہا	اور ہم تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں

لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۰﴾
تم لوگ نہیں جانتے

آیت: 31

﴿وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمۡ عَلَی الۡمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنۡۢبِـُٔوۡنِیۡ بِاَسۡمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۳۱﴾﴾

عَلَّمَ (ع ل م): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

ء د م

(س) اَدَمًا گندمی رنگ کا ہونا۔

اٰدَمُ اَفْعَلُ الوان وعیوب کے وزن پر یہ دراصل اَءْ دَمُ تھا جو قاعدہ کے مطابق تبدیل ہو کر اٰدَمُ بنا۔ گندمی رنگ والا۔ حضرت آدمؑ کا نام ہے۔

اَلْاَسْمَآءَ (س م و): آیت بسم اللہ دیکھیں۔ کُلَّ (ک ل ل): البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔

ع ر ض

(ض) عَرْضًا پیش کرنا۔ سامنے لانا۔ ظاہر ہونا۔ لغات القرآن کے مطابق یہ لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ (لغات القرآن، ج ۴، ص ۲۷۳)۔ ﴿ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ (33/الاحزاب: 72) ''بیشک ہم نے پیش کیا اس امانت کو آسمانوں اور زمین پر۔''

عَارِضٌ اسم الفاعل ہے۔ سامنے آنے والی چیز۔ سامنے لانے والا۔ پھر یہ لفظ بادل کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بادل کو عارض یا تو اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اُفق آسمان پر ظاہر ہو کر چھا جاتا ہے یا اس لیے کہ بادل کا وجود قائم رہنے والا نہیں ہوتا اور جلد ختم ہو جاتا ہے۔ صاحبؒ مترادفات القرآن کے مطابق عارض وہ بادل ہیں جو گاڑھے اور پھیلے ہوئے ہوں اور جن سے بونداباندی بھی شروع ہو جائے۔ (واللہ اعلم)۔ ﴿ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ﴾ (46/الاحقاف: 24) ''ان لوگوں نے کہا یہ بادل ہے، برسے گا ہم پر۔''

عُرْضَةٌ اسم ذات ہے۔ آڑ، رکاوٹ۔ نشانہ، بہانہ۔ ﴿ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ ﴾ (2/البقرہ: 224) ''اور تم لوگ مت بناؤ اللہ کو نشانہ اپنی قسموں کیلئے۔'' اس آیت مبارکہ میں عُرْضَةً کی دو تفسیریں کی گئی ہیں ایک یہ کہ کسی اچھے کام کو نہ کرنے کے لیے اللہ کی قسم مت کھایا کرو یعنی جب کسی سے کوئی اچھا کام کرنے کے لیے کہا جائے تو وہ اللہ کی قسم کو آڑ بنا لے کہ میں نے تو قسم کھا لی ہے اب یہ کام نہیں کرسکتا۔ دوسری تفسیر کے مطابق، اپنا مطلب نکالنے کے لیے بات بات پر اللہ کی قسم نہ کھایا کرو۔ اس صورت میں اللہ کا نام تمہاری قسموں کا نشانہ بن جائے گا۔ اور تم ہر وقت قسم کے ذریعے سے کام نکالنے کی فکر میں لگے رہو گے۔ اس تفسیر کے مطابق عُرْضَةً کا معنی نشانہ اور بہانہ ہوگا۔ (واللہ اعلم تلخیص از لغات القرآن، ج ۴، ص ۲۷۶)

(س) عَرَضًا ناپائیدار ہونا۔ عارضی ہونا۔ جلد فنا ہو جانا۔

عَرَضٌ ہمیشہ نہ رہنے والی چیز۔ ہر وہ چیز جو جلدی فنا ہو جائے۔ عارضی سامان۔ لفظ عَرَضٌ، جوہر کے مقابلے پر بولا جاتا ہے۔ جب جوہر کے مقابلے پر آئے تو مطلب ہوتا ہے ناپائیدار چیز، وہ چیز جس کا اپنا کوئی مستقل وجود نہ ہو۔ اسی لیے بادل کو بھی عارض کہا جاتا ہے کیونکہ اس کا وجود قائم رہنے والا نہیں، جلد ختم ہو جاتا ہے۔ دنیاوی مال کو عَرَضٌ سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ دنیاوی مال کتنا ہی کیوں نہ ہو وہ عارضی اور ناپائیدار ہوتا ہے۔ ﴿ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ﴾ (8/الانفال: 67) ''تم لوگ چاہتے ہو دنیا کا عارضی سامان اور اللہ چاہتا ہے آخرت۔''

(ک) عَرَاضَةً چوڑا ہونا۔

عَرْضٌ اسم ذات ہے۔ چوڑائی۔ وسعت۔ مولانا مودودیؒ عَرْضٌ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''عربی زبان میں لفظ عرض صرف چوڑائی ہی کے لیے نہیں بولا جاتا جو طول کا مدمقابل ہے، بلکہ اسے مجرد وسعت کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔'' (تفہیم القرآن، ج ۵، ص ۳۱۹)۔ ﴿ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ﴾ (57/الحدید: 21) ''بازی لے جاؤ اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور جنت کی طرف، جس کی چوڑائی یا وسعت

زمین اور آسمان کی چوڑائی یا وسعت جیسی ہے۔‘‘

عَرِيْضٌ — فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ چوڑا۔ ﴿وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ﴾ (41/حٰمٓ السجدۃ:51) ’’اور جب چھوتی ہے اس کو تکلیف تو لمبی چوڑی دعا کرنے والا بن جاتا ہے۔‘‘ قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں: ’’عریض کے معنی کثیر کے ہیں، عرب طول وعرض کا استعمال مجازاً کثرت کے معنی میں کیا کرتے ہیں چنانچہ محاورہ ہے اَطَالَ فُلَانٌ فِي الْكَلَامِ وَ اَعْرَضَ فِي الدُّعَاءِ۔ یعنی فلاں نے کثرت سے باتیں کیں اور خوب دعائیں کیں۔‘‘ (لغات القرآن، ج۴، ص۲۸۸)

(افعال) اِعْرَاضًا — منہ موڑ لینا۔ توجہ نہ دینا۔ بے رخی برتنا۔ درگزر کرنا۔ ان معنوں میں عام طور پر اس کے ساتھ ’’عَنْ‘‘ کا صلہ آتا ہے۔ ﴿وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا﴾ (18/الکہف:57) ’’اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس کو یاد دلائی جائیں اس کے رب کی آیات تو وہ بے رخی برتے ان سے۔‘‘ ﴿سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ﴾ (9/توبۃ:95) ’’اب قسمیں کھائیں گے اللہ کی تمہارے سامنے جب تم پھر کر جاؤ گے اُن کی طرف تاکہ تم اُن سے درگزر کرو سو تم درگزر کرو اُن سے۔‘‘ (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ’’اعراض کا مادّہ آیت میں دوبار استعمال ہوا ہے۔ اور یہ دو مختلف معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ (۱) عفو ودرگزر۔ اور (۲) قطع تعلق۔ لِتُعْرِضُوْا میں پہلا معنی مطلوب ہے اور فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ میں دوسرا معنی مقصود ہے۔‘‘ اگر اس کے ساتھ ’’عَلٰی‘‘ کا صلہ آئے تو مطلب ہوتا ہے پیش کرنا۔ اگر اس کے ساتھ ’’ل‘‘ کا صلہ آئے تو مطلب ہوتا ہے سامنے آنا۔ اَعْرَضَ لِيْ وہ میرے سامنے آیا۔

مُعْرِضٌ — ج: مُعْرِضُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ منہ پھیرنے والا۔ اعراض کرنے والا۔ ﴿ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَ اَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ (2/البقرۃ:83) ’’پھر تم نے منہ موڑ لیا سوائے تھوڑے سے تم میں سے اور تم لوگ ہو ہی منہ پھیرنے والے۔‘‘

اَعْرِضْ — فعل امر ہے۔ تو منہ پھیر لے۔ تو بے رخی کر۔ ﴿وَ اِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ (6/الانعام:68) ’’اور جب آپؐ دیکھیں ان لوگوں کو جو عیب جوئی کرتے ہیں ہماری آیات میں تو آپؐ منہ پھیر لیں ان سے۔‘‘

(تفعیل) تَعْرِيْضًا — اشارے کنائے میں بات کرنا یعنی مبہم طور پر بغیر کھولے بات کرنا۔ ﴿وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ﴾ (2/البقرہ:235) ’’اور کوئی گناہ نہیں تم پر اس میں جو تم اشارے کنائے میں پیغام دو خواتین کے نکاح کا۔‘‘

اَلْمَلٰٓئِكَةِ (م ل ك): الفاتحہ آیت 3 دیکھیں۔ قَالَ (ق و ل): البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔

ن ب ء

(ف) نَبَاءً — آہستہ آواز نکالنا۔ خبر دینا۔

نَبَأٌ — ج: اَنْبَاءٌ۔ اسم ذات ہے۔ عظیم خبر۔ حقیقت۔ عربی زبان میں نَبَأٌ اس خبر کو کہتے ہیں جس میں مندرجہ ذیل خصوصیات ہوں۔ (1) وہ نہایت مفید ہو۔ (2) اس سے صحیح علم اور یقین حاصل ہو۔ (3) اور وہ جھوٹ سے پاک ہو۔ یہ تین چیزیں جب کسی خبر میں ہوں، تب وہ نَبَأٌ کہلاتی ہے۔ عربی میں غیر اہم خبر کو نَبَأٌ نہیں کہتے۔ ﴿قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ۙ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ﴾ (38/صٓ:67-68) ’’آپؐ کہیے یہ ایک عظیم خبر ہے۔ تم لوگ جس سے بے رخی برتتے

والے ہو''۔ ﴿ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ﴾(3/آل عمران:44)''یہ غیب کی خبروں میں سے ہے، ہم وحی کرتے ہیں اسکو آپ ﷺ کی طرف۔''

(افعال) اِنْبَاءً کسی کو خبر دینا۔ بتا دینا۔ ﴿ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ﴾(2/البقرہ:33)''تو جب انہوںؑ نے بتا دیا ان کو ان چیزوں کے نام۔''

اَنْۢبِئْ فعل امر ہے۔ تو بتا دے۔ ﴿ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ﴾(2/البقرہ:33)''اللہ تعالیٰ نے کہا اے آدمؑ آپؑ بتا دیجئے ان کو ان چیزوں کے نام۔''

(تفعیل) تَنْبِيْئًا بتا دینا۔ جتا دینا۔ ﴿ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ﴾(9/التوبۃ:94)''ہم کو بتا دی ہیں اللہ نے تمہاری خبریں۔''

نَبِّئْ فعل امر ہے۔ تو بتا دے۔ ﴿ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّىْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ ﴾(15/الحجر:49)''آپ ﷺ بتا دیجئے میرے بندوں کو کہ میں ہی غفور و رحیم ہوں۔''

(استفعال) اِسْتِنْبَاءً کسی سے خبر پوچھنا۔ ﴿ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ﴾(10/یونس:53)''اور وہ آپؐ سے پوچھتے ہیں کہ کیا عذاب واقعی سچ ہے۔''

صٰدِقِيْنَ (ص د ق): البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔

ترکیب

'' وَ'' استئنافیہ ہے اور عَلَّمَ کا فاعل اس میں شامل هُوَ کی ضمیر ہے جو رب کے لئے ہے، اٰدَمَ اس کا مفعول اوّل اور اَلْاَسْمَآءَ مفعول ثانی ہے۔ اَسْمَآءَ دراصل مضاف تھا لیکن اس پر لام جنس آنے کی وجہ سے اس کا مضاف الیہ اَلْاَشْيَآءِ محذوف ہو گیا۔ كُلَّهَا لام جنس کی وضاحت اور تاکید کے لئے آیا ہے اور اَلْاَسْمَآءَ کا بدل ہے، اسی لئے كُلَّ حالت نصب میں ہے اور اس کے ساتھ هَا کی ضمیر اَلْاَشْيَآءِ کے لئے ہے۔

عَرَضَ کا فاعل بھی رب ہے اور اس کا مفعول هُمْ کی ضمیر ہے اور عَلَى الْمَلٰٓىِٕكَةِ متعلق فعل ہے۔ عَرَضَهُمْ میں ''هُمْ''، ضمیر کے متعلق مولانا عبد الماجدؒ فرماتے ہیں:''سوال یہ ہے کہ کیا چیز اب فرشتوں کے سامنے پیش کی جارہی ہے؟ اگر چیزوں کے محض نام مراد ہوتے تو لفظ قرآنی عرضھا ہوتا۔ ضمیر هُمْ ذوی العقول کے لیے ہے اور غیر ذوی العقول ضمناً و تبعاً اس میں شامل ہو جائیں گے۔ یہ دلیل ہے اس پر کہ پیش صرف نام نہیں ہو رہے تھے بلکہ اصل موجودات۔ گویا پہلے صورت مثالی سے حضرت آدمؑ کو تمام مخلوقات کے نام اور خواص سے اطلاع بخشی گئی، پھر خود ان مخلوقات و موجودات کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا گیا''۔ اَنْۢبِـُٔوْا فعل امر ہے اور اس میں فاعل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے جو کہ اَلْمَلٰٓىِٕكَةِ کے لئے ہے اور اس کا مفعول نِيْ کی ضمیر ہے جو کہ رب کے لئے ہے۔ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ میں اَسْمَآءِ مضاف ہے اور بِ کی وجہ سے مجرور ہے۔ جبکہ هٰٓؤُلَآءِ مضاف/مضاف الیہ ہے اور اس کے آگے اَلْاَشْيَآءِ محذوف ہے۔ یعنی بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ الْاَشْيَآءِ۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ جملہ شرطیہ ہے۔ اس سے پہلے کا جملہ اس کا جواب شرط ہے۔ صٰدِقِيْنَ، كَانَ کی خبر کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔ (واللہ اعلم)

ترجمہ
البقرۃ:31

ثُمَّ عَرَضَهُمْ	الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا	اٰدَمَ	وَعَلَّمَ
پھر اس نے پیش کیا ان کو	تمام (چیزوں) کے ناموں کی	آدمؑ کو	اور اس نے تعلیم دی

اِنْ كُنْتُمْ	بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ	اَنْۢبِـُٔوْنِيْ	فَقَالَ	عَلَى الْمَلٰٓىِٕكَةِ
اگر تم لوگ ہو	ان (چیزوں) کے نام	تم لوگ بتاؤ مجھ کو	تو کہا	فرشتوں پر

صٰدِقِيْنَ ۝
سچے

نوٹ۔1 جب ہم کسی شخص کا کوئی نام رکھتے ہیں، جیسے آصف یا جمیل وغیرہ، تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس شخص کو دوسرے انسانوں سے ممتاز کیا جائے تاکہ اس کی شناخت میں آسانی ہو۔ اسی مقصد کے تحت پالتو جانوروں کے بھی نام رکھے جاتے ہیں۔ یہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ ایسے اسماء کو اسم علم کہتے ہیں۔

اب نوٹ کریں کہ اسم علم سے کسی کی شناخت میں تو آسانی ہوتی ہے لیکن نام والے کی خصوصیات کا علم نہیں ہوتا۔ مثلاً آصف سے ہم سمجھ جاتے ہیں کہ کس انسان کی بات ہو رہی ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیسا انسان ہے؟ جبکہ اسماء جنس سے نام والے کی خصوصیات ذہن میں آتی ہیں۔ مثلاً انسان، گھوڑا، طوطا، درخت، پتھر وغیرہ۔ یہ سب اسمائے جنس ہیں۔ ان میں سے جس کا نام لیا جائے گا تو اس نام کے ساتھ اس جنس کی چیزوں کی خصوصیات بھی ذہن میں آتی ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اسم جنس کے علم کے بغیر اسم علم کی نہ تو ضرورت ہے اور نہ افادیت۔ اس حوالہ سے یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اسماء جنس کی تعلیم دی گئی تھی جس میں اشیاء کی خصوصیات (PROPERTIES OF MATTER) کی تعلیم از خود شامل ہے۔ واللہ اعلم (از لطف الرحمٰن خان صاحب)

آیت: 32

﴿ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۞ ﴾

قَالُوْا (ق و ل): البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ سُبْحٰنَكَ (س ب ح): البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔
عِلْمٌ، عَلَّمْتَ، اَلْعَلِيْمُ (ع ل م): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

ح ك م

(ن) **حُكْمًا** کسی چیز کا پختہ یا مضبوط ہونا۔ اس مفہوم کے ساتھ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً پختہ فیصلہ کرنا۔ حکم دینا۔ ﴿ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ (2/البقرۃ:113) ”تو اللہ فیصلہ کرے گا ان کے درمیان قیامت کے دن۔“

اُحْكُمْ فعل امر ہے۔ تو فیصلہ کر۔ تو حکم دے۔ ﴿ اِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ ﴾ (5/المآئدہ:42) ”اور اگر آپؐ فیصلہ کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ کریں ان کے درمیان انصاف سے۔“

حَاكِمٌ ج: حَاكِمُوْنَ۔ حُكَّامٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ فیصلہ کرنے والا۔ حکم دینے والا۔ ﴿ وَ هُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۞ ﴾ (7/الاعراف:87) ”اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔“ ﴿ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ ﴾ (2/البقرۃ:188) ”اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا آپس میں ناحق اور نہ پہنچاؤ اُن کو حاکموں تک۔“ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

حَكَمٌ سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ ماہر حاکم۔ صحیح فیصلہ کرنے والا منصف۔ واحد اور جمع سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ”حَكَمٌ (منصف) ماہر حاکم کو کہا جاتا ہے۔ اس لیے اس میں لفظ حاکم سے زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے۔“ ﴿ فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ ﴾ (4/النساء:35) ”تو تم لوگ کھڑا کرو ایک منصف مرد کے گھر والوں سے اور ایک منصف عورت کے گھر والوں سے۔“ ﴿ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا ﴾ (6/الانعام:114) ”(آپؐ اُن سے پوچھیے) کیا اللہ کے سوا میں تلاش کروں کوئی اور منصف۔“ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ”حَكَمٌ اور حاکم کا ایک ہی معنی ہے فیصلہ کرنے والا۔ لیکن فرق یہ ہے کہ حاکم ہر فیصلہ کرنے والے کو کہتے ہیں صحیح کرے یا غلط۔ لیکن حَكَمٌ صرف صحیح فیصلہ کرنے والے کو کہتے ہیں۔“ (ضیاء القرآن، ج ا، ص ۵۹۴)

اَحْكَمُ اَفْعَلُ التَّفْضِيْل ہے۔ زیادہ پختہ فیصلہ کرنے والا۔ ﴿ وَ اَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ۞ ﴾ (11/ھود:45) ”اور تو فیصلہ کرنے والوں میں سب سے پختہ فیصلہ کرنے والا ہے۔“

حُکۡمٌ
اسم ذات ہے اور قرآن مجید میں مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔
(1) پختہ فیصلہ، حکم۔﴿ وَّ لَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴾(18/الکہف:26)''اور وہ شریک نہیں کرتا اپنے فیصلے میں کسی ایک کو بھی۔''
(2) حکمت۔ حُکۡمٌ کا لفظ حکمت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''ہر حکمت کو حکم کہہ سکتے ہیں لیکن ہر حکم کو حکمت نہیں۔'' قرآن مجید میں کئی آیات میں حُکۡمٌ کا ترجمہ ''حکمت'' سے کیا گیا ہے مثلاً: ﴿ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ﴾(3/آل عمران:79)''کسی بشر سے یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ تو اُسے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کرے۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ﴾(6/الانعام:89)''یہ تو وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کی تھی۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔ وغیرہ۔ اور حدیث میں فرمایا گیا: ''اَلصَّمْتُ حُكْمٌ وَ قَلِيْلٌ فَاعِلُهٗ'' ''خاموشی حکمت ہے لیکن تھوڑے لوگ اس پر عمل کرتے ہیں۔''
(3) دنیاوی حکومت اور اقتدار۔﴿ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ﴾(12/یوسف:22)''اور جب وہ اپنی پختگی کو پہنچے ہم نے اُنہیں حکومت اور علم عطا فرمایا۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجدؒ فرماتے ہیں: ''حکم سے عام طور پر دنیوی قوت واقتدار اور علم سے مراد نبوت لی گئی ہے۔''
(4) سمجھ بوجھ، فہم، وحی، نبوت۔﴿ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴾(19/مریم:12)''اے یحییٰؑ کتاب کو مضبوط پکڑ و اور ہم نے اُن کو لڑکپن ہی میں سمجھ دے دی تھی۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجدؒ فرماتے ہیں: ''حکم کے معنی نبوت بھی ہو سکتے ہیں اور حکمت، شریعت، عقل وفہم بھی۔ بہرحال حکم کے تحت میں علمی و ذہنی کمالات آ گئے۔'' آگے لکھتے ہیں: ''فقیہ جلیل ابن العربی مالکیؒ نے لکھا ہے کہ حکم کے یہاں تین معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک وحی دوسرے نبوت، تیسرے اس کی معرفت اور اس پر عمل اور یہ تینوں معنی درست ہو سکتے ہیں، صغر سنی میں نزول وحی اور مکاشفہ ملائکہ جائز ہیں۔''(احکام القرآن، بحوالہ تفسیر ماجدیؒ، ۶۵۱)

حِكۡمَةٌ
اسم ذات ہے۔ دانائی۔ صحیح بصیرت۔ صحیح قوتِ فیصلہ۔ حکمت کہتے ہیں عقل اور تَفَقُّہ کی اس پختگی کو جس سے انسان درست نتیجے یا صحیح رائے تک پہنچ جائے اور معاملات کا فیصلہ حق کے مطابق کرے۔ جس طرح معاملات کا فیصلہ حق کے مطابق کرنا، حکمت کے ثمرات میں سے ہے اسی طرح اخلاق کی پاکیزگی اور تہذیب بھی اس کے ثمرات میں سے ہے۔ چنانچہ اہل عرب حکمت کا لفظ انسان کی اس قوت وصلاحیت کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں جو عقل و رائے کی پختگی اور شرافت و اخلاق کی جامع ہوتی ہے۔﴿ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاۗءُ ﴾(2/البقرۃ:269)''وہ عطا کرتا ہے دانائی جس کو وہ چاہتا ہے۔''﴿ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ﴾(2/البقرۃ:129)''اور اے ربّ، ان لوگوں میں خود انہی کی قوم سے ایک رسول اٹھائیو، جو انہیں تیری آیات سنائے، ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کو پاک صاف کرے۔'' اس آیت مبارکہ میں تعلیم حکمت کے معنی پر مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں: ''یہاں یہ امر ملحوظ رکھنا چاہیے کہ حکمت چونکہ حکیمانہ بات کو بھی کہتے ہیں اور حکیمانہ بات کہنے کی صلاحیت کو بھی، اس وجہ سے تعلیم حکمت کے معنی جس طرح کسی کو کوئی حکیمانہ بات بتا دینے کے ہیں اسی طرح اس کے معنی لوگوں کے اندر حکمت کی صفت وصلاحیت پیدا کرنے کے بھی ہیں۔''(تدبر قرآن، ج ۱، ص ۳۴۱) اور اسی آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''حکمت کہتے ہیں وَضْعُ الْاَشْيَاءِ عَلٰى مَوَاضِعِهَا۔ ہر چیز کو اپنے محل اور موقع پر رکھنا۔

یہاں الحکمۃ کا لفظ جو مذکور ہے اس سے مراد احکامِ قرآنی کی ایسی تفصیل اور ان کا ایسا بیان ہے جسے جاننے کے بعد انسان ان احکام کی ایسی تعمیل کر سکے جیسے قرآن نازل کرنے والے خدا کا منشا ہے۔ اور نبی کے فرائض میں صرف یہی نہیں کہ قرآن سکھا دے بلکہ اس کا صحیح بیان اور تفصیل بھی سکھائے تاکہ قرآن پر اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق عمل ہو سکے اور اسی حکمت یعنی بیان قرآن کو سنت نبویؐ کہا جاتا ہے۔'' (ضیاء القرآن، ج۱، ص۹۵)۔ مفتی محمد شفیعؒ حکمت کے لفظ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: ''حکمت کا لفظ قرآنِ پاک میں کئی مرتبہ آیا ہے اور ہر جگہ اس کی تفسیر میں مختلف معنی بیان کیے گئے ہیں۔ جو کہ سب ٹھیک ہیں صرف تعبیرات کا فرق ہے۔ تفسیر بحر محیط میں ہے والْحِكْمَةُ وَضْعُ الْاُمُوْرِ فِيْ مَحَلِّهَا عَلَى الصَّوَابِ وَ كَمَالُ ذٰلِكَ اِنَّمَا يَحْصَلُ بِالنُّبُوَّةِ۔ یعنی حکمت کے اصل معنی ہر شے کو اِس کے صحیح محل (جگہ) میں رکھنے کے ہیں اور اِس کا کمال صرف نبوت سے حاصل ہوسکتا ہے۔ اس مفہوم کی تعبیریں مختلف الفاظ میں کی گئی ہیں۔ مثلاً قرآن، حدیث وسنت، نبوت، عمل صالح، صحیح علم، عقل سلیم، تفقہ فی الدین اور کہیں خشیت الٰہی۔ آخری معنوں میں تو خود حدیث شریف میں فرمایا: رَأْسُ الْحِكْمَةِ خَشْيَةُ اللهِ۔ یعنی اصل حکمت اللہ سے ڈرنا ہے۔ بہر حال حکمت سے مراد یہ سب چیزیں ہیں اور ظاہر یہی قول ہے۔ اور آیت کریمہ ﴿وَ مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ﴾ سے بھی اس کی طرف اشارہ نکلتا ہے۔ (واللہ اعلم)۔ (معاف القرآن، ج۱، ص۱۴۲، تلخیصًا)۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حکمت بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کی گئی۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَّ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَ الْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ﴾ (2/البقرۃ:231) ''اور یاد کرو اللہ کا احسان جو تم پر ہے اور اُس کو کہ جو اتاری تم پر کتاب اور علم کی باتیں کہ تم کو نصیحت کرتا ہے اُس کے ساتھ۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿وَ اَنْزَلَ اللهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ﴾ (4/النساء:113) ''اور اللہ نے اتاری تجھ پر کتاب اور حکمت۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

حَكِيْمٌ فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ دانا۔ حکمت والا۔ ﴿اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۸۳﴾﴾ (6/الانعام:83) ''بیشک تیرا رب دانا علم والا ہے۔''

(افعال) **اِحْكَامًا** کسی چیز کو یوں پختہ کرنا کہ اُس میں نقص کا گمان تک نہ رہے۔ مضبوط کرنا۔ ﴿كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ﴾ (11/ھود:1) ''یہ ایک کتاب ہے، پختہ کیا گیا اس کی آیات کو۔''

مُحْكَمٌ اسم المفعول ہے۔ مذکر۔ مضبوط یا پختہ کیا ہوا۔

مُحْكَمَةٌ ج: مُحْكَمَاتٌ۔ اسم المفعول ہے۔ مؤنث۔ مضبوط یا پختہ کی ہوئی۔ ﴿فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ﴾ (47/محمد:20) ''پھر جب کوئی صاف مطلب والی سورت نازل کی جاتی ہے۔'' ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ﴾ (3/آل عمران:7) ''وہ ہے جس نے نازل کی آپ ﷺ پر کتاب، اس میں ہیں پختہ کی ہوئی آیات۔'' اس آیت کے تحت صاحبِ ضیاء القرآن فرماتے ہیں: ''محکم کی تعریف امام راغبؒ نے یہ کی ہے فَالْمُحْكَمُ مَا لَا يَعْرِضُ فِيْهِ شُبْهَةٌ مِّنْ حَيْثُ اللَّفْظِ وَلَا مِنْ حَيْثُ الْمَعْنٰى (مفردات) محکم آیت وہ ہے جس کا مفہوم واضح اور بیّن ہو اس کے لفظ یا معنی کے اعتبار سے اس پر کسی قسم کا شبہ نہ وارد ہوسکتا ہو۔'' (ضیاء القرآن، ج۱، ص۲۰۹)۔ اصطلاح شرع میں محکم بمقابلہ منسوخ استعمال ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

(تفعیل) **تَحْكِيْمًا** کسی کو حاکم تسلیم کرنا۔ ﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ (4/النساء:65) ''پس نہیں! آپ ﷺ کے رب کی قسم، وہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ وہ آپ ﷺ کو حاکم تسلیم کریں اس میں جس میں جھگڑتے ہیں باہم۔''

(تفاعل) تَحَاکُمًا باہمی جھگڑے کو کسی حاکم کے پاس فیصلے کے لیے لے جانا۔ ﴿ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْٓا اِلَی الطَّاغُوْتِ ﴾(4/النساء: 60)''وہ لوگ چاہتے ہیں کہ فیصلے کیلئے جائیں طاغوت کے پاس۔''

ترکیب

قَالُوْا کا فاعل اس میں شامل ھُمْ کی ضمیر ہے جو گذشتہ آیت میں اَلْمَلٰٓئِکَۃِ کے لئے ہے۔ سُبْحٰنَکَ سے پہلے فعل محذوف ہے جو کہ نُسَبِّحُ ہوسکتا ہے اور سُبْحَانَ اس کا مفعول مطلق ہے اور ضمیر کَ اس کا مضاف الیہ ہے۔ لَا عِلْمَ میں 'لَا' لائے نفی جنس ہے اور عِلْمَ اس کا اسم ہے۔ اسی لئے عِلْمَ تنوین کے بغیر نصب میں ہے۔ لَنَا، متعلق ہے محذوف خبر کے۔ آگے اِلَّا حرف استثناء ہے اور 'مَا' اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ عَلَّمْتَنَا اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مستثنیٰ ہیں۔ ان کو لَا عِلْمَ کا بدل بھی مانا گیا ہے۔ اِنَّکَ میں ضمیر کَ اِنَّ کا اسم ہے۔ اِنَّ اپنے اسم کو نصب دیتا ہے اس لئے ضمیر مرفوعہ اَنْتَ کے بجائے ضمیر منصوبہ کَ آئی ہے۔ اَنْتَ ضمیر فاصل ہے اور تاکید کے لیے ہے۔ اَلْعَلِیْمُ خبر اوّل ہے اِنَّ کی اور اَلْحَکِیْمُ خبر ثانی ہے اِنَّ کی۔ (واللہ اعلم)۔

ترجمہ
البقرۃ:32

قَالُوْا	سُبْحٰنَکَ	لَا عِلْمَ لَنَآ	اِلَّا مَا
اُن (فرشتوں) نے کہا	تو پاک ہے (ہر عیب سے)	ہمیں کوئی علم ہے ہی نہیں	مگر جو

عَلَّمْتَنَا ؕ	اِنَّکَ اَنْتَ	الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ۝۳۲
تو نے سکھایا ہم کو	بیشک تو ہی	جاننے والا، دانا ہے

آیت: 33

﴿ قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۚ فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۙ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝۳۳ ﴾

قَالَ اور متعلقہ صیغے (ق و ل): البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ اٰدَمُ (ء د م): البقرۃ آیت 31 دیکھیں۔
اَنْبِئْ اور اَنْبَاَ (ن ب ء): البقرۃ آیت 31 دیکھیں۔ اَسْمَاءٌ (س م و): آیت بسم اللہ دیکھیں۔ لَمَّا: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔
اَعْلَمُ (ع ل م): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ غَیْبٌ (غ ی ب): البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ سَمٰوٰتٌ (س م و): آیت بسم اللہ دیکھیں۔
اَلْاَرْضِ (ء ر ض): البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔

ب د و

(ن) بَدْوًا، بَدَاءً اور بَدَاوَۃً (1) کسی چیز کا ظاہر ہونا۔ (2) صحرا میں رہنا (عمارت وغیرہ کی رکاوٹ نہ ہونے کی وجہ سے صحرا میں ہر چیز ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ صحرا میں رہنا بھی ظاہر ہونے کے مترادف ہے)۔ اس کی ضد حَضَارَۃ ہے ایک دیہاتی صحابی زاہرؓ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''ھُوَ بَادِیَتُنَا وَ نَحْنُ حَاضِرُوْهُ۔ زاہر ہمارا دیہاتی یا صحرائی (دوست) ہے اور ہم اس کے شہری (دوست) ہیں۔''

(1) ﴿ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا یُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ ﴾(6/الانعام:28)''بلکہ ظاہر ہوا ان کے لئے وہ جو وہ لوگ چھپاتے تھے اس سے پہلے۔'' (2) دوسرے مفہوم میں فعل استعمال نہیں ہوا۔

	بَادٍ	ج: بَادُوْنَ۔ فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔صحرا میں رہنے والا۔صحرا نشین ۔﴿وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِیْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِیْهِ وَالْبَادِ ؕ﴾ (22/الحج:25)''اور مسجد حرام جس کو بنایا ہم نے لوگوں کیلئے برابر ہے اس میں رہنے والا اور باہر سے آنے والا''﴿وَاِنْ یَّاْتِ الْاَحْزَابُ یَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِی الْاَعْرَابِ﴾ (33/الاحزاب:20)''اور اگر آجاتے لشکر تو وہ لوگ آرزو کرتے کہ کاش وہ لوگ صحرانشین ہوتے دیہاتوں میں۔''
	بَدْوٌ	اسم ذات ہے۔صحرا۔ دیہات۔ ہر وہ مقام جہاں کی سب چیزیں ظاہر ہوں بَدْوٌ کہلاتا ہے۔﴿وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ﴾(12/یوسف:100)''اور وہ یعنی اللہ تعالیٰ لایا تم لوگوں کو صحرا سے۔''
(افعال)	اِبْدَاءً	ظاہر کرنا۔﴿قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ یَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ﴾(3/آل عمران:29)''آپ ﷺ کہیے اگر تم لوگ خفیہ رکھو اس کو جو تمہارے سینوں میں ہے یا ظاہر کرو اس کو، جانتا ہے اس کو اللہ۔''
	مُبْدٍ	اسم الفاعل ہے۔ظاہر کرنے والا۔﴿وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ﴾(33/الاحزاب:37)''اور تم خفیہ رکھتے ہو اپنے جی میں وہ جو اللہ ظاہر کرنے والا ہے۔''

كُنْتُمْ (ك و ن): البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔

ك ت م

(ن)	كِتْمَانًا	کوئی بات یا چیز چھپانا۔''کتمان کا اطلاق اس اخفاء (چھپانے) پر ہوتا ہے جو قصداً کیا جائے اور اس موقع پر جہاں اظہار ضروری ہو'' (ماجدیؒ)۔گویا حق بات کو جان بوجھ کر چھپانے کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔﴿وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾﴾(2/البقرہ:146)''اور بیشک ایک فریق ہے ان میں، وہ لوگ چھپاتے ہیں حق کو اس حال میں کہ وہ جانتے ہیں۔''

ترکیب

قَالَ کا فاعل اس میں شامل هُوَ کہ ضمیر ہے جو رب کے لئے ہے۔یَا حرف ندا ہے اور اٰدَمُ ، مُنَادٰی۔ اَنْۢبِئْهُمْ میں اَنْۢبِئْ فعل امر ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتَ کی ضمیر ہے جو حضرت آدمؑ کے لیے ہے۔ اور هُمْ ضمیر مفعولی، فرشتوں کے لئے ہے۔آگے بِاَسْمَآئِهِمْ متعلق فعل ہے۔اور یہ هِمْ ضمیر اشیاء کے لئے ہے۔اشیاء میں چونکہ عاقل اور غیر عاقل تمام مخلوقات شامل تھیں۔اس لئے اشیاء کے لئے هَا کے بجائے هُمْ ضمیر عاقل مخلوقات کی رعایت سے آئی ہے۔فَلَمَّا میں لَمَّا حرف شرط ہے جو ماضی کے دو جملوں پر آتا ہے یہاں جملہ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ جملہ شرطیہ ہے اور قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ سے لے کر آخیر تک جواب شرط ہے۔ اَنْۢبَاَهُمْ میں اَنْۢبَاَ کی ضمیر فاعلی حضرت آدمؑ کے لیے ہے اور هُمْ ضمیر مفعولی، فرشتوں کے لیے ہے۔ بِاَسْمَآئِهِمْ متعلق فعل ہے۔ قَالَ کی ضمیر فاعلی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔آگے اَ۔استفہامیہ ہے اور لَمْ جوازم مضارع میں سے ہے اور اَقُلْ مضارع مجزوم ہے۔ لَكُمْ متعلق فعل ہے۔ اِنِّیْ میں یْ ضمیر اِنَّ کا اسم ہے اور اگلا جملہ اِنَّ کی خبر ہے۔اِس میں اَعْلَمُ مضارع کا واحد متکلم کا صیغہ ہے اور غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اس کا مفعول ہے۔ 'وَ' عطف کا ہے۔ اَعْلَمُ۔مضارع کا واحد متکلم کا صیغہ ہے۔ 'مَا' اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ تُبْدُوْنَ اس کا صلہ ہے اور صلہ اور موصول مل کر مفعول ہے اَعْلَمُ کا آگے 'وَ' عطف کا ہے اور 'مَا' اسم موصول ہے كُنْتُمْ میں كَانَ کا اسم اِس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے اور جملہ فعلیہ تَكْتُمُوْنَ، كَانَ کی خبر ہے اور یہ جملہ صلہ ہے 'مَا' کا اور اسم موصول اور صلہ عطف ہے جملہ ماقبل پر۔(واللہ اعلم)۔

ترجمہ
البقرۃ:33

قَالَ	یٰۤاٰدَمُ	اَنْۢبِئْهُمْ	بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۚ	فَلَمَّاۤ	اَنْۢبَاَهُمْ
اس (اللہ تعالیٰ) نے کہا	اے آدمؑ	آپؑ بتائیں ان (فرشتوں) کو	ان (چیزوں) کے نام	تو جب	انہوںؑ نے بتایا ان (فرشتوں) کو

بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۙ	قَالَ	اَلَمْ اَقُلْ	لَّكُمْ	اِنِّیْۤ اَعْلَمُ
ان (چیزوں) کے نام	اس (اللہ تعالیٰ) نے کہا	کیا میں نے نہیں کہا تھا	تم سے	کہ یقیناً میں جانتا ہوں

غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ	وَاَعْلَمُ	مَا	تُبْدُوْنَ
آسمانوں اور زمین کے غیب کو	اور میں جانتا ہوں	وہ جو	تم لوگ ظاہر کرتے ہو

وَمَا	كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾
اور وہ جو	تم لوگ چھپایا کرتے ہو

آیت:34

﴿ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۳۴﴾ ﴾

اِذْ: البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔ قُلْنَا (ق و ل): البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ اَلْمَلٰٓىِٕكَةُ (م ل ك): الفاتحہ آیت 3 دیکھیں۔

س ج د

(ن) **سُجُوْدًا** اس کے لفظی معنی ہیں جھکنا اور عاجزی اختیار کرنا۔ جھکنے کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔ کسی کے سامنے تعظیماً کمر کو خم دے کر سر کو جھکا دینا بھی جھکنا ہے، جیسے رکوع میں ہوتا ہے اور پیشانی اور ناک کو زمین پر رکھ دینا بھی جھکنا ہے، جسے سجدہ کہتے ہیں اور یہ جھکنے کی انتہا ہے۔ اصطلاح شرع میں اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی عظمت کے اعتراف میں، اس کی عبادت کی خاطر ناک اور پیشانی کو زمین پر رکھ دینا۔ سجدہ کرنا۔ نماز کا ایک اہم رکن ہے۔ ﴿ فَسَجَدَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ ﴾ (15/الحجر:30) ''چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔'' ﴿ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ ﴾ (7/الاعراف:12) ''کس چیز نے منع کیا تجھ کو کہ تو سجدہ نہ کرے جب میں نے حکم دیا تجھ کو۔'' سجدہ کرنا کسی کی تعظیم کے لیے بھی ہو سکتا ہے، جسے سجدۂ تعظیمی کہتے ہیں اور کسی کی عبادت کرنے کے لیے بھی جسے سجدۂ عبادت کہتے ہیں۔ سجدۂ تعظیمی، پہلے انبیاء کی شریعت میں بڑوں کی تعظیم کے لیے جائز تھا۔ ہماری شریعت مطہرہ میں یہ حرام ہے (نہ صرف سجدہ تعظیمی، بلکہ غیر اللہ کے لیے رکوع اور بہیئت نماز ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کو بھی ناجائز قرار دیا گیا ہے)۔ ہماری شریعت میں صرف سجدۂ عبادت ہے اور وہ بھی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے۔ لغوی معنی کے لحاظ سے قرآن مجید میں یہ لفظ ساری مخلوق پر بھی بولا گیا ہے۔ مثلاً: ﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ ﴾ (22/الحج:18) ''کیا تو نے دیکھا نہیں کہ اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہیں سب، آسمانوں میں اور سب، زمین میں۔'' جس کو سجدہ کیا جائے اس پر ''لام'' کا صلہ آتا ہے۔ اس نے اللہ کو سجدہ کیا، اس جملے کی عربی سَجَدَ اللّٰهَ کرنا غلط ہے۔ صحیح عربی ہوگی سَجَدَ لِلّٰهِ (واللہ اعلم)۔

سَجْدَةٌ ج: سُجُوْدٌ۔ اسم ذات ہے۔ سجدہ۔ ﴿ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ﴾ (48/الفتح:29) ''ان کی علامت ان کے چہروں پر ہے سجدوں کے اثر سے۔''

اُسْجُدْ ج: اُسْجُدُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو سجدہ کو۔﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَ اسْجُدُوْا وَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ ﴾(22/الحج:77) ''اے ایمان والوتم رکوع کرواور سجدہ کرواور بندگی کرواپنے رب کی۔''

سَاجِدٌ ج: سَاجِدُوْنَ، سُجَّدٌاور سُجُوْدٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ سجدہ کرنے والا۔﴿ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیْلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا یَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَ یَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ﴾(39/الزمر:9)''بھلا جو شخص راتوں کے اوقات سجدے اور قیام کی حالت میں عبادت میں گزارتا ہو، آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کی اُمید رکھتا ہو۔''﴿السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ﴾(9/التوبۃ:112)''سجدہ کرنے والے،حکم دینے والے بھلائی کا۔''﴿وَ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا﴾(2/البقرۃ:58)''اورتم لوگ داخل ہو دروازے میں سجدہ کرنے والوں کی حالت میں۔''﴿ وَ الْعٰكِفِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾﴾ (2/البقرۃ:125) ''اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لیے۔''(نوٹ: سُجُوْدٌ مصدر بھی ہے مطلب ہے جھکنا، یہ سِجْدَةٌ کی جمع بھی ہے مطلب ہے سجدے اور سَاجِدٌ کی جمع بھی ہے مطلب ہے سجدے کرنے والے۔ واللہ اعلم)۔

مَسْجِدٌ ج: مَسَاجِدُ۔ اسم ظرف مکان بھی ہے اور اسم ظرف زمان بھی۔ چنانچہ اس کا مطلب سجدہ کرنے کی جگہ کے بھی ہیں اور سجدہ کرنے کے وقت، یعنی نماز کے وقت کے بھی ہیں۔ مسجد کے معنیٰ بطور ظرف مکان کے تو جانے پہچانے ہیں ہی، قرآن مجید میں یہ لفظ بطور ظرف زمان بھی استعمال ہوا ہے، چنانچہ فرمایا:﴿وَ اَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ﴾ (7/الاعراف:29)''اور تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھا کرو۔''(ترجمہ ماجدیؒ) اس آیت کی حاشیے میں مولانا عبدالماجدؒ فرماتے ہیں:''مسجد ظرف زمان ومکان دونوں ہے۔ معنی سجدہ کے وقت کے بھی ہیں اور سجدہ کی جگہ کے بھی۔ یہاں مراد اوّل الذکر یعنی سجدہ کے وقت سے لی گئی ہے۔''﴿وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾﴾ (72/الجن:18)''اور یہ کہ مسجدیں اللہ کے لئے ہیں پس تم لوگ مت پکارو اللہ کے ساتھ کسی ایک کو بھی۔''،بعض علماء کے نزدیک مساجد اسم آلہ کی جمع ہے بمعنی سجدے کے آلہ و ذریعہ بننے والے اعضاء یعنی پیشانی، ناک، دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں، دونوں زانو۔ (واللہ اعلم)۔

اٰدَمُ (ء د م): البقرۃ آیت 31 دیکھیں۔

اِلَّا مگر، سوائے۔ یہ حرف استثناء ہے۔ نحو کی اصطلاح میں استثناء سے مراد ہے کہ حرف استثناء کے ماقبل کے جملے میں جو حکم ہے (نفی یا اثبات) اس حکم سے مابعد کو خارج کر دینا یعنی یہ بتلانا کہ مابعد کا حکم ماقبل کے خلاف ہے۔

کسی کلام میں جب اِلَّا کے ذریعے استثناء کیا جاتا ہے تو اس کے کچھ قواعد ہیں۔ انہیں سمجھنے سے پہلے دو اصطلاحات سمجھ لیں۔ ہم کہتے ہیں ''پوری قوم آئی سوائے زید کے''۔ اس میں زید کو قوم سے الگ کیا گیا ہے۔ اب نوٹ کر لیں کہ جس سے کسی کو الگ کیا جاتا ہے اسے مستثنیٰ منه کہتے ہیں اور جس کو الگ کیا جاتا ہے اسے مستثنیٰ کہتے ہیں۔ چنانچہ مذکورہ جملے میں قوم مستثنیٰ منه ہے اور زید مستثنیٰ ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مستثنیٰ منه اور مستثنیٰ ایک ہی جنس کے ہوں تو اسے مستثنیٰ متصل کہتے ہیں۔ جیسے مذکورہ جملے میں قوم اور زید کی جنس ایک ہی ہے اس لئے یہ مستثنیٰ متصل کی مثال ہے۔ لیکن اگر ہم کہیں تمام گھوڑے آئے سوائے گدھے کے، تو اس میں مستثنیٰ منه گھوڑے کی جنس الگ ہے اور مستثنیٰ گدھے کی جنس الگ ہے۔ اسے مستثنیٰ منقطع کہتے ہیں اب قواعد نوٹ کریں۔

(۱) مستثنیٰ متصل میں اگر کلام مثبت ہو (یعنی نفی اور استفہام نہ ہو) اور مستثنیٰ منه (جو کہ اِلَّا سے پہلے ہوگا) مذکور ہو تو مستثنیٰ ہمیشہ حالت نصب میں ہوگا۔ مثلاً جَاءَ الْقَوْمُ اِلَّا زَیْدًا۔ اس میں کلام مثبت ہے اور مستثنیٰ منه ''اَلْقَوْمُ'' مذکور ہے اس لئے مستثنیٰ زَیْدًا حالت نصب میں آیا ہے۔

(۲) مستثنیٰ متصل میں اگر کلام منفی ہو اور مستثنیٰ منه مذکور ہو تو ایسی صورت میں مستثنیٰ کو حالت نصب میں بھی لا سکتے ہیں اور جملے میں اس کی حالت کے

مطابق اعراب بھی لگا سکتے ہیں۔ مثلاً مَاجَآءَ الْقَوْمُ اِلَّا زَيْدًا بھی درست ہے اور چونکہ اس جملے میں زید فاعل ہے اس لئے اِلَّا زَيْدٌ بھی درست ہے۔

(۳) مستثنیٰ متصل میں اگر کلام منفی ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو پھر اِلَّا کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور مستثنیٰ پر اعراب جملے میں اس کی حالت میں مطابق لگایا جاتا ہے جیسے مَاجَآءَ اِلَّا زَيْدٌ ۔اس میں زَيْدٌ فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور مَاضَرَبْتُ اِلَّا زَيْدًا میں زَيْدًا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

(۴) مستثنیٰ منقطع میں جس کو مستثنیٰ کیا جاتا ہے وہ حالت نصب میں آتا ہے۔ غَيْرُ اور سِوٰی بھی استثناء کے لیے استعمال ہوتے ہیں لیکن اِن کا مستثنیٰ مجرور ہوتا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے عربی کا معلم، حصہ سوم، صفحہ ۱۱۴ دیکھیں۔ (نوٹ: کبھی اِلَّا ، اِنْ شرطیہ اور لَا نافیہ کا مرکب ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَ تَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝﴾ (11/ھود:47) ''اور اگر تو نے مجھے نہ بخشا اور تو نے مجھ پر رحم نہ کیا تو میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔'')

ب ل س

(افعال) اِبْلَاسًا سخت نا امیدی کے باعث غمگین ہونا۔ مایوس ہونا۔ ثلاثی مجرد سے یہ مادہ استعمال نہیں ہوتا۔ تفہیم القرآن میں اس لفظ کی وضاحت یوں کی گئی ہے: ''بَلَس اور اِبْلَاس کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ حیرت کی وجہ سے دنگ ہو کر رہ جانا۔ خوف اور دہشت کے مارے دم بخود ہو جانا۔ رنج و غم کے مارے دل شکستہ ہو جانا۔ ہر طرف سے نا امید ہو کر ہمت توڑ بیٹھنا۔ اور اسی کا ایک پہلو مایوسی و نامرادی کی وجہ سے برافروختہ (Desperate) ہو جانا بھی ہے جس کی بنا پر شیطان کا نام ابلیس رکھا گیا ہے۔'' (تفہیم القرآن، ج ۳، ص ۲۹۴)۔ صاحبؒ تدبر قرآن فرماتے ہیں: ''اَبْلَسَ کے معنی غمگین ہونے، انکار کرنے اور مایوس ہونے کے ہیں۔'' ﴿وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝﴾ (30/الروم:12) ''اور جس دن قائم ہوگی وہ گھڑی یعنی قیامت تو شدید مایوس و غمگین ہوں گے مجرم لوگ۔''

مُبْلِسٌ اسم الفاعل ہے۔ مایوس و غمگین ہونے والا۔ ﴿اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝ۚ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ۝ۚ﴾ (43/الزخرف:74-75) ''بیشک مجرم لوگ جہنم کے عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، وہ نرم نہیں کیا جائے گا ان سے اور وہ لوگ اس میں شدید مایوس و غمگین ہوں گے۔''

اِبْلِيْسُ اِفْعِيْلُ کے وزن پر اسم صفت ہے۔ مایوس و غمگین۔ قرآن مجید میں ایک جن، شیطان کے اسم عَلَم کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ (ماجدیؒ)۔ ﴿يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۝﴾ (15/الحجر:32) ''اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ تو نہ ہوا سجدہ کرنے والوں کے ساتھ۔''

ء ب ی

(ف) اِبَاءً سختی سے انکار کرنا۔ ﴿يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ تَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ﴾ (9/التوبۃ:8) ''وہ لوگ راضی کرتے ہیں تم لوگوں کو اپنے منہ سے اور انکار کرتے ہیں ان کے دل۔'' حدیث شریف میں ہے: ''كُلُّكُمْ فِي الْجَنَّةِ اِلَّا مَنْ اَبٰى'' ''تم سب جنتی ہو مگر وہ شخص جس نے (اطاعت الٰہی سے) انکار کیا۔'' (بخاری)

ك ب ر

عربی زبان میں جس لفظ کا مادہ 'ک ب ر' ہو، اس کے مفہوم میں بڑائی کے معنی ضرور پائے جاتے ہیں۔ البتہ بڑائی کی صورتیں مختلف ہو سکتی ہیں۔

(س)(ن) **کِبَرًا**: عمر میں بڑا ہونا۔ بوڑھا ہو جانا۔ ﴿وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّ بِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ؕ﴾ (4/النساء:6) ''اور تم لوگ مت کھاؤ یتیموں کے مال بے جا اور جلدی میں کہ کہیں وہ بڑے نہ ہو جائیں۔''

(ک) **کُبَارَۃً، کِبَارَۃً، کَبَارَۃً**: اس کا مصدر مصباح اللغات میں کِبَارَۃً اور لغات القرآن میں کَبَارَۃً لکھا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔ معنوی لحاظ سے بڑا ہونا۔ رتبہ یا اہمیت میں بڑا ہونا۔ بھاری یا دشوار ہونا۔ ﴿كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ۙ﴿50﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ﴾ (17/بنی اسرائیل:50-51) ''تم لوگ ہو جاؤ پتھر یا لوہا یا کوئی چیز جو بڑی ہے تمہارے سینوں میں یعنی تمہاری سمجھ میں۔'' ﴿وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ﴾ (6/الانعام:35) ''اور اگر آپؐ پر دشوار ہے اُن کا منہ پھیرنا۔''

کِبَرٌ: اسم ذات ہے۔ بڑھاپا۔ ﴿قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ قَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ﴾ (3/آل عمران:40) ''اس نے کہا اے میرے رب کہاں سے ہوگا میرے لئے کوئی لڑکا اس حال میں کہ پہنچ چکا ہے مجھ کو بڑھاپا۔''

کِبْرٌ: اسم ذات ہے۔ بڑائی۔ بڑا۔ ﴿اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ﴾ (40/المومن:56) ''نہیں ہے ان کے سینوں میں مگر بڑائی، وہ لوگ اس تک پہنچنے والے نہیں ہیں۔'' ﴿وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿11﴾﴾ (24/النور:11) ''اور جس نے اٹھایا ہے اُس کا بڑا بوجھ اُس کے واسطے بڑا عذاب ہے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

کِبْرِیَاءُ: اسم ذات ہے۔ عظمت۔ بزرگی۔ بڑائی۔ وہ ہستی جو ہر ایک کی اطاعت سے بالاتر ہو اور ایسی ہستی صرف اللہ ہی کی پاک ذات ہے۔ اسی لیے قرآنِ مجید میں فرمایا ﴿وَ لَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۪﴾ (45/الجاثیہ:37) ''اور اُسی کے لیے بڑائی ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔'' اور حدیث قدسی میں ہے ''اَلْكِبْرِيَآءُ رِدَآئِيْ وَالْعَظَمَةُ اِزَارِيْ فَمَنْ نَازَعَنِيْ وَاحِدًا مِّنْهُمَا اَدْخَلْتُهُ النَّارَ۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَذَفْتُهٗ فِي النَّارِ۔ (رواہ مسلم)'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ذاتی بزرگی میری چادر ہے اور صفاتی عظمت میرا تہبند ہے پس جو ان دونوں میں سے کسی ایک میں میرے ساتھ جھگڑا کرے گا (یعنی جو تکبر کرے گا اور اس طرح وہ گویا میری ذات وصفات میں شرک کا ارتکاب کرے) تو میں اس کو آگ میں داخل کروں گا۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ''تو میں اس کو آگ میں پھینک دوں گا۔'' (مظاہر حق جدید، شرح مشکوٰۃ شریف، ج۴، ص ۵۸۶)۔ ﴿وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ؕ﴾ (10/یونس:78) ''اور ہو جائے تم دونوں کے لئے بڑائی زمین میں۔''

کَبِیْرٌ: ج: کُبَرَاءُ۔ اسم صفت ہے۔ بڑا۔ بھاری یا دشوار۔ ﴿لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿7﴾﴾ (35/فاطر:7) ''ان کے لئے مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے۔''۔ ﴿رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿67﴾﴾ (33/الاحزاب:67) ''اے ہمارے رب ہم نے اطاعت کی اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑوں کی تو انہوں نے گمراہ کیا ہم کو راستے سے۔'' اَلْكَبِيْرُ اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ﴿9﴾﴾ (13/الرعد:9) ''ظاہر اور پوشیدہ کا وہ عالم ہے، سب سے بڑا ہے اور سب سے بلند و بالا۔'' (نوٹ: کَبِیْرٌ کا الٹ صَغِیْرٌ ہے۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''کبیر اور صغیر اسمائے اضافیہ سے ہیں۔ جن کے معانی ایک دوسرے کے لحاظ سے متعین ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک ہی چیز دوسری کے مقابلہ میں صغیر ہوتی ہے۔ لیکن وہی شئے ایک اور کے مقابلہ میں کبیر کہلاتی ہے۔'' (مفردات القرآن، ج۲، ص۸۸۸)۔

کُبَّارٌ: کَبِیْرٌ کا صیغہ مبالغہ ہے۔ بہت بڑا۔ ﴿وَ مَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿22﴾ۚ﴾ (71/نوح:22) ''اور اُنہوں نے بڑے بڑے مکر کر ڈالے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''کَبِیْرٌ، کُبَارٌ اور کُبَّارٌ ہم معنی ہیں۔''

كَبِيْرَةٌ ج: كَبَائِرُ - كَبِيْرٌ کا مونث ہے۔﴿ مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّ لَا كَبِيْرَةً ﴾(18/الکھف:49)''کیسی ہے یہ کتاب نہیں چھوڑتی کسی چھوٹی چیز کو اور نہ ہی بڑی چیز کو۔''﴿ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ﴾ (2/البقرہ:143)''اور بیشک وہ بھاری تھی سوائے ان لوگوں کے جن کو ہدایت دی اللہ نے۔''﴿ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ ﴾(42/الشوریٰ:37)''اور وہ لوگ جو اجتناب کرتے ہیں بڑے بڑے گناہوں سے۔''

اَكْبَرُ ج: اَكَابِرُ۔افعل التفضیل ہے۔زیادہ بڑا۔سب سے بڑا۔﴿ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ﴾(2/البقرہ:219)''اور ان دونوں کا گناہ زیادہ بڑا ہے ان دونوں کے نفع سے۔''﴿ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا ﴾ (6/الانعام:123)''اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے رئیسوں ہی کو جرائم کا مرتکب بنایا۔''(ترجمہ ماجدیؒ)

كُبْرٰى ج: كُبَرٌ۔ اَكْبَرُ کا مونث ہے۔﴿ الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ﴾(87/الاعلیٰ:12)''جو پڑے گا بڑی آگ میں۔''﴿ اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ﴾(74/المدثر:35)''یقیناً وہ جہنم بڑی چیزوں میں سے ایک ہے۔''

(افعال) **اِكْبَارًا** کسی کو بڑا سمجھنا۔حیران ہونا۔﴿ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ ﴾(12/یوسف:31)اس آیت مبارکہ کے کئی طرح سے ترجمے کیے گئے ہیں مثلاً:''اور جب اُن لوگوں نے (یوسفؑ کو) دیکھا اس پر حیران رہ گئیں۔''(ترجمہ ماجدیؒ)''اُن عورتوں نے جب اُسے دیکھا تو بہت بڑا جانا۔''(ترجمہ احسن البیان)''پس جب (یوسفؑ آئے اور) اُنہوں نے اُس کو دیکھا تو اُس کی عظمت (حسن) کی قائل ہوگئیں۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔پیر کرم شاہ صاحبؒ اس آیت کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:''اَكْبَرْنَهٗ کا معنی ہے کہ وہ حسن یوسفی کو دیکھ کر مسحور بھی ہوئیں اور مرغوب بھی۔''

(تفعیل) **تَكْبِيْرًا** کسی کو بڑا سمجھنا اور بڑا کہنا۔کسی کی بڑائی بیان کرنا۔اللہ اکبر کہہ کر اللہ کی عظمت کو ظاہر بھی کرنا اور اس کی عظمت کا احساس بھی کرنا۔﴿ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ﴾(2/البقرہ:185)''اور تاکہ تم لوگ پورا کرو گنتی کو اور تاکہ تم لوگ بڑائی بیان کرو اللہ کی اس پر جو اس نے ہدایت دی تم کو۔''

كَبِّرْ فعل امر ہے۔تو بڑائی بیان کر۔﴿ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ﴾(74/المدثر:3)''اور پروردگار کی بڑائی بیان کیجئے۔''﴿ وَ كَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴾(17/بنی اسرائیل:111)''اور اُس کی خوب بڑائیاں بیان کیجئے۔''(ترجمہ ماجدیؒ)اس آیت کے حاشیہ میں مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں:''محققین نے کہا ہے کہ عربی زبان میں مفہوم تعظیم و اجلال کے لیے لفظ تکبیر سے بڑھ کر اور جامع تر کوئی لفظ نہیں اور جب اس فعل کا امر مصدر اور پھر صیغہ نکرہ کے ساتھ مؤکد ہو کر آئے تو زور اور وسعت کی انتہا ہی نہیں رہ جاتی۔''

(تفعّل) **تَكَبُّرًا** بناوٹی طور پر بڑا بننا۔واقعی بڑا ہونا۔صاحبؒ لغات القرآن فرماتے ہیں:''تکبر دو طرح کا ہوتا ہے (۱) فی نفسہٖ کسی میں خوبیاں اور صفاتِ حسنہ سب سے زائد ہوں۔(۲) واقع میں تو صفاتِ حسنہ سے خالی ہو اور مدعی ہو کمالِ صفات کا،اول محمود (قابل تعریف) ہے اور دوسرا مذموم (قابل مذمت) ہے اس لیے اول معنی کا لحاظ کرتے ہوئے متکبر اللہ کی صفت ہے اور محمود ہے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے کافر یا مغرور انسان پر اطلاق ہوتا ہے جو مذموم اور قبیح (برا) ہے۔''(لغات القرآن،ج۵،ص۲۹۹)۔صاحبؒ مترادفات القرآن فرماتے ہیں:''تَكَبُّرٌ، یہ فخر کا سب سے آخری درجہ ہے۔جس میں انسان عُجب میں مبتلا ہو جاتا ہے اور خود پسندی کی اِس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ دوسروں کو حقیر سمجھنے لگتا ہے اور حق بات کو قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔جیسا کہ حدیث مبارک میں فرمایا''تکبر یہ ہے کہ تو حق بات کو ٹھکرائے اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔''(بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ (بخاری)۔پوری حدیث کے لیے ملاحظہ ہو مظاہر حق جدید،شرح مشکوٰۃ شریف،ج۴،ص۵۸۳)﴿ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا ﴾(7/الاعراف:13)''پس تو اُتر اس سے،پس تیرے لئے

نہیں ہے کہ تو بڑا بنے اس میں۔''

مُتَكَبِّرٌ ج: مُتَكَبِّرُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ بڑا بننے والا۔﴿ اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَ رَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ ﴾(40/المؤمن:27) ''میں پناہ میں آتا ہوں اپنے رب اور تمہارے رب کی، ہر بڑا بننے والے سے۔'' مُتَكَبِّرٌ اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہو تو معنی ہوتے ہیں وہ ہستی جس کی عظمت انتہا کو پہنچی ہوئی ہو اور جس میں فی نفسہٖ سب سے زیادہ خوبیاں ہوں۔ چنانچہ فرمایا ﴿ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ ﴾ (الحشر:23)۔ اس آیت میں اَلْمُتَكَبِّرُ کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''اصل میں لفظ اَلْمُتَكَبِّر استعمال ہوا ہے جس کے دو مفہوم ہیں۔ ایک وہ جو فی الحقیقت بڑا نہ ہو مگر خواہ مخواہ بڑا بنے۔ دوسرے وہ جو حقیقت میں بڑا ہو اور بڑا ہی ہو کر رہے۔ انسان ہو یا شیطان، یا کوئی اور مخلوق، چونکہ بڑائی فی الواقع اس کے لیے نہیں ہے، اس لیے اُس کا اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور دوسروں پر اپنی بڑائی جتانا ایک جھوٹا ادّعا اور بدترین عیب ہے۔ اس کے برعکس، اللہ تعالیٰ حقیقت میں بڑا ہے اور بڑائی فی الواقع اسی کے لیے ہے اور کائنات کی ہر چیز اس کے مقابلے میں حقیر و ذلیل ہے، اس لیے اس کا بڑا ہونا اور بڑا ہی ہو کر رہنا کوئی ادّعا اور تصنّع نہیں بلکہ ایک امر واقعی ہے، ایک بری صفت نہیں بلکہ ایک خوبی ہے جو اس کے سوا کسی میں نہیں پائی جاتی۔'' (تفہیم القرآن، ج۵، ص۴۱۵)

(استفعال) **اِسْتِكْبَارًا** بڑائی چاہنا۔ اس کا مطلب ہوتا ہے خواہ مخواہ اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے حق بات کا انکار کر دینا اور دوسروں کو حقیر سمجھنا۔ ﴿ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْ لَاۤ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِیْنَ ۝۳۱ ﴾(34/سبا:31) ''وہ لوگ کہیں گے جن کو کمزور سمجھا گیا ان سے جنہوں نے بڑائی چاہی، اگر نہ ہوتے تم لوگ تو ہم ہوتے ایمان لانے والے۔''

مُسْتَكْبِرٌ ج: مُسْتَكْبِرُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ بڑائی چاہنے والا۔﴿ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝۲۲ ﴾(16/النحل:22) ''ان کے دل انکار کرنے والے ہیں اور وہ لوگ بڑائی چاہنے والے ہیں۔''

كَانَ (ک و ن): البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔ كٰفِرِیْنَ (ک ف ر): البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔

ترکیب

''وَ'' استئنافیہ ہے۔ اِذْ ظرف زمان ہے اور اس سے پہلے فعل اُذْكُرْ یا اُذْكُرُوْا محذوف ہے۔ قُلْنَا فعل بافاعل ہے اور اس کی ضمیر فاعلی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ لِلْمَلٰٓئِكَةِ متعلق فعل ہے۔ اُسْجُدُوْا فعل امر ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے جو فرشتوں کے لیے ہے۔ لِاٰدَمَ متعلق فعل ہے۔ لِاٰدَمَ میں ''لام'' اِلٰی کے معنی میں ہے (ماجدیؒ، حقانیؒ) یعنی 'لام' کے معنی 'واسطے' کے نہیں بلکہ ''طرف'' اور ''سمت'' کے ہیں۔ فَسَجَدُوْٓا فعل ماضی ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر ہے جو فرشتوں کے لیے ہے۔ اِلَّآ حرف استثناء ہے اور ابلیس، مستثنیٰ منقطع ہے کیونکہ فرشتے اور ابلیس ایک جنس کے نہیں اس لیے حالت نصب میں ہے۔ آگے اَبٰی اور اِسْتَكْبَرَ ماضی کے صیغے ہیں اور اِس میں شامل ضمیر فاعلی ابلیس کے لیے ہے۔ درمیان میں حرف عطف ہے۔ آگے بھی 'وَ' عطف کا ہے اور كَانَ افعال ناقصہ میں سے ہے اور اس کا اسم اس میں شامل ضمیر 'هُوَ' ہے جو شیطان کے لیے ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے اور مِنَ الْكٰفِرِیْنَ متعلق خبر ہے۔ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ کے دو طرح ترجمے کیے گئے ہیں یعنی ''وہ تھا'' اور ''وہ ہو گیا''۔ مثلاً حضرت شیخ الہندؒ ترجمہ کرتے ہیں ''اور تھا وہ کافروں میں کا۔'' اس صورت میں یہ بزرگ اس کے آگے فِیْ عِلْمِ اللّٰهِ محذوف مانتے ہیں اور دوسری صورت میں ہمارے بزرگوں کی رائے یہ ہے کہ كَانَ یہاں صَارَ (ہو گیا) کے معنی میں ہے یعنی وہ پہلے کافروں میں سے نہیں تھا بلکہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نے اسے کافروں میں داخل کر دیا۔ اس ترکیب کے لحاظ سے بھی ترجمہ کیا گیا مثلاً ''اور کافروں میں سے ہو گیا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) (واللہ اعلم)

ترجمہ
البقرۃ:34

فَسَجَدُوۡۤا	لِاٰدَمَ	اسۡجُدُوۡا	لِلۡمَلٰٓئِكَةِ	وَاِذۡ قُلۡنَا
تو انہوں نے سجدہ کیا	آدمؑ کو	تم سجدہ کرو	تمام فرشتوں سے	اور (یاد کرو) جب ہم نے کہا

وَكَانَ	وَاسۡتَكۡبَرَ ۫	اَبٰى	اِلَّاۤ اِبۡلِيۡسَ ؕ
اور وہ تھا یا ہوگیا	اور اس نے بڑائی چاہی (یعنی تکبر کیا)	اس نے انکار کیا	سوائے ابلیس کے

مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۳۴﴾
انکار کرنے والوں میں سے

نوٹ:1 آیت زیرِ مطالعہ میں کلام مثبت اور مستثنیٰ منہ (ملائکہ) مذکور ہے اس لئے اِبۡلِيۡسَ کی نصب سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ یہ مستثنیٰ متصل ہے یا منقطع ہے۔ چنانچہ اس مقام سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ابلیس فرشتہ تھا یا جن تھا۔ البتہ سورہ کہف کی آیت نمبر 50 میں وضاحت کی گئی ہے کہ وہ ایک جن تھا، اسی لیے ترکیب میں اسے مستثنیٰ منقطع بتایا گیا۔

نوٹ:2 مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اس آیت مبارکہ میں فرشتوں کو سجدہ کرنے کے حکم کے متعلق فرماتے ہیں: ''سجدہ سے مراد سجدۂ اصطلاحی وسجدۂ نماز نہیں، مطلق سجدہ مراد ہے۔ سجود اور سجدہ کے لفظی معنی محض تواضع و تذلل کے ہیں۔ سجدۂ نماز کو بھی سجدہ اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ تذلل و تواضع کا بہترین مظہر ہے۔ خود محاورۂ قرآن میں سجود کا استعمال اس عام معنی میں عام ہے۔ مثلاً ﴿ اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسۡجُدُ لَهٗ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ ﴾ (اے مخاطب کیا تو نہیں دیکھتا کہ آسمان وزمین میں جو بھی مخلوق ہے، سب اللہ کے آگے جھکی ہوئی ہے) اور یہاں بھی قول اصح یہی ہے کہ یہ سجدہ اپنی ہیئت معروف کے ساتھ زمین پر پیشانی رکھنے کے معنی میں تھا ہی نہیں بلکہ صرف جھکنے کے معنی میں تھا۔ لیکن جن لوگوں نے اسے سجدۂ متعارف کے معنی میں لیا ہے، انہوں نے بھی تصریح کردی ہے کہ یہ سجدۂ تعظیمی تھا جو اگلی شریعتوں میں جائز تھا سجدۂ عبادت ہرگز نہ تھا''...... آگے لِاٰدَمَ کے متعلق لکھتے ہیں...... ''لِاٰدَمَ۔ یعنی خلیفۃ اللہ کے آگے۔ نائب سلطان حقیقی کی طرف رُخ کرکے، نہ یہ کہ اس کو۔ ل یہاں الی کا مرادف ہے۔ یعنی سمت اور طرف کے معنی میں ہے۔ سجدہ صرف سمت آدم میں تھا، جیسے آج بھی سمتِ کعبہ میں ہوتا ہے۔ مسجود جس طرح آج بھی کعبہ نہیں رب کعبہ ہے۔ اسی طرح اُس وقت بھی ذاتِ باری ہی تھی۔ قرآن مجید ہی کی ایک اور آیت میں ل عند کے معنی میں آیا ہے۔ ﴿ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوۡكِ الشَّمۡسِ ﴾۔ (تفسیر ماجدیؒ، ص۲۰)

نوٹ:3 یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا جن بھی سجدہ کرنے کے حکم میں داخل تھے۔ تو اس کا جواب قاضی بیضاویؒ ان الفاظ میں دیتے ہیں: ''جن بھی فرشتوں کے ساتھ سجدہ کے حکم میں شامل تھے لیکن فرشتوں کے ذکر کے بعد جنات کے ذکر کی ضرورت اس وجہ سے باقی نہیں رہی کہ جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ بڑوں کو کسی کی تعظیم وتکریم کا حکم ہوا ہے تو اس سے یہ بات آپ سے آپ واضح ہوگئی کہ چھوٹے بھی اس حکم میں شامل ہیں۔ اس صورت میں فَسَجَدُوۡۤا کی جو ضمیر ہے وہ دونوں گروہوں کی طرف لوٹے گی۔ (بحوالہ تدبر قرآن، ج۱، ص۱۶۶)۔ حضرت قاضی بیضاویؒ کے قول کی تائید قرآنِ مجید سے بھی ہوتی ہے چنانچہ فرمایا: ﴿ وَلَقَدۡ خَلَقۡنٰكُمۡ ثُمَّ صَوَّرۡنٰكُمۡ ثُمَّ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِيۡسَ ؕ لَمۡ يَكُنۡ مِّنَ السّٰجِدِيۡنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسۡجُدَ اِذۡ اَمَرۡتُكَ ؕ ﴾ (7/الاعراف:11،12) ''ہم نے تمہاری تخلیق کی ابتداء کی، پھر تمہاری صورت بنائی، پھر فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو۔ اس حکم پر سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ پوچھا ''تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے روکا جب کہ میں نے تجھ کو حکم دیا تھا؟'' ﴿ وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِيۡسَ ؕ كَانَ مِنَ الۡجِنِّ فَفَسَقَ عَنۡ اَمۡرِ رَبِّهٖ ؕ ﴾ (18/الکھف:50) ''اور جب کہا ہم نے فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو تو سجدے میں گر پڑے مگر ابلیس، تھا جن کی قسم سے سو نکل بھاگا اپنے رب کے حکم سے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

آیت:35

﴿وَ قُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۪ وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾﴾

قُلْنَا (ق و ل): البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ اٰدَمُ (ء د م): البقرۃ آیت 31 دیکھیں۔

س ک ن

(ن) **سُكُوْنًا** حرکت کے بعد ٹھہرنا۔ آرام کرنا۔ سکونت اختیار کرنا۔ آباد ہونا۔ ﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ﴾ (10/یونس:67) ''وہ ہے جس نے بنایا تم لوگوں کیلئے رات کو تا کہ تم لوگ آرام کرو اس میں۔'' ﴿وَّ سَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ (14/ابراہیم:45) ''اور تم لوگوں نے سکونت اختیار کی ان لوگوں کے مکانوں میں، جنہوں نے ظلم کیا اپنے آپ پر۔'' جب اِس کے ساتھ اِلٰی کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے سکون حاصل کرنا۔ ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا﴾ (30/الروم:21) ''اور اُسی کی نشانیوں میں ہے کہ اُس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کی بیویاں بنائیں تا کہ تم اُن سے سکون حاصل کرو۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

اُسْكُنْ ج: اُسْكُنُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو آرام کر۔ تو سکونت اختیار کر۔ ﴿وَ اِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ﴾ (7/الاعراف:161) ''اور جب کہا گیا ان لوگوں سے کہ تم لوگ سکونت اختیار کرو اس بستی میں۔''

سَاكِنٌ اسم الفاعل ہے۔ ٹھہرنے والا۔ ٹھہرا ہوا۔ ﴿اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَ لَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ﴾ (25/الفرقان:45) ''کیا تو نے دیکھا نہیں اپنے رب کی (قدرت کی) طرف کیسے اس نے پھیلایا سائے کو، اور اگر وہ چاہتا تو وہ بنا تا اس کو ٹھہرا ہوا۔''

مَسْكُوْنٌ اسم المفعول ہے۔ واحد مذکر۔ آباد مکان کو کہتے ہیں جس میں کوئی رہتا ہو۔

مَسْكُوْنَةٌ اسم المفعول ہے۔ واحد مونث۔ آباد مکان۔ غَيْرُ مَسْكُوْنَةٍ کا مطلب ہوگا غیر آباد مکان جس میں کوئی نہ رہتا ہو۔ ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ﴾ (24/النور:29) ''تم پر کوئی گناہ اس میں نہیں ہے کہ تم اُن مکانات میں داخل ہو جاؤ (جن میں) کوئی رہتا نہ ہو اور اُن میں تمہارا کچھ مال ہو۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

مَسْكَنٌ ج: مَسَاكِنُ۔ اسم الظرف ہے۔ ٹھہرنے کی جگہ۔ مکان۔ ﴿لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ﴾ (34/سبا:15) ''سبا والوں کے لیے اُن کے وطن ہی میں نشان موجود تھا۔'' اور مَسَاكِنُ کے لیے اوپر (ابراہیم:45) دیکھیں۔

سَكَنٌ اسم ذات ہے۔ راحت۔ آرام۔ تسکین۔ ﴿اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ﴾ (9/التوبہ:103) ''بیشک آپ کی دعا ان کیلئے باعث تسکین ہے۔'' مفتی محمد شفیعؒ سَكَنٌ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''سَکَن، سکون سے مشتق ہے، ہر ایسی چیز کو سَکَنٌ کہا جاتا ہے جس پر پہنچ کر انسان کو سکون و اطمینان اور راحت حاصل ہو۔ اسی لیے انسان کے رہنے کے گھر کو قرآن میں سکن فرمایا ہے، جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا، کیونکہ انسان کا گھر خواہ ایک جھونپڑی ہی ہو وہاں پہنچ کر انسان کو عادۃً سکون و راحت حاصل ہوتی ہے۔'' (معارف القرآن، ج ۳، ص ۴۰۰)

سَكِيْنَةٌ اسم ذات ہے۔ ایسا اطمینان اور سکون جس سے دل کو قرار آ جائے اور ہر قسم کی تشویش کا خاتمہ ہو جائے۔ صاحبؒ لغات القرآن فرماتے ہیں: ''سَكِيْنَةٌ وہ اطمینان، چین، قرار اور سکون ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندہ کے قلب میں اس وقت

نازل فرماتا ہے جب کہ وہ ہولناکیوں کی شدت سے مضطرب (بے قرار) ہوجاتا ہے پھر اس کے بعد جو کچھ بھی اس پر گزرے وہ اس سے گھبراتا نہیں، یہ اس کے لیے ایمان کی زیادتی، یقین میں قوت اور استقلال کو ضروری کردیتا ہے، اسی وجہ سے حق سبحانہ نے ''یوم الغار'' اور ''یوم حنین'' جیسے قلق واضطراب کے مواقع پر اپنے رسولؐ اور مومنین پر اس کے نازل کرنے کی خبر دی ہے۔'' (لغات القرآن، ج ۳،ص ۲۱۹)۔ ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (48/الفتح:4) ''وہی ہے جس نے اتارا سکون مومنوں کے دلوں میں۔'' واضح رہے کہ قرآن مجید میں سَكِيْنَةٌ کا لفظ چھ جگہ استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ اس کے معنی اطمینان وسکون ہی کے ہیں۔'' (واللہ اعلم)

سِكِّيْنٌ اسم ذات ہے۔ چھری۔ چاقو۔ یہ لفظ مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ امام راغبؒ لکھتے ہیں: ''اس کا نام سِكِّيْنٌ اس لیے ہوا کہ مذبوح (جس کو ذبح کیا جائے) کی حرکت کو زائل کردیتی ہے۔ یہ سُكُوْنٌ سے بروزن فِعِّيْلٌ اسم مشتق ہے۔'' ﴿وَ اَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّ اٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا﴾ (12/یوسف:31) ''اور تیار کی اُن کے واسطے ایک مجلس اور دی اُن کو ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چھری۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

(ک) **سُكُوْنَةً** متحرک نہ ہونا۔ محتاج ہونا (محتاجی انسان کو متحرک نہیں رہنے دیتی)۔

مَسْكَنَةٌ اسم ذات ہے۔ محتاجی۔ ﴿وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ق﴾ (2/البقرہ:61) ''اور تھوپی گئی ان لوگوں پر ذلّت اور محتاجی۔''

مِسْكِيْنٌ ج: مَسَاكِيْنُ ۔اسم صفت ہے۔ مَنْ لَّا شَيْءَ لَهٗ۔ مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ محتاج۔ ضرورت مند۔ حدیث مبارک میں بڑی وضاحت کے ساتھ مسکین کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے۔ اَلَّذِيْ لَا يَجِدُ غِنًى يُّغْنِيْهِ وَلَا يُفْطَنُ بِهٖ فَيُتَصَدَّقُ عَلَيْهِ وَلَا يَقُوْمُ فَيَسْاَلُ النَّاسَ مسکین شخص وہ ہے جو اتنا بھی مال نہیں رکھتا کہ وہ اس کی وجہ سے مستغنی ہو اور اس کے ظاہری حالات کی وجہ سے لوگ یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ محتاج وضرورت مند ہے اسے صدقہ دیا جائے نیز لوگوں کے آگے دست سوال دراز کرنے کے لیے کھڑا بھی نہیں ہوتا۔'' (پوری حدیث کے لیے ملاحظہ ہو مظاہر حق جدید، شرح مشکوٰۃ شریف، ج ۲،ص ۲۱۲)۔ ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ﴾ (17/بنی اسرائیل:26) ''اور تو دے قرابت والوں کو ان کا حق اور ضرورت مند کو۔'' ﴿وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ﴾ (2/البقرہ:177) ''اور اس نے دیا مال اس کی محبت کے باوجود قرابت والوں کو اور یتیموں کو اور ضرورت مندوں کو۔''

(افعال) **اِسْكَانًا** (1) کسی کو بسانا۔ آباد کرنا۔ ﴿رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ﴾ (14/ابراہیم:37) ''اے ہمارے رب میں نے آباد کیا اپنی اولاد میں سے، ایسی وادی میں جو بغیر کھیتی والی ہے۔'' (2) کسی کو ٹھہرا دینا۔ ساکن کر دینا۔ ﴿اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ط﴾ (42/الشوریٰ:33) ''اگر چاہے تو ہوا کو ٹھہرا دے تو وہ جہاز سمندر کی سطح پر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

زَوْجٌ (ز و ج): البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔ جَنَّةٌ (ج ن ن): البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔

ء ك ل

(ن) **اَكَلًا** کسی چیز کو کھانا۔ اس کا استعمال مادی اور معنوی دونوں طرح سے ہوتا ہے۔ ﴿وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ج﴾ (12/یوسف:17) ''اور ہم نے چھوڑا یوسفؑ کو اپنے سامان کے پاس تو کھا گیا اس کو بھیڑیا۔'' ﴿وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ﴾ (47/محمد:12) ''وہ کھاتے ہیں جیسے جانور کھاتے ہیں۔''

كُلْ تثنیہ: كُلَا ۔ جمع: كُلُوْا ۔ واحد مونث: كُلِيْ ۔ فعل امر ہے۔ تو کھا۔ ﴿ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ ﴾ (2/البقرۃ:58) ''تو تم لوگ کھاؤ اس میں سے جہاں سے تم لوگ چاہو۔''

اٰكِلٌ ج: اٰكِلُوْنَ ۔ اسم الفاعل ہے۔ کھانے والا۔ ﴿ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَ صِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ۝۲۰ ﴾ (23/المومنون:20) ''وہ اگاتا ہے تیل اور سالن کھانے والوں کے لیے۔'' ﴿ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝۶۶ ﴾ (37/الصافات:66) ''جہنم کے لوگ اسے کھائیں گے اور اسی سے پیٹ بھریں گے۔''

مَاْكُوْلٌ اسم المفعول ہے۔ کھایا ہوا۔ ﴿ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝۵ ﴾ (105/الفیل:5) ''تو اس نے کر دیا ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی مانند۔''

اَكّٰالٌ اسم المبالغہ ہے۔ بہت کھانے والا۔ ﴿ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ﴾ (5/المائدہ:42) ''بہت زیادہ سننے والے جھوٹ کو، بہت زیادہ کھانے والے حرام کو۔''

اُكُلٌ اسم ذات ہے۔ درختوں اور پودوں کی پیداوار کا وہ حصہ جو انسان کی خوراک بنے۔ پھل، میوہ۔ ﴿ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ﴾ (2/البقرۃ:265) ''پہنچی اس کو موٹی بوندوں والی بارش تو اس نے دیا اپنا پھل دوگنا۔''

ر غ د

(س) رَغَدًا آسودہ و خوش حال ہونا۔

رَغَدٌ اسم صفت ہے۔ بافراغت۔ کھلا ''وہ نعمت اور رزق جس کے حاصل کرنے میں کوئی محنت اور مشقت نہ ہو اور وہ اتنی کثیر ہو کہ اس کے ختم ہونے کا اندیشہ بھی نہ ہو۔'' (معارف القرآن) ﴿ يَاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ ﴾ (16/النحل: 112) ''آتا اس کو یعنی بستی کو اس کا رزق بافراغت ہر طرف سے۔''

حَيْثُ

حَيْثُ ظرف مکان ہے اور مبنی برضمہ ہے۔ معنیٰ ہوتا ہے ''جہاں سے'' ، ''جس جگہ سے'' وغیرہ۔ زیادہ تر مکان مبہم (غیر واضح جگہ) کے لیے آتا ہے اس لیے کسی جملے سے اس کی وضاحت کی جاتی ہے۔ حَيْثُ کے ایک معنیٰ ''اہل'' کے بھی ہیں۔ حضرت مولانا عبدالماجدؒ، سورۃ الانعام کی آیت 124 کا ترجمہ کرتے ہیں: ﴿ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ﴾ ''اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون اُس کی رسالت کا اہل ہے'' اور حاشیے میں فرماتے ہیں: ''حَيْثُ یہاں بطور ظرف کے موضع و موقع کے معنی میں نہیں۔ بطور اسم کے اہل کے معنی میں ہے۔'' (نوٹ: ح ی ث مادہ سے کوئی فعل استعمال نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم)

شِئْتُمَا (ش ی ء): البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔

ق ر ب

(س۔ک) قُرْبًا، قُرْبَانًا کسی کے نزدیک جانا (س)۔ کسی کے قریب ہونا (ک)۔ قرب کا استعمال قرآنِ مجید میں کہیں باعتبار مکان کے ہوا ہے، کہیں باعتبار زمان کے، کہیں باعتبار نسب کے اور کہیں باعتبار درجہ کے ہوا ہے۔ بندہ سے اللہ کے قریب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر اپنے فضل و رحمت سے متوجہ ہے۔ قرب کا لفظ بطور کنایہ، ہم بستری کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید میں ثلاثی مجرد سے ماضی معروف اور مضارع معروف کے صیغے استعمال نہیں ہوئے، البتہ مصدر قُرْبَانًا استعمال ہوا ہے۔ ﴿ فَلَوْ لَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ﴾ (46/الاحقاف:28) ''سو اُن کی مدد اُن لوگوں نے کیوں نہ کی جنہیں اُنہوں نے اللہ کے سوا معبود بنا رکھا تھا تقرب کے لیے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

لَا تَقْرَبْ فعل نہی ہے۔ تو قریب مت جا۔ ﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ﴾ (2/البقرۃ:187) ''یہ اللہ کی حدود ہیں تو تم لوگ

ان کے نزدیک مت جاؤ۔'' قرآن مجید میں جہاں کہیں لَا تَقْرَبُوْا کے الفاظ آئے ہیں وہاں قرب سے قرب مکانی مراد ہے۔

اَقْرَبُ ج: اَقْرَبُوْنَ۔ افعل التفضیل کا صیغہ ہے۔ زیادہ قریب۔ زیادہ نزدیک۔ قریب کے رشتے دار۔﴿ وَلَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ﴾ (4/النساء:11) ''اور تم لوگ نہیں جانتے کہ ان میں سے کون زیادہ قریب ہے تمہارے بلحاظ نفع کے۔'' ﴿ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ﴾ (4/النساء:7) ''مردوں کا بھی حصہ ہے اُس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ اور قرابت والے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ اس آیت میں اَقْرَبُوْنَ کی وضاحت کرتے ہوئے مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''لفظ اَقْرَبُوْنَ ہر قسم کی قرابت اور رشتہ داری کو حاوی ہے، خواہ وہ رشتہ باہمی ولادت کا ہو جیسے اولاد اور ماں باپ میں، یا دوسری طرح کا جیسے عام خاندانی رشتوں میں، یا وہ رشتے جو ازدواجی تعلق سے پیدا ہوئے ہیں، لفظ ''اَقْرَبُوْنَ'' سب پر حاوی ہے۔'' (معارف القرآن، ج ۲، ص ۳۱۰)

قُرْبٰى اَقْرَبُ کا مونث ہے۔ زیادہ قریب۔ زیادہ نزدیک۔ قرابت والے۔﴿ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ﴾ (6/انعام:152) ''اور جب بھی تم بولو تو انصاف کرو اگرچہ وہ ہو قرابت والا۔''

قَرِيْبٌ فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ قریب۔ نزدیک۔﴿ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ﴾ (2/البقرہ:186) ''اور جب آپؐ سے پوچھیں میرے بندے میرے بارے میں تو یقینا میں نزدیک ہوں۔'' قریب واحد و جمع سب کے لیے آتا ہے، لفظ مذکر ہے لیکن مؤنث غیر حقیقی پر بھی اس کا اطلاق صحیح ہے، جیسے اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ۔

مَقْرَبَةٌ (ا) مصدر میمی ہے۔ قرابت ہونا۔ (ب) اسم ہے۔ قرابت۔ رشتہ دار۔﴿ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴾ (90/البلد:15) ''کسی رشتے دار یتیم کو۔''

قُرْبَةٌ ج: قُرُبَاتٌ۔ اسم ذات ہے۔ قرب حاصل کرنے کا ذریعہ۔ نزدیک ہونے کا ذریعہ۔﴿ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ﴾ (9/التوبہ:99) ''اور بعض اہل دیہات میں ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو عند اللہ قرب حاصل ہونے کا ذریعہ اور رسولؐ کی دعا کا ذریعہ بناتے ہیں۔ یاد رکھو کہ ان کا یہ خرچ کرنا بیشک ان کے لیے موجب قربت ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان)

قُرْبَانٌ مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے لغوی معنی کے لحاظ سے قربان ہر وہ چیز ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جائے۔ خواہ یہ قرب کسی جانور کو اللہ کی راہ میں ذبح کر کے حاصل کیا جائے یا اس کی راہ میں صدقہ و خیرات کر کے یا اعمال صالح کے ذریعے سے، جیسے ایک حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ قرب الٰہی حاصل کرنے کے لیے فرائض کی ادائیگی سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ (اربعین نوویؒ، حدیث نمبر 38)۔ اصطلاحی معنی کے لحاظ سے قربان اس ذبیحہ کو کہا جاتا ہے جو اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے ذبح کیا جائے اور اردو زبان میں یہی مفہوم عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ اپنے لغوی اور اصطلاحی دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ﴾ (3/آل عمران:183) ''بیشک اللہ نے ہم سے عہد لیا کہ ہم بات نہ مانیں گے کسی رسول کی یہاں تک کہ وہ آئے ہمارے پاس کسی ایسی قربانی کے ساتھ، کھاتی ہو جس کو آگ۔'' ﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا ﴾ (5/المائدۃ:27) ''آدمؑ کے دونوں بیٹوں کا کھرا کھرا حال بھی اُنہیں سنا دو، اُن دونوں نے ایک نذرانہ پیش

کیا۔'' (ترجمہ احسن البیان) اس آیت کے تحت حضرت مولانا عبدالماجدؒ فرماتے ہیں: ''قُرْبَانًا: قربانی یہاں اصطلاحی معنیٰ میں یعنی ذبیحہ کے مرادف نہیں۔ بلکہ لفظی معنیٰ اور وسیع مفہوم میں ہے، نذر و نیاز کے مفہوم میں ہے۔'' قربان کا لفظ واحد اور جمع دونوں کے لیے آتا ہے اور اس کی جمع قَرَابِیْنُ بھی آتی ہے۔ قرآن مجید میں قربان کا لفظ مصدری معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے جس کی مثال پہلے آچکی ہے۔

(تفعیل) **تَقْرِيْبًا** کسی کو کسی کے نزدیک کرنا۔ پیش کرنا۔ ﴿ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿٢٦﴾ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٢٧﴾ ﴾ (51/الذّٰریٰت:26-27) ''تو وہ لایا ایک موٹا بچھڑا پھر اس نے قریب کیا اس کو، ان کے یعنی فرشتوں کے، کہا تم لوگ کھاتے کیوں نہیں۔''

مُقَرَّبٌ ج: مُقَرَّبُوْنَ۔ اسم المفعول ہے۔ قریب کیا ہوا۔ ﴿ قَالَ نَعَمْ وَ اِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿١١٤﴾ ﴾ (7/الاعراف:114) ''اس نے یعنی فرعون نے کہا ہاں اور یقیناً تم لوگ قریب کئے ہوئے لوگوں میں ہو گے۔''

(افتعال) **اِقْتِرَابًا** قریب ہونا۔ ﴿ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ ﴾ (21/الانبیاء:1) ''قریب ہوا لوگوں کے لئے ان کا حساب۔''

اِقْتَرِبْ فعل امر ہے۔ تو قریب ہو جا۔ ﴿ كَلَّا ۭ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿١٩﴾ ﴾ (96/العلق:19) ''خبردار! اس کا کہنا ہرگز نہ ماننا اور سجدہ کر اور قریب ہو جا۔''

ش ج ر

(ن) **شَجْرًا، شُجُوْرًا** باہم مختلف ہونا۔ جھگڑنا۔

شَجَرٌ اسم ذات ہے۔ (1) تنے والا درخت (کیونکہ درخت کی شاخیں مختلف سمت میں پھیلتی ہیں شاید اسی لیے شجر کہلاتا ہے) (واللہ اعلم)۔ درخت کی جنس کے لیے شَجَرٌ۔ ایک درخت کے لیے شَجَرَةٌ جبکہ جمع اَشْجَارٌ ہے۔ ﴿ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا ﴾ (36/یٰسٓ:80) ''جس نے بنایا تمہارے لیے سبز درخت سے آگ کو۔'' عربی زبان میں شجر کا لفظ صرف درخت کے لیے نہیں بولا جاتا بلکہ اس کے مفہوم میں پودے، جھاڑیاں، گھاس سب داخل ہیں۔ چنانچہ سورۃ النحل کی آیت 10 میں فرمایا ﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّ مِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ﴿١٠﴾ ﴾ حضرت مولانا عبدالماجدؒ اس آیت کا ترجمہ کرتے ہیں: ''وہ اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے آسمان سے پانی برسایا جس سے تمہیں پینے کو ملتا ہے اور اُسی سے سبزہ زار پیدا ہوتے ہیں جن میں تم مویشی چراتے ہو'' اور پیر کرم شاہ صاحبؒ ترجمہ کرتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے اتارا آسمان سے پانی تمہارے لیے اُس میں سے کچھ پینے کے کام آتا ہے اور اُس سے سبزہ اگتا ہے جس میں تم مویشی چراتے ہو'' اس آیت کے حاشیے میں حضرت مولانا عبدالماجدؒ فرماتے ہیں: ''شجر کے عموم میں پودے، درخت، جھاڑیاں، گھاس سب داخل ہیں۔ یہاں مراد چراگاہیں ہیں۔'' اور پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''یہاں شجر سے مراد ہر وہ چیز ہے جو زمین سے اُگتی ہے۔ ابن قتیبہؒ نے کہا ہے کہ شجر سے مراد یہاں گھاس ہے۔'' اور مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''لفظ شجر اکثر درخت کے لیے بولا جاتا ہے، جو ساق یعنی تنے پر کھڑا ہوتا ہے، اور کبھی مطلق زمین سے اُگنے والی ہر چیز کو بھی شجر کہتے ہیں، گھاس اور بیل وغیرہ بھی اس میں داخل ہوتی ہیں، اس آیت میں یہی معنی مراد ہیں، کیونکہ آگے جانوروں کے چرانے کا ذکر ہے اس کا تعلق زیادہ تر گھاس ہی سے ہے۔''

(2) اختلاف۔ جھگڑا۔ ﴿ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ﴾ (4/النساء:65) ''(پس

نہیں! تیرے رب کی قسم، یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ آپؐ کو حاکم تسلیم کرلیں اس میں جس میں جھگڑا ہے ان کے مابین۔''

اَلظّٰلِمِیْنَ (ظ ل م):البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔

ترکیب 'وَ' استئنافیہ ہے۔ قُلْنَا فعل ماضی ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر نَحْنُ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ یَا۔ حرف ندا ہے اور اٰدَمُ۔ منادیٰ ہے۔ اُسْكُنْ فعل امر ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتَ کی ضمیر ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اُسْكُنْ کے اندر اَنْتَ کی ضمیر موجود ہے پھر ایک اور اَنْتَ کی ضمیر آگے کیوں آئی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اُسْكُنْ کی ضمیر فاعلی کی تاکید کے لیے آئی اور اس کے بعد 'وَ' عطف کا ہے اور آگے زوج اسم ہے اور عطف کا قاعدہ یہ ہے کہ اسم کا اسم پر، فعل کا فعل پر اور جملے کا جملے پر عطف ہوتا ہے۔ اس لیے یہاں زَوْجُكَ کا عطف فعل اُسْكُنْ پر نہیں ہوسکتا اس لیے اُسْكُنْ کی ضمیر فاعلی کو الگ سے لکھا گیا۔ اس کی اور مثالیں بھی قرآن مجید میں دیکھی جا سکتی ہیں مثلاً المائدہ۔24، ابراہیم:8 وغیرہ۔ (اس قاعدے کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو عربی کا معلم حصہ چہارم، ص:163 ''المعطوف'')۔ اَلْجَنَّةَ۔ اُسْكُنْ کا مفعول ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ آگے 'وَ' پھر عطف کا ہے اور كُلَا فعل امر میں تثنیہ کا صیغہ ہے اور كُلَا اُسْكُنْ پر عطف ہے۔ مِنْهَا میں 'ھا' ضمیر اَلْجَنَّةَ کے لیے ہے۔ رَغَدًا۔ صفت ہے محذوف مفعول مطلق کی یعنی وَ كُلَا مِنْهَا اَكْلًا رَغَدًا۔ حَيْثُ۔ ظرف مکان ہے اور شِئْتُمَا۔ ماضی میں تثنیہ کا صیغہ ہے۔ آگے پھر 'وَ' عطف کا ہے اور لَا تَقْرَبَا۔ فعل نہی ہے اور اس کا عطف ''كُلَا'' پر ہے۔ هٰذِهِ الشَّجَرَةَ مرکب اشاری اور لَا تَقْرَبَا کا مفعول ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔ فَتَكُوْنَا میں 'فَ' سببیہ ہے اسی لیے تَكُوْنَا منصوب ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو عربی کا معلم حصہ چہارم، ص: 75)۔ تَكُوْنَا کا اسم اس میں شامل ضمیر اَنْتُمَا ہے۔ خبر محذوف ہے اور مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ متعلق خبر ہے۔ علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''میرے نزدیک فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ کا ترجمہ اگر یوں کیا جاتا تو زیادہ موزوں ہوتا'' پھر ہو جاؤ گے تم نقصان اٹھانے والوں میں سے''۔ ظلم کے معنی نقصان، کمی و کوتاہی کے آتے ہیں۔ جیسا کہ وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا (کہف) میں۔ (تفسیر عثمانیؒ، الاعراف۔19 کے تحت)۔

ترجمہ البقرۃ:35

وَقُلْنَا	يٰاٰدَمُ	اسْكُنْ	اَنْتَ وَ زَوْجُكَ	الْجَنَّةَ
اور ہم نے کہا	اے آدمؑ	تم رہو	تم بھی اور تمہاری بیوی بھی	اس جنت میں

وَ كُلَا	مِنْهَا	رَغَدًا	حَيْثُ شِئْتُمَا
اور تم دونوں کھاؤ	اس میں سے	جی بھر کے	جہاں سے تم دونوں چاہو

وَلَا تَقْرَبَا	هٰذِهِ الشَّجَرَةَ	فَتَكُوْنَا
اور تم دونوں نزدیک مت جانا	اس درخت کے	ورنہ تم دونوں ہو جاؤ گے

مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٣٥﴾
نقصان اٹھانے والوں میں سے

نوٹ:1 سورہ آلِ عمران کی آیت نمبر۔7 میں بتایا گیا ہے کہ قرآن مجید میں محکمات بھی ہیں اور متشابہات بھی ہیں۔ اور وہی لوگ متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے۔ آیت زیر مطالعہ میں محکم اور متشابہ، دونوں پہلو شامل ہیں۔ محکم بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک حکم دیا تھا جس کی

پابندی نہیں کی گئی۔ متشابہ بات یہ ہے کہ وہ درخت کس چیز کا تھا۔

قرآن مجید سے راہنمائی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ طالبعلم اپنی توجہ کو اس بات پر مرتکز کرے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کرنے کا کیا نتیجہ نکلا اور اس سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے۔ اگر طالبعلم اس جستجو میں لگے گا کہ وہ درخت کس چیز کا تھا، تو اس کا حاصل کچھ نہیں ہے۔ البتہ اصل سبق سے اس کی توجہ ہٹ جائے گی اور وہ ہدایت سے محروم رہے گا۔ (از لطف الرحمن خان صاحب)

آیت: 36

﴿ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ ﴾

ز ل ل

(ض) زَلَّةً، زَلًّا بلا ارادہ پھسل جانا۔ لغزش ہوجانا۔ بلا ارادہ گناہ ہو جانا۔ ﴿ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ ﴾ (2/البقرہ:209) ''پھر اگر لغزش ہوجائے تم لوگوں سے اس کے بعد جو آئیں تمہارے پاس روشن دلیلیں۔'' ﴿ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا ﴾ (16/النحل:94) ''اور نہ بناؤ اپنی قسموں کو آپس میں فریب دینے کا ذریعہ ورنہ (جادۂ حق سے) پھسل جائے گا (لوگوں کا) قدم (اس پر) جم جانے کے بعد۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

(افعال) اِزْلَالًا کسی کو پھسلا دینا۔ آیت زیر مطالعہ۔

(استفعال) اِسْتِزْلَالًا کسی کو پھسلانے کا ارادہ کرنا۔ کوشش کرنا۔ ﴿ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ ﴾ (3/آل عمران:155) ''بیشک بہکا دیا ان کو شیطان نے بسبب بعض چیزوں کے جو انہوں نے کمائیں۔''

اَلشَّيْطٰنُ (ش ط ن، ش ی ط): اعوذ باللہ دیکھیں۔	اَخْرَجَ (خ ر ج): البقرۃ آیت 22 دیکھیں۔
قُلْنَا (ق و ل): البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔	

ھ ب ط

(ض) هُبُوْطًا، هَبْطًا هُبُوْطٌ اور هَبْطٌ کئی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں مثلاً بلندی سے نیچے اترنا جیسے آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ ﴾۔ گر پڑنا جیسے فرمایا: ﴿ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۗ ﴾ (2/البقرہ:74) ''اور یقیناً ان پتھروں میں وہ بھی ہیں جو گر پڑتے ہیں اللہ کے ڈر سے۔'' مسافر کا سواری سے کسی منزل پر اترنا جیسے فرمایا: ﴿ قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۗ ﴾ (11/ھود:48) ''ارشاد ہوا اے نوحؑ (کشتی سے) اتریئے امن وسلامتی کے ساتھ ہماری طرف سے اور برکتوں کے ساتھ جو آپؑ پر ہیں اور اُن قوموں پر جو آپ کے ہمراہ ہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ کسی شہر میں داخل ہونا جیسے فرمایا: ﴿ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ۗ ﴾ (2/البقرۃ:61) ''اچھا شہر میں جاؤ وہاں تمہاری چاہت کی سب چیزیں ملیں گی۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ اس آیت میں اِهْبِطُوْا کی وضاحت کرتے ہوئے صاحبِ تدبر قرآن فرماتے ہیں: ''هَبَطَ کے اصلی معنی گرنے کے ہیں اور استعمال میں یہ کسی مسافر کے کسی منزل میں اترنے کے لیے بھی آتا ہے مثلاً کہیں گے هَبَطْنَا الْوَادِيَ (ہم وادی میں داخل ہوئے) یہیں

سے اِهْبِطُوْا مِصْرًا کا محاورہ رائج ہوا اور هُبُوْط کا لفظ نزول کے مرادف کی حیثیت سے استعمال ہونے لگا۔اس استعمال کی وجہ غالباً یہ ہوئی ہوگی کہ مسافر جب کسی مقام پر قیام کا ارادہ کرتا ہے تو وہاں وہ اپنے مرکب سے اترتا ہے۔'' (تدبر قرآن، ج ۱، ص ۲۲۵)۔کسی چیز کو کم کردینا، گھٹا دینا۔عربی میں کہتے ہیں هَبَطَ الْمَرَضُ لَحْمَ الْعَلِيْلِ بیماری نے اس کے گوشت کو کم کردیا اور اَلْهَبِيْطُ کمزور اور لاغر اونٹ کو کہتے ہیں۔یہ فعل لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ هُبُوْط یا هَبْط کا لفظ جب انسان یا جن کے لیے بولا جائے تو اس میں حقارت کا پہلو بھی پایا جاتا ہے۔چنانچہ فرمایا: ﴿ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴾ (7/الاعراف:13)''حق تعالیٰ نے فرمایا تو آسمان سے اتر تجھ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ تو آسمان میں رہ کر تکبر کرے سو نکل، بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔

اِهْبِطْ تثنیہ: اِهْبِطَا۔ج: اِهْبِطُوْا۔فعل امر ہے۔تو اُتر۔اِهْبِطْ کے لیے اوپر الاعراف۔13 دیکھیں۔﴿ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ﴾ (20/طٰہٰ:123)''اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دونوں جہان سے اتر جاؤ سب کے سب تم میں سے بعض، بعض کے دشمن ہیں۔'' اور اِهْبِطُوْا آیت زیر مطالعہ میں آیا ہے۔

بَعْضٌ (ب ع ض): البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔

ع د و

(ن) **عَدْوًا** حد سے تجاوز کرنا۔ظلم و زیادتی کرنا۔دشمنی کرنا۔اگر اس کا تعلق چلنے سے ہو تو مطلب ہوتا ہے دوڑنا کیونکہ دوڑنا، چلنے سے تجاوز ہی ہے۔﴿ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ ﴾ (7/الاعراف:163)''جب انہوں نے حد سے تجاوز کیا ہفتہ کے دن میں۔'' ﴿ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَ جُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّ عَدْوًا ﴾ (10/یونس:90)''تو ان کا پیچھا کیا فرعون نے اور اس کے لشکروں نے سرکشی اور ظلم کرتے ہوئے۔'' ﴿ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾ (6/الانعام:108)''تو وہ برا کہیں گے اللہ کو زیادتی کرتے ہوئے کسی علم کے بغیر۔''

لَا تَعْدُ فعل نہی ہے۔تو حد سے مت بڑھ۔﴿ وَّ قُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ ﴾ (4/النساء:154)''اور ہم نے کہا ان سے تم لوگ حد سے مت بڑھو ہفتہ کے دن میں۔''

عَادٍ ج: عَادُوْنَ۔اسم الفاعل ہے۔حد سے بڑھنے والا۔﴿ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ ﴾ (2/البقرہ:173)''پس جو مجبور ہوا، نہ سرکشی کرنے والا نہ حد سے بڑھنے والا، تو کوئی گناہ نہیں اس پر۔'' ﴿ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴾ (23/المومنون:7)''پس جو چاہے اس سے آگے تو وہ لوگ ہی حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔''

عَادِيَةٌ ج: عَادِيَاتٌ۔اسم الفاعل ہے۔بڑی تیزی سے دوڑنے والی۔قرآن مجید میں اس کی جمع گھوڑوں کی صفت کے طور پر استعمال ہوئی ہے۔مثلاً: ﴿ وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ﴾ (100/العادیات:1)''قسم ہے تیز دوڑنے والے گھوڑوں کی جب وہ سینہ سے آواز نکالتے ہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

عَدُوٌّ اسم صفت ہے۔دشمن۔واحد، جمع، مذکر، مؤنث سب کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اس کی جمع اَعْدَاءٌ بھی آتی ہے۔﴿ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴾ (2/البقرہ:168)''اور تم لوگ پیروی مت کرو شیطان کے نقش قدم کی بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔'' ﴿ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ وَ مِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ

عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٩٨﴾ (2/البقرۃ:98) ''جو شخص اللہ کا اور اُس کے فرشتوں کا اور اُس کے رسولوں کا اور جبریلؑ اور میکائیلؑ کا دشمن ہو تو بے شک اللہ تعالیٰ بھی ایسے کافروں کا دشمن ہے۔'' ﴿وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ﴾ (41/حم السجدہ:19) ''اور جس دن ہانکے جائیں گے اللہ کے دشمن آگ کی طرف۔'' واضح رہے کہ یہ لفظ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے لیے بھی استعمال ہوا ہے (جیسے اوپر البقرۃ-98) اور بندے کے لیے بھی۔ بندے کی دشمنی اللہ سے یہ ہے کہ اللہ کے احکامات کی نافرمانی کرے اور اس کے رسولوں، فرشتوں اور اولیاء اللہ سے دشمنی رکھے اور اللہ کی دشمنی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ایسے شخص کو اس کے گناہ پر سزا دے گا اور اس کی مغفرت نہیں کرے گا۔ عَدُوٌّ کی قسمیں بھی دو ہیں۔ ایک دشمنی وہ ہے جو کوئی قصد اور ارادہ کے ساتھ کسی سے رکھے جیسے فرمایا ﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ﴾ (الانعام:112) یا فرمایا ﴿اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿٥٣﴾﴾ (بنی اسرائیل:53) اور دوسری دشمنی وہ ہے کہ جس میں قصد وارادہ کا دخل تو نہ ہو لیکن اس دشمنی کی حالت ایسی ہو کہ جس کی وجہ سے کسی شخص کو ویسی ہی تکلیف پہنچے جیسی کہ دشمنوں سے پہنچتی ہے مثلاً فرمایا: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ﴾ (التغابن:14) بعض بیویوں اور اولاد کو جو دشمن قرار دیا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض دفعہ آدمی بیوی بچوں کی محبت اور فکر میں پھنس کر اللہ اور اس کے احکامات کو بھلا دیتا ہے جس کا آخری انجام نقصان اور خسارے کے سوا کچھ نہیں۔ چنانچہ جو اہل وعیال اتنے بڑے نقصان کا سبب بنیں وہ حقیقتاً دوست نہیں بلکہ دشمن ہیں۔ (واللہ اعلم)۔

عَدَاوَةٌ اسم ذات ہے۔ دشمنی۔ اس کا تعلق دل کی کیفیت سے ہے۔ یعنی باہمی ہم آہنگی نہ ہونا۔ ﴿وَ اَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ﴾ (5/المائدہ:64) ''اور ہم نے ڈال دی ان کے مابین دشمنی اور بغض قیامت کے دن تک کے لیے۔''

عُدْوَانٌ اسم ذات ہے۔ زیادتی۔ ظلم۔ عُدْوَانٌ وہ ظلم ہے جو عدل نہ کرنے سے ہوتا ہے۔ ﴿وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ۠﴾ (5/المائدہ:2) ''اور تم لوگ تعاون مت کرو گناہ اور زیادتی پر۔''

عُدْوَةٌ اسم ذات ہے۔ کسی چیز کی حد۔ کنارہ۔ ﴿اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا﴾ (8/الانفال:42) ''جب تم لوگ تھے نزدیکی کنارے پر۔''

(مفاعلہ) **مُعَادَاةٌ اور عِدَاءٌ** باہم جھگڑا کرنا۔ کسی سے دشمنی رکھنا۔ ﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ﴾ (60/الممتحنۃ:7) ''قریب ہے کہ اللہ پیدا کر دے تمہارے مابین اور ان کے مابین جن سے تمہارا جھگڑا ہے، ان میں سے کچھ کے، محبت۔''

(تفعّل) **تَعَدٍّ** کوشش کر کے تجاوز کرنا۔ جانتے بوجھتے تجاوز کرنا۔

يَتَعَدَّ مضارع مجزوم ہے۔ ﴿وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا﴾ (4/النساء:14) ''اور جس نے نافرمانی کی اللہ اور اس کے رسول کی اور تجاوز کیا اس کی حدود سے تو وہ داخل کرے گا اس کو آگ میں۔''

(افتعال) **اِعْتِدَاءٌ** اہتمام سے تجاوز کرنا۔ زیادتی کرنا۔ ﴿وَ لَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ﴾ (2/البقرہ:65) ''اور تم لوگ جان چکے ہو ان لوگوں کو جنھوں نے تجاوز کیا تم میں سے ہفتہ کے دن میں۔'' ﴿فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٧٨﴾﴾ (2/البقرہ:178) ''پس جو زیادتی کرے اس کے بعد تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

اِعْتَدِ ج: اِعْتَدُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو زیادتی کر۔ ﴿فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠﴾ (2/البقرہ:194) ''پس جس نے زیادتی کی تم لوگوں پر تو تم لوگ زیادتی کرو اس پر، اس کی مانند جو اس نے زیادتی کی تم پر۔''

مُعْتَدٍ ج: مُعْتَدُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ حد سے بڑھنے والا۔ زیادتی کرنے والا۔﴿ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبِ ﴾ (50/قٓ:25) ''جو نیک کام سے روکنے والا، حد سے گزرنے والا اور شک کرنے والا تھا۔'' ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴾ (2/البقرہ:190) ''بیشک اللہ پسند نہیں کرتا زیادتی کرنے والوں کو۔''

اَلْاَرْضُ (ء ر ض): البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔

ق ر ر

(ض-س) (ا) قَرًّا اور قُرُوْرًا کسی چیز کا ٹھنڈا ہو کر جم جانا۔ ٹھنڈا ہونا۔ ٹھنڈا رکھنا (لازم ومتعدی) ﴿ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا ﴾ (20/طٰہٰ:40) ''تو ہم نے لوٹایا آپؑ کو (یعنی موسیٰؑ کو) آپؑ کی والدہ کی طرف تاکہ ٹھنڈی ہو اس کی آنکھ۔''

(ب) قَرَارًا ٹھہرنا۔﴿ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴾ (23/مومنون:50) ''اور ہم نے ابن مریمؑ اور اُن کی والدہ کو ایک بڑا نشان بنایا اور ہم نے اُن دونوں کو بلند زمین پر پناہ دی جو ٹھہرنے کے قابل اور شاداب تھی۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

قَرِّ فعل امر ہے۔ تو ٹھنڈا رہ۔ ٹھنڈا رکھ۔ تو ٹھہر۔﴿ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ﴾ (19/مریم:26) ''پس تو کھا اور تو پی اور تو ٹھنڈی رکھ آنکھ۔'' (قَرِّيْ، واحد مؤنث حاضر کا صیغہ ہے)۔﴿ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ ﴾ (33/الاحزاب:33) ''اور تم ٹھہری رہو اپنے گھروں میں۔'' (قَرْنَ، جمع مؤنث حاضر کا صیغہ ہے)۔

قَرَارٌ (1) اسم ذات بھی ہے۔ مطلب ہے ٹھہراؤ۔﴿ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ اِۨجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴾ (14/ابراہیم:26) ''اور مثال گندی بات کی جیسے درخت گندہ اُکھاڑ لیا اُس کو زمین کے اُوپر سے کچھ نہیں اُس کو ٹھہراؤ۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

(2) اسم ظرف ہے۔ مطلب ہے ٹھہرنے کی جگہ۔ ٹھکانہ۔ مقام۔﴿ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴾ (23/المؤمنین:13) ''پھر ہم نے اُسے نطفہ بنایا ایک محفوظ مقام میں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔﴿ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴾ (14/ابراہیم:29) ''جہنم جس میں وہ داخل ہوں گے اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے۔''

قُرَّةٌ اسم ذات ہے۔ ٹھنڈک۔﴿ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ ﴾ (25/الفرقان:74) ''اور یہ وہ لوگ ہیں جو دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔﴿ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ﴾ (28/القصص:9) ''اور فرعون کی بیوی نے کہا یہ تو میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔'' یہاں اس آیت مبارکہ میں قُرَّةٌ کو لمبی 'ت' کے ساتھ لکھا گیا ہے (واللہ اعلم)۔

قَارُوْرَةٌ ج: قَوَارِيْرُ۔ شیشہ۔﴿ قَوَارِيْرَاۡ مِنْ فِضَّةٍ ﴾ (76/الدھر:16) ''چاندی کے شیشے۔'' چاندی کے قواریر ہونے کا یہ مطلب ہے کہ چاندی کی طرح سفیدی اور شیشے کی طرح صفائی ان برتنوں میں ہوگی۔

(افعال) اِقْرَارًا (1) کسی کو ٹھہرانا۔ (2) کسی بات کا اقرار کرنا۔﴿ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ ﴾ (22/الحج:5) ''اور ہم ٹھہراتے ہیں رحموں میں جو ہم چاہتے ہیں۔'' ﴿ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا ﴾ (3/آل عمران:81) ''ان لوگوں نے کہا ہم نے اقرار کیا، اس نے کہا تو تم لوگ گواہ رہو۔''

(استفعال) اِسْتِقْرَارًا ٹھہرے رہنا۔ قرار پکڑنا۔﴿ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ﴾ (7/الاعراف:143)

''لیکن تو دیکھ پہاڑ کی طرف پس اگر وہ ٹھہرا رہا اپنی جگہ پر تب تو دیکھے گا مجھ کو۔''

مُسْتَقِرٌّ اسم الفاعل ہے۔ قرار پکڑنے والا۔ ٹھہرنے والا۔ ﴿وَ لَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴾ (54/القمر:38) ''اور ان پر صبح تڑکے آ چکا ہے ٹھہرنے والا عذاب۔''

مُسْتَقَرٌّ اسم المفعول ہے جو ظرف کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ ٹھہرنے کی جگہ۔ ٹھکانہ۔ مقررہ وقت۔ ﴿اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ اِلْمُسْتَقَرُّ ﴾ (75/القیمہ:12) ''تیرے رب کی طرف اس دن ٹھہرنے کی جگہ ہے۔'' ﴿لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ وَّ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴾ (6/الانعام:67) ''ہر خبر کے وقوع کا ایک وقت معین ہے اور تمہیں معلوم ہی ہو کر رہے گا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت میں مُّسْتَقَرٌّ کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''مُّسْتَقَرٌّ کے لفظی معنیٰ تو ہیں جائے وقوع و استقرار کے لیکن یہاں مراد وقت وقوع و استقرار ہے، بعض نے دونوں معنیٰ جائز رکھے ہیں۔''

م ت ع

(ف) مُتُوْعًا کسی چیز کا بڑھنا۔ بلند ہونا۔

مَتَاعٌ ج: اَمْتِعَةٌ۔ سامانِ زندگی میں سے ہر وہ چیز مَتَاعٌ کہلاتی ہے جس سے انسان یا کوئی جاندار اپنے زندہ رہنے کے لیے فائدہ اٹھائے۔ ہر وہ چیز جس سے فائدہ اٹھایا جائے اور پھر وہ فنا ہو جائے۔ عارضی سامان۔ ﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ﴾ (4/النساء:77) ''آپؐ کہہ دیجیے کہ دنیا کا سامان تھوڑا ہے۔'' ﴿وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَ اَمْتِعَتِكُمْ ﴾ (4/النساء:102) ''چاہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ اگر تم لوگ غافل ہوا اپنے ہتھیاروں سے اور اپنے سامان سے۔''

(تفعیل) تَمْتِيْعًا لمبا کرنا یا بلند کرنا۔ کسی دوسرے کو ایسا سامانِ دنیا دینا جس سے وہ فائدہ اٹھا سکے۔ فائدہ پہنچانا۔ ﴿وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ﴾ (25/الفرقان:18) ''اور لیکن تو نے عرصہ دراز تک فائدہ اٹھانے دیا ان کو اور ان کے باپ دادا کو یہاں تک کہ وہ لوگ بھول گئے یاد دہانی کو۔''

مَتِّعْ ج: مَتِّعُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو فائدہ اٹھانے دے۔ تو برتنے کی چیز دے۔ ﴿وَ مَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ﴾ (2/البقرہ:236) ''اور برتنے کا سامان دو ان عورتوں کو وسعت والے پر ہے اس کی قدرت کے مطابق اور تنگدست پر ہے اس کی قدرت کے مطابق۔''

(تفعّل) تَمَتُّعًا کوشش کر کے کسی چیز سے فائدہ اٹھانا۔ ﴿وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَ يَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ ﴾ (47/محمد:12) ''اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اور کھاتے ہیں جیسے کھاتے ہیں چوپائے۔'' (حج کے ایک ہی سفر میں پہلے عمرے کا احرام باندھ کر عمرہ کر لیا جائے پھر مکہ مکرمہ سے ہی حج کا احرام باندھ کر حج کیا جائے تو اسے (ڈبل فائدہ اٹھانے کی وجہ سے) ''حج تمتع'' کہتے ہیں)۔

تَمَتَّعْ ج: تَمَتَّعُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو فائدہ اٹھا۔ ﴿فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ﴾ (11/ھود:65) ''تو انہوںؑ نے کہا تم لوگ فائدہ اٹھا لو اپنے گھر میں تین دن۔'' قرآن مجید میں جہاں کہیں تَمَتَّعْ اور تَمَتَّعُوْا (فعل امر) کے صیغے آئے ہیں تو اس سے دنیا سے فائدہ اٹھانے کو کہا گیا ہے اور بطور ڈانٹ کے کہا گیا ہے۔ یعنی تمہیں ڈھیل دی جا رہی ہے برت لو جو برتنا ہے۔ (لغات القرآن۔ تلخیصاً)

(استفعال) اِسْتِمْتَاعًا کسی چیز سے فائدہ اٹھانا۔ ''کسی شخص یا مال سے کوئی فائدہ حاصل کیا جائے تو اس کو استمتاع کہتے ہیں عربی قواعد کی

رو سے کسی کلمہ کے مادے میں ’س‘ اور ’ت‘ کا اضافہ کر دینے سے طلب وحصول کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔‘‘ (معارف القرآن، ج۲، ص: ۳۶۶) ﴿ اَذۡهَبۡتُمۡ طَيِّبٰتِكُمۡ فِىۡ حَيَاتِكُمُ الدُّنۡيَا وَاسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِهَا ۚ ﴾ (46/الاحقاف:20) ’’تم لوگ لے گئے اپنی پاکیزہ چیزیں اپنی دنیاوی زندگی میں اور تم لوگوں نے فائدہ اٹھایا اس سے۔‘‘

ح ی ن

(ض) **حَيۡنًا** کسی چیز کا وقت قریب آنا۔

حِيۡنٌ ظرف زمان ہے۔ وقت۔ حِيۡنٌ کہتے ہیں طویل اور لا محدود زمانے کا ایک محدود حصہ یعنی وہ خاص وقت جو اس طویل زمانے کے اندر کبھی پیش آیا ہو۔ اس طویل اور لا محدود زمانے کو قرآن میں الدّھر کہا گیا ہے۔ حِيۡنٌ ظرف مبہم ہے یعنی اس میں غیر معین وقت کا مفہوم ہے۔ اگر کسی معین وقت کا ذکر ہو تو اس کے بعد مضاف الیہ یا کوئی فعل لاتے ہیں۔ ﴿ وَمَتَّعۡنٰهُمۡ اِلٰى حِيۡنٍ ﴿۹۸﴾ ﴾ (10/یونس:98) ’’اور ہم نے برتنے دیا ان کو ایک وقت تک یعنی کچھ عرصہ تک۔‘‘ (غیر معین) ﴿ وَالصّٰبِرِيۡنَ فِى الۡبَاۡسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيۡنَ الۡبَاۡسِ ؕ ﴾ (2/البقرہ:177) ’’اور ڈٹے رہنے والے سختی میں اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت۔‘‘ (معین وقت) ﴿ وَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ حِيۡنَ يَرَوۡنَ الۡعَذَابَ ﴾ (25/الفرقان:42) ’’اور وہ لوگ جلد ہی جان لیں گے جس وقت وہ لوگ دیکھیں گے عذاب کو۔‘‘ (معین وقت)۔

حِيۡنَئِذٍ۔ حِيۡنٌ کے بعد اِذۡ کا اضافہ کر کے حِيۡنَئِذٍ بنا دیا جاتا ہے۔ اور یہ کسی معین وقت کی طرف اشارہ کے لیے آتا ہے۔ بمعنی ’’اس وقت۔‘‘ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَنۡتُمۡ حِيۡنَئِذٍ تَنۡظُرُوۡنَ ﴿۸۴﴾ ﴾ (56/الواقعۃ:84) ’’اور تم اس وقت (مرنے والے کی حالت کو) دیکھ رہے ہوتے ہو۔‘‘

ترکیب اَزَلَّ فعل۔ هُمَا اس کا مفعول اور اَلشَّيۡطٰنُ اس کا فاعل ہے۔ هُمَا کی ضمیر مفعولی، حضرت آدمؑ اور بی بی حوّا کے لیے ہے۔ عَنۡهَا متعلق فعل ہے۔ عَنۡ یہاں پر سببیہ ہے اور ’ھا‘ ضمیر گزشتہ آیت میں لفظ اَلشَّجَرَةَ کے لیے ہے۔ مطلب ہے ’’اس درخت کے باعث‘‘ یا ’’اس درخت کی وجہ سے‘‘ شیطان نے حضرت آدمؑ اور حوّا کو پھسلا دیا۔ آگے اَخۡرَجَ کا فاعل اس میں شامل هُوَ کی ضمیر ہے جو اَلشَّيۡطٰنُ کے لیے ہے اور هُمَا اس کا مفعول ہے۔ مِمَّا۔ مِنۡ اور مَا کا مرکب ہے۔ كَانَا بھی تثنیہ کا صیغہ ہے اور مراد حضرت آدمؑ اور حوّا ہیں۔ فِيۡهِ متعلق فعل ہے۔ فِيۡهِ میں ’ہ‘ ضمیر، اَلۡجَنَّةَ کے لیے نہیں ہے کیونکہ اس کے لیے مؤنث ضمیر ’ھا‘ آتی۔ چنانچہ اس سے ’عزت وراحت‘‘ مراد لی گئی ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ ترجمہ کرتے ہیں ’’پھر نکالا ان کو اس عزت وراحت سے کہ جس میں تھے۔‘‘ قُلۡنَا ماضی کا صیغہ ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر نَحۡنُ ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اِهۡبِطُوۡا فعل امر ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر اَنۡتُمۡ ہے جو کہ حضرت آدمؑ، بی بی حوّا اور شیطان کے لیے ہے۔ گو یا اِهۡبِطُوۡا کے حکم میں یہ سب شامل تھے۔ اگلہ جملہ بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ، اِهۡبِطُوۡا کی ضمیر فاعلی کا حال ہے یعنی ’’تم سارے اتر جاؤ اس حال میں کہ تم میں سے بعض، بعض کے دشمن ہیں۔‘‘ بَعۡضُكُمۡ مبتدا ہے، عَدُوٌّ خبر اور لِبَعۡضٍ متعلق خبر ہے۔ آگے مُسۡتَقَرٌّ اور مَتَاعٌ مبتدا مؤخر ہیں۔ لَكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ قائم مقام خبر مقدم اور اِلٰى حِيۡنٍ متعلق خبر ہے۔ (واللہ اعلم)۔

ترجمہ	فَاَزَلَّهُمَا	الشَّيۡطٰنُ	عَنۡهَا	فَاَخۡرَجَهُمَا
البقرۃ:36	پھر پھسلا دیا ان دونوں کو	شیطان نے	اس (درخت کی وجہ) سے	پھر اس نے نکالا ان دونوں کو

مِمَّا كَانَا فِيۡهِ ۖ	وَقُلۡنَا	اهۡبِطُوۡا	بَعۡضُكُمۡ
اس میں سے جس (عزت وراحت) میں وہ دونوں تھے	اور ہم نے کہا	تم لوگ اترو	(اس حال میں کہ) تم میں سے بعض

لِبَعْضٍ	عَدُوٌّ ج	وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ	مُسْتَقَرٌّ
بعض کے	دشمن ہیں	اور تمہارے لیے زمین میں ہے	ایک ٹھہرنے کی جگہ

وَّمَتَاعٌ	اِلٰى حِيْنٍ ۝
اور فائدہ اٹھانے کا کچھ سامان	ایک عرصہ کے لیے

نوٹ:1 ایک اہم بات یہ نوٹ کر لیں کہ فَاَزَلَّهُمَا میں ضمیر مفعولی هُمَا تثنیہ کے صیغے میں آئی ہے۔ اس سے وضاحت ہو جاتی ہے کہ لغزش میں حضرت آدمؑ اور بی بی حوّا، دونوں شامل تھے۔ اس لیے یہ عام خیال غلط ہے کہ بی بی حوّا نے حضرت آدمؑ کو جنت سے نکلوایا تھا۔ اس کی مزید تصدیق آگے فَاَخْرَجَهُمَا کے الفاظ سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو جنت سے نکلوانے کا ذمہ دار شیطان کو قرار دیا ہے۔ اس کی ذمہ دار اگر بی بی حوّا ہوتیں تو اَخْرَجَ کے بجائے اَخْرَجَتْ کا صیغہ آتا اور ضمیر مفعولی واحد مذکر آتی۔ (اَخْرَجَتْهُ)۔ شیطان نے اُس درخت کی وجہ سے حضرت آدمؑ اور حضرت بی بی حوّا کو کیسے بہکایا اس کی تفصیل سورۂ طٰہٰ آیت 120 میں ہے۔

نوٹ:2 انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں البتہ ان سے نسیان (بھول)، اجتہادی غلطی وغیرہ کا صدور ہو سکتا ہے جو کہ عصمت کے خلاف نہیں۔ حضرت آدمؑ سے شجرہ ممنوعہ کھا لینے میں نسیان ہی ہوا تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۝﴾ (طٰہٰ:115) ''سو وہ بھول گئے اور نہ پایا ہم نے (اس لغزش میں) ان کا کوئی قصد۔''

آیت:37

﴿فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝﴾

تَلَقّٰٓى (ل ق ی): البقرۃ آیت 14 دیکھیں۔ اٰدَمُ (ء د م): البقرۃ آیت 31 دیکھیں۔ رَبٌّ (ر ب ب): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

ك ل م

(ض۔ن) **كَلْمًا** زخم لگانا۔ 'ک ل م' ان مادوں میں سے ہے جن کا مفہوم ثلاثی مزید فیہ میں جا کر بالکل تبدیل ہو جاتا ہے۔

(تفعیل) **تَكْلِيْمًا** کسی سے بات چیت کرنا۔ گفتگو کرنا۔ ﴿قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ﴾ (3/آل عمران:41) ''اس نے یعنی اللہ نے کہا آپؑ کی نشانی ہے کہ آپؑ بات نہیں کریں گے لوگوں سے تین دن۔'' ﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۝﴾ (4/النساء:164) ''اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے اس طرح گفتگو کی جس طرح گفتگو کی جاتی ہے۔''

(تفعّل) **تَكَلُّمًا** بولنا۔ کہنا۔ ﴿لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ﴾ (78/النبا:38) ''وہ لوگ نہیں بولیں گے مگر وہ جس کو اجازت دی اللہ نے۔''

كَلِمَةٌ ج: كَلِمَاتٌ اور كَلِمٌ۔ اسم ذات ہے۔ كَلِمَةٌ کا لغوی معنیٰ ''بامعنی بات'' ہے جس کا ادراک سماعت سے ہو سکے اور اس کا مفہوم بھی سمجھ میں آ سکے۔ اس کا اطلاق منظم و مرتب الفاظ اور اِن کے معانی دونوں کے مجموعہ پر ہوتا ہے جیسے كَلِمَةُ التَّوْحِيْدِ (لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰهِ)، كَلِمَةُ التَّقْوٰى (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) اور بامعنی کلام کے ہر جز پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے خواہ وہ اسم ہو، فعل ہو یا حرف ہو۔ چنانچہ عربی زبان میں کسی بات، خطبہ، شعر اور پورے

قصیدے کے لیے اس کا استعمال جائز ہے اور قرآن مجید میں حضرت عیسیٰؑ کو بھی کَلِمَۃُ اللّٰہ کہا گیا ہے کیونکہ وہ کلمہ کُنْ سے پیدا ہوئے تھے۔ کلمہ کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کے معنی عجائباتِ قدرت، قوانین فطرت اور اللہ تعالیٰ کے تخلیقی کارنامے مراد ہوتے ہیں۔ (تفہیم القرآن) چنانچہ فرمایا: ﴿ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴾ (18/الکہف:109) ''کہہ دو اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لکھنے کے لیے سیاہی ہو تو قبل اس کے کہ میرے رب کی باتیں تمام ہوں سمندر ختم ہو جائے اگرچہ ہم ویسا ہی اور اُس کی مدد کو لائیں۔'' جب کلمہ کی نسبت اللہ تعالیٰ سے انسان کی طرف ہو تو اس سے مراد احکام الٰہیہ اور فرامین الٰہیہ ہوتے ہیں۔ ﴿ اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ﴾ (39/الزمر:19) ''بھلا جس شخص پر عذاب کی بات ثابت ہو چکی ہے تو کیا آپؐ اُسے جو دوزخ میں ہے چھڑا سکتے ہیں۔'' ﴿ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ ﴾ (23/المومنون:100) ''یہ تو بس ایک بات ہے، وہ اس کا کہنے والا ہے۔ ﴿ وَ يُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴾ (10/یونس:82) ''اور سچ کرتا ہے اللہ حق کو اپنے فرمانوں سے اگرچہ ناپسند کریں مجرم لوگ۔'' ﴿ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ﴾ (5/المائدہ:13) ''وہ لوگ پھیرتے ہیں الفاظ کو ان کے اصل مقام سے۔''

كَلَامٌ اسم ذات ہے۔ منظم، مرتب اور مکمل بات۔ کلام۔ بعض بزرگوں کا قول ہے کہ کلام ہر ایسی مفید بات کو کہتے ہیں جو مخاطب کی سمجھ میں آنے والی ہو۔ اور بعض بزرگوں کا قول ہے کہ کلام ایسی صفت ہے جس سے کوئی زندہ اپنے مافی الضمیر (جو کچھ اُس کے دل میں ہے) کو زبانی الفاظ، تحریر یا اشارات کے ذریعے دوسرے کو سمجھا سکے۔ ﴿ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ ﴾ (48/الفتح:15) ''وہ لوگ چاہتے ہیں کہ تبدیل کر دیں اللہ کے کلام کو۔''

ت و ب

(ن) تَوْبًا، تَوْبَةً اور مَتَابًا رجوع کرنا۔ پلٹنا۔ واپس ہونا۔ (۱) گناہ کے بعد بندے کا اپنی غلطی پر شرمندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف پلٹنا۔ توبہ کرنا۔ (۲) اللہ کا پلٹنا بندے پر اپنی شفقت اور رحمت کے ساتھ۔ توبہ قبول کرنا۔ توبہ کرنے کے مفہوم میں فعل کے ساتھ کبھی اِلٰی کا صلہ آتا ہے اور کبھی صلہ کے بغیر آتا ہے۔ اس وقت دراصل اِلَى اللّٰهِ کے الفاظ محذوف ہوتے ہیں۔ جبکہ توبہ قبول کرنے کے مفہوم میں فعل کے ساتھ عَلٰی کا صلہ آتا ہے۔ ﴿ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ ﴾ (5/المائدہ:74) ''تو وہ لوگ کیوں نہیں پلٹتے اللہ کی طرف یعنی کیوں توبہ نہیں کرتے اور مغفرت طلب کرتے اس سے۔'' ﴿ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ﴾ (6/الانعام:54) ''بیشک وہ جس نے عمل کیا تم میں سے کسی برائی کا پھر وہ پلٹا یعنی اس نے توبہ کی اس کے بعد۔'' ﴿ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَ يُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ ﴾ (33/الاحزاب:24) ''تاکہ اللہ جزا دے سچوں کو ان کی سچائی کے سبب سے اور تاکہ وہ عذاب دے منافقوں کو اگر وہ چاہے، یا وہ ان کی توبہ قبول کرے۔'' ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ ﴾ (66/التحریم:8) ''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے سامنے سچی خالص توبہ کرو۔'' ﴿ وَ مَنْ تَابَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴾ (25/الفرقان:71) ''اور جس نے توبہ کی اور نیک کام کیے تو اُس نے رجوع کیا اللہ تعالیٰ کی طرف جیسے رجوع کا حق ہے۔''

تُبْ ج: تُوْبُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو توبہ کر یا تو توبہ قبول کر۔ ﴿ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَيْنَا ﴾ (2/البقرۃ:128) ''اور تو سمجھا دے ہم کو ہمارے عبادت کے طریقے اور تو ہماری توبہ قبول فرما۔'' ﴿ وَ يٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ ﴾

(11/ھود:52) ''اور اے میری قوم تم لوگ مغفرت طلب کرو اپنے رب کی پھر تم لوگ توبہ کرو۔''

تَآئِبٌ ج: تَآئِبُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مذکر کا صیغہ۔ توبہ کرنے والا یا توبہ قبول کرنے والا۔ ﴿ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ ﴾ (9/التوبۃ:112) ''توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے۔'' قرآن مجید میں تائب کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال نہیں ہوا۔

تَآئِبَةٌ ج: تَآئِبَاتٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مؤنث کا صیغہ۔ توبہ کرنے والی۔ ﴿ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ ﴾ (66/التحریم:5) ''جو اسلام والیاں، ایمان والیاں، اللہ کے حضور جھکنے والیاں، توبہ کرنے والیاں۔''

تَوَّابٌ ج: تَوَّابُوْنَ۔ فَعَّالٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ بہت زیادہ اور بار بار توبہ کرنے والا یا توبہ قبول کرنے والا۔ ﴿ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴾ (9/التوبۃ:104) ''اور یہ کہ اللہ ہی بار بار توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔'' ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ ﴾ (2/البقرہ:222) ''یقیناً اللہ پسند کرتا ہے بار بار توبہ کرنے والوں کو۔'' تَوَّابٌ کا لفظ اللہ تعالیٰ اور بندے دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''لفظ تَوَّابٌ بندہ کے لیے بھی بولا جاتا ہے جیسے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ ﴾ (2/البقرۃ:222) ''اور اللہ تعالیٰ کے لیے بھی جیسے اس آیت میں ﴿ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴾ (2/البقرۃ:37) '' جب بندے کے لیے استعمال ہوتا ہے تو معنی ہوتے ہیں گناہ سے اطاعت کی طرف رجوع کرنے والا، اور جب اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوتا ہے تو معنی ہوتے ہیں توبہ قبول کرنے والا، یہ صرف لفظ تَوَّابٌ کا حکم ہے اسی معنی کا دوسرا لفظ تَآئِبٌ ہے، اس کا استعمال اللہ تعالیٰ کے لیے جائز نہیں، اگرچہ لغوی معنی کے اعتبار سے وہ بھی غلط نہیں، مگر اللہ تعالیٰ کی شان میں صرف وہی صفات اور القاب استعمال کرنا جائز ہیں جن کا ذکر قرآن وسنت میں وارد ہے، باقی دوسرے الفاظ اگرچہ معنی کے اعتبار سے صحیح ہوں مگر اللہ تعالیٰ کے لیے اس کا استعمال درست نہیں۔'' (معارف القرآن، ج ا ص ۲۰۱)۔

تَوْبَةٌ اور تَوْبٌ اسم ذات ہیں۔ توبہ۔ ﴿ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ ﴾ (9/التوبۃ:104) ''کیا وہ لوگ جانتے نہیں کہ اللہ ہی قبول کرتا ہے توبہ کو اپنے بندوں سے۔'' ﴿ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ﴾ (40/المومن:3) ''گناہ کا بخشنے والا اور توبہ کا قبول کرنے والا ہے سخت سزا دینے والا ہے۔''

توبہ جب بندے کی طرف سے ہو تو وہ چار چیزوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ (ا) اپنے کیے ہوئے گناہ کو گناہ سمجھنا اور اُس پر ندامت ہونا۔ (ب) اس گناہ کو بالکل چھوڑ دینا۔ (ج) آئندہ کے لیے دوبارہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرنا۔ یعنی گزشتہ پر ندامت اور اعتراف جرم، حال میں اُس کا ترک کرنا اور مستقبل میں نہ کرنے کا ارادہ کرنا اور چوتھی شرط یہ ہے کہ (د) اگر معاملہ حقوق العباد کا ہو تو جس کا حق مارا ہو اس کا حق واپس کرنا یا اس سے معافی مانگنا اور اگر معاملہ حقوق اللہ کا ہے تو جو فرائض فوت ہو چکے ہوں اور اگر ان کی قضا ہے، تو قضا ادا کرنا۔ یہ چار چیزیں کسی توبہ میں ہوں، تب وہ حقیقتاً توبہ ہے۔

اَلرَّحِيْمُ (ر ح م): آیت بسم اللہ دیکھیں۔

ترکیب فَتَلَقّٰٓى فعل ماضی، اٰدَمُ فاعل، مِنْ رَّبِّهٖ متعلق فعل اور كَلِمٰتٍ مفعول ہے۔ تَابَ کے ساتھ عَلٰی کا صلہ آیا ہے چنانچہ اس کا مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ حضرت آدمؑ پر متوجہ ہوا یا دوسرے الفاظ میں ان کی توبہ قبول کی۔ عَلَيْهِ میں 'ہ' ضمیر حضرت آدمؑ کے لیے اور تَابَ کی ضمیر فاعلی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اِنَّ کا اسم منصوب ہوتا ہے، اس لیے اِنَّهٗ میں اِنَّ کے بعد ضمیر مرفوعہ هُوَ کے بجائے ضمیر منصوبہ هٗ آئی ہے۔ هُوَ ضمیر فاصل ہے، کیونکہ تَوَّابٌ اور رَحِيْمٌ، خبریں معرّف باللّام ہیں اور اس سے حصر کا مفہوم بھی پیدا ہوا ہے۔

ترجمہ
البقرۃ:37

فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ	كَلِمٰتٍ	مِنْ رَّبِّهٖ	اٰدَمُ	فَتَلَقّٰٓى
تو اس (اللہ تعالیٰ) نے توبہ قبول کی ان (آدمؑ) کی	کچھ الفاظ	اپنے رب سے	حضرت آدمؑ نے	تو سیکھ لیے

اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝
یقیناً وہ ہی بار بار توبہ قبول کرنے والا بہت رحم کرنے والا ہے

نوٹ: 1 دیکھیے یہاں تَلَقّٰی کی جگہ عَلَّمَ کا لفظ بھی آ سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو ان کلمات کا علم سکھا دیا اور تَعَلَّمَ بھی آ سکتا تھا کہ حضرت آدمؑ نے خود کوشش کر کے کلمات سیکھ لیے۔لیکن یہاں تَلَقّٰی آیا ہے جو فصاحت اور بلاغت کی انتہا ہے اور اس ایک لفظ نے حضرت آدمؑ کی کیفیت کو واضح کر دیا ہے۔ یعنی وہ جنت سے نکالے جانے کی وجہ سے اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے کی وجہ سے بہت بے قرار تھے اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کو کلمات سکھائے تو انہوں نے ان کا بھرپور طریقے سے استقبال کیا۔مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''تَلَقّٰی کے معنی ہیں شوق اور رغبت کے ساتھ کسی کا استقبال کرنا اور اس کو قبول کرنا ہے۔مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب اُن کو توبہ کے کلمات کی تلقین کی گئی تو آدمؑ نے اہتمام کے ساتھ اُن کو قبول کیا۔'' (معارف القرآن، ج۱،ص۱۹۹)۔ یہ کلمات سورۃ الاعراف کی آیت نمبر 23 میں بیان ہوئے ہیں۔﴿ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ﴾۔اس آیت مبارکہ سے عیسائیوں کے عقیدے (Original Sin) کی بھی نفی ہو گئی ہے۔حدیث پاک میں ہے کہ ان کلمات کو اپنی دعا میں اپناؤ جن کے ذریعے تمہارے باپ آدمؑ کی توبہ قبول ہوئی۔(واللہ اعلم)۔

آیت: 38

﴿ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ ﴾

قُلْنَا (ق و ل): البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ اِهْبِطُوْا (ھ ب ط): البقرۃ آیت 36 دیکھیں۔ جَمِيْعًا (ج م ع): البقرۃ آیت 29 دیکھیں۔

اِمَّا اِمَّا ''حروف غیر عاملہ'' میں سے ہے اس کے معنی ہوتے ہیں ''یا'' اور یہ جملے میں دو بار استعمال ہوتا ہے اور کئی معنی دیتا ہے۔

(1) بطور حرف تفصیل: جیسے فرمایا: ﴿ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ۝ ﴾ (76/ الدھر:3) ''ہم ہی نے اس کو راستہ بتایا (پھر) یا تو وہ شکر گزار ہوا اور یا کافر ہو گیا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ''ہم نے اس کو سجھائی راہ یا حق ماننا ہے اور یا ناشکری کرتا ہے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

(2) شک وابہام کے موقع پر جیسے: جَاءَ اِمَّا زَيْدٌ وَاِمَّا خَالِدٌ۔ یا تو زید آیا ہے یا خالد گو یا یہ معلوم نہیں کہ دونوں میں سے کون آیا ہے۔

(3) اِبَاحَتْ (جائز قرار دینا) اور تخییر (اختیار دینا) کے معنی بھی دیتا ہے۔جیسے فرمایا ﴿ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ۝ ﴾ (7/ الاعراف:115) ''وہ (جادوگر) بولے اے موسیٰؑ یا تو آپؑ پہلے ڈالیے یا ہم ہی پہلے ڈالنے والے ہوں۔'' یہاں اس آیت مبارکہ میں اِمَّا تخییر کے معنی دے رہا ہے۔

<u>نوٹ:</u> کبھی اِمَّا، اِنْ شرطیہ اور 'مَا' زائدہ کا مرکب ہوتا ہے اور 'مَا' زائدہ تاکید کے معنی دیتا ہے۔اِنْ شرطیہ کے ساتھ مضارع مجزوم آتا ہے لیکن اِمَّا کے ساتھ مضارع، نِ ثقیلہ کے ساتھ آتا ہے جیسے آیت زیر مطالعہ میں ہے یا فرمایا: ﴿ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ ﴾ (9/ مریم:26) ''پھر اگر تو دیکھے کوئی آدمی۔'' ﴿ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ﴾ (17/ بنی اسرائیل:28) ''اور اگر آپؐ کو اُن سے منہ پھیرنا ہی پڑے۔'' وغیرہ۔

يَاْتِيَنَّ (ء ت ی): البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔ هُدًى (ھ د ی): الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ مَنْ: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔

ت ب ع

(س) **تَبَعًا** کسی کے نقشِ قدم پر چلنا۔ کسی کی پیروی کرنا۔ ﴿فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ ۚ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾ (14/ابراہیم:36) ''پس جس نے میری پیروی کی تو یقیناً وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو بیشک تو بہت ہی بخشنے والا ہر حال میں رحم کرنے والا ہے۔''

تَابِعٌ ج: تَابِعُوْنَ اور تَبَعٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ پیروی کرنے والا۔ خدمت کرنے والا۔ نوکر۔ ﴿وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ﴾ (2/البقرۃ:145) ''اور آپؐ پیروی کرنے والے نہیں ہیں ان کے قبلہ کی۔'' ﴿اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا﴾ (40/المومن:47) ''بیشک ہم تو تمہاری پیروی کرنے والے تھے۔'' ﴿اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ﴾ (24/النور:31) ''یا اپنے ایسے نوکروں پر جو (عورت) کے خواہش مند نہ ہوں مردوں میں سے۔'' (نوٹ: تَبَعٌ مصدر بھی ہے مطلب ہے پیروی کرنا اور تَابِعٌ کی جمع بھی ہے مطلب ہے پیروی کرنے والے)۔

تَبِیْعٌ فَعِیْلٌ کے وزن پر بمعنی اسم الفاعل ہے۔ اس لفظ کے لفظی معنی ہیں ''پیچھا کرنے والا۔'' البتہ ہمارے بزرگوں نے اس لفظ کے کئی طرح سے ترجمے کیے ہیں، مثلاً: باز پرس کرنے والا۔ دعویٰ کرنے والا۔ انتقام لینے والا، وغیرہ۔ قرآن مجید میں یہ ایک ہی مرتبہ، سورہ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 69 میں استعمال ہوا ہے۔ ﴿ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَیْنَا بِهٖ تَبِیْعًا ﴾ ''اور تم کو اس بات پر ہمارا کوئی پیچھا کرنے والا نہ ملے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ''پھر نہ پاؤ اپنی طرف سے ہم پر اُس کا کوئی باز پرس کرنے والا۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''پھر تم اپنے لیے ہم پر اُس کا دعویٰ (پیچھا) کرنے والا کسی کو نہ پاؤ گے۔'' (ترجمہ احسن البیان) ''پھر تم نہیں پاؤ گے اپنے لیے ہم سے اس ڈبونے پر کوئی انتقام لینے والا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

تُبَّعٌ یمن کے بادشاہوں کا لقب تھا۔ ﴿اَهُمْ خَیْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ﴾ (44/الدخان:37) ''کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا یمن کے بادشاہوں کی قوم۔''

(افعال) **اِتْبَاعًا** (۱) کسی کے پیچھے لگنا۔ (۲) کسی کو کسی کے پیچھے لگانا، اس صورت میں اس کے دو مفعول ہوتے ہیں۔ ﴿فَاَتْبَعَهُ الشَّیْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴾ (7/الاعراف:175) ''پس پیچھے لگا اس کے شیطان تو وہ ہو گیا گمراہوں میں سے۔'' ﴿وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً ۚ﴾ (28/القصص:42) ''تو ہم نے ان کے پیچھے لگا دیا اس دنیا میں لعنت کو۔''

(افتعال) **اِتِّبَاعًا** اہتمام سے پیروی کرنا۔ پیچھا کرنا۔ ﴿رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ﴾ (3/آل عمران:53) ''اے ہمارے رب ہم ایمان لائے اس پر جو تو نے نازل کیا اور ہم نے پیروی کی اِن رسولؑ کی۔'' پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''کسی کے فعل کے اتباع کا یہ معنی ہے کہ اس کے اس فعل کو اس طرح کیا جائے جس طرح وہ کرتا ہے اور اس لیے کیا جائے کیونکہ وہ کرتا ہے۔'' (ضیاء القرآن، ج ا، ص: ۲۲۳)

اِتَّبِعْ ج: اِتَّبِعُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو پیروی کر۔ ﴿وَّاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ۚ﴾ (31/لقمان:15) ''اور تو پیروی کر اس کے راستے کی جس نے رخ کیا میری طرف۔'' ﴿وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ (2/البقرۃ:170) ''اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم لوگ پیروی کرو اُس کی جس کو نازل کیا اللہ نے۔''

مُتَّبَعٌ ج: مُتَّبَعُوْنَ۔ اسم المفعول ہے۔ جس کی پیروی کی جائے۔ جس کا پیچھا کیا جائے۔ ﴿فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ۙ ﴾ (44/الدخان:23) ''تو تم روانہ ہو میرے بندوں کے ساتھ رات کے وقت یقیناً تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔''

(تفاعل) تَتَابُعًا ایک کے پیچھے ایک آنا۔لگا تار آنا۔

مُتَتَابِعٌ ج: مُتَتَابِعُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ ایک کے پیچھے ایک آنے والا۔لگا تار آنے والا۔ ﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ﴾(4/النساء:92)''پس جو نہ پائے تو روزہ (رکھنا) ہے ایک کے پیچھے ایک آنے والے یعنی مسلسل دو مہینوں کا۔''

خ و ف

(ف) خَوْفًا اور خِيْفَةً آئندہ پیش آنے والی کسی تکلیف ومصیبت کا اندیشہ کرنا۔ ڈرنا۔خوف محسوس کرنا۔اس کا تعلق مستقبل سے ہے۔﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ﴾(11/ھود:103)''بیشک اس میں نشانی ہے اس کے لیے جو ڈرے آخرت کے عذاب سے۔''﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً ﴾(7/الاعراف:205)''اور یاد کر اپنے رب کو اپنے جی میں گڑگڑاتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے۔'' خِيْفَةٌ، اصل میں خَوْفَةٌ تھا۔'و' ، 'ی' میں تبدیل ہوگئی اور خ کی زبر کو 'ی' کی مناسبت سے زیر میں تبدیل کر دیا۔اس طرح خِيْفَةٌ بن گیا۔اَلْخَوْفُ مِنَ اللهِ: امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ جس طرح انسان شیر کے دیکھنے سے ڈر محسوس کرتا ہے، اسی قسم کا رعب اللہ تعالیٰ کے تصور سے انسان کے قلب پر طاری ہو جائے بلکہ خوف الٰہی کے معنی یہ ہیں کہ انسان گناہوں سے بچتا رہے اور طاعات کو اختیار کرے۔اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ جو شخص گناہ ترک نہیں کرتا وہ خائف یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا نہیں ہو سکتا۔''(مفردات القرآن، ج ۱،ص ۳۲۳)

خَوْفٌ اسم ذات بھی ہے۔ڈر۔خوف۔﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ ﴾(2/البقرہ:155)''اور البتہ ہم آزمائیں گے تم کو تھوڑے سے ڈر سے اور بھوک سے۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ **خوف اور خشیّت میں فرق:** مولانا مودودیؒ ان دو لفظوں میں فرق واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:''عربی زبان میں ڈر کے لیے خوف اور خشیّت دو لفظ استعمال ہوتے ہیں جن کے مفہوم میں ایک باریک فرق ہے۔خوف کا لفظ بالعموم اُس ڈر کے لیے استعمال ہوتا ہے جو کسی کی طاقت کے مقابلہ میں اپنی کمزوری کے احساس کی بنا پر آدمی کے دل میں پیدا ہو۔اور خشیت اُس ہیبت کے لیے بولتے ہیں جو کسی کی عظمت کے تصور سے آدمی کے دل میں طاری ہو۔''(تفہیم القرآن، ج ۵،ص ۱۲۳)

خَائِفٌ ج: خَائِفُوْنَ۔اسم الفاعل ہے۔ڈرنے والا۔﴿فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ﴾(28/القصص:21)''پس وہ نکلے اس (بستی) سے ڈرنے والا ہوتے ہوئے، (اپنی گرفتاری) کا انتظار کرتے ہوئے۔''

خَفْ ج: خَافُوْا۔فعل امر ہے۔تو ڈر۔﴿فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾(3/آل عمران:175)''پس تم اُن سے نہ ڈرو بلکہ مجھ ہی سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو۔''

(تفعیل) تَخْوِيْفًا خوف دلانا۔ڈرانا۔﴿ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ﴾(39/الزمر:16)''یہ ہے، خوف دلاتا ہے اللہ اس سے اپنے بندوں کو۔'' ''اللہ تعالیٰ کا لوگوں کو ڈرانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگوں کو برے کاموں سے بچنے کی ترغیب دیتا ہے۔'' (راغبؒ)۔﴿وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴾(17/بنی اسرائیل:59)''اور ہم نہیں بھیجتے ایسی نشانیاں مگر (لوگوں کو عذاب سے) خوف زدہ کرنے کے لیے۔''

(تفعّل) تَخَوُّفًا انسان میں خوف ظاہر ہونا۔ڈرنا۔خوف محسوس کرنا۔جب اس کے ساتھ عَلٰی کا صلہ استعمال ہو تو پھر اس سے دو معنی مراد لیے جاتے ہیں (1) کسی کو ڈرانا یا خوف دلانا۔(2) تَنَقُّصٌ یعنی کسی چیز کو آہستہ آہستہ کم کرنا۔قرآن مجید میں تَخَوُّفًا

ایک ہی مرتبہ استعمال ہوا ہے سورۂ نحل کی آیت 47 میں: ﴿ اَوۡ یَاۡخُذَہُمۡ عَلٰی تَخَوُّفٍ ؕ﴾ اس آیت کا ترجمہ اِن دونوں مفہوم کے لحاظ سے کیا گیا ہے۔ ''یا پکڑے اُن کو ڈرانے کے بعد'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''یا اُنہیں گھٹاتے گھٹاتے پکڑ لے'' (ترجمہ ماجدیؒ)

ح ز ن

(س) حَزَنًا غمگین ہونا۔ پچھتانا۔ (لازم) ﴿ تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَ لَا تَحۡزَنُوۡا ﴾ (41/حٰم السجدہ:30) ''اترتے ہیں ان پر فرشتے کہ خوف مت کرو اور غمگین مت ہو۔''

(ن) حَزۡنًا غمگین کرنا۔ (متعدی) ﴿ وَ لَا یَحۡزُنۡکَ الَّذِیۡنَ یُسَارِعُوۡنَ فِی الۡکُفۡرِ ۚ﴾ (3/آل عمران:176) ''اور غمگین نہ کریں آپؐ کو وہ لوگ جو باہم سبقت کرتے ہیں کفر میں۔''

حُزۡنٌ اور حَزَنٌ دونوں اسم ذات ہیں۔ غم۔ افسوس۔ کسی مقصد و مراد کے فوت ہو جانے سے پیدا ہونے والے غم کو یا کسی پیاری چیز سے محروم ہو جانے پر دل میں جو دکھ پیدا ہوتا ہے اُسے حزن کہتے ہیں۔ اس کا تعلق ماضی سے ہے۔ ﴿ وَ ابۡیَضَّتۡ عَیۡنٰہُ مِنَ الۡحُزۡنِ ﴾ (12/یوسف:84) ''اور سفید ہو گئیں انؑ کی آنکھیں غم سے۔'' ﴿ وَ قَالُوا الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَذۡہَبَ عَنَّا الۡحَزَنَ ؕ﴾ (35/فاطر:34) ''اور ان لوگوں نے کہا تمام حمد اللہ کے لیے ہے جو لے گیا ہم سے غم کو۔''

ترکیب

قُلۡنَا فعل ماضی ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر نَحۡنُ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور اگلا جملہ وہ بات ہے جو کہی گئی ہے۔ اِہۡبِطُوۡا فعل امر ہے۔ اس میں شامل اَنۡتُمۡ کی ضمیر اس کا فاعل ہے۔ مِنۡہَا متعلق فعل ہے اور 'ھَا' ضمیر اَلۡجَنَّۃ کے لیے ہے اور جَمِیۡعًا لفظاً تو اِہۡبِطُوۡا کی ضمیر فاعلی کا حال ہے اور معناً تاکید ہے یعنی تم سب اترو۔ فَاِمَّا میں 'ف' حرف عطف ہے اور اِمَّا، اِنۡ شرطیہ اور 'مَا' زائدہ کا مرکب ہے۔ 'مَا' زائدہ تاکید کے لیے ہے۔ یَاۡتِیَنَّ، اصل میں فعل مضارع یَاۡتِیۡ پر نون ثقلیہ داخل کرنے سے بنا ہے۔ اس کا مفعول کُمۡ ضمیر ہے، مِنِّیۡ متعلق فعل ہے اور ھُدًی اس کا فاعل ہے اس لیے محلاً حالت رفع میں ہے۔ مِنِّیۡ اصل میں حرف جر مِنۡ اور یائے متکلم کا مرکب جاری ہے۔ یہ ان بعض صورتوں میں سے ہے جہاں ن وقایہ آتا ہے چنانچہ یہ مِنۡ نِیۡ ہے۔ جب اِن کو ملایا تو ن وقایہ کا مِنۡ کے 'ن' کے اندر ادغام ہوا اور مِنِّیۡ بن گیا۔ فَاِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ مِّنِّیۡ ھُدًی، جملہ شرطیہ ہے اور اس کا جواب شرط اگلا پورا جملہ فَمَنۡ تَبِعَ سے لے کر اخیر تک ہے جو کہ خود ایک جملہ شرطیہ ہے۔ چنانچہ فَمَنۡ میں 'ف' جواب شرط کے لیے ہے۔ مَنۡ شرطیہ اور مبتدا ہے۔ مَنۡ موصول، واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے یہاں مَنۡ کی لفظی رعایت کے تحت واحد مذکر غائب کا صیغہ تَبِعَ آیا ہے۔ لیکن مَنۡ یہاں جمع کے معنوں میں ہے اس لیے آگے عَلَیۡہِمۡ اور وَلَا ھُمۡ میں اس کی معنوی رعایت کرتے ہوئے جمع کی ضمیریں آئی ہیں۔ تَبِعَ فعل ماضی ہے اور اس میں شامل ضمیر اس کا فاعل ہے ھُدَایَ اس کا مفعول ہے جو کہ مرکب اضافی ہے۔ ھُدَا دراصل اَلۡھُدٰی تھا۔ مضاف ہونے کی وجہ سے لام تعریف گرا تو ھُدٰی باقی بچا اور قاعدہ یہ ہے کہ الف مقصورہ (جس کے آخر میں ___ ی ہو) والے لفظ کے بعد اگر ضمیر آئے تو اسے الف کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ چنانچہ ھُدٰی کی 'ی' گری اور ھُدَا باقی بچا۔ اس کے آگے یَ دراصل یائے متکلم ہے جس سے پہلے اگر الف ہو تو اسے فتحہ سے پڑھتے ہیں۔ تَبِعَ ھُدَایَ، جملہ فعلیہ بن کر مَنۡ کی خبر ہے اور یہ جملہ اسمیہ، شرط ہے اور محلاً مجزوم ہے۔ آگے فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ، اس شرط کی جزا ہے۔ اس میں 'ف' جواب شرط کے لیے ہے، لَا نفی کا ہے، خَوۡفٌ مبتداء ہے اور عَلَیۡہِمۡ محذوف خبر سے متعلق ہے۔ 'وَ' عطف کا ہے لَا نافیہ ہے۔ ھُمۡ مبتدا اور جملہ فعلیہ یَحۡزَنُوۡنَ اس کی خبر۔ جملہ لَا ھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ معطوف ہے جملہ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ پر۔ اور جملہ اِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ اپنے جواب شرط کے ساتھ مل کر (جو کہ خود ایک جملہ شرطیہ ہے) معطوف ہے جملہ قُلۡنَا اہۡبِطُوۡا مِنۡہَا جَمِیۡعًا پر۔ حضرت مفتی محمد شفیعؒ آیت کے آخری حصے فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ کے متعلق فرماتے ہیں: ''خوف کی نفی تو عام انداز میں کر دی گئی، مگر حزن کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ لَا حُزۡنَ عَلَیۡہِمۡ،

بلکہ بصیغۂ فعل لایا گیا، اور اُس کی ضمیر فاعل کو مقدم کر کے وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ فرمایا گیا، اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ کسی چیز یا مراد کے فوت ہونے کے غم سے آزاد ہونا صرف انہی اولیاء اللہ کا مقام ہے جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایات کی مکمل پیروی کرنے والے ہیں، ان کے سوا کوئی انسان اس غم سے نہیں بچ سکتا۔''

(معارف القرآن، ج ۱، ص ۲۰۲)

ترجمہ	قُلْنَا	اهْبِطُوْا	مِنْهَا	جَمِيْعًا	فَاِمَّا	يَاْتِيَنَّكُمْ
البقرۃ:38	ہم نے کہا	تم لوگ اترو	اس (جنت) سے	سب کے سب	پھر اگر	آئے تمہارے پاس

مِّنِّيْ	هُدًى	فَمَنْ	تَبِعَ	هُدَايَ	فَلَا خَوْفٌ
میری طرف سے	کوئی ہدایت	پس جس نے	پیروی کی	میری ہدایت کی	تو نہ کوئی خوف ہوگا

عَلَيْهِمْ	وَلَا	هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٣٨﴾
ان پر	اور نہ ہی وہ لوگ	غمگین ہوں گے

نوٹ:1 ''نیچے اُترنے کا حکم دوبارہوا۔ پہلے لغزش کے صادر ہونے کے بعد، پھر قبول توبہ کے بعد، پہلے حکم سے ناراضگی کا اظہار مقصود تھا۔ اور دوسری بار منصب خلافت سنبھالنے کے لیے دونوں حکموں کی غرض و غایت الگ الگ ہے، اس لیے یہاں تکرار نہیں۔'' (ضیاء القرآن، ج ۱، ص ۵۱)

نوٹ:2 اس آیت مبارکہ کے مطالعے کے بعد اگر استاد محترم جناب عامر سہیل صاحب کی کتاب 'لسان القرآن' سے جملہ شرطیہ کے قواعد دوبارہ پڑھ لیے جائیں تو انشاء اللہ کافی فائدہ ہوگا۔

آیت:39

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٣٩﴾ ع﴾

كَفَرُوْا (ك ف ر): البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ كَذَّبُوْا (ك ذ ب): البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔
اٰيٰتٌ: نوٹس کے آغاز میں لفظ سورۃ کے بعد دیکھیں۔

ص ح ب

(س) صُحْبَةً: کسی کے ساتھ رہنا۔ ساتھی ہونا۔

صَاحِبٌ: ج: اَصْحَابٌ، صَحَابَةٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مذکر۔ والا۔ ساتھی۔ ساتھ رہنے والا لیکن ایسے ساتھی کو صاحب کہا جاتا ہے جس کی رفاقت بکثرت ہو۔ کسی شے کے مالک کو بھی صاحب کہہ دیا جاتا ہے۔ جیسے صَاحِبُ الْبَيْتِ۔ گھر کا مالک۔ اور اسی طرح اُس کو بھی جو اس شے میں تصرف کا مالک ہو۔ ﴿اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ﴾ (9/التوبۃ:40) ''جب انہوںؐ نے کہا اپنے ساتھی سے آپؓ غمگین نہ ہوں۔'' ﴿وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ﴾ (68/القلم:48) ''اور آپؐ مت ہوں مچھلی والےؑ کی مانند۔'' ﴿لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ﴾ (6/الانعام:71) ''اس کے کچھ ساتھی ہیں، وہ لوگ بلاتے ہیں اس کو ہدایت کی طرف کہ تو آ ہمارے پاس۔'' ﴿وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ﴾ (7/الاعراف:44) ''اور پکارا جنت والوں نے آگ والوں کو۔'' صَحَابَةٌ، نبی اکرمؐ کے ساتھیوں کو کہتے ہیں جو حضورؐ پر

ایمان لائے، اُن کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اُن کا خاتمہ بھی ایمان پر ہوا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

صَاحِبَةٌ — ج: صَاحِبَاتٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مونث۔ ساتھ رہنے والی۔ بیوی۔ چونکہ بیوی رفیقہ حیات ہوتی ہے اس لیے صاحبہ کہلاتی ہے۔ ﴿ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ﴾ (6/الانعام:101) ''اللہ تعالیٰ کی اولاد کہاں سے ہوسکتی ہے حالانکہ اُس کی کوئی بیوی تو ہے ہی نہیں۔''

(افعال) اِصْحَابًا — کسی کو رفاقت دینا۔ کسی کی تائید وحمایت کرنا۔ ﴿لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَ لَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴾ (21/الانبیاء:43) ''وہ لوگ طاقت نہیں رکھتے اپنے آپ کی مدد پر اور نہ ہی وہ ہماری طرف سے رفاقت دیے جاتے ہیں۔'' ''وہ جھوٹے معبود تو خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے اور نہ اُنہیں ہماری تائید میسر ہو گی۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ يُصْحَبُوْنَ مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔

(مفاعلہ) مُصَاحَبَةً — باہم ساتھ رہنا۔ مل کر رہنا۔ کسی کو ساتھ رکھنا۔

لَا تُصَاحِبْ — فعل نہی ہے۔ تو ساتھ نہ رکھ۔ ﴿ فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ﴾ (18/الکہف:76) ''تو آپ ساتھ نہ رکھیں مجھے۔''

صَاحِبْ — فعل امر ہے۔ تو ساتھ رہ۔ ﴿ وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ﴾ (31/لقمان:15) ''اور تو ساتھ رہ ان دونوں کے یعنی والدین کے دنیا میں اچھے طریقے سے۔''

اَلنَّارُ (ن و ر): البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ خٰلِدُوْنَ (خ ل د): البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔

ترکیب — 'وَ' عطف کا ہے اور اَلَّذِيْنَ اسم موصول ہے اور مبتدا ہے اور یہ گزشتہ آیت میں فَمَنْ کے مَنْ پر عطف ہے۔ كَفَرُوْا اس کا صلہ ہے۔ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ معطوف ہے كَفَرُوْا پر۔ بِاٰيٰتِنَآ کے متعلق مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''اہل جنت کے ذکر میں ذاتِ حق کے لیے ضمیر متکلم صیغہ واحد کی ابھی گزر چکی ہے، تَبِعَ هُدَايَ اور اہل جہنم کے سلسلہ میں وہی ضمیر متکلم صیغہ جمع میں ہوگئی ہے، بِاٰيٰتِنَآ۔ اہل لطائف نے لکھا ہے کہ وہ موقع اظہار خصوصیت و شفقت کا تھا۔ اس لیے ''میری'' ہی مناسب تھا۔ اب محل حاکمانہ جلالت واقتدار کا ہے، اس لیے یہاں ''ہماری'' ہی موزوں ہے۔'' آگے اُولٰٓئِكَ مبتدا ہے اور اَصْحٰبُ النَّارِ اس کی خبر۔ یہ جملہ اسمیہ خبر ہے اَلَّذِيْنَ کی۔ هُمْ پھر مبتدا ہے، فِيْهَا متعلق خبر ہے 'ھا' ضمیر اَلنَّارِ کے لیے ہے اور خٰلِدُوْنَ خبر ہے۔ یہ جملہ اسمیہ، حال ہے اَصْحٰبُ النَّارِ کا۔ (واللّٰہ اعلم)۔

ترجمہ
البقرۃ:39

اَصْحٰبُ النَّارِ	اُولٰٓئِكَ	بِاٰيٰتِنَآ	وَ كَذَّبُوْا	وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا
آگ والے ہیں	تو وہ لوگ	ہماری نشانیوں کو	اور جھٹلایا	اور جن لوگوں نے انکار کیا

خٰلِدُوْنَ	فِيْهَا	هُمْ
ہمیشہ رہنے والے ہیں	اس (آگ) میں	وہ لوگ

نوٹ — انکار اور تکذیب تقریباً ہم معنی ہیں۔ ایک شخص کہتا ہے، میں نہیں مانتا تو یہ انکار ہے۔ دوسرا شخص کہتا ہے کہ یہ بات غلط ہے اور اس غلط بات کو میں جھٹلاتا ہوں تو یہ تکذیب ہے۔

آیت:40

﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝﴾

اِبْنٌ بیٹا۔تثنیہ:اِبْنَانِ (رفع)اِبْنَيْنِ (نصب،جر)

ج:جمع سالم: بَنُوْنَ (رفع)بَنِيْنَ (نصب،جر)

جمع مکسر: اَبْنَاءُ (غیر منصرف)

مؤنث:بیٹی۔اِبْنَةٌ اور بِنْتٌ۔تثنیہ:اِبْنَتَانِ (رفع)اِبْنَتَيْنِ (نصب،جر)

ج:بَنَاتٌ

صاحبِؒ تفسیر حقانی فرماتے ہیں:''اگرچہ اِبْنٌ کے معنی بیٹے کے ہیں مگر پوتے اور اس کی اولاد پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔اس لیے اِس وقت کے لوگوں کو بھی بنی آدم کہتے ہیں۔'' (تفسیر حقانی،ج۱،ص:۴۴۰)

اِبْنٌ کا اعراب:

اِبْنٌ کا اعراب اس لفظ کے اعراب کے مطابق ہوتا ہے جس کے لیے اِبْنٌ کا لفظ آیا ہو۔جیسے قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ (المائدۃ:114)۔اس جملہ میں لفظ عیسیٰ فاعل ہونے کی وجہ سے رفع میں ہے اس لیے اِبْنُ (نون کی پیش کے ساتھ) آیا ہے۔بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ (المائدۃ:46)۔یہاں لفظ عیسیٰ حرفِ جار بِ کی وجہ سے حالتِ جر میں ہے اس لیے اِبْنِ (نون کی زیر کے ساتھ) آیا ہے۔وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ (البقرۃ:87) میں اٰتَيْنَا کا مفعول ہونے کی وجہ سے لفظ عیسیٰ حالتِ نصب میں ہے اس لیے اِبْنَ (نون کی زبر کے ساتھ) آیا ہے۔

اِبْنٌ کی تصغیر:

تَصْغِيْرٌ کا مطلب ہے چھوٹا پن۔کسی چیز میں چھوٹا پن بتانے کے لیے ثلاثی اسم کو فُعَيْلٌ یا فُعَيْلَةٌ کے وزن پر لے آتے ہیں جسے اَلْاِسْمُ التَّصْغِيْر یا اَلْاِسْمُ الْمُصَغَّر کہتے ہیں اور اصل لفظ کو مُكَبَّرٌ کہتے ہیں۔چنانچہ اِبْنٌ (دراصل بَنُوٌ) کا اسم تصغیر بُنَيْوٌ بنتا ہے۔'وْ' کو'یْ' میں تبدیل کر کے بُنَيْيٌ بنا اور پھر'یْ' کا ادغام ہو کر بُنَيٌّ بن گیا۔مطلب ہے چھوٹا سا بیٹا۔یا پیارا سا بیٹا۔﴿يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ﴾ (31/لقمان:13)''اے میرے پیارے بیٹے اللہ کے ساتھ شرک مت کرو۔''

اِبْنُ السَّبِيْلِ:

لفظی معنی ہے راستے کا بیٹا۔لیکن عربی زبان میں یہ مسافر کے لیے استعمال ہوتا ہے۔یہ واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔عربی زبان میں اَبْنَاءُ السَّبِيْلِ استعمال ہی نہیں ہوتا۔مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں:''اِبْنٌ کا لفظ اصل میں تو بیٹے کے لیے بولا جاتا ہے لیکن عربی محاورات میں اِبْنٌ اور اَبٌ اور اَخٌ وغیرہ کے الفاظ ان چیزوں کے لیے بھی بولتے جاتے ہیں جن کا گہرا تعلق کسی سے ہو،اسی محاورہ کے مطابق ابن السبیل،راہ گیر و مسافر کو کہا جاتا ہے،کیونکہ ان کا گہرا تعلق راستہ قطع کرنے اور منزل مقصود پر پہنچنے سے ہے۔'' (معارف القرآن،ج۴،ص۴۰۹)

اِسْرَاۗءِيْلُ اسرائیل،حضرت یعقوبؑ بن اسحاقؑ بن ابراہیمؑ کا لقب ہے۔بعض بزرگوں کے نزدیک یہ ان کا دوسرا نام ہے۔اسرائیل عبرانی زبان کا لفظ ہے۔یہ مرکب اضافی ہے اور غیر منصرف ہے۔''اِسْرَا'' کے معنیٰ بندہ کے ہیں اور ''اِیْل'' عبرانی زبان میں اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔لہٰذا اسرائیل

کے معنی ہوں گے عَبْدُ اللّٰہِ یعنی اللہ کا بندہ۔ ان کے بارہ بیٹے تھے۔ اِن بیٹوں سے جونسل چلی وہ بنی اسرائیل کہلائی۔ حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''بنی اسرائیل'' تو ایک قومی ونسلی اصطلاح ہے۔ مذہبی حیثیت سے یہ لوگ یہود تھے۔ اہل کتاب تھے۔ توریت محرف ومسخ شدہ ہو کر، لیکن بہر حال موجود ان کے درمیان تھی۔ سلسلۂ وحی ونبوت اور عقیدۂ جزا وسزا کے کسی نہ کسی صورت میں قائل تھے۔ علوم انبیاء ومعارفِ اولیاء کے حامل تھے۔ مالدار تھے، ساہوکار تھے۔ ساتھ ہی سفلی عملیات، سحر وکہانت نیز تجارت کے بھی بڑے ماہر تھے۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص ۲۳)۔ ڈاکٹر اسرار احمدؒ فرماتے ہیں: ''قرآن مجید کے نزول کے وقت تک ان پر عروج وزوال کے چار ادوار آ چکے تھے۔ دو مرتبہ ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بارشیں ہوئیں اور انہیں عروج نصیب ہوا، جبکہ دو مرتبہ دنیا پرستی، شہوت پرستی اور اللہ کے احکام کو پس پشت ڈال دینے کی سزا میں ان پر اللہ کے عذاب کے کوڑے برسے۔ اس کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں آئے گا۔ اُس وقت جبکہ قرآن نازل ہو رہا تھا وہ اپنے اس زوال کے دور میں تھے۔'' (بیان القرآن، ج ا، ص: ۲۴۹)۔

ذ ک ر

(ن) ذِکْرًا: یاد کرنا۔ یاد رکھنا۔ کسی کا ذکر کرنا۔ نصیحت حاصل کرنا۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''ذکر کے اصل معنی یاد کرنے کے ہیں، جس کا تعلق قلب سے ہے، زبان سے ذکر کرنے کو بھی ذکر اس لیے کہا جاتا ہے کہ زبان ترجمان قلب ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ذکر زبانی وہی معتبر ہے جس کے ساتھ دل میں بھی اللہ کی یاد ہو۔'' (معارف القرآن، ج ا، ص: ۳۹۲) ﴿ اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ ﴾ (3/آل عمران:191) ''وہ لوگ جو یاد رکھتے ہیں اللہ کو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور اپنی کروٹوں کے بل۔'' ﴿ وَ مَاۤ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ ﴾ (18/الکھف:63) ''اور نہیں بُھلائی مجھے وہ بات مگر شیطان نے کہ میں اس کا ذکر کروں۔''

اُذْكُرْ: ج: اُذْكُرُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو یاد کر۔ ﴿ وَ اذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً ﴾ (7/الاعراف:205) ''اور تو یاد کر اپنے رب کو اپنے جی میں گڑگڑاتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے۔'' اُذْكُرُوْا آیت زیر مطالعہ میں استعمال ہوا ہے۔

ذَاكِرٌ: ج: ذَاكِرُوْنَ۔ ذَاكِرِيْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ مذکر کا صیغہ۔ یاد کرنے والا۔ ذکر کرنے والا۔ ﴿ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۚ﴾ (11/ھود:114) ''بے شک نیکیاں لے جاتی ہیں برائیوں کو۔ یہ ایک بڑی نصیحت ہے یاد کرنے والوں کے لیے۔''

ذَاكِرَةٌ: ج: ذَاكِرَاتٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ مونث کا صیغہ۔ یاد کرنے والی۔ ذکر کرنے والی۔ ﴿ وَ الذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ ۙ﴾ (33/الاحزاب:35) ''اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں۔''

مَذْكُوْرٌ: اسم المفعول ہے۔ جس کو یاد کیا جائے۔ جس کا ذکر کیا جائے۔ ﴿ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ۝ ﴾ (76/الدھر:1)۔ ''وہ نہیں تھا کوئی قابل ذکر چیز۔''

ذِكْرٌ: اسم ذات بھی ہے۔ یاد۔ نصیحت۔ کسی کا ذکر۔ ﴿ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝ ﴾ (20/طٰہٰ:14) ''اور تو قائم کر نماز کو میری یاد کے لیے۔'' ﴿ اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ (7/الاعراف:63) ''تو کیا تم لوگوں کو تعجب ہوا کہ آئی تمہارے پاس ایک نصیحت تمہارے رب کی طرف سے۔'' ﴿ لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ﴾ (21/الانبیاء:10) ''ہم نے نازل کی ہے تمہاری طرف ایک کتاب، اس میں تمہارا ذکر ہے۔''

ذِكْرٰى: اسم ذات ہے لیکن اس میں ذِكْرٌ کی بنسبت مبالغہ ہے۔ بڑی نصیحت۔ اوپر ذَاكِرٌ میں آیت نمبر (11/ھود:114) دیکھیں۔

ذَكَرٌ تثنیہ: ذَكَرَانِ، ذَكَرَيْنِ۔ ج: ذُكُوْرٌ، ذُكْرَانٌ۔ نر۔ مرد۔ اس کی ضد اُنْثٰی ہے اور یہ عموماً اس وقت استعمال ہوتا ہے جب جنس کا اظہار مقصود ہو۔ خواہ مردوں میں یا حیوانات میں۔ ﴿اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۚ﴾ (3/آل عمران:195) ''کہ میں ضائع نہیں کرتا تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو، کوئی بھی مرد ہو یا عورت۔'' ﴿قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ (6/الانعام:143) ''آپؐ کہیے کیا اللہ نے اِن دونوں کو حرام کیا یا دونوں مادہ کو۔'' ﴿مَا فِیْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا﴾ (6/الانعام:139) ''جوان مویشیوں کے پیٹ میں ہے وہ صرف ہمارے مردوں کے لیے ہے۔'' ﴿اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۶۵ ۙ﴾ (26/الشعراء:165) ''کیا تم بدفعلی کے لیے جاتے ہو مردوں کے پاس ساری مخلوق سے۔'' کنایۃً ذَكَرٌ سے مرد کی شرم گاہ بھی مراد لی جاتی ہے۔

(تفعیل) **تَذْكِيْرًا اور تَذْكِرَةً** یاد دلانا۔ نصیحت کرنا۔ ﴿اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰی ؕ﴾ (2/البقرۃ:282) ''کہ بھول جائے ان میں سے ایک تو یاد دلائے ان میں سے دوسری۔'' ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا﴾ (18/الکہف:57) ''اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس کو یاد دلائی جائیں اس کے رب کی نشانیاں اور وہ اعراض کرے ان سے۔'' ﴿يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِیْ وَتَذْكِيْرِیْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ (10/یونس:71) ''اے میری قوم اگر تم لوگوں پر بھاری ہے میرا کھڑا ہونا اور اللہ تعالیٰ کی آیات سے یاد دہانی کرانا۔''

تَذْكِرَةٌ اسم ذات بھی ہے۔ یاد دہانی۔ جس کے ذریعے کسی چیز کو یاد دلایا جائے۔ ﴿وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۴۸﴾ (69/الحاقۃ:48) ''اور یقیناً وہ یعنی قرآن مجید یاد دہانی ہے متقی لوگوں کے لیے۔''

ذَكِّرْ فعل امر ہے۔ تو یاد دہانی کرا۔ ﴿فَذَكِّرْ ۟ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝۲۱ ؕ﴾ (88/الغاشیۃ:21) ''آپؐ یاد دہانی کرائیے آپؐ تو بس یاد دہانی کرانے والے ہیں۔''

مُذَكِّرٌ اسم الفاعل ہے۔ یاد دہانی کرانے والا۔ اوپر آیت نمبر (88/الغاشیۃ:21) دیکھیں۔

(تفعّل) **تَذَكُّرًا** اس کا ماضی تَذَكَّرَ اور اِذَّكَّرَ، مضارع يَتَذَكَّرُ اور يَذَّكَّرُ، نیز مخاطب کے صیغوں میں مضارع تَتَذَكَّرُ اور تَذَكَّرُ دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ یاد دہانی حاصل کرنا۔ یاد کرنا۔ نصیحت پکڑنا۔ تَذَكُّرٌ کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص غفلت اور بھلاوے میں پڑا ہوا ہو اور چونک کر اُس چیز کو یاد کرلے جس سے غافل تھا۔ ﴿فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ﴾ (20/طٰہٰ:44) ''پس تم دونوں کہنا، اس سے نرم بات شاید کہ وہ نصیحت پکڑے۔'' ﴿سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰی ۝۱۰ ۙ﴾ (87/الاعلیٰ:10) ''وہ نصیحت پکڑے گا جو خوف کرتا ہے۔'' ﴿اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۳﴾ (10/یونس:3) ''تو کیا تم لوگ نصیحت نہیں پکڑتے۔''

(افتعال) **اِدِّكَارًا** قرآن مجید میں اس کا استعمال ''ذ'' کو ''د'' میں تبدیل کر کے ہوا ہے جو ایک استثنائی صورت ہے۔ اس لیے اِذِّكَارٌ، اِدِّكَارٌ ہو گیا اور 'ت'، 'ذ' میں اس لیے تبدیل ہوئی کہ یہ باب افتعال کا خصوصی قاعدہ ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ باب افتعال کے 'ف' کلمہ پر اگر د، ذ یا ز میں سے کوئی حرف ہو تو افتعال کی ''ت'' وہی حرف بن جاتی ہے اور پھر ادغام کے قواعد کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہاں چونکہ 'ذ' پہلے 'د' میں تبدیل ہوگئی، اس لیے 'ت' بھی 'د' میں تبدیل ہوگئی اور پھر دونوں کا ادغام ہو گیا۔ نصیحت حاصل کرنا۔ سوچنا۔ غور کرنا۔ یاد کرنا۔ ﴿وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ﴾ (12/یوسف:45) ''اور کہا اس نے جس نے نجات پائی ان دونوں میں سے اور اس نے یاد کیا ایک مدت کے بعد۔''

مُدَّكِرٍ — اسم الفاعل ہے۔ نصیحت حاصل کرنے والا۔ یاد کرنے والا۔ ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴾ (54/القمر:17) ''اور ہم نے آسان کیا ہے قرآن کو یاد دہانی کے لیے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔''

نِعْمَتِيَ اور اَنْعَمْتُ (ن ع م): الفاتحہ آیت 6 دیکھیں۔

و ف ی

(ض) وَفَاءً — کسی چیز کو مکمل کرنا۔ پورا کرنا۔

اَوْفٰى — اَفْعَلُ کے وزن پر افعل التفضیل ہے۔ زیادہ پورا کرنے والا۔ پورا۔ مکمل۔ ﴿وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ﴾ (9/توبۃ:111) ''اور کون زیادہ پورا کرنے والا ہے اپنے وعدے کو اللہ سے۔'' ﴿ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴾ (53/النجم:41) ''پھر اُسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔''

(افعال) اِيْفَاءً — وعدہ، نذر، ناپ تول وغیرہ پورا کرنا۔ ﴿بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴾ (3/آل عمران:76) ''کیوں نہیں! جس نے پورا کیا اپنے عہد کو اور تقویٰ کیا تو بے شک اللہ پسند کرتا ہے متقی لوگوں کو۔'' ﴿اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴾ (12/یوسف:59) ''کیا تم لوگ دیکھتے نہیں کہ میں پورا بھرتا ہوں پیمانے کو اور میں سب سے بہتر مہمان نواز ہوں۔'' ﴿الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ﴾ (13/الرعد:20) ''وہ لوگ جو پورا کرتے ہیں اللہ کے عہد کو۔''

اَوْفِ — ج: اَوْفُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو پورا کر۔ ﴿فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ﴾ (12/یوسف:88) ''پس آپؑ پورا بھریئے ہمارے لیے پیمانے کو۔'' ﴿فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ﴾ (7/الاعراف:85) ''پس تم لوگ پورا کرو ناپ اور تول کو۔''

لِيُوْفِ — ج: لِيُوْفُوْا۔ فعل امر غائب ہے۔ اسے چاہیے کہ پورا کرے۔ ﴿وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴾ (22/الحج:29) ''اور ان لوگوں کو چاہیے کہ پورا کریں اپنی منتوں کو اور طواف کریں قدیم گھر کا۔''

اُوْفِ — مضارع مجزوم میں واحد متکلم کا صیغہ ہے۔ آیت زیر مطالعہ۔ (نوٹ: یہاں ایک بات کا خاص خیال رہے۔ وہ یہ کہ فعل امر کے واحد مذکر حاضر کے صیغے میں الف پر زبر آتی ہے (اَوْفِ) اور مضارع مجزوم میں واحد متکلم کے صیغے میں الف پر پیش آتی ہے۔ (اُوْفِ)۔

مُوْفٍ — ج: مُوْفُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ پورا کرنے والا۔ ﴿وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا﴾ (2/البقرۃ:177) ''اور پورا کرنے والے اپنے عہد کو جب کبھی باہم عہد کریں۔''

(تفعیل) تَوْفِيَةً — (1) کسی کام کو کامل طور پر پورا کرنا۔ ﴿وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى ﴾ (53/النجم:37) ''اور ابراہیمؑ کے صحیفوں میں جو پوری طرح (احکام) بجالائے۔''

(2) حق پورا پورا ادے دینا۔ ﴿وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ﴾ (3/آل عمران:57) ''اور وہ لوگ کہ جو ایمان لائیں اور عمل کریں نیک تو وہ یعنی اللہ پورا پورا دے گا ان کو ان کے اجر۔''

يُوَفّٰى — مضارع مجہول ہے۔ اُسے دیا جائے گا پورا حق۔ ﴿وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ﴾ (16/النحل:111) ''اور پورا حق دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے عمل کیا۔'' ﴿وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ (3/آل عمران:185) ''اور قیامت کے دن تم اپنے بدلے پورے پورے دیے جاؤ گے۔''

يُوَفِّ مضارع مجزوم ہے۔ ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا﴾(11/ھود:15)'' جو چاہتا ہے دنیا کی زندگی کواور اس کی زینت کوتو ہم پورا حق دیں گے ان کو ان کے اعمال کا اس دنیا میں۔''

مُوَفِّ ج: مُوَفُّوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ پورا دینے والا۔ ﴿وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿١٠٩﴾ ع﴾(11/ھود:109) ''اور ہم اُن سب کو اُن کا پورا پورا حصہ بغیر کسی کمی کے دینے والے ہیں۔''

(تفعّل) **تَوَفِّ** اس کے اصل معنیٰ ہیں کسی چیز کو پورا لے لینا، وصول کر لینا اور اس پر کامل طور پر قبضہ کر لینا۔ یہ لفظ کنایۃً 'موت دینا' کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے لیکن یہ اس کا حقیقی معنیٰ نہیں بلکہ مرادی اور تعبیری معنیٰ ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ (1) سوتے وقت ظاہری احساس وشعور کو لے لینے کے لیے استعمال ہوا ہے۔ مثلاً: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ج﴾(6/الانعام:60)''اور وہ وہی ہے جو قبضہ میں لے لیتا ہے تمہیں رات کو اور جانتا ہے جو کمایا تم نے دن کو پھر اٹھاتا ہے تمہیں (نیند سے) دن میں تاکہ پوری کر دی جائے (تمہاری عمر کی) میعاد مقرر۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔(2) موت کے وقت روح کو قبض کر لینے کے لیے استعمال ہوا ہے۔ مثلاً ﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ج﴾(39/الزمر:42)''اللہ ہی روحوں کو اُن کی موت کے وقت اور جن کی موت نہیں آئی اُنہیں اُن کی نیند کے وقت قبض کر لیتا ہے۔''(ترجمہ احسن البیان)۔(3) حضرت عیسیٰؑ کو ان کی زندگی میں ان کی روح اور بدن سمیت آسمانوں میں اٹھائے جانے کے لیے استعمال ہوا ہے۔ مثلاً: ﴿فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ﴾(5/المائدۃ:117)''پھر جب تو نے مجھ کو اٹھا لیا۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: ''اَلتَّوَفِّيْ فِيْ لُغَةِ الْعَرَبِ مَعْنَاهَا الْقَبْضُ وَالْاِسْتِيْفَاءُ وَ ذٰلِكَ ثَلَاثَةُ اَنْوَاعٍ، اَحَدُهَا التَّوَفِّيْ فِي النَّوْمِ وَالثَّانِيْ تَوَفِّي الْمَوْتِ وَالثَّالِثُ تَوَفِّي الرُّوْحِ وَالْبَدَنِ جَمِيْعًا۔''(معارف القرآن، ج۲، ص ۷۳)''التوفی کا معنی لغتِ عرب میں قبض کرنے اور پورا لینے کے ہیں۔ اور اس کی تین قسمیں ہیں۔ نیند میں وصول کرنا، موت کے وقت وصول کرنا اور روح اور بدن کا مکمل وصول کرنا۔'' اور کلیات ابو بقاء میں ہے: ''اَلتَّوَفِّيْ اَلْاِمَاتَةُ وَقَبْضُ الرُّوْحِ وَعَلَيْهِ اسْتِعْمَالُ الْعَامَّةِ اَوِ الْاِسْتِيْفَاءُ وَاَخْذُ الْحَقِّ وَ عَلَيْهِ اسْتِعْمَالُ الْبُلَغَاءِ'' ''توفی'' کا لفظ عوام کے یہاں موت دینے اور جان لینے کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن بلغاء کے نزدیک اس کے معنی ہیں پورا وصول کرنا اور ٹھیک لینا۔''(تفسیر عثمانی، ص ۷۴)۔ حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''موت اور نوم میں لفظ ''توفی'' کا استعمال قرآن کریم ہی نے شروع کیا ہے۔ جاہلیت والے تو عموماً اس حقیقت سے ہی نا آشنا تھے کہ موت یا نوم میں خدا تعالیٰ کوئی چیز آدمی سے وصول کر لیتا ہے اسی لیے لفظ ''توفی'' کا استعمال موت اور نوم پر اُن کے یہاں شائع نہ تھا قرآن کریم نے موت وغیرہ کی حقیقت پر روشنی ڈالنے کے لیے اول اس لفظ کا استعمال شروع کیا۔ تو اسی کو حق ہے کہ موت و نوم کی طرح اخذ روح مع البدن کے نادر مواقع میں بھی اسے استعمال کر لے۔''(تفسیر عثمانی، ص ۷۴)۔ قرآن مجید کی ایک آیت میں تو توفی کے معنی ''لے لینے، قبض کر لینے'' کے بہت واضح ہیں چنانچہ فرمایا: ﴿فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ﴾(4/النساء:15)''پھر اگر وہ گواہی دیویں تو بند رکھو اُن عورتوں کو گھروں میں یہاں تک کہ اٹھا لیوے اُن کو موت۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

تَوَفَّ — فعل امر ہے۔ تو موت دے۔ ﴿رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝۱۹۳﴾ (3/آل عمران:193) ''اے ہمارے رب پس تو بخش دے ہمارے لیے ہمارے گناہوں کو اور تو دور کر دے ہم سے ہماری برائیوں کو اور تو موت دے ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ۔''

يُتَوَفّٰى — ج: يُتَوَفَّوْنَ۔ مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔ اسے لیا جاتا ہے۔ اُسے موت دی جاتی ہے۔ ﴿وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى﴾ (22/الحج:5) ''اور کوئی تم میں سے قبضہ کر لیا جاتا ہے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''اور تم میں سے وہ بھی ہیں جو مر جاتے ہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ﴿وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ﴾ (2/البقرۃ:243) ''اور وہ جنہیں موت دی جائے تم میں سے یعنی تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں۔''

مُتَوَفٍّ — اسم الفاعل ہے۔ حق پورا لینے والا۔ موت دینے والا۔ ﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَيَّ﴾ (3/آل عمران:55) ''جب کہا اللہ نے اے عیسیٰؑ میں پورا لینے والا ہوں آپ کو اور اٹھانے والا ہوں آپ کو اپنی طرف۔''

(استفعال) اِسْتِيْفَاءً — پورا پورا لینا۔ ﴿الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝۲﴾ (83/المطففین:2) ''وہ جب لوگوں سے ناپ لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں۔''

عَهْدٌ (ع ھ د): البقرۃ آیت 27 دیکھیں۔

ر ھ ب

(س) رَهْبَةً — کسی کی عظمت اور جلالت کے تصور سے دل پر لرزش اور کپکپی طاری ہونا۔ خوف محسوس کرنا۔ ڈرنا۔ ﴿وَ فِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ۝۱۵۴﴾ (7/الاعراف:154) ''اور ان تختیوں کی تحریر میں ہدایت ہے اور رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔''

اِرْهَبْ — ج: اِرْهَبُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو ڈر۔ آیت زیر مطالعہ۔

رَهَبٌ، رَهْبَةٌ، رَهْبٌ — اسم ذات ہیں۔ ڈر۔ خوف۔ ایسا ڈر یا خوف جو کسی کی عظمت اور جلالت کے تصور سے دل پر طاری ہو اور امام راغبؒ کے مطابق ایسا ڈر یا خوف جس میں احتیاط اور بے چینی دونوں شامل ہوں۔ ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا ؕ﴾ (21/الانبیاء:90) ''بے شک وہ لوگ باہم سبقت کرتے تھے بھلائی میں اور ہم کو پکارتے تھے توقع کرتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے۔'' ﴿لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ﴾ (59/الحشر:13) ''بے شک تم لوگ زیادہ ہو بلحاظ خوف کے ان کے سینوں میں بنسبت اللہ کے۔'' ﴿وَّ اضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ﴾ (28/القصص:32) ''اور ملا لیں اپنی طرف اپنے بازو خوف سے (بچنے کے لیے)۔''

رَاهِبٌ — ج: رُهْبَانٌ۔ اللہ سے بہت ڈرنے والا۔ درویش۔ تارکِ دنیا۔ یہود میں جو لوگ خدا ترس تھے ان کو راہب کہتے تھے۔ یہ لوگ دنیا کے ہنگاموں سے الگ تھلگ رہتے اور اپنی خانقاہوں میں ذکر و فکر میں مصروف رہتے۔ امت محمدیہؐ میں جو لوگ خدا ترس ہیں ان کو متقی کہتے ہیں۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں کہ رُهْبَانٌ، واحد اور جمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ جب واحد استعمال ہو تو اس کی جمع رَهَابِيْنُ آتی ہے۔ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَ رُهْبَانًا﴾ (5/الاعراف:82) ''یہ اس لیے کہ ان میں عالم ہیں اور درویش ہیں۔''

رَهْبَانِيَّةٌ اِسم ذات ہے۔اللہ کے ڈر سے ترکِ دنیا۔گوشہ نشینی۔صاحبؒ ضیاء القرآن فرماتے ہیں:"رہبانیت میں دو لغتیں ہیں: رَهْبَانِيَّت (بفتح را) اور رُهْبَانِيَّت (بضم را) پہلی صورت میں یہ رَهْب سے ماخوذ ہوگا جس کا معنی خوف اور ڈر ہے اور دوسری صورت میں یہ رُهْبَان (جو رَاهِبٌ کی جمع ہے) کی طرف منسوب ہوگا۔پہلی صورت میں اس کا معنی ہے وہ مسلک اور وہ طرزِ حیات جس کی بنیاد خوف اور ڈر پر ہے۔دوسری صورت میں اس کا معنی ہوگا ان لوگوں کا مسلک اور طرزِ زندگی جو ہر وقت ڈرنے والے اور خوفزدہ رہنے والے ہیں۔امام راغبؒ لکھتے ہیں:(رہبانیت کا مطلب ہے) فرطِ خوف سے عبادات وریاضات میں حد درجہ غلو کرنا۔علامہ پانی پتیؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:(رہبانیت کا مطلب ہے) عبادت وریاضت میں مبالغہ،لوگوں سے قطع تعلق،جائز اور مباح خواہشات کو بھی ترک کر دینا۔علامہ ابن منظورؒ فرماتے ہیں:(رہبانیت کا مطلب ہے) دنیا کے مشاغل کو ترک کر دینا،اس کی لذتوں کو نظر انداز کر دینا،اہل دنیا سے عزلت گزینی،اپنے آپ کو طرح طرح کی مشقتوں میں مبتلا کر دینا۔"(ضیاء القرآن،ج۵،ص:۱۲۷،تلخیصاً)۔مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں:"رہبانیت کے معنی ترک لذات وتحمل شدائد (یعنی مصیبتوں اور تکلیفوں کو برداشت کرنا) کے ہیں اور بعض اہل لغت کے نزدیک محض زیادتی اور افراط کے۔"(تفسیر ماجدیؒ،ص۱۰۷۴)۔حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:"شریعت حقہ اسلامیہ نے اس اعتدال فطری سے متجاوز رہبانیت کی اجازت نہیں دی۔ہاں بعض احادیث میں وارد ہوا ہے کہ"اس اُمت کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے" کیونکہ مجاہد اپنے سب حظوظ وتعلقات سے واقعی الگ ہو کر اللہ کے راستہ میں نکلتا ہے۔"(تفسیر عثمانی،ص۷۱۸)۔﴿ وَ رَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ ﴾(57/الحدید:27)"اور دنیا سے کنارہ کشی!انہوں نے ابتدا کی اس کی،ہم نے اس کو فرض نہیں کیا ان پر۔"

(افعال) اِرْهَابًا کسی پر رعب ڈالنا۔دھاک بٹھانا۔کسی کو خوف زدہ کرنا۔﴿ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ ﴾(8/الانفال:60) "تم لوگ رعب رکھتے ہوا س سے اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر۔"

(استفعال) اِسْتِرْهَابًا خوفزدہ کرنا۔ڈرانا۔﴿ سَحَرُوْۤا اَعْيُنَ النَّاسِ وَ اسْتَرْهَبُوْهُمْ ﴾(7/الاعراف:116)"انہوں نے جادو کیا لوگوں کی آنکھوں پر اور ان کو خوفزدہ کیا۔"

ترکیب 'یَا' حرف ندا ہے۔بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مرکب اضافی ہے۔اِبْنٌ کی جمع سالم حالت رفع میں بَنُوْنَ اور نصب وجر میں بَنِیْنَ آتی ہے۔یہ جب مضاف بنتے ہیں تو نون اعرابی گر جاتا ہے۔اصل مرکب تھا بَنُوْ اِسْرَآءِیْلَ۔اس پر حرف ندا "یَا" داخل ہوا تو اس نے مضاف کو نصب دی۔اس طرح یہ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ہو گیا۔اِسْرَآءِیْلَ مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے حالت جر میں ہے اور چونکہ یہ غیر منصرف ہے اس لیے حالت جر میں 'ل' پر ایک زبر آئی۔

اُذْكُرُوْا فعل امر ہے اور نِعْمَتِیَ اس کا مفعول ہے۔یہ دراصل نِعْمَتِیْ تھا۔قاعدہ یہ ہے کہ یائے متکلم کو آگے ملانے کے لیے اگر حرکت دینی ہو تو اسے فتحہ دیتے ہیں۔چنانچہ آگے اَلَّتِیْۤ سے ملانے کے لیے نِعْمَتِیْ کے بجائے نِعْمَتِیَ استعمال ہوا۔اَلَّتِیْۤ اسم موصول ہے اور اَنْعَمْتُ،ماضی میں واحد متکلم کا صیغہ ہے اور اِس کا فاعل اس میں ضمیر اَنَا ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور عَلَیْكُمْ،جار مجرور متعلق فعل ہے۔اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ،صلہ ہے اَلَّتِیْۤ کا اور صلہ اور موصول مل کر صفت ہے نِعْمَةٌ کی۔

'وَ' حرف عطف ہے اور اَوْفُوْا عطف ہے اُذْكُرُوْا پر۔اَوْفُوْا فعل امر ہے۔اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر اس کا فاعل ہے اور بِعَهْدِیْۤ میں 'بِ' حرف جار اور عَهْدِیْ،مضاف،مضاف الیہ ہے اور یہ مرکب جاری متعلق فعل ہے۔آگے اُوْفِ دراصل مضارع میں واحد متکلم کا صیغہ اُوْفِیْ تھا۔جواب امر ہونے کی وجہ

سے مضارع مجزوم ہوا تو "ی" گر گئی۔ اس لیے اُوْفِ استعمال ہوا اور بِعَهْدِكُمْ متعلق ہے اُوْفِ سے۔

آ گے اِيَّايَ میں ی متکلم مفعول بہ ہے اِرْهَبُوْا کا جس کو تاکید کے لیے پہلے لایا گیا ہے بالکل اسی طرح جیسے سورہ الفاتحہ میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ہے۔ اور یاد کر لیجیے کلمہ 'اِيَّا' اس وقت استعمال ہوتا ہے جب ضمائر منصوبہ متصلہ یعنی ضمیر مفعولی کو منفصل لکھنا ہو۔ اس سے عموماً تاکید کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ فَارْهَبُوْنِ میں 'ف' زائدہ ہے اور اِرْهَبُوْا فعل امر ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے اور آگے 'نِ' دراصل نونِ وقایہ ہے۔ یہ جملہ اِرْهَبُوْيَ تھا۔ اِرْهَبُوْا کے واوالجمع کا الف ضمیر لگنے کی وجہ سے گر گیا۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب امر کے صیغے کے بعد 'ی' متکلم آئے تو اس پر ایک 'ن' داخل کر دیتے ہیں جسے 'ن' وقایہ کہتے ہیں۔ وقایہ کا معنی ہے 'بچانا' اور یہ نون فعل امر کے آخری حرفِ ساکن اور یاء ساکن کے ذریعے پیدا ہونے والے "التقاء ساکنین" سے بچانے کے لیے لگتا ہے۔ چنانچہ 'ن' وقایہ داخل کرنے کے بعد یہ اِرْهَبُوْنِيْ بن گیا۔ اور جب ضمیر مفعولی نِيْ کے آگے وقف کرنا ہو تو عموماً اس کی 'ی' کو گرا دیتے ہیں اور 'ن' وقایہ کو بڑا کر کے لکھ دیتے ہیں۔ اس کی پہچان 'ن' کی زیر سے ہوتی ہے۔ یہاں ایک بات اور نوٹ کیجیے، اگر جملہ یہ ہوتا اِيَّايَ فَارْهَبُوْا، تو بھی اس میں تاکید کا مفہوم ہوتا لیکن یہاں ضمیر منفصل کے بعد فعل امر اِرْهَبُوْا کے ساتھ ایک اور ضمیر مفعولی لائی گئی جس سے نہایت تاکید کا اسلوب پیدا ہوا ہے۔ اردو زبان میں اس اسلوب سے قریب ترین ترجمانی یہ ہوگی "اور مجھ ہی سے، مجھ ہی سے تم لوگ ڈرو" (واللہ اعلم)

ترجمہ	يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	اذْكُرُوْا	نِعْمَتِيَ	الَّتِيْٓ	اَنْعَمْتُ
البقرۃ:40	اے اسرائیل کے بیٹو	تم لوگ یاد کرو	میری نعمت کو	جس کو	میں نے انعام کیا

عَلَيْكُمْ	وَ اَوْفُوْا	بِعَهْدِيْٓ	اُوْفِ	بِعَهْدِكُمْ ج
تم لوگوں پر	اور تم لوگ پورا کرو	میرے (ساتھ کیے ہوئے) وعدہ کو	تو میں پورا کروں گا	تمہارے (ساتھ کیے ہوئے) وعدہ کو

وَاِيَّايَ	فَارْهَبُوْنِ ۝۴۰
اور صرف مجھ سے ہی	تم لوگ ڈرو مجھ سے

نوٹ:1 اس آیت سے بنو اسرائیل کی فردِ جرم کا آغاز ہو رہا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے چند بنیادی باتیں ذہن نشین ہونا ضروری ہیں۔

(۱) ہم سے پہلے بنو اسرائیل امت مسلمہ کے عہدے پر فائز تھے۔ پھر انہیں معزول کر کے امت محمد ﷺ کو اس عہدے پر فائز کیا گیا۔ چنانچہ اس فردِ جرم (Charge Sheet) کے ذریعے بنو اسرائیل پر ان کی معزولی کے سلسلہ میں حجت قائم کی گئی ہے۔

(۲) ہمارے حوالے سے اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے کان کھول رہا ہے کہ اگر تم ایسے کام کرو گے تو تم بھی انہی کی طرح دنیا اور آخرت میں ذلیل و رسوا ہو گے۔ اس لیے یہ بات خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ اس فردِ جرم کا مطالعہ کرتے وقت اگر ہم بنو اسرائیل کو برا بھلا کہتے رہے اور خود کو پارسا سمجھتے رہے تو پھر ہم ہدایت سے محروم رہیں گے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس فردِ جرم کے آئینے میں ہم اپنے اعمال کا جائزہ لیتے رہیں اور اپنی اصلاح کی فکر کریں۔ اسی صورت میں یہ فردِ جرم قرآن مجید میں نقل کرنے کا مقصد پورا ہوگا۔

(۳) بنو اسرائیل کی فردِ جرم میں بھی اور قرآن مجید کے دیگر مقامات میں جہاں تاریخی واقعات کا ذکر ہے، وہاں عام طور پر آپ کو ترتیب زمانی نہیں ملے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تاریخی واقعات اس ترتیب سے نہیں بیان کیے گئے جس ترتیب سے وہ وقوع پذیر ہوئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید تاریخ کی تعلیم دینے والی کتاب نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہدایت دینے کے لیے نازل کی گئی ہے۔ اور اس مقصد کے تحت تاریخی واقعات کو استدلال یا ثبوت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ تاریخی حوالہ دیتے وقت موضوع سے اس کی مناسبت کو پیش نظر رکھا گیا ہے نہ کہ زمانے کی ترتیب کو۔ (از لطف الرحمٰن خان صاحب)

نوٹ:2 آیت زیرِ مطالعہ میں جس عہد کا ذکر آیا ہے اِس کی تفصیل بعض علماء کے نزدیک آل عمران کی آیت 81 میں بیان کی گئی ہے، بعض علماء کے نزدیک المائدہ کی آیت 12 میں اور بعض علماء کے مطابق اس عہد کا ذکر توراۃ کی کتاب استثناء، باب 15، آیت نمبر 18، 19 میں آیا ہے۔ (واللّٰہ اعلم)۔

آیت:41

﴿ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿٤١﴾ ﴾

اٰمِنُوْا (ء م ن): البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔	اَنْزَلْتُ (ن ز ل): البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔
مُصَدِّقًا (ص د ق): البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔	تَكُوْنُوْٓا (ك و ن): البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔

ء و ل

(ن) اَوْلًا اور مَاٰلًا لوٹنا۔ کسی چیز کا اپنے اصل کی طرف واپس ہونا۔ اس مادہ سے کوئی فعل قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

اٰلٌ اسم صفت ہے۔ کسی کے ساتھ تعلق والا۔ ساتھی۔ پیروکار۔ Follower۔ اٰلٌ کی اصل کیا ہے اس کے متعلق اہل علم کا اختلاف ہے۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ دراصل اَوْلٌ تھا۔ جس کے معنیٰ لوٹنے کے ہیں۔ 'وْ' کو الف سے بدلا گیا تو آالٌ بن گیا۔ اس کو پھر الف کے اوپر کھڑی زبر کے ساتھ اٰلٌ لکھا جاتا ہے اور معنیٰ یہ ہوئے کہ جو شخص کسی کی طرف اس کی قرابت اور دوستی کی وجہ سے لوٹے وہ اس کے اٰلٌ میں سے ہے۔ اٰلٌ کا لفظ ہمیشہ اسم عَلَم کی طرف مضاف ہوتا ہے۔ اس کی اضافت غیر ذوی العقول، اسم نکرہ یا ضمیر کی طرف جائز نہیں۔ چنانچہ اٰلُ رَجُلٍ بولنا جائز نہیں۔ اس کی اضافت کسی قابل تعظیم اور معروف ہستی کی طرف ہوتی ہے جیسے اٰل محمدؐ، اٰل ابراہیمؑ اور اٰل عمران وغیرہ۔ لیکن اٰل الخیاط یا اٰل الحجام نہیں بولتے۔ اور فرعون چونکہ کوئی قابل تعظیم ہستی نہیں اس لیے جب اٰل فرعون کہا جائے تو وہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ فرعون اسم عَلَم بھی ہے اور اپنے کفر کی وجہ سے ایک معروف ہستی بھی ہے۔ عربی زبان میں اٰل کے قریب المعنی ایک لفظ اَهْلٌ بھی استعمال ہوتا ہے۔ لیکن اِن دونوں میں کچھ فرق ہیں۔ مثلاً: (1) اَهْلٌ کا دائرہ اس لحاظ سے محدود ہے کہ اس میں کسی شخص کے صرف گھر والے یعنی اس کے بیوی بچے سمجھے جاتے ہیں خواہ وہ اس شخص کے ساتھی ہوں یا نہ ہوں، جبکہ کسی شخص کی اٰل میں وہ سب لوگ سمجھے جاتے ہیں جو اس کے ساتھی، مددگار اور اس سے ذہنی یگانگت رکھنے والے ہوں خواہ وہ اس کے رشتے دار ہوں یا نہ ہوں۔ چنانچہ اہل فرعون سے صرف اس کے گھر والے مراد ہوں گے اور اٰل فرعون سے مراد اس کے گھر میں سے اس سے متفق رشتے دار، اس کے اہل کار اور وہ تمام لوگ شامل ہوں گے جو حضرت موسیٰؑ کے مقابلے میں فرعون کے ساتھی اور مددگار تھے۔ حضرت آسیہ سلامٌ علیہا (فرعون کی بیوی)، فرعون کے اہل میں سے تو ہیں لیکن اس کی اٰل میں شامل نہیں۔ اسی طرح حضرت موسیٰؑ کی قوم میں سے قارون، اٰل فرعون میں سے تھا۔ اسی سے سمجھا جا سکتا ہے کہ اٰل محمدؐ سے ہر وہ شخص خارج ہے جو حضورؐ کے طریقے پر نہ ہو،

خواہ وہ خاندانِ رسالت کا کوئی فرد ہی کیوں نہ ہو۔ اور اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جو حضورؐ کے نقشِ قدم پر چلتا ہو چاہے اس کا حضورؐ سے کوئی نسبی تعلق نہ بھی ہو۔ (۲) اَھْلٌ کا دائرہ اس لحاظ سے وسیع ہے کہ یہ غیر ذوی العقول، معرفہ، نکرہ اور ضمیر کی طرف بھی مضاف ہو جاتا ہے۔ کسی شہر کی طرف نسبت کریں گے تو اَھْلٌ استعمال کریں گے جیسے اہل مدینہ، اہل بلد وغیرہ۔ کسی پیشے کی طرف نسبت کریں گے تو بھی اَھْلٌ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً اھل الخیاط، (درزی کے گھر والے) اھل الحجام (نائی کے گھر والے) وغیرہ۔ لیکن اٰل البلد یا اٰل الارض وغیرہ کے الفاظ نہیں بولے جاتے۔

اَوَّلُ پہلا۔ ج: اَوَّلُوْنَ۔ اَوَّلِیْنَ۔ مؤنث: اُوْلٰی۔ پہلی۔ یہ افعل التفضیل میں اَفْعَلُ کے وزن پر صیغہ صفت ہے۔ اصل میں اَءْوَلُ بنتا ہے۔ پھر مہموز کے لازمی قاعدے کے تحت اس کو اٰوَل لکھا جاتا ہے لیکن کثرتِ استعمال کی وجہ سے ہمزہ کا واؤ میں ادغام کر کے اَوَّلُ لکھا اور بولا جاتا ہے۔ ﴿وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ (7/الاعراف:143) ''اور میں ایمان لانے والوں کا پہلا ہوں۔'' ﴿ اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴾ (87/الاعلیٰ:18) ''بے شک یہ پہلے صحیفوں میں ہے۔'' اَوَّلُ کا استعمال تین طرح سے ہوتا ہے۔ (1) عددی ترتیب کے لحاظ سے یعنی وہ عدد جس سے پہلے کوئی عدد نہیں۔ اس لحاظ سے اوّل کے بعد ثانی۔ پھر ثالث وغیرہ آتا ہے۔ (2) ترتیب کار یا نظامِ صناعی کے لحاظ سے جیسے اَلْاَسُّ اَوَّلًا ثُمَّ الْبِنَاءُ یعنی پہلے بنیاد رکھی جائے گی پھر تعمیر ہوگی۔ (3) ترتیب زمانی کے لحاظ سے۔ اس لحاظ سے اوّل کی ضد اٰخِرٌ بمعنی پچھلا ہے۔ اور اُولٰی (پہلی۔ دنیا) کی ضد اٰخِرَت (پچھلی۔ اخروی زندگی) ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ ﴿ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴾ (56/الواقعۃ:49، 50) ''آپؐ فرما دیجیے بے شک اگلوں کو بھی اور پچھلوں کو بھی سب کو جمع کیا جائے گا ایک مقررہ وقت پر ایک جانے ہوئے دن میں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

اگر اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہو جیسے هُوَ الْاَوَّلُ تو اس سے مراد وہ ذات ہوتی ہے جس سے پہلے کوئی چیز موجود نہ ہو۔ اور یہ بھی نوٹ کیجیے کہ اَوَّلُ کا لفظ عموماً جمع کی طرف مضاف ہوتا ہے۔ جیسے اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ یا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ وغیرہ۔

اُولُوْا والے۔ یہ جمع ہے اور اس کی واحد نہیں آتی۔ یہ ہمیشہ مضاف استعمال ہوتا ہے اور حالت رفع میں اُولُوْا اور حالت نصب و جر میں اُولِیْ لکھا جاتا ہے۔ ﴿ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ ﴾ (27/النمل:33) ''انہوں نے کہا ہم قوت والے ہیں۔'' ﴿ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَیْكُمْ عِبَادًا لَّنَاۤ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ ﴾ (17/بنی اسرائیل:5) ''پھر جب آیا پہلا وعدہ بھیجے ہم نے تم پر اپنے بندے سخت لڑائی والے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

مؤنث: اُولَاتٌ۔ والیاں۔ حالت رفع میں اُولَاتُ اور حالت نصب و جر میں اُولَاتِ لکھا جاتا ہے۔ ﴿ وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ ﴾ (65/الطلاق:4) ''اور حمل والیاں یعنی حاملہ عورتوں کی میعاد ان کے بچہ جننے تک ہے۔''

اُولَآءِ یہ سب۔ جمع قریب کے لیے اسم اشارہ ہے۔ مذکر مؤنث دونوں کے لیے آتا ہے۔ ﴿ هٰۤاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَ لَا یُحِبُّوْنَكُمْ ﴾ (3/آل عمران:119) ''سنو! تم تو یہ ہو کہ محبت کرتے ہو ان سے اور وہ محبت نہیں کرتے تم سے۔'' ﴿ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰۤى اَثَرِیْ ﴾ (20/طٰہٰ:84) ''حضرت موسیٰؑ نے عرض کی وہ یہ ہیں میرے پیچھے۔'' (نوٹ: اُولَآءِ

کے شروع میں 'ھَا' داخل کرنے سے یہ ھَاأُولَاءِ بن جاتا ہے۔ جسے پھر ھٰٓؤُلَآءِ لکھا جاتا ہے اور یہ بھی جمع قریب کے لیے اشارہ ہے۔ اِس کے آخر میں کاف خطاب لگانے سے یہ اُولَاءِكَ بن جاتا ہے۔ جسے پھر اُولٰٓئِكَ لکھا جاتا ہے اور یہ اشارہ بعید کے لیے استعمال ہوتا ہے۔)

(تفعیل) تَأْوِيْلًا کسی چیز کو اس کے اصل کی طرف لوٹانا۔ کسی بات یا واقعہ کا انجام بتانا۔ اس باب سے بھی قرآن مجید میں فعل استعمال نہیں ہوا۔

تَأْوِيْلٌ مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ کسی چیز کا آخری انجام۔ اخیر نتیجہ۔ خواب کی تعبیر۔ کسی شے کو خواہ وہ شے علم ہو یا فعل، اس کی اصل مراد کی طرف لوٹانے کا نام تاویل ہے۔ علم کی مثال جیسے فرمایا: ﴿وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ﴾ (3/آل عمران:7) ''حالانکہ کوئی اس کا صحیح مطلب نہیں جانتا سوائے اللہ کے۔'' اور فعل کی مثال: ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَأْوِيْلَهٗ ۭ﴾ (7/الاعراف:53) ''ان لوگوں کو اور کسی بات کا انتظار نہیں صرف اس کے اخیر نتیجے کا انتظار ہے۔'' اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''تَأْوِيْلَهٗ۔ یعنی وعدۂ سزا کے عملی ظہور اور قرآن کے بتائے ہوئے مصداق کے۔ تاویل سے مراد وعید قرآنی کے آخری نتیجہ کے ہیں۔'' اور صاحبؒ احسن البیان فرماتے ہیں: ''تاویل کا مطلب ہے، کسی چیز کی اصل حقیقت اور انجام۔ یعنی کتاب الٰہی کے ذریعے سے وعدے، وعید اور جنت و دوزخ وغیرہ کا بیان تو کر دیا گیا تھا۔ لیکن یہ اس دنیا کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے منتظر تھے، سو اب وہ انجام ان کے سامنے آ گیا۔'' ﴿ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝﴾ (4/النساء:59) ''یہ بہتر ہے اور اچھا ہے بلحاظ انجام کار کے۔'' ﴿وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۡ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۭ﴾ (12/یوسف:21) ''اور اس طرح ہم نے سکونت دی یوسفؑ کو زمین میں اور تاکہ ہم سکھائیں ان کو خوابوں کی تعبیر۔''

كَافِرٌ (ك ف ر): البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔ تَشْتَرُوْا (ش ر ی): البقرۃ آیت 16 دیکھیں۔ اٰيٰتٌ: نوٹس کے آغاز میں دیکھیں۔

ث م ن

(ض۔ن) ثَمْنًا کسی چیز کا آٹھواں حصہ لینا۔

(ک) ثَمَانَةً کسی چیز کا قیمتی ہونا۔

ثَمَنٌ اسم ذات ہے۔ قیمت۔ بیچنے والا جو کچھ فروخت شدہ چیز کے بدلے میں لیتا ہے خواہ نقد ہو یا سامان، وہ ثمن کہلاتا ہے اور ہر وہ چیز جو کسی چیز کے عوض حاصل کی جائے اُسے بھی ثمن کہتے ہیں۔ ﴿وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ﴾ (12/یوسف:20) ''اور انہوں نے بیچا اس کو کم قیمت میں۔''

ثَمَانِيَةٌ اور ثَمَانٍ یا ثَمَانِيَ آٹھ (۸)۔ اسم عدد ہے۔ ثَمَانِيَةٌ مذکر معدود کے لیے آتا ہے اور ثَمَانِيَ مونث معدود کے لیے آتا ہے۔ ﴿وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۭ﴾ (39/الزمر:6) ''اور اس نے اتارے تمہارے لیے چوپایوں میں سے آٹھ جوڑے۔'' ﴿اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ﴾ (28/القصص:27) ''کہ تم ملازمت کرو میری آٹھ سال۔''

ثَمَانُوْنَ اور ثَمَانِيْنَ اسّی (۸۰)۔ ثَمَانُوْنَ (رفع)۔ ثَمَانِيْنَ (نصب اور جر) ﴿فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً﴾ (24/النور:4) ''تو تم لوگ مارو ان کو اسّی کوڑے۔''

ثَامِنٌ ترتیب میں آٹھواں۔﴿وَ یَقُوْلُوْنَ سَبْعَۃٌ وَّ ثَامِنُھُمْ کَلْبُھُمْ ؕ﴾(18/الکہف:22)''وہ لوگ کہیں گے سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا ہے۔''

ثُمُنٌ آٹھواں حصہ یعنی 1/8۔﴿فَاِنْ کَانَ لَکُمْ وَلَدٌ فَلَھُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَکْتُمْ﴾(4/النساء:12)''پھر اگر تمہاری اولاد ہے تو ان کے لیے آٹھواں حصہ ہے اس میں سے جو تم نے چھوڑا۔''

ق ل ل

(ض) قِلَّۃٌ (۱) کسی چیز کا کم ہونا۔(۲) کسی چیز کا بلند ہونا (ہلکی چیز اوپر اٹھتی ہے)۔﴿وَ لِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْہُ اَوْ کَثُرَ ؕ﴾(4/النساء:7)''اور عورتوں کے لیے ایک حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑا والدین اور قرابت داروں نے، خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔''

قَلِیْلٌ ج: قَلِیْلُوْنَ- فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔کم۔تھوڑا۔﴿وَمَآ اٰمَنَ مَعَہٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ ﴾(11/ھود:40)''اور ایمان نہیں لائے اس کے ساتھ مگر تھوڑے سے لوگ۔''﴿اِنَّ ھٰۤؤُلَآءِ لَشِرْذِمَۃٌ قَلِیْلُوْنَ ﴾(26/الشعراء:54) ''اور یقیناً یہ گروہ بہت ہی کم تعداد میں ہے۔''

قَلِیْلَۃٌ قَلِیْلٌ کی مؤنث۔تھوڑی۔﴿کَمْ مِّنْ فِئَۃٍ قَلِیْلَۃٍ غَلَبَتْ فِئَۃً کَثِیْرَۃًۢ بِاِذْنِ اللّٰہِ ؕ﴾(2/البقرۃ:249)''بارہا چھوٹی جماعتیں غالب آئی ہیں بڑی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے۔''

اَقَلُّ اسم التفضیل ہے۔کسی سے کم یا سب سے کم۔﴿فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّ اَقَلُّ عَدَدًا ﴾(72/الجن:24)''پس وہ لوگ جان لیں گے کہ کون زیادہ کمزور ہے بلحاظ مددگار کے اور زیادہ کم ہے بلحاظ گنتی کے۔''

(افعال) اِقْلَالًا کسی کو ہلکا پانا۔ہلکا سمجھنا۔بلند کرنا۔اٹھا لینا۔﴿حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا﴾(7/الاعراف:57)''یہاں تک کہ جب بھی وہ ہوا بلند کرتی ہے بھاری بادل کو۔''امام راغبؒ فرماتے ہیں:''یہاں اَقَلَّتْ کہہ کر اشارہ فرمایا ہے کہ وہ بادل جن کو (ہوا) اٹھا کر لاتی ہے اگرچہ فی نفسہٖ بھاری ہوتے ہیں مگر ہوا کی قوت کے اعتبار سے نہایت ہلکے ہیں۔''(مفردات القرآن، ۲ص ۸۶۴)۔اور مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں:''اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا یعنی ہوا بادل کے اجزاء کو باہم ملائے رہتی اور انہیں فضا میں معلق رکھتی ہے۔''

(تفعیل) تَقْلِیْلًا کم کرنا۔﴿وَیُقَلِّلُکُمْ فِیْۤ اَعْیُنِھِمْ﴾(8/الانفال:44)''اور اس نے کم کیا تمہیں ان کی آنکھوں میں۔''

اِتَّقُوْا (و ق ی): البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔

ترکیب 'وَ' عطف کا ہے۔اٰمِنُوْا فعل امر ہے اور یہ گزشتہ آیت میں اَوْفُوْا پر عطف ہے۔اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے۔بِمَا میں 'بِ' حرف جار ہے، مَا اسم موصول ہے اور اَنْزَلْتُ، صلہ ہے۔صلہ اور موصول مل کر مجرور ہیں 'بِ' کی وجہ سے اور یہ مرکب جاری متعلق ہے اٰمِنُوْا سے اور اس میں اشارہ ہے قرآن کی طرف۔مُصَدِّقًا حال ہے، اسم موصول 'مَا' کا اور آگے مرکب جاری لِمَا مَعَکُمْ متعلق ہے مُصَدِّقًا سے اور اس میں اشارہ ہے تورات کی طرف۔'وَ' عطف کا ہے اور لَا تَکُوْنُوْا، کَانَ کا فعل نہی ہے، اس کا اسم اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے اور اَوَّلَ کَافِرٍ بِہٖ اس کی خبر ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس کا مضاف اَوَّلَ حالت نصب میں ہے۔اَوَّلَ کا لفظ عموماً جمع کی طرف مضاف ہوتا ہے مثلاً اوّلُ المسلمین، اوّلُ المؤمنین وغیرہ لیکن یہاں کافرین یا کفّار کی بجائے کافر واحد آیا ہے اس کا جواب صاحبِ تفسیر ماجدیؒ اور صاحبِ تفسیر حقانی کے مطابق یہ ہے کہ کافر صورۃً واحد ہے لیکن معنیً جمع ہے اور تقدیر کلام میں

ایک مضاف محذوف ہے یعنی اَوَّلَ فَرِیْقٍ کَافِرٍ بِہٖ یعنی سب سے پہلے انکار کرنے والا گروہ نہ بنو۔ بِہٖ میں ضمیر قرآن کے لیے ہے۔ آگے وَلَا تَشْتَرُوْا میں وَ عطف کا ہے اور لَا تَشْتَرُوْا ، لَا تَکُوْنُوْا پر عطف ہے۔ لَا تَشْتَرُوْا فعل نہی اور اَنْتُمْ کی ضمیر اس کا فاعل ہے۔ بِاٰیٰتِیْ متعلق فعل ہے۔ اٰیٰتِیْ پر بِ کا صلہ بتا رہا ہے کہ اس کے بدلے کچھ حاصل کرنے سے منع کیا ہے۔ ثَمَنًا قَلِیْلًا مرکب توصیفی مفعول بنفسہ آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ وہ چیز ہے جس کو حاصل کرنے سے منع کیا ہے۔ آگے اِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ کی ترکیب بھی وہی ہے جو گزشتہ آیات میں اِیَّایَ فَارْھَبُوْنِ کی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ گزشتہ آیت میں فعل امر اِرْھَبُوْا تھا، یہاں اِتَّقُوْا ہے۔

ترجمہ
البقرۃ:41

وَاٰمِنُوْا	بِمَآ	اَنْزَلْتُ	مُصَدِّقًا
اور تم لوگ ایمان لاؤ	اس (قرآن) پر جو	میں نے نازل کیا	اس حال میں کہ وہ تصدیق کرنے والا ہے

لِّمَا	مَعَکُمْ	وَلَا تَکُوْنُوْٓا	اَوَّلَ کَافِرٍ بِہٖ
اس (تورات) کی جو	تمہارے ساتھ ہے	اور تم لوگ مت بنو	سب سے پہلے اس کا انکار کرنے والے

وَلَا تَشْتَرُوْا	بِاٰیٰتِیْ	ثَمَنًا قَلِیْلًا	وَاِیَّایَ
اور تم لوگ مت خریدو	میری آیات کے بدلے	تھوڑی قیمت کو	اور صرف مجھ سے ہی

فَاتَّقُوْنِ
مجھ ہی سے بچتے رہو/ مجھ ہی سے ڈرو

نوٹ:1 آیت مبارکہ میں یہود کو فرمایا وَلَا تَکُوْنُوْٓا اَوَّلَ کَافِرٍ بِہٖ ’’اور اے یہود تم اس قرآن کے پہلے انکار کرنے والے مت بنو‘‘ جبکہ مشرکین مکہ یہود سے پہلے حضورؐ کی دعوت کا انکار کر چکے تھے تو پھر ایسا کیوں فرمایا؟ اس کا جواب دو طرح سے دیا گیا ہے۔ پہلا یہ کہ اگرچہ مشرکین مکہ، یہود سے پہلے انکار کر چکے تھے مگر ان کا انکار جہالت اور نادانی کی وجہ سے تھا۔ جبکہ یہود حق کو خوب پہنچانتے تھے اور ان کا انکار جانتے بوجھتے تھا۔ علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ’’یعنی قرآن کی دیدہ و دانستہ تکذیب کرنے والوں میں اوّل مت ہو کہ قیامت تک کے منکرین کا وبال تمہاری گردن پر ہو، اور مشرکین مکہ نے جو انکار کیا ہے وہ جہل اور بے خبری کے سبب کیا ہے دیدہ و دانستہ ہرگز نہ تھا اس میں تو اوّل تم ہی ہو گے اور یہ کفر پہلے کفر سے سخت تر ہے۔‘‘ (تفسیر عثمانیؒ ص۹)۔ اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ہجرت کے بعد، مدینہ میں اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) میں سے قرآن مجید اور حضورؐ کی رسالت کا پہلے انکار کرنے والے یہودی تھے اس لیے ایسے فرمایا۔ (واللہ اعلم)۔

نوٹ:2 تھوڑی قیمت پر فروخت نہ کرو، کا یہ مطلب نہیں کہ زیادہ معاوضہ مل جائے تو احکام الٰہی کا سودا کر لو۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ احکام الٰہی کے مقابلے میں دنیاوی مفادات کو اہمیت نہ دو۔ احکام الٰہی تو اتنے قیمتی ہیں کہ ساری دنیا کا مال و متاع بھی ان کے مقابلے میں ثمن قلیل ہے۔

نوٹ:3 آیت نمبر 40 میں وَاِیَّایَ فَارْھَبُوْنِ فرمایا اور آیت زیر مطالعہ میں وَاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ فرمایا۔ دونوں کا ترجمہ عام طور پر ’’ڈرنا‘‘ سے کیا جاتا ہے۔ انہی کا ایک ہم معنی لفظ ہے خُشُوْع۔ ان تینوں لفظوں کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں: ’’رہبت، تقویٰ، خشوع سب ایک ہی حقیقت کے مختلف مظاہر ہیں۔ کسی کے عظمت و جلال کے تصور سے دل پر جو لرزش اور کپکپی طاری ہوتی ہے وہ **رہبت** ہے۔ اس لرزش و کپکپی سے صاحب

عظمت وجلال کے لیے دل میں جو عجز وفروتنی اور پستی و نیاز مندی کی حالت پیدا ہوتی ہے اور طبیعت میں بے نیازی کی جگہ فقر کا اور گھمنڈ کی جگہ اخبات کا جو احساس ابھرتا ہے وہ **خشوع** ہے۔ اسی طرح اس صاحب عظمت وجلال کے قہر وغضب سے بچنے، اس کے مقرر کردہ حدود کی مخالفت سے احتراز اور اس کے احکام وآیات کی خلاف ورزی سے اجتناب واحتیاط کی جو بے چینی طبیعت میں پیدا ہوتی ہے اور جو خلوت وجلوت ہر جگہ آدمی کو بیدار اور چوکنّا رکھتی ہے وہ **تقویٰ** ہے۔'' (تدبر قرآن، ج ا، ص ۱۸۲)

آیت:42

﴿وَلَا تَلۡبِسُوا الۡحَقَّ بِالۡبَاطِلِ وَتَكۡتُمُوا الۡحَقَّ وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝۴۲﴾

ل ب س

(ض) لَبۡسًا: اس کا بنیادی مفہوم ہے کسی چیز کو چھپا دینا۔ پھر اسی مناسبت سے یہ لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے مثلاً خلط ملط کرنا۔ گڈ مڈ کرنا۔ مشتبہ کرنا۔ کسی کام کے بارے میں شک وشبہ میں مبتلا ہو جانا۔ کسی کو کسی معاملے کے بارے میں شبہ میں ڈال دینا (عَلٰی کے صلے کے ساتھ)۔ ﴿یٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَلۡبِسُوۡنَ الۡحَقَّ بِالۡبَاطِلِ﴾ (3/آل عمران:71) ''اے اہل کتاب تم لوگ کیوں گڈ مڈ کرتے ہو حق کو باطل کے ساتھ۔'' ﴿وَلَوۡ جَعَلۡنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلۡنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسۡنَا عَلَيۡهِمۡ مَّا يَلۡبِسُوۡنَ ۝۹﴾ (6/الانعام:9) ''اور اگر ہم رسول بنا کر بھیجتے کسی فرشتہ کو تو وہ بھی آدمی ہی کی صورت میں ہوتا اور اُن کو اُسی شبہ میں ڈالتے جس میں اب پڑ رہے ہیں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ لَبۡسٌ کا لفظ لڑا دینا، بھڑا دینا کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ ﴿اَوۡ يَلۡبِسَكُمۡ شِيَعًا وَّ يُذِيۡقَ بَعۡضَكُمۡ بَاۡسَ بَعۡضٍ ؕ﴾ (6/الانعام:65) ''یا بھڑا دے تم کو مختلف فرقے کر کے اور چکھا دے ایک کو لڑائی ایک کی۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

لَبۡسٌ: اسم ذات بھی ہے۔ شبہ۔ شک۔ ﴿اَفَعَيِيۡنَا بِالۡخَلۡقِ الۡاَوَّلِ ؕ بَلۡ هُمۡ فِىۡ لَبۡسٍ مِّنۡ خَلۡقٍ جَدِيۡدٍ ۝۱۵﴾ (50/قٓ:15) ''تو کیا ہم تھک گئے پہلی تخلیق سے؟ بلکہ یہ لوگ شک میں ہیں نئی تخلیق کے بارے میں۔''

(س) لُبۡسًا: پوشاک پہننا۔ کپڑا پہننا۔ ﴿يَلۡبَسُوۡنَ ثِيَابًا خُضۡرًا﴾ (18/الکھف:31) ''اور وہ لوگ پہنیں گے سبز کپڑے۔''

لِبَاسٌ: اسم ذات ہے۔ وہ چیز جو پہنی جائے۔ ﴿يٰبَنِىۡۤ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكُمۡ لِبَاسًا يُّوَارِىۡ سَوۡاٰتِكُمۡ وَرِيۡشًا ؕ﴾ (7/الاعراف:26) ''اے آدمؑ کی اولاد ہم نے اتارا ہے تم لوگوں پر ایک لباس، وہ چھپاتا ہے تمہاری بری چیزوں کو اور بطور آرائش کے۔''

لباس کا لفظ ہر اس چیز پر بولا جاتا ہے جو انسان کی کمزوریوں اور برے کاموں پر پردہ ڈال سکے۔ اس لیے قرآن مجید میں میاں بیوی میں سے ہر ایک کو دوسرے کا لباس قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمۡ وَاَنۡتُمۡ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ﴾ (2/البقرۃ:187) ''وہ (بیویاں) تمہاری لباس ہیں اور تم ان (بیویوں) کا لباس ہو۔'' ظاہری جسمانی لباس کے علاوہ ایک باطنی لباس بھی ہے جو انسان کے باطن کی زینت و آرائش کا ذریعہ بنتا ہے۔ اس باطنی لباس کو قرآن لِبَاسُ التَّقۡوٰى کہتا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَلِبَاسُ التَّقۡوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيۡرٌ ؕ﴾ (7/الاعراف:26) ''اور پرہیزگاری کا لباس، وہ تو سب سے بہتر ہے۔'' حضرت علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''بلکہ اگر غور کیا جائے تو ظاہری بدنی لباس بھی اس

باطنی لباس کو زیب تن کرنے کے لیے شرعاً مطلوب ہوا ہے۔'' اور قرآن مجید میں یہ جو فرمایا: ﴿ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ ﴾ (16/النحل:112) ''بھوک اور خوف کا لباس۔'' تو یہ بھوک اور خوف کی شدت کو ظاہر کرنے کے لیے فرمایا، جیسے لباس انسان کے بدن کو ہر طرف سے گھیر لیتا ہے اسی طرح بھوک اور خوف نے ان کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ قرآنِ مجید میں رات کو بھی لباس کہا گیا ہے۔ ﴿ وَّ جَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ﴾ (78/النبا:10) ''اور ہم ہی نے رات کو پردہ کی چیز بنا دیا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ رات کو لباس اس لیے کہا کہ رات ہر چیز کو اپنی تاریکی کی چادر میں ڈھانپ لیتی ہے۔ یا اس لیے کہ جیسے لباس پہن کر آدمی اپنے آپ کو آرام دہ محسوس کرتا ہے اسی لیے رات کو لباس کہا کیونکہ رات کو ہر جاندار آرام اور سکون محسوس کرتا ہے۔ (واللہ اعلم)

لَبُوْسٌ — فَعُوْلٌ کے وزن پر مبالغے کا صیغہ ہے۔ لغت کے اعتبار سے اس سے مراد ہر طرح کا لباس ہے اور عام طور پر لڑائی کے وقت پہنے جانے والی زرہ کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ وَ عَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ﴾ (21/الانبیاء:80) ''اور ہم نے اُنؑ کو زرہ بنانے کا ہنر سکھا دیا تمہارے لیے تاکہ وہ تمہاری حفاظت کرے تمہاری لڑائی میں۔'' اس آیت کے تحت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''لبوس لغت کے اعتبار سے اسلحہ میں سے ہر چیز کو کہا جاتا ہے جو انسان اوڑھ کر یا گلے میں ڈال کر استعمال کرے۔ مراد اس جگہ آہنی زرہ ہے جو جنگ میں حفاظت کے لیے پہنی جاتی ہے۔'' (معارف القرآن، ج۶ ص۲۱۱)

اَلْحَقُّ (ح ق ق): البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔

ب ط ل

(ن) **بَطْلًا، بُطْلَانًا** — یہ لفظ حق کی ضد ہے۔ اس لیے سورۃ البقرہ کی آیت:26 میں لفظ حق کی وضاحت پھر دیکھ لیں۔
(۱) ثابت نہ ہونا۔ (۲) جھوٹ ہونا۔ (۳) بے مقصد ہونا۔ بیکار ہونا۔ ضائع ہونا یعنی وجود بے معنی ہونا۔ (۴) واجب نہ ہونا۔ ﴿ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَ بَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ (7/الاعراف:118) ''پس واقع ہوا حق اور ضائع ہوا جو وہ لوگ کیا کرتے تھے۔''

بَاطِلٌ — فَاعِلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ بے مقصد۔ بیکار۔ ناحق۔ ﴿ وَ اَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ﴾ (۴/النساء:161) ''اور بسبب ان کے کھانے کے لوگوں کا مال ناحق۔''

(افعال) **اِبْطَالًا** — باطل کرنا۔ ضائع کرنا۔ ﴿ قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ ﴾ (10/یونس:81) ''حضرت موسیٰؑ نے کہا جو تم لوگ جو لائے ہو، سو وہ جادو ہے۔ بے شک اللہ باطل کرے گا اس کو۔'' ﴿ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴾ (47/محمد:33) ''اور تم مت ضائع کرو اپنے اعمال۔''

مُبْطِلٌ — ج: مُبْطِلُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ باطل کرنے والا۔ ناحق کرنے والا۔ گمراہ۔ ﴿ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴾ (30/الروم:58) ''اور اگر تم ان کے پاس لاؤ کوئی نشانی تو لازماً کہیں گے وہ جنہوں نے کفر کیا کہ نہیں ہو تم لوگ مگر ناحق کرنے والے یعنی گمراہ۔''

تَكْتُمُوا (ک ت م): البقرۃ آیت 33 دیکھیں۔ تَعْلَمُوْنَ (ع ل م): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

ترکیب

'وَ' عطف کا ہے اور لَا تَلْبِسُوْا عطف ہے گزشتہ آیت میں لَا تَشْتَرُوْا پر۔ لَا تَلْبِسُوْا باب ضرب سے فعل نہی ہے۔ اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر فاعل ہے، اَلْحَقَّ مفعول اور بِالْبَاطِلِ متعلق فعل ہے۔ وَتَکْتُمُوْا میں 'وَ' عطف کا ہے اور تَکْتُمُوْا، تَلْبِسُوْا پر عطف ہے۔ اسی لیے 'لَا' نہی کی وجہ سے مجزوم ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے۔ اور اَلْحَقَّ اس کا مفعول ہے۔ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ میں 'وَ' حالیہ ہے، اَنْتُمْ مبتدا ہے اور جملہ فعلیہ تَعْلَمُوْنَ اس کی خبر ہے۔ یہ جملہ اسمیہ حال ہے تَکْتُمُوْا کی ضمیر فاعلی کا۔

ترجمہ

البقرۃ:42

وَلَا تَلْبِسُوا	الْحَقَّ	بِالْبَاطِلِ	وَتَكْتُمُوا
اورتم لوگ گڈمڈ مت کرو	حق کو	باطل کے ساتھ	اورتم لوگ مت چھپاؤ

الْحَقَّ	وَ	اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝
حق کو	اس حال میں کہ	تم لوگ (اسے) جانتے ہو

نوٹ

آیت مبارکہ میں لَا تَلْبِسُوا کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''تلبیس کے اصلی معنی ہیں کسی چیز کو ڈھانپ لینا، چھپالینا۔ ادھوری بات کہنا کہ مطلب کچھ کا کچھ ہو جائے، یا جھوٹ کو لفظی اور ظاہری سچائی کا رنگ دے دینا، بعض اوقات بالکل گھڑے ہوئے جھوٹ سے کہیں بڑھ کر دھوکے اور مغالطہ کا سبب بن جاتا ہے۔ اسی سے ملتی جلتی ہوئی شے کا نام آج کی اصطلاح میں پروپیگنڈہ ہے۔ موجودہ فرنگیوں کی طرح یہود بھی اس فن میں اُستاد رہ چکے ہیں۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص ۲۴)

آیت:43

﴿ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ ارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ ۝ ﴾

اَقِیْمُوْا (ق و م): الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ اَلصَّلٰوۃَ (ص ل و): البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔
اٰتُوْا (ء ت ی): البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔

ز ک و

(ن) زَکَاءً: اس مادے میں دو مفہوم پائے جاتے ہیں۔

(1) پاک ہونا۔ عربی زبان میں نفس زکیہ اس نفس کو کہا جاتا ہے جو گناہوں سے پاک ہو۔

(2) بڑھنا۔ نشوونما پانا۔ زیادہ ہونا۔ عربی زبان میں زَکَا الزَّرْعُ کے معنی ہیں کھیتی بڑھی اور پھلی پھولی۔ ﴿ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ وَ رَحْمَتُهٗ مَا زَکٰی مِنْکُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ﴾ (24/النور:21) ''اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم لوگوں پر اور اس کی رحمت تو پاک نہ ہوتا تم میں سے کوئی ایک بھی کبھی بھی۔''

اَزْکٰی: افعل التفضیل ہے۔ زیادہ پاک۔ زیادہ ستھرا۔ ﴿ ذٰلِکُمْ اَزْکٰی لَکُمْ وَ اَطْهَرُ ﴾ (2/البقرۃ:232) ''یہ تمہارے لیے پاکیزہ تر ہے اور صاف تر ہے۔''

زَکِیٌّ: فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ واحد مذکر۔ گناہوں سے پاک۔ ستھرا۔ پاکیزہ۔ ﴿ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا ۝ ﴾ (19/مریم:19) ''تاکہ میں عطا کروں تجھ کو ایک پاکیزہ لڑکا۔''

زَكِيَّةٌ فَعِيۡلَةٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ واحد مونث۔ گناہوں سے پاک۔ ستھری۔ پاکیزہ ﴿قَالَ اَقَتَلۡتَ نَفۡسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيۡرِ نَفۡسٍ ؕ﴾ (18/الکہف:74) ''حضرت موسیٰؑ بولے کیا تو نے مار ڈالی ایک جان ستھری بغیر عوض کسی جان کے۔''

(تفعیل) تَزۡكِيَةٌ (1) پاک کرنا۔ نشوونما دینا۔ عام طور پر یہ لفظ باطنی صفائی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّىۡ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ﴾ (24/النور:21) ''اور لیکن اللہ پاک کرتا ہے اُس کو جس کو وہ چاہتا ہے۔'' ﴿يَتۡلُوۡا عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيۡكُمۡ وَ يُعَلِّمُكُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ ﴾ (2/البقرة:151) ''وہ پڑھ کر سناتا ہے تمہیں ہماری آیتیں اور پاک کرتا ہے تم کو اور سکھاتا ہے تم کو کتاب اور حکمت۔''

(2) اپنی پاکیزگی خود بیان کرنا۔ ﴿اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يُزَكُّوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ ؕ﴾ (4/النساء:49) ''کیا تو نے نہ دیکھا ان کو جو اپنے آپ کو پاکیزہ کہتے ہیں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ﴿فَلَا تُزَكُّوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ ؕ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴾ (53/النجم:32) ''سو مت بیان کرو اپنی خوبیاں وہ خوب جانتا ہے اس کو جو بچ کر چلا۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

یہاں یہ جان لینا ضروری ہے کہ نفسِ انسانی کے تزکیے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک ہے تزکیہ بالفعل، یعنی اچھے اعمال کے ذریعے اپنے آپ کو درست کر لینا۔ یہ پسندیدہ بھی ہے اور مطلوب بھی جیسے فرمایا قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَكّٰى ''وہ کامیاب ہوا جس نے اپنے آپ کو سنوار لیا۔'' دوسرا ہے تزکیہ بالقول یعنی ایک متقی شخص کا دوسرے شخص کا تزکیہ کرنا اور اس کی خوبیوں کی گواہی دینا۔ قرآن مجید میں نبی اکرمؐ کے فرائض منصبی ایک خاص ترتیب کے ساتھ تین دفعہ بیان ہوئے ہیں جن میں سے ایک تزکیہ ہے۔ مثلاً: (البقرة:151) (آل عمران:164) (الجمعہ:2)۔ سورۃ النساء کی آیت:49 اور سورۃ النجم کی آیت 32 میں جس چیز کی مذمت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ بعض دفعہ کچھ لوگ اپنے نفس کے تزکیے کے لیے کی جانے والی کوششوں کے نتیجے کو یقینی سمجھ کر خود کو پاک صاف سمجھنا شروع کر دیتے ہیں اور اپنی پاکیزگی کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں۔ یہ ہے وہ چیز جس سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اپنی تعریف آپ کرنے کی اکثر وجہ تکبر ہوتا ہے اور دوسری وجہ یہ کہ یہ چیز خلافِ خوفِ الٰہی بھی ہے کیونکہ کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کا خاتمہ کس حال میں ہوگا۔ لہٰذا اس چیز سے بچنا چاہیے۔ حدیث میں بھی اس کی ممانعت آئی ہے،'' چنانچہ ایک روایت میں حضرت زینب بنت ابی سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسولِ کریمؐ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اس وقت چونکہ میرا نام بَرَّة تھا (جس کے معنی ہیں گناہوں سے پاک) میں نے وہی بتلایا، تو آپؐ نے فرمایا: لَا تُزَكُّوۡا اَنۡفُسَكُمۡ، اَللّٰهُ اَعۡلَمُ بِاَهۡلِ الۡبِرِّ مِنۡكُمۡ، سَمُّوۡهَا زَيۡنَبَ (رواہ مسلم بحوالہ مشکوٰۃ) یعنی تم اپنے آپ کی گناہوں سے پاکی بیان نہ کرو کیونکہ یہ علم صرف اللہ ہی کو ہے کہ تم میں سے کون پاک ہے، پھر برّہ کے بجائے آپؐ نے زینب نام رکھا۔'' (معارف القرآن، ج۲، ص۴۳۰)۔

زَكٰوةٌ اسم ذات ہے۔ ستھرائی۔ پاکیزگی۔ زکوٰۃ۔ لغات القرآن کے مطابق یہ تَزۡكِيَةٌ سے مشتق ہے۔ یہ لفظ اصلاً زَكَوَةٌ ہے جو قاعدہ کے مطابق تبدیل ہو کر زَكَاةٌ بنتا ہے اور قرآن مجید کی خاص املاء میں زَكٰوةٌ لکھا جاتا ہے۔ لغوی اعتبار سے زکوٰۃ کے اندر پاکیزگی اور نشوونما دونوں کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اصطلاح شرع میں مال کے اس حصے کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے جو شریعت کے احکام کے مطابق کسی مال میں سے نکالا جائے اور اس کے احکام کے مطابق خرچ کیا جائے۔ مال کے اس مقررہ حصے کو زکوٰۃ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اس سے نفس اور مال دونوں کو پاکیزگی بھی ملتی ہے اور اس سے مال میں برکت اور بڑھوتری بھی ہوتی ہے۔ ﴿وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ ﴾ (2/البقرة:277) ''اور انہوں نے نماز قائم کی اور

زکوٰۃ ادا کی۔'' ﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝ ﴾ (23/المومنون:4) ''زکوٰۃ کے طریقے پر عامل ہوتے ہیں۔'' اس آیت مبارکہ کے تحت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''عربی زبان میں زکوٰۃ کا مفہوم دو معنوں سے مرکب ہے۔ ایک ''پاکیزگی'' دوسرے ''نشوونما''۔ کسی چیز کی ترقی میں جو چیزیں مانع ہوں اُن کو دور کرنا، اور اس کے اصل جوہر کو پروان چڑھانا، یہ دو تصورات مل کر زکوٰۃ کا پورا تصور بناتے ہیں۔ پھر یہ لفظ جب اسلامی اصطلاح بنتا ہے تو اس کا اطلاق دو معنوں پر ہوتا ہے۔ ایک وہ مال جو مقصدِ تزکیہ کے لیے نکالا جائے۔ دوسرے بجائے خود تزکیہ کا فعل اگر يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ کہیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ تزکیہ کی غرض سے اپنے مال کا ایک حصہ دیتے یا ادا کرتے ہیں۔ اس طرح بات صرف مال دینے تک محدود ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ کہا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ تزکیہ کا فعل کرتے ہیں، اور اس صورت میں بات صرف مالی زکوٰۃ ادا کرنے تک محدود نہ رہے گی بلکہ تزکیۂ نفس، تزکیۂ اخلاق، تزکیۂ زندگی، تزکیۂ مال، غرض ہر پہلو کے تزکیے تک وسیع ہو جائے گی۔'' (تفہیم القرآن، ج ۳، ص ۲۶۳)۔ قرآن مجید میں زکوٰۃ کا لفظ مندرجہ ذیل معنوں میں استعمال ہوا ہے (1) اصطلاحی زکوٰۃ کے لیے جیسے اوپر البقرہ کی آیت 277۔ قرآن مجید میں اکثر و بیشتر اصطلاحی زکوٰۃ کا ذکر نماز کے ساتھ آیا ہے۔ (2) پاکیزگی کے لیے مثلاً: ﴿ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّ اَقْرَبَ رُحْمًا ۝ ﴾ (18/الکہف:81) ''پھر ہم نے چاہا کہ بدل دے اُن کو اُن کا رب بہتر اُس سے پاکیزگی میں اور نزدیک تر شفقت میں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿ وَّ حَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ زَكٰوةً ؕ وَ كَانَ تَقِيًّا ۝ ﴾ (19/مریم:13) ''اور خاص اپنے پاس سے رقت قلب اور پاکیزگی اور وہ بڑے پرہیزگار تھے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ (3) عام صدقہ کے لیے مثلاً: ﴿ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝ ﴾ (30/الروم:39) ''اور تم جو صدقہ دو گے جسے اللہ کی رضا طلب کرتے ہو گے تو ایسے ہی لوگ عنقریب بڑھاتے رہیں گے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''زکوٰۃ سے یہاں اصطلاحی زکوٰۃ مراد نہیں۔ شریعت کی یہ اصطلاح تو بہت بعد کی ہے بلکہ مطلق صدقہ مراد ہے، جو اللہ کی رضا جوئی کے لیے دیا جائے۔''

(تفعّل) تَزَكِّيْ پاکیزگی حاصل کرنا۔ پاک ہونا۔ ﴿ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ؕ ﴾ (35/فاطر:18) ''اور جس نے پاکیزگی حاصل کی تو وہ تو بس پاکیزگی حاصل کرتا ہے اپنے ہی لیے۔'' ﴿ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝ ﴾ (80/عبس:7) ''آپؐ پر ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ پاکیزگی حاصل نہیں کرتا۔'' ''ابن زیدؒ کہتے ہیں کہ قرآن میں جہاں بھی تزکّی کا لفظ استعمال ہوا ہے وہاں اس سے مراد اسلام قبول کرنا ہی ہے۔ چنانچہ وہ مثال میں قرآن مجید کی حسبِ ذیل تین آیات کو پیش کرتے ہیں: ﴿ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ۝ ﴾ (20/طٰہٰ:76) ''اور یہ جزا ہے اس کی جو پاکیزگی اختیار کرے۔'' یعنی اسلام لے آئے۔ ﴿ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۝ ﴾ (80/عبس:3) اور ''تمہیں کیا خبر شاید کہ وہ پاکیزگی اختیار کرے۔'' یعنی مسلمان ہو جائے۔ ﴿ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝ ﴾ (80/عبس:7) ''اور تم پر کیا ذمہ داری ہے اگر وہ پاکیزگی اختیار نہ کرے۔'' یعنی مسلمان نہ ہو۔ (ابن جریرؒ بحوالہ تفہیم القرآن، ج ٦ ص ٢٤٢) نوٹ: يَزَّكّٰى اصل میں يَتَزَكّٰى ہے۔

ر ك ع

(ف) رَكْعًا، رُكُوْعًا عاجزی کے اظہار میں جھکنا۔ پشت میں خم ڈالنا۔ اصطلاحاً رکوع نماز کا ایک رکن ہے۔ لغوی معنی جھکنے کے اعتبار سے عربی زبان میں رکوع، سجود یعنی سجدہ کرنا کے معنوں میں بھی اکثر استعمال ہوتا ہے جیسے اس شعر میں ہے (فَخَرَّ عَلٰى وَجْهِهٖ

رَاكِعًا ـــــــ وَتَابَ اِلَى اللّٰهِ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ)۔ یعنی وہ سجدہ کرتے ہوئے منہ کے بل گر پڑا اور بارگاہِ الٰہی میں ہر گناہ سے توبہ کی۔ اس شعر میں رَاكِعًا کا معنی سَاجِدًا (سجدہ کرنے والا) ہے۔ (روح المعانی بحوالہ ضیاء القرآن)۔ حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''رکوع کے لغوی معنی جھکنے کے ہیں، اور اس معنی کے اعتبار سے یہ لفظ سجدہ پر بھی بولا جاسکتا ہے، کیونکہ وہ بھی جھکنے کا انتہائی درجہ ہے، مگر اصطلاحِ شرع میں اس خاص جھکنے کو رکوع کہتے ہیں جو نماز میں معروف و مشہور ہے۔'' (معارف القرآن، ج۱، ص ۲۱۵)۔ ﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴾ (77/المرسلٰت:48) ''اور جب بھی کہا جاتا ہے ان لوگوں سے کہ تم لوگ رکوع کرو یعنی نماز پڑھو تو وہ لوگ رکوع نہیں کرتے ہیں یعنی نماز نہیں پڑھتے۔''

اِرْكَعْ — ج: اِرْكَعُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو رکوع کر۔ اوپر آیت نمبر (77/المرسلٰت:48) دیکھیں۔

رَاكِعٌ — ج: رَاكِعُوْنَ اور رُكَّعٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ جھکنے والا۔ عاجزی کرنے والا۔ رکوع کرنے والا۔ ﴿ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَ خَرَّ رَاكِعًا وَّ اَنَابَ ﴾ (38/صٓ:24) ''سو وہ معافی مانگنے لگ گئے اپنے رب سے اور گر پڑے رکوع میں اور (دل و جان سے) اُس کی طرف متوجہ ہو گئے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت میں بھی صاحبؒ ضیاء القرآن کے مطابق رَاكِعٌ سے مراد سَاجِدٌ ہے۔ ﴿ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴾ (3/آل عمران:43) ''اور آپ (اے مریم) رکوع کریں رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔'' ﴿ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴾ (2/البقرۃ:125) ''کہ تم دونوں پاک رکھو میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں کے لیے۔''

ترکیب

'وَ' حرف عطف ہے اور اَقِيْمُوْا گزشتہ آیت میں لَا تَلْبِسُوْا پر عطف ہے۔ اَقِيْمُوْا فعل امر میں جمع مذکر کا صیغہ ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے۔ اَلصَّلٰوةَ اس کا مفعول ہے۔ آگے وَاٰتُوا میں 'وَ' عطف کا ہے اور اٰتُوا بھی فعل امر ہے اور اَلزَّكٰوةَ اس کا مفعول ہے۔ وَارْكَعُوْا میں 'وَ' عطف کا ہے اور اِرْكَعُوْا بھی فعل امر ہے۔ مَعَ ظرف ہے اور مضاف ہے اور متعلق ہے اِرْكَعُوْا سے، اَلرّٰكِعِيْنَ مضاف الیہ ہے۔

ترجمہ	وَاَقِيْمُوا	الصَّلٰوةَ	وَاٰتُوا	الزَّكٰوةَ	وَارْكَعُوْا
البقرۃ:43	اور تم لوگ قائم کرو	نماز کو	اور تم لوگ ادا کرو	زکوٰۃ	اور تم لوگ جھکو

مَعَ الرّٰكِعِيْنَ
(نماز میں) جھکنے والوں کے ساتھ

نوٹ: 1

آیت مبارکہ میں بنی اسرائیل سے جو یہ فرمایا وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ تو اس سے کیا مراد ہے۔ حضرت مفتی محمد شفیعؒ اس کا جواب دیتے ہیں ''یہاں نماز کا ایک جز بول کر کُل نماز مراد لی گئی ہے، جیسے قرآن مجید میں ایک جگہ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ فرما کر پوری نماز فجر مراد ہے اور بعض روایات حدیث میں سجدہ کا لفظ بول کر پوری رکعت یا نماز مراد لی گئی ہے، اس لیے مراد آیت کی یہ ہوگئی کہ نماز پڑھو نماز پڑھنے والوں کے ساتھ۔'' لیکن یہ سوال پھر بھی باقی رہ جاتا ہے کہ نماز کے بہت سے ارکان میں سے خاص رکوع کا ہی کیوں ذکر کیا گیا تو اس کا جواب حضرت مفتی محمد شفیعؒ اِن الفاظ میں دیتے ہیں ''یہود کی نماز میں سجدہ وغیرہ تو تھا، مگر رکوع نہیں تھا، رکوع اسلامی نماز کی خصوصیات میں سے ہے، اس لیے راکعین کے لفظ سے امت محمدیہؐ کے نمازی مراد ہوں گے، جن کی نماز میں رکوع بھی ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ تم بھی امت محمدیہؐ کے نمازیوں کے ساتھ نماز ادا کرو، یعنی اوّل ایمان قبول کرو پھر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرو۔'' (معارف القرآن، ج۱، ص ۲۱۵)۔

نوٹ :2 ہمارے بزرگوں میں ایک بحث ہوئی ہے کہ کیا کافروں کو شریعت کے فروعی احکامات کا مخاطب بنانا درست ہے۔ تو اس کا جواب جمہور علماء نے یہ دیا ہے کہ آیت مبارکہ کے یہ سارے احکام ایک آیت قبل کے حکمِ ایمان وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ کے ماتحت ہیں۔ یعنی پہلے ایمان لاؤ اور پھر ان احکامات پر عمل کرو۔'' (بحوالہ تفسیر ماجدیؒ۔ تلخیصاً)۔

آیت :44

﴿ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾

تَاْمُرُوْنَ (ء م ر): البقرۃ آیت 27 دیکھیں۔ اَلنَّاسُ: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔

ب ر ر

(س۔ض) **بِرًّا** احسان و حسنِ سلوک کرنا۔ نیکی و بھلائی کرنا۔ کسی کے حق کو پورا کرنا، چاہے وہ اللہ تعالیٰ کا حق ہو، ماں باپ کا حق ہو یا عام بندوں کا حق ہو۔ ان بنیادی حقوق کے علاوہ اس لفظ میں ان حقوق کو پورا کرنے کا مفہوم بھی شامل ہے جو معاہدات، قول و قرار اور قسموں سے پیدا ہوتے ہیں۔ ﴿ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ ﴾ (60/الممتحنۃ:8) ''جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں جلا وطن نہیں کیا ان کے ساتھ حسنِ سلوک و احسان کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا۔''

بِرٌّ اسم ذات بھی ہے۔ نیکی۔ اس میں اعتقادی اور عملی دونوں قسم کی نیکیاں شامل ہیں اور قرآن مجید میں سورہ البقرہ کی آیت 177 میں اس کی تفصیل ہے ﴿ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ﴾ (2/البقرۃ:177) ''نیکی (بس یہی) نہیں کہ تم پھیر لو اپنے رخ مشرق کی طرف اور مغرب کی طرف۔'' حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: ''بِرٌّ کے معنیٰ لغت عربی میں بہت وسیع ہیں، نیکی کے جملہ اقسام پر شامل ہے۔ اُردو میں اس کا صحیح مفہوم لفظ طاعت ہی سے ادا ہو سکتا ہے۔ اہل لغت ہی کو نہیں اہل تفسیر کو بھی بِرٌّ کے مفہوم کی بھی وسعت مسلم ہے۔ اَلْبِرُّ اِسْمٌ جَامِعٌ لِّلطَّاعَاتِ وَاَعْمَالِ الْخَيْرِ الْمُقَرِّبَةِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى۔ (کبیر) (تفسیر ماجدیؒ ص ۸۴)۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں: ''یہ لفظ احسان اور نیکی کی تمام قسموں پر بھی حاوی ہے اور عدل کا بھی ہم معنی ہے۔ اپنے استعمالات کے لحاظ سے یہ لفظ اثم (حق تلفی) عقوق (والدین کی نافرمانی) غدر (بے وفائی) اور ظلم کا ضد ہے۔'' (تدبر قرآن، ج ا، ص ۱۸۷)۔ حدیث میں ہے: حج مبرور کی جزاء جنت کے سوا کچھ نہیں۔ اس میں حج مبرور سے مراد بِرّ یعنی نیکیوں سے بھرپور حج ہے۔

بَارٌّ ج: اَبْرَارٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ نیکی کرنے والا۔ بطور صفت بھی استعمال ہوتا ہے بمعنی نیک۔ شریعت کی رو سے بَارٌّ وہ ہے جو اپنے ذمے عائد ہونے والے حقوق کو پوری طرح ادا کرے، اپنے رب کی اطاعت کرے اور اس کے منع کیے ہوئے افعال سے پرہیز کرے۔ ﴿ وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴾ (3/آل عمران:193) ''اور تو موت دے ہم کو نیکی کرنے والوں یعنی نیک لوگوں کے ساتھ۔''

بَرٌّ ج: بَرَرَةٌ۔ فَاعِلٌ کے وزن پر بَارِرٌ تھا۔ الف گر گیا تو بَرِرٌ ہوا پھر ادغام ہو کر بَرٌّ بنا۔ اسم صفت ہے۔ اس کی نسبت اللہ

تعالیٰ اور بندے دونوں کی طرف ہوتی ہے۔ جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتو مطلب ہوتا ہے احسان کرنے والا۔﴿ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴾(52/الطور:28)''یقیناً وہی احسان کرنے والا ہر حال میں رحم کرنے والا ہے۔''اور جب اس کی نسبت بندے کی طرف ہوتو معنی ہوتے ہیں حسنِ سلوک کرنے والا۔اطاعت گزار۔فرمانبردار۔نیک۔﴿ وَ كَانَ تَقِيًّا ۙ وَّ بَرًّاۢ بِوَالِدَيْهِ ﴾(19/مریم:13-14)''اور وہ یعنی یحییٰ تقوے والے تھے اور نیکی کرنے والے تھے اپنے والدین کے ساتھ۔''اس کی جمع قرآن مجید میں ایک ہی دفعہ فرشتوں کی صفت کے طور پر استعمال ہوئی ہے۔﴿ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ﴾(80/عبس:16)''جو بڑے درجہ والے نیک کار ہیں۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔صاحبؒ لغات القرآن بَرَرَةٌ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:''بَرَرَةٌ، اَبْرَارٌ کی بہ نسبت زیادہ بلیغ ہے کیونکہ اَبْرَارٌ بَارٌّ کی جمع ہے اور بَرَرَةٌ بَرٌّ کی اور جس طرح عَدْلٌ (یعنی سرتاپا انصاف) عَادِلٌ سے زیادہ بلیغ ہے اسی طرح بَرٌّ، بَارٌّ سے زیادہ بلیغ ہے۔''(لغات القرآن،ج۲ص۲۷)

بَرٌّ صفت کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔خشکی۔(جس طرح حسنِ سلوک کرنے والا اپنے اندر سکون اور ٹھہراؤ محسوس کرتا ہے اسی طرح پانی پر ہچکولوں کے مقابلے میں خشکی پر انسان کو سکون اور ٹھہراؤ ملتا ہے)۔﴿ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ﴾(6/الانعام:59)''اور وہ جانتا ہے جو خشکی اور تری میں ہے۔''

ن س ی

(س) نَسْيًا اور نِسْيَانًا نسیان کا معنی ہے انسان کا اس چیز کو محفوظ نہ رکھنا جو اسے ودیعت کی گئی۔اس کی وجہ کبھی دل کی کمزوری اور غفلت ہوتی ہے اور کبھی قصداً بھی انسان کسی چیز کو اپنے دل سے مٹا دیتا ہے۔چنانچہ یہ لفظ کسی بات یا چیز کو بلا ارادہ بھلا دینا یا ارادۃً بھلا دینا، دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔﴿ وَ لَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴾(20/طٰہٰ:115)''اور ہم نے حکم دیا تھا آدمؑ کو اس سے پہلے (کہ وہ اُس درخت کے قریب نہ جائے) سو وہ بھول گیا اور نہ پایا ہم نے (اس لغزش میں) اُس کا کوئی قصد۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔﴿ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰۤى ﴾(87/الاعلیٰ:6)''ہم پڑھائیں گے آپؐ کو تو آپؐ نہیں بھولیں گے۔''﴿ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ﴾(32/السجدۃ:14)''پس اب چکھو سزا اُس جرم کی کہ تم نے بھلا دیا تھا اپنے اس روز کی ملاقات کو۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔﴿ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ﴾(5/المائدۃ:13)''اور اُنہوں نے بھلا دیا بڑا حصہ جس کے ساتھ اُنہیں نصیحت کی گئی تھی۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔ہر وہ نسیان جو قصد و ارادہ سے ہو، قابل مذمت ہے اور جو بغیر قصد اور ارادہ سے ہو وہ معاف ہے۔اسی لیے حدیث میں فرمایا گیا رُفِعَ عَنْ اُمَّتِي الْخَطَأُ وَالنِّسْيَانُ۔اٹھا لیا گیا (یعنی معاف کر دیا گیا) میری امت سے خطاء اور نسیان کو۔''نسیان کا لفظ جان بوجھ کر کسی چیز کو چھوڑ دینے کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً:﴿ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ ﴾(7/الاعراف:165)''پھر جب اُنہوں نے فراموش کر دی جو اُنہیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے نجات دے دی اُنہیں جو روکتے تھے برائی سے۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:''نسیان جان بوجھ کر کسی چیز کو چھوڑ دینے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور یہاں اسی معنی میں مستعمل ہوا ہے۔''(ضیاء القرآن،ج۲ص۹۷)۔قرآن مجید کی کئی آیات میں نسیان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بھی کی گئی ہے مثلاً:﴿ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ﴾(7/الاعراف:51)''سو آج ہم فراموش کر دیں گے اُنہیں جیسے انہوں نے اپنے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا۔''﴿ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ﴾

(9/التوبۃ:67) ''انہوں نے بھلا دیا اللہ کو تو اس (اللہ) نے بھی انہیں فراموش کر دیا۔'' اور ﴿ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ ﴾ (32/السجدۃ:14) ''ہم نے تم کو نظر انداز کر دیا۔'' ایسی تمام آیات جہاں نسیان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے وہاں اس کے معنی ترک کرنے اور نظر انداز کرنے کے ہوتے ہیں کیونکہ بھولنا ایک انسانی عیب ہے اور اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے۔ چنانچہ الاعراف:51 کے تحت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''انساء الٰہی سے جو ظاہر ہے کہ بالکل ارادی اختیاری ہوگا۔ مراد اللہ کا ان لوگوں کو رحمت کے ساتھ یاد نہ فرمانا ہے۔ محاورۂ عرب میں نسیان و انساء کا یہ استعمال نامعلوم نہیں۔'' اور اسی آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''نسیان (بھلا دینے) کا کیا معنی ہے؟ امام رازیؒ نے دو قول نقل کیے ہیں۔ (۱) نسی بمعنی ترک یعنی ہم انہیں چھوڑ دیں گے اور ان کو نجات نہیں دیں گے۔ (۲) دوسرا معنی یہ ہے کہ ہم ان سے ایسا برتاؤ کریں گے جیسے ہم نے ان کو فراموش کر دیا ہے۔'' اور پیر کرم شاہ صاحبؒ السجدہ:14 کے تحت فرماتے ہیں: ''نسیان کا معنی بھلا دینا اور فراموش کر دینا ہے لیکن کسی چیز کو ترک کرنے اور نظر انداز کر دینے کے معنی میں بھی یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے خصوصاً جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو کیونکہ وہاں بھولنا اور فراموش کرنا مراد نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ عیب ہے اور اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے وہاں فقط ترک کرنا، نظر انداز کرنا کے معنی میں یہ لفظ مستعمل ہوگا علامہ ابن منظور لکھتے ہیں: قولہٗ عزوجل۔ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ اِنَّمَا مَعْنَاهُ تَرَكُوا اللّٰهَ فَتَرَكَهُمْ۔'' (لسان العرب بحوالہ ضیاء القرآن، ج ۳، ص ۶۳۴)

	لَا تَنْسَ	فعل نہی ہے۔ تو مت بھول یا مت بھلا۔ ﴿ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ﴾ (28/القصص:77) ''اور تو مت بھول اپنے حصے کو دنیا میں سے۔''
	نَسْيٌ	اسم ذات ہے۔ وہ معمولی چیز جو توجہ کے قابل نہ ہو۔ ﴿ وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴾ (19/مریم:23) ''اور میں ہوتی ایک معمولی چیز بھولی ہوئی۔'' اس آیت میں نَسْیٌ کے متعلق امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''نَسْیٌ کے معنی ہیں وہ حقیر چیز جس کی طرف کوئی دھیان نہ دے اگرچہ وہ بھولی ہوئی نہ ہو پھر بھولی ہوئی چیز کے معنی کو ظاہر کرنے کے لیے مَنْسِيًّا کا لفظ لایا گیا۔'' (تلخیصاً)
	مَنْسِيٌّ	مَفْعِيٌّ کے وزن پر اسم المفعول ہے۔ وہ چیز جس کو بھلا دیا جائے۔ فراموش شدہ چیز۔ بھولی ہوئی چیز۔ اوپر (19/مریم:23) دیکھیں۔
	نَسِيٌّ	فَعِيْلٌ کے وزن پر فاعل کے معنی میں ہے۔ بھولنے والا۔ ﴿ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴾ (19/مریم:64) ''اور نہیں ہے آپؐ کا رب بھولنے والا۔''
(افعال)	اِنْسَاءً	کسی دوسرے کو کوئی چیز یا بات بھلا دینا۔ ﴿ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ﴾ (59/الحشر:19) ''اور تم لوگ مت ہو ان لوگوں کی مانند جو بھولے اللہ کو تو اس نے یعنی اللہ نے ان کو بھلا دیا اپنا آپ۔'' ﴿ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا ﴾ (2/البقرۃ:106) ''جو آیت ہم منسوخ کرتے ہیں یا ہم بھلا دیتے ہیں۔''

اَنْفُسٌ (ن ف س): البقرۃ آیت 9 دیکھیں۔

ت ل و

(ن)	تَلَوْا	کسی کے پیچھے پیچھے چلنا۔ پیروی کرنا۔ اتباع کرنا۔ اصل میں تَلَا يَتْلُوْ کا مطلب پیروی کرنا ہے۔ یہ پیروی کبھی ظاہری

اور جسمانی طور پر کسی کے پیچھے پیچھے چلنے سے ہوتی ہے اور کبھی کسی چیز کو پڑھنے اور اس کے معنی میں غور وفکر کر کے جو راستہ سمجھ آئے اس پر چلنے سے ہوتی ہے۔ پہلے معنی کے لحاظ سے مصدر تَلْوٌ اور تُلُوٌّ استعمال ہوتا ہے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے تِلَاوَۃٌ مصدر استعمال ہوتا ہے۔ عربی زبان میں تِلْوٌ اونٹنی کے اس بچے کو کہتے ہیں جس کا دودھ چھڑا دیا جائے اور وہ اپنی ماں کے پیچھے پیچھے چلے۔ (مصباح) ﴿وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ۝۲﴾ (91/الشمس:2) ''قسم ہے چاند کی جب وہ پیچھے پیچھے چلا اس (سورج) کے۔''

تِلَاوَۃٌ کسی چیز کو پڑھنا اور اس کی پیروی کرنا۔ تلاوت کا لفظ، قرأت (پڑھنا) سے خاص ہے۔ قرأت کا لفظ پڑھنے اور مطالعہ کرنے کے لیے عام ہے خواہ کوئی تحریر پڑھی جائے، کوئی کتاب یا ایک آدھ لفظ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جو کچھ قرأت کی جائے اس کی پیروی بھی لازماً کی جائے جبکہ تلاوت میں یہ مفہوم ہے کہ جو کچھ پڑھا جائے اس کی پیروی بھی کی جائے۔ چنانچہ تلاوت کے اندر قرأت کا مفہوم ہے لیکن قرأت کے اندر تلاوت کا مفہوم نہیں ہے۔ اسی لیے عربی زبان میں کسی کے خط کو پڑھنے کے لیے تَلَوْتُ رُقْعَتَكَ کے الفاظ نہیں بولے جاتے۔ اصطلاحاً تلاوت کا لفظ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں کو پڑھنے کے لیے مخصوص ہے کیونکہ ان کو پڑھنے کے ساتھ ساتھ ان میں درج شدہ ہدایات کی پیروی کرنا بھی لازم ہوتا ہے۔ اب چونکہ قرآن مجید واحد آسمانی کتاب ہے جو اپنی اصلی حالت میں ہے اس لیے تلاوت کا لفظ قرآن پاک کو پڑھنے کے لیے مخصوص ہے۔ اس لیے جب ''تلاوت قرآنِ پاک'' کہا جائے تو اس میں دو مفہوم ہیں ایک قرآنِ پاک کو پڑھنا اور دوسرا اس پر عمل کرنا۔ تَلَا یَتْلُوْ کے بعد اگر مفعول بنفسہٖ آئے تو مطلب ہوتا ہے پڑھنا یعنی تلاوت کرنا۔ اور اگر عَلٰی کا صلہ آئے تو مطلب ہوتا ہے کسی کو پڑھ کر سنانا۔ ﴿وَ قَالَتِ النَّصٰرٰی لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّ هُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ﴾ (2/البقرۃ:113) ''اور کہا نصارٰی نے کہ نہیں ہیں یہود کسی چیز پر حالانکہ وہ لوگ پڑھتے ہیں کتاب کو۔'' ﴿اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ﴾ (39/الزمر:71) ''کیا نہیں پہنچے تم لوگوں کے پاس کچھ رسول تم میں سے، وہ لوگ پڑھ کر سناتے تھے تم کو تمہارے رب کی آیات۔'' ﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ﴾ (2/البقرۃ:121) ''وہ لوگ جن کو ہم نے دی کتاب وہ اس کو پڑھتے ہیں جیسے کہ اُس کو پڑھنے کا حق ہے۔'' امام راغبؒ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں: ''کہ وہ اس کو پڑھ کر سمجھتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔'' اور قرآن مجید میں یہ جو فرمایا ﴿وَ اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ﴾ (2/البقرۃ:102) جس میں تلاوت کی نسبت شیاطین کی طرف کی گئی ہے تو ہمارے بزرگوں نے اس کی تین طرح سے وضاحت کی ہے (1) اگر تَتْلُوْا، تِلَاوَۃٌ سے مشتق ہے تو پھر آیت کے معنی ہوں گے ''اور انہوں نے پیروی کی اس کی جس کو شیاطین پڑھا کرتے تھے۔'' (عام طور پر اسی طرح ترجمہ کیا گیا ہے) اس صورت میں شیاطین کے پڑھنے کو تلاوت کہا گیا تو اس کی وجہ امام راغبؒ کے نزدیک یہ ہے کہ اِن شیاطین کو یہ گمان باطل اور زعم تھا کہ وہ کتب الٰہیہ کی تلاوت کر رہے ہیں۔ (2) اگر تَتْلُوْا، تَلْوٌ یا تُلُوٌّ سے مشتق ہو تو پھر آیت کے معنی ہوں گے ''اور انہوں نے پیروی کی اس چیز کی جس کی پیروی کی شیاطین نے۔'' لیکن آیت کا یہ ترجمہ میرے علم کی حد تک نہیں کیا گیا۔ (3) ایک تیسری وجہ جو صاحبؒ ضیاء القرآن نے لکھی ہے وہ یہ کہ تَلْوٌ کا ایک معنی بہتان باندھنا بھی ہے اس صورت میں آیت کا مفہوم ہوگا کہ یہودی پیروی کرنے لگے اس چیز (سحر) کی جس کا شیطان حضرت سلیمانؑ پر بہتان باندھا کرتے تھے۔ (واللہ اعلم)۔ امام راغبؒ کے مطابق تلاوت کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کے معنی نازل کرنے کے ہوتے ہیں جیسے فرمایا: ﴿ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ

وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿58﴾ (3/آل عمران:58) ''یہ جسے ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں نشانیوں میں سے ہے اور پُرحکمت مضمون میں سے۔'' تو اس آیت میں نَتْلُوْهُ کے معنی نازل کرنا کے ہیں۔

اُتْلُ — فعل امر ہے۔تو پڑھ کر سنا۔﴿ اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ ﴾(29/العنکبوت:45) ''آپؐ پڑھئے جو وحی کیا گیا آپؐ کی طرف کتاب میں سے۔'' ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ﴾(10/یونس:71) ''پڑھ کر سناؤ ان لوگوں کو نوحؑ کی خبر۔''

تَالٍ — اسم الفاعل ہے۔واحد مذکر۔تلاوت کرنے والا (تِلَاوَةٌ سے)

تَالِيَةٌ — ج: تَالِيَاتٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مؤنث۔ تلاوت کرنے والی (تِلَاوَةٌ سے)۔﴿ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ﴿3﴾﴾ (37/الصافات:3) ''پھر ذکر کی تلاوت کرنے والے (فرشتوں کی)۔''

اَلْكِتَابُ(ك ت ب): البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔

ع ق ل

(ض) عَقْلًا — عربی زبان کا یہ لفظ کئی معنی کا مجموعہ ہے۔مثلاً روکنا۔منع کرنا۔کسی شے پر غور وفکر کر کے اس کی حقیقت کو سمجھ لینا۔دانا ہونا۔دانائی کی صلاحیت کو استعمال کرنا۔غلطی کا احساس کرنے کے قابل ہونا۔عربی میں عِقَالٌ اس رسی کو کہتے ہیں جس سے اونٹ کا پاؤں باندھ دیا جائے اور جس سے اونٹ آزادی سے چل پھر نہ سکے۔سر پر باندھنے کی رسی کو بھی عِقَالٌ کہا جاتا ہے۔عورت جب اپنے بال باندھ لے تو کہتے ہیں عَقَلَتِ الْمَرْءَةُ شَعْرَهَا۔اسی طرح عَقَلَ لِسَانَهٗ کا معنی ہے اس نے اپنی زبان روک لی۔قرآن مجید میں اس مادے سے ماضی اور مضارع کے صیغے استعمال ہوئے ہیں اور اکثر ان کا ترجمہ ''عقل'' سے کیا گیا ہے۔عقل بطور اسم ذات قرآنِ مجید میں استعمال نہیں ہوا۔﴿ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ ﴾ (2/البقرۃ:75) ''وہ لوگ سنتے ہیں اللہ کے کلام کو پھر وہ بدل دیتے ہیں اس کو اس کے بعد کہ جو انہوں نے سمجھا اس کو۔'' ﴿ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿73﴾﴾ (2/البقرۃ:73) ''اس طرح اللہ زندہ کرے گا مردہ کو اور وہ دکھاتا ہے تم لوگوں کو اپنی نشانیاں شاید تم لوگ عقل سے کام لو۔'' اصل میں عقل وہ روحانی نور (یاقوت) ہے جس سے چیزوں کی حقیقت کو سمجھا جاتا ہے، جس سے نقصان دہ چیزوں سے بچا جاتا ہے، جس سے انسان نفع اور نقصان کا فرق کرتا ہے، جو انسان کو فائدہ مند چیزوں کے حصول اور قبول علم کے لیے ہر وقت تیار رکھتا ہے اور جس سے انسان سوچ و بچار کرتا ہے۔عقل کو عقل بھی اس لیے کہتے ہیں کہ عقل کے معنی منع کرنے کے ہیں چونکہ عقل عاقل کو نازیبا باتوں سے روکتی رہتی ہے، اس لیے اس کا نام ''عقل'' ہوا۔اس روکنے کے مفہوم کے لحاظ سے اسے نُهْيَةٌ بھی کہتے ہیں (یعنی بری باتوں سے روکنے والی عقل)۔اس کی جمع قرآن مجید میں استعمال ہوئی ہے لِاُولِي النُّهٰى (طٰہٰ:54)۔یا عقل مَعْقِلٌ سے ماخوذ ہے، معقل کہتے ہیں جائے پناہ کو، اور چونکہ عقلمند کو عقل کے تلے ہی پناہ ملتی ہے اس لیے اس کو عقل کہنے لگے۔قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عقل کا محل قلب ہے چنانچہ فرمایا: ﴿ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ﴾(22/الحج:46) ''کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ اِن کے دل سمجھنے والے یا اِن کے کان سننے والے ہوتے؟'' عقل کی قسموں

کے متعلق حضرت علیؓ کا قول ہے: اَلْعَقْلُ عَقْلَانِ - مَطْبُوْعٌ وَمَسْمُوْعٌ۔ عقل کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو طبیعت میں ودیعت کی جاتی ہے اور دوسری وہ جو سن کر حاصل ہوتی ہے۔ وَلَا يَنْفَعُ مَسْمُوْعٌ اِذَا لَمْ يَكُ مَطْبُوْعٌ اور وہ عقل جو سن کر حاصل ہوتی ہے وہ فائدہ مند نہیں ہوتی جب تک طبیعت میں ودیعت کی جانے والی عقل موجود نہ ہو۔ كَمَا لَا يَنْفَعُ ضَوْءُ الشَّمْسِ وَضَوْءُ الْعَيْنِ مَمْنُوْعٌ جس طرح سورج کی روشنی اس وقت فائدہ نہیں دیتی جب آنکھ میں روشنی نہ ہو۔ عقل کے پہلے معنی کی طرف آنحضرتؐ نے ایک حدیث میں اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: مَا خَلَقَ اللّٰهُ خَلْقًا اَكْرَمَ عَلَيْهِ مِنَ الْعَقْلِ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کی جو اس کے نزدیک عقل سے زیادہ باعزت ہو۔ اور دوسرے معنی کی طرف آنحضرتؐ کے اس ارشاد میں اشارہ پایا جاتا ہے۔ مَا كَسَبَ اَحَدٌ شَيْئًا اَفْضَلَ مِنْ عَقْلٍ يَّهْدِيْهِ اِلٰى هُدًى اَوْ يَرُدُّهٗ عَنْ رَدًى کہ کسی شخص نے اس عقل سے بڑھ کر کوئی چیز حاصل نہیں کی جو انسان کی رہنمائی کرے یا اسے ہلاکت سے بچائے چنانچہ آیت کریمہ: ﴿وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ۝۴۳﴾ (29/العنکبوت:43) ''اور اسے تو اہل دانش ہی سمجھتے ہیں۔'' میں اسی معنی کی طرف اشارہ ہے۔ اور ہر وہ جگہ جہاں اللہ تعالیٰ نے فقدان عقل کی وجہ سے کفار کی مذمت فرمائی ہے وہاں دوسرے معنی ہی مراد ہیں جیسے فرمایا: ﴿وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّ نِدَآءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۱۷۱﴾ (2/البقرۃ:171) ''جو کافر ہیں ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی ایسی چیز کو آواز دے جو پکار اور آواز کے سوا کچھ نہ سن سکے، بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں کہ کچھ سمجھ ہی نہیں سکتے۔'' (تلخیص از مفردات القرآن، مترادفات القرآن، لغات القرآن، مصباح اللغات)

ترکیب

اَ استفہامیہ ہے اور اظہار حیرت اور ملامت کے لیے ہے۔ تَاْمُرُوْنَ فعل ہے اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر اس کا فاعل ہے۔ اَلنَّاسَ مفعول ہے اور بِالْبِرِّ متعلق فعل ہے۔ یہاں یہ بھی نوٹ کریں کہ جس کو حکم دیا جائے وہ مفعول بنفسہٖ آتا ہے اور جو حکم دیا جائے اس کے ساتھ زیادہ تر 'ب' یا 'اَنْ' کا صلہ آتا ہے۔ 'وَ' عطف کا ہے تَنْسَوْنَ، تَاْمُرُوْنَ پر عطف ہے اور اَنْفُسَكُمْ اس کا مفعول ہے۔ آگے 'وَ' حالیہ ہے۔ اَنْتُمْ مبتدا اور جملہ فعلیہ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اس کی خبر ہے یہ جملہ اسمیہ حال ہے تَنْسَوْنَ کی ضمیر فاعلی کا۔ آگے اَ استفہامیہ ہے، 'فَ' حرف عطف ہے، لَا نافیہ ہے اور تَعْقِلُوْنَ فعل اور اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر اس کا فاعل ہے۔ (واللہ اعلم)۔

ترجمہ
البقرۃ:44

اَتَاْمُرُوْنَ	النَّاسَ	بِالْبِرِّ	وَتَنْسَوْنَ
کیا تم حکم دیتے ہو	لوگوں کو	نیکی کا	اور تم بھول جاتے ہو

اَنْفُسَكُمْ	وَ	اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ	الْكِتٰبَ
اپنے آپ کو	حالانکہ	تم پڑھتے ہو	کتاب

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ
تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے

نوٹ اس آیت مبارکہ کی تفسیر اگر معارف القرآن سے دیکھ لی جائے تو بہت فائدہ ہوگا۔ بہرحال حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''آیت کا مطلب یہ نہیں کہ بے عمل آدمی کو وعظ کہنا جائز نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ واعظ کو بے عمل نہیں ہونا چاہیے۔'' (معارف القرآن، ج ۱ ص: ۲۱۸)

آیت: 45

﴿ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝ ﴾

اِسْتَعِيْنُوْا (ع و ن): الفاتحہ آیت 4 دیکھیں۔

ص ب ر

(ض) **صَبْرًا** صَبْرٌ کے لغوی معنی ہیں روکنا اور باندھنا۔ عربی میں صَبَرْتُ الدَّابَّةَ کے معنی ہیں میں نے جانور کو کھانا کھلائے بغیر باندھ دیا۔ اسی طرح صَبَرْتُ نَفْسِيْ عَنْ كَذَا کے معنی ہیں میں نے اپنے آپ کو فلاں چیز سے روک دیا۔ اس لغوی مفہوم کے ساتھ یہ لفظ جب قرآن وسنت میں استعمال ہو تو پھر اس کے معنی ہوتے ہیں مشکل اور ناموافق حالات میں عقل اور شریعت دونوں یا ان میں سے کسی ایک کے تقاضے کے مطابق اپنے آپ کو روکے رکھنا، مشکلات اور تکلیفوں کو برداشت کرنا، ان کو سہنا، ثابت قدمی سے اپنے کام پر لگے رہنا اور اپنے موقف پر ڈٹے رہنا۔ ﴿ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ ﴾ (46/الاحقاف:35) ''تو آپؐ ثابت قدم رہیں جیسے کہ ثابت قدم رہے ہمت والے رسول۔'' ﴿ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ ﴾ (25/الفرقان:20) ''اور ہم نے تم میں سے ہر ایک کو دوسرے کی آزمائش کا ذریعہ بنا دیا۔ کیا تم صبر کرو گے۔'' (نوٹ: صبر کی مزید تفصیل آگے نوٹ 1 میں دیکھیں)۔

اِصْبِرْ ج: اِصْبِرُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو ثابت قدم رہ۔ تو برداشت کر۔ اوپر آیت نمبر (46/الاحقاف:35) دیکھیں۔ ﴿ فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ ﴾ (7/الاعراف:87) ''تو تم صبر کرو جب تک اللہ فیصلہ کرے ہمارے درمیان۔''

صَابِرٌ ج: صَابِرُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ ثابت قدم رہنے والا۔ برداشت کرنے والا۔ ﴿ قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ صَابِرًا ﴾ (18/الکہف:69) ''حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا کہ انشاءاللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے۔'' ﴿ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ ﴾ (8/الانفال:65) ''اگر ہوں تم میں بیس ثابت قدم رہنے والے، تو وہ لوگ غالب ہوں گے دو سو پر۔'' ﴿ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ﴾ (37/الصافات:102) ''بیٹے نے جواب دیا ابا جان آپ کر دیجئے جو آپ کو حکم ہوا انشاءاللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔''

صَابِرَةٌ ج: صَابِرَاتٌ۔ صبر کرنے والی۔ ﴿ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ ﴾ (8/الانفال:66) ''پس اگر تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ دو ہزار پر غالب آئیں گے۔'' ﴿ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ ﴾ (33/الاحزاب:35) ''اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں۔''

صَبَّارٌ فَعَّالٌ کے وزن پر مبالغے کا صیغہ ہے۔ بہت زیادہ ثابت قدم رہنے والا۔ بہت زیادہ جھیلنے اور برداشت کرنے والا۔ ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ ﴾ (14/ابراہیم:5) ''بیشک اس میں نشانیاں ہیں ہر ایک بہت زیادہ ثابت قدم رہنے والے، شکر گزار کے لیے۔''

صَبْرٌ — اسم ذات بھی ہے۔ ثابت قدمی۔ برداشت۔ استقامت۔ استقلال۔﴿ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ ﴾ (103/العصر:3)''اور باہم تاکید کی حق کی اور باہم تاکید کی ثابت قدمی کی۔''اور آیت زیر مطالعہ۔

مَا اَصْبَرَ — صیغۂ تعجب ہے۔﴿ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝ ﴾(2/البقرۃ:175)''تو وہ کتنے ثابت قدم ہیں آگ پر۔''

(مفاعلہ) مُصَابَرَةً — کسی کے مقابلہ پر ثابت قدم رہنا۔عام طور پر یہ لفظ دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

صَابِرْ — ج: صَابِرُوْا۔ فعل امر ہے۔ثابت قدمی میں غالب آؤ یا غالب رہو۔﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۣ ﴾ (3/آل عمران:200)''اے ایمان والو صبر کرو اور ثابت قدم رہو (دشمن کے مقابلے میں) اور کمر بستہ رہو (خدمت دین کے لیے)۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(افتعال) اِصْطِبَارًا — اہتمام سے ڈٹے رہنا۔ثابت قدم رہنا۔

اِصْطَبِرْ — فعل امر ہے۔اہتمام سے ڈٹے رہو۔ثابت قدم رہو۔﴿ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ ﴾(20/طٰہٰ:132) ''اور حکم دو اپنے گھر والوں کو نماز کا اور خود ڈٹے رہو اس پر یعنی نماز پر۔''

اَلصَّلٰوةُ (ص ل و): البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ كَبِيْرَةٌ: (ك ب ر) البقرۃ آیت 34 دیکھیں۔ اِلَّا: البقرۃ آیت 34 دیکھیں۔

خ ش ع

(ف) خُشُوْعًا — عاجزی کرنا۔ جھک جانا۔ (خشوع اصل میں وہ قلبی سکون اور انکساری ہے جو اللہ کی عظمت اور اس کے سامنے اپنی حقارت کے علم سے پیدا ہو۔اس سے اطاعت میں آسانی ہو جاتی ہے۔کبھی اس کے آثار بدن پر بھی ظاہر ہونے لگتے ہیں جس کو خضوع کہتے ہیں)۔آنکھوں کے لیے یہ لفظ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے آنکھوں کا جھک جانا۔آواز کے لیے یہ لفظ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے آواز کا آہستہ اور پست ہو جانا۔زمین کے لیے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے زمین کا خشک اور بنجر ہو جانا۔چہرے کے لیے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے چہرے کا جھک جانا۔عربی زبان میں اونٹ کا کوہان اگر لاغری کے سبب سے بیٹھ جائے تو اس کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔﴿ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ (57/الحدید:16)''کیا وقت نہیں آیا ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے کہ جھک جائیں ان کے دل اللہ کے ذکر سے۔''﴿ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ۝ ﴾(20/طٰہٰ:108)''اور پست ہو جائیں گی آوازیں اللہ کے حضور، پس تو نہیں سنے گا مگر کچھ گھس پھس۔''(نوٹ:خشوع کی حقیقت آگے نوٹ 2 میں دیکھیں)۔

خَاشِعٌ — ج: خَاشِعُوْنَ اور خُشَّعٌ۔اسم الفاعل ہے۔مذکر کا صیغہ۔جھکنے والا۔عاجزی کرنے والا۔﴿ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰي جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا ﴾(59/الحشر:21)''اگر ہم نے اتارا ہوتا اس قرآن کو کسی پہاڑ پر تو آپؐ اُس کو دیکھتے کہ وہ جھک جاتا۔''﴿ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ ﴾(23/المؤمنون:2)''وہ لوگ جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں۔''﴿ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ ﴾(54/القمر:7)''اُن کی آنکھیں جھکی ہوں گی۔''

خَاشِعَةٌ — ج: خَاشِعَاتٌ۔ اسم الفاعل ہے۔مونث کا صیغہ۔ جھکنے والی۔ عاجزی کرنے والی۔﴿ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝ ﴾ (79/النّٰزعٰت:9)''اُن کی آنکھیں (ڈر سے) جھکی ہوں گی۔''﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ خَاشِعَةٌ ۝ ﴾ (88/الغاشیۃ:2) ''کتنے ہی چہرے اُس دن (ذلت کی وجہ سے) جھکے ہوں گے۔''﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً ﴾

(41/حٰم السجدۃ:39) ''اور اُس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تو دیکھتا ہے زمین کو کہ وہ خشک اور بنجر ہے۔''

﴿ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ ﴾ (33/الاحزاب:35) ''اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں۔''

ترکیب

'وَ' عطف کا ہے اور فعل اِسْتَعِيْنُوْا، آیت 43 میں اِرْكَعُوْا پر عطف ہے۔ اِسْتَعِيْنُوْا فعل امر کا صیغہ ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے اور بِالصَّبْرِ متعلق فعل ہے۔ یہاں ایک بات نوٹ کرلیں کہ استعانت کے اَفعال کا مفعول یعنی جس کی مدد طلب کی جائے، وہ بنفسہٖ آتا ہے۔ (جیسے نَسْتَعِيْنُكَ) اور جس چیز کے ذریعے اس کی مدد حاصل کی جائے اس پر بِ کا صلہ آتا ہے۔ اس آیت میں اِسْتَعِيْنُوْا کے ساتھ بِالصَّبْرِ آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ اِسْتَعِيْنُوْا کا مفعول محذوف ہے جو کہ اللہ ہے۔ وَالصَّلٰوةِ میں پھر 'وَ' عطف کا ہے اور اَلصَّلٰوةِ، اَلصَّبْرِ پر عطف ہے اسی لیے حالت جر میں ہے۔ وَاِنَّهَا میں 'وَ' کو استینافیہ اور حالیہ دونوں مانا گیا ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے۔ اس کا اسم منصوب آتا ہے اسی لیے اس کے ساتھ ضمیر 'ھا' آئی ہے جو کہ اَلصَّلٰوةِ کے لیے ہے۔ لَكَبِيْرَةٌ اس کی خبر ہے جس پر لام تاکید داخل ہے۔ اس لام تاکید کو 'لام مزحلقه' کہتے ہیں۔ اِلَّا حصر کے لیے ہے اور جار مجرور عَلَى الْخٰشِعِيْنَ متعلق خبر ہے۔

ترجمہ	وَاسْتَعِيْنُوْا	بِالصَّبْرِ	وَالصَّلٰوةِ ؕ
البقرۃ:45	اور تم مدد لو	صبر سے	اور نماز سے

وَاِنَّهَا	لَكَبِيْرَةٌ	اِلَّا	عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾
اور یقیناً وہ (نماز)	بھاری ہے	مگر	عاجزی کرنے والوں پر (بھاری نہیں)

نوٹ: 1 صَبْرٌ: صبر قرآن وسنت کی اہم ترین اصطلاحوں میں سے ایک ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ سورۃ العصر میں نجات کے چار لوازم بیان ہوئے ہیں جن میں سے ایک صبر ہے۔ دنیا کی اقوام میں سے جس کسی پر بھی اللہ تعالیٰ کے انعامات کی بارش ہوئی وہ اسی صبر کی وجہ سے ہوئی۔ مثلاً فرمایا: ﴿ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ؕ ﴾ (7/الاعراف:137) ''اور پورا ہوگیا نیکی کا وعدہ تیرے رب کا بنی اسرائیل پر بسبب ان کے صبر کرنے کے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ﴿ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۣ ﴾ (32/السجدۃ:24) ''اور ہم نے ان میں جب کہ انہوں نے صبر کیا پیشوا بنا دیے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اردو زبان میں اس کا ترجمہ لفظ ''صبر'' ہی سے کیا جاتا ہے لیکن اردو میں یہ لفظ بہت محدود معنوں میں استعمال ہوتا ہے عام طور پر اردو زبان میں مجبوری کا نام صبر ہے۔ ظلم کے آگے گھٹنے ٹیک دینے کا نام صبر ہے۔ کوئی تکلیف اور مصیبت آپڑے تو غم کا اظہار نہ کرنا صبر ہے۔ اسی طرح انگریزی زبان میں بھی کوئی ایک لفظ ایسا نہیں جو صبر کی معنوی وسعت کو بیان کرے۔ البتہ دو لفظوں کو اگر ملا لیا جائے تو صبر کے مفہوم کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ وہ دو لفظ ہیں: Patience اور Endurance۔ اردو اور انگریزی کی بنسبت عربی میں اور قرآن و سنت کی اصطلاح میں اس کا معنی بہت وسیع ہے۔ مولانا مودودیؒ صبر کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''صبر کے لغوی معنی روکنے اور باندھنے کے ہیں اور اس سے مراد ارادے کی وہ مضبوطی، عزم کی وہ پختگی اور خواہشات نفس کا وہ انضباط (ضابطہ، ڈھنگ) ہے جس سے ایک شخص نفسانی ترغیبات اور بیرونی مشکلات کے مقابلے میں اپنے قلب و ضمیر کے پسند کیے ہوئے راستے پر لگاتار بڑھتا چلا جائے۔'' (تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۷۳)۔ حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''صبر کے لفظی معنی روکنے اور باندھنے کے ہیں اور اصطلاح قرآن وسنت میں نفس کو خلافِ طبع چیزوں پر جمائے رکھنے کو صبر کہا جاتا ہے۔'' (معارف القرآن، ج ۲، ص ۲۷۴)۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں: ''لفظ 'صبر' کے اصل معنی روکنے کے ہیں یعنی نفس کو گھبراہٹ، مایوسی اور دل برداشتگی سے بچا کر اپنے موقف پر جمائے رکھنا۔ قرآن مجید میں اسی حقیقت نے کچھ زیادہ پاکیزہ صورت اختیار کرلی ہے۔ یعنی قرآن میں عموماً اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ بندہ پوری طمانیت قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے عہد پر ڈٹا رہے اور اس کے وعدوں پر یقین رکھے اور اس راہ میں اس کو جن مشکلات سے بھی دو چار ہونا پڑے ان کو پرکاہ کے برابر بھی وقعت

نہ دے۔'' (تدبر قرآن، ج۱،ص۱۸۸)۔مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں:''صبر کے لفظی معنی تنگی اور ناخوشگواری کی حالت میں اپنے کو روکے رہنے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں اس کے معنی یہ ہیں کہ نفس کو عقل پر غالب نہ آنے دیا جائے، اور قدم دائرہ شریعت سے باہر نہ نکالا جائے۔صبر کے یہ معنی نہیں کہ جو امور طبعی اور بشری ہیں، اُن کے آثار کو بھی اپنے اوپر طاری نہ ہونے دیا جائے۔ بھوک کے وقت مضمحل اور نڈھال ہوجانا، درد کی تکلیف سے کراہنا، رنج کے وقت آہ سرد بھرنا، عزیزوں قریبوں کی موت پر آنسوؤں سے رونا، ان میں سے کوئی شے بھی صبر کے منافی اور بے صبری میں داخل نہیں۔'' پھر آگے لکھتے ہیں: ''صبر کرنے کے معنی یہ نہیں کہ بندہ بالکل بے حس ہوجائے اور غم کو غم محسوس ہی نہ کرے۔اس کا نام صبر نہیں، بے حسی ہے۔صبر یہ ہے کہ انتہائی غمناک و دردانگیز واقعہ پر بندہ عقل کو نفس پر غالب رکھے، زبان کو شکوہ اور ناشکری سے آلودہ نہ ہونے دے اور نظر مسبب الاسباب پر، اُس کی مصلحت وحکمت پر اُس کی شفقت و رحمت پر رکھے۔

غم میں بھی قانونِ فطرت سے میں کچھ بدظن نہیں
یہ سمجھتا ہوں کہ میرا دوست ہے، دشمن نہیں (اکبرؒ)

(تفسیر ماجدیؒ،ص۷۵۔۷۶)

صاحبؒ تفسیر حقانی فرماتے ہیں:''صبر عقل کا اتباع کرکے نفس کو غضب اور شہوت سے روکنے کو کہتے ہیں اس لیے جس میں یہ دونوں چیزیں ہوں گی، صبر اسی کو نصیب ہوگا۔ملائکہ میں چونکہ غضب اور شہوت نہیں بلکہ صرف عقل ہے تو اس لیے ان کو بھی یہ نعمت نصیب نہیں اور دیگر حیوانات میں عقل نہیں، غضب اور شہوت ہے اسی لیے وہ بھی اس سعادت سے فیضیاب نہیں۔(تفسیر حقانی، ج۱،ص۵۹۲)۔

صبر کی قسمیں: حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں:''صبر کی تین قسمیں ہیں اوّل: صبر علی الطاعات، یعنی جن کاموں کا اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسولؐ نے حکم دیا ہے، ان کی پابندی طبیعت پر کتنی بھی شاق ہو اس پر نفس کو جمائے رکھنا۔دوسرے: صبر عن المعاصی، یعنی جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے منع فرمایا ہے وہ نفس کے لیے کتنی ہی مرغوب ولذیذ ہوں نفس کو اس سے روکنا۔تیسرے: صبر علی المصائب، یعنی مصیبت وتکلیف پر صبر کرنا حد سے زائد پریشان نہ ہونا، اور سب تکلیف وراحت کو حق تعالیٰ کی طرف سے سمجھ کر نفس کو بے قابو نہ ہونے دینا۔اسی لیے حدیث میں رسولِ کریمؐ نے فرمایا: اَلصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْاُوْلٰی، یعنی اصل اور معتبر صبر تو وہی ہے جو ابتداء صدمہ کے وقت اختیار کرلیا جائے۔'' (معارف القرآن، ج۲،ص۲۷۴ اور ج۵،ص۱۹۱)۔صاحبؒ تفسیر حقانی صبر کی قسموں کے متعلق لکھتے ہیں: واضح ہو کہ صبر کی دو قسمیں ہیں: بدنی اور نفسانی۔ پھر بدنی کی بھی دو قسمیں ہیں: فعلی، جیسا کہ بڑے بھاری اور مشقت کے کاموں کو کرنا۔انفعالی، درد اور تکلیف کو برداشت کرنا۔گو اس تکلیف کے آثار خود بخود بشری تقاضوں سے ظاہر ہوجائیں مگر یہ شخص اس حالت میں بھی خلاف قانون عقل و شرع کوئی حرکت نہ کرے اور صبر نفسانی یہ ہے کہ نفس کو اس کی خواہشوں سے روکے۔اگر ناجائز کھانے پینے اور جنسی خواہش کو روکے گا تو اس کو عفت کہیں گے اور اگر فضول چیزوں کی خواہش سے روکے گا تو اس کو زہد وقناعت کہیں گے۔اگر غصہ کی حالت میں اپنے دشمن سے درگزر کرے گا اور نفس کو انتقام لینے سے روکے گا تو اس کو حلم کہیں گے۔اگر کسی کے راز افشاء کرنے سے زبان کو بند کرے گا تو اس کو راز داری کہیں گے اور جو زبان کو بیہودہ بکواس سے اور اپنے اعضاء کو بے جا حرکات سے بند کرے گا تو اس کو متانت کہیں گے۔اسلام نے اس امت کے لیے صبر کی ایک شاخ روزہ کو بھی فرض کردیا تاکہ نفس کو بھوک اور پیاس کی تکلیف اٹھانے کی عادت پڑے اور جماع جیسی مرغوب چیز کو باوجود سامان مہیا ہونے کے ترک کرنے کا خوگر ہو۔'' (تفسیر حقانی، ج۱،ص۵۹۲،تلخیصاً)۔چنانچہ حدیث میں روزے کو صبر کہا گیا ہے، فرمایا: صِيَامُ شَهْرِ الصَّبْرِ وَثَلَاثَةِ اَيَّامٍ فِيْ كُلِّ شَهْرٍ يُذْهِبُ وَحُرَ الصَّدْرِ۔ماہ رمضان اور ہر ماہ میں تین روزے سینہ سے بغض کو نکال ڈالتے ہیں۔'' (مفردات القرآن، ج۲،ص۵۶۷)۔

صبر کا اجر: صبر کا اجر بے حساب ہے۔چنانچہ فرمایا: ﴿ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ ﴾(39/الزمر:10)''صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔''

نوٹ:2 **خشوع کی حقیقت:** حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: خشوع کے معنی ہیں کسی کے سامنے خوف و ہیبت کے ساتھ ساکن اور پست ہونا، چنانچہ ابن عباسؓ نے ''خَاشِعُوْنَ'' کی تفسیر ''خائفون ساکنون'' سے کی ہے۔ اور آیت ''تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ؕ'' بھی دلالت کرتی ہے کہ ''خشوع'' میں ایک طرح کا سکون و تذلل معتبر ہے۔ قرآن کریم میں ''خشوع'' کو وجوہ، ابصار، اصوات وغیرہ کی صفت قرار دیا ہے۔ اور ایک جگہ آیت اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ میں قلب کی صفت بتلائی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اصل خشوع قلب کا ہے اور اعضائے بدن کا خشوع اس کے تابع ہے۔'' (تفسیر عثمانی، ص ۴۵۵) ۔ حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''قرآن و سنت میں جہاں خشوع کی ترغیب مذکور ہے اس سے مراد وہ قلبی سکون و انکساری ہے، جو اللہ کی عظمت اور اس کے سامنے اپنی حقارت کے علم سے پیدا ہوتی ہے، اس کے نتیجہ میں طاعت آسان ہو جاتی ہے، کبھی اس کے آثار بدن پر بھی ظاہر ہونے لگتے ہیں کہ وہ باادب، متواضع اور شکستہ قلب نظر آتا ہے، اگر دل میں خوف خدا اور تواضع نہ ہو تو خواہ وہ ظاہر میں کتنا ہی باادب اور متواضع نظر آئے وہ خشوع کا حامل نہیں۔ بلکہ آثار خشوع کا قصداً اظہار کرنا بھی پسندیدہ نہیں، حضرت عمرؓ نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ سر جھکائے بیٹھا ہے، فرمایا: سر اٹھا، خشوع دل میں ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم نخعیؒ کا ارشاد ہے کہ ''موٹا پہننے، موٹا کھانے اور سر جھکانے کا نام خشوع نہیں، خشوع تو یہ ہے کہ تم حق کے معاملہ میں شریف و رذیل کے ساتھ یکساں سلوک کرو، اور اللہ نے جو تم پر فرض کیا ہے اُسے ادا کرنے میں اللہ کے لیے قلب کو فارغ کر لو۔'' حضرت حسنؒ کا ارشاد ہے کہ: حضرت عمرؓ جب بات کرتے تو سنا کر کرتے تھے، جب چلتے تو تیز چلتے، اور جب مارتے تو زور سے مارتے تھے، حالانکہ بلاشبہ وہ خشوع رکھنے والے تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اپنے قصد و اختیار سے خاشعین کی سی صورت بنانا شیطان اور نفس کا دھوکہ ہے اور مذموم ہے، ہاں اگر بے اختیار یہ کیفیت ظاہر ہو جائے تو معذور ہے۔ (قرطبیؒ)

فائدہ: خشوع کے ساتھ ایک دوسرا لفظ خضوع بھی استعمال ہوتا ہے، قرآن کریم میں بھی بار بار آیا ہے، یہ دونوں لفظ تقریباً ہم معنی ہیں لیکن خشوع کا لفظ اصل کے اعتبار سے آواز اور نگاہ کی پستی اور تذلل کے لیے بولا جاتا ہے، جب کہ وہ مصنوعی نہ ہو بلکہ قلبی خوف اور تواضع کا نتیجہ ہو، قرآن کریم میں ہے خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ (آوازیں پست ہو گئیں) اور خضوع کا لفظ بدن کی تواضع اور انکساری کے لیے استعمال ہوتا ہے، قرآن حکیم میں ہے: فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ (4:26) ''پس اُن کی گردنیں اس کے سامنے جھک گئیں۔'' (معارف القرآن، ج ۱، ص ۲۲۰)

آیت:46

﴿ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝۴۶ ع ﴾

ظ ن ن

(ن) ظَنًّا: علماء لغت فرماتے ہیں کہ ظَنٌّ ان الفاظ میں سے ہے جو مختلف اور متضاد معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا لفظی معنی ہے خیال کرنا۔ گمان کرنا۔ پھر کسی کے بارے میں خیال و گمان کرنا کبھی تو یقین کی حد تک پہنچ جاتا ہے اور کبھی شک اور وہم سے آگے نہیں بڑھتا۔ چنانچہ یہ لفظ یقین کرنا اور شک کرنا، دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اصل میں کسی چیز کی علامات سے جو نتیجہ حاصل ہو اسے ظَنٌّ کہتے ہیں۔ اگر علامات قوی ہوں تو ظَنٌّ علم اور یقین کے معنی دیتا ہے اور اگر علامات کمزور ہوں تو شک اور وہم کے معنی دیتا ہے۔ قرآن مجید میں اس کے ماضی، مضارع کے صیغے اور ظَنٌّ بطور اسم ذات اِن معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ظَنٌّ کے عام طور پر دو مفعول ہوتے ہیں یعنی کسی کو گمان کیا اور کیا گمان کیا جیسے فرمایا ﴿ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ ﴾ (18/الکہف:36) ''اور میں یہ خیال نہیں کرتا کہ قیامت بھی برپا ہو گی۔'' اور کبھی دو مفعولوں کے قائم مقام ایک جملہ آ جاتا ہے۔ ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ ﴾ (2/البقرۃ:249)

''اور کہا ان لوگوں نے جو خیال کرتے تھے کہ وہ لوگ اللہ سے ملاقات کرنے والے ہیں۔'' ﴿وَ ظَنُّوۡۤا اَنَّہُمۡ اِلَیۡنَا لَا یُرۡجَعُوۡنَ ﴿۳۹﴾﴾ (28/القصص:39) ''اور انہوں نے خیال کیا کہ وہ لوگ ہماری طرف نہیں لوٹائے جائیں گے۔'' (ظَنٌّ کی مزید تفصیل آگے نوٹ میں دیکھیں)۔

ظَنٌّ ج: ظُنُوۡنٌ۔ اسم ذات بھی ہے۔ خیال۔ گمان۔ ﴿مَا لَہُمۡ بِہٖ مِنۡ عِلۡمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ﴾ (4/النساء:157) ''نہیں ان کے پاس اس امر کا کوئی صحیح علم بجز اس کے کہ وہ پیروی کرتے ہیں گمان کی۔'' ﴿وَ تَظُنُّوۡنَ بِاللّٰہِ الظُّنُوۡنَا ﴿۱۰﴾﴾ (33/الاحزاب:10) ''اور تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگ گئے۔''

ظَانٌّ ج: ظَآنُّوۡنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ خیال کرنے والا۔ ﴿الظَّآنِّیۡنَ بِاللّٰہِ ظَنَّ السَّوۡءِ ؕ﴾ (48/الفتح:6) ''خیال کرنے والے اللہ کے بارے میں برا خیال۔''

مُّلٰقُوۡنَ (ل ق ی): البقرۃ آیت 14 دیکھیں۔ رَبٌّ (ر ب ب): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔
رٰجِعُوۡنَ (ر ج ع): البقرۃ آیت 18 دیکھیں۔

ترکیب یہ پوری آیت گزشتہ آیت میں اَلۡخٰشِعِیۡنَ کی صفت ہے۔ اَلَّذِیۡنَ اسم موصول ہے، یَظُنُّوۡنَ فعل اور اس کا فاعل اس میں شامل ھُمۡ کی ضمیر ہے۔ اگلا جملہ قائم مقام ہے دو مفعولوں کا۔ اس میں اَنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، ھُمۡ اِس کا اسم اور مُلٰقُوۡا رَبِّہِمۡ اس کی خبر۔ مُلٰقُوۡا دراصل باب مفاعلہ کے اسم الفاعل مُلَاقٍ کی جمع مُلَاقُوۡنَ ہے۔ مضاف ہونے کی وجہ سے نون اعرابی گرا ہوا ہے اور الف کا اضافہ قرآن مجید کا مخصوص املاء ہے۔ رَبِّ اس کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے حالت جرّ میں ہے اور آگے ھِمۡ کا مضاف ہونے کی وجہ سے لام تعریف اور تنوین سے خالی ہے۔ آگے وَ عطف کا ہے اَنَّ حرف مشبہ بالفعل، ھُمۡ اس کا اسم، اِلَیۡہِ متعلق فعل ہے اور رٰجِعُوۡنَ خبر۔ یہ جملہ عطف ہے اَنَّہُمۡ مُّلٰقُوۡا رَبِّہِمۡ پر اور عطف اور معطوف مل کر مفعول ہیں یَظُنُّوۡنَ کا اور یہ قائم مقام ہے دو مفعولوں کے۔ جملہ فعلیہ یَظُنُّوۡنَ اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر صلہ ہے، اَلَّذِیۡنَ کا۔ صلہ اور موصول مل کر صفت ہے اَلۡخٰشِعِیۡنَ کی۔ (واللہ اعلم)۔

ترجمہ

البقرۃ:46	اَلَّذِیۡنَ	یَظُنُّوۡنَ	اَنَّہُمۡ	مُّلٰقُوۡا رَبِّہِمۡ
	وہ لوگ جو	یقین کرتے ہیں	کہ وہ	اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں

وَ اَنَّہُمۡ	اِلَیۡہِ	رٰجِعُوۡنَ ﴿۴۶﴾
اور یہ کہ وہ	اس کی طرف ہی	لوٹنے والے ہیں

نوٹ علماء کرام نے قرآن مجید میں اس فرق کو سمجھنے کے لیے کہ کہاں ظن، یقین کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور کہاں شک کے معنی میں، کچھ ضابطے بیان کیے ہیں۔ مثلاً ہر وہ مقام جہاں ظن کی تعریف آئی ہے اور اس پر ثواب کا وعدہ فرمایا گیا ہے وہاں یقین مراد ہے اور ہر وہ مقام جہاں اس کی مذمت آئی ہے اور اس پر عذاب کی دھمکی دی گئی ہے وہاں یہ شک اور وہم کے معنی میں ہے۔ ہر وہ مقام جہاں اس کے بعد اَنَّ یا اَنۡ آئے وہاں یہ یقین کے معنی دیتا ہے چاہے حقیقت کے اعتبار سے وہ یقین صحیح ہو یا غلط مثلاً ﴿قَالَ الَّذِیۡنَ یَظُنُّوۡنَ اَنَّہُمۡ مُّلٰقُوا اللّٰہِ ۙ﴾ (2/البقرۃ:249) ''وہ لوگ جن کو یقین تھا کہ وہ ملاقات کرنے والے ہیں اللہ سے، انہوں نے کہا۔'' ﴿وَّ ظَنَّ اَنَّہُ الۡفِرَاقُ ﴿ۙ۲۸﴾﴾ (75/القیامۃ:28) ''اور اس (جان) نے یقین کرلیا کہ اب جدائی ہے۔'' اور آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿الَّذِیۡنَ یَظُنُّوۡنَ اَنَّہُمۡ مُّلٰقُوۡا رَبِّہِمۡ﴾ ''وہ لوگ جن کو یقین ہے کہ وہ ملاقات کرنے والے ہیں اپنے رب سے۔'' ﴿اِنِّیۡ ظَنَنۡتُ اَنِّیۡ

﴿مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ۚ﴾(69/الحاقۃ:20)''مجھے یقین تھا کہ میں اپنے حساب کو پہنچوں گا۔'' ان آیات میں ظن، یقین کا معنی دے رہا ہے اور یہ یقین حقیقت کے اعتبار سے صحیح بھی ہے۔اب یہ آیات دیکھیں﴿وَ ظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ﴾(10/یونس:24)''اور یقین کرلیا اس کے مالکوں نے کہ (اب) انہوں نے قابو پالیا ہے اس پر۔''﴿وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ۝﴾(28/القصص:39)''انہوں نے یہ گمان کیا کہ انہیں ہماری طرف نہیں لوٹا یا جائے گا۔'' ﴿بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ﴾(48/الفتح:12)''اور تمہیں یقین تھا کہ اب رسولﷺ کبھی لوٹ کر نہ آئیں گے۔''۔اِن آیات میں ظن، یقین ہی کا معنی دے رہا ہے لیکن یہ یقین حقیقت کے اعتبار سے غلط ہے۔اسی طرح حضرت یونسؑ کے بارے میں فرمایا:﴿وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ﴾(21/الانبیاء:87)''اور یاد کرو ذوالنون کو جب وہ چل دیے غضبناک ہوکر اور یہ خیال کیا کہ ہم ان پر کوئی گرفت نہیں کریں گے۔'' یہاں بھی حضرت یونسؑ کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ان سے اس معاملے میں سختی نہیں کریں گے کہ جب وہ اللہ کے لیے اپنی قوم سے ناراض ہوکر چل دیے لیکن حقیقت کے اعتبار سے یہ یقین غلط ثابت ہوا۔اسی لیے امام راغبؒ کے نزدیک یہاں ظن بمعنی وہم لینا بہتر ہے۔(واللہ اعلم)۔اور قرآن مجید میں وہ آیات جہاں ظن، وہم اور شک کے معنوں میں ہے وہاں عام طور پر اس سے پہلے اِنَّ یا اِنْ آتا ہے یا ظن کے مقابلے میں کوئی ایسا لفظ ہوتا ہے جو اِس کے مفہوم کو شک اور وہم کے ساتھ مخصوص کرتا ہے یا اِس کی کوئی ایسی صفت بیان کی جاتی ہے جس سے اس کی مذمت ہوتی ہے مثلاً﴿اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ۚ﴾(53/النجم:28) ''بیشک ظن، حق کے مقابلہ میں کچھ کام نہیں آتا۔'' اس مثال میں اِنَّ اور ظَنّ کے مقابلہ میں حق، دونوں باتیں ظَنّ کے معنی وہم وشک بتا رہی ہیں۔﴿اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّ مَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ۝﴾(45/الجاثیہ:32)''ہم تو اُسے محض وہم ہی خیال کرتے ہیں اور اس پر یقین نہیں آتا۔'' اس مثال میں اِنْ اور ظَنّ کے مقابلہ میں یقین کے الفاظ ظن کے معنی وہم بنا دیتے ہیں۔اسی طرح الفتح:6 میں ظَنَّ السَّوْءِ (برا خیال) اور آل عمران:154 میں ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ (جاہلیت کا گمان) کے الفاظ سے اس کی مذمت کی گئی ہے۔

اب قرآن مجید میں سورۃ الحجرات کی آیت 12 دیکھیں جس میں فرمایا:﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾ ''اے ایمان والو دور رہا کرو بکثرت بدگمانیوں سے بلاشبہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔'' اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:''ان کلمات کو دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ مطلقاً ظن سے نہیں روکا اور نہ ہر قسم کے ظن کو گناہ کہا گیا ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی ظن جائز ہیں۔اس لیے علمائے کرام نے ظن کی متعدد قسمیں ذکر کی ہیں: واجب، مستحب، مباح اور ممنوع۔اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن کرنا واجب ہے۔حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے اپنے وصال سے تین روز پہلے فرمایا:لا یموتن احدکم الا وھو یحسن الظن باللہ عزوجل۔تم میں سے کوئی نہ مرے مگر اس حالت میں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھتا ہو۔دوسرا ارشادِ نبویﷺ ہے۔یقول اللہ انا عند ظن عبدی بی فلیظن ماشاء کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَیں اپنے بندے کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہوں جس کا وہ مجھ سے ظن رکھتا ہے۔اب اس کی مرضی جیسا چاہے میرے ساتھ ظن رکھے۔مستحب کی مثال: مومن کے ساتھ جس کا ظاہری حال اچھا ہو حسن ظن کرنا مستحب ہے۔ایسا شخص جس کے احوال مشکوک ہوں اس کے متعلق سوءِ ظن کرنا مباح ہے، لیکن جب تک یقینی دلائل موجود نہ ہوں، اس وقت تک محض ظن کے مطابق اس کے خلاف کارروائی کرنا جائز نہیں۔اسی کے متعلق حضورﷺ کی حدیث ہے۔اذا ظننتم فلا تحققوا۔یعنی اگر کسی کے بارے میں شبہ پیدا ہو جائے تو اس کی تحقیق میں نہ لگ جاؤ۔شریعت میں نصوص کے خلاف ظن وتخمین سے کام لینا ممنوع ہے۔''(ضیاء القرآن، ج۴، ص۵۹۶)۔بعض لوگوں نے سورہ یونس کی آیت 36﴿وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ۭ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ۭ﴾''اور نہیں پیروی کرتے ان میں سے اکثر مگر محض وہم وگمان کی بلاشبہ وہم وگمان بے نیاز نہیں کرسکتا حق سے ذرہ بھر۔'' سے حجیّتِ حدیث میں شک وشبہے پیدا کیے ہیں جو کہ بالکل غلط ہے۔اس کے جواب کے لیے حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی صاحبؒ کی ترجمان السنۃ اور حضرت پیر کرم شاہ صاحبؒ کی سنت خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صفحات 186 تا 200 تک کا مطالعہ ان شاء اللہ مفید رہے گا۔

آیت:47

﴿ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴾

اِبْنٌ: البقرۃ آیت40 دیکھیں۔ اِسْرَآءِيْلَ: البقرۃ آیت40 دیکھیں۔ اُذْكُرُوْا (ذ ک ر): البقرۃ آیت40 دیکھیں۔
نِعْمَةٌ اور اَنْعَمْتُ (ن ع م): الفاتحہ آیت6 دیکھیں۔

ف ض ل

(ن) فَضْلًا کسی چیز کا درمیانی درجے یا حق سے زیادہ ہونا۔ اس مادے میں ''زیادتی'' کا مفہوم ہوتا ہے۔ یہ پسندیدہ بھی ہے جیسے علم، حلم، حیاء یا رتبہ میں زیادہ ہونا۔ اور ناپسندیدہ بھی ہے جیسے غصے وغیرہ میں زیادہ ہونا۔ عام طور پر پسندیدہ چیز کے لیے فَضْلٌ اور ناپسندیدہ چیز کے لیے فُضُوْلٌ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ باب (ک) میں اس کا مطلب ہوتا ہے صاحب فضل ہونا۔ یعنی کسی شخص میں ایسی صفات ہونا جس سے وہ دنیا میں مدح وثناء کا مستحق ہو اور آخرت میں اجر وثواب کا۔ قرآن مجید میں ثلاثی مجرد سے فعل استعمال نہیں ہوا۔

فَضْلٌ ج: فَضَائِلُ۔ اسم ذات بھی ہے۔ حق سے زیادہ دی ہوئی چیز۔ بڑائی۔ بزرگی۔ فضیلت۔ روزی۔ فضائل کا لفظ رذائل کے مقابلے پر بولا جاتا ہے۔ فضائل بمعنی اخلاق فاضلہ اور اخلاق حمیدہ اور رذائل بمعنی اخلاق رذیلہ یعنی برے اخلاق۔ ﴿ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ ﴾ (3/آل عمران:73) ''آپؐ کہہ دیجئے یقیناً بڑائی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ دیتا ہے جس کو وہ چاہتا ہے۔'' ﴿ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ ﴾ (2/البقرۃ:237) ''اور آپس کی فضیلت اور بزرگی کو فراموش نہ کرو۔'' روزی اور مالی نفع کو اکثر قرآن میں فضل کہا گیا ہے۔ مثلاً: ﴿ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ﴾ (62/الجمعۃ:10) ''پھر جب نماز پوری ہو چکے تو زمین پر چلو پھرو اور اللہ کی روزی تلاش کرو۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ﴿ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ﴾ (3/آل عمران:174) ''نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کی نعمت وفضل کے ساتھ وہ لوٹے۔'' اس آیت میں فضل سے مراد وہ مالی نفع ہے جو بدر صغریٰ میں تجارت کے ذریعے سے حاصل ہوا۔ اس طرح کی اور بھی کئی آیات ہیں۔ یاد رہے کہ فَضْلٌ کے اصل معنی ''زیادتی'' کے ہیں۔ اس لیے اس کا اطلاق مال ودولت پر بھی ہوتا ہے جو بطور نفع انسان کو حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ کے عطیہ پر بھی خواہ وہ دنیوی ہو یا اخروی۔

(تفعیل) تَفْضِيْلًا کسی پسندیدہ چیز میں کسی کو زیادہ کرنا۔ زیادہ دینا۔ فضیلت دینا۔ بزرگی عطا کرنا۔ ﴿ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۘ ﴾ (2/البقرۃ:253) ''یہ رسول ہیں، ہم نے فضیلت دی ان میں سے بعض کو بعض پر۔'' ﴿ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰي بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ ﴾ (16/النحل:71) ''اور اللہ نے زیادہ کیا تم میں سے بعض کو بعض پر روزی میں۔'' مصیبت زدہ کو دیکھ کر پڑھنے کی مسنون دعا ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ عَافَانِيْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِيْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيْلًا۔

(تفعّل) تَفَضُّلًا بڑا بننا۔ فضیلت حاصل کرنا۔ عَلٰی کے صلے کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۭ ﴾ (23/المومنون:24) ''یہ تم پر فضیلت اور بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان)

اَلۡعٰلَمِیۡنَ (ع ل م): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

ترکیب یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ . . . عَلَیۡکُمۡ تک کی ترکیب کے لیے آیت 40 دیکھیں۔ وَاَنِّیۡ میں 'وَ' عطف کا ہے اور اَنِّیۡ، نِعۡمَتِیَ پر عطف ہے۔ اَنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، 'یْ' اس کا اسم ہے اور جملہ فعلیہ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ اس کی خبر ہے۔

ترجمہ	یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ	اذۡکُرُوۡا	نِعۡمَتِیَ	الَّتِیۡۤ	اَنۡعَمۡتُ
البقرۃ:47	اے اسرائیل کے بیٹو	تم لوگ یاد کرو	میری نعمت کو	جس کو	میں نے انعام کیا

عَلَیۡکُمۡ	وَاَنِّیۡ	فَضَّلۡتُکُمۡ	عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۴۷﴾
تم پر	اور یہ کہ	میں نے فضیلت دی تم کو	تمام جہانوں پر

نوٹ صاحبؒ تفسیر عثمانی فرماتے ہیں: ''اہل عالم پر فضیلت کا یہ مطلب ہے کہ جس وقت سے بنی اسرائیل کا وجود ہوا تھا اس وقت سے لے کر اس خطاب کے نزول تک تمام فرقوں سے افضل رہے کوئی اُن کا ہم پلہ نہ تھا، جب انہوں نے نبی آخر الزمان اور قرآن کا مقابلہ کیا تو وہ فضیلت بالکل جاتی رہی اور مغضوب علیھم اور ضلال کا لقب عنایت ہوا۔ اور حضورؐ کے متبعین کو کنتم خیر امة کا خلعت ملا۔'' (تفسیر عثمانی ص ۱۰)

آیت:48

﴿وَاتَّقُوۡا یَوۡمًا لَّا تَجۡزِیۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَیۡـًٔا وَّ لَا یُقۡبَلُ مِنۡهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا یُؤۡخَذُ مِنۡهَا عَدۡلٌ وَّ لَا هُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۴۸﴾﴾

اِتَّقُوۡا (و ق ی): البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔ یَوۡمٌ: الفاتحہ آیت 3 دیکھیں۔

ج ز ی

(ض) جَزَاءً (1) کسی چیز کا کسی کے لیے کافی ہونا۔ (2) بدلہ دینا۔ یہ لفظ خیر کے بدلے میں اچھی جزا دینے اور برائی کے بدلے میں سزا دینے، دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جب بدلہ دینے کا مفہوم ہو تو عام طور پر یہ دو مفعول کا تقاضا کرتا ہے یعنی کس کو بدلہ دیا اور کیا بدلہ دیا پھر 'بِ' کے صلے کے ساتھ اُس چیز کا ذکر ہوتا ہے جس چیز کی وجہ سے بدلہ دیا جائے۔ مثلاً ﴿وَ لَنَجۡزِیَنَّ الَّذِیۡنَ صَبَرُوۡۤا اَجۡرَهُمۡ بِاَحۡسَنِ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۶﴾﴾ (16/النحل:96) ''اور ہم ضرور عطا کریں گے انہیں جنہوں نے (ہر مصیبت میں) صبر کیا ان کا اجر ان کے اچھے اور مفید کاموں کے عوض جو وہ کیا کرتے تھے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن) ﴿سَنَجۡزِی الَّذِیۡنَ یَصۡدِفُوۡنَ عَنۡ اٰیٰتِنَا سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ بِمَا کَانُوۡا یَصۡدِفُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾﴾ (6/الانعام:157) ''عنقریب ہم سزا دیں گے اُنہیں جو منہ موڑتے ہیں ہماری آیتوں سے برے عذاب سے اس وجہ سے کہ وہ منہ پھیرا کرتے تھے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ کبھی ایک مفعول ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿لِیَجۡزِیَ اللّٰهُ الصّٰدِقِیۡنَ بِصِدۡقِهِمۡ﴾ (33/الاحزاب:24) ''تا کہ اللہ جزائے خیر دے سچوں کو اُن کے سچ کے

باعث ۔'' (3) جب اس کے ساتھ عَنْ کا صلہ استعمال ہوتو مطلب ہوتا ہے کسی کے کام آنا جیسے آیت زیر مطالعہ میں فرمایا: ﴿لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ﴾ ''کام نہیں آئے گی کوئی جان کسی جان کے۔'' یا فرمایا: ﴿لَّا يَجْزِىْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ﴾ (31/لقمان:34) ''کام نہ آئے کوئی باپ اپنے بیٹے کے بدلے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ کسی کے حسن سلوک پر مسنون کلمہ جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا اسی سے ہے۔

جَزَاءٌ — اسم ذات بھی ہے۔ وہ چیز جو کافی ہو۔ بدلہ۔ خیر کے بدلے میں خیر اور شر کے بدلے میں شر جَزَاءٌ کہلاتا ہے۔ ﴿فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ﴾ (2/البقرۃ:85) ''تو اس کا کیا بدلہ ہے جو یہ کرے تم میں سے۔''

جَازٍ — اسم الفاعل ہے۔ بدلہ دینے والا۔ کام آنے والا۔ کافی ہونے والا۔ ﴿وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا﴾ (31/لقمان:33) ''اور نہ کوئی اولاد کام آئے گی اپنے والد کے کچھ بھی۔''

جِزْيَةٌ — اسم ذات ہے۔ امان کا بدلہ۔ وہ ٹیکس جو اسلامی حکومت اپنے غیر مسلم شہریوں (ذمیوں) سے وصول کرتی ہے اور اسے جِزْيَةٌ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ ان کی جان و مال کی حفاظت کے بدلے میں ہوتا ہے۔ ﴿حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ﴾ (9/التوبۃ:29) ''یہاں تک کہ وہ لوگ جزیہ ادا کریں ہاتھ سے۔''

(مفاعلہ) مُجَازَاةً اور جِزَاءً — بدلہ دینا۔ ﴿وَهَلْ نُجْزِىْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ﴾ (34/سبا:17) ''اور ہم یہ بدلہ اُسی کو دیتے ہیں جو ناشکر ہو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

نَفْسٌ (ن ف س): البقرۃ آیت 9 دیکھیں۔ شَیْءٌ: البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔

ق ب ل

(ن) قَبْلًا — کسی کی طرف توجہ کرنا۔ قرآن مجید میں اس باب سے فعل استعمال نہیں ہوا۔

(ف) قَبْلًا — کسی چیز کا نزدیک ہونا۔ قریب ہونا۔ پہلے واقع ہونا۔ قرآن مجید میں اس باب سے بھی فعل استعمال نہیں ہوا۔

(س) قَبُوْلًا، قُبُوْلًا — کسی چیز کو لے لینا۔ قبول کرنا۔ ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ﴾ (9/التوبۃ:104) ''کیا وہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ ہی قبول کرتا ہے توبہ کو اپنے بندوں سے۔'' ﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ﴾ (3/آل عمران:37) ''پھر قبول فرمایا اُسے اُس کے رب نے بڑی ہی اچھی قبولیت کے ساتھ۔'' اور آیت زیر مطالعہ۔

قَابِلٌ — اسم الفاعل ہے۔ قبول کرنے والا۔ ﴿غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ﴾ (40/المومن:30) ''گناہ کا بخشنے والا اور توبہ کا قبول کرنے والا۔''

قَبْلُ — البقرۃ آیت 4 کے تحت دیکھیں۔

قُبُلٌ — (1) کسی چیز کا آگے کا حصہ۔ ﴿اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ﴾ (12/یوسف:26) ''اگر اس کی قمیص پھٹی ہے آگے سے تو عورت نے سچ کہا اور وہ جھوٹوں میں سے ہے۔'' (2) آنکھوں کے سامنے۔ ﴿وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا﴾ (6/الانعام:111) ''اور زندہ کر دیں ہم ہر چیز کو اُن کے سامنے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

قِبَلٌ — یہ دو معانی میں آتا ہے۔ (1) طرف۔ سمت۔ ﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ﴾ (2/البقرۃ:177) ''نیکی یہی نہیں ہے کہ تم لوگ پھیر لو اپنے چہرے مشرق اور مغرب کی طرف۔'' ﴿فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ﴾ (70/المعارج:36) ''پس کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ تیری طرف دوڑتے آتے ہیں۔''

(2) طاقت۔قدرت۔ ﴿ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا ﴾ (27/النمل:37) ''تو ہم لازماً پہنچیں گے ان کے پاس ایسے لشکروں کے ساتھ جس پر کسی قسم کی کوئی طاقت نہیں ہو گی ان کو۔''

قِبْلَةٌ اسم ذات ہے۔قبلہ۔ وہ ''سمت'' (معارف القرآن) یا ''مکان'' (تفسیر ماجدیؒ) جس کی طرف متوجہ ہوا جائے۔عرف عام میں اس سمت یا مکان (کعبہ) کو قبلہ کہا جاتا ہے جس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جاتی ہے۔اصل لغت کے اعتبار سے سامنے والے آدمی کی حالت کو قبلہ کہا جاتا ہے پھر یہ لفظ سامنے والے آدمی اور سامنے کی سمت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ ﴾ (2/البقرۃ:144) ''تو ہم ضرور پھیر دیں گے آپؐ کو اُس قبلے کی طرف جسے آپؐ پسند کرتے ہیں۔'' اور سورۂ یونس کی آیت 87 میں جو فرمایا ﴿ وَّ اجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً ﴾ تو اس آیت مبارکہ میں قبلہ کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ پہلا یہ کہ اپنے گھروں کو ہی نماز پڑھنے کی جگہ بنالو اور دوسرا یہ کہ اپنے گھروں کو قبلہ رخ بناؤ۔ ہمارے بزرگوں نے آیت کا ترجمہ دونوں طرح سے کیا ہے۔''اور تم لوگ اپنے گھروں ہی کو نماز گاہ قرار دے لو۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ''اور تم سب اپنے انہی گھروں کو نماز پڑھنے کی جگہ قرار دے لو۔'' (ترجمہ احسن البیان) ''اور بناؤ اپنے گھر قبلہ رو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''اور بناؤ اپنے ان گھروں کو قبلہ رُخ۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

قَبِيْلٌ (1) سامنے۔ ﴿ اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۟ ﴾ (17/بنی اسرائیل:92) ''یا لے آ اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

(2) ج: قُبُلٌ۔ جماعت۔گروہ۔مختلف اقسام ﴿ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ ﴾ (7/الاعراف:27) ''وہ دیکھتا ہے تم کو اور اُس کی قوم جہاں سے تم اُن کو نہیں دیکھتے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔(نوٹ: قُبُلٌ کا لفظ 'کسی چیز کے آگے کے حصے' اور 'آنکھوں کے سامنے' کے معنوں میں استعمال ہونے کے علاوہ قَبِيْلٌ کی جمع بھی ہے بمعنی گروہ۔جماعت۔)

قَبِيْلَةٌ ج: قَبَآئِلُ۔قبیلہ۔قبیلہ اس گروہ کو کہتے ہیں جو ایک ہی باپ کی نسل سے ہو۔ ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ ﴾ (49/الحجرات:13) ''اے لوگو بے شک ہم نے تم کو پیدا کیا ایک مرد اور ایک عورت سے اور بنایا تم کو شاخیں اور قبیلے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔''

(افعال) **اِقْبَالًا** کسی کے سامنے ہونا۔کسی کے سامنے یا آگے آنا۔کسی کی طرف متوجہ ہونا یا رخ کرنا۔ ﴿ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ۟ ﴾ (68/القلم:30) ''تو سامنے ہوئے ان میں سے ایک دوسرے کے، باہم ایک دوسرے کو ملامت کرتے ہوئے۔'' ﴿ وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ؕ ﴾ (12/یوسف:82) ''اور پوچھ لے اُس بستی سے جس میں ہم تھے اور اُس قافلے سے جس میں ہم آئے ہیں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

اَقْبِلْ فعل امر ہے۔تو آگے آ۔سامنے آ۔ ﴿ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۫ ﴾ (28/القصص:31) ''اے موسیٰؑ سامنے آ اور مت ڈر۔''

(تفعّل) **تَقَبُّلًا** اس طرح قبول کرنا جس میں اجر و ثواب دینا شامل ہو۔ ﴿ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۟ ﴾ (5/المائدہ:27) ''اس نے کہا اللہ تو بس قبول کرتا ہے متقی لوگوں سے۔''

تَقَبَّلْ فعل امر ہے۔تو قبول کر۔ ﴿ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۟ ﴾ (2/البقرہ:127) ''اے ہمارے رب! تو قبول فرما ہم سے بے شک تو ہی سننے والا جاننے والا ہے۔''

(تفاعل) تَقَابُلًا ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہونا۔ آمنے سامنے ہونا۔

مُتَقَابِلٌ ج: مُتَقَابِلُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ آمنے سامنے ہونے والا۔ ﴿عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ﴾ (37/الصافات:44) ''تختوں پر آمنے سامنے ہونے والے۔''

(استفعال) اِسْتِقْبَالًا کسی کی طرف متوجہ ہونا۔ کسی کے سامنے آنا۔ خوش آمدید کہنا۔ اسی سے ہے: استقبال القبلۃ (قبلہ رخ ہونا)۔

مُسْتَقْبِلٌ اسم فاعل ہے۔ سامنے آنے والا۔ ﴿فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِیَتِهِمْ ﴾ (46/الاحقاف:24) ''پھر جب انہوں نے دیکھا اس (عذاب) کو بادل جیسا، اپنی وادیوں کے سامنے آنے والا۔'' یہی لفظ آنے والے زمانے کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ زمانۂ مستقبل۔

ش ف ع

(ف) شَفْعًا کسی چیز کو اس جیسی دوسری چیز کے ساتھ ملا کر جوڑا بنانا۔ جفت کرنا۔

(ف) شَفَاعَةً سفارش کرنا۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: الشفاعہ کے معنی دوسرے کے ساتھ اس کی مدد یا سفارش کرتے ہوئے مل جانے کے ہیں۔ عام طور پر کسی بڑے باعزت آدمی کا اپنے سے کم تر کے ساتھ اس کی مدد کے لیے شامل ہو جانے پر (یہ لفظ) بولا جاتا ہے۔'' اور مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''لفظی معنی ملنے یا ملانے کے ہیں اِس لیے شفع عربی میں جوڑے کے معنی میں آتا ہے اس کے مقابلے میں لفظ وتر بمعنی طاق استعمال ہوتا ہے۔ اِس لیے شفاعت کے لفظی معنی ہوئے کہ کسی کمزور طالب حق کے ساتھ اپنی قوت ملا کر اِس کو قوی کر دیا جائے یا بیکس اکیلے شخص کے ساتھ مل کر اِس کو جوڑا بنا دیا جائے۔'' ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ (2/البقرہ:255) ''کون ہے جو سفارش کرے اس کے پاس مگر اس کی اجازت سے۔'' سفارش اچھی بھی ہو سکتی ہے اور بری بھی۔ اچھی سفارش کرنے والے کو اس کا اجر ملتا ہے اور بری سفارش کرنے والے کو اس کا گناہ ملتا ہے جیسے قرآن مجید میں فرمایا: ﴿مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً یَّكُنْ لَّهٗ نَصِیْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَیِّئَةً یَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا﴾ (4/النساء:85) ''جو شخص نیک بات کی سفارش کرے تو اس کو اس (کے ثواب) میں سے حصہ ملے گا اور جو بری بات کی سفارش کرے تو اس کو اس (کے گناہ) میں سے حصہ ملے گا۔''

شَفْعٌ ایسا عدد جو دو سے تقسیم ہو جائے۔ جفت۔ ﴿وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ﴾ (89/الفجر:3) ''قسم ہے جفت کی، قسم ہے طاق کی۔''

شَفَاعَةٌ اسم ذات بھی ہے۔ سفارش۔ ﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِیْنَ ﴾ (74/المدثر:48) ''تو نفع نہیں دے گی ان کو سفارش کرنے والوں کی سفارش۔''

شَافِعٌ ج: شَافِعُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ سفارش کرنے والا۔ اوپر آیت (74/المدثر:48) دیکھیں۔ حدیث مبارک میں قرآن مجید کے بارے میں فرمایا اَلْقُرْاٰنُ شَافِعٌ وَّمُشَفَّعٌ۔ قرآن شافع ہے مطلب سفارش کرے گا اور مُشَفَّعٌ ہے یعنی اُس کی سفارش قبول کی جائے گی۔ (بحوالہ مفردات القرآن)۔

شَفِیْعٌ ج: شُفَعَآءُ۔ فَعِیْلٌ کا وزن ہے۔ ہمیشہ اور ہر حال میں سفارش کرنے والا۔ ﴿لَیْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیْعٌ ﴾ (6/الانعام:70) ''اس کے لیے نہیں ہے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ ہی کوئی سفارش کرنے والا۔'' ﴿وَیَقُوْلُوْنَ هٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (10/یونس:18) ''اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ ہماری سفارش کرنے والے

ہیں اللہ کے پاس۔'' واضح رہے کہ تمام قرآنِ مجید میں شُفَعٰٓؤُا کی املاء اسی طرح عین الف کے ساتھ ہے مگر سورۂ روم کی آیت 13 میں یہ عین واؤ کے ساتھ اس طرح لکھا گیا ہے شُفَعٰٓؤُا۔ (بحوالہ لغات القرآن، ج ۳، ص ۲۸۷)۔

ء خ ذ

(ن) اَخَذَ، اَخْذًا، اَخْذَۃً: اس کا بنیادی مفہوم ہے کسی چیز کو احاطہ میں لے لینا یا کسی چیز کا احاطہ کرنا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ پھر یہ لفظ کسی چیز کو پکڑنے اور کسی چیز کو لے لینے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ﴿وَ اَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْہِ﴾ (7/الاعراف:150) ''اور اس نے پکڑا اپنے بھائی کے سر کو۔'' ﴿وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۚ﴾ (5/المائدۃ:12) ''اور لے چکا ہے اللہ بنی اسرائیل سے پختہ وعدہ۔'' ﴿لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّ لَا نَوْمٌ ؕ﴾ (2/البقرۃ:255) ''نہیں پکڑ سکتی اُس کو اونگھ اور نہ نیند۔'' ﴿فَاَخَذْنٰہُ اَخْذًا وَّبِیْلًا ﴿۱۶﴾﴾ (73/المزمل:16) ''تو ہم نے اُس کو بڑی سختی سے پکڑ لیا۔'' ﴿فَاَخَذَھُمْ اَخْذَۃً رَّابِیَۃً ﴿۱۰﴾﴾ (69/الحاقۃ:10) ''تو اللہ نے پکڑ لیا اُنہیں بڑی سختی سے۔'' جب اس کے ساتھ 'ب' کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے آمادہ کرنا، اکسانا۔ مثلاً: ﴿وَاِذَا قِیْلَ لَہُ اتَّقِ اللّٰہَ اَخَذَتْہُ الْعِزَّۃُ بِالْاِثْمِ﴾ (2/البقرۃ:206) ''اور جب کہا جائے اُسے کہ (میاں) خدا سے ڈرو تو اوراکساتا ہے اسے غرور گناہ پر۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ''اور جب اُس سے کہا جاتا ہے کہ خوف خدا کرو تو اُسے نخوت گناہ پر (اور زیادہ) آمادہ کر دیتی ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

خُذْ: ج: خُذُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو پکڑ۔ تو لے۔ ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِھِمْ صَدَقَۃً﴾ (9/التوبۃ:103) ''آپؐ لیں ان کے مال میں سے صدقہ۔'' ﴿وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ ۗ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا ۚ﴾ (59/الحشر:7) ''اور تمہیں جو کچھ رسولؐ دے، لے لو اور جس چیز سے روکے، رک جاؤ۔''

اٰخِذٌ: ج: اٰخِذُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ پکڑنے والا۔ لینے والا۔ ﴿وَ لَسْتُمْ بِاٰخِذِیْہِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْہِ ؕ﴾ (2/البقرۃ:267) ''اور تم لوگ نہیں ہو اس کو لینے والے مگر یہ کہ تم لوگ چشم پوشی کرو اس سے۔''

(مفاعلہ) مُؤَاخَذَۃً: کسی کو کسی غلطی پر پکڑنا۔ مواخذہ کرنا۔ جواب طلبی کرنا۔ ﴿قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ﴾ (18/الکہف:73) ''حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا کہ میری بھول پر مجھے نہ پکڑیئے۔'' (ترجمہ احسن البیان)

(افتعال) اِتِّخَاذًا: کسی کو کچھ بنانا۔ اس کا فعل عام طور پر دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ یعنی کس کو بنایا اور کیا بنایا۔ ﴿وَاتَّخَذَ اللّٰہُ اِبْرٰھِیْمَ خَلِیْلًا ﴿۱۲۵﴾﴾ (4/النساء:125) ''اور بنایا اللہ نے ابراہیمؑ کو دوست۔'' ﴿وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ یٰقَوْمِ اِنَّکُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَکُمْ بِاتِّخَاذِکُمُ الْعِجْلَ﴾ (2/البقرۃ:54) ''اور یاد کرو جب کہا موسیٰؑ نے اپنی قوم سے اے میری قوم بیشک تم نے ظلم ڈھایا اپنے آپ پر بچھڑے کو (خدا) بنا کر۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اور کبھی ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے مثلاً: ﴿وَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا﴾ (2/البقرۃ:116) ''اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے ایک بیٹا بنا یا۔''

اِتَّخِذْ: ج: اِتَّخِذُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو بنا۔ ﴿لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَاتَّخِذْہُ وَکِیْلًا ﴿۹﴾﴾ (73/المزمل:9) ''کوئی معبود نہیں سوائے اس کے، پس تو بنا اس کو وکیل یعنی کام بنانے والا۔'' ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھٖمَ مُصَلًّی ؕ﴾ (2/البقرۃ:125) ''اور تم لوگ بناؤ ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ میں سے نماز کی جگہ۔''

مُتَّخِذٌ: ج: مُتَّخِذُوْنَ۔ اسم فاعل ہے۔ بنانے والا۔ واحد مذکر۔ ﴿وَ مَا کُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّیْنَ عَضُدًا ﴿۵۱﴾﴾ (18/الکہف:51) ''اور میں نہیں ہوں گمراہ کرنے والوں کو بنانے والا بازو یعنی مشیر۔'' ﴿وَلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ؕ﴾

(5/المائدۃ:5)''اور نہ چوری چھپے آشنا بناتے ہوئے۔''

مُتَّخِذَۃٌ ج:مُتَّخِذَاتٌ۔اسم الفاعل ہے۔بنانے والی۔واحد مؤنث۔﴿ وَلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ﴾(4/النساء:25)''اور نہ بنانے والی ہوں پوشیدہ یار۔''

ع	د	ل

(ض) عَدْلًا یہ لفظ ظاہری اور معنوی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔اس لفظ کا بنیادی مفہوم ہے برابری کرنا۔عربی میں کہا جاتا ہے عَدَلْتُ ھٰذا بِھٰذا میں نے اس کو،اس کے برابر کر دیا۔اسی طرح اَیَّامٌ مُعْتَدِلَاتٌ ان دِنوں کو کہا جاتا ہے جب رات اور دن برابر ہوں۔قرآن مجید میں فرمایا:﴿ وَھُمْ بِرَبِّھِمْ یَعْدِلُوْنَ ۝۱۵۰ ﴾(6/الانعام:150)''اور وہ اپنے رب کے برابر کرتے ہیں (اوروں کو)۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)﴿ وَلَنْ تَسْتَطِیْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَیْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ ﴾(4/النساء:129)''اور تم ہرگز برابر نہ رکھ سکو گے عورتوں کو اگرچہ اس کی حرص کرو۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)﴿ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً ﴾(4/النساء:3)''لیکن اگر تمہیں برابری نہ کر سکنے کا خوف ہو تو ایک ہی کافی ہے۔''(ترجمہ احسن البیان)۔

اس لفظ کا دوسرا مفہوم ہے کسی چیز کے برابر اس کا بدلہ دینا۔نیکی کا بدلہ نیکی سے اور برائی کا بدلہ برائی سے دینے کا نام عدل ہے۔قرآن مجید میں فرمایا:﴿ وَاِنْ تَعْدِلْ کُلَّ عَدْلٍ لَّا یُؤْخَذْ مِنْھَا ۭ﴾(6/الانعام:70)''اور اگر بدلے میں دے سارے بدلے تو قبول نہ ہوں اس سے۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

اس لفظ کا تیسرا مفہوم ہے انصاف کرنا۔حق دار کو اس کا حق ادا کرنا۔قرآن مجید میں فرمایا گیا:﴿ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ ۭ﴾(42/الشوریٰ:15)''اور مجھ کو حکم ہے کہ انصاف کروں تمہارے بیچ میں۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔﴿ فَلَا تَتَّبِعُوا الْھَوٰٓی اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ﴾(4/النساء:135)''تو نہ پیروی کرو خواہش نفس کی انصاف کرنے میں۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔

اس معنی کے اعتبار سے عدل کا لفظ ذوی الاضداد سے ہے۔اگر یہ باب سمع سے آئے تو پھر اس کے معنی ظلم کرنا اور نا انصافی کرنا کے ہوتے ہیں۔لیکن ان معنوں میں فعل قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔(واللہ اعلم)۔

اس لفظ کا چوتھا مفہوم ہے کسی چیز کے توازن و تناسب کو قائم رکھنا۔کسی چیز کو معتدل بنانا کہ اس میں کوئی کمی بیشی نہ رہے۔قرآن مجید میں فرمایا:﴿ الَّذِیْ خَلَقَکَ فَسَوّٰکَ فَعَدَلَکَ ۝۷ ﴾(82/الانفطار:7)''جس نے تجھے پیدا کیا پھر تیرے (اعضاء کو) درست کیا پھر تیرے (عناصر کو) معتدل بنایا۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔

قرآن مجید میں مصدر عَدْلٌ بمعنی عَدَالَۃٌ (معتبر) بھی استعمال ہوا ہے۔﴿ وَّاَشْھِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْکُمْ ﴾(65/الطلاق:2)''اور گواہ کر لو دو معتبر اپنے میں کے۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

عُدُوْلًا عَدَلَ یَعْدِلُ کا مصدر اگر عُدُوْلٌ آئے تو مطلب ہوتا ہے راہِ راست سے انحراف کرنا،ہٹ جانا۔﴿ فَلَا تَتَّبِعُوا الْھَوٰٓی اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ﴾(4/النساء:135)''تو خواہش نفس کی پیروی نہ کرنا کہ (حق سے) ہٹ جاؤ۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔﴿ بَلْ ھُمْ قَوْمٌ یَّعْدِلُوْنَ ۝۶۰ ﴾(27/النمل:60)''مگر ہاں یہ لوگ ہیں ہی حق سے عدول کرنے والے۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔حاشیے میں حضرت عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں:''یعدلون۔عدول سے ہے جس کے معنی حق سے انحراف اور کجی کے ہیں۔''

اِعْدِلْ ج:اِعْدِلُوْا۔فعل امر ہے۔تو برابر کر۔تو انصاف کر۔﴿ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ کَانَ ذَا قُرْبٰی ۚ﴾(6/الانعام:152)''اور جب بھی تم بولو تو انصاف کرو چاہے وہ شخص تمہارا قرابت دار ہی ہو۔''

عَدْلٌ اسم ذات بھی ہے۔کسی چیز کے برابر کوئی دوسری چیز۔بدلہ۔عدل۔انصاف۔﴿ وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ ﴾(2/البقرہ:123)''اور قبول نہیں کیا جائے گا اس سے بدلہ اور نفع نہیں دے گی اس کو سفارش۔''﴿ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا ﴾(5/المائدۃ:95)''یا اس کے برابر روزے رکھنا۔''

ن ص ر

(ن) نَصْرًا، نُصْرَةً کسی کی مدد کرنا۔﴿ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ ﴾(3/آل عمران:123)''اور یقیناً مدد کی تمہاری اللہ نے بدر میں۔''حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں:''نصر کا صلہ جب عَلٰی کے ساتھ آتا ہے تو معنی غلبے کے ہو جاتے ہیں اور غلبہ سے مراد دونوں ہیں بہ لحاظ دلائل وعلوم، غلبہ علمی و معنوی اور بہ لحاظ فتوحات جہاد، غلبہ مادی و مُلکی۔﴿ فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴾(2/البقرۃ:286)''سو ہم کو غالب کر کافر لوگوں پر۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔

نَصْرٌ اسم ذات بھی ہے۔مدد۔﴿ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴾(2/البقرہ:214)''سن لو یقیناً اللہ کی مدد قریب ہے۔''

اُنْصُرْ فعل امر ہے۔تو مدد کر۔﴿ وَ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴾(2/البقرہ:250)''اور تو جمادے ہمارے قدموں کو اور تو مدد کر ہماری کافر قوم پر۔''

نَاصِرٌ ج: نَاصِرُوْنَ اور اَنْصَارٌ۔ اسم فاعل ہے۔ مدد کرنے والا۔ مددگار۔﴿ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴾(47/محمد:13)''ہم نے ہلاک کیا ان کو تو کسی قسم کا کوئی مددگار نہیں ہے ان کے لیے۔''﴿ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴾(3/آل عمران:22)''اور نہیں ہیں اُن کے کوئی بھی مددگار۔''﴿ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ﴾(61/الصف:14)''حواریوں نے کہا ہم اللہ کے مددگار ہیں۔''قرآن مجید میں جہاں مہاجرین و انصار کا ذکر ہے وہاں انصار سے انصارِ مدینہ مراد ہیں جو نصرتِ نبیؐ کی بدولت اس لقب سے سرفراز کئے گئے۔

نَصِيْرٌ ج: اَنْصَارٌ۔ فَعِيْلٌ کا وزن ہے۔ ہمیشہ اور ہر حال میں مدد کرنے والا۔﴿ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ ﴾(8/الانفال:40)''پس جان لو کہ اللہ تمہارا حمایتی ہے کیا ہی اچھا حمایتی اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔''

مَنْصُوْرٌ ج: مَنْصُوْرُوْنَ۔اسم المفعول ہے۔جس کی مدد کی جائے۔ مدد کیا ہوا۔﴿ فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴾(17/بنی اسرائیل:33)''پس اسے چاہیے کہ زیادتی نہ کرے قتل میں یقیناً وہ مدد کیا گیا ہے۔''﴿ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴾(37/الصافات:172)''اُن کی ضرور مدد کی جائے گی۔''

نَصْرَانِيٌّ ج: نَصٰرٰی۔ اسم نسبت ہے۔مدد والا۔اصطلاحاً یہ لفظ عیسائی لوگوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔نَصْرَانِيٌّ کے ماخذ کے بارے میں اختلاف ہے۔بعض بزرگوں کی رائے ہے کہ یہ''ناصرۃ'' کی طرف منسوب ہے جو کہ ملک شام (حال فلسطین) میں ایک قصبے کا نام ہے۔انگریزی میں اسے (Nazareth) کہتے ہیں۔حضرت عیسٰیؑ کا آبائی وطن یہی قصبہ تھا اور آپؑ''مسیح ناصری''اسی مناسبت سے کہلاتے ہیں۔اور بعض بزرگوں کی رائے ہے کہ اس کا ماخذ''نُصْرَةٌ'' (مدد) ہے اور اس کی وجہ وہ قول ہے جو حضرت عیسٰیؑ کے سوال مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ (اللہ کی راہ میں کون میرے مددگار ہیں) کے جواب میں حواریوں نے کہا تھا۔نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ (ہم اللہ کے (دین کے) مددگار ہیں)۔(واللّٰہ اعلم)۔﴿ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّ لَا نَصْرَانِيًّا ﴾(3/آل عمران:67)''ابراہیمؑ یہودی نہیں تھے اور نہ ہی نصرانی۔''﴿ وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ﴾(2/البقرہ:113)''اور کہا یہودیوں نے کہ نہیں ہیں

عیسائی کسی چیز پر۔"

(تفاعل)	تَنَاصُرًا	ایک دوسرے کی مدد کرنا۔﴿ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴾(37/الصافات:25)"تم لوگوں کو کیا ہوا ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔"
(افتعال)	اِنْتِصَارًا	(1) مدد طلب کرنا۔(2) بدلہ لینا۔انتقام لینا۔(3) ظلم یا ظالم سے بچنا۔اپنے آپ کو کسی کے حملے سے بچانا۔﴿ وَ لَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴾(42/الشوریٰ:41)"اور جو بدلہ لیتے ہیں اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد پس یہ لوگ ہیں جن پر کوئی ملامت نہیں۔" (ترجمہ ضیاء القرآن)۔﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴾(42/الشوریٰ:39)"اور جب اُن پر زیادتی کی جاتی ہے تو وہ اُس کا (مناسب) بدلہ لیتے ہیں۔" (ترجمہ ضیاء القرآن)۔
	اِنْتَصِرْ	فعل امر ہے۔تو بدلہ لے۔﴿ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ﴾(54/القمر:10)"تو اس نے پکارا اپنے رب کو کہ میں مغلوب ہوں پس تو بدلہ لے۔"
	مُنْتَصِرٌ	ج: مُنْتَصِرُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ بدلہ لینے والا۔ غالب۔ ﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴾(54/القمر:44)"یا وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایسی جماعت ہیں جو غالب ہی رہے گی۔"
(استفعال)	اِسْتِنْصَارًا	مدد مانگنا۔﴿ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ ﴾(8/الانفال:72)"اور اگر وہ لوگ مدد مانگیں تم لوگوں سے دین میں تو تم لوگوں پر لازم ہے مدد کرنا۔"

ترکیب

وَاتَّقُوْا میں 'وَ' عطف کا ہے اور اِتَّقُوْا گزشتہ آیت میں اُذْكُرُوْا پر عطف ہے۔اِتَّقُوْا فعل امر ہے اور اس میں شامل ضمیر اس کا فاعل ہے۔ يَوْمًا اس کا مفعول ہے اور نکرہ موصوفہ ہے۔آیت کا اگلا حصہ يَوْمًا کی صفات بیان کر رہا ہے۔چنانچہ لَا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا، يَوْمًا کی پہلی صفت ہے۔اس میں لَا نافیہ ہے۔تَجْزِيْ مضارع معروف کا صیغہ ہے، اس کے بعد فِيْهِ محذوف ہے، نَفْسٌ اس کا فاعل ہے، عَنْ نَفْسٍ، جار مجرور متعلق فعل ہے اور شَيْئًا مفعول ہے۔آگے وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ، يَوْمًا کی دوسری صفت ہے۔اس میں 'وَ' عطف کا ہے 'لَا' نافیہ ہے، يُقْبَلُ، مضارع مجہول کا صیغہ ہے، اس کے بعد فِيْهِ محذوف ہے۔مِنْهَا اس سے متعلق ہے اور شَفَاعَةٌ، نائب الفاعل ہے۔مِنْهَا میں 'ھا' ضمیر نَفْسٌ کے لیے ہے۔شَفَاعَةٌ، مونث غیر حقیقی ہے اس لیے اس کا فعل تُقْبَلُ کی بجائے يُقْبَلُ بھی درست ہے۔اگلا جملہ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ، يَوْمًا کی تیسری صفت ہے۔اس میں 'وَ' عطف کا ہے۔'لَا' نافیہ ہے۔يُؤْخَذُ، مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔فِيْهِ محذوف ہے۔مِنْهَا اس سے متعلق ہے، 'ھا' ضمیر نَفْسٌ کے لیے ہے اور عَدْلٌ نائب الفاعل ہے۔اور اگلا جملہ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ، يَوْمًا کی چوتھی صفت ہے۔اس میں 'وَ' عطف کا ہے، 'لَا' نافیہ ہے هُمْ مبتدا ہے اور جملہ فعلیہ يُنْصَرُوْنَ اس کی خبر ہے۔يُنْصَرُوْنَ مضارع مجہول کا صیغہ ہے اور اس کا نائب الفاعل اس میں شامل ضمیر ہے۔اور اس کے بعد فِيْهِ محذوف ہے۔آخری صفت وَلَا يُنْصَرُوْنَ (بغیر هُمْ کے) بھی ہو سکتی تھی۔لیکن اس کو جملہ اسمیہ کی صورت میں بیان کرنے سے اس میں حصر اور تاکید کا مفہوم پیدا ہو گیا ہے۔(واللہ اعلم)۔

ترجمہ
البقرۃ:48

وَاتَّقُوْا	يَوْمًا	لَّا تَجْزِيْ	نَفْسٌ	عَنْ نَّفْسٍ
اور تم لوگ ڈرو	ایک ایسے دن سے جب	کام نہیں آئے گی	کوئی جان	کسی جان کے

شَيْئًا	وَّلَا يُقْبَلُ	مِنْهَا	شَفَاعَةٌ	وَّلَا يُؤْخَذُ
کچھ بھی	اور قبول نہیں کی جائے گی	اس سے	کوئی سفارش	اور نہیں لیا جائے گا

مِنْهَا	عَدْلٌ	وَّلَا هُمْ	يُنْصَرُوْنَ ۝
اس سے	کوئی بدلہ	اور نہ ہی وہ	مدد کیے جائیں گے

نوٹ:1 کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی نکرہ کی کوئی خصوصیت ایک یا چند فقروں یا جملوں میں بیان کی جاتی ہے۔ ایسی صورت میں وہ نکرہ محض نکرہ نہیں رہتا۔ اسے نکرہ موصوفہ مخصّصہ کہتے ہیں۔ اس بات کو اُردو کی مثال سے سمجھ لیں۔ ہم کہتے ہیں ایک ٹھنڈا دن۔ اب یہ کسی بھی ٹھنڈے دن کی بات ہوسکتی ہے۔ اس لیے اس فقرہ میں دن کا لفظ محض نکرہ ہے۔ اسے نکرہ محضہ کہتے ہیں۔ لیکن اگر ہم کہیں ایک ایسا ٹھنڈا دن جب پانی جم جائے۔ اس فقرہ میں بھی دن کا لفظ نکرہ ہے کیونکہ ایسا ٹھنڈا دن کوئی بھی دن ہوسکتا ہے۔ لیکن عام ٹھنڈے دنوں کے بنسبت اس دن کی ایک خصوصیت ہے۔ اس لیے اس فقرہ میں دن کا لفظ نکرہ محضہ نہیں رہا بلکہ نکرہ موصوفہ مخصّصہ ہوگیا۔

اسی طرح سے آیت زیرِ مطالعہ میں يَوْمًا کا لفظ نکرہ آیا ہے کیونکہ یہ ایک غیر معین دن ہے۔ لیکن جب بھی یہ دن وقوع پذیر ہوگا تو کچھ خصوصیات کا حامل ہوگا جو آیت میں بیان کر دی گئی ہیں۔ اس لیے یہ نکرہ محضہ نہیں ہے بلکہ نکرہ موصوفہ مخصّصہ ہے۔ ترجمہ کرتے وقت اس فرق کا لحاظ کرنا ہوتا ہے۔

نوٹ:2 اس آیت میں لفظ شَيْـًٔا کے استعمال کو سمجھنے کے لیے پہلے ہمیں مفعول مطلق کا استعمال سمجھنا ہوگا۔ ہم کہتے ہیں میں نے اس کو مارا یعنی ضَرَبْتُهٗ۔ یہ ایک سادہ جملہ ہے۔ لیکن اگر ہم کہتے ہیں میں نے اس کو ٹھیک ٹھاک مار ماری تو عربی کے جملہ میں یہ انداز پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس فعل کا ذکر ہو اسی فعل کا مصدر بطور مفعول لے آتے ہیں۔ اور کہتے ہیں ضَرَبْتُهٗ ضَرْبًا۔ اب اس میں ضَرَبْتُ کے بعد ہٗ اصل مفعول ہے اور ضَرْبًا مفعول مطلق ہے جس کی وجہ سے بات میں بہت زور پیدا ہوگیا ہے۔ اسی طرح سے جَزَيْتُهٗ جَزَاءً یعنی میں نے اس کو بدلہ دیا جیسا بدلہ دیتے ہیں یا جیسا بدلہ دینے کا حق ہے۔

اب فرض کریں یہی بات ہم منفی انداز میں کہنا چاہتے ہیں کہ میں نے اس کو بالکل نہیں مارا، تو اس کے لیے مَا ضَرَبْتُهٗ ضَرْبًا نہیں کہیں گے بلکہ منفی جملہ میں مفعول مطلق کے طور پر فعل کا مصدر لانے کے بجائے عام طور پر لفظ شَيْـًٔا لے آتے ہیں۔ اس لیے کہیں گے مَا ضَرَبْتُهٗ شَيْـًٔا۔ میں نے اس کو کچھ بھی نہیں مارا۔ اسی طرح سے مَا جَزَيْتُهٗ جَزَاءً کے بجائے مَا جَزَيْتُهٗ شَيْـًٔا کہیں گے۔ میں نے اس کو کچھ بھی بدلہ نہیں دیا۔

اب نوٹ کریں کہ آیت میں اصل جملہ تھا لَا تَجْزِیْ فِيْهِ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ جَزَاءً۔ اس میں فِيْهِ محذوف کر دیا۔ اور مفعول مطلق کے طور پر جَزَاءً کے بجائے شَيْـًٔا آیا ہے۔ یعنی کوئی جان کسی جان کے کچھ بھی کام نہ آئے گی یا بدلہ میں ذرہ برابر بھی کوئی چیز نہ دے گی۔

آیت:49

﴿وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِىْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝﴾

اِذْ: البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔

ن ج و

(ن) (ا) نَجَاةً اور نَجَاءً کسی کا کسی چیز سے الگ ہو جانا۔ رہائی پانا۔ نجات پانا۔ ﴿وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا﴾ (12/یوسف:45) ''اور کہا اُس شخص نے جس نے نجات پائی اُن دونوں میں سے۔'' ﴿قَالَ لَا تَخَفْ ۣ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾ (28/القصص:25) ''انہوں نے کہا آپؑ (حضرت موسیٰؑ) مت ڈریں۔ آپؑ نے نجات پائی ظالم قوم سے۔''

(ب) نَجْوًا اور نَجْوٰی سرگوشی کرنا۔ دو آدمیوں کا راز داری سے بات کرنا۔ سرگوشی کے معنی میں ثلاثی مجرد سے فعل قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

نَاجٍ اسم الفاعل ہے۔ نجات پانے والا۔ ﴿ وَ قَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا ﴾ (12/یوسف:42) ''اور حضرت یوسفؑ نے کہا اس سے جس کے لیے انہوں نے خیال کیا کہ وہ نجات پانے والا ہے ان دونوں میں سے۔''

نَجِیٌّ یہ لفظ نَجْوٌ یا نَجْوٰی مصدر سے فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ فَعِیْلٌ کے وزن میں کبھی اسم الفاعل اور کبھی اسم المفعول کا مفہوم ہوتا ہے۔ چنانچہ نَجِیٌّ کا معنی دونوں طرح سے کیا گیا ہے۔ بعض بزرگوں کے نزدیک اس کا معنی ''سرگوشی کرنے والا'' کے ہیں (مفردات القران، لغات القرآن) اور بعض بزرگوں کے نزدیک اس کا معنی ''وہ جس سے سرگوشی کی جائے یا جس سے راز کی بات کہی جائے'' کے ہیں (مصباح اللغات، معارف القرآن)۔ بعض بزرگوں کے نزدیک اس کا مصدر تَنَاجٍ (تفاعل) ہے جس کے معنی ہیں ''باہم مشورہ کرنا''۔ قرآن مجید میں یہ لفظ دو مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ سورہ یوسف کی آیت 80 میں فرمایا ﴿ فَلَمَّا اسْتَیْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِیًّا ؕ ﴾۔ اس آیت کا ترجمہ عام طور سے دو طرح کیا گیا ہے مثلاً: ''پھر جب ناامید ہوئے اس سے اکیلے ہو بیٹھے مشورہ کرنے کو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''پھر جب وہ ان کی طرف سے مایوس ہو گئے تو علیحدہ باہم مشورہ کرنے لگے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ''پھر جب وہ مایوس ہو گئے یوسف سے تو الگ جا کر سرگوشی کرنے لگے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ گویا ہمارے بزرگوں نے اس آیت مبارکہ میں نَجِیٌّ کو نَجْوٌ ، نَجْوٰی یا تَنَاجٍ سے اسم الفاعل کے معنی میں لیا ہے۔ اور دوسری جگہ سورہ مریم کی آیت 52 میں فرمایا ﴿ وَ قَرَّبْنٰهُ نَجِیًّا ﴾ اس آیت مبارکہ میں عام طور پر نَجِیٌّ کو نَجْوٌ یا نَجْوٰی سے اسم المفعول ''جس سے سرگوشی کی جائے، جس سے راز کی بات کہی جائے'' کے معنی میں لیا گیا ہے اور اس کو قَرَّبْنٰهُ میں ضمیر مفعولی کا حال مانا گیا ہے۔ ''اور نزدیک بلایا اس کو بھید کہنے کو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''اور ہم نے ان کو مقرب بنایا راز کی گفتگو کے لیے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے تحت حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''نَجِیًّا سرگوشی اور خصوصی کلام کو مناجات اور جس شخص سے ایسا کلام کیا جائے اُس کو نَجِیٌّ کہا جاتا ہے۔'' (معارف القرآن، ج۶، ص۳۹)۔

نَجوۃٌ اسم ذات ہے۔ رہائی۔ نجات۔ ﴿ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَ تَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَى النَّارِ ﴾ (40/مومن:41) ''میں بلاتا ہوں تم لوگوں کو نجات کی طرف اور تم لوگ بلاتے ہو مجھ کو آگ کی طرف۔'' نَجٰوۃٌ خاص قرآنی املاء ہے۔

نَجْوٰی اسم ذات بھی ہے۔ سرگوشی۔ ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ﴾ (58/المجادلۃ:8) ''کیا آپؐ نے ان لوگوں کے حال میں غور کیا جنہیں سرگوشی سے روک دیا گیا تھا۔'' ﴿ لَا خَیْرَ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَیْنَ النَّاسِ ؕ ﴾ (4/النساء:114) ''نہیں کوئی بھلائی ان کی اکثر سرگوشیوں میں بجز ان لوگوں کے جو حکم دیں صدقہ دینے کا یا نیک کام کا یا صلح کرانے کا لوگوں میں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ نَجْوٰی کے ماخذ کے بارے میں ہمارے بزرگوں میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ باب نصر سے مصدر ہے بمعنی سرگوشی کرنا اور بطور اسم ذات (سرگوشی) استعمال ہوتا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ نَجْوَۃٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں وہ اونچی زمین جو دوسری زمینوں سے ممتاز اور بلندی کی وجہ سے آس پاس کی زمینوں سے جدا ہو۔ آہستہ اور راز سے کہی ہوئی بات بھی چونکہ کسی دوسرے کے سننے سے محفوظ ہو جاتی ہے اس لیے وہ نَجْوَۃٌ کے مشابہ ہے۔ اور بعض کے نزدیک یہ لفظ نجوت الشئ انجوہ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے کسی چیز کو خالص اور منفرد کر لینا۔ اسی مناسبت سے دو آدمی جو دوسرے لوگوں سے

الگ تھلگ ہو کر باتیں کرتے ہیں اس کو نَجْوٰی کہتے ہیں۔ یہ لفظ واحد اور جمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے مثلاً ھُوَ نَجْوٰی اور ھُمْ نَجْوٰی۔ اس لفظ کا استعمال بطور صفت بھی ہوتا ہے جیسے قَوْمٌ نَجْوٰی یعنی سرگوشی کرنے والے لوگ۔ قرآن مجید میں ہے ﴿وَاِذْ ھُمْ نَجْوٰٓی﴾ (17/بنی اسرائیل:47) ''اور جب وہ سرگوشی کررہے تھے۔'' اس صورت میں اس سے پہلے لفظ ذُوْ محذوف مانا جاتا ہے۔ اب نوٹ کرلیں کہ نَجْوٰی کا استعمال بطور مصدر (سرگوشی کرنا)، بطور اسم ذات (سرگوشی) اور بطور صفت (سرگوشی کرنے والا، والے) ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

(افعال) اِنْجَاءً: کسی کو رہائی دینا۔ نجات دینا۔ ﴿اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ﴾ (14/ابراہیم:6) ''جب اس نے رہائی دی تم کو آلِ فرعون سے۔''

(تفعیل) تَنْجِیَۃً: کسی کو رہائی دینا۔ نجات دینا۔ (اس میں تدریجاً نجات دینے کا مفہوم ہوتا ہے)۔ ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾ (23/المومنون:28) ''تمام حمد اللہ کے لیے ہے جس نے نجات دی ہم کو ظالم قوم سے۔''

نَجِّ: فعل امر ہے۔ واحد مذکر حاضر کا صیغہ۔ تو نجات دے۔ تو چھٹکارا دے۔ ﴿وَّ نَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ (26/الشعراء:118) ''اور تو نجات دے مجھے اور میرے ساتھ جو ایمان والے ہیں انہیں بھی۔''

مُنَجٍّ: ج: مُنَجُّوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ نجات دینے والا۔ ﴿اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ﴾ (29/العنکبوت:33) ''بے شک ہم نجات دینے والے ہیں آپؑ کو اور آپؑ کے گھر والوں کو۔''

(مفاعلہ) مُنَاجَاۃً: چپکے چپکے سے کان میں بات کہنا۔ کسی سے سرگوشی کرنا۔ راز داری سے مشورہ دینا۔ ﴿اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ﴾ (58/المجادلہ:12) ''اور جب بھی تم لوگ سرگوشی کرو رسولؐ سے تو اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ دو۔''

(تفاعل) تَنَاجِیًا: باہم ایک دوسرے سے سرگوشی کرنا۔ باہم خفیہ مشورہ کرنا۔ ﴿اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ﴾ (58/المجادلہ:9) ''تم جب سرگوشی کرو تو یہ سرگوشیاں گناہ اور ظلم (زیادتی) اور نافرمانی پیغمبر کی نہ ہوں۔'' (ترجمہ احسن البیان) ''جب تم خفیہ مشورہ کرو تو مت خفیہ مشورہ کرو گناہ، زیادتی اور رسول کریمؐ کی نافرمانی کے متعلق۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

اٰلٌ: البقرۃ آیت 41 دیکھیں۔

فِرْعَوْنُ

ج: فَرَاعِنَۃٌ۔ یہ کسی ایک متعین بادشاہ کا نام نہیں بلکہ قدیم مصر کے بادشاہوں کا لقب تھا۔ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''لفظ فرعون کے معنی ہیں ''سورج دیوتا کی اولاد'' قدیم اہل مصر سورج کو، جو اُن کا مہادیو یا رب اعلیٰ تھا، رَعْ کہتے تھے اور فرعون اسی کی طرف منسوب تھا۔ اہل مصر کے اعتقاد کی رو سے کسی فرماں روا کی حاکمیت کے لیے اس کے سوا کوئی بنیاد نہیں ہوسکتی تھی کہ وہ رَعْ کا جسمانی مظہر اور اُس کا ارضی نمائندہ ہو، اسی لیے ہر شاہی خاندان جو مصر میں برسر اقتدار آتا تھا، اپنے آپ کو سورج بنسی بنا کر پیش کرتا، اور ہر فرماں روا جو تخت نشین ہوتا ''فرعون'' کا لقب اختیار کرکے باشندگانِ ملک کو یقین دلاتا کہ تمہارا رب اعلیٰ یا مہادیو میں ہوں۔

یہاں یہ بات اور جان لینی چاہیے کہ قرآن مجید میں حضرت موسیٰؑ کے قصے کے سلسلہ میں دو فرعونوں کا ذکر آتا ہے۔ ایک وہ جس کے زمانہ میں آپ پیدا ہوئے اور جس کے گھر میں آپ نے پرورش پائی۔ دوسرا وہ جس کے پاس آپ اسلام کی دعوت اور بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ لے کر پہنچے اور جو بالآخر غرق ہوا۔ موجودہ زمانہ کے محققین کا عام میلان اس طرف ہے کہ پہلا فرعون رعمسیس دوم تھا جس کا زمانہ حکومت ۱۲۹۲ سے ۱۲۲۵ قبل مسیح تک رہا۔ اور دوسرا فرعون

جس کا یہاں اِن آیات میں ذکر ہو رہا ہے، (الاعراف:104) منفتہ یا منفتاح تھا جو اپنے باپ رعمسیس دوم کی زندگی ہی میں شریک حکومت ہو چکا تھا اور اس کے مرنے کے بعد سلطنت کا مالک ہوا۔'' (تفہیم القرآن، ج ۲، ص ۶۴)۔ اور سورۂ یوسف کے تعارف میں فرماتے ہیں: ''قرآن مجید حضرت یوسفؑ کے ہم عصر بادشاہ کو''فرعون'' کے نام سے یاد نہیں کرتا۔ کیونکہ ''فرعون'' مصر کی مذہبی اصطلاح تھی اور یہ لوگ (چرواہے بادشاہ، Hyksos kings) مصری مذہب کے قائل نہ تھے لیکن بائیبل میں غلطی سے اس کو بھی ''فرعون'' ہی کا نام دیا گیا ہے شاید اس کے مرتب کرنے والے سمجھتے ہوں گے کہ مصر کے سب بادشاہ ''فراعنہ'' ہی تھے۔'' (تفہیم القرآن، ج ۲، ص ۳۸۲)۔ امام راغبؒ نے اس کو''ف رع ن'' (رباعی) مادہ کے تحت بیان کیا ہے کہتے ہیں کہ یہ عجمی لفظ ہے اور عربی زبان میں اس سے سرکشی کے معنی لے کر کہا جاتا ہے تَفَرْعَنَ فُلَانٌ یعنی فلاں نے سرکشی کی۔

س و م

(ن) سَوْمًا: اس کا بنیادی مفہوم ہے کسی چیز کی طلب میں کہیں جانا۔ چنانچہ سَوْمٌ کا مفہوم دو اجزاء سے مرکب ہے، طلب اور جانا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ پھر یہ لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے مثلاً (1) جانور کا چراگاہ میں جانا۔ جیسے سَامَتِ الْاِبِلُ اونٹ چراگاہ میں چرنے کے لیے چلے گئے۔ (2) کسی پر کوئی بوجھ ڈالنا یا اس کو تکلیف دینا۔ عربی میں کہتے ہیں سَامَهٗ ظُلْمًا وَ سَامَهٗ خَسْفًا، اس نے اس کو ظلم اور ذلت کا مزہ چکھایا۔ عربی زبان میں ''سَامَ خَسْفًا'' محاورہ ہے جس کا معنی ہے کسی کو تکلیف دینا اور ذلیل و خوار کرنا۔ ﴿ وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ط ﴾ (7/الاعراف:167) ''اور جب سنا دیا تیرے رب نے کہ وہ لازماً بھیجتا رہے گا ان پر قیامت کے دن تک اس کو جو تکلیف دے گا ان کو برے عذاب کی۔'' یہ فعل لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔

سِيْمَآءٌ: اسم ذات ہے۔ علامت۔ نشان۔ ﴿ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ج لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ط ﴾ (2/البقرہ:273) ''تو پہچانے گا ان کو ان کی علامت سے، وہ لوگ نہیں مانگتے لوگوں سے لپٹتے ہوئے۔'' ﴿ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ط ﴾ (48/الفتح:29) ''ان (کے ایمان و عبادت) کی علامت ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے نمایاں ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''سِيْمٰى سے مراد وہ گٹا نہیں جو عام طور پر پیشانی پر نمودار ہو جاتا ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو عبارت یوں ہوتی۔ سِيْمَاهُمْ فِيْ جِبَاهِهِمْ۔ ان کی پیشانیوں پر نشانیاں۔ بلکہ اس سے مراد وہ نورِ باطن ہے جو اُن کے چہروں پر نمایاں ہوتا ہے۔'' (ضیاء القرآن، ج ۴، ص ۵۶۹)

(افعال) اِسَامَةً: مویشی کو چراگاہ میں لے جانا۔ چرانا۔ ﴿ وَ مِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ﴿١٠﴾ ﴾ (16/النحل:10) ''اور اس سے درخت ہیں، اس میں تم مویشی چراتے ہو۔''

(تفعیل) تَسْوِيْمًا: اپنے اوپر یا کسی پر نشان لگانا۔

مُسَوِّمٌ: ج: مُسَوِّمُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ نشان لگانے والا۔ نشان بنانے والا۔ ﴿ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَ يَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿١٢٥﴾ ﴾ (3/آل عمران:125)۔ صاحبؒ قاموس القرآن اس آیت کا ترجمہ کرتے ہیں: ''اگر تم صبر و تقویٰ اختیار کرو گے اور کافر یکایک تم پر حملہ آور ہوں گے تو تمہارا پروردگار پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا جو اپنے گھوڑوں پر علامت لگانے والے ہوں گے یا جن پر خود علامت لگی ہو گی۔'' اور آگے فرماتے ہیں: ''پہلے معنی مُسَوِّمِيْنَ پڑھنے کی صورت میں ہیں اور دوسرے مُسَوَّمِيْنَ پڑھنے کی صورت میں۔'' (قاموس القرآن، ص ۵۱۸)۔ آیت میں لفظ مُسَوِّمِيْنَ ہے لیکن ہمارے اکثر بزرگوں نے اس کا ترجمہ اسم المفعول کے معنی

میں کیا ہے مثلاً: ''اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو اور وہ آئیں تم پر اُسی دم تو مدد بھیجے تمہارا رب پانچ ہزار فرشتے نشان دار گھوڑوں پر۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''کیوں نہیں، بشرطیکہ تم نے صبر اور تقویٰ قائم رکھا اور اگر وہ تم پر فوراً آ پڑیں گے تو تمہارا پروردگار تمہاری مدد پانچ ہزار نشان کیے ہوئے فرشتوں سے کرے گا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ''ہاں کافی ہے بشرطیکہ تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو اور اگر آ دھمکیں کفار تم پر تیزی سے اُسی وقت تو مدد کرے گا تمہاری تمہارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے جو نشان والے ہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ''جو نشان دار ہوں گے۔'' (احسن البیان) (واللّٰہ اعلم)۔

مُسَوَّمٌ اسم المفعول ہے۔ نشان لگا یا ہوا۔ نشان زدہ۔ واحد مذکر۔

مُسَوَّمَةٌ اسم المفعول ہے۔ نشان لگا یا ہوا۔ نشان زدہ۔ واحد مؤنث۔ ﴿ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ۝ ﴾ (51/الذّٰریٰت:33-34) ''تا کہ ہم برسائیں اُن پر گارے کے بنے ہوئے پتھر (کھنگر) جن پر نشان لگے ہیں آپ کے رب کی طرف سے حد سے بڑھنے والوں کے لیے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ ﴾ (3/آل عمران:14) ''اور گھوڑے نشان لگائے ہوئے۔''

س و ء

(ن) سَوْءًا ناپسندیدہ ہونا۔ برا ہونا۔ غمگین ہونا۔ بگڑ جانا۔ (لازم)۔ برا لگنا۔ کسی چیز کو بگاڑ دینا۔ غمگین کرنا۔ (متعدی)۔ ﴿ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ ﴾ (11/ھود:77) ''اور جب پہنچے ہمارے بھیجے ہوئے لوطؑ کے پاس تو وہ غمگین ہوئے اُن کے آنے سے۔'' اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''ساء لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔'' (ضیاء القران، ج ۲، ص ۳۸۰) ﴿ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ (67/الملک:27) ''پھر جس وقت اُسے قریب آتے دیکھیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے۔'' ﴿ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ﴾ (9/التوبہ:50) ''اگر پہنچتی ہے آپؐ کو کوئی بھلائی تو وہ بری لگتی ہے ان کو۔'' ﴿ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ ﴾ (17/بنی اسرائیل:7) ''پھر جب آیا دوسرے وعدے کا وقت (تو ہم نے دوسرے بندوں کو بھیج دیا) تا کہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں/غمناک کر دیں/اداس کر دیں۔''

نوٹ: سَاءَ (بُرا ہے) اور سَاءَتْ (بری ہے) بطور فعل ذم بھی استعمال ہوتے ہیں مثلاً ﴿ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (5/المائدۃ:66) ''بہت برا ہے جو کر رہے ہیں۔'' ﴿ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ ﴾ (4/النساء:97) '''' اور جہنم بہت بری پلٹ کر آنے کی جگہ ہے۔''

اَسْوَءُ مؤنث: سُوْاٰی۔ افعل تفضیل ہے۔ زیادہ برا یا سب سے برا۔ ﴿ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا ﴾ (39/الزمر:35) ''تا کہ اللہ دور کر دے ان سے بدترین اعمال کو جو انہوں نے کیے۔'' ﴿ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ﴾ (30/الروم:10) ''پھر ہوا انجام ان لوگوں کا جنھوں نے برا کیا، انتہائی برا، اس واسطے کہ انہوں نے جھٹلایا اللہ کی نشانیوں کو۔'' سُوْاٰی کے مقابلے پر لفظ حُسْنٰی آتا ہے۔ حُسْنٰی ہر اچھے کام کو کہتے ہیں اور سُوْاٰی ہر برے کام کو۔

سَوْءٌ صفت ہے۔ برا۔ بری۔ ﴿ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ﴾ (48/الفتح:6) ''گمان کرنے والے اللہ کے بارے میں برا گمان۔'' ﴿ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ﴾ (9/التوبۃ:98) ''(حقیقت میں) اُنہی پر ہے بری گردش۔''

سُوْٓءٌ
اسم ذات (برائی) اور صفت (بُرا، بری) دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ﴾ (13/الرعد:18) ''یہ لوگ ہیں جن کے لیے برا حساب ہے۔'' ﴿اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ الْفَحْشَآءِ﴾ (2/البقرۃ:169) ''بے شک وہ تمہیں برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔''

نوٹ: سَوْءٌ (س کی زبر کے ساتھ) کا استعمال تو قرآن مجید میں صفت کے طور پر مرکب اضافی کی صورت میں ہوا ہے مثلاً دائِرَۃُ السَّوْءِ (بری گردش)، مَثَلُ السَّوْءِ (بری صفتیں) قَوْمَ سَوْءٍ (بری قوم) وغیرہ اور سُوْءٌ (س کی پیش کے ساتھ) کا استعمال قرآن مجید میں بطور صفت (برا، بری) بھی ہوا ہے اور بطور اسم ذات (برائی) بھی ہوا ہے۔ بطور صفت تو یہ لفظ اکثر مرکب اضافی کی صورت میں آیا ہے مثلاً سُوْءُ الْعَذَابِ (بُرا عذاب)، سُوْءُ الْحِسَابِ (بُرا حساب) سُوْءُ الدَّارِ (بُرا گھر) وغیرہ۔ اور بطور اسم ذات یہ لفظ فاعل، مفعول یا مرکب جاری کی صورت میں استعمال ہوا ہے اور پھر مختلف آیات میں اس کا مفہوم بھی مختلف لیا گیا ہے مثلاً کہیں یہ برائی کے معنی میں آیا۔ (البقرۃ:169)، کہیں یہ گناہ کے معنی میں آیا ہے (النساء:17)، کہیں یہ سزا اور تکلیف کے معنی میں آیا ہے (النحل:94)، کہیں یہ عیب اور بیماری کے معنی میں آیا ہے (طٰہٰ:22) اور کہیں یہ بدکاری کے معنی میں آیا ہے (یوسف:25) وغیرہ۔ (واللّٰه اعلم)۔

سَيِّءٌ
بد۔ برا۔ صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ قرآنِ مجید میں یہ لفظ سورہ فاطر کی آیت 43 میں دو مرتبہ ہی استعمال ہوا ہے۔ ﴿اِسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَ مَكْرَ السَّيِّئِ ؕ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ؕ﴾ ''دنیا میں اپنے کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے، اور ان کی بری تدبیروں کی وجہ سے اور بری تدبیروں کا وبال ان تدبیر والوں ہی پر پڑتا ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔

سَيِّئَةٌ
ج: سَيِّئَاتٌ۔ سَيِّءٌ کا مؤنث۔ ہر وہ چیز جو تکلیف اور ناگواری کا باعث بنے۔ یہ لفظ اسم ذات اور صفت دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ برائی۔ برا۔ گناہ۔ ﴿وَ اِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ﴾ (3/آل عمران:120) ''اور اگر تم لوگوں کو پہنچے کوئی برائی تو وہ لوگ خوش ہوتے ہیں اس سے۔'' ﴿وَ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً﴾ (4/النساء:85) ''اور جو کوئی سفارش کرتا ہے کوئی بری سفارش۔'' ﴿بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ﴾ (2/البقرۃ:81) ''کیوں نہیں جس نے کمایا گناہ اور گھیر لیا اُس کو اُس کے گناہ نے۔'' اس کی ضد حَسَنَةٌ ہے۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں کہ حَسَنَةٌ اور سَيِّئَةٌ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو شرعاً اور عقلاً اچھی اور بری ہوں یعنی جن پر جزا یا سزا ملے مثلاً: ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا﴾ (6/الانعام:160) ''جو کوئی (خدا کے حضور) نیکی لے کر آئے گا اس کو ویسی دس نیکیاں ملیں گی اور جو برائی لائے گا اسے سزا ویسی ہی ملے گی۔'' اور دوسری قسم وہ ہے جس میں طبعاً کسی شخص کو کوئی چیز اچھی یا بری لگے۔ اس معنی میں فرمایا ﴿فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَ مَنْ مَّعَهٗ ؕ﴾ (7/الاعراف:131) ''تو جب ان کو آسائش حاصل ہوتی تو کہتے کہ ہم اس کے مستحق ہیں اور اگر سختی پہنچتی تو موسیٰؑ اور ان کے رفیقوں کی بدشگونی بتاتے۔'' ﴿ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ﴾ (7/الاعراف:95) ''پھر ہم نے تکلیف کو آسودگی سے بدل دیا۔'' اور مولانا مودودیؒ سورہ مومن کی آیت 9 ﴿وَ قِهِمُ السَّيِّاٰتِ ؕ﴾ ''اور بچا دے اُن کو برائیوں سے۔'' کے تحت فرماتے ہیں: ''سیئات'' (برائیوں) کا لفظ تین مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور تینوں ہی یہاں مراد ہیں ایک غلط عقائد اور بگڑے ہوئے اخلاق اور برے اعمال۔ دوسرے گمراہی اور اعمالِ بد کا وبال۔ تیسرے،

آفات اور مصائب اور اذیتیں خواہ وہ اس دنیا کی ہوں یا عالم برزخ کی، یا روزِ قیامت کی۔ فرشتوں کی دعا کا مقصود یہ ہے کہ ان کو ہر اُس چیز سے بچا جو ان کے حق میں بری ہو'' اور اسی آیت کے جز ﴿ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَىِٕذٍ ﴾ ''جس کو تو نے قیامت کے دن برائیوں سے بچا دیا۔'' کے تحت لکھتے ہیں: ''روزِ قیامت کی برائیوں سے مراد میدانِ حشر کا ہول، سائے اور ہر قسم کی آسائشوں سے محرومی، محاسبے کی سختی، تمام خلائق کے سامنے زندگی کے راز فاش ہونے کی رسوائی اور دوسری وہ تمام ذلتیں اور سختیاں ہیں جن سے وہاں مجرمین کو سابقہ پیش آنے والا ہے۔'' (تفہیم القرآن، ج ۴، ص ۳۹۶)

سَوْءَةٌ اسم ذات ہے۔ ناپسندیدہ چیز۔ ہر وہ چیز جس کے اظہار کو آدمی برا سمجھے۔ اصطلاحاً یہ لفظ ستر کی چیزوں (اگر وہ کھلی ہوں) اور انسانی لاش کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ سُوْءٌ سے ہے جس کا معنی ہے ہر وہ چیز جو عقل اور شرعی لحاظ سے بری ہو یا دیکھنے میں بری معلوم ہو۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں سَوْءَةٌ کا لفظ عورت یا مرد، دونوں کی شرم گاہ پر بولا جاتا ہے جیسے فرمایا بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا اور علامہ ابن الاثیرؒ فرماتے ہیں: ''اصل میں سَوْءَةٌ کے معنی فرج (شرم گاہ) کے ہیں بعد میں اس کو ہر اس چیز کے لیے استعمال کیا جانے لگا کہ اگر ظاہر ہو تو اس سے حیاء آنے لگے خواہ وہ کوئی قول ہو یا فعل۔'' سَوْءَةٌ کا اطلاق ستر کی تمام چیزوں پر ہوتا ہے مثلاً عورت کے بدن اور چھاتی وغیرہ پر اگر وہ کھلے ہوئے ہوں۔ اور انسانی لاش کے لیے سَوْءَةٌ کا لفظ اس لیے استعمال ہوتا ہے کہ اگر کچھ عرصہ دفن نہ کی جائے تو دیکھنے میں بہت بری لگتی ہے۔ ﴿ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ﴾ (5/المائدہ:31) ''کیسے وہ چھپائے اپنے بھائی کی لاش کو۔'' ﴿ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ﴾ (7/الاعراف:26) ''ہم نے اتارا ہے تم لوگوں پر لباس کو، وہ چھپاتا ہے تمہارے ستر کے حصوں کو اور آرائش ہے۔'' چنانچہ سَوْءَةٌ کا اطلاق، مرد اور عورت کی شرم گاہ پر، ستر کی تمام چیزوں پر اگر وہ کھلی ہوں، انسانی لاش پر اور ہر برے قول یا فعل پر ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

(افعال) اِسَاءَةً خراب کرنا۔ بگاڑنا۔ برائی کرنا۔ ﴿ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۫ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ﴾ (17/بنی اسرائیل:7) ''اگر تم بھلائی کرو گے تو تم بھلائی کرو گے اپنے آپ سے اور اگر تم برائی کرو گے تو اس کی سزا بھی تمہارے نفسوں کو ملے گی۔'' اوپر اَسْوَءُ کے تحت آیت نمبر (30/الروم:10) بھی دیکھ لیں۔

مُسِیْءٌ اسم الفاعل ہے۔ برائی کرنے والا۔ بدکار۔ ﴿ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ ﴾ (40/المؤمن:58) ''اور یکساں نہیں ہے اندھا اور بینا اور (اسی طرح) مومن نیکوکار اور بدکار بھی یکساں نہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

عَذَابٌ (ع ذ ب): البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔

ذ ب ح

(ف) ذَبْحًا کسی جاندار کا گلا کاٹنا۔ ذبح کرنا۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ﴾ (2/البقرہ:67) ''بے شک اللہ حکم دیتا ہے تم لوگوں کو کہ تم لوگ ذبح کرو ایک گائے۔''

ذِبْحٌ قربانی کیا ہوا جانور۔ ذبیحہ۔ ﴿ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴾ (37/الصافات:107) ''اور ہم نے اس کے فدیہ میں دیا ایک عظیم ذبیحہ۔''

(تفعیل) تَذْبِيْحًا کثرت سے ذبح کرنا۔ (آیتِ زیرِ مطالعہ)

اَبۡنَآءٌ: البقرۃ آیت 40 دیکھیں۔ یَسۡتَحۡیُوۡنَ (ح ی ی): البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔

اِمۡرَءَۃٌ اور مَرۡءَۃٌ ج:نِسَاءٌ اور نِسۡوَۃٌ۔عورت۔عربی زبان میں نِسَاءٌ کالفظی ترجمہ ہےعورتیں اور سیاق وسباق کے لحاظ سے اس سے مراد بیویاں، بیٹیاں، قریبی رشتہ دار عورتیں یا کسی اور قسم کی مخصوص عورتیں بھی مراد ہوتی ہیں۔

ذَالِکُمۡ اسماءِ اشارہ میں سے ہے اشارہ بعید کے لیے آتا ہے۔اس میں ذَا اشارہ ہے اور کُمۡ ضمیر جمع، خطاب کے لیے ہے جو کہ مخاطب کے لحاظ سے مذکر، مونث، تثنیہ اور جمع میں بدلتی رہتی ہے لیکن اس سے معنی میں فرق نہیں پڑتا۔

ب ل و

(س) بَلَاءً بوسیدہ ہونا۔زائل ہونا۔﴿ قَالَ یٰۤاٰدَمُ هَلۡ اَدُلُّكَ عَلٰی شَجَرَةِ الۡخُلۡدِ وَ مُلۡكٍ لَّا یَبۡلٰی ﴿۱۲۰﴾ ﴾(20/طٰہٰ:120)''اس (شیطان) نے کہا اے آدمؑ کیا میں آگاہ کروں تمہیں ہمیشگی کے درخت پر اور ایسی بادشاہی پر جو کبھی زائل نہ ہو۔''

(ن) بَلَاءً کسی کو آزمانا۔امتحان لینا۔(یہ تکلیف اور آسودگی، دونوں طرح کی آزمائش کے لیے استعمال ہوتا ہے)۔اللہ تعالیٰ بندوں کی آزمائش دو طرح سے کرتا ہے کبھی تو بندوں کو فراخی اور کشادگی دے کر آزماتا ہے کہ دیکھے وہ شکر گزاری کرتا ہے یا نہیں اور کبھی تنگی کے ذریعہ امتحان کرتا ہے کہ وہ صبر کرتا ہے یا نہیں۔چنانچہ فرمایا:﴿ وَ بَلَوۡنٰهُمۡ بِالۡحَسَنٰتِ وَ السَّیِّاٰتِ لَعَلَّهُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۱۶۸﴾ ﴾ (7/الاعراف:168)''اور ہم نے آزمایا ان کو بھلائیوں سے اور برائیوں سے شائد کہ وہ پلٹ آئیں۔''﴿ وَ نَبۡلُوۡكُمۡ بِالشَّرِّ وَ الۡخَیۡرِ فِتۡنَةً ؕ ﴾ (21/الانبیاء:35)''اور ہم تم کو جانچتے ہیں برائی اور بھلائی سے آزمانے کو۔''

بَلَاءٌ اسم ذات ہے۔آزمائش، خواہ خیر سے ہو یا شر سے۔امتحان۔ایسا غم جو جسم کو گھلا دے۔تکلیف۔آزمائش جب خیر سے ہو تو بَلَاءٌ کا ترجمہ عموماً ''انعام اور احسان'' سے بھی کر دیا جاتا ہے اور قرآنِ مجید میں ہمارے بزرگوں نے بَلَاءٌ کا ترجمہ دونوں طرح سے کیا بھی ہے یعنی ''آزمائش'' کے لفظ سے بھی اور ''انعام اور احسان'' کے الفاظ سے بھی۔چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ آیت زیر مطالعہ کا ترجمہ کرتے ہیں ''اور اس میں آزمائش تھی تمہارے رب کی طرف سے بڑی۔'' اور یہی آیت جب سورہ اعراف میں آتی ہے وہاں ترجمہ کرتے ہیں ''اور اِس میں احسان ہے تمہارے رب کا بڑا۔'' (آیت: 141)۔آیت زیر مطالعہ کے حاشیے میں حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں: ''بلاء کے چند معنی آتے ہیں اگر ذٰلِکُمۡ کا اشارہ ذبح کی طرف لیا جائے تو اس کے معنی مصیبت کے ہوں گے اور اگر نجات کی طرف اشارہ ہے تو بلاء کے معنی نعمت کے ہوں گے اور مجموعہ کی طرف ہو تو امتحان کے معنی لیے جائیں گے۔'' (تفسیر عثمانی،ص۱۰) اسی طرح حضرت شیخ الہندؒ الانفال:17﴿ وَ لِیُبۡلِیَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ ﴾ کا ترجمہ کرتے ہیں ''اور تاکہ کرے ایمان والوں پر اپنی طرف سے خوب احسان''، پیر کرم شاہ صاحبؒ اس آیت کا ترجمہ کرتے ہیں ''تاکہ احسان فرمائے مومنوں پر اپنی جناب سے بہترین احسان۔'' اور مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ اس آیت کا ترجمہ کرتے ہیں ''تاکہ آزمائش کرے ایمان والوں کی اپنی طرف سے اچھی آزمائش'' گویا ایک ہی آیت میں بلاءٌ کا ترجمہ ''احسان'' سے بھی کیا گیا ہے اور ''آزمائش'' سے بھی۔اس کی وضاحت میں پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''علامہ زمخشری نے یبلی کا معنی یُعطی اور بلاء کا معنی عطاء کیا ہے اور صاحب تفسیر مظہری نے یبلی کا معنی ینعم اور بلاء کا معنی نعمت فرمایا ہے۔اگرچہ ابتلاء کا

لغوی معنی اختبار یعنی آزمانا ہے۔لیکن آزمائش جس طرح تکلیف و مصیبت سے کی جاتی ہے اسی طرح عطاء و احسان سے بھی کی جاتی ہے۔ اس لیے آیت کے مفہوم کے پیش نظر یہاں لفظ ابلاء کی یہ توضیح بالکل صحیح ہے۔''(ضیاء القرآن، ج۲،ص۷۱۳) اور اسی طرح الدخان:33 ﴿ وَ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰیٰتِ مَا فِیْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِیْنٌ ﴾ کا ترجمہ مولانا عبدالماجدؒ یوں کرتے ہیں''اور ہم نے انہیں ایسی نشانیاں دی تھیں جن میں کھلا ہوا انعام تھا۔''اور حاشیے میں فرماتے ہیں ''بَلَاءٌ یہاں مصیبت کے معنی میں نہیں، اِنعام کے معنی میں ہے۔'' اسی آیت کا ترجمہ پیر کرم شاہ صاحبؒ کرتے ہیں ''اور ہم نے عطا فرمائیں انہیں ایسی نشانیاں جن میں صریح آزمائش تھی۔'' حضرت شیخ الہندؒ نے اس آیت میں بَلَاءٌ کا ترجمہ ''مدد'' سے کیا ہے فرماتے ہیں:''اور دیں ہم نے ان کو نشانیاں جن میں تھی مدد صریح''اس آیت کے حاشیے میں مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں:''بَلٰؤٌ کے دو معنی آتے ہیں، ایک انعام اور دوسرے آزمائش، یہاں دونوں معنی بلا تکلف ممکن ہیں۔''(معارف القرآن، ج۷،ص۷۶۸)

بَلٰی حرف ایجاب ہے یعنی جس کے ذریعے جواب دیا جاتا ہے۔ اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے''کیوں نہیں''اور یہ ہمیشہ نفی کو اثبات بنانے کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس کا استعمال دو طرح سے ہوتا ہے۔ (1) نفی ما قبل کی تردید کے لیے مثلاً یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ ﴿ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً ﴾''اور انہوں نے کہا کہ ہم کو آگ ہرگز نہیں چھوئے گی مگر تھوڑے دن۔'' اس دعویٰ میں نفی شامل ہے کہ آگ نہیں چھوئے گی۔ اس نفی کی تردید کے لیے آگے فرمایا ﴿ بَلٰی مَنْ كَسَبَ سَیِّئَةً ﴾ ''کیوں نہیں (ضرور چھوئے گی) بلکہ جو کوئی کمائے گا ایک برائی......'' یا اسی طرح فرمایا ﴿ زَعَمَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ یُّبْعَثُوْا قُلْ بَلٰی وَ رَبِّیْ لَتُبْعَثُنَّ ﴾ ''کافروں نے دعویٰ کیا کہ وہ ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے۔'' اس دعویٰ میں بھی اٹھائے جانے کی نفی ہے۔ اس نفی کی تردید کے لیے فرمایا۔''آپؐ کہیے کیوں نہیں (تم ضرور اٹھائے جاؤ گے) اور میرے رب کی قسم تم لازماً اٹھائے جاؤ گے۔''

(2) اس استفہام کے جواب کے طور پر آتا ہے جس استفہام میں نفی شامل ہو۔ مثلاً فرمایا ﴿ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ﴾ ''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔'' جواب میں فرمایا بَلٰی (کیوں نہیں آپ ہی ہمارے رب ہیں) یا فرمایا ﴿ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ﴾ ''کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم ہرگز اس کی ہڈیاں جمع نہیں کریں گے۔'' جواب میں فرمایا ﴿ بَلٰی ﴾ ''کیوں نہیں (ضرور کریں گے بلکہ)۔'' ﴿ قٰدِرِیْنَ عَلٰٓی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ ﴾ ''ہم تو قادر ہیں کہ اس کے پور پور درست کر دیں۔'' بَلٰی اور نَعَمْ میں فرق یہ کہ نَعَمْ صرف استفہام کے جواب میں آتا ہے اور کلام ما قبل کی تصدیق کرتا ہے خواہ کلام مثبت ہو یا منفی۔ مثلاً اگر کہا جائے هَلْ جَآءَكَ زَیْدٌ (کیا زید تمہارے پاس آیا) اور جواب میں کہا جائے نَعَمْ تو مطلب ہوگا''ہاں زید آیا''اسی طرح اگر کہا جائے مَا جَآءَكَ زَیْدٌ (زید تمہارے پاس نہیں آیا) اور جواب میں کہا جائے نَعَمْ تو مطلب ہوگا''ہاں زید نہیں آیا''۔ لیکن اگر کوئی کہے مَا عِنْدِیْ شَیْءٌ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ اس کے جواب میں اگر بَلٰی کہا جائے تو اس کے دعویٰ کی نفی ہو جائے گی یعنی کیوں نہیں (تم غلط کہتے ہو) تمہارے پاس کچھ ہے اور اگر نَعَمْ کہا جائے تو اس کی نفی کا اقرار ہو جائے گا یعنی ہاں! تم درست کہتے ہو تمہارے پاس واقعی کچھ نہیں۔ قرآن مجید میں فرمایا ﴿ فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا قَالُوْا نَعَمْ ﴾ ''بھلا جو وعدہ تمہارے رب نے تم سے کیا تھا تم نے اسے سچا پایا (وہ کہیں گے) ہاں۔''

(افعال) اِبْلَاءً ثلاثی مجرد کا ہم معنی ہے یعنی کسی کو آزمانا۔ امتحان لینا۔ صاحبؒ لغات القرآن کے مطابق اِبْلَاءٌ کے معنی ہیں ''نعمت دے کر کسی کو آزمانا'' ﴿وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا﴾ (8/الانفال:17) ''تاکہ آزمائش کرے ایمان والوں کی اپنی طرف سے اچھی آزمائش۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ بعض بزرگوں نے اس آیت میں يُبْلِيَ کا ترجمہ ''احسان'' سے بھی کیا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ ترجمہ کرتے ہیں: ''اور تاکہ کرے ایمان والوں پر اپنی طرف سے خوب احسان'' اور پیر کرم شاہ صاحبؒ ترجمہ کرتے ہیں ''تاکہ احسان فرمائے مومنوں پر اپنی جناب سے بہترین احسان۔'' اور حاشیے میں فرماتے ہیں: ''علامہ زمخشری نے یبلی کا معنی یُعطی اور بلاء کا معنی عطاء کیا ہے اور صاحب تفسیر مظہری نے یبلی کا معنی ینعم اور بلاء کا معنی نعمت فرمایا ہے۔ اگرچہ ابتلاء کا لغوی معنی اختیار یعنی آزمانا ہے۔ لیکن آزمائش جس طرح تکلیف و مصیبت سے کی جاتی ہے اسی طرح عطاء و احسان سے بھی کی جاتی ہے۔ اس لیے آیت کے مفہوم کے پیش نظر یہاں لفظ ابلاء کی یہ توضیح بالکل صحیح ہے۔'' (ضیاء القرآن، ج ۲، ص ۱۳۷)۔

(افتعال) اِبْتِلَاءً کسی کو آزمانا۔ آزمائش میں ڈالنا۔ امتحان لینا۔ ﴿وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ﴾ (2/البقرہ:124) ''اور جب آزمایا ابراہیمؑ کو ان کے رب نے کچھ فرمانوں سے تو انہوں نے پورا کیا ان کو۔'' امام راغبؒ ابتلاء کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''کسی کو ابتلاء میں ڈالنے کے دو مقصد ہوتے ہیں ایک یہ کہ اس کی حالت کو جانچنا اور اس سے پوری طرح باخبر ہونا اور دوسرے یہ کہ اس کی اچھی یا بری حالت کو لوگوں کے سامنے ظاہر کرنا۔ پھر کبھی تو ابتلاء سے یہ دونوں مفہوم مراد ہوتے ہیں اور کبھی صرف ایک ہی معنی مراد ہوتا ہے۔ جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو صرف دوسرے معنی مراد ہوتے ہیں کیونکہ ذات باری تعالیٰ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ہے اسے کسی کی حالت سے باخبر ہونے کی ضرورت نہیں لہٰذا آیت کریمہ البقرۃ:124 میں حضرت ابراہیمؑ کی آزمائش سے مقصود یہ تھا کہ ان کے کمالات کو دوسروں کے سامنے ظاہر کیا جائے۔'' اسی آیت کے تحت حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''اِبْتَلٰى۔ آزمایا اپنی واقفیت کے لیے نہیں کہ وہ تو خود علیم کل ہے، بلکہ علی الاعلان تاکہ دوسروں کو ان کے ایمان کامل کا مشاہدہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کے سلسلہ میں آزمانے کا لفظ جب بھی استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد یہی ہوتی ہے۔'' (تفسیر ماجدی، ص ۶۲)۔

مُبْتَلٍ ج: مُبْتَلُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ آزمانے والا۔ ﴿قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ﴾ (2/البقرہ:249) ''حضرت طالوت نے کہا یقیناً اللہ آزمانے والا ہے تم کو ایک نہر سے۔'' (مُبْتَلٍ جب مضاف ہو تو مُبْتَلِيْ پڑھا جاتا ہے)۔ ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّ اِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ۝﴾ (23/المومنون:30) ''بے شک اس قصے میں ہماری قدرت کی نشانیاں ہیں اور ہم ضرور (اپنے بندوں کو) آزمانے والے ہیں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

اِبْتَلِ ج: اِبْتَلُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو آزما۔ ﴿وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى﴾ (4/النساء:6) ''اور تم آزماؤ یتیموں کو۔''

رَبٌّ (ر ب ب): الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔

ع ظ م

(ک) عَظْمَةً بڑا ہونا۔ بزرگ ہونا۔

اَعْظَمُ افعل التفضیل ہے۔ زیادہ بڑا۔ ﴿وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا﴾ (73/المزمل:20) ''اور جو (نیکی) تم آگے بھیجو گے اپنے لیے تو اُسے اللہ کے پاس موجود پاؤ گے یہی بہتر ہے اور (اس

کا) اجر بہت بڑا ہوگا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

	عَظِیْمٌ	فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ بڑا (ہمیشہ اور ہر حال میں)۔ ﴿وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴾ (2/البقرہ:105) ''اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔''
(ن)	عَظْمًا	ہڈی پر مارنا۔
	عَظْمٌ	ج: عِظَامٌ۔ اسم ذات ہے۔ ہڈی۔ ﴿ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ ﴾ (19/المریم:4) ''اس نے کہا اے میرے رب بے شک کمزور ہوئی ہڈی میری۔'' ﴿ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ﴾ (75/القیامہ:3) ''کیا گمان کرتا ہے انسان کہ ہم جمع نہ کر سکیں گے اس کی ہڈیوں کو۔''
(افعال)	اِعْظَامًا	بڑا کرنا۔ بڑا بنانا۔ ﴿وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یُكَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ وَیُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ﴾ (65/الطلاق:5) ''اور جو اللہ کا تقویٰ کرے گا تو وہ دور کر دے گا اس سے اس کی برائیوں کو اور وہ بڑا کر دے گا اس کے لیے اجر کو۔''
(تفعیل)	تَعْظِیْمًا	کسی کو بڑا سمجھنا۔ کسی کا ادب و احترام کرنا۔ ﴿وَ مَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴾ (22/الحج:32) ''اور جو ادب و احترام کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا تو یہ (احترام) اس وجہ سے ہے کہ دلوں میں تقویٰ ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

ترکیب

اِذْ سے پہلے اُذْكُرُوْا محذوف ہے۔ نَجَّیْنَا فعل، اس میں شامل ضمیر نَحْنُ اس کا فاعل ہے۔ كُمْ اس کا مفعول اور مِنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ متعلق فعل ہے۔ فِرْعَوْنَ، غیر منصرف ہے اس لیے حالت جر میں ایک زبر کے ساتھ آیا ہے۔ یَسُوْمُوْنَ فعل اور اس میں شامل ھُمْ کی ضمیر فاعل ہے۔ جو کہ اٰلِ فرعون کے لیے ہے۔ كُمْ اس کا مفعول اوّل اور سُوْٓءَ الْعَذَابِ مفعول ثانی ہے۔ یہ جملہ حال ہے آل فرعون کا۔ اگلے جملے یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ اور یَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ پچھلے جملے یَسُوْمُوْنَكُمْ ... کا بیان ہیں یا بدل ہیں۔ یُذَبِّحُوْنَ اور یَسْتَحْیُوْنَ دونوں کی ضمیر فاعلی بھی اٰلِ فرعون کے لیے ہیں اور اَبْنَآءَكُمْ اور نِسَآءَكُمْ دونوں مفعول ہیں۔ فِیْ ذٰلِكُمْ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ بَلَآءٌ مبتداء مؤخر نکرہ ہے۔ مِنْ رَّبِّكُمْ متعلق خبر ہے اور عَظِیْمٌ، بَلَآءٌ کی صفت ہے۔

ترجمہ — البقرۃ:49

وَاِذْ نَجَّیْنٰكُمْ	مِنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ	یَسُوْمُوْنَكُمْ
اور (یاد کرو) جب ہم نے نجات دی تم کو	فرعون کے پیروکاروں سے	وہ تکلیف دیتے تھے تم کو

سُوْٓءَ الْعَذَابِ	یُذَبِّحُوْنَ	اَبْنَآءَكُمْ	وَ یَسْتَحْیُوْنَ
برے عذاب کی	(یعنی) وہ ذبح کرتے تھے	تمہارے بیٹوں کو	اور وہ زندہ رکھتے تھے

نِسَآءَكُمْ ط	وَفِیْ ذٰلِكُمْ	بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ ﴿۴۹﴾
تمہاری عورتوں کو	اور اس میں تھی	تمہارے رب کی طرف سے ایک بڑی آزمائش

نوٹ:1 آیت میں لفظ بَلَآءٌ کے بارے میں حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں: ''بَلَآءٌ کے چند معنی آتے ہیں اگر ذٰلِكُمْ کا اشارہ ذبح کی طرف لیا جائے تو اس کے معنی مصیبت کے ہوں گے اور اگر نجات کی طرف اشارہ ہے تو بلاء کے معنی نعمت کے ہوں گے اور مجموعہ کی طرف ہو تو امتحان کے معنی لیے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی، ص ۱۰)

نوٹ:2 مرکباتِ ناقصہ کا استعمال مختلف زبانوں میں مختلف ہے۔ مثلاً ہم کہتے ہیں دنیا کی زندگی (مرکب اضافی)۔ جبکہ دنیوی زندگی (مرکب

توصیفی) کا اردو میں استعمال نہ ہونے جیسا ہے۔ اس کے برعکس عربی میں اَلْحَیَاۃُ الدُّنْیَا (مرکب توصیفی) استعمال ہوتا ہے۔ جبکہ حَیَاۃُ الدُّنْیَا (مرکب اضافی) قران مجید میں تو استعمال نہیں ہوا۔ اس لیے مرکباتِ ناقصہ کا ترجمہ کرتے وقت متعلقہ زبان کے محاورے کا لحاظ کرنا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اَلْحَیَاۃُ الدُّنْیَا (مرکب توصیفی) کا ترجمہ دنیا کی زندگی (مرکب اضافی) سے کیا جاتا ہے۔

اسی طرح سے آیتِ زیرِ مطالعہ سُوْٓءَ الْعَذَابِ مرکب اضافی ہے جس کا ترجمہ بنتا ہے عذاب کا برا۔ لیکن اردو میں اس کا رواج نہیں ہے۔ اس لیے صحیح مفہوم واضح کرنے کے لیے اردو محاورہ کے مطابق اس کا ترجمہ برا عذاب (مرکب توصیفی) کیا جاتا ہے۔ آگے بھی اس قسم کی مثالیں آئیں گی۔ (از لطف الرحمٰن خان صاحب)

نوٹ:3 یہاں سے مسلسل کئی رکوع تک بنو اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے انعامات اور ان کی ناشکری کے حوالے سے متعدد تاریخی واقعات کا ذکر آئے گا۔ یاد رہے کہ ان واقعات میں ترتیب زمانی ملحوظ نہیں ہے۔

آیت:50

﴿وَاِذْ فَرَقْنَا بِکُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَیْنٰکُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾﴾

اِذْ: البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔

ف ر ق

(ن۔ض) **فَرْقًا** کسی چیز کو پھاڑ کر الگ الگ کرنا۔ جدا جدا کرنا۔ ﴿فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ﴿۴﴾﴾ (77/المرسلات:4) ''پھر (قسم) اُن (ہواؤں) کی جو (بادلوں کو) الگ الگ کرنے والی ہیں۔'' آیت زیر مطالعہ میں فرمایا ﴿وَاِذْ فَرَقْنَا بِکُمُ الْبَحْرَ﴾ ''اور جب ہم نے پھاڑ کر الگ کر دیا تمہارے لیے سمندر کو'' ﴿وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَی النَّاسِ عَلٰی مُکْثٍ﴾ (17/بنی اسرائیل:106) ''اور قرآن، ہم نے جُدا جُدا کیا اس کو تا کہ آپؐ پڑھیں اس کو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر۔'' اس آیت میں قرآن کو جدا جدا کرنے سے بعض کے نزدیک جدا جدا کر کے نازل کرنا ہے اور بعض کے نزدیک اسے سورتوں اور آیتوں کے ذریعہ سے الگ الگ کرنا ہے۔ بعض بزرگوں نے فَرَقْنٰهُ سے بَیَّنّٰهُ بھی مراد لیا ہے یعنی ہم نے اسے کھول کر صاف صاف بیان کیا ہے۔ چنانچہ امام راغبؒ فرماتے ہیں ''قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ کے معنی ہیں کہ ہم نے قرآن میں تمام احکام کھول کھول کر بیان کر دیے ہیں اور بعض نے فَرَقْنٰهُ کے معنی الگ الگ نازل کرنا بھی لکھے ہیں۔'' حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے بھی دونوں باتیں لکھ دی ہیں: ''فَرَقْنٰهُ یعنی اسے سورتوں، آیتوں وغیرہ کے ذریعہ سے الگ الگ رکھا گیا ہے۔ اس کی دوسری تفسیر بَیَّنّٰهُ سے بھی آ گئی ہے۔ یعنی ہم نے اسے کھول کر صاف صاف بیان کیا ہے۔ یا یہ کہ اس میں حق کو باطل سے ممتاز کر دیا ہے۔''

فُرْقَانًا الگ الگ کرنا۔ حق کو باطل سے جدا کرنا۔ (لغات القرآن، مصباح اللغات)۔

(س) **فَرَقًا** ڈرنا۔ ڈرپوک ہونا۔ خوف کی وجہ سے اپنے اصل عقیدے کو چھپا لینا۔ ﴿وَمَا هُمْ مِّنْکُمْ وَلٰکِنَّهُمْ قَوْمٌ یَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾﴾ (9/التوبۃ:56) ''حالانکہ وہ تم میں سے نہیں لیکن وہ ایسی قوم ہیں جو ڈرتے رہتے ہیں۔''

فَارِقٌ اسم الفاعل ہے۔ واحد مذکر۔ الگ الگ کرنے والا۔

فَارِقَةٌ ج: فَارِقَاتٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مونث۔ الگ الگ کرنے والی۔ اوپر آیت المرسلات:4 دیکھیں۔

اُفْرُقْ: فعل امر ہے۔ تو الگ کر۔ جُدا کر۔ ﴿ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴾ (5/المآئدۃ:25) ''تو آپ جُدائی کر دیں ہم دونوں اور نافرمان قوم کے درمیان۔''

فُرْقَانٌ: فُعْلَانٌ کے وزن پر اسم مبالغہ ہے۔ یاد رہے کہ اسمائے مبالغہ بھی اسمائے صفت ہوتے ہیں جن میں مصدری معنی کی زیادتی سمجھی جاتی ہے۔ چنانچہ فرقان بطور مصدر بھی استعمال ہوتا ہے اور بطور اسم صفت بھی۔ بطور صفت اس کا مطلب ہے اَلْفَصْلُ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ۔ حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والی چیز۔ یا اس کی تعریف یوں کی گئی ہے كُلُّ مَا فَرَقَ بِهٖ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ فَهُوَ فُرْقَانٌ۔ ہر وہ چیز جس سے حق و باطل کے درمیان فرق کیا جا سکے، وہ فرقان ہے۔ عربی زبان میں فَرْقٌ کا لفظ عام ہے جو کسی بھی چیز کو الگ الگ کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن فرقان کا لفظ خاص طور پر حق اور باطل کو الگ الگ کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید میں یہ لفظ

(۱) قرآنِ مجید کے لیے آیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۙ﴾ (25/الفرقان:1) ''نہایت متبرک ہے وہ جس نے یہ فرقان اپنے بندے پر نازل کیا تا کہ سارے جہان والوں کے لیے خبردار کر دینے والا ہو۔'' اس آیت کے تحت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''فرقان مصدر ہے مادّہ ف ر ق سے، جس کے معنی ہیں دو چیزوں کو الگ کرنا۔ یا ایک ہی چیز کے اجزاء کا الگ الگ ہونا۔ قرآن مجید کے لیے اس لفظ کا استعمال یا تو فارق کے معنی میں ہوا ہے یا مفروق کے معنی میں، یا پھر اس سے مقصود مبالغہ ہے، یعنی فرق کرنے کے معاملے میں اس کا کمال اتنا بڑھا ہوا ہے کہ گویا وہ خود ہی فرق ہے۔ اگر اسے پہلے اور تیسرے معنی میں لیا جائے تو اس کا صحیح ترجمہ کسوٹی، اور فیصلہ کن چیز، اور معیارِ فیصلہ (Criterion) کے ہوں گے اور اگر دوسرے معنی میں لیا جائے تو اس کا مطلب الگ الگ اجزاء پر مشتمل، اور الگ الگ اوقات میں آنے والے اجزاء پر مشتمل چیز کے ہوں گے قرآن مجید کو ان دونوں ہی اعتبارات سے ''الفرقان'' کہا گیا ہے۔'' (تفہیم القرآن، ج ۳، ص ۴۳۲)۔

(۲) تورات کے لیے آیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ ﴾ (21/الانبیاء:48) ''اور یقیناً ہم نے عطا فرمایا موسیٰؑ اور ہارونؑ کو فرقان۔'' اس آیت میں فرقان سے مراد تورات ہے۔

(۳) یوم بدر کے لیے آیا ہے: ﴿ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ﴾ (8/الانفال:41) ''اگر تم کو یقین ہے اللہ پر اور اُس چیز پر جو ہم نے اتاری اپنے بندے پر فیصلے کے دن جس دن بھڑ گئیں دونوں فوجیں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) اس آیت کے تحت حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''محاورات میں فرقان اُس چیز کے لیے بولا جاتا ہے جو دو چیزوں میں واضح طور پر فرق اور فصل کر دے۔ اسی لیے فیصلہ کو فرقان کہتے ہیں کیونکہ وہ حق اور ناحق میں فرق واضح کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کو بھی فرقان کہا جاتا ہے کیونکہ اُس کے ذریعہ اہل حق کو فتح اور اُن کے مخالف کو شکست ہو کر حق و باطل کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم میں اسی معنی کے لیے غزوۂ بدر کو یوم الفرقان کے نام سے موسوم کیا ہے۔'' (معارف القرآن، ج ۴، ص ۲۱۸)

(۴) معجزات کے لیے آیا ہے: ﴿ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴾ (2/البقرۃ:53) ''اور جب عطا فرمائی ہم نے موسیٰؑ کو کتاب اور فرقان تا کہ تم ہدایت پاؤ۔'' اس آیت میں اکثر بزرگوں نے فرقان سے معجزات مراد لیے ہیں۔ (واللہ اعلم)۔

(۵) باطنی نور اور بصیرت کے لیے آیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا

وَّ یُکَفِّرۡ عَنۡکُمۡ سَیِّاٰتِکُمۡ وَ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ﴾(8/الانفال:29)''اے ایمان والو اگر تم ڈرتے رہو گے اللہ سے تو وہ پیدا کردے گا تم میں حق و باطل میں تمیز کی قوت اور ڈھانپ دے گا تم سے تمہارے گناہ اور بخش دے گا تمہیں۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔اس آیت کے تحت حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں:''فرقان سے مراد اس آیت میں وہ عقل و بصیرت ہے جس کے ذریعہ حق و باطل، کھرے کھوٹے میں امتیاز کرنا سہل ہو جائے۔''(معارف القرآن، ج ۴، ص ۲۱۸)۔

فَرِیۡقٌ فَعِیۡلٌ کا وزن ہے۔(۱) کسی جماعت سے الگ ہونے والا گروہ۔فریق۔﴿وَقَدۡ کَانَ فَرِیۡقٌ مِّنۡھُمۡ یَسۡمَعُوۡنَ کَلٰمَ اللّٰہِ ﴾(2/البقرۃ:75)''اور اس میں سے ایک گروہ ہے جو سنتا ہے اللہ کے کلام کو۔''(۲) کسی چیز کے جزء یا حصے کو بھی فریق کہتے ہیں۔﴿وَلَا تَاۡکُلُوۡۤا اَمۡوَالَکُمۡ بَیۡنَکُمۡ بِالۡبَاطِلِ وَ تُدۡلُوۡا بِھَاۤ اِلَی الۡحُکَّامِ لِتَاۡکُلُوۡا فَرِیۡقًا مِّنۡ اَمۡوَالِ النَّاسِ بِالۡاِثۡمِ وَ اَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴾(2/البقرۃ:188)''اور نہ کھاؤ ایک دوسرے کا مال آپس میں ناجائز طریقے سے اور نہ رسائی حاصل کرو اس مال سے (رشوت دے کر) حاکموں تک تاکہ یوں کھاؤ کچھ حصہ لوگوں کے مال کا ظلم سے حالانکہ تم جانتے ہو (کہ اللہ نے یہ حرام کیا ہے)۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔اس آیت کے تحت پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:''فریق کا معنی گروہ بھی ہے اور کسی چیز کے حصہ اور جزء کو بھی فریق کہتے ہیں۔ یہاں یہی معنی مراد ہے۔''

فِرۡقَۃٌ کسی جماعت سے الگ ہونے والی ٹکڑی۔فرقہ۔﴿فَلَوۡ لَا نَفَرَ مِنۡ کُلِّ فِرۡقَۃٍ مِّنۡھُمۡ طَآئِفَۃٌ لِّیَتَفَقَّھُوۡا فِی الدِّیۡنِ وَ لِیُنۡذِرُوۡا قَوۡمَھُمۡ ﴾(9/التوبہ:122)''اور کیوں نہ نکلا ان سب میں سے ایک گروہ تاکہ وہ سمجھ حاصل کریں دین میں اور تاکہ وہ خبردار کریں اپنی قوم کو۔''نوٹ:فَرِیۡقٌ اور فِرۡقَۃٌ میں فرق یہ ہے کہ فَرِیۡقٌ بڑے گروہ کو کہتے ہیں اور فِرۡقَۃٌ چھوٹے گروہ کو۔(لغات القرآن، ج ۵، ص ۴۵)

فِرۡقٌ اسم ذات ہے۔کسی چیز کا ٹوٹا ہوا ٹکڑا۔﴿فَانۡفَلَقَ فَکَانَ کُلُّ فِرۡقٍ کَالطَّوۡدِ الۡعَظِیۡمِ ﴾(26/الشعراء:63)''پس وہ پھٹا تو ہر ٹکڑا تھا بڑے تودے کی مانند۔''

(تفعیل) **تَفۡرِیۡقًا** (۱) جُدائی ڈالنا۔(۲) الگ الگ کرنا۔(۳) فرق کرنا۔﴿اِنِّیۡ خَشِیۡتُ اَنۡ تَقُوۡلَ فَرَّقۡتَ بَیۡنَ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴾(20/طٰہٰ:94)''مجھے خوف ہوا کہ تو کہے گا کہ تو نے جُدائی ڈالی اسرائیل کے بیٹوں کے درمیان۔''﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَھُمۡ ﴾(6/الانعام:159)''بے شک جن لوگوں نے الگ الگ کیا اپنے دین کو یعنی جُدا جُدا راہیں نکالیں۔''﴿لَا نُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡ رُّسُلِہٖ ﴾(2/البقرۃ:285)''ہم فرق نہیں کرتے اس کے رسولوں میں سے کسی ایک کے مابین۔''

(مفاعلہ) **مُفَارَقَۃً اور فِرَاقًا** ایک دوسرے سے جُدا ہونا اور جدا کرنا۔﴿ھٰذَا فِرَاقُ بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنِکَ ﴾(18/الکہف:78)''یہ جُدا ہونا ہے میرا اور آپ کا۔''

فَارِقۡ ج:فَارِقُوۡا۔فعل امر ہے۔تو جُدا ہو۔﴿فَاَمۡسِکُوۡھُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ فَارِقُوۡھُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ ﴾(65/الطلاق:2)''تو تم لوگ تھامے رہو ان کو بھلائی سے یا تم لوگ جُدا ہو ان سے بھلائی کے ساتھ۔''

(تفعّل) **تَفَرُّقًا** الگ الگ ہونا۔﴿وَ مَا تَفَرَّقُوۡۤا اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَھُمُ الۡعِلۡمُ بَغۡیًۢا بَیۡنَھُمۡ ﴾(42/الشوریٰ:14)''اور وہ الگ الگ نہیں ہوئے مگر اس کے بعد کہ جو علم آیا ان کے پاس، باہم حسد کرتے ہوئے۔''

مُتَفَرِّقٌ ج:مُتَفَرِّقُوۡنَ۔اسم الفاعل ہے۔الگ الگ ہونے والا۔الگ الگ۔﴿وَ ادۡخُلُوۡا مِنۡ اَبۡوَابٍ مُّتَفَرِّقَۃٍ ﴾(12/یوسف:67)''اور تم داخل ہو الگ الگ دروازوں سے۔''﴿یٰصَاحِبَیِ السِّجۡنِ ءَاَرۡبَابٌ مُّتَفَرِّقُوۡنَ خَیۡرٌ اَمِ

اللّٰہُ الۡوَاحِدُ الۡقَہَّارُ ؕ﴿۳۹﴾ ﴾(12/یوسف:39)''اے قید خانے کے میرے دونوں رفیقو! یہ تو بتاؤ کیا بہت سے جدا جدا رب بہتر ہیں یا ایک اللہ جو سب پر غالب ہے۔''

ب ح ر

(ف) بَحۡرًا چیرنا۔ پھاڑنا۔ جیسے زمین کو گہرا کرنا یا اونٹ کا کان چیرنا۔

بَحۡرٌ ج: اَبۡحُرٌ اور بِحَارٌ۔ زمین کا نشیب جہاں پانی جمع ہو۔ سمندر۔ دریا۔ ﴿وَالۡفُلۡکِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ﴾ (2/البقرہ:164)''اور کشتی جو چلتی ہے دریا میں۔'' ﴿مِنۡۢ بَعۡدِہٖ سَبۡعَۃُ اَبۡحُرٍ﴾(31/لقمان:27)''اس کے پیچھے سات سمندر ہوں۔'' ﴿وَاِذَا الۡبِحَارُ فُجِّرَتۡ ۙ﴿۳﴾ ﴾(82/الانفطار:3)''اور جب سمندر بہائے جائیں گے۔''

بَحِیۡرَۃٌ ''جس جانور کا دودھ بتوں کے نام کر دیتے تھے کوئی اپنے کام میں نہ لاتا تھا۔''(تفسیر عثمانی،ص ۱۶۵)۔''اس کا لغوی معنی ہے کان چرا۔ وہ اونٹنی جو پانچ بچے جنتی اور آخری بچہ نر ہوتا تو کان چیر کر اُسے چھوڑ دیتے۔ اس پر سواری کرنا، اس کا گوشت سب اپنے اُوپر حرام خیال کر لیتے۔''(ضیاء القرآن، ج۱،ص ۵۱۵)۔ ﴿وَمَا جَعَلَ اللّٰہُ مِنۡۢ بَحِیۡرَۃٍ﴾ (5/المآئدۃ:103)''اور اللہ نے مقرر نہیں کیا کوئی بھی بحیرہ۔''

اَنۡجَیۡنَا(ن ج و): البقرۃ آیت 49 دیکھیں۔

غ ر ق

(س۔ن) غَرۡقًا اور غَرَقًا پانی کی تہہ میں چلے جانا۔ ڈوب جانا۔ غوطہ لگانا۔ ﴿حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدۡرَکَہُ الۡغَرَقُ ۙ﴾(10/یونس:90)''یہاں تک کہ جب آ لیا اس کو ڈوبنے نے یعنی جب وہ ڈوبنے لگا۔'' ﴿وَالنّٰزِعٰتِ غَرۡقًا ۙ﴿۱﴾ ﴾(79/النازعات:1)''قسم ہے(فرشتوں کی) جو غوطہ لگا کر (جان) کھینچنے والے ہیں۔'' اس آیت کے تحت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں:''غرق اور اغراق کے معنی کسی کام میں پوری قوت خرچ کرنے کے بھی ہیں۔ محاورہ میں کہا جاتا ہے۔ اغرق النّازع فی القوس یعنی کمان کھینچنے والے نے اس کے کھینچنے میں اپنی پوری قوت خرچ کر دی۔''(معارف القرآن، ج۸،ص ۶۶۳)۔ چنانچہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس آیت کا ترجمہ کرتے ہیں:''قسم ہے اُن فرشتوں کی جو (کافروں کی) جان سختی سے نکالتے ہیں۔''

(افعال) اِغۡرَاقًا کسی کو ڈبو دینا۔ ﴿وَ اَغۡرَقۡنَا الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا ؕ﴾ (7/الاعراف:64)''اور ہم نے ڈبو دیا ان لوگوں کو جنہوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو۔''

مُغۡرَقٌ ج: مُغۡرَقُوۡنَ۔ اسم المفعول ہے۔ جس کو ڈبویا جائے۔ ڈبویا ہوا۔ ﴿وَ لَا تُخَاطِبۡنِیۡ فِی الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا ۚ اِنَّہُمۡ مُّغۡرَقُوۡنَ ﴿۳۷﴾ ﴾(11/ھود:37)''اور آپؑ خطاب نہ کریں مجھ سے ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے ظلم کیا یقیناً وہ لوگ ڈبوئے جانے والے ہیں۔''

اٰلُ: البقرۃ آیت 41 دیکھیں۔ فِرۡعَوۡنُ: البقرۃ آیت 49 دیکھیں۔

ن ظ ر

(ن) نَـظَرًا، نَظۡرًا کسی کی طرف نگاہ کر کے اپنی نظر یا فکر کو متحرک کرنا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) کسی طرف محض دیکھنا۔ (۲) صورتحال کو سمجھنے کے لیے دیکھنا۔ (۳) غور و فکر کرنا۔ (۴) دوسرے کے حالات سمجھنے

کے لیے دیکھنا۔ رعایت کرنا۔ (۵) انتظار کرنا۔ عام طور پر انتظار کرنے کا مفہوم باب افتعال میں ہے لیکن ان معنوں میں باب (ن) سے بھی آجاتا ہے۔﴿ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ﴾(9/التوبۃ:127) ''اور جب بھی کوئی صورت اتاری جاتی ہے تو ان میں سے کچھ دیکھتے ہیں کچھ کی طرف۔'' ﴿ قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴾ (27/النمل:27) ''انہوں نے کہا میں دیکھوں گا آیا تو نے سچ کہا یا تو ہے جھوٹ بولنے والوں میں سے۔'' ﴿ اَوَ لَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾(7/الاعراف:185) ''تو کیا ان لوگوں نے غور وفکر نہیں کیا زمین اور آسمانوں کی بادشاہت میں۔'' ﴿ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ﴾ (2/البقرۃ:210) ''کیا وہ اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ آئے اُن کے پاس اللہ کا عذاب چھائے ہوئے بادلوں کی صورت میں اور فرشتے اور اُن کا فیصلہ ہی کر دیا جائے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

اُنْظُرْ ج: اُنْظُرُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو دیکھ۔﴿ فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ﴾(30/الروم:50) ''پس تو غور کر اللہ کی رحمت کے آثار کی طرف کیسے وہ زندہ کرتا ہے زمین کو اس کی موت کے بعد۔'' ﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ﴾ (2/البقرہ:104) ''اور تم لوگ مت کہو راعنا اور کہو آپ رعایت کریں ہماری اور سنو۔'' ﴿ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا ﴾ (57/الحدید:13) ''اور اُس روز کہیں گے منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے اے نیک بختو ذرا ہمارا بھی انتظار کرو۔''

نَاظِرٌ ج: نَاظِرُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ دیکھنے والا۔﴿ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴾ (2/البقرہ:69) ''شوخ ہے اس کا رنگ وہ یعنی گائے خوش کرتی ہے دیکھنے والوں کو۔''

نَاظِرَةٌ اسم الفاعل ہے۔ دیکھنے والی۔﴿ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴾ (27/النمل:35) ''تو میں دیکھنے والی ہوں کہ کس چیز کے ساتھ واپس ہوتے ہیں بھیجے ہوئے لوگ۔''

نَظْرَةٌ اسم ذات ہے۔ ایک نگاہ۔ ایک نظر۔﴿ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ﴾ (37/الصافات:88) ''تو اس نے دیکھا ایک نظر ستاروں کو۔''

(افعال) **اِنْظَارًا** کسی کو مہلت دینا۔﴿ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴾ (7/الاعراف:195) ''پھر تم لوگ داؤ چلاؤ مجھ پر اور مہلت نہ دو مجھ کو۔''

نَظِرَةٌ اسم ذات ہے۔ رعایت۔ مہلت۔﴿ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ﴾(2/البقرہ:280) ''اور اگر وہ ہے تنگی والا تو مہلت ہے آسانی تک۔''

اَنْظِرْ فعل امر ہے۔ تو مہلت دے۔﴿ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴾ (7/الاعراف:14) ''اس نے کہا تو مہلت دے مجھ کو ان لوگوں کو دوبارہ اٹھائے جانے کے دن تک۔''

مُنْظَرٌ ج: مُنْظَرُوْنَ۔ اسم المفعول ہے۔ مہلت دیا ہوا یعنی جس کو مہلت دی گئی۔﴿ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴾ (7/الاعراف:15) ''فرمایا بے شک تو مہلت دیئے ہوئے لوگوں میں سے ہے۔''

(افتعال) **اِنْتِظَارٌ** راہ دیکھنا۔ انتظار کرنا۔﴿ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ﴾ (33/الاحزاب:23) ''تو ان میں ہیں وہ، جنہوں نے پورا کیا اپنی منت کو اور ان میں ہیں وہ، جو راہ دیکھتے ہیں۔''

اِنْتَظِرْ ج: اِنْتَظِرُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو انتظار کر۔ ﴿ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴾ (32/السجدۃ:30) ''پس اے حبیب رخ انور پھیر لیجئے اُن سے اور انتظار فرمایئے وہ بھی منتظر ہیں۔'' ﴿ فَانْتَظِرُوْا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ﴾ (10/یونس:20) ''تو تم لوگ انتظار کرو بے شک میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔''

مُنْتَظِرٌ ج: مُنْتَظِرُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ راہ دیکھنے والا۔ انتظار کرنے والا۔ اوپر آیت (10/یونس:20) دیکھیں۔

ترکیب

'وَ' حرف عطف ہے اور اِذْ ظرف زمان ہے اور اس سے پہلے اُذْكُرُوْا محذوف ہے۔ فَرَقْنَا فعل ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر نَحْنُ ہے۔ بِكُمْ متعلق فعل ہے اور اَلْبَحْرَ مفعول ہے۔ بِكُمْ میں 'بِ' بمعنی 'لِ' ہے یعنی فَرَقْنَا لَكُمْ، مطلب ہے تمہارے لیے یا 'ب' سببیہ ہے یعنی تمہاری وجہ سے۔ 'فَ' حرف عطف ہے۔ اَنْجَیْنَا فعل اور اس میں شامل ضمیر اس کا فاعل ہے اور كُمْ مفعول ہے۔ اسی طرح آگے 'وَ' عطف کا ہے، اَغْرَقْنَآ فعل اور اس میں شامل ضمیر اس کا فاعل اور اٰلَ فِرْعَوْنَ مفعول ہے، اسی لیے اٰلَ حالت نصب میں ہے۔ آگے 'وَ' حالیہ ہے، اَنْتُمْ مبتدا اور جملہ فعلیہ تَنْظُرُوْنَ اس کی خبر۔ یہ جملہ اسمیہ حال ہے فَاَنْجَیْنٰكُمْ میں كُمْ ضمیر کا۔

ترجمہ

البقرۃ:50

فَاَنْجَیْنٰكُمْ	الْبَحْرَ	بِكُمُ	فَرَقْنَا	وَاِذْ
پھر ہم نے نجات دی تم کو	سمندر کو	تمہارے لیے یا تمہاری وجہ سے	ہم نے پھاڑ کر الگ کیا	اور (یاد کرو) جب

اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿٥٠﴾	وَ	اٰلَ فِرْعَوْنَ	وَاَغْرَقْنَآ
تم لوگ دیکھ رہے تھے	اس حال میں کہ	فرعون کے پیروکاروں کو	اور ہم نے ڈبو دیا

آیت:51

﴿ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿٥١﴾ ﴾

نوٹ

گزشتہ آیات میں قرآنی الفاظ اور ان کے مادوں کے حوالے اکٹھے دیے گئے تھے۔ لیکن آیت زیر مطالعہ سے الفاظ کے صرف مادے دیے جائیں گے کیونکہ قرآنِ مجید کے طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ لفظ دیکھ کر اس کے مادے کو پہچانے۔

اِذْ البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔

و ع د

(ض) (ا) وَعْدًا، مَوْعِدًا، مِیْعَادًا وعدہ کرنا۔ ﴿ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٥٢﴾ ﴾ (36/یٰسٓ:52) ''یہ ہے وہ جو وعدہ کیا رحمٰن نے اور سچ کہا بھیجے ہوؤں نے یعنی رسولوں نے۔''

عِدْ فعل امر ہے۔ تو وعدہ کر۔ ﴿ وَشَارِكْهُمْ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ﴾ (17/بنی اسرائیل:64) ''اور تو حصہ دار بن ان کے مال اور اولاد میں اور تو وعدہ کر ان سے۔''

مَوْعُوْدٌ اسم المفعول ہے۔ جس کا وعدہ کیا گیا۔ ﴿ وَالْیَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ﴿٢﴾ ﴾ (85/البروج:2) ''اور جس دن کا وعدہ کیا گیا ہے۔''

وَعْدٌ مصدر کے علاوہ بطور اسم ذات بھی استعمال ہوتا ہے۔ وعدہ۔ ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ (10/یونس:48) ''اور وہ لوگ کہتے ہیں کب ہوگا یہ وعدہ اگر تم لوگ سچے ہو۔''

<u>نوٹ:</u> وعدہ اور عہد میں فرق یہ ہے کہ وعدہ یک طرفہ ہوتا ہے اور عہد اس قول کا نام ہے جو دوطرفہ یعنی فریقین کے درمیان باہمی بات چیت سے طے ہوتا ہے جس پر دونوں کو قائم رہنا ضروری ہوتا ہے۔

مَوْعِدٌ مَفْعِلٌ کا وزن ہے۔ یہ لفظ مندرجہ ذیل معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (1) مصدر میمی بمعنی وعدہ کرنا۔ (2) اسم ظرف بمعنی وعدے کا وقت یا جگہ۔ ﴿ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ ﴾ (20/طٰہٰ:58) ''پس تو مقرر کر ہمارے اور اپنے درمیان وعدے کا وقت جس کے ہم خلاف نہ کریں۔'' ﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ﴾ (11/ھود:17) ''اور جو کفر کرے گا اُس کے ساتھ مختلف گروہوں میں سے تو آتش جہنم ہی اُس کے وعدے کی جگہ ہے۔'' (3) اسم ذات بمعنی وعدہ۔ ﴿ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ﴾ (20/طٰہٰ:97) ''بے شک تیرے لیے ایک اور وعدہ (عذاب) بھی ہے جس کی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔'' ﴿ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ﴾ (9/التوبۃ:114) ''اور نہیں تھا حضرت ابراہیمؑ کا اپنے باپ کے لیے دعائے مغفرت مانگنا مگر صرف اس وعدے کی وجہ سے جس کا وعدہ انہوں نے اپنے باپ سے کیا تھا۔''

مِيْعَادٌ یہ لفظ بھی مصدر کے علاوہ 'وعدہ' اور 'وعدے کا مقرر وقت' کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴾ (3/آل عمران:9) ''بے شک اللہ تعالیٰ نہیں پھرتا اپنے وعدے سے۔'' ﴿ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ﴾ (8/الانفال:42) ''اور اگر تم لڑائی کے لیے وقت مقرر کرتے تو ضرور اختلاف کرتے وقت مقرر کے بارے میں۔'' ﴿ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴾ (34/سبا:30) ''فرمایئے اے منکرو! تمہارے لیے وعدے کا دن مقرر ہے نہ تم اس سے ایک لمحہ پیچھے ہٹ سکو گے اور نہ ایک لمحہ آگے بڑھ سکو گے۔''

(ب) وَعِيْدًا ڈرانا۔ دھمکانا۔ ﴿ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ﴾ (2/البقرۃ:268) ''شیطان تمہیں فقیری سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔'' ﴿ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ (7/الاعراف:70) ''پس تم جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو اسے لے آؤ اگر تم سچوں میں سے ہو۔''

وَعِيْدٌ مصدر کے علاوہ اسم ذات کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ عذاب کا وعدہ۔ دھمکی۔ ڈراوا۔ ﴿ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴾ (50/قٓ:45) ''پس آپؐ یاددہانی کرائیں قرآن کے ذریعے اس کو جو ڈرتا ہے میری دھمکی سے۔'' ﴿ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴾ (50/قٓ:20) ''یہ ہے دن ڈرانے کا۔''

(افعال) اِيْعَادًا کسی کو دھمکی دینا۔ ڈرانا۔ ﴿ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ ﴾ (7/الاعراف:86) ''اور تم لوگ مت بیٹھو ہر ایسے راستے پر جہاں تم لوگ ڈراتے ہو۔''

(مفاعلہ) مُوَاعَدَةً ایک دوسرے سے وعدہ کرنا۔ ﴿ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا ﴾ (2/البقرۃ:235) ''اور لیکن تم لوگ خواتین سے باہمی وعدہ مت کرو خفیہ طور پر۔'' عموماً مفاعلہ میں مشارکہ ہوتا ہے لیکن عربی میں یہ لفظ یک طرفہ وعدے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً ﴿ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً ﴾ (7/الاعراف:142) ''اور ہم نے وعدہ کیا موسیٰ سے تیس رات کا۔''

(تفاعل) تَوَاعُدًا ایک دوسرے سے وعدہ کرنا۔﴿ وَ لَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ﴾(8/الانفال:42)''اور اگر تم لڑائی کے لیے وقت مقرر کرتے تو ضرور اختلاف کرتے وقت مقرر کے بارے میں۔''

ل	ی	ل

(x) x ثلاثی مجرد سے فعل استعمال نہیں ہوتا۔

لَيْلٌ اسم جنس ہے۔اس کی جمع لَيَالٍ اور واحد لَيْلَةٌ ہے۔رات۔﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ ﴾(97/القدر:1)''بیشک ہم نے نازل کیا اس کو قدر کی رات میں۔''﴿ سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا ﴾(17/بنی اسرائیل:1)''پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔''لَيْلٌ پر جب 'ال' داخل ہو تو ایک ل کے ساتھ اَلَّيْلُ لکھا جاتا ہے۔﴿ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ﴾(6/الانعام:76)''پھر جب چھا گئی اُن پر رات تو اُنہوں نے ایک ستارہ دیکھا۔''لَيَالٍ اصل میں لَيَالِيُ ہے جو قاعدے کے مطابق تبدیل ہو کر لَيَالٍ لکھا جاتا ہے۔﴿ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝ ﴾(19/مریم:10)''تیری نشانی ہے کہ تو کلام نہیں کرے گا لوگوں سے تین راتیں مکمل۔''

ء خ ذ: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔

ع	ج	ل

(س) عَجَلًا، عُجْلَةً کسی چیز کو وقت سے پہلے حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔جلد بازی کرنا۔﴿ وَ عَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ۝ ﴾(20/طٰہٰ:84)''اور میں نے جلدی کی تیری طرف اے میرے رب تاکہ تو راضی ہو۔'' ﴿ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ ﴾(75/القیامہ:16)''آپؐ حرکت نہ دیں قرآن کے لیے، اپنی زبان کو تاکہ آپؐ جلدی کریں قرآن پڑھنے میں۔''

عَاجِلَةٌ اسم الفاعل ہے۔واحد مؤنث کا صیغہ۔بطور صفت استعمال ہوتا ہے۔جلدی ملنے والی۔پھر اس مفہوم میں یہ لفظ دنیا اور اس کے ساز و سامان کے لیے استعمال ہوتا ہے۔مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:''عاجلہ کے لغوی معنی ہیں جلدی ملنے والی چیز۔اور اصطلاحاً قرآن مجید اس لفظ کو دنیا کے لیے استعمال کرتا ہے جس کے فائدے اور نتائج اسی زندگی میں حاصل ہو جاتے ہیں۔اس کے مقابلے کی اصطلاح ''آخرت'' ہے جس کے فوائد اور نتائج کو موت کے بعد دوسری زندگی تک مؤخر کر دیا گیا ہے۔''(تفہیم القرآن،ج۲،ص۶۰۷)﴿ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۝ ﴾(75/القیامہ:20)''ہرگز نہیں، بلکہ تم لوگ محبت کرتے ہو دنیا سے۔''

عَجُوْلٌ فَعُوْلٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔بہت جلد باز۔﴿ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ۝ ﴾(17/بنی اسرائیل:11)''اور انسان بڑا جلد باز ہے۔''

عَجَلٌ اسم ذات ہے۔جلدی۔جلد بازی۔﴿ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ﴾(21/الانبیاء:37)''پیدا کیا گیا انسان کو جلد بازی سے۔''یعنی جلد بازی انسان کی جبلت میں ودیعت کی گئی ہے۔

	عِجْلٌ	گائے کا بچھڑا، کیونکہ اس میں بڑی تیزی اور پھرتی پائی جاتی ہے جو بیل بننے کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔﴿ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴾(51/الذریات:26)''پس وہ گیا اپنے گھر والوں کی طرف پھر وہ لایا ایک موٹا بچھڑا۔''
(افعال)	اِعْجَالًا	جلدی کرانا۔ جلدی کرنا۔﴿ وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴾(20/طٰہٰ:83)''اور کس چیز نے جلدی کرائی آپؑ کو اپنی قوم سے اے موسیٰؑ۔''
(تفعیل)	تَعْجِيْلًا	جلدی دینا۔ جلدی کرنا۔﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ﴾(17/بنی اسرائیل:18)''جو لوگ طلب گار ہیں صرف دنیا کے ہم جلدی دے دیتے ہیں اُس دنیا میں جتنا چاہتے ہیں اُن میں سے جسے چاہتے ہیں پھر ہم مقرر کر دیتے ہیں اُس کے لیے جہنم۔''
	عَجِّلْ	فعل امر ہے۔ تو جلدی دے۔ تو جلدی کر۔﴿ وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴾(38/صٓ:16)''اور مذاقاً کہتے ہیں اے ہمارے رب جلدی دے دے ہمارے حصے کا عذاب یوم حساب سے پہلے۔''
(تفعّل)	تَعَجُّلًا	جلدی کرنا۔﴿ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ﴾(2/البقرہ:203)''تو جس نے جلدی کی دو دنوں میں تو کوئی گناہ نہیں ہے اس پر۔''
(استفعال)	اِسْتِعْجَالًا	وقت سے پہلے مانگنا۔ جلدی مچانا۔﴿ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ﴾(42/الشوریٰ:18)''جلدی مچاتے ہیں اس کے لیے یعنی قیامت کے لیے وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے اس پر۔''

ظ ل م: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔

ترکیب

'وَ' عطف کا ہے۔ اِذْ ظرف زمان ہے اور اس سے پہلے اُذْكُرُوْا محذوف ہے۔ وٰعَدْنَا باب مفاعلہ سے ماضی کا جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل نَحْنُ کی ضمیر ہے۔ اس کے دو مفعول ہوتے ہیں کس سے وعدہ کیا اور کیا وعدہ کیا۔ مُوْسٰی اس کا پہلا مفعول ہے اور اَرْبَعِيْنَ دوسرا مفعول ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ جبکہ لَيْلَةً تمیز ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ اَرْبَعِيْنَ کو اگر ظرف مانیں تب یہ متعلق فعل ہوگا یعنی وٰعَدْنَا سے متعلق ہوگا اور معنی ہو جائیں گے ہم نے حضرت موسیٰؑ سے چالیس راتوں میں وعدہ کیا جو کہ صحیح نہیں۔ آگے ثُمَّ حرف عطف ہے اور اِتَّخَذْتُمْ ماضی کا جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے۔ اِتَّخَذَ بھی عموماً دو مفعول کا تقاضہ کرتا ہے۔ کس کو بنایا؟ اور کیا بنایا؟ اس آیت میں اِتَّخَذَ کا پہلا مفعول اَلْعِجْلَ ہے جبکہ دوسرا مفعول اِلٰهًا محذوف ہے۔ مِنْۢ بَعْدِهٖ میں 'ہ' ضمیر حضرت موسیٰؑ کے لیے ہے یعنی 'ان کے جانے کے بعد'۔ آگے 'وَ' حالیہ ہے۔ اَنْتُمْ مبتدا اور ظٰلِمُوْنَ خبر ہے۔ یہ جملہ اسمیہ، حال ہے اِتَّخَذْتُمْ کی ضمیر فاعلی کا۔ (واللہ اعلم)۔

ترجمہ البقرۃ:51

وَاِذْ وٰعَدْنَا	مُوْسٰى	اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً	ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ
اور (یاد کرو) جب ہم نے وعدہ کیا	حضرت موسیٰؑ سے	چالیس راتوں کا	پھر تم نے بنایا

الْعِجْلَ	مِنْۢ بَعْدِهٖ	وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ
بچھڑے کو (معبود)	اس (حضرت موسیٰؑ) کے (جانے کے) بعد	اور تم ظلم کرنے والے تھے

آیت:52

﴿ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾ ﴾

ع ف و

(ن) **عَفَوَا** اس کا بنیادی مفہوم ہے کسی چیز کا نشان مٹا دینا۔ پھر یہ لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے مثلاً (۱) معاف کرنا۔ اپنا حق چھوڑ دینا۔ ﴿ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ﴾ (2/البقرہ:237) ''سوائے اس کے کہ وہ خواتین معاف کر دیں یا وہ معاف کرے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔'' ﴿ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ﴾ (42/الشوریٰ:40) ''اور برائی کا بدلہ اسی جیسی ایک برائی ہے۔ تو جس نے معاف کیا اور اصلاح کی تو اس کا اجر اللہ پر ہے۔''

(۲) جو شخص سزا کا مستحق ہو اسے چھوڑ دینا، اس کے قصور کا بدلہ نہ لینا۔ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا کسی سے درگزر کرتے ہوئے اس کے گناہوں کو مٹا دینا۔ اِن معنوں میں عموماً عَنْ کا صلہ استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ﴾ (2/البقرۃ:187) ''اور اس نے تم سے درگزر کیا۔'' ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ ﴾ (42/الشوریٰ:25) ''اور وہ ہے جو قبول کرتا ہے توبہ کو اپنے بندوں سے اور وہ درگزر کرتا ہے برائیوں سے۔''

(۳) کسی چیز کو بڑھانا۔ زیادہ کرنا۔ اسی معنی میں ارشادِ نبویؐ ہے: قُصُّوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللُّحٰی اپنی مونچھوں کو کترا ؤ اور داڑھیوں کو بڑھاؤ یا زیادہ کرو۔

(۴) بڑھنا۔ زیادہ ہونا۔ (لازم)۔ جو چیز زیادہ اور گھنی ہو جائے تو عربی میں بولتے ہیں عَفَا الشَّیْءُ۔ ﴿ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا ﴾ (7/الاعراف:95) ''پھر ہم نے بدل دیا برائی کی جگہ کو بھلائی سے یہاں تک کہ وہ لوگ زیادہ ہو گئے (مال اور اولاد میں)۔'' اس آیت میں عَفَوْا معنی کَثُرُوْا (زیادہ ہونا) ہے۔

اُعْفُ ج: اُعْفُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو معاف کر یا درگزر کر۔ ﴿ وَاعْفُ عَنَّا ۥ وَاغْفِرْ لَنَا ۥ وَارْحَمْنَا ۥ﴾ (2/البقرہ:286) ''اور تو درگزر فرما ہم سے اور تو بخش دے ہم کو اور تو رحم کر ہم پر۔'' ﴿ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ﴾ (2/البقرۃ:109) ''پس تم معاف کرو اور چھوڑ دو یہاں تک کہ اللہ بھیج دے اپنا حکم۔''

عَافٍ ج: عَافُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ معاف کرنے والا۔ درگزر کرنے والا۔ ﴿ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ﴾ (3/آل عمران:134) ''اور ضبط کرنے والے غصے کو اور درگزر کرنے والے لوگوں سے۔''

عَفُوٌّ فَعُوْلٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ بہت زیادہ معاف کرنے والا۔ یوں معاف کرنے والا کہ گناہ کا نام و نشان تک نہ رہے۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾ ﴾ (4/النساء:43) ''یقیناً اللہ بے انتہا معاف کرنے والا، بے انتہا بخشنے والا ہے۔'' شب قدر میں جو دعا مانگی جاتی ہے اُس میں بھی یہ لفظ آیا ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ۔ اے اللہ بے شک تو بہت معاف کرنے والا ہے اور تو معافی کو پسند کرتا ہے پس تو مجھ سے درگزر کر۔''

عَفْوٌ (۱) معافی۔ درگزر۔ (۲) بڑھی ہوئی یعنی اضافی چیز۔ ضرورت سے زائد چیز۔ ﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ ﴾

(7/الاعراف:199) ''آپؐ پکڑیں یعنی اپنائیں درگزر کو اور ترغیب دیں بھلائی کی۔'' ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ؕ﴾ (2/البقرہ:219) ''اور یہ لوگ پوچھتے ہیں آپؐ سے کہ کتنا خرچ کریں، آپؐ کہیے کہ اضافی چیز کو۔'' اس آیت میں اَلْعَفْوَ سے مراد ہے مَاسَهُلَ وَتَيَسَّرَ وَلَمْ يَشُقَّ عَلَى الْقَلْبِ۔ جو آسان اور سہولت سے ہو اور دل پر گراں نہ گزرے۔

لَعَلَّ: البقرۃ آیت 21 دیکھیں۔

ش ك ر

(ن) شُكْرًا اور شُكُوْرًا: کسی نعمت کا اعتراف کرنا اور احسان ماننا۔ شکر ادا کرنا۔ تین چیزوں کے مجموعے کا نام شکر ادا کرنا ہے۔ ایک یہ کہ آدمی دل سے محسن کے انعامات اور احسانات کا اعتراف کرے۔ دوسرے یہ کہ زبان سے اس کا اقرار کرے اور تیسرے یہ کہ عمل سے اِن انعامات اور احسانات کا ثبوت دے۔ شکر کی ضد کفر ہے۔ کفر جب شکر کے مقابلے میں استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کسی کے انعامات اور احسانات کو چھپا دینا اور بھلا دینا اور اس کا ترجمہ 'ناشکری' سے کیا جاتا ہے۔ اللہ کا شکر ادا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص دل سے اللہ تعالیٰ کے انعامات اور احسانات کا اعتراف کرے، دوسرے یہ کہ زبان سے بھی کلمہ شکر ادا کرے اور تیسرے یہ کہ توحید، اسلام اور ایمان کے تقاضوں کو پورا کرے اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو اللہ ہی کے کاموں میں لگا دے۔ اللہ کی ناشکری کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص نہ تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا اعتراف کرے، نہ زبان سے کلمہ شکر ادا کرے اور ان نعمتوں کو اللہ کی نافرمانی میں صرف کر دے۔ ﴿وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ﴾ (27/النمل:40) ''اور جو شکر ادا کرتا ہے تو بے شک وہ شکر ادا کرتا ہے اپنے آپ ہی کے لیے۔'' ﴿اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ﴾ (34/سبا:13) ''کام کرواے داؤد کے گھر والو احسان مان کر۔'' ﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ۝﴾ (25/الفرقان:62) ''اور وہ وہی تو ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والا بنا دیا اُس شخص کے لیے جو سمجھنا چاہے یا شکر ادا کرنا چاہے۔''

اُشْكُرْ: ج: اُشْكُرُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو احسان مان۔ تو شکر ادا کر۔ ﴿اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ﴾ (31/لقمان:14) ''کہ تو احسان مان میرا اور اپنے والدین کا۔'' ﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۝ ۧ﴾ (2/البقرۃ:152) ''سو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کیا کروں گا اور شکر ادا کرو میرا اور میری ناشکری نہ کیا کرو۔''

شَاكِرٌ: ج: شَاكِرُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ اس کی نسبت جب بندے کی طرف ہو تو مطلب ہوتا ہے شکر ادا کرنے والا اور جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو مطلب ہوتا ہے قدر دان، اعتراف خدمت کرنے والا اور بندے کی تھوڑی سی اطاعت پر بہت زیادہ اجر دینے والا۔ ﴿شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ﴾ (16/النحل:121) ''شکر کرنے والا اس کے احسانوں کا۔'' ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ۝﴾ (2/البقرۃ:158) ''سو اللہ تو بڑا قدر دان ہے بڑا علم رکھنے والا ہے۔'' اس آیت کے تحت صاحبؒ تفسیر ماجدی فرماتے ہیں: ''شکر کا لفظ جب اللہ کے لیے آتا ہے تو اُس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ بندہ کی تھوڑی سی اطاعت پر معاوضہ بہت زائد دیتا ہے۔'' (تفسیر ماجدی، ص ۷۷)۔ ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ۝﴾ (21/الانبیاء:80) ''پھر کیا تم شکر گزار بنو گے۔''

مَشْكُوْرٌ اسم المفعول ہے۔جس کا شکر ادا کیا جائے۔قدر کیا ہوا۔﴿ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴾(17/ بنی اسرائیل:19) ’’پس یہی لوگ ہیں جن کی کوشش کی (اللہ کے ہاں) قدردانی کی جائے گی۔‘‘

شَكُوْرٌ فَعُوْلٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ بے انتہا شکر کرنے والا۔ بڑا قدر دان۔﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴾ (14/ابراہیم:5) ’’بے شک اس میں نشانیاں ہیں بار بار صبر کرنے والے، بے انتہا شکر کرنے والے کے لئے۔‘‘﴿ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴾ (42/الشوریٰ:23)’’بے شک اللہ بے انتہا بخشنے والا بے انتہا قدر کرنے والا ہے۔‘‘

ترکیب ثُمَّ۔حرف عطف ہے۔عَفَوْنَا، ماضی کا جمع متکلم کا صیغہ ہے۔عَنْكُمْ متعلق فعل ہے۔مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ کا اشارہ گوسالہ پرستی کی طرف ہے۔لَعَلَّ حرف مشبہ بالفعل ہے۔اس کا اسم، ضمیر متصل كُمْ ہے اور جملہ فعلیہ تَشْكُرُوْنَ اس کی خبر ہے۔

ترجمہ	ثُمَّ عَفَوْنَا	عَنْكُمْ	مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ	لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾
البقرۃ:52	پھر ہم نے درگزر کیا	تم لوگوں سے	اس کے بعد	تا کہ تم لوگ شکر کرو

آیت:53

﴿ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾ ﴾

اِذْ: البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔	ء ت ی: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔	ك ت ب: البقرۃ آیت 2 دیکھیں۔
ف ر ق: البقرۃ آیت 50 دیکھیں۔	لَعَلَّ: البقرۃ آیت 21 دیکھیں۔	ھ د ی: الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔

ترکیب ’وَ‘ عطف کا ہے۔اِذْ ظرف زمان ہے اور اس سے پہلے اُذْكُرُوْا محذوف ہے۔اٰتَيْنَا ماضی کا جمع متکلم کا صیغہ ہے۔مُوْسٰى اس کا مفعول اوّل ہے اور اَلْكِتٰبَ مفعول ثانی ہے۔اَلْفُرْقَانَ عطف ہے اَلْكِتٰبَ پر۔لَعَلَّ حرف مشبہ بالفعل ہے۔ضمیر متصل، كُمْ اس کا اسم ہے اور جملہ فعلیہ تَهْتَدُوْنَ اس کی خبر ہے۔

ترجمہ	وَاِذْ اٰتَيْنَا	مُوْسٰى	الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ	لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾
البقرۃ:53	اور (یاد کرو) جب ہم نے دی	موسیٰؑ کو	کتاب اور فرقان	تا کہ تم ہدایت پاؤ

نوٹ یہاں کتاب سے مراد تورات ہے اور فرقان کے بارے میں ہمارے بزرگوں کے متعدد اقوال ہیں۔چنانچہ بعض بزرگوں کے نزدیک کتاب اور فرقان کے درمیان ’وَ‘ تفسیری ہے اور فرقان سے مراد تورات ہی ہے۔بعض کے نزدیک اس سے ’’معجزات‘‘ مراد ہیں۔بعض کے نزدیک ’’فتح و غلبہ‘‘ مراد ہے۔بعض کے نزدیک ’’احکام شرعیہ‘‘ یا ’’دین کا علم و فہم‘‘ مراد ہے۔(واللہ اعلم)۔

آیت:54

﴿وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِہٖ یٰقَوۡمِ اِنَّکُمۡ ظَلَمۡتُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ بِاتِّخَاذِکُمُ الۡعِجۡلَ فَتُوۡبُوۡۤا اِلٰی بَارِئِکُمۡ فَاقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ؕ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ عِنۡدَ بَارِئِکُمۡ ؕ فَتَابَ عَلَیۡکُمۡ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ ﴿۵۴﴾﴾

اِذۡ: البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔	ق و ل: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔	ظ ل م: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔
ن ف س: البقرۃ آیت 9 دیکھیں۔	ء خ ذ: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔	ع ج ل: البقرۃ آیت 51 دیکھیں۔
ت و ب: البقرۃ آیت 37 دیکھیں۔		

ب ر ء

(ف) بَرَءًا اس کا بنیادی مفہوم ہے جدا کرنا، چاک کرنا، پھاڑ کر الگ کرنا۔ پھر اس سے مراد لیا جاتا ہے کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا۔ وجود بخشنا۔ پیدا کرنا۔ ﴿مَاۤ اَصَابَ مِنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّبۡرَاَہَا ؕ﴾ (57/الحدید:22) ''نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر اس سے پہلے کہ ہم اُس کو پیدا کریں وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان)

بَارِئٌ اسم الفاعل ہے۔ عدم سے وجود میں لانے والا۔ خالق۔ اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ ﴿ہُوَ اللّٰہُ الۡخَالِقُ الۡبَارِئُ الۡمُصَوِّرُ﴾ (59/الحشر:24) ''وہ اللہ ہی پیدا کرنے والا، وجود بخشنے والا، صورت بنانے والا ہے۔''

بَرِیَّۃٌ اسم ذات ہے۔ وجود دی ہوئی چیز۔ مخلوق۔ فَعِیۡلَۃٌ کے وزن پر بَرِیۡئَۃٌ بھی پڑھتے ہیں اور 'ء' کو 'ی' میں تبدیل کر کے بَرِیَّۃٌ بھی پڑھتے ہیں۔ فَعِیۡلَۃٌ کے وزن پر بمعنی اسم المفعول ہے۔ ﴿اُولٰٓئِکَ ہُمۡ خَیۡرُ الۡبَرِیَّۃِ ؕ﴾ (98/البینۃ:7) ''یہ لوگ ہی سب سے بہتر مخلوق ہیں۔''

(س) بَرَءًا اور بَرَآءَۃً کسی مکروہ یا تکلیف دہ چیز سے نجات حاصل کرنا۔ بیزار ہونا۔

بَرِیۡءٌ ج: بُرَءٰٓؤُا اور بَرِیۡئُوۡنَ۔ بَرَآءَۃٌ سے فَعِیۡلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ بیزار۔ لاتعلق۔ بری الذمہ۔ ﴿وَّ اِنَّنِیۡ بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِکُوۡنَ ﴿ۘ۱۹﴾﴾ (6/الانعام:19) ''اور یقیناً میں بیزار ہوں اس سے جو تم لوگ شرک کرتے ہو۔'' ﴿اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنۡکُمۡ وَ مِمَّا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ﴾ (60/الممتحنۃ:4) ''یقیناً ہم بیزار ہیں تم لوگوں سے اور اس سے جس کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا'' ﴿اَنۡتُمۡ بَرِیۡٓـــُٔوۡنَ مِمَّاۤ اَعۡمَلُ وَ اَنَا بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۴۱﴾﴾ (10/یونس:41) ''تم بری الذمہ ہو اس سے جو میں کرتا ہوں اور میں بری الذمہ ہوں اس سے جو تم کرتے ہو۔'' جب بَرِیۡءٌ بطور صفت استعمال ہو تو وہ واحد، تثنیہ، جمع، مذکر اور مؤنث ہونے میں اپنے موصوف کے مطابق ہوتا ہے۔

بَرَآءٌ بیزار۔ لاتعلق۔ اصل میں مصدر ہے اور بطور صفت بھی استعمال ہوتا ہے۔ جب بطور صفت استعمال ہو تو واحد، تثنیہ، جمع، مذکر اور مؤنث سب کے لیے اسی طرح استعمال ہوتا ہے۔ ﴿اِنَّنِیۡ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعۡبُدُوۡنَ ﴿ۙ۲۶﴾﴾ (43/الزخرف:26) ''یقیناً میں بیزار ہوں اس سے جس کی تم لوگ عبادت کرتے ہو۔''

بَرَاءَۃٌ اسم ذات بھی ہے۔(۱) بیزاری۔قطع تعلق۔﴿ بَرَآءَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖٓ اِلَی الَّذِیْنَ عٰھَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝۱ ﴾ (9/التوبہ:1)''(یہ اعلانِ) بیزاری ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے ان لوگوں سے جن سے تم لوگوں نے معاہدہ کیا مشرکوں میں سے۔''(۲) معافی۔چھٹکارا۔﴿ اَمْ لَکُمْ بَرَآءَۃٌ فِی الزُّبُرِ ۝۴۳ ﴾(54/القمر:43)''یا آسمانی کتابوں میں تمہارے لیے کوئی مُعافی لکھی ہوئی ہے؟''(ترجمہ تفہیم القرآن)۔''یا تمہارے لیے اگلی کتابوں میں چھٹکارا لکھا ہوا ہے۔''(ترجمہ احسن البیان)

(افعال) اِبْرَاءً بیماری سے نجات دینا۔شفا دینا۔﴿ وَاُبْرِیُٔ الْاَکْمَہَ وَالْاَبْرَصَ ﴾(3/آل عمران:49)''اور میں شفا دیتا ہوں اندھے اور کوڑھی کو۔''

(تفعیل) تَبْرِئَۃً ، تَبْرِیَۃً اس کا مصدر تَفْعِلَۃٌ کے وزن پر تَبْرِئَۃٌ بھی پڑھا جاتا ہے اور تَبْرِیَۃٌ بھی۔الزام سے نجات دینا۔بری الذمہ قرار دینا۔﴿ فَبَرَّاَہُ اللّٰہُ مِمَّا قَالُوْا ؕ ﴾(33/الاحزاب:69)''تو بری قرار دیا انؑ کو اللہ نے اس سے جو ان لوگوں نے کہا۔''

مُبَرَّءٌ ج: مُبَرَّءُوْنَ۔اسم المفعول ہے۔بری کیا ہوا۔﴿ اُولٰٓئِکَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ ؕ ﴾(24/النور:26)''یہ لوگ بری کیے ہوئے ہیں اس سے جو وہ لوگ کہتے ہیں۔''

(تفعّل) تَبَرُّءًا مکروہ چیز سے خود بیزار ہو جانا۔اعلان براءت کرنا۔بیزاری کا اظہار کرنا۔﴿ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَہٗٓ اَنَّہٗ عَدُوٌّ لِّلّٰہِ تَبَرَّاَ مِنْہُ ؕ ﴾(9/التوبہ:114)''پھر جب واضح ہوا انؑ پر کہ یقیناً وہ یعنی آذر دشمن ہے اللہ کا تو انہوں نے اعلان براءت کیا اس سے۔''

ق ت ل

(ن) قَتْلًا کسی کو قتل کرنا۔یہ یک طرفہ عمل ہے۔﴿ وَمَا قَتَلُوْہُ یَقِیْنًا ۝۱۵۷ ﴾(4/النساء:157)''اور ان لوگوں نے یعنی یہودیوں نے یقیناً قتل نہیں کیا انؑ کو یعنی عیسیٰؑ کو۔''

اُقْتُلْ ج: اُقْتُلُوْا۔فعل امر ہے۔تو قتل کر۔﴿ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْھُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِکِیْنَ ﴾(9/التوبہ:5)''پس جب نکل جائیں حرمت والے مہینے تو تم لوگ قتل کرو مشرکوں کو۔''اور آیت زیر مطالعہ۔

قَتْلٌ اسم ذات بھی ہے۔قتل۔﴿ وَالْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ ﴾(2/البقرہ:191)''اور فتنہ زیادہ شدید ہے قتل سے۔''

قُتِلَ ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔وہ قتل کیا گیا۔﴿ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا ﴾(17/بنی اسرائیل:33)''اور جو قتل کیا گیا ناحق۔''یہ بددعائیہ جملہ بھی ہے۔لیکن کلام الٰہی میں اس سے مراد ہوتا ہے کہ اللہ نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا۔﴿ فَقُتِلَ کَیْفَ قَدَّرَ ۝۱۹ ﴾(74/المدثر:19)''ہلاک ہو کیسی بات تجویز کی۔''﴿ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝۴ ﴾(85/البروج:4)''ہلاک ہوں کھائی کھودنے والے۔''

قَتِیْلٌ ج: قَتْلٰی۔فَعِیْلٌ کے وزن پر اسم المفعول کے معنی میں مقتول مراد ہے۔﴿ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی ؕ ﴾(2/البقرۃ:178)''اے ایمان والو فرض کر دیا گیا ہے تم پر مقتولوں کا قصاص (لینا)۔''

تَقْتِیْلًا کثرت اور شدت سے قتل کرنا۔﴿ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَھُمْ ﴾(7/الاعراف:127)''ہم قتل کرتے رہیں گے ان کے بیٹوں کو۔''

(مفاعلہ) مُقَاتَلَۃً اور قِتَالًا ایک دوسرے کو قتل کرنا۔جنگ کرنا۔لڑائی کرنا۔اس فعل کی نسبت اگر اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو بددعا کا مفہوم ہوتا ہے یعنی

ہلاک کرے۔﴿ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ۭ﴾(57/الحدید:10)''برابر نہیں ہے تم لوگوں میں سے وہ جس نے خرچ کیا فتح سے پہلے اور قتال کیا۔ وہ لوگ زیادہ عظیم ہیں بلحاظ درجے کے، ان لوگوں سے جنہوں نے خرچ کیا بعد میں اور قتال کیا۔''﴿ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۡ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ؀﴾(9/التوبہ:30)''ہلاک کرے ان کو اللہ، کدھر بہکے جا رہے ہیں۔''

قَاتِلْ ج: قَاتِلُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو جنگ کر۔ تو قتال کر۔ ﴿ فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ ﴾(4/النساء:84)''پس آپ قتال کیجیے اللہ کی راہ میں۔''﴿ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾(2/البقرہ:190)''اور تم لوگ قتال کرو اللہ کی راہ میں۔''

(افتعال) **اِقْتِتَالًا** اہتمام سے لڑنا۔ آپس میں لڑنا۔﴿ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۣ﴾(2/البقرہ:253)''اور اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ آپس میں نہ لڑتے۔''

خ ی ر

(ض) **خَيْرًا** فائدہ مند ہونا۔ صاحبِ خیر ہونا۔

خِيَرًا، خِيَرَةً پسند کرنا۔ انتخاب کرنا۔ فضیلت دینا۔

خَيْرٌ مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ وہ چیز جو سب کو پسندیدہ ہو۔ (۱) عربی زبان میں یہ لفظ ہر بھلائی، نیکی، خیر اور نیک کام پر بولا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ﴾(2/البقرہ:110)''اور جو نیکی بھی تم آگے بھیجو گے اپنے لیے تو تم پاؤ گے اس کو (یعنی اس کا اجر) اللہ کے ہاں۔''﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ ﴾(3/آل عمران:104)''اور ضرور ہونی چاہیے تم میں ایک ایسی جماعت جو نیکی کی طرف بلائے۔'' (۲) مال و دولت۔ عرب مال کو بھی خیر سے تعبیر کرتے تھے گویا مال بھلائی ہی بھلائی ہے۔﴿ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝۸ۭ﴾(100/العٰدیٰت:8)''اور یقیناً وہ مال کی محبت میں شدید ہے۔''﴿ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ ﴾(2/البقرۃ:215)''آپ فرمائیے جو کچھ خرچ کرو اپنے مال سے تو اس کے مستحق تمہارے ماں باپ ہیں۔''

خَيْرٌ اس مادہ کا افعل التفضیل اَخْيَرُ بہت کم استعمال ہوتا ہے۔ اس کے بجائے زیادہ تر خَيْرٌ استعمال ہوتا ہے اور قرآن مجید میں بھی خَيْرٌ استعمال ہوا ہے۔ اَخْيَرُ کہیں نہیں آیا۔ بہتر یا سب سے بہتر۔ ﴿ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ ﴾(7/الاعراف:12)''میں بہتر ہوں اس سے۔''﴿ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَھُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ۝۱۵۰﴾(3/آل عمران:150)''بلکہ اللہ تمہارا مولیٰ ہے اور وہ سب سے بہتر مدد کرنے والا ہے۔'' خَيْرٌ کا استعمال جب افعل التفضیل کے معنی میں ہو تو اس کی جمع نہیں آتی۔ (لغات القرآن، ج۲ص ۳۲۹)

خَيْرَاتٌ یہ خَيْرَةٌ کی جمع سالم ہے۔ بھلائیاں۔ نیکیاں۔ نیک عورتیں۔ بہترین اخلاق والی عورتیں۔﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ﴾(21/الانبیاء:90)''بیشک وہ لوگ جلدی کیا کرتے تھے نیکیوں میں۔''﴿ فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ۝۷۰ۚ﴾(55/الرحمٰن:70)''اُن میں نیک سیرت، خوبصورت عورتیں ہیں۔''

اَخْيَارٌ خَيْرٌ کی اَفْعَالٌ کے وزن پر جمع مکسر ہے۔ بہت خیر والے۔﴿ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ۝۴۸ۭ﴾(38/صٓ:48)''اور یاد کرو اسمٰعیلؑ کو اور یَسَعؑ کو اور ذوالکفل کو، وہ سب بہت خیر والوں میں سے تھے۔''

خِیَرَۃٌ مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ اختیار۔ ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ﴾ (33/الاحزاب:36) ''نہیں ہے کسی مومن مرد کے لیے اور نہ ہی کسی مومن عورت کے لیے، جب فیصلہ کرے اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا، کہ ہو ان کے لیے پسند کرنے کا اختیار اپنے کام میں۔''

(تفعّل) تَخَيُّرًا کسی چیز کو اپنے لیے پسند کرنا۔ ﴿وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ۝ ﴾ (56/الواقعۃ:20) ''اور پھل، اس میں سے جو وہ لوگ پسند کریں۔''

(افتعال) اِخْتِيَارًا چن لینا۔ منتخب کرنا۔ ﴿وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا﴾ (7/الاعراف:155) ''اور چن لیے حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم سے ستر مرد۔''

عِنْدَ یہ ظرف ہے اور قرب کے معنی دیتا ہے۔ پھر کبھی تو بطور ظرف مکان، قربِ مکانی کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ﴾ (27/النمل:40) ''پھر جب حضرت سلیمانؑ نے اسے اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا۔'' یا فرمایا: ﴿عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝ ﴾ (53/النجم:15) ''اس کے قریب جنۃ الماویٰ ہے۔'' اور کبھی بطور ظرف زمان، قرب زمانی کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے مثلاً عِنْدَ الصُّبْحِ۔ صبح کے قریب یا عِنْدَ طلوعِ الشمسِ سورج نکلنے کے قریب۔ اور کبھی معنوی طور پر قرب ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ﴾ (27/النمل:40) ''اس شخص نے کہا جس کے پاس کتاب میں سے علم تھا۔'' یا فرمایا: ﴿بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ ﴾ (3/آل عمران:169) ''بلکہ وہ لوگ اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے۔'' اس پر حرف جر میں سے صرف مِنْ آتا ہے جو مزید تاکید کا مفہوم پیدا کرتا ہے اور کوئی حرف نہیں آتا۔ جیسے فرمایا: ﴿فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ﴾ (4/النساء:81) ''پھر جب باہر نکلتے ہیں آپؐ کے پاس سے۔'' (واللہ اعلم)۔

ت و ب: البقرۃ آیت 37 دیکھیں۔ ر ح م: آیت بسم اللہ دیکھیں۔

ترکیب 'وَ' عطف کا ہے۔ اِذْ ظرف زمان ہے اور اس سے پہلے اُذْكُرُوْا محذوف ہے۔ قَالَ کا فاعل مُوْسٰى ہے اور لِقَوْمِهٖ متعلق فعل ہے۔ يٰا قَوْمِ میں میم کی کسرہ بتا رہی ہے کہ اس کا مضاف الیہ یائے متکلم محذوف ہے۔ یعنی یہ فقرہ دراصل يَا قَوْمِيْ ہے۔ اِنَّ کا اسم كُمْ ہے اور ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ جملہ فعلیہ اِنَّ کی خبر ہے۔ بِاتِّخَاذِ میں 'بِ' سببیہ ہے اور اِتِّخَاذِ مصدر ہے اور مضاف ہونے کی وجہ سے لام تعریف اور تنوین سے خالی ہے۔ كُمْ اس کا مضاف الیہ ہے۔ یہاں پر مصدر، فعل کا کام کر رہا ہے اس لیے اِتِّخَاذِ کا مفعول اوّل اَلْعِجْلَ ہے اور اس کا مفعول ثانی اِلٰهًا محذوف ہے۔ فَتُوْبُوْٓا میں 'فَ' استئنافیہ ہے اور تُوْبُوْا فعل امر ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے۔ اِلٰى بَارِئِكُمْ متعلق فعل ہے۔ تَابَ کے ساتھ جب اِلٰى کا صلہ آئے تو مطلب ہوتا ہے بندے کا اپنی غلطی پر پشیمان ہو کر اللہ کی طرف رجوع کرنا یعنی توبہ کرنا۔ آگے فَاقْتُلُوْٓا میں 'فَ' عطف کا ہے۔ اور اُقْتُلُوْا، تُوْبُوْا پر عطف ہے۔ اَنْفُسَكُمْ اس کا مفعول ہے۔ ذٰلِكُمْ مبتدا ہے، خَيْرٌ خبر اور لَكُمْ متعلق خبر ہے۔ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ظرف ہے آگے فَتَابَ عَلَيْكُمْ سے پہلے ''فَفَعَلْتُمْ مَا اَمَرَكُمْ بِهٖ مُوْسٰى'' محذوف ہے۔ تَابَ کا فاعل اس میں شامل هُوَ کی ضمیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ عَلَيْكُمْ متعلق فعل ہے۔ تَابَ کے ساتھ جب عَلٰى کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے اللہ کا اپنی رحمت کے ساتھ بندے کی طرف رجوع کرنا یعنی توبہ قبول کرنا۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے۔ اس سے متصل ضمیر اس کا اسم ہے۔ هُوَ ضمیر فاصل ہے اور تاکید کے لیے ہے اور اَلتَّوَّابُ اور اَلرَّحِيْمُ اس کی خبریں ہیں۔

ظَلَمْتُمْ	اِنَّكُمْ	يٰقَوْمِ	لِقَوْمِهٖ	وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى	ترجمہ
ظلم کیا	بے شک تم نے	اے میری قوم	اپنی قوم سے	اور (یاد کرو) جب کہا موسیٰؑ نے	البقرۃ:54

اَنۡفُسَکُمۡ	بِاتِّخَاذِکُمُ	الۡعِجۡلَ	فَتُوۡبُوۡۤا	اِلٰی بَارِئِکُمۡ
اپنے آپ پر	بسبب تمہارے بنانے کے	بچھڑے کو (معبود)	پس تم توبہ کرو	اپنے خالق سے

فَاقۡتُلُوۡۤا	اَنۡفُسَکُمۡ ؕ	ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ	لَّکُمۡ	عِنۡدَ بَارِئِکُمۡ ؕ
اور تم قتل کرو	اپنوں کو (یعنی جنہوں نے شرک کیا)	یہ بہتر ہے	تمہارے لیے	تمہارے خالق کے نزدیک

فَتَابَ عَلَیۡکُمۡ ؕ	اِنَّہٗ	هُوَ التَّوَّابُ	الرَّحِیۡمُ ﴿۵۴﴾
پس اس (اللہ) نے تمہاری توبہ قبول کی	یقیناً وہ	بہت ہی توبہ قبول کرنے والا	انتہائی رحم کرنے والا ہے

نوٹ: 1 آیت میں قوم سے مراد خاص وہ لوگ ہیں جنہوں نے بچھڑے کو سجدہ کیا اور فَاقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ سے یہ مراد نہیں کہ ہر شخص نے خود اپنی گردن پر تلوار چلادے۔ دراصل حکم یہ تھا کہ ہر قبیلہ کے ایسے افراد جنہوں نے بچھڑے کی پرستش میں حصہ نہیں لیا تھا، اپنے قبیلہ کے ان لوگوں کو قتل کریں جنہوں نے اس کی پرستش کی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ باپ نے بیٹے کو، بیٹے نے باپ کو اور بھائی نے بھائی کو قتل کیا۔ اس صورتحال کو اپنے آپ کو قتل کرنا کہا گیا ہے۔

نوٹ: 2 بنواسرائیل نے جب توبہ کر لی یعنی اپنے مجرموں کو قتل کر دیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔ یہاں پر کچھ لوگوں کے ذہن میں یہ اُلجھن پیدا ہوتی ہے کہ مجرموں کو تو ان کے جرم کی سزا دی گئی پھر توبہ کہاں قبول ہوئی۔

اس ضمن میں پہلی بات یہ سمجھ لیں کہ توبہ کی قبولیت کا تعلق آخرت کی سزا سے ہے۔ اگر توبہ کرنے کے باوجود کسی کو اپنے گناہ کی سزا دنیا میں ملتی ہے تو یہ اس کے گناہ کا کفارہ ہے۔ اور ایسی صورت میں توبہ کی قبولیت یعنی آخرت کی سزا سے بچنے کا امکان بہت بڑھ جاتا ہے۔ اگر کسی کی توبہ کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ آخرت کی سزا کے ساتھ اس کی دنیا کی سزا بھی معاف کر دے تو یہ اضافی رحمت یعنی اس کا فضل ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کچھ جرائم کی نوعیت ایسی ہوتی ہے کہ توبہ کرنے سے دنیا کی سزا ساقط نہیں ہوتی۔ مثلاً قتل عمد کا مجرم اگر توبہ کر لے تب بھی پھانسی کی سزا برقرار رہے گی اِلّا یہ کہ مقتول کے ورثاء معاف کر دیں یا ثبوت زنا بالشہادۃ پر رجم۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ لوگوں نے اپنے جرم کا اعتراف کیا اور درخواست کی کہ انہیں رجم کی سزا دی جائے تا کہ ان کی توبہ کی قبولیت اور آخرت کی سزا سے بچنے کی صورت پیدا ہو۔

آیت: 55

﴿وَاِذۡ قُلۡتُمۡ یٰمُوۡسٰی لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰهَ جَهۡرَةً فَاَخَذَتۡکُمُ الصّٰعِقَةُ وَ اَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ ﴿۵۵﴾﴾

اِذۡ: البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔ ق و ل: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔

حَتّٰی یہ لفظ کسی چیز کی انتہا اور غایت بتلانے کے لیے آتا ہے۔ یہ صرف اسم یا فعل پر داخل ہوتا ہے، کسی ضمیر پر داخل نہیں ہوتا۔ یہ تین طرح سے استعمال ہوتا ہے۔ (ا) بطور حرف جر۔ (تک۔ Till)۔ اسم کو جر دیتا ہے (عامل)۔ عربی میں کہتے ہیں اَکَلۡتُ السَّمَکَةَ حَتّٰی رَاۡسِهَا (میں نے مچھلی کو اس کے سر تک کھایا یعنی سر نہیں کھایا)۔ قرآنِ مجید میں فرمایا ﴿حَتّٰی حِیۡنٍ﴾ (12/یوسف:35) ''کچھ سالوں تک۔'' ﴿حَتّٰی مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ ﴿۵﴾﴾ (97/القدر:5) ''فجر کے طلوع ہونے تک۔''

(۲) بطور ناصب مضارع۔ (یہاں تک کہ۔ تا کہ)۔ مضارع پر داخل ہو تو مضارع کو نصب دیتا ہے (عامل)۔ عربی میں کہتے ہیں لَنْ اَجْلِسَ حَتّٰی یَأْذَنَ الْمُعَلِّمُ۔ میں نہیں بیٹھوں گا یہاں تک کہ استاد اجازت دے۔ قرآنِ مجید میں فرمایا:﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ﴾(3/آل عمران:92)''تم ہرگز بھلائی نہ پاؤ گے جب تک تم اپنی پسندیدہ چیز میں سے خرچ نہیں کرو گے۔'' یا فرمایا:﴿ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰهِ ﴾(2/البقرۃ:214)''چھوا ان کو سختی اور مصیبت نے اور وہ ہلا دیے گئے یہاں تک کہ (وقت کے) رسول اور جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے کہہ اٹھے کب آئے گی اللہ کی مدد۔''

(۳) بطور حرفِ عطف (یہاں تک کہ)۔ غیر عامل ہے۔ اَكَلْتُ السَّمَكَةَ حَتّٰی رَاْسَهَا (میں نے مچھلی کھائی یہاں تک کہ اس کا سر بھی کھا گیا)۔ یہاں ماقبل کا نصب مابعد کو بھی آ گیا ہے۔ لغات القرآن کے مطابق قرآنِ مجید میں حتّٰی بطورِ عطف استعمال نہیں ہوا۔ (واللّٰہ اعلم)۔

ر	ء	ی

(ف) رُؤْيَةً اور رَاٰيَا

اس کا ماضی رَاٰی اور مضارع میں ہمزہ کو حذف کر کے یَرٰی استعمال ہوتا ہے۔ اس کا معنی ہے کسی چیز کا ادراک کرنا۔ دیکھنا۔ خواہ آنکھوں سے دیکھنا ہو، عقل و بصیرت سے دیکھنا ہو یا خواب میں دیکھنا ہو۔ دیکھنے کے لیے یہ لفظ عام ہے۔ پھر یہ لفظ خیال کرنا یا غور و فکر کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ ظاہری آنکھوں سے دیکھنے کے لیے فرمایا: ﴿ فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ﴾(6/الانعام:76)''پھر جب چھا گئی انؑ پر رات تو انہوں نے دیکھا ایک تارا۔''﴿ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ اُخْرٰی كَافِرَةٌ یَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَیْهِمْ رَاْیَ الْعَیْنِ ﴾(3/آل عمران:13) ''ایک گروہ لڑتا تھا اللہ کی راہ میں اور دوسرا کافر تھا۔ دیکھ رہے تھے (مسلمان) انہیں اپنے سے دو چند (اپنی) آنکھوں سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ عقل و بصیرت سے دیکھنے کے لیے فرمایا:﴿ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ﴾(53/النجم:11) ''جھوٹ نہیں کہا رسولؐ کے دل نے جو دیکھا۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ یہاں رویت بمعنی عقل و بصیرت سے دیکھنا ہے۔ خواب میں دیکھنے کے لیے فرمایا:﴿ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ﴾(37/الصافات:102)''بے شک میں دیکھتا ہوں نیند میں کہ میں ذبح کرتا ہوں تجھ کو پس تو دیکھ کہ تو کیا خیال کرتا ہے۔'' خیال کرنے یا تصور کرنے کے لیے فرمایا:﴿ وَ لَوْ یَرَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اِذْ یَرَوْنَ الْعَذَابَ ﴾(2/البقرہ:165)''اور کاش تصور کریں وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا (اس وقت کا) جب وہ لوگ دیکھیں گے عذاب کو۔'' جب اس کے ساتھ ہمزہ استفہام ہو، جیسے اَرَاَیْتَ (کیا تو نے دیکھا) یا اَرَاَیْتُمْ (کیا تم نے دیکھا) تو اس سے مراد لی جاتی ہے 'کسی کی حالت پر غور کرنا'، 'یا کسی چیز کو جاننا' یا پھر یہ اَخْبِرْنِیْ (تو مجھے بتا) یا اَخْبِرُوْنِیْ (تم مجھے بتاؤ) کے قائم مقام ہوتا ہے۔ مثلاً:﴿ اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ﴾(25/الفرقان:43)''کیا آپؐ نے اس کی بھی حالت دیکھی ہے جس نے اپنی خواہشوں کو اپنا خدا بنا رکھا ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔﴿ اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُكَذِّبُ بِالدِّیْنِ ۝ ﴾(107/الماعون:1)''کیا آپؐ نے دیکھا اُس کو جو (روزِ) جزا کو جھٹلاتا ہے۔'' یعنی کیا آپؐ نے جانا اور پہچانا اُس شخص کو جو روزِ جزا کو نہیں مانتا۔﴿ اَفَرَءَیْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِیْنَ ۝ ﴾(26/الشعراء:205)''ذرا بتلا اگر ہم انہیں چند سال تک عیش میں رہنے دیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔﴿ قَالَ اَفَرَءَیْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۝ ﴾(26/الشعراء:75)''حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کیا تم نے دیکھا یا کیا تم نے ان کی حالت پر غور کیا جنہیں تم پوجتے ہو۔''﴿ اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ۝ ﴾(56/الواقعۃ:58)''اچھا یہ تو بتاؤ کہ تم جو منی پہنچاتے ہو۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ کبھی اس کے آگے کاف خطاب بھی لگا دیا جاتا ہے یعنی اَرَاَیْتَكَ یا اَرَاَیْتَكُمْ۔ ایسی

صورت میں 'ت' تبدیل نہیں ہوتی بلکہ کاف خطاب حسب مقام تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ﴿ قَالَ اَرَءَیْتَكَ هٰذَا الَّذِیْ كَرَّمْتَ عَلَیَّ ﴾ (17/بنی اسرائیل:62) ''اس نے کہا مجھے بتا یہ (آدم) جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ قُلْ اَرَءَیْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ ﴾ (6/الانعام:40) ''آپؐ کہیے کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آپڑے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ جب اس کے ساتھ اِلٰی کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کسی چیز کی حالت پر غور کر کے اسے سمجھنا اور اس سے عبرت حاصل کرنا۔ ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ ﴾ (25/الفرقان:45) ''کیا آپؐ نے اپنے رب (کی قدرت) کی طرف نظر نہیں کی۔'' (نوٹ: مادہ رء ی کی املاء اور استعمال کے متعلق کچھ ضروری باتیں آگے نوٹ میں دیکھیں)

رأْیٌ اسم ذات بھی ہے۔ رائے۔ خیال۔ ﴿ وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ﴾ (11/ھود:27) ''اور ہم تو بس یہی دیکھتے ہیں کہ تمہارے پیرو وہی ہوئے ہیں جو ہم میں سے بالکل رذیل ہیں (اور وہ بھی) سرسری رائے سے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ بَادِیُ الرَّأْیِ۔ ابتدائی رائے یا ظاہری، سرسری رائے۔

رُؤْیَا اسم ذات ہے۔ یہ فُعْلٰی کا وزن ہے۔ اس لیے مبنی کی طرح استعمال ہوتا ہے۔ کبھی 'ء' کو حذف کر کے واؤ کے ساتھ رُوْیَا بھی کہہ دیتے ہیں۔ اس کا عام اور مشہور معنی ''خواب'' ہے۔ مثلاً فرمایا: ﴿ لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ عَلٰۤى اِخْوَتِكَ ﴾ (12/یوسف:5) ''تو مت بیان کر اپنے خواب کو اپنے بھائیوں سے۔'' اور حدیث مبارک میں فرمایا: لَمْ یَبْقَ مِنْ مُبَشِّرَاتِ النُّبُوَّةِ اِلَّا الرُّؤْیَا۔ یعنی مبشرات نبوت میں سے صرف خواب رہ گئے ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ عربی زبان میں رُؤْیَا مصدر بمعنی ''حالت بیداری میں دیکھنا'' اور اسم ذات بمعنی ''نظارہ، منظر'' بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ ان معنوں میں قرآن مجید میں فرمایا: ﴿ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْۤ اَرَیْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ ﴾ (17/بنی اسرائیل:60) ''اور وہ دکھلاوا جو تجھ کو دکھلایا ہم نے سو جانچنے کو لوگوں کے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ''ہم نے واقعہ معراج میں جو تماشا (بحالتِ بیداری) آپؐ کو دکھلایا تھا.....'' (ترجمہ حضرت تھانویؒ)۔ ''اور ہم نے جو منظر آپؐ کو دکھلایا تھا اسے ہم نے لوگوں کی آزمائش کا سبب بنا دیا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ''صاحبؒ ضیاء القرآن اِس آیت میں الرُّءْیَا کا ترجمہ ''نظارہ'' کرتے ہیں اور حاشیے میں فرماتے ہیں: ''اس آیت میں رؤیا کا لفظ خواب کے معنی میں مستعمل نہیں بلکہ عالم بیداری میں دیکھنے کے لیے مستعمل ہے حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے المراد برؤیا ھھنا رؤیا عین یہاں رؤیا سے مراد عالمِ بیداری میں دیکھنا ہے۔ سعید بن جبیر، حسن، مسروق، قتادہ، مجاہد، عکرمہ، ابن جریر اور ان کے علاوہ کثیر التعداد علماء تفسیر کی یہی رائے ہے اور اہل عرب کہتے ہیں رأیت بعینی رویۃً و رؤیا (مظہریؒ)۔'' (ضیاء القرآن، ج۲، ص۶۶۸)

رِءْیٌ اسم ذات ہے۔ ''وہ دلکش حالت اور ظاہری لباس جو آنکھوں سے دکھائی دے۔'' (ضیاء القرآن، ج۳، ص۹۴)۔ نمود و نمائش۔ ظاہری سج دھج۔ یہ رُؤْیَةٌ سے مشتق ہے۔ ﴿ وَ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّ رِءْیًا ﴾ (19/مریم:74) ''اور کتنی قومیں اُن سے پہلے تھیں جن کو ہم نے برباد کر دیا، وہ ساز وسامان اور ظاہری سج دھج میں ان سے بہتر تھیں۔''

(افعال) اِرَاءَةً اور اِرَاءً اس کا ماضی۔ مضارع اَرٰی۔ یُرِیْ استعمال ہوتا ہے۔ دکھانا۔ سمجھانا۔ اس کے عموماً دو مفعول ہوتے ہیں یعنی کس کو دکھایا اور کیا دکھایا اور دونوں بغیر صلے کے آتے ہیں۔ ﴿ وَ كَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ﴾ (6/الانعام:75) ''اور اس طرح ہم نے دکھائی ابراہیمؑ کو زمین اور آسمانوں کی بادشاہت۔'' ﴿ قَالَ فِرْعَوْنُ مَاۤ اُرِیْكُمْ اِلَّا

مَآ اَرٰی ﴾(40/مومن:29) ''بولا فرعون میں تو وہی بات سمجھاتا ہوں تم کو جو سوجھی مجھ کو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

اَرِ — ج: اَرُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو دکھا۔ تو سمجھا۔ ﴿وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا﴾ (2/البقرہ:128) ''اور تو دکھا اور سمجھا ہم کو ہماری عبادت کے طریقے۔'' ﴿هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ﴾ (31/لقمان:11) ''یہ سب کچھ بنایا ہوا ہے اللہ کا اب دکھلاؤ مجھ کو کیا بنایا ہے اوروں نے جو اُس کے سوا ہیں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

(مفاعلہ) رِئَاءً اور رِیَاءً — اس کا ماضی۔ مضارع رَاءٰی۔ یُرٰءِیْ استعمال ہوتا ہے۔ حقیقت کے خلاف دکھانا۔ دکھاوا کرنا۔ ریاکاری کرنا۔ ﴿يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۟ۙ﴾ (4/النساء:142) ''وہ لوگوں کو دکھاتے ہیں اور یاد نہیں کرتے اللہ کو مگر تھوڑا سا۔'' ﴿وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ﴾ (4/النساء:38) ''اور وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال لوگوں کو دکھانے کے لیے۔''

(تفاعل) تَرَاءٍ — اس کا ماضی۔ مضارع تَرَاءٰی۔ یَتَرَاءٰی استعمال ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کو دیکھنا۔ آمنے سامنے ہونا۔ ﴿فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ﴾ (8/الانفال:48) ''پھر جب آمنے سامنے ہوئیں دو جماعتیں تو وہ پیچھے ہٹا اپنی ایڑیوں کے بل۔''

اَللّٰهُ (ء ل ہ): آیت بسم اللہ دیکھیں۔

ج ھ ر

(ف) جَهْرًا، جَهْرَةً اور جِهَارًا — اس کا بنیادی مفہوم ہے نمایاں کرنا۔ ظاہر کرنا۔ پھر عام طور پر یہ لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) آواز کو ظاہر کرنا (یعنی بلند کرنا) اور اعلان کرنا تاکہ دوسرے سن لیں۔ (۲) کسی چیز کو دکھانے کے لیے ظاہر کرنا تاکہ وہ کھلم کھلا دکھائی دے۔ چنانچہ آواز کے لیے فرمایا: ﴿سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ﴾ (13/الرعد:10) ''برابر ہیں تم میں سے وہ جو چھپائے بات کو اور وہ جو نمایاں کرے اس کو۔'' ﴿ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۟ۙ﴾ (71/نوح:8) ''پھر میں نے دعوت دی ان کو آواز بلند کرتے ہوئے۔'' ﴿لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ﴾ (4/النساء:148) ''برائی کے ساتھ آواز بلند کرنے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا مگر مظلوم کو اجازت ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ اور دیکھنے کے لیے فرمایا: ﴿فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً﴾ (4/النساء:153) ''تو انہوں نے کہا تو دکھا ہمیں اللہ کھلم کھلا۔'' اور آیت زیر مطالعہ۔ اور عام مفہوم کے اعتبار سے فرمایا: ﴿يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝﴾ (6/الانعام:3) ''وہ جانتا ہے تمہارے چھپانے کو اور تمہارے نمایاں کرنے کو اور وہ جانتا ہے جو تم لوگ کماتے ہو۔''

اِجْهَرْ — ج: اِجْهَرُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو نمایاں کر۔ ﴿وَ اَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ﴾ (67/الملک:13) ''اور تم لوگ چھپاؤ اپنی بات کو یا نمایاں کرو اس کو۔''

ء خ ذ: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔ ص ع ق: البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ ن ظ ر: البقرۃ آیت 50 دیکھیں۔

ترکیب

'وَ' حرف عطف ہے۔ اِذْ ظرف زمان ہے اور اس سے پہلے اُذْکُرُوْا محذوف ہے۔ قُلْتُمْ، ماضی میں جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ یَا حرف ندا ہے۔ اور مُوْسٰی، منادیٰ ہے۔ لَنْ، نواصب مضارع میں سے ہے اس لیے نُؤْمِنَ حالت نصب میں ہے اور لَكَ متعلق فعل ہے۔ یاد کر لیجیے اگر اٰمَنَ یُؤْمِنُ کے ساتھ 'لِ' کا صلہ آئے تو اس سے مراد ہوتی ہے کسی کی بات کو تسلیم کر لینا خواہ اس میں دلی یقین شامل نہ ہو۔ اور اگر 'بِ' کا صلہ آئے تو مراد ہوتی ہے قلبی

یقین کے ساتھ کسی کی بات کو ماننا۔ گویا یہاں پر بنی اسرائیل حضرت موسیٰؑ سے کہہ رہے ہیں کہ تورات کی قلبی تصدیق تو دور کی بات، ہم ظاہری طور پر بھی آپؑ کی بات اس وقت تک نہ مانیں گے جب تک ہم علانیہ اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ لیتے۔ حَتّٰی بھی نواصب مضارع میں سے ہے اس لیے نَرٰی حالت نصب میں ہے۔ نَرٰی فعل اس میں شامل ضمیر اِس کا فاعل، لفظ اَللّٰہَ اس کا مفعول اور جَهْرَةً حال ہے۔ جَهْرَةً کو قُلْتُمْ کی ضمیر فاعلی کا حال بھی مانا گیا ہے اور لفظ اَللّٰہَ کا بھی۔ اگر قُلْتُمْ کی ضمیر فاعلی کا حال مانیں تب مطلب ہوگا جب تم نے باآواز بلند کہہ دیا اور اگر لفظ اَللّٰہَ کا حال مانیں تب مطلب ہوگا جب تک اللہ کو علانیہ یا کھلم کھلا نہیں دیکھ لیتے۔ ہمارے اکثر بزرگوں نے اسے لفظ اَللّٰہَ کا حال مان کر ترجمہ کیا ہے۔ آگے 'فَ' عطف کا ہے۔ اَخَذَتْ، واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے۔ کُمْ مفعول ہے اور الصّٰعِقَةُ، اس کا فاعل۔ 'وَ' حالیہ ہے اور جملہ اسمیہ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ، حال ہے، کُمْ ضمیر کا۔

ترجمہ	وَاِذْ قُلْتُمْ	يٰمُوْسٰى	لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ	حَتّٰى نَرَى
البقرۃ:55	اور (یاد کرو) جب تم نے کہا	اے موسیٰؑ	ہم ہرگز نہیں مانیں گے آپؑ کی بات	یہاں تک کہ ہم دیکھیں

اللّٰهَ جَهْرَةً	فَاَخَذَتْكُمُ	الصّٰعِقَةُ	وَ	اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ
اللہ کو علانیہ	تو پکڑا تم کو	بجلی نے	اس حال میں کہ	تم دیکھ رہے تھے (اور اس کی مدافعت میں کچھ نہیں کر رہے تھے)

نوٹ مادہ ''رءی'' کی املاء اور استعمال کے متعلق چند باتیں ذہن نشین کرلیں۔

(۱) ثلاثی مجرد میں اس کا ماضی رَءٰی استعمال ہوتا ہے اور عام عربی میں اسی طرح لکھا جاتا ہے۔ لیکن قرآن مجید میں اسے ''ی'' کو حذف کر کے لکھا گیا ہے جیسے رَاٰ کَوْکَبًا۔

(۲) ثلاثی مجرد میں اس کا مضارع ہمزہ کو حذف کر کے یَرٰی استعمال ہوتا ہے اور قرآن مجید میں بھی اسے ''ی'' کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ البتہ ضمیر مفعولی لگاتے وقت ''ی'' کو حذف کیا گیا ہے جیسے اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ۔

(۳) ثلاثی مجرد میں جمع متکلم کے صیغے میں مضارع مضموم نَرَیُ اور مضارع منصوب نَرَیَ، دونوں تبدیل ہو کر نَرٰی ہو جاتے ہیں۔ اس لیے حَتّٰی نَرٰی میں حَتّٰی کا اثر ظاہر نہیں ہوا۔

(۴) ثلاثی مجرد میں مضارع کے واحد متکلم کا وزن اَفْعَلُ ہے جبکہ باب افعال میں ماضی کے واحد مذکر غائب کا وزن اَفْعَلَ ہے۔ ان دونوں وزن میں یہ مادہ تبدیل ہو کر اَرٰی استعمال ہوتا ہے۔ جملہ کے مفہوم سے ان کا فرق پتہ چلتا ہے۔

(۵) جمع مذکر حاضر کے صیغے تَرَوْنَ کے ساتھ جب نّ ثقیلہ لگے تو تَرَوُنَّ لکھا جاتا ہے۔ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ (التکاثر:6) اور واحد مؤنث حاضر کے صیغے تَرَيْنَ کے ساتھ جب نّ ثقیلہ لگے تو تَرَيِنَّ بنتا ہے۔ فَاِمَّا تَرَيِنَّ (مریم:26)۔ اس کا فعل امر 'رَ' ہے۔

آیت:56

﴿ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝٥٦ ﴾

ب ع ث

(ف) بَعْثًا اس کا بنیادی مفہوم ہے کسی کو اٹھا کر کسی طرف بھیجنا۔ اس لیے یہ اٹھانے اور بھیجنے، دونوں معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کی نسبت جب انسانوں کی طرف ہو تو انہی دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے مثلاً کہیں گے بَعَثْتُ الْبَعِيْرَ میں نے اونٹ کو اٹھایا اور چلایا اور بَعْثُ الْاِنْسَانِ فِيْ حَاجَةٍ کا مطلب ہوگا کسی کو کسی کام کے لیے بھیجنا۔ اس کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو

تو پھر یہ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً:

(۱) اشیاء کو عدم سے وجود میں لانا، یہ فعل اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ شاید اِن معنوں میں فعل قرآنِ مجید میں استعمال نہیں ہوا (واللہ اعلم)۔

(۲) بھیجنا۔ چنانچہ رسولوں کو بھیجنے کے لیے فرمایا: ﴿فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ﴾ (2/البقرۃ:213) ''تو بھیجا اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر۔'' غیر رسول کو بھیجنے کے لیے فرمایا: ﴿وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ﴾ (7/الاعراف:167) ''اور وہ وقت یاد کرو جب آپؐ کے پروردگار نے یہ جتلا دیا کہ وہ اِن یہود پر قیامت کے دن تک کسی ایسے کو مسلط رکھے گا جو اُنہیں سزائے شدید میں مبتلا رکھے گا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ عذاب کو بھیجنے کے لیے فرمایا: ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ﴾ (6/الانعام:65) ''آپؐ کہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ قدرت رکھتا ہے اِس بات پر کہ وہ تم پر بھیج دے عذاب تمہارے اوپر سے۔'' کوّے کو بھیجنے کے لیے فرمایا: ﴿فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا﴾ (5/المائدۃ:31) ''پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوّے کو بھیجا۔''

(۳) مُردوں کو زندہ کرنا۔ ﴿فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ﴾ (2/البقرۃ:259) ''تو موت دے دی اللہ نے ان کو سو سال کے لیے پھر انہیں زندہ کیا۔'' ﴿وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ﴾ (6/الانعام:36) ''اور مُردوں کو، اللہ ان کو زندہ کرے گا۔'' ﴿فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ﴾ (30/الروم:56) ''تو یہ ہے دوبارہ جی اٹھنے کا دن۔'' یہ صفت اللہ تعالیٰ کبھی اپنے خاص بندوں کو بھی عطا فرما دیتا ہے جیسے کہ حضرت عیسیٰؑ۔

(۴) نیند سے اٹھانا۔ ﴿ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ﴾ (18/الکہف:12) ''پھر ہم نے ان کو جگا دیا۔'' ﴿ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ﴾ (6/الانعام:60) ''پھر وہ تم کو جگا دیتا ہے اس (دن) میں۔''

(۵) کھڑا کرنا، جگہ دینا۔ ﴿عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ (17/بنی اسرائیل:79) ''قریب ہے کہ کھڑا کر دے تجھ کو تیرا رب مقامِ محمود میں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''عجب کیا کہ آپؐ کا پروردگار آپؐ کو مقام محمود میں جگہ دے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

(۶) مقرر کرنا۔ ﴿وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا﴾ (5/المائدۃ:12) ''اور ہم نے انہی میں سے بارہ سردار مقرر کیے۔'' ﴿اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا﴾ (2/البقرۃ:247) ''بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ مقرر کر دیا ہے۔''

اِبْعَثْ ج: اِبْعَثُوْا ۔ فعل امر ہے۔ تو اٹھا۔ تو بھیج۔ ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾ (2/البقرۃ:129) ''اے ہمارے رب! اور تو بھیج ان میں ایک رسول انہی میں سے۔'' ﴿فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا﴾ (4/النساء:35) ''تو ایک منصف اس مرد کے گھر والوں میں سے اور ایک منصف عورت کے گھر والوں میں سے مقرر کرو۔''

مَبْعُوْثٌ ج: مَبْعُوْثُوْنَ۔ اسم المفعول ہے۔ اٹھایا ہوا۔ بھیجا ہوا۔ ﴿ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ﴾ (17/بنی اسرائیل:49) ''کیا ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا۔'' ﴿وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ﴾ (6/الانعام:29) ''اور ہم اٹھائے جانے والے نہیں ہیں۔'' یعنی ہمیں دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا۔ مُردوں کے لیے اِس کا استعمال بمعنی جی اٹھنا ہے۔

(انفعال) **اِنْبِعَاثًا** اٹھنا۔ جانا۔ ﴿اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا﴾ (91/الشمس:12) ''جب اٹھا ان میں سے زیادہ بدبخت۔'' ﴿لٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ﴾ (9/التوبۃ:46) ''لیکن ناپسند کیا اللہ نے اُن کے کھڑے ہونے کو۔''

م و ت: البقرۃ آیت 19 دیکھیں۔ لَعَلَّ: البقرۃ آیت 21 دیکھیں۔ ش ك ر: البقرۃ آیت 52 دیکھیں۔

ترکیب ثُمَّ حرف عطف ہے بَعَثْنٰا فعل، اس میں شامل ضمیر نَحْنُ اس کا فاعل اور کُمْ اس کا مفعول ہے۔ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ متعلق فعل ہے۔
لَعَلَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، کُمْ اس کا اسم اور جملہ فعلیہ تَشْكُرُوْنَ اس کی خبر ہے۔

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝	مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ	ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ	ترجمہ
تاکہ تم شکر ادا کرو	تمہاری موت کے بعد	پھر ہم نے اٹھایا تم کو (یعنی زندہ کیا)	البقرۃ:56

آیت:57

﴿ وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَ مَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ ﴾

ظ	ل	ل

(س) ظَلًّا، ظُلُوْلًا (۱) ہمیشہ رہنا۔ دن کے لیے استعمال ہو جیسے ظَلَّ الیوم تو مراد ہوتی ہے دن کا سایہ دار ہونا یا سارا دن سایہ رہنا۔ (۲) ظَلَّ، یَظَلُّ، افعال ناقصہ میں سے بھی ہے۔ اِن معنوں میں اس کے معنی ہوتے ہیں دن میں کسی کام کو کرنا یا سارا دن ایک جیسی حالت رہنا۔ پھر یہ صَارَ (ہو جانا) کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے اور اس وقت دن کی تخصیص نہیں رہتی۔ ان معنوں میں اس کے بعض صیغے کبھی صرف ایک لام کے ساتھ بھی لکھے جاتے ہیں۔ ﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا﴾ (16/النحل:58) ''اور جب کبھی خوشخبری دی جاتی ہے ان کے کسی ایک کو بیٹی کی تو ہو جاتا ہے اس کا چہرہ سیاہ۔'' ﴿وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ؕ﴾ (20/طٰہٰ:97) ''اور تو دیکھ اپنے معبود کی طرف جس پر تو ہوا اعتکاف کرنے والا۔''

ظِلٌّ ج: ظِلَالٌ۔ اسم ذات ہے۔ (۱) سایہ۔ اس کی ضد ضِحٌّ (دھوپ) ہے۔ ہر وہ جگہ جہاں دھوپ نہ پہنچے اسے ظِلٌّ کہتے ہیں نیز ہر ڈھانپ لینے والی چیز کو بھی ظِلٌّ کہہ دیا جاتا ہے۔ (۲) عزت و حفاظت، ہر قسم کی خوشحالی۔ ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ﴾ (25/الفرقان:45) ''کیا آپؐ نے دیکھا نہیں اپنے رب کی (قدرت کی) طرف کیسے اس نے پھیلایا سائے کو۔'' ﴿ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّ عُيُوْنٍ ۝ ﴾ (77/المرسلات:41) ''متقی لوگ آج سایوں اور چشموں میں ہیں۔'' (ترجمہ تفہیم القرآن) ''پرہیزگار ہر طرح سے عزت و حفاظت میں ہوں گے۔'' (امام راغبؒ)

ظُلَّةٌ ج: ظُلَلٌ۔ اسم ذات ہے۔ وہ چیز جس سے سایہ کیا جائے۔ بادل۔ سائبان۔ ﴿وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ﴾ (7/الاعراف:171) ''اور جب ہم نے اٹھایا پہاڑ کو ان کے اوپر جیسے کہ وہ سائبان ہے۔'' ﴿وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ﴾ (31/لقمان:32) ''اور جب چھا جاتی ہیں ان پر موجیں سائبانوں کی طرح تو وہ پکارتے ہیں اللہ کو، خالص کرتے ہوئے اس کے لیے دین کو۔''

ظَلِيْلٌ فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ ہمیشگی والا سایہ۔ گھنی چھاؤں۔ سایہ دینے والا۔ ﴿ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۫ وَّ نُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ۝ ﴾ (4/النساء:57) ''ان کے لیے اس میں پاک جوڑے ہیں اور ہم داخل کریں گے ان کو گھنی چھاؤں میں۔'' ﴿ لَّا ظَلِيْلٍ وَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ۝ ﴾ (77/المرسلات:31) ''جو دراصل نہ سایہ دینے والا ہے اور نہ شعلے سے بچا سکتا ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان)

(تفعیل) تَظْلِیْلًا کسی پر کسی چیز کا سایہ کرنا۔ امان دینا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

غ م م

(ن) غَمًّا کسی چیز کو ڈھانپ دینا۔ غمگین کرنا (یعنی خوشی کو ڈھانپ دینا)۔

غَمٌّ اسم ذات ہے۔ رنج۔ بے چینی۔ ﴿ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ ﴾ (21/الانبیاء:88) ''تو ہم نے سُن لی اس کی اور ہم نے نجات دی اس کو غم سے۔''

غُمَّةٌ صفت ہے۔ پوشیدہ۔ مُبہم۔ مشتبہ۔ ﴿ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ﴾ (10/یونس:71) ''پھر نہ رہے تم کو اپنے کام میں شبہ۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''پھر وہ تمہاری تدبیر تمہارے حق میں پوشیدہ نہ رہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

غَمَامَةٌ ج: غَمَامٌ۔ اسم ذات ہے۔ بادل۔ کیونکہ یہ سورج کی روشنی کو ڈھانپ دیتا ہے۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

ن ز ل: البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔

م ن ن

(ن) مَنًّا، مِنَّةً (۱) کسی پر وزن یا بوجھ ڈالنا۔ اس بنیادی مفہوم سے پھر دو معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ (ا) کسی پر احسان کرنا۔ (ب) احسان جتانا۔ ﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ (3/آل عمران:164) ''اللہ نے احسان کیا ہے ایمان لانے والوں پر جب اس نے بھیجا ان میں ایک رسول انہی میں سے۔'' ﴿ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ۭ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ ﴾ (49/الحجرات:17) ''وہ لوگ احسان جتاتے ہیں آپؐ پر کہ وہ اسلام لائے۔ آپؐ کہیے تم احسان مت جتاؤ مجھ پر اپنے اسلام کا۔''
(۲) کم کرنا۔ منقطع کرنا۔ ختم کرنا۔ کمزور کرنا۔

اُمْنُنْ فعل امر ہے۔ تو احسان کر۔ ﴿ هٰذَا عَطَاۗؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ ﴾ (38/صٓ:39) ''یہ ہماری بخشش ہے۔ پس تو احسان کر یا روکے رکھ کسی حساب کے بغیر۔''

مَنٌّ اسم ذات ہے۔ (۱) مقررہ وزن یعنی ایک من۔ (۲) احسان۔ انعام۔ (۳) ایک قسم کی شبنم جو پتھروں اور درختوں پر شہد کی مانند جم کر خشک ہو جاتی تھی، جسے اللہ تعالیٰ نے صحرا میں بنی اسرائیل کے کھانے کے لیے نازل کیا تھا (اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ان پر احسان تھا)۔ یہ ذائقے میں میٹھی تھی۔ ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ ﴾ (2/البقرۃ:264) ''اے ایمان والو! تم باطل مت کرو اپنے صدقات کو احسان سے اور تکلیف سے۔'' یعنی احسان جتا کر اور تکلیف دے کر۔ اور آیت زیرِ مطالعہ۔

مَمْنُوْنٌ اسم المفعول ہے۔ (۱) جس پر احسان کیا گیا۔ (۲) جب یہ مصدری معنی نمبر ۲ سے ہو تو مطلب ہوگا جسے ختم کیا گیا، جسے منقطع کیا گیا اور غَیْرُ مَمْنُوْنٍ کا مطلب ہوگا غَیْرُ مَقْطُوْعٍ یعنی جو ختم نہ ہو، جو منقطع نہ ہو اور بعض بزرگوں نے غَیْرُ مَمْنُوْنٍ کا ترجمہ ''بے شمار'' اور ''بغیر عمل'' بھی کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ ﴿ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝ ۧ ﴾ (41/حٰمٓ السجدۃ:8) ''ان کے لیے کبھی نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

مَنُوْنٌ فَعُوْلٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔(۱) بہت زیادہ احسان جتانے والا۔(۲) موت۔کہا جاتا ہے ذَهَبَتْ بِهِمُ الْمَنُوْنُ، موت نے ان کو تباہ کر دیا۔(۳) زمانہ۔ رَيْبُ الْمَنُوْنِ۔حوادثِ زمانہ۔رَيْبٌ کا استعمال جب مَنُوْنٌ (زمانہ) کے ساتھ ہوتو اس سے گردش زمانہ یا حوادث زمانہ مراد ہوتا ہے۔کیونکہ زمانہ کی گردشوں کے تعین اوقات میں شک رہتا ہے کہ خدا جانے کب گردش کا وقت آ جائے، اس لیے یہ معنی مراد لیے جاتے ہیں۔اور گردش زمانہ سے مراد ہے کسی کی اچھی حالت بری حالت سے تبدیل ہو جائے۔انسان کی زندگی کا سب سے بڑا حادثہ یا گردش، انسان کی موت ہوتی ہے اس لیے رَيْبُ الْمَنُوْنِ سے حادثہ موت بھی مراد لیا جاتا ہے۔حادثہ موت میں رَيْبٌ یعنی شک سے یہ مراد نہیں کہ موت واقع ہونے میں شک وشبہ ہے بلکہ اس لحاظ سے رَيْبٌ کہا جاتا ہے کہ موت کا وقت طے نہیں، اس لیے انسان تردّد میں رہتا ہے کہ نہ جانے کب موت کا وقت آ جائے۔عربی زبان میں رَيْبُ الْمَنُوْنِ کا محاورہ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب کوئی شخص کسی دوسرے کے برے انجام کا منتظر ہو۔﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ۝ ﴾(52/الطور:30)''کیا کہتے ہیں یہ شاعر ہے ہم منتظر ہیں اُس پر گردش زمانہ کے۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)

سَلْوٰی بٹیر کی قسم کے ایک پرندے کو سلویٰ کہتے ہیں۔امام راغبؒ نے اسے مادہ 'س ل و' کے تحت بیان کیا ہے اور فرماتے ہیں ''السّلوٰی اصل میں ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو انسان کے لیے تسلی کا باعث ہو۔اسی سے اَلسُّلْوٰن وَالتَّسَلِّیْ ہے جس کے معنی اطمینان اور راحت کے ہیں۔(واللّٰہ اعلم)۔

ء ك ل: البقرۃ آیت 35 دیکھیں۔

ط ی ب

(ض) طِيْبًا نفیس و پاکیزہ ہونا۔حلال ہونا۔کسی چیز سے دل کا خوش ہونا۔پسند ہونا۔﴿ قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا ﴾(39/الزمر:73)''ان سے کہا اس کے دربان نے السلام علیکم، تم پاکیزہ رہے پس تم اس (جنت) میں داخل ہو جاؤ۔''﴿ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ ﴾(4/النساء:3)''تو تم نکاح کرو جو تمہیں پسند ہوں عورتوں میں سے۔''

طُوْبٰی یہ افعل التفضیل میں واحد مونث کا صیغہ فُعْلٰی ہے۔اصل میں طُيْبٰی تھا۔'ی' 'و' میں تبدیل ہو کر طُوْبٰی بن گیا۔اس کے معنی ہوتے ہیں بہت عمدہ، بہت پاکیزہ، خوشحالی۔حضرت ابن عباسؓ کے مطابق اس کا معنی ہے ''دل کی خوشی اور آنکھوں کی ٹھنڈک''۔حدیث شریف میں ہے کہ جنت کے ایک درخت کا نام بھی طوبیٰ ہے۔﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ۝ ﴾(13/الرعد:29)''جو لوگ ایمان لائے اور عمل کیے اچھے تو خوشحالی ہے ان کے لیے اور اچھا انجام ہے۔''حدیث پاک میں ہے: طُوْبٰى لِمَنْ وَجَدَ فِيْ صَحِيْفَتِهِ اسْتِغْفَارًا كَثِيْرًا (وارے نیارے اس شخص کے جو اپنے نامہ اعمال میں زیادہ استغفار پائے)او کما قال۔

طَيِّبٌ ج: طَيِّبُوْنَ۔صفت ہے۔پاک۔پاکیزہ۔حلال۔امام راغبؒ فرماتے ہیں ''اصل میں 'طیب' وہ چیز ہے کہ جس سے حواس لذت اُٹھائیں اور جی مزہ پائے۔''﴿ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ﴾(5/المائدۃ:88)''اور کھاؤ اُس سے جو رزق دیا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ نے حلال اور پاکیزہ۔''﴿ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ﴾(7/الاعراف:58)''اور پاکیزہ شہر، نکلتا ہے اس کا سبزہ اس کے رب کی اجازت سے۔''﴿ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ﴾(24/النور:26)''اور پاک مرد پاک عورتوں کے لائق ہیں۔''اور انسانوں میں ''طیب'' وہ ہیں کہ جو جہالت اور ہ

بداعمالیوں کی نجاست سے پاک ہوں اور علم وایمان اور اعمالِ صالحہ سے آراستہ ہوں۔

طَيِّبَةٌ ج: طَيِّبَاتٌ۔ طَيِّبٌ کی مونث۔ پاک۔ پاکیزہ۔ حلال۔ ﴿ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ﴾ (3/آل عمران:38) ''حضرت زکریاؑ نے عرض کی اے میرے رب عطا فرما مجھ کو اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد'' ﴿ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ﴾ (5/المائدۃ:5) ''آج حلال کر دی گئیں ہیں تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں۔'' اور آیت زیرِ مطالعہ۔

طِيْبٌ خوشبو۔ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

ر ز ق: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ ظ ل م: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ ك و ن: البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔
ن ف س: البقرۃ آیت 9 دیکھیں۔

ترکیب

'وَ' عطف کا ہے۔ ظَلَّلْنَا فعل، اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر نَحْنُ ہے۔ عَلَيْكُمْ متعلق فعل ہے اور اَلْغَمَامَ اس کا مفعول ہے۔ اسی طرح اَنْزَلْنَا فعل ہے اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر نَحْنُ ہے۔ عَلَيْكُمْ تعلق فعل ہے اور اَلْمَنَّ وَالسَّلْوٰى اس کے مفعول ہیں۔ كُلُوْا فعل امر ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے۔ آگے مرکب جاری مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ متعلق فعل ہے۔ اس میں طَيِّبٰتِ، مضاف ہے اور مِنْ کی وجہ سے مجرور ہے اور 'مَا' اسم موصول ہے اور جملہ فعلیہ رَزَقْنٰكُمْ اس کا صلہ ہے۔ صلہ اور موصول مل کر مضاف الیہ ہیں۔ آگے 'مَا' نافیہ ہے اور ظَلَمُوْا۔ ماضی میں جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے اور 'نَا' ضمیر مفعولی ہے۔ ضمیر مفعولی 'نَا' لگنے سے ظَلَمُوْا کا آخری الف گر گیا (واوُ الجمع)۔ نوٹ کر لیجئے اگر یہ ماضی کا جمع متکلم کا صیغہ ہوتا تو پھر ظَلَمْنَا آتا۔ لٰكِنْ، لٰكِنَّ کا مخفف ہے اور اس کی تفصیل آیت 12 کے آخر میں دیکھیں۔ كَانُوْٓا افعال ناقصہ میں سے ہے اس کا اسم اس میں شامل ضمیر 'هُمْ' ہے اور جملہ فعلیہ يَظْلِمُوْنَ اَنْفُسَهُمْ اس کی خبر ہے۔ اَنْفُسَهُمْ، يَظْلِمُوْنَ کا مفعول ہے اور اس کو تاکید کے لیے مقدم کر دیا گیا ہے۔ كَانَ جب مضارع پر داخل ہو تو ماضی استمراری کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

ترجمہ

البقرۃ:57

وَظَلَّلْنَا	عَلَيْكُمُ	الْغَمَامَ	وَاَنْزَلْنَا	عَلَيْكُمُ
اور ہم نے سایہ فگن کیا	تم پر	بادلوں کو	اور ہم نے اتارا	تم پر

الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى	كُلُوْا	مِنْ طَيِّبٰتِ مَا	رَزَقْنٰكُمْ
من اور سلویٰ	تم کھاؤ	اس کے پاکیزہ سے جو	ہم نے عطا کیا تم کو

وَمَا ظَلَمُوْنَا	وَلٰكِنْ	كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝
اور انہوں نے ظلم نہیں کیا ہم پر	اور لیکن (بلکہ)	وہ اپنے آپ پر ہی ظلم کیا کرتے تھے

نوٹ

آسان عربی گرامر (از لطف الرحمٰن خان صاحب) میں آپ كَانَ اور لَيْسَ پڑھ چکے ہیں۔ یہ جب جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں تو خبر کو نصب دیتے ہیں۔ خبر کو نصب دینے والے تقریباً گیارہ مزید افعال ناقصہ عربی میں استعمال ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں سے صرف ظَلَّ، اَصْبَحَ، مَا زَالَ، مَا دَامَ، مَا بَرِحَ اور مَا فَتِئَ قرآنِ مجید میں استعمال ہوئے ہیں۔ اِن میں سے ظَلَّ کی تفصیل آپ آیت زیرِ مطالعہ میں پڑھ چکے ہیں۔ باقی افعال کی مختصر سی تفصیل درج ذیل ہے اور یہ بات بھی دوبارہ یاد کر لیجئے کہ اِن افعال میں سے لَيْسَ اور مَا دَامَ کے صرف ماضی کے صیغے استعمال ہوتے ہیں اور باقی تمام کے ماضی اور مضارع دونوں استعمال ہوتے ہیں۔

اَصۡبَحَ۔ یُصۡبِحُ (باب افعال) میں اصل مفہوم ہے، صبح کے وقت ہو جانا لیکن پھر زیادہ تر صرف ہو جانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ فَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِکُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِہٖۤ اِخۡوَانًا ۚ ﴾ (3/آل عمران:103) ''پھر اس نے الفت پیدا کی تمہارے دلوں کے مابین تو تم ہو گئے اس کی نعمت سے بھائی بھائی۔'' ﴿ فَتُصۡبِحُوۡا عَلٰی مَا فَعَلۡتُمۡ نٰدِمِیۡنَ ۝ ﴾ (49/الحجرات:6) ''تو تم ہو جاؤ گے اس پر جو تم نے کیا ندامت کرنے والے۔'' کَانَ کی طرح اَصۡبَحَ بھی ''تامّہ'' ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس کے معنی ہوتے ہیں ''صبح کرنا'' یا ''صبح کے وقت آنا'' مثلاً کہیں گے اَصۡبَحۡنَا بِالۡخَیۡرِ ہم نے خیریت سے صبح کی۔ اَصۡبَحَ عَلَیۡھِمُ الطُّوۡفَانُ، صبح کے وقت ان پر طوفان آیا۔ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿ فَاَصۡبَحَ فِی الۡمَدِیۡنَۃِ ﴾ (28/القصص:18) ''پھر اس نے (یعنی حضرت موسیٰؑ نے) صبح کی شہر میں۔'' ﴿ فَسُبۡحٰنَ اللّٰہِ حِیۡنَ تُمۡسُوۡنَ وَ حِیۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ ۝ ﴾ (30/الروم:17) ''سو پاکی بیان کرو اللہ تعالیٰ کی جب تم شام کرو اور جب تم صبح کرو۔''

زَالَ۔ یَزَالُ (ف) کے معنی ہیں زائل ہونا۔ اس سے پہلے جب مَا نافیہ یا لَا لگتا ہے تو معنی ہوتے ہیں زائل نہ ہونا۔ پھر یہ 'ہمیشہ ہونے' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ فَمَا زِلۡتُمۡ فِیۡ شَکٍّ مِّمَّا جَآءَکُمۡ بِہٖ ؕ ﴾ (40/مومن:34) ''تو تم ہمیشہ شک میں رہے اس سے جو وہ لایا تمہارے پاس۔'' ﴿ وَلَا یَزَالُوۡنَ یُقَاتِلُوۡنَکُمۡ حَتّٰی یَرُدُّوۡکُمۡ عَنۡ دِیۡنِکُمۡ ﴾ (2/البقرہ:217) ''اور وہ ہمیشہ قتال کرتے رہیں گے تم سے یہاں تک کہ وہ پھیر دیں تم کو تمہارے دین سے۔''

مَادَامَ میں اصل فعل دَامَ ہے جس کے معنی ہیں ہمیشہ کے لیے ہو جانا یا رہنا اس کے ساتھ جو مَا لگا ہے۔ یہ مَا ظرفیہ ہے یعنی اس میں ظرف (وقت) کا مفہوم ہے جس کے معنی ہیں ''جب تک۔'' اس طرح مَادَامَ کا مطلب ہو جاتا ہے ''وہ جب تک رہا۔'' ﴿ وَ اَوۡصٰنِیۡ بِالصَّلٰوۃِ وَ الزَّکٰوۃِ مَا دُمۡتُ حَیًّا ۝ ﴾ (19/مریم:31) ''اور اس نے مجھے تاکید کی نماز کی اور زکوٰۃ کی جب تک میں رہوں زندہ۔''

بَرِحَ۔ یَبۡرَحُ (س) اس کا بنیادی مفہوم ہے کسی چیز کو چھوڑ دینا یا کسی جگہ سے ہٹ جانا۔ جب اس کے ساتھ 'لَا' یا 'لَنۡ' لگتا ہے تو نفی پیدا ہو جاتی ہے یعنی کسی چیز کو نہ چھوڑنا یا کسی جگہ سے نہ ہٹنا۔ اس طرح اس میں ہمیشگی کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے اور یہ ہمیشہ حَتّٰی کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً فرمایا: ﴿ قَالُوۡا لَنۡ نَّبۡرَحَ عَلَیۡہِ عٰکِفِیۡنَ حَتّٰی یَرۡجِعَ اِلَیۡنَا مُوۡسٰی ۝ ﴾ (20/طٰہٰ:91) ''قوم نے کہا ہم تو اسی کی عبادت پر جمے رہیں گے یہاں تک کہ لوٹ آئیں ہماری طرف موسیٰؑ۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

فَتِئَ۔ یَفۡتَاُ (س، ف) اس کا بنیادی مفہوم ہے کسی کو کسی کام سے روکنا۔ جب اِس کے ساتھ 'لَا' یا 'مَا' نافیہ لگتا ہے تو مطلب ہوتا ہے کسی کو کسی کام سے نہ روکنا۔ اس سے ہمیشگی کا مفہوم پیدا ہوتا ہے یعنی وہ ہمیشہ کرتا رہا یا کرتا رہے گا۔ قرآنِ مجید میں یہ فعل، افعال ناقصہ کی صورت میں صرف ایک مرتبہ سورہ یوسف کی آیت 85 میں استعمال ہوا ہے اور وہاں بھی 'لَا' محذوف ہے۔ ﴿ قَالُوۡا تَاللّٰہِ تَفۡتَؤُا تَذۡکُرُ یُوۡسُفَ ﴾ (12/یوسف:85) ''انہوں نے کہا اللہ کی قسم آپؑ ہمیشہ کرتے رہیں گے یوسفؑ کا تذکرہ۔'' (واللہ اعلم)۔

افعال ناقصہ کی مزید تفصیل عربی کا معلّم، حصہ سوم سے ایک نظر دیکھ لیں۔

آیت:58

﴿ وَ اِذۡ قُلۡنَا ادۡخُلُوۡا ہٰذِہِ الۡقَرۡیَۃَ فَکُلُوۡا مِنۡہَا حَیۡثُ شِئۡتُمۡ رَغَدًا وَّ ادۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوۡلُوۡا حِطَّۃٌ نَّغۡفِرۡ لَکُمۡ خَطٰیٰکُمۡ ؕ وَ سَنَزِیۡدُ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ۝ ﴾

اِذۡ: البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔ ق و ل: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔

د خ ل

(ن) دُخُوۡلًا داخل ہونا (لازم)۔ اس کی ضد خروج (نکلنا) ہے۔ یہ لفظ ظاہری اور معنوی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً فرمایا:

﴿فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ﴾ (3/آل عمران:97) ’’اس میں واضح نشانیاں ہیں، ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے اور جو داخل ہوا اس میں وہ ہے امن میں ہونے والا۔‘‘ ﴿وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ﴾ (49/الحجرات:14) ’’اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا‘‘ اس کے ساتھ جب عَلٰی کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے کسی کی خدمت میں حاضر ہونا، کسی کی زیارت کرنا، یا کسی پر حملہ کرنا۔ مثلاً فرمایا: ﴿وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ﴾ (12/یوسف:58) ’’اور ایک روز آ نکلے برادرانِ یوسفؑ اور ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔‘‘ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ﴾ (5/المائدۃ:23) ’’کہاں دو مردوں نے اللہ سے ڈرنے والوں میں سے کہ خدا کی نوازش تھی ان دو پر گھس جاؤ ان پر حملہ کر کے دروازہ میں۔‘‘ (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ اِس صورت میں اس کا فعل مجہول بھی استعمال ہو جاتا ہے مثلاً فرمایا: ﴿وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا﴾ (33/الاحزاب:14) ’’اور اگر مدینے کے اطراف سے ان پر (لشکر) داخل کیے جاتے۔‘‘ (ترجمہ احسن البیان)۔ لیکن اکثر بزرگوں نے آیت میں دُخِلَتْ کا ترجمہ فعل معروف کے لحاظ سے کیا ہے۔ مثلاً ’’اور اگر شہر میں کوئی گھس آئے ان پر۔‘‘ (ترجمہ شیخ الہندؒ)، ’’اور اگر ان (لوگوں) پر (مدینہ کے) اطراف سے کوئی (لشکر کافروں کا) آ گھسے۔‘‘ (ترجمہ ماجدیؒ)، ’’اگر گھس آتے (کفار کے لشکر) ان پر مدینہ کے اطراف سے۔‘‘ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ (واللہ اعلم)۔ اس کے ساتھ ’بِ‘ کا صلہ استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے داخل کرنا اور دَخَلَ بِامْرَءَتِهٖ، کنایۃً بیوی سے ہم بستری کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۫ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ (4/النساء:23) ’’اور تمہاری بیویوں کی بیٹیاں جو تمہاری گودوں میں (پرورش پا رہی) ہیں اُن بیویوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو اور اگر تم نے صحبت نہ کی ہو ان بیویوں سے تو کوئی حرج نہیں تم پر (ان کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں)۔‘‘ (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

اُدْخُلْ — ج: اُدْخُلُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو داخل ہو۔ ﴿قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ؕ﴾ (36/یٰسٓ:26) ’’کہا گیا تو داخل ہو جا جنت میں۔‘‘ ﴿وَقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۝﴾ (66/التحریم:10) ’’اور کہا گیا تم دونوں داخل ہو آگ میں، داخل ہونے والوں کے ساتھ۔‘‘ اور آیت زیر مطالعہ۔

دَاخِلٌ — ج: دَاخِلُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ داخل ہونے والا۔ اوپر آیت نمبر (66/التحریم:10) دیکھیں۔ ﴿فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ۝﴾ (5/المائدۃ:22) ’’پھر اگر وہ وہاں سے نکل گئے، تو ہم داخل ہوں گے۔‘‘

(س) دَخَلًا — عقل یا جسم میں خرابی داخل ہونا۔

دَخَلٌ — اسم ذات ہے۔ عقلی یا جسمانی خرابی۔ فساد۔ چُھپی ہوئی دشمنی۔ فریب۔ خاندانی عیب یعنی وہ لوگ جو اپنے آپ کو کسی کی جانب منسوب کرتے ہوں اور فی الحقیقت ان میں سے نہ ہوں۔ ﴿وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ﴾ (16/النحل:94) ’’اور اپنی قسموں کو باہمی فساد کا ذریعہ نہ بناؤ۔‘‘ (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ’’اور نہ بناؤ اپنی قسموں کو آپس میں فریب دینے کا ذریعہ۔‘‘ (ترجمہ ضیاء القران)۔

(افعال) اِدْخَالًا — داخل کرنا۔ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ﴾ (4/النساء:57) ’’اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل کیے بھلے، ہم داخل کریں گے ان کو باغات میں۔‘‘

اَدْخِلْ — ج: اَدْخِلُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو داخل کر۔ ﴿وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ۝﴾ (27/النمل:19) ’’اور تو

داخل کر مجھ کو اپنی رحمت سے اپنے صالح بندوں میں۔'' ﴿ اَدۡخِلُوۡۤا اٰلَ فِرۡعَوۡنَ اَشَدَّ الۡعَذَابِ ﴾(40/مومن:46)
''تم داخل کر دو فرعونیوں کو سخت ترین عذاب میں۔''

مُدۡخَلٌ — اسم المفعول ہے جو ظرف کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔داخل کیا ہوا یا داخل کرنے کی جگہ۔﴿ نُکَفِّرۡ عَنۡکُمۡ سَیِّاٰتِکُمۡ وَ نُدۡخِلۡکُمۡ مُّدۡخَلًا کَرِیۡمًا ﴾(4/النساء:31)''تو ہم دور کریں گے تم سے تمہاری برائیوں کو اور ہم داخل کریں گے تم کو باعزت داخل کرنے کی جگہ میں۔''

(افتعال) اِدِّخَالًا — کسی جگہ مشقت سے داخل ہونا۔گھسنا۔

مُدَّخَلٌ — اسم المفعول جو بطور ظرف استعمال ہوتا ہے۔گھسنے کی جگہ۔﴿ لَوۡ یَجِدُوۡنَ مَلۡجَاً اَوۡ مَغٰرٰتٍ اَوۡ مُدَّخَلًا ﴾(9/التوبہ:57)''اگر وہ لوگ پائیں کوئی پناہ گاہ یا کوئی غار یا کوئی گھسنے کی جگہ۔''

ق ر ی

(ض) قَرًی اور قَرۡیًا — جمع کرنا۔کہتے ہیں قَرَیۡتُ الۡمَاءَ فِی الۡحَوۡضِ۔میں نے حوض میں پانی جمع کر دیا۔

قَرۡیَۃٌ — ج: قُرًی۔ جب لام تعریف داخل ہو تو اَلۡقُرٰی۔ اسم ذات ہے۔ جہاں انسان جمع ہو کر آباد ہو جائیں۔اس مفہوم میں یہ لفظ بستی اور بستی والوں، دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔﴿ رَبَّنَاۤ اَخۡرِجۡنَا مِنۡ ھٰذِہِ الۡقَرۡیَۃِ ﴾(4/النساء:75) ''اے ہمارے رب تو نکال ہم کو اس بستی سے۔''﴿ وَسۡـَٔلِ الۡقَرۡیَۃَ الَّتِیۡ کُنَّا فِیۡھَا ﴾(12/یوسف:82)''اور آپؐ پوچھ لیجئے اس بستی والوں سے جس میں ہم تھے۔''﴿ لَا یُقَاتِلُوۡنَکُمۡ جَمِیۡعًا اِلَّا فِیۡ قُرًی مُّحَصَّنَۃٍ اَوۡ مِنۡ وَّرَآءِ جُدُرٍ ﴾(59/الحشر:14)''یہ لوگ نہیں لڑیں گے تم سے جم کر مگر قلعہ بند شہروں میں یا دیواروں کے پیچھے سے۔''﴿ وَتِلۡکَ الۡقُرٰۤی اَھۡلَکۡنٰھُمۡ لَمَّا ظَلَمُوۡا ﴾(18/الکھف:59)''اور یہ بستیوں والے، ہم نے ہلاک کیا ان کو جب انہوں نے ظلم کیا۔''﴿ وَلِتُنۡذِرَ اُمَّ الۡقُرٰی وَمَنۡ حَوۡلَھَا ﴾(6/الانعام:92)''اور تا کہ آپؐ ڈرائیں مکہ والوں کو اور جو اُس کے ارد گرد ہیں۔'' اُمُّ الۡقُرٰی: مکہ معظّمہ کا دوسرا نام ہے۔ام القری کے معنی بستیوں کی اصل اور جڑ کے ہیں۔یا مرکزی بستی کے۔ مکہ معظّمہ چونکہ ساری دنیا کا دینی مرکز ہے۔تمام روئے زمین پر خدا کا پہلا گھر وہیں بنا۔اور قبلۂ اول ہونے کا شرف اسی کو حاصل ہوا۔زمانۂ جاہلیت میں بھی تمام عرب کا دینی و دنیوی مرجع تھا اور آج بھی نہ صرف عرب بلکہ تمام عالمِ اسلامی کا۔ان وجوہ سے قرآن مجید نے مکہ معظّمہ کو ام القری کہا ہے۔(لغات القرآن، ج ۱، ص ۲۳۷)

ع ك ل: البقرۃ آیت 35 دیکھیں۔ حَیۡثُ: البقرۃ آیت 35 دیکھیں۔ ش ی ء: البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔
ر غ د: البقرۃ آیت 35 دیکھیں۔

بَابٌ — ج: اَبۡوَابٌ۔دروازہ۔

س ج د: البقرۃ آیت 34 دیکھیں۔

ح ط ط

(ن) حَطًّا — اترنا۔نازل ہونا۔(لازم)۔کسی چیز کو اوپر سے نیچے اتارنا یا کسی کا بوجھ اتارنا (متعدی)۔کہا جاتا ہے حَطَطۡتُ الرَّحۡلَ میں نے سواری سے پالان اتار کر نیچے رکھ دیا۔

(استفعال) اِسْتِحْطَاطًا بوجھ اتارنے کی درخواست کرنا۔

حِطَّۃٌ اسم ذات ہے۔ بوجھ اتارنے کی درخواست یا دعا۔ قرآن مجید میں یہ لفظ گناہوں کا بوجھ اتارنے کی دعا کے لیے آیا ہے ۔آیت زیر مطالعہ۔اس سے مراد ہے حُطَّ عَنَّا ذُنُوْبَنَا یعنی اے اللہ ہمارے گناہ ہم سے اتار دے اور بعض بزرگوں نے اس سے مراد لی ہے قُوْلُوْا صَوَابًا یعنی صحیح بات کہنا۔ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''حِطَّۃٌ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ خدا سے اپنی خطاؤں کی معافی مانگتے ہوئے جانا، دوسرے یہ کہ لوٹ مار اور قتلِ عام کے بجائے بستی کے باشندوں میں درگزر اور عام معافی کا علان کرتے جانا۔'' اور مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''قُوْلُوْا حِطَّۃٌ سے یہ مراد نہیں کہ بعینہٖ لفظ حِطَّۃٌ کا تلفظ ادا کرتے جاؤ۔ یہ لفظ تو عربی ہے، اور اسرائیلیوں کی زبان عربی نہیں۔ عبرانی تھی۔ مراد یہ ہے کہ انہیں زبان سے بھی کلمات توبہ واستغفار ادا کرتے رہنے کا حکم ملا تھا۔''

غ ف ر

(ض) غَفْرًا اور غُفْرَانًا اس کا بنیادی مفہوم ہے ڈھانپ دینا، چھپا دینا۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں کہ غَفَرَ کے معنی ہیں کسی چیز پر کوئی ایسی چیز پہنا دینا جو اسے میل کچیل اور دوسری نقصان دہ چیزوں سے محفوظ رکھے۔ چنانچہ عربی میں کہتے ہیں اِغْفِرْ ثَوْبَكَ فِي الْوِعَاءِ اپنے کپڑوں کو تھیلے وغیرہ میں ڈال کر چھپا دو۔ اسی طرح کہتے ہیں غَفَرَ الشبابَ بالخضابِ اس نے خضاب سے بالوں کی سفیدی کو چھپا دیا۔ اَلْمِغْفَرُ لوہے کے خود (لوہے کی ٹوپی) کو کہتے ہیں جو دورانِ جنگ سپاہی سر پر پہن لیتے ہیں جس سے سر دشمن کے وار سے محفوظ رہتا ہے۔ اَلْغِفَارَۃُ اس کپڑے کو کہتے ہیں جس سے عورتیں اپنے ڈوپٹے کو تیل سے بچانے کے لیے اس کے نیچے سر پر اوڑھ لیتی ہیں اور اس کپڑے کو بھی کہتے ہیں جس سے کمان کے گوشے کو لپیٹتے ہیں اور اس بادل کو بھی جو دوسرے بادل پر چھایا ہوا ہو۔ اِن تمام بنیادی مفاہیم کے ساتھ یہ لفظ جب قرآن وسنت میں اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا بندے کے گناہوں کو چھپا دینا، ڈھانپ دینا یا بندے کو گناہوں کی سزا سے محفوظ رکھنا۔ پھر اردو میں اس کا ترجمہ معاف کر دینا اور بخش دینا سے کیا جاتا ہے۔ ﴿وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ ﴾ (3/آل عمران:135) ''اور کون بخشتا ہے گناہوں کو اللہ کے سوا۔'' یہ لفظ بندوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً فرمایا: ﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾ (42/الشوریٰ:43) ''اور بے شک جس نے صبر کیا اور معاف کیا تو یقیناً یہ حوصلے کے کاموں میں سے ہے۔'' کبھی یہ لفظ ظاہری طور پر درگزر کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے چاہے دل سے معاف نہ بھی کیا جائے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ ﴾ (45/الجاثیہ:14) ''آپؐ کہیے ان لوگوں سے جو ایمان لائے کہ وہ لوگ درگزر کریں ان سے جو امید نہیں رکھتے اللہ کے دنوں کی یعنی بدلے کے دن کی۔''

اِغْفِرْ فعل امر ہے۔ تو بخش دے۔ تو درگزر کر۔ ﴿ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ ﴾ (23/المؤمنون:118) ''اے میرے رب تو بخش دے اور تو رحم فرما۔''

غَافِرٌ ج: غَافِرُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ معاف کرنے والا۔ ﴿ غَافِرِ الذَّنْبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ ﴾ (40/المؤمن:3) ''معاف کرنے والا گناہ کا اور قبول کرنے والا توبہ کا۔''

غَفُوْرٌ اسم المبالغہ ہے۔ بہت زیادہ یعنی دل کھول کر بخشنے والا۔ یہ اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔﴿ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (2/البقرہ:173)''بے انتہا بخشنے والا ہے ہر حال میں رحم کرنے والا ہے۔''

غَفَّارٌ اسم المبالغہ ہے۔ کثرت سے یعنی بار بار بخشنے والا۔ یہ بھی اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔﴿ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴾(20/طٰہٰ:82)''اور یقیناً میں کثرت سے بخشنے والا ہوں اس کو جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور عمل کیے نیک پھر اس نے ہدایت پائی۔''

مَغْفِرَةٌ اسم ذات ہے۔ معافی۔ بخشش۔﴿ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ ﴾(2/البقرہ:221)''اور اللہ بلاتا ہے جنت اور مغفرت کی طرف۔''

(استفعال) اِسْتِغْفَارًا قول اور عمل سے معافی مانگنا۔ قول اور عمل سے بخشش طلب کرنا۔ اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہوتی ہے چاہے اللہ کا نام مذکور ہو یا نہ ہو۔ جس سے معافی مانگی جائے وہ مفعول بنفسہٖ آتا ہے۔ جس کے لیے معافی مانگی جائے اس پر لام کا صلہ آتا ہے اور جس غلطی یا گناہ کی معافی مانگی جائے اس پر کبھی لام کا صلہ آتا ہے اور کبھی نہیں۔﴿ لَوْ لَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾(27/النمل:46)''تم لوگ کیوں نہیں بخشش مانگتے اللہ سے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''﴿ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ﴾(3/آل عمران:135)''پھر انہوں نے معافی مانگی اپنے گناہوں کی۔''﴿ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ﴾(12/یوسف:98)''عنقریب میں بخشش طلب کروں گا تمہارے لیے اپنے رب سے۔''

اِسْتَغْفِرْ ج: اِسْتَغْفِرُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو معافی مانگ۔﴿ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ﴾(3/آل عمران:159) ''اور آپ ﷺ مغفرت طلب کریں ان کے لیے اور مشورہ کریں ان سے فیصلوں میں۔''

مُسْتَغْفِرٌ ج: مُسْتَغْفِرُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ معافی مانگنے والا۔﴿ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴾(3/آل عمران:17)''اور بخشش طلب کرنے والے راتوں کے پچھلے پہر میں۔''

خ ط ء

(س) (ا) خِطْأً اور خِطْأَةً قصد وارادے کے ساتھ غلطی کرنا۔ گناہ کرنا۔ یہ قابل گرفت ہے۔ قرآنِ مجید میں فعل استعمال نہیں ہوا۔

(ب) خَطَأً بنیادی مفہوم ہے صحیح راہ سے ہٹ جانا۔ چوک جانا۔ بغیر قصد اور ارادے کے غلطی کرنا۔ یہ (آخرت کے اعتبار سے) قابل گرفت نہیں۔ قرآن مجید میں فعل استعمال نہیں ہوا ہے۔

خَطِيْئَةً ج: خَطِيْئَاتٌ اور خَطَايَا۔ اسم ذات ہے۔ اس کا مطلب قریب قریب سَيِّئَةٌ کی طرح ہے۔ غلطی۔ گناہ۔ چاہے ارادہ اور قصد سے ہو یا بغیر ارادے اور قصد کے۔﴿ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴾(2/البقرہ:81)''جس نے کمائی کوئی برائی اور اس کو گھیر لیا اس کی غلطی نے تو وہ لوگ آگ والے ہیں۔'' ﴿ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ﴾(4/النساء:112)''اور جس نے کمائی کوئی خطا یا کوئی گناہ۔'' امام راغبؒ فرماتے ہیں اس آیت میں خَطِيْٓئَةً سے مراد وہ فعل ہے جو بلا قصد ہوا ہو۔ اور اسی قسم کی خطا کے متعلق حضرت ابراہیمؑ نے کہا تھا﴿ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴾(26/الشعراء:82)''اور وہ جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے گناہ بخش دے گا۔''﴿ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓئٰتِكُمْ ﴾

(7/الاعراف:161) ''اور تم لوگ داخل ہو دروازے میں سجدہ کرنے والے ہوتے ہوئے تو ہم بخش دیں گے تمہاری خطاؤں کو۔'' ﴿ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا ﴾ (20/طٰہٰ:73) ''بے شک ہم ایمان لائے اپنے رب پر تاکہ وہ بخش دے ہمارے لیے ہماری خطاؤں کو۔'' اور آیت زیرِ مطالعہ۔

خِطْأٌ — اسم ذات بھی ہے۔ قصد و ارادے کے ساتھ کیا ہوا گناہ یا غلطی۔ یہ قابل گرفت ہے۔ ﴿ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴾ (17/بنی اسرائیل:31) ''ہم رزق دیتے ہیں ان کو بھی اور تم کو بھی بے شک ان کو قتل کرنا بڑی غلطی ہے۔''

خَطَأٌ — اسم ذات بھی ہے۔ بغیر ارادے اور قصد سے کیا ہوا گناہ یا غلطی۔ ﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـــًٔا ۚ ﴾ (4/النساء:92) ''اور نہیں ہے جائز کسی مومن کے لیے کہ وہ قتل کرے کسی مومن کو مگر بلا ارادہ غلطی سے۔'' اسی قسم کی خطا کے متعلق آنحضرتؐ نے فرمایا رُفِعَ عَنْ اُمَّتِي الْخَطَأُ وَالنِّسْيَانُ کہ میری امت سے خطا اور نسیان اٹھا لیے گئے ہیں۔

خَاطِئٌ — ج: خَاطِئُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ واحد مذکر۔ جان بوجھ کر غلطی کرنے والا۔ گناہ گار۔ ﴿ يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـــِٕيْنَ ﴾ (12/یوسف:97) ''اے ہمارے والد آپؑ بخشش طلب کریں ہمارے لیے ہمارے گناہوں کی بے شک ہم غلطی کرنے والے تھے۔''

خَاطِئَةٌ — اسم الفاعل ہے۔ واحد مؤنث۔ جان بوجھ کر غلطی کرنے والی۔ گناہگار۔ ﴿ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۚ ﴾ (96/العلق:16) ''وہ پیشانی جو جھوٹی اور خطا کار ہے۔'' کبھی خَاطِئَةٌ کا اطلاق ''گناہ'' کے لیے بھی ہو جاتا ہے۔ مثلاً فرمایا: ﴿ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۚ ﴾ (69/الحاقۃ:9) ''اور الٹی ہوئی بستیوں والوں نے (بڑے بڑے) قصور کئے تھے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں اَلْخَاطِئَةُ: اَلذَّنْبُ الْعَظِيْمُ۔ بہت بڑا گناہ۔

(افعال) اِخْطَاءً — بلا ارادہ غلطی کرنا۔ چوک جانا۔ ﴿ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ ﴾ (33/الاحزاب:5) ''اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اس میں جس میں تم چوک گئے۔'' اور حدیث پاک میں ہے مَنِ اجْتَهَدَ فَاَخْطَأَ فَلَهٗ اَجْرٌ جس نے اجتہاد کیا لیکن اس سے غلطی ہو گئی اسے پھر بھی اجر ملے گا۔ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

مُخْطِئٌ — اسم الفاعل ہے۔ مخطی اُسے کہا جاتا ہے جو نیکی کا ارادہ کرے لیکن اُس سے غلطی ہو جائے۔

ز ی د: البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔

ح س ن

(ک) (ن) حَسُنَ — پسندیدہ ہونا، خوبصورت ہونا، اچھا یا بھلا ہونا۔ ﴿ وَحَسُنَ اُولٰۗىِٕكَ رَفِيْقًا ﴾ (4/النساء:69) ''اور اچھے ہوئے وہ لوگ بطور ساتھی کے۔''

حُسْنٌ — اسم ذات ہے۔ خوبصورتی۔ اچھائی۔ بھلائی۔ نوٹ کر لیجئے یہ لفظ اسم ذات ہے اس لیے بطور صفت نہیں آ سکتا کیونکہ اسم ذات صفت نہیں بنتے۔ ﴿ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴾ (3/آل عمران:195) ''اور اللہ، اس کے پاس ثواب کی خوبصورتی یعنی بہترین بدلہ ہے۔''

حَسَنٌ

ج: حِسَانٌ۔ مؤنث: حَسَنَۃٌ وَ حَسْنَآءُ۔ ج: حَسَنَاتٌ اور حِسَانٌ۔ اسم صفت ہے۔ خوبصورت۔ حسین۔ اچھا۔ عمدہ۔ اس سے مراد ہر وہ نعمت ہے جو انسان کو حاصل ہو کر اس کی مسرت کا سبب بنے۔ یہ لفظ تمام ظاہری اور باطنی خوبیوں اور بھلائیوں کو شامل ہے۔ ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ (2/البقرہ:245) ''کون ہے جو قرض دے اللہ کو ایک خوبصورت قرض۔'' ﴿مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَۃً حَسَنَۃً یَّکُنْ لَّہٗ نَصِیْبٌ مِّنْھَا﴾ (4/النساء:85) ''جو سفارش کرے کوئی اچھی سفارش کی تو اس کے لیے ہے ایک حصہ اس میں سے۔'' ﴿فِیْھِنَّ خَیْرٰتٌ حِسَانٌ﴾ (55/الرحمٰن:70) ''ان میں اچھی سیرت والیاں، اچھی صورت والیاں ہوں گی۔'' ﴿مُتَّکِئِیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّ عَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ﴾ (55/الرحمٰن:76) ''سبز مسندوں اور عمدہ فرشوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔

نوٹ ا: حِسَانٌ، حَسَنٌ کی بھی جمع ہے اور حَسَنَۃٌ وَ حَسْنَآءُ کی بھی جمع ہے۔ چنانچہ الرحمن:70 میں یہ ایک مونث لفظ (خَیْرَاتٌ) کی صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے اور آیت 76 میں ایک مذکر لفظ (عَبْقَرِیٌّ) کی صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

نوٹ ۲: حَسَنَۃٌ اور اس کی جمع حَسَنَاتٌ صفت کے طور پر بھی استعمال ہوتے ہیں جیسے شَفَاعَۃٌ حَسَنَۃٌ، مَوْعِظَۃٌ حَسَنَۃٌ، اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ وغیرہ اور بطورِ اسم ذات بھی استعمال ہوتے ہیں اس صورت میں اس کے معنی ہوتے ہیں، نیکی، بھلائی، خوبی، نعمت وغیرہ۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً﴾ (2/البقرۃ:201) ''اے ہمارے رب عطا فرما ہمیں دنیا میں بھی بھلائی اور آخرت میں بھی بھلائی۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن) ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّاٰتِ﴾ (11/ھود:114) ''بے شک نیکیاں مٹا دیتی ہیں برائیوں کو۔'' حَسَنَۃٌ کی ضد سَیِّئَۃٌ آتی ہے جیسے فرمایا: ﴿اِنْ تَمْسَسْکُمْ حَسَنَۃٌ تَسُؤْھُمْ وَاِنْ تُصِبْکُمْ سَیِّئَۃٌ یَّفْرَحُوْا بِھَا﴾ (3/آل عمران:120) ''اگر پہنچے تمہیں کوئی بھلائی تو بری لگتی ہے اُنہیں اور اگر پہنچے تمہیں کوئی تکلیف تو (بڑے) خوش ہوتے ہیں اُس سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

اَحْسَنُ

مؤنث: حُسْنٰی۔ اسم التفضیل ہے۔ زیادہ اچھا یا سب سے اچھا۔ ﴿وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً﴾ (2/البقرہ:138) ''اور کون زیادہ اچھا ہے اللہ سے بلحاظ رنگ کے۔'' ﴿وَ تَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ الْحُسْنٰی عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ بِمَا صَبَرُوْا﴾ (7/الاعراف:137) ''اور پورا ہوا تیرے رب کا سب سے اچھا فرمان بنی اسرائیل پر بسبب اس کے جو انہوں نے صبر کیا۔'' ﴿قُلْ ھَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَی الْحُسْنَیَیْنِ﴾ (9/التوبۃ:52) ''آپؐ یہ بھی کہہ دیجئے تم تو ہمارے حق میں دو بھلائیوں ہی میں سے ایک (بھلائی) کے منتظر رہتے ہو۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ آیت میں حُسْنَیَیْنِ، حُسْنٰی کا تثنیہ ہے۔ اور اَلْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی (سب سے اچھے نام) سے مراد ہیں اللہ تعالیٰ کے ۹۹ صفاتی نام۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰہَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی﴾ (17/بنی اسرائیل:110) ''کہہ دیجئے کہ اللہ کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر، جس نام سے بھی پکارو تمام اچھے نام اسی کے ہیں۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔

(افعال) اِحۡسَانًا

اس کے اصل لغوی معنی ہیں ''کسی کام کو حسن و خوبی کے ساتھ کرنا''۔ اس کی پھر دو قسمیں ہیں (1) کسی کام کو اپنی ذات میں اچھا اور مکمل کرنا۔ اپنے فعل میں حسن پیدا کرنا اور یہ چیز حسنِ علم اور حسنِ عمل سے پیدا ہوتی ہے۔ (2) بندوں کے حقوق حسن و خوبی کے ساتھ ادا کرنا، ان سے حسن سلوک کرنا اور ان پر انعام کرنا۔ ان معنوں میں عموماً اِلٰی کا صلا استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿وَ اَحۡسِنۡ كَمَاۤ اَحۡسَنَ اللّٰهُ اِلَيۡكَ﴾ (28/القصص:77) ''اور احسان کیا کر (غریبوں پر) جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان فرمایا ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اردو زبان میں احسان کا لفظ عام طور پر اسی دوسرے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ کسی شخص کے عمل میں جب احسان کی یہ دونوں قسمیں جمع ہوتی ہیں تب اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان بذاتِ خود نیکی اور بھلائی کا پیکر بن کر دوسروں کا بھلا چاہتا ہے۔ ایک طرف تو اس کی عبادت میں حسن اور اخلاص پیدا ہوتا ہے۔ وہ اللہ کی عبادت یوں کرتا ہے کہ گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے یا کم از کم اسے یہ احساس ضرور ہوتا ہے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کی وضاحت حدیث جبرئیلؑ میں بیان ہوئی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: اَلۡاِحۡسَانُ اَنۡ تَعۡبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنۡ لَّمۡ تَكُنۡ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ (صحیح بخاری) ''احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی ایسی بندگی کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر یہ درجہ نصیب نہ ہو تو اتنی بات کا یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہے ہیں۔'' اسے یہ یقین حاصل ہوتا ہے کہ اس کی بھلائی کا صلہ بھلائی ہی کی صورت میں ملے گا۔ آدمی فرائض سے بڑھ کر نوافل ادا کرتا ہے اس کے اعمال اور اخلاق بہترین ہو جاتے ہیں۔ اور دوسری طرف اس کے اردگرد انسان ہوں یا حیوان سب اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ بندوں سے معاملات کرتے وقت ایسا شخص عدل و انصاف سے بلند ہو کر فضل اور عفو کو اختیار کرتا ہے۔ کسی مزدور کو مزدوری دیتے وقت طے شدہ رقم سے زیادہ ادا کرتا ہے۔ کسی سے کوئی کوتاہی ہو جائے تو درگزر کرتا ہے۔ حیوانات تک ایسے شخص سے فائدہ اٹھاتے ہیں چنانچہ علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں: جس شخص کے گھر میں اس کی بلی کو اس کی خوراک اور ضروریات نہ ملیں اور جس کے پنجرے میں بند پرندوں کی پوری خبر گیری نہ ہوتی ہو وہ کتنی ہی عبادت کرے محسنین میں شمار نہیں ہوگا۔ (بحوالہ معارف القرآن، ج۵ ص۳۹۱)۔ قرآنِ مجید میں سے مثالیں: ﴿اِنَّا لَا نُضِيۡعُ اَجۡرَ مَنۡ اَحۡسَنَ عَمَلًا ۚ﴾ (18/الکھف:30) ''بے شک ہم ضائع نہیں کرتے اس کے اجر کو جو عمدہ (اور مفید) کام کرتا ہے۔'' ﴿اِذَا مَا اتَّقَوۡا وَّ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوۡا وَّ اٰمَنُوۡا ثُمَّ اتَّقَوۡا وَّ اَحۡسَنُوۡا ؕ﴾ (5/الاعراف:93) ''جبکہ انہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے اور عمل کیے بھلائیوں والے پھر انہوں نے (مزید) تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے پھر انہوں نے (اور) تقویٰ اختیار کیا اور درجۂ احسان کو پہنچے۔''

عدل اور احسان میں فرق: قرآن مجید میں فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَالۡاِحۡسَانِ﴾ (16/النحل:90) ''بے شک اللہ تعالیٰ تم کو عدل اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔'' امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''احسان عدل سے بڑھ کر چیز ہے کیونکہ دوسرے کا حق پورا ادا کر دینا اور اپنا حق پورا لے لینے کا نام عدل ہے لیکن احسان یہ ہے کہ دوسروں کو ان کے حق سے زیادہ دیا جائے اور اپنے حق سے کم لیا جائے لہٰذا احسان کا درجہ عدل سے بڑھ کر ہے۔'' (مفردات القرآن، ج۱، ص۲۳۷)۔ اور حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''عدل تو یہ ہے کہ دوسرے کا حق پورا پورا اس کو دے دے اور اپنا وصول کر لے، نہ کم نہ زیادہ، اور کوئی تکلیف تمہیں پہنچائے تو ٹھیک اتنی ہی تکلیف تم اس کو پہنچاؤ نہ کم نہ زیادہ، اور احسان یہ ہے کہ دوسرے کو اس کے اصل حق سے زیادہ دو اور خود اپنے حق میں چشم پوشی سے کام لو، کہ کچھ کم ہو جائے تو بخوشی قبول کر لو، اسی طرح دوسرا کوئی تمہیں ہاتھ یا زبان سے ایذا پہنچائے تو تم برابر کا انتقام لینے کے بجائے اس کو

معاف کردو، بلکہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دو اسی طرح عدل کا حکم تو فرض واجب کے درجہ میں ہوا اور احسان کا حکم نفلی اور تبرع کے طور پر ہوا۔'' (معارف القرآن، ج۵،ص۳۹۱)۔ عدل سے بھی معاشرے میں امن قائم ہوتا ہے لیکن احسان سے مزید خوشگواری اور اپنائیت کے جذبات نشوونما پاتے ہیں۔

ہر چیز میں احسان کا حکم: اسلام میں ہر چیز میں احسان یعنی حسن وخوبی کے ساتھ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ قرانِ مجید میں سورہ النحل کی آیت 90 آپ نے پڑھ لی اب صحیح مسلم کی یہ حدیث مبارک دیکھیے، فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ کَتَبَ الْاِحْسَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ فَاِذَا قَتَلْتُمْ فَاَحْسِنُوا الْقِتْلَۃَ وَاِذَا ذَبَحْتُمْ فَاَحْسِنُوا الذِّبْحَ وَلْیُحِدَّ اَحَدُکُمْ شَفْرَتَہٗ وَلْیُرِحْ ذَبِیْحَتَہٗ (مسلم) ''اللہ تعالیٰ نے ہر شے کے سلسلے میں 'احسان' تم پر فرض کیا ہے، تو جب قتل کرو تو اچھی طرح قتل کرو اور جب ذبح کرو تو اچھی طرح ذبح کرو اور اپنی چھری تیز کرو اور اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ۔''

احسان کا بدلہ احسان: قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ھَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴾ (55/الرحمٰن:60) ''احسان کا بدلہ احسان کے سوا کیا ہے۔'' اس آیت میں پہلے احسان سے مراد ہے حسنِ عبادت اور حسنِ معاملات اور دوسرے احسان سے مراد ہے اس کا صلہ یعنی جنت اور اس کی نعمتیں حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے اس آیت کا ترجمہ نہایت خوب صورت انداز سے کیا ہے فرماتے ہیں: ''بھلا کمال اطاعت کا بدلہ بجز کمال عنایت کے کچھ اور بھی ہو سکتا ہے۔''

مُحْسِنٌ ج: مُحْسِنُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ درجۂ احسان پر کام کرنے والا یعنی ہر عمل کو اچھے اور بہترین طریقے سے کرنے والا۔ پورے خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والا، جیسے حدیث مبارک میں احسان کی تعریف کی گئی ہے۔ نیکیاں کرنے والا۔ لوگوں سے حسن سلوک کرنے والا۔ ﴿بَلٰی ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْھَہٗ لِلّٰہِ وَھُوَ مُحْسِنٌ فَلَہٗٓ اَجْرُہٗ عِنْدَ رَبِّہٖ ﴾ (2/البقرۃ:112) ''کیوں نہیں جس نے تابع کر دیا منہ اپنا اللہ کے اور وہ نیک کام کرنے والا ہے تو اس کے لیے ہے ثواب اس کا اپنے رب کے پاس۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴾ (2/البقرہ:195) ''بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

مُحْسِنَۃٌ ج: مُحْسِنَاتٌ۔ مُحْسِنٌ کی مؤنث۔ درجہ احسان پر کام کرنے والی۔ ﴿فَاِنَّ اللّٰہَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْکُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴾ (33/الاحزاب:29) ''تو بے شک اللہ تعالیٰ نے تیار کر رکھا ہے تم میں سے نیک کام کرنے والیوں کے لیے اجر عظیم۔''

اَحْسِنْ ج: اَحْسِنُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو احسان کر۔ ﴿وَاَحْسِنْ کَمَآ اَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْکَ ﴾ (28/القصص:77) ''اور احسان کیا کر (غریبوں پر) جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان فرمایا ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿وَاَحْسِنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴾ (2/البقرۃ:195) ''اور سلوک و احسان کرو، بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

ترکیب 'وَ' حرف عطف ہے اور اِذْ ظرف زمان ہے اور اس سے پہلے اُذْکُرُوْا محذوف ہے۔ قُلْنَا ماضی میں جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ اُدْخُلُوْا فعل امر کا جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ یہ فعل لازم ہے اس لیے اس کا مفعول نہیں آئے گا۔ چنانچہ آگے مرکب اشاری ھٰذِہِ الْقَرْیَۃَ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب

ہے۔ فَكُلُوْا میں 'ف' عطف کا ہے اور كُلُوْا، اُدْخُلُوْا پر عطف ہے۔ مِنْهَا، جار مجرور متعلق فعل ہیں۔ 'ھا' ضمیر اَلْقَرْيَةَ کے لیے ہے۔ حَيْثُ ظرف مکان ہے۔ شِئْتُمْ، ماضی میں جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ رَغَدًا، یہاں محذوف مفعول مطلق اَكْلًا کی صفت ہے یعنی یہ جملہ یوں ہے فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ اَكْلًا رَغَدًا۔ رَغَدًا کو كُلُوْا کی ضمیر فاعلی کا حال بھی مانا گیا ہے۔ آگے 'وَ' عطف کا ہے اور اُدْخُلُوْا فعل امر کا صیغہ ہے۔ اَلْبَابَ، ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور سُجَّدًا، اُدْخُلُوْا کی ضمیر فاعلی کا حال ہے۔ وَقُوْلُوْا میں 'وَ' عطف کا ہے اور قُوْلُوْا، فعل امر کا صیغہ ہے۔ حِطَّةٌ، اگر قُوْلُوْا کا مفعول ہوتا تو حالت نصب میں حِطَّةً آتا۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ یہ مفعول نہیں ہے۔ یہاں حِطَّةٌ محذوف مبتدا کی خبر ہے اس لیے حالت رفع میں ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے وَقُوْلُوْا دُعَاءُنَا حِطَّةٌ۔ اَیْ: حُطَّ عَنَّا ذُنُوْبَنَا۔ آگے نَغْفِرْ فعل امر قُوْلُوْا کا جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہوا ہے۔ لَكُمْ متعلق فعل ہے اور خَطٰيٰكُمْ مفعول ہے۔ وَسَنَزِيْدُ میں 'وَ' استئنافیہ ہے 'س' مستقبل کے لیے ہے، نَزِيْدُ جمع متکلم کا صیغہ ہے اور اَلْمُحْسِنِيْنَ اس کا مفعول ہے۔

ترجمہ

البقرۃ:58

وَاِذْ قُلْنَا	ادْخُلُوْا	هٰذِهِ الْقَرْيَةَ	فَكُلُوْا	مِنْهَا
اور (یاد کرو) جب ہم نے کہا	تم داخل ہو	اس بستی میں	اور تم کھاؤ	اس میں سے
حَيْثُ	شِئْتُمْ	رَغَدًا	وَّادْخُلُوا	الْبَابَ
جہاں سے	تم چاہو	جی بھر کے	اور تم داخل ہو	دروازے میں
سُجَّدًا	وَّقُوْلُوْا	حِطَّةٌ	نَّغْفِرْ	لَكُمْ
سجدہ کرنے والوں کی حالت میں	اور کہو	معافی ہو	تو ہم بخش دیں گے	تمہارے لیے

خَطٰيٰكُمْ ؕ	وَسَنَزِيْدُ	الْمُحْسِنِيْنَ ۝٥٨
تمہاری خطاؤں کو	اور ہم زیادہ دیں گے	نیکی کرنے والوں کو

آیت:59

﴿ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝٥٩ ع ﴾

ب د ل

(ن) بَدْلًا بدلنا۔ بدلے میں لینا۔

بَدَلٌ اسم ذات ہے۔ بدلے میں ملی ہوئی چیز۔ بدل۔ بدلہ۔ ﴿ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝٥٠ ﴾ (18/الکہف:50) ''بہت برا ہے ظالموں کے لیے بدلہ۔''

(افعال) اِبْدَالًا کسی چیز کی جگہ دوسری چیز رکھنا۔ بدل دینا۔ بدلے میں دینا۔ ﴿ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ ﴾ (68/القلم:32) ''امید ہے ہمارے رب سے کہ وہ بدلے میں دے ہم کو اس سے بہتر۔''

(تفعیل) تَبْدِيْلًا کسی چیز کی جگہ دوسری چیز رکھنا۔ بدل دینا یا بدلے میں دینا (تدریجاً)۔ تبدیل کرنا۔ ﴿ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ ﴾ (7/الاعراف:95) ''پھر ہم نے رفتہ رفتہ تبدیل کیا برائی کی جگہ کو بھلائی سے۔''

مُبَدِّلٌ — اسم الفاعل ہے۔تبدیل کرنے والا۔﴿وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ﴾(6/الانعام:34)''اور کوئی تبدیل کرنے والا نہیں ہے اللہ کے فرمانوں کو۔''

بَدِّلْ — فعل امر ہے۔تو بدل۔تو تبدیل کر۔﴿قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ﴾ (10/یونس:15)''کہتے ہیں وہ لوگ جن کو امید نہیں ہم سے ملاقات کی لے آ کوئی قرآن اس کے سوا یا اس کو بدل ڈال۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

(تفعّل) تَبَدُّلًا — کسی چیز کی جگہ دوسری چیز رکھنا۔کسی چیز کی جگہ دوسری چیز لینا۔بدلنا۔﴿وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝﴾(2/البقرۃ:108)''اور جو بدل لیتا ہے کفر کو ایمان سے تو وہ بھٹک گیا سیدھی راہ سے۔''

(استفعال) اِسْتِبْدَالًا — کسی چیز کی جگہ دوسری چیز طلب کرنا۔تبدیلی چاہنا۔﴿اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ؕ﴾ (2/البقرۃ:61)''کیا تم لوگ وہ چاہتے ہو جو گھٹیا ہے اس کے بدلے میں جو بہتر ہے۔''

ظ ل م: البقرۃ آیت 17 دیکھیں۔ ق و ل: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ غَيْرٌ: الفاتحہ آیت 7 دیکھیں۔
ن ز ل: البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔

ر ج ز

(ن) رَجْزًا — (۱) کسی چیز کا خوب ہلنا۔کپکپانا۔جب کمزوری کی وجہ سے چلتے وقت اونٹ کی ٹانگیں کپکپانے لگیں اور وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھانے لگے تو عرب کہتے ہیں رَجَزَ الْبَعِيْرُ۔(۲) رجزیہ اشعار (یعنی جنگی اشعار) پڑھنا۔

رِجْزٌ اور رُجْزٌ — اسم ذات ہے۔(۱) عذاب، جو جسم پر کپکپی طاری کر دے۔مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں:''رِجْزٌ عام ہے۔ہر عذاب کے لیے خواہ وہ کسی صورت میں ہو۔''اور بعض بزرگوں کے مطابق ایسا عذاب جو اپنی شدت کے باعث لرزہ خیز ہو اور اس کے جھٹکے شدید اور لگاتار ہوں۔(۲) گندگی۔نجاست۔بت۔﴿اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ﴾(29/العنکبوت:34)''بے شک ہم نازل کرنے والے ہیں اس بستی کے لوگوں پر ایک عذاب آسمان سے۔''﴿وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ﴾(8/الانفال:11)''اور تاکہ وہ لے جائے تم سے شیطان کی گندگی کو۔''﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝﴾(74/المدثر:5)''اور گندگی سے دور رہ۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔''اور بتوں سے الگ رہیے۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔

س م و: آیت بسم اللہ دیکھیں۔ ف س ق: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔

ترکیب 'فَ' استینافیہ ہے۔بَدَّلَ فعل۔اَلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اسم موصول اور صلہ مل کر اس کا فاعل اور قَوْلًا مفعول بِہٖ ہے۔جملہ غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ، قَوْلًا کی صفت ہے۔اسی لیے غَيْرَ حالت نصب میں ہے اور مضاف ہے۔اَلَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ، اسم موصول اور صلہ مل کر مضاف الیہ ہیں۔قِيْلَ، ماضی مجہول کا صیغہ ہے اور اس کا نائب الفاعل اس میں شامل ضمیر 'هُوَ' ہے اور اس سے مراد وہ بات ہے جس کے کرنے کا ان کو حکم دیا گیا تھا یعنی وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ۔لَهُمْ متعلق فعل ہے۔فَاَنْزَلْنَا میں 'فَ' عطف کا ہے۔اَنْزَلْنَا فعل، رِجْزًا مفعول اور عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا متعلق فعل ہے۔مِنَ السَّمَآءِ، رِجْزًا کی صفت ہے۔رِجْزًا کی تنوین عذاب کی شدت کے اظہار کے لیے ہے۔بِمَا میں 'بِ' سببیہ ہے اور 'مَا' یہاں مصدریہ ہے جس نے بعد والے جملے میں مصدری معنی پیدا کر دیے ہیں۔كَانُوْا، فعل ناقص ہے اور اس کا اسم اس میں شامل ضمیر 'هُمْ' ہے اور آگے جملہ فعلیہ يَفْسُقُوْنَ اس کی خبر ہے۔یہ بھی یاد کر لیجیے

کہ کَانَ جب مضارع پہ داخل ہوتو اس سے دوام اور استمرار کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ 'ما' مصدریہ سے اب اس سارے جملے کی ترکیب ہو جائے گی بِسَبَبِ فِسْقِهِمُ الْمُسْتَمِرِّ۔ یعنی ان کی مسلسل نافرمانی کرنے کی وجہ سے ان پر آسمان سے عذاب نازل کیا گیا۔ اور یہ بھی نوٹ کر لیجئے کہ آیت میں اَلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا کی تکرار، ان ظالموں کے ظلم کو نمایاں کرنے کے لیے ہے۔ (واللّٰہ اعلم)۔

ترجمہ
البقرۃ:59

فَبَدَّلَ	الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا	قَوْلًا	غَیْرَ الَّذِیْ
تو بدل ڈالا	ان لوگوں نے جنھوں نے ظلم کیا	بات کو	اس کے علاوہ جو

قِیْلَ لَھُمْ	فَاَنْزَلْنَا	عَلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا	رِجْزًا
کہی گئی تھی ان سے	تو ہم نے نازل کیا	ان پر جنھوں نے ظلم کیا	ایک عذاب

مِّنَ السَّمَآءِ	بِمَا کَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾
آسمان سے	اُن کی مسلسل نافرمانی کرنے کی وجہ سے

نوٹ:1 ''تبدیلی یہ کی کہ بجائے حطۃ براہِ تمسخر حنطۃ کہنے لگے (یعنی گیہوں) اور سجدہ کی جگہ اپنے سرینوں پر پھسلنا شروع کیا جب شہر میں پہنچے تو اُن پر طاعون پڑا، دو پہر میں ستر ہزار یہود مر گئے۔'' (تفسیر عثمانیؒ ص ۱۲)

نوٹ:2 اس آیت مبارکہ کے تحت اگر معارف القرآن سے ''کلام میں لفظی تغیر و تبدّل کا حکم شرعی'' پڑھ لیا جائے تو انشاء اللہ بہت فائدہ ہوگا۔

آیت:60

﴿وَاِذِ اسْتَسْقٰی مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۭ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۶۰﴾﴾

اِذْ: البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔

س ق ی

(ض) سَقْیًا اور سِقَایَةً کسی کو پلانا۔ سیراب کرنا۔ ﴿وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿۲۱﴾﴾ (76/الدھر:21) ''اور پلائے گا ان کو ان کا رب انتہائی پاکیزہ شراب۔'' ﴿اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ (9/البقرۃ:19) ''کیا تم نے کر دیا حاجیوں کا پانی پلانا اور مسجد الحرام کا بسانا۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

سُقْیَا مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے مثلاً (۱) مصدر ہے بمعنی کسی کو پلانا۔ (۲) مصدر ہے بمعنی پانی پینا۔ (۳) اسم ذات ہے بمعنی پانی پینے کی باری۔ ﴿فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْیٰهَا ﴿۱۳﴾﴾ (91/الشمس:13) ''اور ان لوگوں سے اللہ کے رسول نے کہا کہ اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے سے خبردار رہنا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ''پھر کہا اُن کو اللہ کے رسول نے خبردار رہو اللہ کی اونٹنی سے اور اس کی پانی پینے کی باری سے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

سِقَایَۃٌ مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے اور مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔(۱) پانی پلانے کی جگہ۔(۲) پانی پینے کا برتن۔ پیالہ۔(۳) پانی جمع کرنے کی جگہ۔ حوض۔﴿ جَعَلَ السِّقَایَۃَ فِیْ رَحْلِ اَخِیْہِ ﴾(12/یوسف:70)''اس نے رکھا پانی کے پیالے کو اپنے بھائی کے تھیلے میں۔''

(افعال) اِسْقَاءً کسی کو پینے کے لیے دینا۔﴿ نُسْقِیْکُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِہٖ مِنْۢ بَیْنِ فَرْثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا ﴾(16/النحل:66)''ہم پینے کے لیے دیتے ہیں تم کو اس میں سے جو ان کے پیٹوں میں ہے، گوبر اور خون کے بیچ میں سے خالص دودھ۔''

(استفعال) اِسْتِسْقَاءً کسی سے پانی طلب کرنا۔ پینے کے لیے مانگنا۔﴿ وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اِذِ اسْتَسْقٰىہُ قَوْمُہٗۤ ﴾(7/الاعراف:160) ''اور ہم نے وحی کی حضرت موسیٰؑ کی طرف جب پینے کے لیے مانگا اس سے اس کی قوم نے۔'' اور آیت زیر مطالعہ۔

ق و م: الفاتحہ آیت 5 دیکھیں۔ ق و ل: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ ض ر ب: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔

ع ص و

(ن) عَصْوًا کسی کو لاٹھی سے مارنا۔

عَصًا تثنیہ: عَصَوَانِ۔ ج: عِصِیٌّ۔ اسم ذات ہے۔ لاٹھی۔﴿ قَالَ هِیَ عَصَایَ ﴾(20/طٰہٰ:18)''انہوں نے کہا یہ میری لاٹھی ہے۔'' ﴿ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَ عِصِیَّهُمْ ﴾ (26/الشعراء:44)''تو ان لوگوں نے ڈالیں اپنی رسیاں اور اپنی لاٹھیاں۔''

ح ج ر: البقرۃ آیت 24 دیکھیں۔

ف ج ر

(ن) (ا) فَجْرًا کسی چیز کو وسیع طور پر پھاڑنا۔ کسی چیز کو پھاڑ کر پانی بہانا۔ پانی کے بہاؤ کے لیے راستہ چیرنا۔﴿ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْۢبُوْعًا ۙ﴾(17/بنی اسرائیل:90)''اور انہوں نے کہا ہم ہرگز نہ مانیں گے تیری بات یہاں تک کہ تو پھاڑ کر بہا دے ہمارے لیے زمین سے ایک چشمہ۔''

فَجْرٌ اصل میں مصدر ہے لیکن بطور ظرف بھی استعمال ہوتا ہے۔ فجر کا وقت۔ صبح۔ فجر کو فجر اس لیے کہتے ہیں کہ صبح کی روشنی بھی رات کی تاریکی کو پھاڑ کر نمودار ہوتی ہے۔﴿ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ﴾(17/بنی اسرائیل:78)''آپؐ نماز قائم کیجیے سورج ڈھلنے (کے بعد) سے لے کر رات کا اندھیرا ہونے تک اور (قائم کیجیے) فجر کے وقت کا قرآن پڑھنا بھی (یعنی فجر کی نماز)۔''

(ب) فُجُوْرًا اس کا لغوی معنی ہے سوار کا زین سے ایک طرف جھک جانا۔ پھر یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑ کر اپنی مرضی کرنا، حق سے روگردانی کرنا، نافرمانی کرنا اور جھوٹ بولنا کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔﴿ یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ لِیَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۚ﴾ (75/القیامہ:5)''بلکہ انسان چاہتا ہے کہ وہ نافرمانی کرے اپنے آگے بھی یعنی آئندہ بھی۔''

فُجُوْرٌ اسم ذات بھی ہے۔ نافرمانی۔ برائی۔ ﴿ وَنَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا ۝ ﴾ (91/الشمس:7-8) ''قسم ہے نفس کی اور اس کو درست کرنے والے کی۔ پھر اس کے دل میں ڈال دیا اس کی نافرمانی اور اس کی پارسائی کو۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

فَاجِرٌ ج: فَاجِرُوْنَ، فُجَّارٌ اور فَجَرَۃٌ۔ فُجُوْرٌ سے اسم الفاعل ہے۔ نافرمانی کرنے والا، دین کا پردہ پھاڑنے والا، علانیہ گناہ کرنے والا، جھوٹا۔ ﴿ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝ ﴾ (71/نوح:27) ''اور وہ لوگ (اولاد) نہیں جنیں گے مگر نافرمان ناشکری۔'' ﴿ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ۝ ﴾ (38/ص:28) ''یا ہم بنادیں گے پرہیزگاروں کو نافرمانوں جیسا۔'' ﴿ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝ ﴾ (80/عبس:42) ''وہ یہی کافر بدکردار لوگ ہوں گے۔''

(تفعیل) تَفْجِيْرًا پھاڑنا۔ پھاڑ کر بہانا (اس میں تسلسل کا مفہوم ہوتا ہے)۔ ﴿ وَفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ۝ ﴾ (36/یٰس:34) ''اور ہم نے جاری کیے اس میں چشمے۔''

(تفعّل) تَفَجُّرًا پھوٹ بہنا۔ (کوشش اور تکلّف سے)۔ ﴿ وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ﴾ (2/البقرہ:74) ''اور بے شک پتھروں میں وہ بھی ہیں جن سے پھوٹ بہتی ہیں نہریں۔''

(انفعال) اِنْفِجَارًا پھوٹ بہنا۔ (بلا تکلّف)۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

ع ی ن

(ض) عَيْنًا (۱) نظر لگانا۔ (۲) پانی یا آنسو جاری ہونا۔ (۳) آنکھ پر مارنا۔

عَيْنٌ ج: اَعْيُنٌ۔ اسم ذات ہے۔ آنکھ۔ ﴿ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَ الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ ﴾ (5/المآئدہ:45) ''اور ہم نے واجب کیا ان پر اس میں (یعنی تورات میں) کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ۔'' ﴿ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا ﴾ (11/ھود:37) ''اور آپؐ بنائیں کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے۔'' عربی زبان میں عَيْنٌ کے معنی کسی چیز کا محافظ کے بھی آتے ہیں اور جب کہا جائے فُلَانٌ بِعَيْنِيْ تو اس سے مراد ہوتی ہے کہ فلاں میری حفاظت اور نگرانی میں ہے۔ چنانچہ ھود:37 کا ترجمہ اس محاورے کے لحاظ سے بھی کیا گیا ہے: ''اور تم کشتی ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے تیار کرو۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس آیت کے حاشیے میں علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''حق تعالیٰ نے نوحؑ سے فرمایا کہ ایک کشتی ہمارے رُوبرُو (یعنی ہماری حفاظت و نگرانی میں) ہمارے حکم اور تعلیم و الہام کے موافق تیار کرو۔'' (تفسیر عثمانی، ص ۲۹۸)

عَيْنٌ ج: عُيُوْنٌ۔ اسم ذات ہے۔ پانی کا چشمہ۔ ﴿ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ ﴾ (76/الدھر:6) ''ایک چشمہ، پئیں گے اس سے اللہ کے بندے۔'' ﴿ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۝ ﴾ (26/الشعراء:57) ''تو ہم نے نکالا ان کو باغوں اور چشموں سے۔''

عَيْنَاءُ ج: عِيْنٌ۔ یہ اَفْعَلُ الْعیوب میں اَعْيَنُ کی مؤنث ہے۔ مراد ہے بڑی اور خوب صورت آنکھوں والی۔ محاورہ عرب میں عِيْنٌ اور حُوْرٌ آنکھوں کی صفات ہیں اور اس سے عورت کا حسن و جمال مراد لیا جاتا ہے۔ عِيْن سے مراد موٹی موٹی آنکھوں والی اور حُوْر سے مراد ایسی عورت جس کی آنکھوں کی سفیدی نہایت سفید ہو اور سیاہی خوب سیاہ ہو۔ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ۝ ﴾ (37/الصافات:48) ''اور ان کے پاس ہیں نگاہ نیچی رکھنے

والیاں، بڑی آنکھوں والیاں۔'' وحشی/نیل گائے کی آنکھیں بھی چونکہ موٹی اور خوب صورت ہوتی ہیں لہٰذا اسے بھی عَیْنَاء کہا جاتا ہے۔

مَعِیْنٌ لغت میں اس لفظ کے دو مادے آتے ہیں (۱) م ع ن (ف) مَعْنًا، جس کا مطلب ہے پانی جاری ہونا، پانی جاری کرنا اور (۲) ع ی ن (ض) عَیْنًا، جس کا بھی ایک مطلب ہے پانی جاری ہونا۔ چنانچہ اس کا مادہ اگر م ع ن ہو تو یہ فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے بمعنی ''ہمیشہ اور ہر حال میں جاری شفاف پانی جو کبھی خشک نہ ہو۔'' اور اگر اس کا مادہ ع ی ن ہو تو پھر یہ مَفْعِلٌ کے وزن پر ظرف مکان ہے بمعنی ''پانی جاری ہونے کی جگہ''۔ مَفْعِلٌ کے وزن پر اصل میں مَعْیِنٌ بنے گا، جو پھر قواعد کے اطلاق کے بعد مَعِیْنٌ بن جائے گا۔ حضرت مولانا محمد نسیم صاحب بارہ بنکوی نے ''منتخب لغات القرآن'' میں سورہ مؤمنون کی آیت 50 کے تحت یہ دونوں باتیں لکھ دی ہیں، البتہ زیادہ تر علماء کی رائے کے مطابق اس لفظ کا مادہ ''م ع ن'' ہے (واللہ اعلم)۔ ہم اس لفظ کو ''ع ی ن'' کے تحت بھی پڑھ رہے ہیں اور انشاء اللہ سورہ مؤمنون کی آیت 50 کے تحت 'م ع ن'' میں بھی پڑھیں گے۔ ﴿وَاٰوَیْنٰهُمَآ اِلٰی رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِیْنٍ ﴾ (23/المؤمنون:50) ''اور ہم نے ان دونوں کو بلند زمین پر پناہ دی جو ٹھہرنے کے قابل تھی اور جہاں چشمے جاری تھے۔''

قَدْ قَدْ حرف تحقیق ہے اور فعل کے ساتھ مخصوص ہے۔ فعل ماضی پر بھی داخل ہوتا ہے اور مضارع پر بھی۔ ماضی پر داخل ہو تو (۱) ماضی مطلق کو ماضی قریب بنا دیتا ہے اور (۲) تاکید اور فی الواقع ہونے کا مفہوم پیدا کرتا ہے اور شک کو دور کرتا ہے۔ مثلاً: ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ (23/المومنون:1) ''یقیناً ایمان والوں نے فلاح پالی۔'' ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا﴾ (58/المجادلۃ:1) ''بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپؐ سے اپنے شوہر کے بارے میں تکرار کر رہی تھی۔'' کبھی تاکید بڑھانے کے لیے قَدْ پر لام تاکید بھی داخل کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً: ﴿لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (48/الفتح:18) ''یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہو گیا۔'' فعل مضارع پر قَدْ داخل ہو تو تکثیر کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسے فرمایا: ﴿قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ﴾ (2/البقرۃ:144) ''ہم نے کئی بار دیکھا ہے آپؐ کے چہرے کا آسمان کی طرف اٹھنا۔'' اس آیت میں بقول زمخشری کثرت رؤیت مراد ہے۔ قَدْ کے اور بھی کئی استعمالات ہیں جو لغات القرآن سے دیکھے جا سکتے ہیں۔

ع ل م: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ ك ل ل: البقرۃ آیت 20 دیکھیں۔

ء ن س

(ض) **اِنْسًا، اُنْسًا** کسی چیز کو دیکھ کر یا سن کر وحشت دور ہونا۔ اجنبیت دور ہونا۔ مانوس ہونا۔

اَلْاِنْسَانُ البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔

(افعال) **اِیْنَاسًا** کسی چیز سے انس پانا۔ کسی چیز کو دیکھنا اور جاننا۔ محسوس کرنا۔ صاحبؒ مترادفات القرآن لکھتے ہیں: ''انس کے معنی نہ غور کرنا ہے نہ نظر سے دیکھنا اور نہ دیدۂ دل سے دیکھنا (یعنی دل کی نظر سے دیکھنا) بلکہ اس کا معنی مانوس ہونا یا کسی چیز کا قرائن سے معلوم ہونا اور امام راغبؒ کے الفاظ میں کسی سے انس پانا ہے۔ تاہم اپنی زبان کے محاورہ کے لحاظ سے اس کا ترجمہ دیکھنا سے کر لیا جاتا ہے یعنی دُور سے یا گہری نظر سے دیکھ کر معلوم کر لینا۔'' (مترادفات القرآن:۵۰۶)۔ ﴿فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا﴾ (4/النساء:6) ''پھر اگر تم دیکھو ان میں سمجھ بوجھ۔'' ﴿اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا﴾ (27/النمل:7) ''میں نے آگ دیکھی۔''

(استفعال) اِسْتِیْنَاسًا انسیت چاہنا۔ کسی کو اپنے سے مانوس کرنا تا کہ وحشت دور ہو۔ اجازت لینا۔ اس کے ساتھ 'ل' کا صلہ آئے تو مطلب ہوتا ہے کسی کام کے لیے جی لگا کر بیٹھنا۔ ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ﴾ (24/النور:27) ''اے ایمان والوتم اپنے (خاص) گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک کہ اجازت حاصل نہ کرلو اور ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو۔'' اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجدؒ فرماتے ہیں: ''تَسْتَاْنِسُوْا: محض اجازت طلب کرنے کے لیے لفظ تَسْتَاْذِنُوْا کافی تھا۔ بجائے اس کے تَسْتَاْنِسُوْا لانے سے (جو انس سے ہے) مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ اسے اپنا نام و پتہ پوری طرح بتا دو تا کہ اسے وحشت نہ رہے۔''

(تفسیر ماجدیؒ، ص:۷۳۶)

مُسْتَأْنِسٌ ج: مُسْتَأْنِسُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ انسیت چاہنے والا۔ جی لگا کر بیٹھ رہنے والا۔ ﴿ فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ﴾ (33/الاحزاب:53) ''پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

ش ر ب

(س) شَرْبًا، شِرْبًا، شُرْبًا پینا۔ ﴿ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ﴾ (2/البقرہ:249) ''پس جس نے پیا اس سے تو وہ نہیں ہے مجھ سے۔''

اِشْرَبْ ج: اِشْرَبُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو پی۔ ﴿ وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ﴾ (7/الاعراف:31) ''اور تم لوگ پیو اور ضرورت سے زیادہ خرچ مت کرو۔''

شَارِبٌ ج: شَارِبُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ پینے والا۔ ﴿ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴾ (47/محمد:15) ''اور کچھ نہریں ہیں لذیذ شراب کی پینے والوں کے لیے۔''

مَشْرَبٌ ج: مَشَارِبُ۔ اسم الظرف ہے۔ پینے کی جگہ۔ مَشْرَبٌ آیت زیر مطالعہ میں آیا ہے اور ﴿ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ﴾ (36/یٰسٓ:73) ''اور ان کے لیے ہے اس میں نفع اٹھانے اور پینے کے مقامات۔''

شِرْبٌ پانی پینے کی ایک باری۔ پانی کا ایک حصہ۔ ﴿ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّ لَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴾ (26/الشعراء:155) ''یہ ایک اونٹنی ہے۔ اس کے لیے ہے پینے کی ایک باری اور تمہارے لیے ہے ایک معلوم دن کی پینے کی باری۔''

شُرْبٌ یہ مصدر ہے بمعنی پینا اور اسم کا معنی بھی دیتا ہے بمعنی مشروب۔ ﴿ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴾ (56/الواقعہ:55) ''پھر وہ لوگ پینے والے ہیں پیاسے اونٹ کی طرح پینا۔''

شَرَابٌ اسم ذات ہے۔ پینے کی چیز۔ ''شراب عربی میں ہر مشروب (پینے والی چیز) کو کہتے ہیں۔ اس سے ذہن اُردو کے لفظ شراب اور اُس کے گندے، نشیلے مفہوم کی طرف کہیں منتقل نہ ہو جائے۔'' (تفسیر ماجدیؒ)۔ ''ہر وہ چیز جس کو چبانا نہ پڑے بلکہ پیا جائے، عربی میں اس کے لیے شراب کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔'' (لغات القرآن، ج ۳، ص ۲۶۵)۔ ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴾ (10/یونس:4) ''اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے ہے پینے کی چیز کھولتے پانی میں سے۔'' اردو میں جسے شراب کہا جاتا ہے عربی میں اسے ''خمر'' کہتے ہیں۔

(افعال) اِشْرَابًا پلانا۔ ﴿وَ اُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ﴾ (2/البقرہ:93) ''اور پلایا گیا ان کے دلوں میں بچھڑے (کی محبت کو) ان کے کفر کی وجہ سے۔'' عربی محاورے میں جب کسی کی محبت یا دشمنی دل میں سرایت کر جائے تو اس کے لیے لفظ شَرَابٌ کو بطور استعارہ استعمال کرتے ہیں۔ اُشْرِبَ فِیْ قَلْبِهٖ حُبَّ فُلَانٍ کا مطلب ہے، اس کے دل میں اس کی محبت جڑ پکڑ گئی۔ مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''﴿اُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمْ﴾ مراد یہ ہے کہ گوسالا کی محبت ان کی رگ رگ میں رچ گئی تھی، جیسے پانی رگ رگ میں پہنچ کر جزوِ بدن بن جاتا ہے۔ مشروب سے یہ استعارہ شدید محبت اور شدید نفرت دونوں موقعوں پر اہلِ عرب کی زبان میں عام ہے۔'' (تفسیر ماجدیؒ:۴۷)

ء ك ل: البقرۃ آیت 35 دیکھیں۔ ر ز ق: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔ ء ل ہ: آیت بسم اللہ دیکھیں۔

ع ث ی

(ف۔س) عِثِيًّا کفر یا غرور میں مبالغہ کرنا۔ سخت فساد پیدا کرنا۔ انتشار پھیلانا۔

لَا تَعْثَوْا فعل نہی ہے۔ جمع مذکر حاضر کا صیغہ۔ تم فساد مت پھیلاؤ۔ آیت زیرِ مطالعہ۔ نوٹ: لَا تَعْثَوْا کا مادہ بعض اہلِ لغت نے 'ع ی ث' بھی لکھا ہے، عَيْثًا مصدر سے۔ عَيْثٌ کا لفظ زیادہ تر فسادِ حسی کے لیے بولا جاتا ہے اور عِثِيٌّ کا لفظ ذہنی اور فکری فساد کے لیے یعنی تقریروں اور لٹریچر کے ذریعے غلط عقائد اور نظریات پھیلانا۔

ء ر ض: البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔ ف س د: البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔

ترکیب 'وَ' حرف عطف ہے۔ اِذْ ظرف زمان ہے۔ اس سے پہلے اُذْكُرُوْا محذوف ہے۔ اِذْ کو آگے ملانے کے لیے زیر دی ہے۔ اِسْتَسْقٰى کے فاعل حضرت موسیٰ ؑ ہیں اور لِقَوْمِهٖ متعلق فعل ہے۔ فَقُلْنَا میں 'فَ' عطف کا ہے اور قُلْنَا ماضی میں جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر نَحْنُ ہے۔ اِضْرِبْ فعل امر ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتَ کی ضمیر ہے جو حضرت موسیٰ ؑ کے لیے ہے، بِعَصَاكَ متعلق فعل ہے اور اَلْحَجَرَ مفعول ہے اس لیے نصب میں ہے۔ اِنْفَجَرَتْ کا فاعل اِثْنَتَا عَشْرَةَ ہے۔ چونکہ گیارہ سے انیس تک کے عدد میں عَشَرَ مبنی برفتحہ ہوتا ہے اس لیے اِثْنَتَا (دراصل اِثْنَتَانِ) فاعل ہونے کی وجہ سے رفع میں ہے، مِنْهُ، جار مجرور متعلق فعل ہیں اور 'ہ' ضمیر اَلْحَجَرَ (پتھر) کے لیے ہے، جبکہ عَيْنًا تمیز ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ قَدْ تاکید کے لیے ہے اور عَلِمَ کا فاعل كُلُّ اُنَاسٍ ہے۔ یہ چونکہ مرکب اضافی ہے اس لیے فاعل کی رفع صرف مضاف كُلُّ پر آئی ہے۔ مَشْرَبَهُمْ بھی مرکب اضافی اور عَلِمَ کا مفعول ہے، اسی لیے منصوب ہے۔ اس کی نصب بھی صرف مضاف مَشْرَبَ پر آئی ہے۔ كُلُوْا اور اِشْرَبُوْا دونوں امر کے صیغے ہیں ان کے درمیان 'وَ' عطف کا ہے اور ان سے پہلے قُلْنَا لَهُمْ محذوف ہے۔ مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ متعلق فعل ہے۔ وَلَا تَعْثَوْا میں 'وَ' عطف کا ہے 'لَا' نہی کا ہے اور تَعْثَوْا، مضارع مجزوم ہے۔ اس کا فاعل اِس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے۔ فِی الْاَرْضِ متعلق فعل ہے اور مُفْسِدِیْنَ دراصل لَا تَعْثَوْا میں شامل اَنْتُمْ ضمیر فاعلی کا حال ہے اس لیے منصوب ہے۔ اس آخری حصے کے متعلق مولانا عبدالماجدؒ فرماتے ہیں: ''عثی کے معنی خود ہی فساد میں حد سے گزر جانے کے ہیں۔ مُفْسِدِیْنَ جو ترکیب میں حال واقع ہوا ہے۔ ہر پہلو سے فساد کی تاکید کے لیے ہے۔''

ترجمہ	وَاِذِ اسْتَسْقٰى	مُوْسٰى	لِقَوْمِهٖ	فَقُلْنَا	اضْرِبْ	بِّعَصَاكَ
البقرۃ:60	اور (یاد کرو) جب پینے کے لیے پانی مانگا	حضرت موسیٰ ؑ نے	اپنی قوم کے لیے	تو ہم نے کہا	آپؑ ماریئے	اپنی لاٹھی سے

الْحَجَرَ ؕ	فَانْفَجَرَتْ	مِنْهُ	اثْنَتَا عَشْرَةَ	عَيْنًا ؕ	قَدْ عَلِمَ	كُلُّ اُنَاسٍ
پتھر کو	پس پھوٹ نکلے	اس سے	بارہ	چشمے	جان لیا	ہر ایک گروہ نے

مَّشْرَبَهُمْ ؕ	كُلُوْا وَاشْرَبُوْا	مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ	وَلَا تَعْثَوْا
اپنے پینے کی جگہ کو	(اور ہم نے اُن سے کہا) تم لوگ کھاؤ اور پیو	اللہ کے رزق میں سے	اور تم لوگ انتشار مت پھیلاؤ

فِي الْاَرْضِ	مُفْسِدِيْنَ
زمین میں	فساد برپا کرنے والے ہوتے ہوئے

نوٹ صاحبؒ مترادفات القرآن لکھتے ہیں: ''اَفْسَدَ کا اطلاق صرف ایک بار فساد کرنے پر بھی ہو سکتا ہے اور جب فساد عادت کی شکل اختیار کر جائے تو عَاثَ یا عَثَا آئے گا۔'' (مترادفات القرآن، ص ٦٦٧)۔ اور حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: ''لَا تَعْثَوْا، عثیٌ سے مشتق ہے جس کے معنی سخت فساد مچانے کے ہیں۔ یعنی مفسد اور فسادی تو تم پہلے ہی سے ہو مگر خیر اس فساد کو تم اپنی ہی ذات تک محدود رکھو۔ اس میں اور کسی قسم کا اضافہ نہ کرو اور نہ لوگوں میں اس کو پھیلاؤ۔'' (معارف القرآن، ج ١، ص: ١٨٩)۔ گویا فسادی کا فساد جب اس کی ذات سے عام معاشرے میں پھیلنے لگے اور دوسرے لوگ بھی اس کی زد میں آنے لگیں تو یہ شدتِ فساد یعنی عثیٌ ہے۔ (واللہ اعلم)۔

آیت: 61

﴿ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۚ﴿٦١﴾ ﴾

اِذْ: البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔ ق و ل: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔ ص ب ر: البقرۃ آیت 45 دیکھیں۔

ط ع م

(س) طَعْمًا، طَعَامًا اِس کا بنیادی مفہوم ہے کسی چیز کو چکھنا۔ چکھنا، کھانے سے بھی ہو سکتا ہے اور پینے سے بھی۔ اس لیے یہ لفظ کسی چیز کو کھانے اور پینے، دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً کھانے کے لیے فرمایا: ﴿ فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا ﴾ (33/الاحزاب:53) ''پس جب تم لوگ کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ۔'' عام مفہوم یہی لیا جاتا ہے۔ اور پینے کے لیے فرمایا: ﴿ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ ﴾ (2/البقرۃ:249) ''اور جس نے نہ پیا وہ یقیناً میرے ساتھیوں میں سے ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت میں يَطْعَمْهُ کا ترجمہ چکھنے سے بھی کیا گیا ہے۔ مثلاً: ''اور جس نے اس کو نہ چکھا تو وہ بے شک میرا ہے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

طَعْمٌ　اسم ذات بھی ہے۔ ذائقہ۔ مزہ۔ ﴿ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ﴾ (47/محمد:15) ''اور نہریں ہیں دودھ کی، نہیں بدلتا ان کا ذائقہ۔''

طَعَامٌ　اسم ذات بھی ہے۔ اس کے عام معنی ہیں خوراک۔ کھانے کی چیز۔ کھانا۔ جیسے فرمایا: ﴿ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ (3/آل عمران:93) ''سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں بنی اسرائیل کے لیے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ''ہر کھانا بنی اسرائیل کے لیے حلال تھا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ حدیث مبارک میں طعام کا لفظ گندم کے لیے بھی آیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوسعید الخذریؓ کی روایت میں صَاعًا مِنْ طَعَامٍ کے الفاظ آئے ہیں۔ البتہ بعض علماءِ کرام نے اس حدیث میں طعام کے عام معنی ہی لیے ہیں۔ سورۃ المائدہ کی آیت 5 میں طعام کا لفظ ''ذبیحہ'' کے لیے استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ﴾ (5/المائدۃ:5) ''اور اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے۔'' اور کبھی طعام کا لفظ اِطْعَامٌ، ''کسی کو کھانا کھلانا'' کے معنوں میں بھی استعمال ہوجاتا ہے جیسے فرمایا: ﴿ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ ﴾ (107/الماعون:3) ''اور فقیر کے کھانا کھلانے پر رغبت نہیں دلاتا۔''

طَاعِمٌ　اسم الفاعل ہے۔ کھانے والا۔ ﴿ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ ﴾ (6/الانعام:145) ''میں نہیں پاتا اس میں جو وحی کیا گیا میری طرف کسی حرام کی ہوئی چیز کو کھانے والے پر، وہ کھاتا ہے جس کو۔''

(افعال)　اِطْعَامًا　کسی کو کھانا کھلانا۔ کسی کو کھانا دینا۔ ﴿ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ﴾ (106/قریش:4) ''جس نے کھلایا ان کو بھوک میں۔''

اَطْعِمْ　ج: اَطْعِمُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو کھلا۔ ﴿ وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ﴾ (22/الحج:36) ''اور تم لوگ کھلاؤ قناعت کرنے والے کو (یعنی سوال نہ کرنے والے کو) اور مانگنے والے کو۔''

(استفعال)　اِسْتِطْعَامًا　کھانا مانگنا۔ ﴿ اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨاسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا ﴾ (18/الکہف:77) ''جب وہ دونوں پہنچے بستی والوں کے پاس تو انہوں نے کھانا مانگا اس کے رہنے والوں سے۔''

و ح د

(ض)　وَحْدًا، وَحْدَةً　تنہا ہونا۔ اکیلا ہونا۔ ﴿ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ ﴾ (7/الاعراف:70) ''انہوں نے کہا کیا آپؐ ہمارے پاس اس لیے آئے ہیں کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں۔'' قاموس القرآن کے مطابق وَحْدٌ کا لفظ ضمیر واحد کی طرف مضاف ہو کر ہی استعمال ہوتا ہے جیسے خَلَقَ اللّٰهُ الْعَالَمَ وَحْدَهٗ، تنہا اللہ نے دنیا پیدا کی۔

وَاحِدٌ　فَاعِلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ تنہا۔ اکیلا۔ ایک۔ ﴿ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ﴾ (2/البقرۃ:163) ''اور تمہارا معبود ایک معبود ہے۔'' کبھی اس کا استعمال اَحَدٌ کے معنی میں بھی ہوتا ہے یعنی لاثانی، بےنظیر۔ عربی میں کہا جاتا ہے هُوَ وَاحِدُ قَوْمِهٖ۔ وہ اپنی قوم میں لاثانی ہے یعنی علم وفضیلت وغیرہ میں سب سے بڑھا ہوا ہے۔ اسمائے حسنیٰ میں یہی معنی مراد ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ ﴾ (39/الزمر:4) ''وہی اللہ ہے اکیلا، سب پر غالب۔'' گنتی کا سب سے پہلا عدد بھی ہے یعنی ایک اور کبھی وَاحِدٌ، عدد کی صفت کے طور پر آتا ہے مثلاً اَلْفٌ وَاحِدٌ (ایک ہزار)۔

وَاحِدَةٌ　وَاحِدٌ کی مونث۔ ایک۔ اکیلی۔ ﴿ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ﴾ (2/البقرۃ:213) ''تھے سب لوگ ایک دین پر۔'' عَشَرَةٌ وَّاحِدَةٌ (ایک عشرہ)، مِائَةٌ وَّاحِدَةٌ (ایک سو)۔

وَحِیۡدٌ — فَعِیۡلٌ کے وزن پر صفت ہے۔تنہا۔اکیلا۔منفرد۔﴿ ذَرۡنِیۡ وَ مَنۡ خَلَقۡتُ وَحِیۡدًا ۙ﴾(74/المدثر:11)''آپ چھوڑ دیں مجھ کو اور اس کو جسے میں نے پیدا کیا اکیلا۔''

دع و:البقرۃ آیت23 دیکھیں۔ ر ب ب:الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔ خ ر ج:البقرۃ آیت22 دیکھیں۔

ن ب ت

(ن) نَبۡتًا اور نَبَاتًا — کسی چیز کا اُگنا یا اگانا۔(لازم و متعدی)۔﴿وَ شَجَرَۃً تَخۡرُجُ مِنۡ طُوۡرِ سَیۡنَآءَ تَنۡۢبُتُ بِالدُّہۡنِ ﴾(23/المؤمنون:20) ''اور ایک درخت، وہ نکلتا ہے طورسینا سے، اگتا ہے روغن کے ساتھ۔''اس آیت میں تَنۡۢبُتُ بِالدُّہۡنِ کی وضاحت کرتے ہوئے صاحبِ لغات القرآن فرماتے ہیں:''تَنۡۢبُتُ بِالدُّہۡنِ (وہ تیل اگاتی ہے) میں بَا حال کے لیے ہے تعدیہ کے لیے نہیں، کیونکہ نَبَتَ خود متعدی ہے مطلب یہ ہے کہ وہ اس طرح اگتی ہے کہ تیل اس میں بالقوہ موجود ہوتا ہے۔''(لغات القرآن، ج ۲ص: ۱۹۳)۔

نَبَاتٌ — اسم ذات بھی ہے۔زمین سے اگنے والی ہر چیز۔زمین کی پیداوار۔سبزہ۔﴿وَ الۡبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخۡرُجُ نَبَاتُہٗ بِاِذۡنِ رَبِّہٖ ۚ﴾ (7/الاعراف:58)''اور پاک شہر، نکلتا ہے اس کا سبزہ اس کے رب کی اجازت سے۔'' امام راغبؒ فرماتے ہیں:''ہر وہ چیز جو زمین سے اگتی ہے۔اسے نَبۡتٌ یا نَبَاتٌ کہا جاتا ہے۔خواہ وہ تنہ دار ہو جیسے درخت۔یا بے تنہ۔جیسے جڑی بوٹیاں لیکن عرف میں خاص کر نبات اسے کہتے ہیں جس کا تنہ نہ ہو۔بلکہ عوام تو جانوروں کے چارہ پر ہی نبات کا لفظ بولتے ہیں۔چنانچہ آیت کریمہ:﴿ لِّنُخۡرِجَ بِہٖ حَبًّا وَّ نَبَاتًا ﴿ۙ۱۵﴾﴾(78/النبا:15)''تاکہ اس سے اناج اور سبزہ پیدا کریں۔میں نبات سے مراد چارہ ہی ہے لیکن یہ اپنے حقیقی معنی کے اعتبار سے ہر بڑھنے والی چیز کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔اور نباتات، حیوانات اور انسان سب پر بولا جاتا ہے اور اِنۡبَات!(افعال) کا لفظ ان سب چیزوں کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔(مفردات القرآن، ج ۲ص: ۱۰۲۴)

(افعال) اِنۡبَاتًا — اگانا۔بڑھانا۔نشوونما کرنا۔﴿وَ اَنۡزَلَ لَکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنۡۢبَتۡنَا بِہٖ حَدَآئِقَ ﴾(27/النمل:60)''اور اس نے اتارا تمہارے لیے آسمان سے پانی پھر اس نے اگائے اس سے باغات۔''﴿وَّ اَنۡۢبَتَہَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ﴾(3/آل عمران:37)''اور بڑھایا اُس کو اچھی طرح بڑھانا۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔﴿ وَ اللّٰہُ اَنۡۢبَتَکُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ نَبَاتًا ﴿ۙ۱۷﴾﴾ (71/نوح:17)''اورتم کو زمین سے ایک(خاص اہتمام سے)اگایا ہے(اور پیدا کیا ہے)۔''(ترجمہ احسن البیان)۔

ع ر ض:البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔

بَقۡلٌ: سبزی۔ترکاری۔ساگ۔تدبر قرآن کے مطابق بقل کا لفظ سبزیوں اور ترکاریوں کی تمام اقسام کے لیے عام ہے۔

قِثَّآءٌ: ایک قسم کی لمبی سبز سبزی۔تر۔ککڑی۔

فُوۡمٌ: گندم۔گیہوں۔لہسن۔

عَدَسٌ: مسور۔دال

بَصَلٌ: پیاز

نوٹ: اِن الفاظ کے مادوں کی وضاحت نہیں کی گئی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اِن مادوں سے کوئی اور لفظ قرآنِ مجید میں استعمال نہیں ہوا ہے اور یہ الفاظ بھی صرف

اسی آیت میں آئے ہیں۔اس لیے اِن الفاظ کا صرف ترجمہ دے دیا گیا ہے۔

ب د ل:البقرۃ آیت 59 دیکھیں۔

د	ن	و

(ن۔س) (ا) دُنُوًّا (۱)قریب ہونا۔نزدیک ہونا۔خواہ یہ قرب ذاتی ہو،حکمی ہو،مکانی یا زمانی ہو یا بلحاظ مرتبہ ہو یہ لفظ سب کے لیے بولا جاتا ہے۔﴿ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ﴾(53/النجم:8)''پھر نزدیک ہوا اور لٹک آیا۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)(۲)اچھا ہونا۔بہتر ہونا۔

(ب) دَنَايَةً، دَنَاءَةً کم تر ہونا۔حقیر ہونا۔ذلیل ہونا۔

دَانٍ مؤنث دَانِيَةٌ۔ فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔قریب ہونے والا۔جھکنے والا۔قریب۔﴿ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴾(55/الرحمٰن:54)''اور دونوں باغوں کے پھل بہت ہی قریب ہوں گے۔''(ترجمہ ماجدیؒ)''اور دونوں باغوں کا پھل نیچے جھکا ہوگا۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔﴿ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۙ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ﴾(69/الحاقۃ:22-23)''اونچے باغ میں جس کے میوے جھکے پڑے ہیں۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

اَدْنٰى افعل التفضیل ہے۔واحد مذکر۔مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) زیادہ قریب۔زیادہ نزدیک۔﴿ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ اَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَرْتَابُوْۤا ﴾(2/البقرۃ:282)''اس میں پورا انصاف ہے اللہ کے نزدیک اور بہت درست رکھنے والا ہے گواہی کو اور نزدیک ہے کہ شبہ میں نہ پڑو۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔﴿ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا ﴾(4/النساء:3)''اس میں زیادتی نہ ہونے کی توقع قریب تر ہے۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔﴿ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ ﴾(5/المائدۃ:108)''یہ طریقہ زیادہ قریب ہے کہ گواہ دیا کریں گواہی جیسا کہ چاہیے۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔﴿ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ ﴾(73/المزمل:20)''بے شک تیرا رب جانتا ہے کہ تو اٹھتا ہے نزدیک دو تہائی رات کے۔''(ترجمہ شیخ الہندؒ)۔﴿ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۙ فِيْۤ اَدْنَى الْاَرْضِ ﴾(30/الروم:3)''اہل روم ایک قریب کی زمین میں مغلوب ہوگئے۔''(ترجمہ ماجدیؒ)

(۲)زیادہ بہتر۔زیادہ مناسب۔﴿ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ﴾(33/الاحزاب:59)''یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی جائیں۔''(ترجمہ تفہیم القرآن)۔

(۳) اگر''خیر''(بہتر) کے مقابلے پر استعمال ہو تو اس سے''حقیر،کم تر''مراد لیا جاتا ہے۔جیسے آیت زیر مطالعہ میں فرمایا:﴿ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ﴾''کیا تم لینا چاہتے ہو وہ جو کم تر ہے اس کے بدلے جو بہتر ہے۔''

(۴)اگر''اکثر''(زیادہ) کے مقابلے پر استعمال ہو تو اس سے''کم''مراد لیا جاتا ہے۔جیسے فرمایا:﴿ وَلَاۤ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ﴾(58/المجادلۃ:7)''اور نہ اس سے کم اور نہ زیادہ مگر یہ کہ وہ ان کے ساتھ ہی ہوتا ہے خواہ وہ کہیں ہوں۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔

(۵) اگر''اکبر''(بڑا) کے مقابلے پر استعمال ہو اس سے''چھوٹا یا تھوڑا''مراد لیا جاتا ہے۔جیسے فرمایا:﴿ وَ

لَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٢١﴾ (32/السجدۃ:21) ''بالیقین ہم انہیں قریب کے چھوٹے سے بعض عذاب اس بڑے عذاب کے سوا چکھائیں گے تاکہ وہ لوٹ آئیں۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ ''اور ہم ضرور چکھاتے رہیں گے انہیں تھوڑا عذاب بڑے عذاب سے پہلے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(٦) اَلْاَدْنٰى، قرآنِ مجید میں ''دنیا'' کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ﴾ (7/الاعراف:169) ''پھر ان کے بعد ایسے نالائق جانشین ہوئے جو کتاب کے وارث بنائے گئے، وہ لیتے ہیں اِس دنیا کا عارضی سامان اور کہتے ہیں ہمیں بخش دیا جائے گا۔'' اس آیت میں اَلْاَدْنٰى کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''لفظ اَدْنٰی، دُنُوٌّ بمعنی قرب سے بھی مشتق

کہا جاسکتا ہے، اِس صورت میں اَدْنٰی کے معنی اَقْرَب کے ہوجائیں گے، اسی کا مؤنث دُنْيَا ہے جس کے معنی قریب کے ہیں، آخرت کے مقابلہ یہ جہان انسان سے زیادہ قریب ہے اس لیے اس کو اَدْنٰی اور دُنْيَا کہا جاتا ہے، اور دُوسرا اِحتمال یہ بھی ہے کہ یہ لفظ دَنَاءَۃ بمعنی ذلت سے مشتق ہو تو اس کے معنی ذلیل وحقیر کے ہوجائیں گے، دنیا اور اس کے سب سامان بمقابلہ آخرت کے حقیر وذلیل ہیں اس لیے اس کو اَدْنٰی اور دُنْيَا کہا گیا۔'' (معارف القرآن، ج ۴، ص ۱۰۳)

اَلدُّنْيَا لفظ دُنْيَا دراصل اَفعل التّفضیل میں مؤنث کے صیغے فُعْلٰی کے وزن پر ہے۔ اصل میں دُنْوٰی بنتا ہے۔ 'وْ' کو 'یْ' میں تبدیل کرکے دُنْيَا لکھا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اسے معرّف باللّام اَلدُّنْيَا استعمال کیا گیا ہے۔ اگر اسے دُنُوٌّ سے مشتق مانا جائے تو پھر اس کا لفظی معنیٰ 'زیادہ نزدیک، زیادہ قریب' بنتا ہے اور اگر اسے دَنَاءَۃٌ سے مشتق مانا جائے تو پھر اس کا معنیٰ 'زیادہ حقیر، زیادہ ذلیل' بنتا ہے۔ اصطلاحاً اس سے مراد زمین اور زمینی زندگی ہے اور یہ لفظ آخرت کے مقابلے پر بولا جاتا ہے۔ ﴿ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ﴾ (22/الحج:11) ''اس نے دنیا میں بھی نقصان اٹھایا اور آخرت میں بھی۔'' آخرت کے مقابلے میں اس جہاں کے لیے جب اَدْنٰی یا دُنْيَا کا لفظ استعمال ہو تو اس سے دونوں مفہوم مراد لیے جاتے ہیں یعنی یہ جہاں، انسان سے آخرت کے مقابلے میں زیادہ قریب بھی ہے اور اس کا کل سامان آخرت کے مقابلے میں حقیر بھی ہے۔

اگر یہ لفظ ''اَقْصٰی'' کے مقابلے پر آئے تب بھی اس سے قریب کا مفہوم لیا جاتا ہے جیسے فرمایا: ﴿ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى ﴾ (8/الانفال:42) ''جب تم (مدینے کے) قریب کے ناکے پر تھے اور وہ (کافر) بعید کے ناکے پر۔''

(افعال) **اِدْنَاءٌ** قریب کرنا۔ لپیٹ لینا۔ اس کے ساتھ جب عَلٰی کا صلہ آئے تو مطلب ہوتا ہے اوپر سے لٹکا لینا ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ﴾ (33/الاحزاب:59) ''اے نبیؐ! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہلِ ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلّو لٹکا لیا کریں۔'' اس آیت کے تحت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ''اِدْنَاء کے اصل معنی قریب کرنے اور لپیٹ لینے کے ہیں، مگر جب اس کے ساتھ عَلٰی کا صلہ آئے تو اس میں اِرْخَاء یعنی اوپر سے لٹکا لینے کا مفہوم پیدا ہوجاتا ہے۔'' (تفہیم القرآن، ج ۴، ص:۱۲۹)

خ ی ر: البقرۃ آیت 54 دیکھیں۔ ھ ب ط: البقرۃ آیت 36 دیکھیں۔

م ص ر

(ن) مَصۡرًا کوئی سی چیزوں کے درمیان حد ہونا۔

مِصۡرٌ اگر معرب ہو تو اس کا مطلب ہے کوئی بھی فصیل والا شہر۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

مِصۡرُ اگر غیر منصرف ہو تو اس کا مطلب ہے ملک مصر۔ ﴿ یٰقَوۡمِ اَلَیۡسَ لِیۡ مُلۡکُ مِصۡرَ ﴾ (43/الزخرف:51) ''اے میری قوم کیا میرے لیے نہیں ہے مصر کی حکومت/سلطنت۔''

س ء ل

(ف) سُؤَالًا سوال کرنا۔ سوال کرنا کبھی تو کسی سے کوئی چیز مانگنے کے لیے ہو سکتا ہے اور کبھی کسی سے کسی چیز کے بارے میں پوچھنے اور جاننے کے لیے۔ چنانچہ اِس بنیادی مفہوم کے ساتھ یہ لفظ زیادہ تر انہی دو معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) کسی سے کوئی چیز مانگنا یا طلب کرنا۔ اس کے دو مفعول آتے ہیں۔ کس سے مانگا اور کیا مانگا۔ جس سے مانگا جائے وہ مفعول بنفسہٖ آتا ہے اور جو چیز مانگی جائے وہ کبھی بنفسہٖ آتی ہے کبھی مِنۡ کے صلے کے ساتھ اور کبھی 'بِ' کے صلے کے ساتھ۔ ﴿ وَاِذَا سَاَلۡتُمُوۡھُنَّ مَتَاعًا فَسۡـَٔلُوۡھُنَّ مِنۡ وَّرَآءِ حِجَابٍ ﴾ (33/الاحزاب:53) ''جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کرو۔'' ﴿ فَمَا سَاَلۡتُکُمۡ مِّنۡ اَجۡرٍ ؕ ﴾ (10/یونس:72) ''تو میں نے نہیں مانگا تم سے کوئی بھی معاوضہ۔'' ﴿ سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ﴾ (70/المعارج:1) ''مانگا ایک مانگنے والے نے عذاب پڑنے والا۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ''مانگا ایک مانگنے والے نے عذاب کو جو کافروں پر واقع ہونے والا ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔
(۲) کسی سے کسی چیز کے بارے میں پوچھنا۔ جس سے پوچھا جائے وہ مفعول بنفسہٖ آتا ہے۔ اور جس چیز کے بارے میں پوچھا جائے وہ کبھی مفعول بنفسہٖ ہوتا ہے۔ جیسے سَأَلْتُہٗ کَذَا، کبھی عَنۡ کے صلے کے ساتھ آتا ہے جیسے سَأَلْتُہٗ عَنۡ کَذَا اور کبھی 'بِ' کے صلے کے ساتھ جیسے سَأَلْتُہٗ بِکَذَا۔ البتہ عَنۡ کا صلہ زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید میں تینوں طرح استعمال ہوا ہے۔ ﴿ وَ لَئِنۡ سَاَلۡتَھُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ لَیَقُوۡلُنَّ اللّٰہُ ؕ﴾ (39/الزمر:38) ''اگر آپ اُن سے پوچھیں کہ آسمان وزمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو یقیناً وہ یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ ﴿ وَیَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الرُّوۡحِ ؕ﴾ (17/بنی اسرائیل:85) ''اور وہ آپؐ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔'' ﴿ سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ﴾ (70/المعارج:1) ''پوچھا ایک پوچھنے والے نے ایک عذاب کے بارے میں جو واقع ہو کر رہے گا۔'' تفسیر ماجدیؒ کے مطابق یہاں بِعَذَابٍ میں 'بِ'، 'عَنۡ' کے مرادف ہے۔ (واللہ اعلم)۔ تفہیم القرآن اور ضیاء القرآن میں اس آیت میں سَاَلَ کے بارے میں دونوں وضاحتیں لکھ دی گئی ہیں۔ یعنی سَاَلَ کا مفہوم ''مانگنے'' یا ''پوچھنے'' دونوں ہو سکتے ہیں اسی لیے اس آیت کو دونوں جگہ لکھ دیا گیا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

سُؤَالٌ بطورِ اسم ذات بھی استعمال ہوتا ہے۔ درخواست۔ مطالبہ۔ سوال۔ ﴿ قَالَ لَقَدۡ ظَلَمَکَ بِسُؤَالِ نَعۡجَتِکَ اِلٰی نِعَاجِہٖ ؕ﴾ (38/صٓ:24) ''(داؤدؑ) نے کہا کہ اس نے تیری دنبی اپنی دنبیوں میں ملانے کی درخواست کر کے واقعی تجھ پر ظلم کیا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

سُؤۡلٌ اسم ذات ہے۔ درخواست۔ التجا۔ سوال۔ ﴿ قَالَ قَدۡ اُوۡتِیۡتَ سُؤۡلَکَ یٰمُوۡسٰی ﴿۳۶﴾ ﴾ (20/طٰہٰ:36) ''جواب ملا منظور کر لی گئی ہے آپؑ کی درخواست اے موسیٰؑ۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

اِسْئَلْ — ج: اِسْئَلُوْا۔ فعل امر ہے۔ تو مانگ۔ تو پوچھ۔ قرآن مجید میں یہ زیادہ تر جملے کے درمیان میں مَاقبل سے ملا کر لکھا گیا ہے اور ھمزۃ الوصل گرا کر فَسْئَلْ یا وَسْئَلْ آیا ہے۔ دو جگہ جملہ کے شروع میں آیا ہے وہاں بھی مادہ کا ھمزہ گرا کر صرف سَلْ آیا ہے۔ ﴿وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا﴾ (12/یوسف:82) ''تو آپؐ اُس شہر کے لوگوں سے پوچھ لیں جہاں ہم تھے۔'' ﴿وَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا﴾ (60/ممتحنہ:10) ''اور تم لوگ مانگو جو تم نے خرچ کیا اور چاہیے کہ وہ لوگ مانگیں جو انہوں نے خرچ کیا۔'' ﴿فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (16/النحل:43) ''پس تم پوچھو اہل علم سے اگر تم نہیں جانتے۔'' ﴿سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ﴾ (2/البقرہ:211) ''تو پوچھ بنی اسرائیل سے ہم نے دیں ان کو کتنی ہی روشن نشانیاں۔''

سَائِلٌ — ج: سَائِلُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ مانگنے والا۔ پوچھنے والا۔ ﴿وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾ (51/الذریات:19) ''اور ان کے اموال میں حق ہے مانگنے والوں کے لیے اور سوال سے بچنے والوں کے لیے۔'' ﴿لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ﴾ (12/یوسف:7) ''یقینا یوسفؑ اور ان کے بھائیوں میں نشانیاں ہیں پوچھنے والوں کے لیے۔''

مَسْئُوْلٌ — ج: مَسْئُوْلُوْنَ۔ اسم المفعول ہے۔ جو مانگا جائے۔ جس کے متعلق پوچھا جائے۔ جس سے سوال کیا جائے۔ جس سے پوچھ گچھ کی جائے۔ ﴿اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا﴾ (17/بنی اسرائیل:36) ''بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب کی اُس سے پوچھ ہوگی۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ ﴿وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ﴾ (37/الصافات:24) ''اور اُن کو (ذرا) ٹھہراؤ اُن سے پوچھ گچھ ہوگی۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

(تفاعل) تَسَاؤُلًا — باہم ایک دوسرے سے پوچھنا، مانگنا، سوال کرنا۔ ﴿عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ﴾ (78/النبا:1) ''کس چیز کے بارے میں یہ لوگ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں۔''

ض ر ب: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔

ذ ل ل

(ض) ذُلًّا، ذِلَّةً، ذَلَالَةً — (۱) نرم ہونا، عاجزی کرنا (۲) تابعدار یا مطیع ہونا، جھک جانا (۳) ذلیل وخوار ہونا۔ ﴿لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى﴾ (20/طٰہٰ:134) ''کیوں نہ بھیجا تو نے ہماری طرف کوئی رسول تا کہ ہم پیروی کرتے تیری نشانیوں کی اس سے پہلے کہ ہم ذلیل ہوتے اور رسوا ہوتے۔''

ذُلٌّ — مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ نرمی۔ تابعداری۔ انکساری۔ عاجزی۔ ﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾ (17/بنی اسرائیل:24) ''اور جھکا دو اُن کے لیے تواضع و انکسار کے پُر رحمت (ومحبت) سے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''ذُلٌّ (بضمہ ذال) زور و قہر کی وجہ سے جھکنے کو کہتے ہیں مگر جب طبیعت کی تیزی اور سختی از خود مغلوب ہو جائے تو اسے ذِلٌّ (بکسرۂ ذال) کہا جاتا ہے۔ لہٰذا بنی اسرائیل: ۲۴ کے معنی یہ ہیں کہ ان کے سامنے مقہور و مجبور بن کر رہو۔ اور ایک قراءت میں جَنَاحَ الذِّلِّ (بکسرۂ ذال) ہے یعنی ان کے سامنے نرم خو اور اطاعت گزار بن کر رہا کرو۔'' (مفردات القرآن، ج۱، ص ۳۶۵)

ذِلَّةٌ مصدر کے علاوہ اسم ذات بھی ہے۔ ذلت۔ خواری۔ زیر دستی۔ کمزوری۔ اس کی ضد عِزَّةٌ ہے جس کے معنی ہیں بالا دستی۔ آیت زیر مطالعہ۔

ذَلِيْلٌ ج: اَذِلَّةٌ۔ فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ اس کی ضد عَزِيْزٌ ہے جس کی جمع اَعِزَّةٌ ہے۔ قرآنِ مجید میں یہ لفظ مندرجہ ذیل معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

(۱) نرم دِل۔ مہربان۔ ﴿ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴾ (5/المایدہ:54) ''نرم دل ہیں مسلمانوں پر زبردست ہیں کافروں پر۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''ایمان والوں پر وہ مہربان ہوں گے اور کافروں کے مقابلہ میں سخت ہوں گے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

(۲) کمزور۔ بے سروسامان۔ ﴿ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ ﴾ (3/آل عمران:123) ''اور تمہاری مدد کر چکا ہے اللہ بدر کی لڑائی میں اور تم کمزور تھے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''اور یقیناً اللہ نے تمہاری نصرت کی بدر میں حالانکہ تم پست تھے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ حاشیے میں حضرت عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: ''یعنی تعداد میں قلیل اور سامان میں حقیر۔''

(۳) ذلیل۔ بے عزت۔ ﴿ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ ﴾ (27/النمل:34) ''کہنے لگی بادشاہ جب گھستے ہیں کسی بستی میں اس کو خراب کر دیتے ہیں اور کر ڈالتے ہیں وہاں کے سرداروں کو بے عزت۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''وہ بولی کہ بادشاہ جب کسی بستی میں (فاتحانہ) داخل ہوتے ہیں تو اسے تہ و بالا کر دیتے ہیں اور وہاں والوں میں جو عزت دار ہوتے ہیں انہیں وہ ذلیل کر دیتے ہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ﴿ لَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ﴾ (27/النمل:37) ''اور نکال دیں گے ان کو وہاں سے بے عزت کر کر اور وہ خوار ہوں گے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) اور ہم ان کو وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے اور وہ ماتحت ہو جائیں گے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

اردو زبان میں ذلیل کا لفظ اچھے معنوں میں استعمال نہیں ہوتا۔ جبکہ عربی زبان میں، جیسے کہ آپ نے ابھی پڑھا، یہ لفظ وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ضروری ہے کہ اس لفظ کی مزید وضاحت لکھ دی جائے۔ چنانچہ حضرت مولانا امین احسن اصلاحیؒ ال عمران کی آیت 123 کے تحت فرماتے ہیں: ''اَذِلَّةٌ، ذلیل کی جمع ہے۔ ذلیل عزیز کا مقابل لفظ ہے۔ عزیز کے معنی ہیں غالب، زور آور اور دوسروں کی دسترس سے باہر۔ ذلیل کے معنی کمزور، ناتواں اور دوسروں کے لیے لقمۂ تر کے ہیں اخلاقی رذالت اس لفظ کے بنیادی اجزا میں سے نہیں ہے بلکہ اس کے لوازم بعیدہ میں سے ہے۔ چنانچہ یہ لفظ اچھے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً: ﴿ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴾ (المائدہ:54) ''وہ مسلمانوں کے لیے نہایت نرم اور کافروں کے لیے نہایت سخت ہیں۔'' یعنی اگر کفار ان کے اندر انگلی دھنسانا اور ان کو اپنے اغراض کے لیے نرم کرنا چاہیں تو وہ پتھر کی چٹان ہیں لیکن مسلمانوں کے لیے نہایت نرم خو ہیں۔ وہ ان سے جس طرح چاہیں فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ آیت زیر بحث (آل عمران:123) میں بھی یہ لفظ مسلمانوں کی صرف اس وقت کی عددی و مادی کمزوری کو ظاہر کرتا ہے۔ اس میں اخلاقی ضعف و ذلت کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔'' (تدبر قرآن، ج ۲، ص ۱۷۰)۔

اور صاحبؒ مترادفات القرآن فرماتے ہیں: ''اَذِلَّةٌ (ذلیل کی جمع) اس کی ضد اَعِزَّة ہے جو عَزِيْز کی جمع ہے۔ ہمارے ہاں عموماً ذلیل کے معنی رذیل، خسیس اور کمینہ سمجھے جاتے ہیں۔ اور عَزِيْز کے معنی قریبی رشتہ دار۔ یہ دونوں مفہوم لغوی لحاظ سے غلط ہیں۔ حقیقت میں ذلیل کے معنی زیر دست اور عَزِيْز کے معنی بالا دست ہیں۔ ذَلِيْل کے مفہوم کا تصور عَزِيْز کے مقابلہ کے بغیر محال ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔

ارشادِ باری ہے: ﴿ وَ لَقَدۡ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدۡرٍ وَّ اَنۡتُمۡ اَذِلَّةٌ ۚ ﴾ (3/آل عمران:123) ''اور اللہ نے جنگِ بدر میں بھی تمہاری مدد کی تھی جبکہ تم کمزور تھے۔'' (مترادفات القرآن،ص ۵۲۹)۔

اَذَلُّ ج: اَذَلُّوۡنَ۔ اَذَلِّيۡنَ۔ افعل التفضیل کا صیغہ ہے۔ زیادہ کمزور۔ زیادہ ذلیل۔ ﴿ لَيُخۡرِجَنَّ الۡاَعَزُّ مِنۡهَا الۡاَذَلَّ ؕ ﴾ (63/المنافقون:8) ''کہتے ہیں البتہ اگر ہم پھر گئے مدینہ کو تو نکال دے گا جس کا زور ہے، وہاں سے کمزور (ذلیل) لوگوں کو۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ﴿ اِنَّ الَّذِيۡنَ يُحَآدُّوۡنَ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِى الۡاَذَلِّيۡنَ ۝ ﴾ (58/المجادلۃ:20) ''بے شک جو لوگ مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی وہ ذلیل ترین لوگوں میں شمار ہوں گے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)

ذَلُوۡلٌ ج: ذُلُلٌ۔ فَعُوۡلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ تابعدار۔ سدھایا ہوا۔ پست۔ مسخر۔ آسان۔ فرمانبردار اونٹنی جس پر آسانی اور سہولت سے سواری کی جا سکے، عرب اسے نَاقَةٌ ذَلُوۡلٌ کہتے ہیں۔ ﴿ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوۡلٌ تُثِيۡرُ الۡاَرۡضَ ﴾ (2/البقرہ:71) ''بے شک وہ ایک گائے ہے، نہیں سدھائی گئی کہ وہ ہل چلائے زمین میں۔'' نوٹ کرلیں کہ ذَلُوۡلٌ مذکر اور مونث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مونث کے لیے 'ۃ' لگانے کی ضرورت نہیں ہوتی اسی لیے البقرۃ:71 میں بَقَرَةٌ کی صفت کے لیے اس کے ساتھ 'ۃ' نہیں لگائی گئی۔ قرآن مجید میں یہ لفظ زمین کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ هُوَ الَّذِىۡ جَعَلَ لَكُمُ الۡاَرۡضَ ذَلُوۡلًا ﴾ (67/الملک:15) ''وہ وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے لیے مسخر کر دیا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ اس صورت میں اس سے مراد ہوتا ہے مسخر کی ہوئی زمین، نرم کی ہوئی زمین یا ہموار کی ہوئی زمین۔ ذَلُوۡلٌ کی جمع ذُلُلٌ آتی ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ ثُمَّ كُلِىۡ مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسۡلُكِىۡ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ﴾ (16/النحل:69) ''پھر ہر (قسم کے) پھلوں سے (رس) چوستی پھر، پھر اپنے پروردگار کے راستوں میں چل جو تیرے لیے آسان ہیں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔

(افعال) **اِذۡلَالًا** ذلیل وخوار کرنا۔ ﴿ وَتُعِزُّ مَنۡ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنۡ تَشَآءُ ؕ ﴾ (3/آل عمران:26) ''تو جسے چاہے عزت دے اور تو جسے چاہے ذلت دے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

(تفعیل) **تَذۡلِيۡلًا** ذلیل کرنا۔ تابع کرنا۔ پست کرنا۔ اختیار میں کرنا۔ ﴿ وَذَلَّلۡنٰهَا لَهُمۡ ﴾ (36/یٰسٓ:72) ''اور ہم نے تابعدار بنا دیا انہیں ان کا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن) ﴿ وَذُلِّلَتۡ قُطُوۡفُهَا تَذۡلِيۡلًا ﴾ (76/الدھر:14) ''اور پست کر رکھے ہیں اس کے گچھے لٹکا کر۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''اور ان کے میوے ان کے بالکل اختیار میں ہوں گے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

س ك ن: البقرۃ آیت 35 دیکھیں۔

ب و ء

(ن) **بَوۡءً** لغت میں اس کے تین معنی آتے ہیں۔ (۱) لوٹنا۔ پھرنا۔ (۲) مستحق ہونا۔ حق دار ہونا۔ (۳) کمانا۔ ﴿ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضۡوَانَ اللّٰهِ كَمَنۡۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ (3/آل عمران:162) ''کیا پس وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے درپے ہے، اس شخص جیسا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی لے کر لوٹتا ہے؟۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ ''کیا جو شخص رضائے الٰہی کا تابع ہے وہ بھلا اس جیسا ہو جائے گا جو غضب الٰہی کا مستحق ہے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ''کیا ایک شخص جو تابع ہے اللہ کی مرضی کا برابر ہو سکتا ہے اُس کے جس نے کمایا غصہ اللہ کا۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ آیت زیر مطالعہ میں بھی بَآءُوۡ کا ترجمہ پہلے اور

دوسرے معنی کے لحاظ سے کیا گیا ہے۔﴿ اِنِّیۡۤ اُرِیۡدُ اَنۡ تَبُوۡٓاَ بِاِثۡمِیۡ وَ اِثۡمِکَ ﴾(5/المائدۃ:29)''میں تو یہی چاہتا ہوں کہ تو لوٹے میرے قتل کے گناہ اور اپنے پچھلے گناہ کے ساتھ۔''

(تفعیل) تَبۡوِیَۃٌ کسی کو ٹھکانا دینا۔ کسی مناسب مقام کا تعین کرنا۔ جگہ مقرر کرنا۔﴿ وَ الَّذِیۡنَ ہَاجَرُوۡا فِی اللّٰہِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا ظُلِمُوۡا لَنُبَوِّئَنَّہُمۡ فِی الدُّنۡیَا حَسَنَۃً ﴾(16/النحل:41)''اور جن لوگوں نے اللہ کے واسطے ہجرت کی بعد اس کے کہ اُن پر ظلم ہو چکا تھا ہم اُن کو دنیا میں بھی بہت اچھا ٹھکانا دیں گے۔''(ترجمہ ماجدیؒ)۔﴿ وَ اِذۡ بَوَّاۡنَا لِاِبۡرٰہِیۡمَ مَکَانَ الۡبَیۡتِ ﴾(22/الحج:26)''اور یاد کرو جب ہم نے مقرر کر دی ابراہیمؑ کے لیے اس گھر کے (تعمیر کرنے) کی جگہ۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔﴿ وَ اِذۡ غَدَوۡتَ مِنۡ اَہۡلِکَ تُبَوِّئُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ مَقَاعِدَ لِلۡقِتَالِ ﴾(3/آل عمران:121)''اور یاد کرو (اے محبوبؐ) جب صبح سویرے رخصت ہوئے آپؐ اپنے گھروں سے (اور میدانِ اُحد میں) بٹھا رہے تھے مومنوں کو مورچوں پر جنگ کے لیے۔''(ترجمہ ضیاء القرآن)۔

مُبَوَّءٌ اسم المفعول ہے جو ظرف کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ ٹھکانہ۔ اقامت کی جگہ۔﴿ وَ لَقَدۡ بَوَّاۡنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ مُبَوَّاَ صِدۡقٍ ﴾(10/یونس:93)''اور یقیناً ہم نے ٹھکانہ دیا بنی اسرائیل کو، سچائی کا ٹھکانہ (یعنی بہترین ٹھکانہ)۔''

(تفعّل) تَبَوُّءٌ اقامت اختیار کرنا۔﴿ وَ کَذٰلِکَ مَکَّنَّا لِیُوۡسُفَ فِی الۡاَرۡضِ ۚ یَتَبَوَّاُ مِنۡہَا حَیۡثُ یَشَآءُ ﴾(12/یوسف:56)''اور اس طرح ہم نے اختیار دیا یوسفؑ کو اس زمین میں یعنی ملکِ مصر میں کہ وہ اقامت اختیار کریں اس میں جہاں وہ چاہیں۔'' حدیث مبارک میں فرمایا: مَنۡ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلۡیَتَبَوَّأۡ مَقۡعَدَہٗ مِنَ النَّارِ ''جو جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ لگائے اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنالے۔''(بحوالہ مفردات القرآن ج۱، ص۱۲۹)

غ ض ب: الفاتحہ آیت 7 دیکھیں۔	ء ل ہ: آیت بسم اللہ دیکھیں۔	ک و ن: البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔
ک ف ر: البقرۃ آیت 6 دیکھیں۔	ق ت ل: البقرۃ آیت 54 دیکھیں۔	

ن ب و

(ن) نَبۡوَۃٌ بلند و بالا ہونا۔

نَبِیٌّ ج: نَبِیُّوۡنَ اور اَنۡبِیَاءُ۔ فَعِیۡلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ بلند و بالا۔ اعلیٰ وارفع۔ نبی کو نبی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ لوگوں میں معزز اور بلند اقدار کا حامل ہوتا ہے۔﴿ اِنِّیۡ عَبۡدُ اللّٰہِ ۟ؕ اٰتٰنِیَ الۡکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیۡ نَبِیًّا ﴿ۙ۳۰﴾ ﴾(19/مریم:30)''بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے دی مجھے کتاب اور اس نے بنایا مجھے نبی۔''﴿ وَ مَاۤ اُوۡتِیَ النَّبِیُّوۡنَ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ۚ ﴾(2/البقرۃ:136)''اور جو دیا گیا نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے۔''﴿ فَلِمَ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡۢبِیَآءَ اللّٰہِ مِنۡ قَبۡلُ ﴾(2/البقرہ:91)''تو کیوں تم لوگ قتل کرتے تھے اللہ کے نبیوں کو اس سے پہلے۔'' مولانا مودودیؒ نَبِیٌّ کے لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''نَبِیٌّ'' کے معنی میں اہل لغت کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض اس کو لفظ نَبَأ سے مشتق قرار دیتے ہیں جس کے معنی خبر کے ہیں، اور اس اصل کے لحاظ سے نبی کے معنی ''خبر دینے والے'' کے ہیں۔ بعض کے نزدیک اس کا مادہ نَبۡو ہے، یعنی رفعت اور بلندی۔ اور اس معنی کے لحاظ سے نبی کا مطلب ہے ''بلند مرتبہ'' اور ''عالی مقام'' ازہری نے کسائی سے ایک تیسرا قول بھی نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ لفظ دراصل نبیءٌ ہے جس کے معنی طریق اور راستے کے ہیں اور انبیاء کو نبی اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ اللہ کی طرف جانے کا راستہ ہیں۔ پس کسی شخص کو

''رسول نبی'' کہنے کا مطلب یا تو ''عالی مقام پیغمبر'' ہے یا ''اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبریں دینے والا پیغمبر'' یا پھر ''وہ پیغمبر جو اللہ کا راستہ بتانے والا ہے۔'' (تفہیم القرآن، ج ۳، ص ۷۲)۔ البتہ نوٹ کر لیجئے کہ قرآن مجید میں کسی نبی کے لیے نَبِیْءٌ کا لفظ استعمال نہیں ہوا بلکہ نَبِیٌّ آیا ہے۔ خود حضورؐ نے بھی اپنے لیے نَبِیٌّ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ایک مرتبہ کسی نے حضورؐ کو خطاب کر کے کہا یَا نَبِیْءَ اللّٰہِ، تو آپؐ نے ان کی اصلاح کرتے ہوئے فرمایا: ''لَسْتُ بِنَبِیْءِ اللّٰہِ وَلٰکِنْ نَبِیُّ اللّٰہِ۔'' اب عربی میں نَبِیْءٌ کا لفظ جھوٹے مدعی نبوت کے لیے آتا ہے۔ جیسے تَنَبَّأَ مُسَیْلَمَۃُ (جھوٹا دعوئ نبوت کیا مسیلمہ نے)۔

نُبُوَّۃٌ اسم ذات ہے۔ بلندی۔ سرفرازی۔ نبوت۔ نبوت کے اصطلاحی معنی ہیں لوگوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کو پیغمبری ملنا۔ ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ ﴾(6/الانعام:89) ''یہ لوگ ہیں جن کو ہم نے دی کتاب اور حکم اور نبوت۔''

غَیْرُ: الفاتحہ آیت 7 دیکھیں۔ ح ق ق: البقرۃ آیت 26 دیکھیں۔

ع ص ی

(ض) عِصْیَانًا، عَصْیًا اور مَعْصِیَۃً حکم عدولی کرنا۔ نافرمانی کرنا۔ اطاعت سے نکل جانا۔ ﴿ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ ﴾(73/المزمل:16) ''پس نافرمانی کی فرعون نے رسول کی۔'' ﴿ فَمَنْ تَبِعَنِىْ فَاِنَّهٗ مِنِّىْ ۚ وَمَنْ عَصَانِىْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾(14/ابراہیم:36) ''پس جس نے پیروی کی میری تو بے شک وہ مجھ سے ہے اور جس نے نافرمانی کی میری تو یقینا تو بے انتہا بخشنے والا، ہر حال میں رحم کرنے والا ہے۔'' ﴿ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ ﴾(66/التحریم:6) ''نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جس کا اُس نے اُنہیں حکم دیا۔''

یَعْصِ مضارع مجزوم ہے۔ ﴿ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴾(33/الاحزاب:36) ''اور جو نافرمانی کرتا ہے اللہ کی اور اس کے رسول کی تو وہ بھٹک گیا کھلی گمراہی میں۔''

عَصِیٌّ فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت مشبہ یا مبالغے کا صیغہ ہے۔ بڑا نافرمان۔ بہت حکم عدولی کرنے والا (اس میں ہمیشہ یا مسلسل نافرمانی کرنے کا مفہوم ہے)۔ ﴿ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴾(19/مریم:44) ''بے شک شیطان رحمٰن کا بڑا نافرمان ہے۔''

مَعْصِیَۃٌ مصدر میمی بھی ہے اور اسم بھی۔ مطلب ہے نافرمانی کرنا۔ اور نافرمانی، حکم عدولی۔ ﴿ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ﴾(58/المجادلہ:9) ''تو تم لوگ باہم مشورہ مت کرو گناہ کا اور سرکشی کا اور ان رسولؐ کی نافرمانی کا۔''

عِصْیَانٌ مصدر کے علاوہ بطور اسم بھی استعمال ہوتا ہے۔ نافرمانی۔ گناہ۔ یہ لفظ اطاعت کی ضد ہے۔ ﴿ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ ﴾(49/الحجرات:7) ''اور قابل نفرت بنا دیا ہے تمہارے نزدیک کفر، فسق اور نافرمانی کو۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

ع د و: البقرۃ آیت 36 دیکھیں۔

ترکیب

’وَ‘ عطف کا ہے اور اِذْ ظرف زمان ہے اور اس سے پہلے اُذْکُرُوْا محذوف ہے۔ قُلْتُمْ ماضی میں جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ یٰمُوْسٰی میں، یَا حرف نداء ہے اور موسیٰ منادٰی۔ لَنْ نواصب مضارع میں سے ہے اسی لیے نَصْبِرَ حالت نصب میں ہے اور مضارع پر داخل ہو تو مستقبل میں زور دار نفی کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ متعلق ہے نَصْبِرَ کے۔ طَعَامٍ وَّاحِدٍ مرکب توصیفی ہے۔ فَادْعُ میں ’ف‘ استئنافیہ ہے۔ اُدْعُ فعل امر ہے۔ لَنَا متعلق فعل ہے اور رَبَّكَ مفعول ہے۔ اُدْعُ کا جواب امر ہونے کی وجہ سے یُخْرِجْ مجزوم ہوا ہے۔ لَنَا متعلق فعل ہے۔ مِمَّا مرکب ہے۔ مِنْ حرف جر اور ’مَا‘ اسم موصول کا۔ تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ جملہ فعلیہ صلہ ہے ’مَا‘ موصول کا اس میں تُنْۢبِتُ فعل ہے اور الْاَرْضُ اس کا فاعل ہے اور ضمیر عائد محذوف ہے یعنی مِمَّا تُنْۢبِتُهُ الْاَرْضُ، صلہ اور موصول مل کر حالت جر میں ہیں مِنْ کی وجہ سے اور جار مجرور مل کر متعلق ہیں یُخْرِجْ سے۔ مِنْۢ بَقْلِهَا میں ’مِنْ‘ بیانیہ ہے جو تفصیل یا وضاحت کے لیے آتا ہے۔ یہاں یہ مِمَّا میں اسم موصول ’مَا‘ کی وضاحت کر رہا ہے۔ بَقْلِهَا سے بَصَلِهَا تک سارے مرکب اضافی ہیں۔ سارے مضاف مِنْ کی وجہ سے حالت جر میں ہیں اور ’هَا‘ ضمیریں، اَلْاَرْضُ کے لیے ہیں۔ قَالَ، ماضی میں واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ میں ’اَ‘ استفہامیہ ہے۔ تَسْتَبْدِلُوْنَ مضارع میں جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے اور اس کا فاعل اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے۔ اَلَّذِیْ۔ اسم موصول ہے اور آگے جملہ اسمیہ هُوَ اَدْنٰی اس کا صلہ ہے اور صلہ اور موصول مل کر مفعول ہیں تَسْتَبْدِلُوْنَ کا۔ یعنی یہ وہ چیز ہے جو چاہی جا رہی ہے اور آگے ’ب‘ صلے کے ساتھ اس چیز کا ذکر ہے جس کے بدلے میں چاہی جا رہی ہے۔ چنانچہ بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ میں ’ب‘ حرف جر ہے اَلَّذِیْ اسم موصول اور جملہ اسمیہ هُوَ خَیْرٌ اس کا صلہ ہے۔ اور صلہ اور موصول مل کر مجرور ہیں ’ب‘ کی وجہ سے۔ اِهْبِطُوْا۔ فعل امر ہے اور مِصْرًا مفعول بِهٖ ہے۔ فَاِنَّ میں ’ف‘ استئنافیہ ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے۔ ’مَا‘ اسم موصول اور سَاَلْتُمْ جملہ فعلیہ اس کا صلہ۔ صلہ اور موصول مل کر اِنَّ کا اسم ہے۔ اِس کی خبر محذوف ہے اور لَكُمْ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ وَضُرِبَتْ میں ’وَ‘ استئنافیہ ہے۔ ضُرِبَتْ فعل مجہول ہے۔ عَلَیْهِمُ متعلق فعل ہے اور اَلذِّلَّةُ اور اَلْمَسْکَنَةُ نائب الفاعل ہیں۔ بَآءُوْ جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ اس کے واو الجمع کا الف خلاف قاعدہ گرا ہوا ہے۔ آگے بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ اس سے متعلق ہے۔ ذٰلِكَ۔ مبتدا ہے اور اس سے ذلت اور مسکنت کی طرف اشارہ ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے اور بِاَنَّهُمْ سے شروع ہونے والا جملہ متعلق خبر ہے جو کہ اب قائم مقام خبر ہوگا۔ بِاَنَّهُمْ میں ’ب‘ سببیہ ہے۔ اَنَّ۔ حرف مشبہ بالفعل ہے۔ هُمْ اس کا اسم اور جملہ فعلیہ كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ اس کی خبر ہے۔ آگے ’وَ‘ عطف کا ہے اور جملہ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ، جملہ ماقبل پر عطف ہے۔ آگے ذٰلِكَ۔ مبتدا ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے بِمَا سے شروع ہونے والا جملہ متعلق خبر ہے۔ جو کہ اب قائم مقام خبر ہوگا۔ بِمَا میں ’ب‘ سببیہ ہے۔ ’مَا‘ مصدریہ ہے جس نے اگلے فعل کے ساتھ مل کر مصدری معنی پیدا کر دیئے ہیں۔ یہاں ذٰلِكَ کا اشارہ بھی ذلت اور مسکنت کی طرف ہے۔ آگے ’وَ‘ عطف کا ہے، كَانَ کا اسم اس میں شامل ضمیر ہے اور جملہ فعلیہ یَعْتَدُوْنَ، كَانَ کی خبر ہے۔ اس جملے میں بھی ’مَا‘ مصدریہ کی وجہ سے مصدری معنی پیدا ہو گئے ہیں اور یہ جملہ اِن معنوں میں ہے ذٰلِكَ بِعِصْیَانِهِمْ وَ بِكَوْنِهِمْ یَعْتَدُوْنَ۔ (واللہ اعلم)۔

ترجمہ
البقرۃ:61

وَاِذْ قُلْتُمْ	یٰمُوْسٰی	لَنْ نَّصْبِرَ	عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ
اور (یاد کرو) جب کہا تم نے	اے موسیٰؑ	ہم ہرگز صبر نہیں کریں گے	ایک ہی طرح کے کھانے پر

فَادْعُ	لَنَا	رَبَّكَ	یُخْرِجْ لَنَا	مِمَّا
پس آپؑ پکاریئے	ہمارے لیے	اپنے رب کو	کہ وہ نکالے ہمارے لیے	اس میں سے جو

تُنْۢبِتُ	الْاَرْضُ	مِنْۢ	بَقْلِهَا	وَقِثَّآئِهَا	وَفُوْمِهَا
اُگاتی ہے	زمین	جیسے کہ	اس کی سبزی	اور اس کی ککڑی	اور اس کی گندم/لہسن

وَعَدَسِهَا	وَبَصَلِهَا ؕ	قَالَ	اَتَسْتَبْدِلُوْنَ
اور اس کی مسور	اور اس کا پیاز	انہوںؑ نے کہا	کیا تم تبدیلی میں چاہتے ہو

الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی	بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ؕ	اِهْبِطُوْا	مِصْرًا	فَاِنَّ
اس کو جو کمتر ہے	اس کے بدلے جو بہتر ہے	تم اترو	کسی شہر میں	تو یقیناً

لَکُمْ	مَّا سَاَلْتُمْ ؕ	وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ	الذِّلَّةُ	وَالْمَسْکَنَةُ ق
تمہارے لیے ہے	وہ جو تم نے مانگا	اور ان پر تھوپ دی گئی	ذلت	اور محتاجی

وَبَآءُوْ	بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ	ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
اور وہ لوگ لوٹے/مستحق ہو گئے	اللہ کے غضب کے ساتھ/ اللہ کے غضب کے	یہ اس لیے کہ وہ

کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ	بِاٰیٰتِ اللّٰهِ	وَیَقْتُلُوْنَ	النَّبِیّٖنَ	بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ
انکار کیا کرتے تھے	اللہ کی آیات کا	اور قتل کیا کرتے تھے	نبیوں کو	ناحق

ذٰلِكَ بِمَا	عَصَوْا	وَّ کَانُوْا یَعْتَدُوْنَ
یہ اس سبب سے جو	انہوں نے نافرمانی کی	اور جو وہ حد سے تجاوز کیا کرتے تھے

نوٹ آیت کی ترکیب میں آپ کو بتایا گیا ہے کہ لفظ بَآءُوْ میں الف خلافِ قاعدہ محذوف ہے۔ اس مسئلہ کو سمجھ لیں۔ ابتداءً جب قرآن مجید لکھا گیا تو کچھ الفاظ اس طرح نہیں لکھے گئے جیسے عام عربی میں لکھے جاتے ہیں۔ مثلاً صَلَاةٌ کے بجائے صَلٰوةٌ۔ اسی طرح واوالجمع کا لفظ بعض مقامات پر یا تو خلافِ قاعدہ لکھا گیا ہے یا محذوف ہے۔ اب یہ تحقیق وتفتیش کہ ایسا کیوں ہوا، ایک ایسی سعی ہے جس کا حاصل کچھ نہیں ہے۔ البتہ اس حوالے سے جو بات سمجھنے اور ذہن نشین کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ ابتداء قرآن مجید جس طرح لکھا گیا تھا، آج تک اسے اسی طرح لکھا جا رہا ہے (اسے رسم عثمانی کہا جاتا ہے)۔ اصول یہ ہے کہ قرآن مجید میں جس مقام پر جو لفظ جس طرح لکھا ہے، اس مقام پر وہی قرآن کا درست املا ہے۔ کسی لفظ کو مروجہ عربی کے مطابق لکھنا یا کسی خلافِ قاعدہ لفظ کو درست کر کے قاعدے کے مطابق لکھنا قرآن مجید کا غلط املا شمار کیا جاتا ہے۔ جیسے تَتَذَکَّرُوْنَ اور تَذَکَّرُوْنَ ایک ہی لفظ ہے اور اسے دونوں طرح لکھنا درست ہے۔ لیکن قرآن مجید میں جس مقام پر تَتَذَکَّرُوْنَ لکھا ہے وہاں تَذَکَّرُوْنَ لکھنا اور پڑھنا غلط ہے اور جہاں تَذَکَّرُوْنَ لکھا ہے وہاں تَتَذَکَّرُوْنَ لکھنا اور پڑھنا غلط ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے بزرگوں کے درجات بلند فرمائے جنہوں نے اتنے غیر لچکدار (RIGID) اصول وضع کر کے قرآن مجید کو تحریف سے محفوظ رکھنے کا انتظام کیا۔ (از لطف الرحمٰن خان صاحب)

آیت:62

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۶۲ ﴾

ء م ن: البقرۃ آیت 3 دیکھیں۔

ھ و د

(ن) هَوْدًا (۱) توبہ کرنا۔ رجوع کرنا۔ حق کی طرف لوٹنا۔ (۲) یہودی ہونا۔ یہودی بننا۔ ﴿ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ﴾ (7/ الاعراف:156) ”بے شک ہم نے رجوع کیا تیری طرف۔“ ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ ﴾ (62/ جمعہ:6) ”اے لوگو جو یہودی ہوئے اگر تم کو زعم ہے کہ تم لوگ اللہ کے دوست ہو، دوسروں کے سوا، تو تم لوگ تمنا کرو موت کی۔“

اَلَّذِيْنَ هَادُوْا اس آیت مبارکہ میں اَلَّذِيْنَ هَادُوْا کی اصطلاح پہلی مرتبہ آئی ہے۔ مناسب ہے کہ اس کی وضاحت کر دی جائے۔ حضرت مولانا مودودیؒ سورۃ الجمعۃ کی آیت نمبر 6 ﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا ﴾ کے تحت فرماتے ہیں: ”یہ نکتہ قابل توجہ ہے ”اے یہودیو“ نہیں کہا ہے بلکہ ”اے وہ لوگو جو یہودی بن گئے ہو“ یا ”جنہوں نے یہودیت اختیار کر لی ہے“ فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل دین جو موسیٰؑ اور ان سے پہلے اور بعد کے انبیاء لائے تھے وہ تو اسلام ہی تھا۔ ان انبیاء میں سے کوئی بھی یہودی نہ تھا، اور نہ ان کے زمانے میں یہودیت پیدا ہوئی تھی۔ یہ مذہب اِس نام کے ساتھ بہت بعد کی پیداوار ہے۔ یہ اُس خاندان کی طرف منسوب ہے جو حضرت یعقوبؑ کے چوتھے بیٹے یہوداہ کی نسل سے تھا۔ حضرت سلیمانؑ کے بعد جب سلطنت دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی تو یہ خاندان اُس ریاست کا مالک ہوا جو یہودیہ کے نام سے موسوم ہوئی، اور بنی اسرائیل کے دوسرے قبیلوں نے اپنی الگ ریاست قائم کر لی جو سامریہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ پھر اسیریا نے نہ صرف یہ کہ سامریہ کو برباد کر دیا بلکہ اُن اسرائیلی قبیلوں کا بھی نام و نشان مٹا دیا جو اس ریاست کے بانی تھے۔ اس کے بعد صرف یہوداہ، اور اس کے ساتھ بن یامین کی نسل باقی رہ گئی جس پر یہوداہ کی نسل کے غلبے کی وجہ سے ”یہود“ ہی کے لفظ کا اطلاق ہونے لگا۔ اس نسل کے اندر کاہنوں اور ربیوں اور اَحبار نے اپنے اپنے خیالات و نظریات اور رُجحانات کے مطابق عقائد اور رسوم اور مذہبی ضوابط کا جو ڈھانچہ صدہا برس میں تیار کیا اس کا نام یہودیت ہے۔ یہ ڈھانچہ چوتھی صدی قبل مسیح سے بننا شروع ہوا اور پانچویں صدی عیسوی تک بنتا رہا۔ اللہ کے رسولوں کی لائی ہوئی ربانی ہدایت کا بہت تھوڑا ہی عنصر اس میں شامل ہے۔ اور اس کا حلیہ بھی اچھا خاصا بگڑ چکا ہے۔ اسی بنا پر قرآن مجید میں اکثر مقامات پر ان کو اَلَّذِيْنَ هَادُوْا کہہ کر خطاب کیا گیا ہے، یعنی ”اے وہ لوگو جو یہودی بن کر رہ گئے ہو۔“ ان میں سب کے سب اسرائیلی ہی نہ تھے، بلکہ وہ غیر اسرائیلی لوگ بھی تھے جنہوں نے یہودیت قبول کر لی تھی۔ قرآن میں جہاں بنی اسرائیل کو خطاب کیا گیا ہے وہاں ”اے بنی اسرائیل“ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، اور جہاں مذہب یہود

کے پیروؤں کو خطاب کیا گیا ہے وہاں اَلَّذِیۡنَ هَادُوۡا کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔''(تفہیم القرآن، ج۵،ص۴۸۹)اور مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں''اَلَّذِیۡنَ هَادُوۡا ''''اور جو لوگ یہودی ہوئے''یعنی جو لوگ دین یہودیت کے پیرو ہیں۔ خواہ پہلے سے یہودی چلے آرہے ہوں یا پہلے مشرک تھے اب یہود کے عقیدے اور شعار اختیار کر لیے ہوں۔اب تک ذکر بنی اسرائیل کے نام کے ایک خاندان کا چلا آرہا تھا۔اب ذکر ان کے مسلک اور عقیدوں کا شروع ہوتا ہے اور پہلی بار لفظ اَلَّذِیۡنَ هَادُوۡا آیا ہے۔مذہب یہود ایک نسلی مذہب ہے۔تبلیغی مذہب نہیں کسی غیر اسرائیلی کو باضابطہ یہودی بنانے کا طریقہ ان کے ہاں نہیں لیکن عرب میں متعدد قبیلے ایسے آباد تھے جو نہ پیدائشی یہودی تھے اور نہ نسلاً اسرائیلی۔بلکہ عرب یا بنی اسمٰعیل تھے۔لیکن یہود کی صحبت سے متاثر،اور ان کے علوم سے مرعوب ہو کر انہوں نے پہلے یہود کے طور طریقے اور پھر اُن کے عقیدے اختیار کر لیے اور رفتہ رفتہ اُن کا شمار بھی یہودی آبادی میں ہونے لگا۔''(تفسیر ماجدی،ص۳۴،تلخیصاً)

هُوۡدٌ یہ اسم الفاعل هَآئِدٌ کی جمع ہے یعنی توبہ کرنے والا۔رجوع کرنے والا۔قرآن مجید میں یہ اسم علم کے طور پر آیا ہے۔(۱)بنی اسرائیل کا فرد۔یہودی۔هَادَ کے معنی نرمی کے ساتھ آہستہ آہستہ رجوع کرنا بھی ہے اور یہودی ہونا بھی۔تورات کو تلاوت کے وقت آہستہ آہستہ اور جھوم کر پڑھنے سے ان کا نام یہودی ہوا(مفردات)اور بعض لوگوں کے خیال کے مطابق ان کی نسبت حضرت یعقوبؑ کے بیٹے یہودا کی طرف ہے۔اور بعض بزرگوں کے مطابق بچھڑے کی پرستش سے توبہ کرنے کی وجہ سے یہودی کہلائے۔﴿وَقَالُوۡا كُوۡنُوۡا هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى تَهۡتَدُوۡا ؕ﴾(2/البقرۃ:135)''اور ان لوگوں نے کہا کہ تم لوگ ہو جاؤ یہودی یا عیسائی تو تم لوگ ہدایت پاؤ گے۔''(۲)حضرت ھودؑ کا نام۔﴿كَذَّبَتۡ عَادُ ۨالۡمُرۡسَلِيۡنَ ۚۖ ۝۱۲۳ اِذۡ قَالَ لَهُمۡ اَخُوۡهُمۡ هُوۡدٌ اَلَا تَتَّقُوۡنَ ۚ ۝۱۲۴﴾(26/الشعراء:123-124)''جھٹلایا قوم عاد نے بھیجے ہوؤں کو یعنی رسولوں کو۔جب کہا ان سے ان کے بھائی ھودؑ نے کہ تم لوگ اللہ کی ناراضگی سے کیوں نہیں ڈرتے۔''

يَهُوۡدِىٌّ ج: يَهُوۡدُ-اسم نسبت ہے۔حضرت موسیٰؑ کی پیروی کرنے والا۔مذہب یہود رکھنے والا۔یہودی۔﴿مَا كَانَ اِبۡرٰهِيۡمُ يَهُوۡدِيًّا وَّلَا نَصۡرَانِيًّا﴾(3/آل عمران:67)''حضرت ابراہیمؑ نہ یہودی تھے نہ عیسائی۔''﴿وَقَالَتِ الۡيَهُوۡدُ لَيۡسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَىۡءٍ ص﴾(2/البقرۃ:113)''اور یہودیوں نے کہا کہ عیسائی کسی چیز پر نہیں ہیں۔''

ن ص ر: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔

ص ب ء

(ف) **صَبَاَ** مذہب تبدیل کرنا۔بے دین ہونا۔جب کوئی شخص اسلام لاتا تھا تو کفار کہتے تھے قَدۡ صَبَاَ وہ دین سے پھر گیا۔

صَابِئٌ ج: صَابِئُوۡنَ-اسم الفاعل ہے۔مذہب تبدیل کرنے والا۔بے دین ہونے والا۔صابی مذہب کا پیروکار۔آیت زیرِ مطالعہ۔مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں:''صابی کے لفظی معنی ہیں جو کوئی بھی اپنے دین کو چھوڑ کر دوسرے دین میں آجائے یا اُس کی طرف مائل ہو جائے۔اصطلاح میں صابیون(Sabians)کے نام کا ایک مذہبی فرقہ تھا جو عرب کے شمال و مشرق میں شام و عراق کی سرحد پر آباد تھا۔یہ لوگ دین توحید اور عقیدۂ رسالت کے قائل تھے اور اس لیے اصلاً اہل کتاب تھے،اپنے کو''نصارائے یحییٰ'' کہتے تھے۔گویا حضرت یحییٰؑ کی اُمت تھے۔حضرت عمرؓ جیسے مبصر و نکتہ رس خلیفۂ راشد اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے محقق صحابی نے صابیوں کا شمار اہل کتاب میں کیا ہے اور حضرت عمرؓ نے ان کا ذبیحہ بھی حلال مانا ہے۔تابعین میں سے متعدد اکابر ان کے اہل کتاب یا موحد ہونے کے قائل ہوئے ہیں۔

اور ہمارے امام ابوحنیفہؒ جوخود بھی عراقی تھے اور اس لیے صابیوں سے براہِ راست واقفیت کا موقع رکھتے تھے، ان کا فتویٰ ہے کہ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے اور ان کے ہاں کی عورتوں سے نکاح بھی جائز۔ (تفسیر ماجدی،ص ۱۳۴،تلخیصاً)۔

صاحبؒ احسن البیان فرماتے ہیں: ’’صَابِئِیْنَ، صَابِیءٌ کی جمع ہے۔ یہ لوگ وہ ہیں جو یقیناً ابتداءً کسی دینِ حق کے پیرو رہے ہوں گے اسی لیے قرآن میں یہودیت وعیسائیت کے ساتھ ان کا ذکر کیا گیا ہے لیکن بعد میں ان کے اندر فرشتہ پرستی اور ستارہ پرستی آ گئی، یا یہ کسی بھی دین کے پیرو نہ رہے۔ اسی لیے لامذہب لوگوں کو صابی کہا جانے لگا۔‘‘ (احسن البیان،ص ۲۷)

مَنْ: البقرۃ آیت 8 دیکھیں۔	ء ل ہ: آیت بسم اللہ دیکھیں۔	یَوْمٌ: الفاتحہ آیت 3 دیکھیں۔
ء خ ر: البقرۃ آیت 4 دیکھیں۔	ع م ل: البقرۃ آیت 25 دیکھیں۔	ص ل ح: البقرۃ آیت 11 دیکھیں۔

ء ج ر

(ن) اَجْرًا اور اُجْرَۃً: بدلہ دینا، خواہ وہ بدلہ دنیاوی ہو یا اُخروی۔ مزدوری دینا۔ کسی کی مزدوری کرنا۔ ﴿اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ اُنْکِحَكَ اِحْدَی ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰٓی اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ﴾ (28/القصص:27) ’’بے شک میں ارادہ کرتا ہوں کہ میں نکاح کر دوں تجھ سے دو میں سے اپنی ایک بیٹی کا، اس پر کہ تو مزدوری کرے میری آٹھ برس۔‘‘

اَجْرٌ: ج: اُجُوْرٌ۔ اسم ذات بھی ہے۔ کسی کام کا بدلہ۔ اجرت۔ مزدوری۔ یہ دنیا اور آخرت، دونوں جگہ کے بدلے کے لیے آتا ہے لیکن صرف اچھے بدلے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ برے بدلے کے لئے نہیں آتا۔ جبکہ لفظ جزاء اچھے اور برے، دونوں طرح کے بدلے کے لیے آتا ہے۔ ﴿وَ لَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (16/النحل:41) ’’اور یقیناً آخرت کا بدلہ سب سے بڑا ہے کاش وہ لوگ جانتے ہوتے۔‘‘ ﴿اُولٰٓئِكَ سَوْفَ یُؤْتِیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ﴾ (4/النساء:152) ’’یہ لوگ ہیں، وہ عنقریب دے گا ان کو ان کے بدلے۔‘‘ قرآن مجید میں اُجُوْر کا لفظ کنایۃً عورتوں کے مہر کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ فرمایا: ﴿وَّاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (4/النساء:25) ’’اور دو ان کے مہر موافق دستور کے۔‘‘ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

(استفعال) اِسْتِئْجَارًا: کسی کو مزدوری پر رکھنا۔ ﴿اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ﴾ (28/القصص:26) ’’یقیناً وہ بہتر ہے جس کو آپ نے مزدوری پر رکھا۔‘‘

اِسْتَاْجِرْ: فعل امر ہے۔ تو مزدوری پر رکھ۔ ﴿قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا یٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ﴾ (28/القصص:26) ’’کہا دو میں سے ایک نے اے میرے والد! آپ مزدوری پر رکھیں اس کو۔‘‘

عِنْدَ: البقرۃ آیت 54 دیکھیں۔	ر ب ب: الفاتحہ آیت 1 دیکھیں۔	خ و ف: البقرۃ آیت 38 دیکھیں۔
ح ز ن: البقرۃ آیت 38 دیکھیں۔		

ترکیب

اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے اَلصّٰبِئِیْنَ تک پورا جملہ اِنَّ کا اسم ہے۔ مَنْ اٰمَنَ سے عَمِلَ صَالِحًا تک جملہ شرطیہ ہے۔ فَلَهُمْ سے یَحْزَنُوْنَ تک جواب شرط ہے۔ یہ شرط اور جواب شرط مل کر اِنَّ کی خبر ہے۔

مَنْ اٰمَنَ کے بعد مِنْهُمْ محذوف ہے، اس کو حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے ترجمے میں واضح کیا ہے، فرماتے ہیں ’’جو ایمان لایا (ان میں سے) اللہ پر......‘‘۔ مَنْ اصلاً واحد لفظ ہے لیکن جمع کے معنی بھی دیتا ہے اور یہاں جمع کے معنی میں آیا ہے۔ اس لیے لفظی رعایت کے تحت اٰمَنَ واحد کا صیغہ آیا ہے پھر

معنوی رعایت کے تحت جواب شرط لَھُمۡ میں جمع کی ضمیر ھُمۡ آئی ہے۔ حضرت مفتی محمد شفیعؒ آیت کے آخری حصے فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡھِمۡ وَلَا ھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ کے متعلق فرماتے ہیں: ’’خوف کی نفی تو عام انداز میں کر دی گئی، مگر حزن کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ لَا حُزۡنَ عَلَیۡھِمۡ، بلکہ بصیغۂ فعل لایا گیا، اور اُس کی ضمیر فاعل کو مقدم کر کے وَلَا ھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ فرمایا گیا، اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ کسی چیز یا مراد کے فوت ہونے کے غم سے آزاد ہونا صرف انہی اولیاء اللہ کا مقام ہے جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایات کی مکمل پیروی کرنے والے ہیں، ان کے سوا کوئی انسان اس غم سے نہیں بچ سکتا۔‘‘ (معارف القرآن، ج۱ص۲۰۲)

ترجمہ
البقرۃ:62

وَالنَّصٰرٰی	ھَادُوۡا	وَالَّذِیۡنَ	اٰمَنُوۡا	اِنَّ الَّذِیۡنَ
اور نصرانی ہوئے	یہودی ہوئے	اور وہ لوگ جو	ایمان لائے	بے شک جو لوگ

وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ	بِاللّٰہِ	مَنۡ اٰمَنَ	وَالصّٰبِـِٕیۡنَ
اور آخری دن پر	اللہ پر	جو ایمان لایا (ان میں سے)	اور صابی ہوئے

وَلَا خَوۡفٌ	عِنۡدَ رَبِّھِمۡ	اَجۡرُھُمۡ	فَلَھُمۡ	وَعَمِلَ صَالِحًا
اور کچھ خوف نہیں ہے	ان کے رب کے پاس	ان کا اجر	تو ان کے لیے ہے	اور عمل کیے نیک

یَحۡزَنُوۡنَ	وَلَا ھُمۡ	عَلَیۡھِمۡ
غمگین ہوں گے	اور نہ ہی وہ لوگ	ان پر

نوٹ اس آیت کے متعلق مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: ’’سلسلۂ عبارت کو پیشِ نظر رکھنے سے یہ بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں ایمان اور اعمال صالحہ کی تفصیلات بیان کرنا مقصود نہیں ہے کہ کن کن باتوں کو آدمی مانے اور کیا کیا اعمال کرے تو خدا کے ہاں اجر کا مستحق ہو۔ یہ چیزیں اپنے اپنے موقع پر تفصیل کے ساتھ آئیں گی۔ یہاں تو یہودیوں کے اِس زعمِ باطل کی تردید مقصود ہے کہ وہ صرف یہودی گروہ کو نجات کا اجارہ دار سمجھتے تھے۔ وہ اس خیالِ خام میں مبتلا تھے کہ ان کے گروہ سے اللہ کا کوئی خاص رشتہ ہے جو دوسرے انسانوں سے نہیں ہے، لہٰذا جو ان کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے وہ خواہ اعمال اور عقائد کے لحاظ سے کیسا ہی ہو، بہرحال نجات اس کے لیے مقدر ہے اور باقی تمام انسان جو ان کے گروہ سے باہر ہیں وہ صرف جہنم کا ایندھن بننے کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔ اس غلط فہمی کو دُور کرنے کے لیے فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ کے ہاں اصل چیز تمہاری یہ گروہ بندیاں نہیں ہیں بلکہ وہاں جو کچھ اعتبار ہے، وہ ایمان اور عمل صالح کا ہے۔ جو انسان بھی یہ چیز لے کر حاضر ہو گا وہ اپنے رب سے اپنا اجر پائے گا۔ خدا کے ہاں فیصلہ آدمی کی صفات پر ہو گا نہ کہ تمہاری مردم شماری کے رجسٹروں پر۔‘‘ (تفہیم القرآن، ج۱ص۸۲)

آیت:63

﴿وَ اِذۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَکُمۡ وَ رَفَعۡنَا فَوۡقَکُمُ الطُّوۡرَ ؕ خُذُوۡا مَاۤ اٰتَیۡنٰکُمۡ بِقُوَّۃٍ وَّ اذۡکُرُوۡا مَا فِیۡہِ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ ﴿۶۳﴾﴾

اِذۡ: البقرۃ آیت 30 دیکھیں۔	ء خ ذ: البقرۃ آیت 48 دیکھیں۔	و ث ق: البقرۃ آیت 27 دیکھیں۔

ر	ف	ع

(ف) رَفۡعًا اٹھانا۔ بلند کرنا۔ یہ حسّی اور معنوی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً حسّی طور پر بلند کرنے کے لیے آیت زیر مطالعہ

میں فرمایا: ﴿ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ﴾ ''اور بلند کیا ہم نے تمہارے اوپر طور کو۔'' یا فرمایا: ﴿ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ﴾ (2/البقرة:127) ''اور یاد کرو جب اٹھا رہے تھے ابراہیمؑ بنیادیں خانہ کعبہ کی اور اسمٰعیلؑ بھی۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اور معنوی طور پر بلند کرنے کے لیے فرمایا: ﴿ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴾ (94/اَلَمْ نَشْرَحْ :4) ''اور ہم نے بلند کیا آپؐ کے لیے آپؐ کے ذکر کو۔'' یا فرمایا: ﴿ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ ﴾ (6/الانعام:165) ''اور بلند کیا ہے تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ آواز کے متعلق استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے آواز اونچی کرنا۔ جیسے فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ﴾ (49/الحجرات:2) ''اے ایمان والو! نہ بلند کیا کرو اپنی آوازوں کو نبی کریمؐ کی آواز سے۔''

رَفِيْعٌ فَعِيْلٌ کا وزن ہے اسم الفاعل کے معنی میں۔ اٹھانے والا۔ بلند کرنے والا۔ ﴿ رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ﴾ (40/مومن:15) ''درجات کا بلند کرنے والا، عرش والا۔''

رَافِعٌ مؤنث: رَافِعَةٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ اٹھانے والا۔ بلند کرنے والا۔ ﴿ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ ﴾ (3/آل عمران:55) ''جب کہا اللہ نے اے عیسیٰؑ! میں پورا پورا لینے والا ہوں آپؑ کو اور اٹھانے والا ہوں آپؑ کو اپنی طرف۔'' ﴿ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴾ (56/الواقعہ:3) ''پست کرنے والی، بلند کرنے والی۔''

مَرْفُوْعٌ مؤنث: مَرْفُوْعَةٌ۔ اسم المفعول ہے۔ بلند کیا ہوا۔ ﴿ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ﴾ (52/الطور:5) ''قسم ہے بلند کی ہوئی چھت یعنی آسمان کی۔'' ﴿ فِىْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ﴾ (80/عبس:13-14) ''عزت دیے ہوئے، بلند کیے ہوئے، پاک کیے ہوئے صحیفوں میں۔''

فَوْقَ: البقرة آیت 20 دیکھیں۔

ط و ر

(ن) **طَوْرًا نًا، طَوْرًا** قریب ہونا۔ نزدیک ہونا۔ عربی میں کہتے ہیں لَا اَطُوْرُ بِهٖ میں اس کے قریب تک نہیں جاؤں گا۔

طَوْرٌ ج: اَطْوَارٌ۔ بنیادی مفہوم ہے حد و اندازہ۔ پھر مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے مثلاً: حالت۔ مرحلہ۔ طرح طرح سے۔ منزل۔ ہیئت۔ باری۔ عربی میں کہا جاتا ہے عَدَا طَوْرَهٗ۔ وہ اپنی حد سے بڑھ گیا۔ وَجَاوَزَ طَوْرَهٗ اور وہ اپنے اندازے سے تجاوز کر گیا۔ اَتَيْتُهٗ طَوْرًا بَعْدَ طَوْرٍ میں اس کے پاس بار بار آیا۔ فَعَلَ كَذَا طَوْرًا بَعْدَ طَوْرٍ اس نے یہ کام ایک بار کے بعد دوسری بار کیا۔ عربی میں اَلنَّاسُ اَطْوَارٌ کے معنی ہیں لوگ مختلف قسم اور حالات کے ہیں۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴾ (71/نوح:14) ''اور اس نے بنایا تم کو طرح طرح سے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''حالانکہ اس نے تمہیں کئی مرحلوں سے گزار کر پیدا کیا ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اس آیت مبارکہ میں اطوار کے معنی طرح طرح کی شکل و صورت کے بھی ہو سکتے ہیں یا یہ کہ انسان ماں کے پیٹ میں جو طرح طرح کی حالتیں اور شکلیں بدلتا ہے یعنی نطفہ، علقہ، مضغہ وغیرہ اس کی طرف اشارہ ہو یا یہ کہ انسان پیدائش سے لے کر موت تک جو مختلف مراحل طے کرتا ہے اور جتنے ادوار سے گزرتا ہے، وہ مراد ہوں۔ اگر یہ سب معانی بھی مراد لے لیے جائیں تب بھی کوئی حرج نہیں۔ (واللہ اعلم)۔

اَلطُّوْرُ جزیرہ نمائے سیناء کے ایک مخصوص و متعین پہاڑ کا نام جیسے طور سینین (التین:2) اور طور سِیناء یا طور سَیناء (المومنون:20) بھی کہتے ہیں۔ عربی زبان میں طور کے معنی پہاڑ کے ہیں البتہ علمائے کرام نے وضاحت کی ہے کہ اُس پہاڑ کو طور کہتے ہیں جو سرسبز و شاداب ہو، خشک پہاڑ کو طور نہیں کہتے۔ اب طور اس پہاڑ کو کہا جاتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے کلام فرمایا، جہاں انہیں نبوت سے سرفراز فرمایا، ید بیضاء اور عصا کے معجزات جہاں دیے گئے اور جہاں آپؑ کو الواح تورات عطا کی گئیں۔ اسی پہاڑ کو حضرت جبرائیلؑ نے بنی اسرائیل کے سروں پر لا کھڑا کیا تھا۔ قرآن مجید میں دو مقامات پر اسی پہاڑ کی قسم کھائی گئی ہے۔ ﴿وَالطُّوْرِ ۝﴾ (52/الطور:1) ''قسم ہے طور کی۔'' ﴿وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝﴾ (95/التین:2) ''(اور قسم ہے) طور سینین کی۔'' مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''الطُّوْرَ۔ طور، مطلق پہاڑ کو بھی کہتے ہیں اور جزیرہ نمائے سینا کے ایک مخصوص و متعین پہاڑ کا بھی نام ہے۔ جدید جغرافیہ نویس کہتے ہیں کہ طور کا اطلاق جزیرہ نمائے سینا کے متعدد پہاڑوں پر ہوتا ہے۔ لیکن حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کے سلسلہ میں جبل طور سے مراد جبل سینا ہوتا ہے۔ لیکن خود جبل سینا کی کوئی ایک چوٹی نہیں، متعدد چوٹیاں ہیں۔ انہیں میں سے کسی کا نام طور ہوگا۔'' (تفسیر ماجدیؒ، ص۳٦)

ء ت ی: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔

ء ت ی: البقرۃ آیت 23 دیکھیں۔

ق و ی

(س) **قُوَّةً** طاقت ور ہونا۔ مضبوط ہونا۔ کسی کام کی قدرت رکھنا۔ کسی چیز کی قابلیت یا صلاحیت ہونا۔ اگر یہ مادہ باب نَصَرَ سے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے غالب آنا۔ قَوَيْتُهُ میں لڑائی میں اس پر غالب آیا۔ اگر باب سَمِعَ سے استعمال ہو تو مطلب ہوتا ہے طاقتور ہونا۔ سخت بھوکا ہونا۔ مکان کا خالی ہونا، بارش کا رک جانا۔ قَوِيَ وہ طاقتور ہو گیا یا سخت بھوکا ہو گیا، قَوِيَ الدَّارُ مکان خالی ہو گیا۔ قَوِيَ الْمَطَرُ بارش رُک گئی۔ البتہ قرآن مجید میں یہ لفظ طاقت ور ہونا اور کسی کام کی قدرت رکھنا کے معنوں میں ہی استعمال ہوا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

قُوَّةٌ ج: قُوًى۔ اسم ذات بھی ہے۔ طاقت۔ زور۔ اس کی ضد ضعف ہے۔ قرآن مجید میں قوۃ کا لفظ کئی طرح کے معنوں میں استعمال ہوا ہے مثلاً، بدنی قوت کے لیے جیسے فرمایا: ﴿وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ (41/حٰمٓ السجدۃ:15) ''اور (عاد) کہنے لگے ہم سے زیادہ طاقت ور کون ہے۔'' اندرونی قلبی طاقت کے لیے جیسے فرمایا: ﴿يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ﴾ (19/مریم:12) ''اے یحییٰؑ پکڑ لو اس کتاب کو مضبوطی سے۔'' یعنی پورے عزم اور حوصلے سے کتابِ الٰہی پر عمل کرو۔ خارجی بیرونی طاقت کے لیے جیسے فرمایا: ﴿قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً﴾ (11/ھود:80) ''حضرت لوطؑ نے کہا اے کاش! میرے پاس تمہارے مقابلے کی قوت ہوتی۔'' چنانچہ بعض بزرگوں نے اس جگہ قوت سے فوجی یا مالی طاقت مراد لی ہے (مفردات)۔ نیز فرمایا: ﴿نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ﴾ (27/النمل:33) ''ہم طاقت والے ہیں۔'' یعنی جسمانی طاقت کے علاوہ ہم کو فوجی، مالی ہر طرح کی طاقت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور طاقت کے لیے جیسے فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۝﴾ (51/الذاریات:58) ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی (سب کو) روزی دینے والا، قوت والا (اور) زور والا ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ اِس کی جمع قُوًى آتی ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝﴾ (53/النجم:5) ''اس کو سکھلایا ہے سخت قوتوں والے نے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

قَوِیٌّ فَعِیۡلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔طاقتور۔قدرت والا۔﴿ وَ اِنِّیۡ عَلَیۡهِ لَقَوِیٌّ اَمِیۡنٌ ﴾(27/النمل:39) ''اور یقیناً میں اس کو(اٹھالانے کی) طاقت بھی رکھتا ہوں اور امانت دار بھی ہوں۔'' ﴿ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیۡزٌ ﴾ (57/الحدید:25)''بے شک اللہ تعالیٰ طاقت ور اور غالب ہے۔''

(افعال) **اِقۡوَاءٌ** محتاج ہونا۔ضرورت مند ہونا۔بنجر زمین پر قیام کرنا۔پیر کرم شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:''قِوَاءٌ اس زمین کو کہتے ہیں جو بنجر اُجاڑ ہو اور آبادی سے بہت دُور ہو۔اِقۡوَاءٌ کا معنی ہے ایسی بنجر اجاڑ زمین میں فروکش ہونا (یعنی قیام کرنا)۔اسی لیے مسافر کو مُقۡوِی کہتے ہیں، کیونکہ بسا اوقات سفر میں انہیں ایسے مقامات پر فروکش ہونا پڑتا ہے(یعنی قیام کرنا پڑتا ہے) جہاں پانی وغیرہ دستیاب نہیں ہوتا۔''(ضیاء القرآن، ج۵،ص۹۹)

مُقۡوِی ج:مُقۡوُوۡنَ-مُقۡوِیۡنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ محتاج۔ ضرورت مند۔ مسافر۔﴿ نَحۡنُ جَعَلۡنٰهَا تَذۡكِرَةً وَّ مَتَاعًا لِّلۡمُقۡوِیۡنَ ﴾(56/الواقعہ:73)''ہم نے بنایا اس کو یاددہانی اور برتنے کا سامان ضرورت مندوں/ مسافروں کے لیے۔'' صاحبؒ احسن البیان فرماتے ہیں:''مُقۡوِیۡنَ، مُقۡوِی کی جمع ہے،قِوَآءٌ یعنی خالی صحرا میں داخل ہونے والا، مراد مسافر ہے۔یعنی مسافر صحراؤں اور جنگلوں میں ان درختوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں،ان سے روشنی، گرمی اور ایندھن حاصل کرتے ہیں۔بعض نے مُقۡوِیۡنَ سے وہ فقراء مراد لیے ہیں جو بھوک کی وجہ سے خالی پیٹ ہوں۔بعض نے اس کے معنی مُسۡتَمۡتِعِیۡنَ (فائدہ اٹھانے والے) کیے ہیں۔اس میں امیر،غریب، مقیم اور مسافر سب آجاتے ہیں اور سب ہی آگ سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔''(تفسیر احسن البیان،ص۱۵۲۸)

ترکیب

'وَ' حرف عطف ہے۔اِذۡ ظرف زمان ہے اور اس سے پہلے اُذۡكُرُوۡا محذوف ہے۔اَخَذۡنَا، ماضی میں جمع متکلم کا صیغہ ہے اور اِس کا فاعل اس میں شامل ضمیر نَحۡنُ ہے۔ مِیۡثَاقَكُمۡ اس کا مفعول ہے۔ وَرَفَعۡنَا میں 'وَ' عطف کا ہے اور رَفَعۡنَا کا فاعل اس میں شامل نَحۡنُ کی ضمیر ہے۔اور الطُّوۡرَ اس کا مفعول ہے۔جبکہ فَوۡقَكُمۡ میں فَوۡقَ ظرف مکان ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ خُذُوۡا سے پہلے قُلۡنَا لَهُمۡ محذوف ہے۔خُذُوۡا فعل امر کا صیغہ ہے اور اس میں شامل ضمیر اَنۡتُمۡ اس کا فاعل ہے۔اسم موصول 'مَا' اپنے صلے اٰتَیۡنٰكُمۡ بِقُوَّةٍ کے ساتھ مل کر اس کا مفعول ہے۔اٰتَیۡنٰكُمۡ میں اٰتَیۡنَا فعل با فاعل اور كُمۡ اس کا مفعول ہے۔بِقُوَّةٍ متعلق فعل ہے۔وَاذۡكُرُوۡا میں 'وَ' عطف کا ہے اور اُذۡكُرُوۡا فعل امر کا صیغہ ہے۔مَا فِیۡهِ اس کا مفعول ہے۔فِیۡهِ میں 'ہ' ضمیر مَآ اٰتَیۡنٰكُمۡ کے لیے ہے۔آگے لَعَلَّ۔حرف مشبہ بالفعل ہے۔كُمۡ اس کا اسم اور جملہ فعلیہ تَتَّقُوۡنَ اس کی خبر ہے۔(واللّٰہ اعلم)۔

ترجمہ
البقرۃ:63

وَاِذۡ اَخَذۡنَا	مِیۡثَاقَكُمۡ	وَرَفَعۡنَا	فَوۡقَكُمۡ	الطُّوۡرَ
اور (یاد کرو) جب لیا ہم نے	پختہ وعدہ تم لوگوں سے	اور بلند کیا ہم نے	تمہارے اوپر	کوہ طور کو

خُذُوۡا	مَآ	اٰتَیۡنٰكُمۡ	بِقُوَّةٍ	وَّاذۡكُرُوۡا
کہ تم لوگ پکڑو	اس کو جو	ہم نے دیا تم کو	مضبوطی سے	اور تم یاد رکھو

مَا	فِیۡهِ	لَعَلَّكُمۡ	تَتَّقُوۡنَ
اس کو جو	اس میں ہے	تا کہ تم	پرہیز گار بن جاؤ

نوٹ ''کہتے ہیں کہ توریت نازل ہوئی تو بنی اسرائیل شرارت سے کہنے لگے کہ ''توریت کے حکم تو مشکل اور بھاری ہیں ہم سے نہیں ہوسکتے۔''
تب خدائے تعالیٰ نے ایک پہاڑ کو حکم کیا جو اُن سب کے سروں پر آن کر اُترنے لگا اور سامنے آگ پیدا ہوئی۔ گنجائش سرتابی اصلاً نہ رہی مجبوراً احکام توریت کو قبول کیا۔ باقی یہ شبہ کہ ''پہاڑ سروں پر معلق کر کے تسلیم کرانا توریت کا یہ تو صریح اجبار واکراہ ہے جو آیۃ لا اکراہ فی الدین اور نیز قاعدۂ تکلیف کے بالکل خلاف ہے کیونکہ بنائے تکلیف تو اختیار پر ہے اور اکراہ مناقض اختیار ہے'' تو اس کا جواب یہ ہے کہ اکراہ در بارۂ قبول دین ہرگز نہیں ''دین تو بنی اسرائیل پہلے سے قبول کیے ہوئے تھے'' اور بار بار حضرت موسیٰؑ سے تقاضا کرتے تھے کہ ''کوئی کتاب متضمن احکام ہم کو لا کر دو کہ اس پر عمل کریں'' اور اس پر معاہدہ کر چکے تھے۔ جب توریت اُن کو دی گئی تو عہد شکنی پر کمر بستہ ہوئے تو اب پہاڑ کا معلق کرنا نقض عہد سے روکنے کے لیے تھا نہ کہ قبول دین کے لیے۔'' (تفسیر عثمانی ص ۱۳)

آیت:64

﴿ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ﴾

و ل ی

یہ مادہ باب (ح) و (ض) دونوں سے استعمال ہوتا ہے البتہ باب (ض) سے کم استعمال ہوتا ہے۔

(ح) (ض) (ا) وَلَايَةً اور وِلَايَةً کثیر المعنی الفاظ ہیں۔ کسی سے محبت ہونا۔ دوستی ہونا۔ کسی سے گہرا تعلق ہونا۔ واسطہ یا سروکار ہونا۔ کسی کی بگڑی بنانے والا ہونا یعنی کارساز ہونا۔ کسی کام کا متولی و منتظم ہونا۔ کسی کی مدد کرنا۔ حکومت، اختیار یا غلبہ ہونا۔ امام راغبؒ لکھتے ہیں: ''اَلْوِلَايَةُ (بکسر الواؤ) کے معنی نصرت اور وَلَايَةُ (بفتح الواؤ) کے معنی کسی کام کا متولی ہونے کے ہیں۔'' مولانا عبدالماجد دریابادیؒ لکھتے ہیں: ''وَلایة (بالفتح) کے معنی کارسازی وانصرام امور کے ہیں اور وِلایة (بالکسر) کے معنی مدد ونصرت کے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ دونوں کارسازی کے معنی میں مرادف ہیں۔ ابن جریرؒ نے لکھا ہے کہ بصرہ اور کوفہ و مدینہ کے بعض قاریوں کی زبان پر وَلایة (بالفتح) ہے، جس کے معنی دوستی، مدد کے ہیں۔ اور کوفہ کے عام قاریوں کی قرأۃ وِلایة (بالکسر) ہے۔ جس کے معنی حکومت و غلبہ کے ہیں۔'' (تفسیر ماجدی، ص ۷ ۶۳) ان مصادر سے کوئی فعل قرآنِ مجید میں استعمال نہیں ہوا۔ (واللہ اعلم)۔

(ب) وَلْيًا فاصلے کے بغیر کسی کے پیچھے چلنا۔ متصل ہونا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ یہ لفظ کسی کے قریب ہونا کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے، خواہ یہ قرب بلحاظ مکان ہو، نسب ہو، بلحاظ دین واعتقاد ہو یا بلحاظ دوستی و نصرت ہو۔ عربی زبان میں وہ بارش جو موسم بہار کی پہلی بارش کے فوراً بعد برسے اسے وَلِیٌّ کہا جاتا ہے۔ پہلی بارش کو وسمی کہتے ہیں۔ عربی میں کہتے ہیں دَارُہٗ وَلْیُ دَارِیْ۔ اس کا گھر میرے گھر کے قریب ہے۔ اسی طرح وَلِیَ الشَّیْءُ الشَّیْءَ کا مطلب ہے ایک چیز دوسری چیز کے قریب ہوئی۔ قرآنِ مجید میں فرمایا: ﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ ﴾ (9/التوبۃ:123) ''تم لوگ قتال کرو ان لوگوں سے جو نزدیک ہیں تمہارے، کافروں میں سے۔'' اور حدیث مبارک میں فرمایا: خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ''سب سے بہتر میرا زمانہ ہے۔ پھر ان کا جو اُن سے ملنے والے ہیں۔ پھر ان کا جو ان سے ملنے والے ہیں۔''

وَالٍ اسم الفاعل ہے۔ مددگار۔ حمایتی۔ ﴿ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ۝ ﴾ (13/الرعد:11) ''اور نہیں ہے ان کے لیے اللہ کے سوا کوئی بھی مددگار۔''

وَلِيٌّ

ج: اَوۡلِيَآءُ۔ فَعِيۡلٌ کے وزن پر صفت ہے اور متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے مثلاً: مددگار۔ حمایتی۔ کارساز۔دوست۔وارث۔ ﴿وَمَا لَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيۡرٍ ۝﴾(2/البقرۃ:107)''اور نہیں ہے تم لوگوں کے لیے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ ہی کوئی مددگار'' ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الۡيَهُوۡدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوۡلِيَآءَ ۘ﴾(5/المآئدہ:51)''اے لوگو! جو ایمان لائے ،تم لوگ مت بناؤ یہود کو اور نصاریٰ کو دوست۔'' قرآن وسنت کی اصطلاح میں کسی مومن کو وَلِيُّ اللّٰهِ کہنا بھی جائز ہے، اللہ تعالیٰ کو وَلِيُّ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ کہنا بھی جائز ہے اور مومن کو مومن کا ولی کہنا بھی جائز ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے متعلق فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ وَلِيُّ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝﴾(3/آل عمران:68)''اور اللہ تعالیٰ مومنوں کا حمایتی/ مددگار/ ولی ہے۔'' اور مومنین کے متعلق فرمایا: ﴿اَلَاۤ اِنَّ اَوۡلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ۝ۚ﴾(10/ یونس:62)''یاد رکھو جو لوگ اللہ کے دوست ہیں نہ ڈر ہے اُن پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) اور مومنین کے آپس کے تعلق کے متعلق فرمایا: ﴿وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتُ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ﴾ (9/التوبۃ:71)''مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار/ معاون ہیں۔'' قرآن مجید میں یہ لفظ سرپرست یا وکیل کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے مثلاً: ﴿فَلۡيُمۡلِلۡ وَلِيُّهٗ بِالۡعَدۡلِ﴾ (2/البقرۃ:282)''تو لکھائے اس کا ولی (سرپرست) انصاف سے۔'' اس آیت کے تحت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ''ولی سے مراد ولی شرعی ہے یا وکیل یا مختار (یا پردیسی کے لیے) ترجمان۔'' پھر ولی کا لفظ قرآنِ مجید میں کم از کم تین مقامات پر ''وارث'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً: ﴿فَهَبۡ لِيۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ وَلِيًّا ۝ۙ﴾(19/مریم:5)''سو تو ہی مجھے (خاص) اپنے پاس سے وارث دے۔'' سب بزرگوں کے نزدیک ولی یہاں صلبی اولاد اور وارث کے مفہوم میں ہے۔ اسی طرح بنی اسرائیل: 33 اور النمل: 49 میں بھی یہ وارث کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ (واللہ اعلم)۔ مولانا مودودیؒ سورۃ الشوریٰ کی آیت 6 ﴿وَالَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيۡظٌ عَلَيۡهِمۡ﴾ کے تحت فرماتے ہیں: ''اصل میں یہ لفظ ''اولیاء'' استعمال ہوا ہے جس کا مفہوم عربی زبان میں بہت وسیع ہے۔ معبودانِ باطل کے متعلق گمراہ انسانوں کے مختلف عقائد اور بہت سے مختلف طرزِ عمل ہیں جن کو قرآن مجید میں ''اللہ کے سوا دوسروں کو اپنا ولی بنانے'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قرآن پاک کا تتبع کرنے سے لفظ ''ولی'' کے حسب ذیل مفہومات معلوم ہوتے ہیں:

(۱) جس کے کہنے پر آدمی چلے جس کی ہدایت پر عمل کرے اور جس کے مقرر کیے ہوئے طریقوں، رسموں اور قوانین و ضوابط کی پیروی کرے۔ (النساء، آیات ۱۱۸ تا ۱۲۰۔ الاعراف ۳، ۲۷ تا ۳۰)۔

(۲) جس کی رہنمائی (Guidance) پر آدمی اعتماد کرے اور یہ سمجھے کہ وہ اسے صحیح راستہ بتانے والا اور غلطی سے بچانے والا ہے۔ (البقرہ ۲۵۷۔ بنی اسرائیل ۹۷۔ الکہف ۱۷، ۵۰۔ الجاثیہ ۱۹)۔

(۳) جس کے متعلق آدمی یہ سمجھے کہ میں دنیا میں خواہ کچھ کرتا رہوں، وہ مجھے اُس کے بُرے نتائج سے اور اگر خدا ہے اور آخرت بھی ہونے والی ہے، تو اُس کے عذاب سے بچالے گا۔ (النساء ۱۲۳۔ ۱۷۳۔ الانعام ۵۱۔ الرعد ۳۷۔ العنکبوت ۲۲۔ الاحزاب ۶۵۔ الزمر ۳)۔

(۴) جس کے متعلق آدمی یہ سمجھے کہ وہ دنیا میں فوق الفطری طریقے سے اس کی مدد کرتا ہے، آفات و مصائب سے اس کی حفاظت کرتا ہے، اسے روزگار دلواتا ہے، اولاد دیتا ہے، مرادیں برلاتا ہے، اور دوسری ہر طرح کی حاجتیں پوری کرتا ہے۔ (ہود، ۲۰۔ الرعد، ۱۶، العنکبوت ۴۱)۔

بعض مقامات پر قرآن میں ولی کا لفظ ان میں سے کسی ایک معنی میں استعمال کیا گیا ہے، اور بعض مقامات پر جامعیت کے ساتھ اس کے سارے ہی مفہومات مراد ہیں۔(تفہیم القرآن، ج۴ص ۴۸۰)

مَوْلٰی، مَوْلًی

ج: مَوَالٍ۔ ہر وہ شخص جو کسی دوسرے شخص کی مدد کسی قرابت یا تعلق کی وجہ سے کرے، اسے مَوْلٰی کہتے ہیں۔ خواہ وہ تعلق نسب کا ہو، دوستی کا ہو، ہم عقیدہ ہونے کا ہو یا آزاد کرنے کا۔ صاحبؒ لغات القرآن فرماتے ہیں کہ وَلِیٌّ اور مَوْلٰی دونوں ہم معنی الفاظ ہیں، ہر ایک کے معنی میں قرب و اتصال کا مفہوم ہے اور امام راغبؒ فرماتے ہیں: ''اَلْوَلِیُّ اور اَلْمَوْلٰی، یہ دونوں کبھی اسم الفاعل یعنی مُوَالٍ کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں اور کبھی اسم المفعول یعنی مُوَالًی کے معنی میں آتے ہیں۔'' اس تعریف سے معلوم ہوا کہ عربی زبان کا یہ لفظ بھی بہت سے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ لفظ بگڑی بنانے والا، کارساز، مالک، دوست، رشتے دار، چچا کا بیٹا، کلالہ، عصبات، عام وارث، آزاد کرنے والا آقا، آزاد شدہ غلام اور ہمسایہ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اور ہر وہ شخص جو کسی دوسرے کے معاملے کا والی ہو وہ بھی اس کا مَوْلٰی کہلاتا ہے۔ ﴿ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ ﴾ (3/آل عمران:150) ''بلکہ اللہ تمہارا مددگار ہے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ﴿ يَوْمَ لَا يُغْنِىْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا ﴾ (44/الدخان:41) ''اس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ بھی کام نہ آئے گا۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔ کسی مومن کو مولی اللہ کہنا درست نہیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ کو مومنین کا مَوْلَاهُمْ کہنا درست ہے بلکہ اِس انداز میں کافروں کے لیے بھی مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ کے الفاظ قرآن مجید میں آئے ہیں۔ البتہ معنی میں فرق ہو جائے گا۔ مومنوں کے لیے معنی ہوں گے مددگار، حمایتی، دوست وغیرہ اور کافروں کے لیے معنی ہوں گے ''مالک''۔ چنانچہ مومنوں کے لیے فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ (47/محمد:11) ''یہ (مسلمانوں کی کامیابی اور کافروں کی تباہی) اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ دوست، کارساز، مددگار ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے۔'' اور کافروں کے متعلق فرمایا: ﴿ وَ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ﴾ (10/یونس:30) ''اور انہیں لوٹا دیا جائے گا اللہ تعالیٰ کی طرف جو ان کا مالک حقیقی ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ سورہ محمد کی آیت 11 کے تحت فرماتے ہیں: ''لفظ مولیٰ بہت سے معانی کے لیے مستعمل ہوتا ہے ایک معنی کارساز کے ہیں جو اس جگہ (محمد:11) مراد ہیں اور ایک معنی مالک کے ہیں۔ قرآن میں دوسری جگہ کفار کے بارے میں آیا ہے: ﴿ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ﴾ (یونس:30) اس میں اللہ تعالیٰ کو کفار کے لیے بھی مولیٰ قرار دیا ہے کیونکہ مولیٰ کے معنی مالک کے ہیں اور مالکیت اللہ تعالیٰ کی عام ہے مومن کافر کوئی اُس سے خارج نہیں۔'' (معارف القرآن، ج۸ص ۳۱) ﴿ وَ اِنِّىْ خِفْتُ الْمَوَالِىَ مِنْ وَّرَآءِىْ ﴾ (19/مریم:5) ''مجھے اپنے مرنے کے بعد اپنے قرابت والوں کا ڈر ہے۔'' (ترجمہ احسن البیان) ﴿ فَاِخْوَانُكُمْ فِى الدِّيْنِ وَ مَوَالِيْكُمْ ؕ ﴾ (33/الاحزاب:5) ''تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں۔'' (ترجمہ احسن البیان)۔

اَوْلٰی

تثنیہ: اَوْلَيَانِ۔ اَفْعَلُ التّفضیل کا صیغہ ہے۔ زیادہ قریب۔ زیادہ حقدار۔ زیادہ خیرخواہ۔ زیادہ حمایتی۔ عام طور پر اِن معنوں میں 'بِ' کا صلہ آتا ہے مثلاً: ﴿ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ ﴾ (3/آل عمران:68) ''بے شک لوگوں میں سے قریب تر لوگ حضرت ابراہیمؑ سے تو وہ ہیں جنہوں نے انؑ کی پیروی کی۔'' ﴿ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ ﴾ (8/الانفال:75) ''اور رشتے دار، ان میں سے بعض زیادہ حقدار ہیں بعض کے اللہ کے قانون میں۔'' ﴿ فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۟ ﴾ (4/النساء:135) ''پس اللہ زیادہ خیرخواہ ان دونوں کا۔''

جب اس کے ساتھ 'لام' صلہ آئے تو ڈانٹ اور دھمکی کا مفہوم ہوتا ہے اور مطلب ہوتا ہے خرابی اور برائی سے زیادہ قریب یا خرابی اور برائی کا زیادہ مستحق۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ اَوْلٰی لَكَ فَاَوْلٰی ۝ ثُمَّ اَوْلٰی لَكَ فَاَوْلٰی ۝ ﴾ (75/القیامۃ:34-35) ''خرابی تیری، خرابی پر خرابی تیری، پھر خرابی تیری، خرابی پر خرابی تیری۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ﴿ فَاَوْلٰی لَهُمْ ۝ ﴾ (47/محمد:20) ''سو خرابی ہے اُن کی۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

وَلَایَۃٌ بطور اسم ذات بھی استعمال ہوتا ہے۔ قرابت۔ واسطہ۔ اختیار۔ میراث۔ مدد۔ کارسازی۔ ﴿ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُهَاجِرُوْا ﴾ (8/الانفال:72) ''اور جو ایمان لائے اور گھر نہیں چھوڑا تم کو اُن کی رفاقت سے کچھ کام نہیں جب تک وہ گھر نہ چھوڑ آئیں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ) ''اور جو لوگ ایمان تو لائے لیکن ہجرت نہیں کی تمہارا اُن سے کوئی تعلق میراث کا نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں۔'' (ترجمہ ماجدیؒ) ﴿ هُنَالِكَ الْوَلَایَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ﴾ (18/الکہف:44) ''یہاں سب اختیار ہے اللہ سچے کا۔'' (ترجمہ شیخ الہند) ''یہاں سے ثابت ہو گیا کہ سارا اختیار اللہ سچے کے لیے ہے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(تفعیل) **تَوْلِیَۃً** یہ لفظ بھی متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے:

(۱) کسی کو کسی کے قریب کرنا۔ ملا دینا۔ ﴿ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝ ﴾ (6/الانعام:129) ''اور اسی طرح ہم ساتھ ملا دیں گے گنہگاروں کو ایک کو دوسرے سے ان کے اعمال کے سبب۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ یہ عموماً دو مفعول کا تقاضا کرتا ہے یعنی کس کو قریب کیا اور کس کے قریب کیا۔

(۲) کسی کو کسی کی طرف پھیر دینا۔ یہ بھی دو مفعول کا تقاضا کرتا ہے۔ یعنی کس کو پھیرا اور کس کی طرف پھیرا۔ اور دونوں مفعول بنفسہٖ آتے ہیں۔ مثلاً: ﴿ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ﴾ (2/البقرۃ:144) ''تو ہم لازماً پھیر دیں گے آپؐ کو اس قبلہ کی طرف آپؐ راضی ہوں جس سے۔'' ﴿ وَاِنْ یُّقَاتِلُوْكُمْ یُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ﴾ (3/آل عمران:111) ''اور اگر وہ لوگ جنگ کریں گے تم سے تو وہ پھیر دیں گے تمہاری طرف پیٹھوں کو۔''

(۳) کسی کی طرف پیٹھ پھیرنا یا پیٹھ پھیر کر چل دینا یا بھاگ جانا۔ ﴿ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا وَلّٰی مُسْتَكْبِرًا ﴾ (31/لقمان:7) ''اور جب بھی پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اس کو ہماری آیات تو وہ پیٹھ پھیر کر چل دیتا ہے تکبر کرتے ہوئے۔'' کبھی اس کے ساتھ علٰی کا صلہ بھی آتا ہے۔ ﴿ وَلَّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ۝ ﴾ (17/بنی اسرائیل:46) ''تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہیں نفرت کرتے ہوئے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ ﴾ (27/النمل:10) ''پھر جب انہوں نے اُسے دیکھا کہ وہ حرکت کر رہا ہے جیسے سانپ کرتا ہے تو وہ پیچھے پیٹھ پھیر کر بھاگے۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)

(۴) کسی کی طرف پھرنا یا مڑنا۔ ان معنوں میں اِلٰی کا صلہ استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا: ﴿ لَوْ یَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَیْهِ ﴾ (9/التوبۃ:57) ''اگر مل جائے انہیں کوئی پناہ گاہ یا کوئی غار یا گھس بیٹھنے کی جگہ تو (دیکھے گا) وہ منہ پھیر لیں گے اس طرف۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلٰی قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ ۝ ﴾ (46/الاحقاف:29) ''پھر جب تلاوت ہو چکی تو لوٹے اپنی قوم کی طرف ڈر سناتے ہوئے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(۵) کسی کو کسی چیز سے پھیر دینا، ہٹا دینا۔ ان معنوں میں عموماً عَنْ کا صلہ آتا ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَیْهَا ﴾ (2/البقرۃ:142) ''کس چیز نے اِن (مسلمانوں) کو اُن کے (اس) قبلہ سے جس پر

وہ اب تک تھے ہٹا دیا۔'' (ترجمہ ماجدیؒ)۔ ''کس چیز نے پھیر دیا اِن مسلمانوں کو اپنے قبلہ سے جس پر وہ اب تک تھے۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

(۲) مسلط کر دینا۔ بعض بزرگوں نے (الانعام:129) ﴿ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًاۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾ میں نُوَلِّیْ کا ترجمہ ''مسلط کر دیں گے'' سے کیا ہے۔ چنانچہ مفتی محمد شفیعؒ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: ''لفظ نُوَلِّیْ کے عربی لغت کے اعتبار سے دو ترجمے ہو سکتے ہیں، ایک ملا دینے اور قریب کر دینے کے اور دوسرے مسلط کر دینے کے، ائمہ تفسیر صحابہ و تابعین سے بھی دونوں طرح کی روایات میں اس کی تفسیر منقول ہے۔'' اور مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں: ''نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا میں نولی کے معنی ''ہم مسلط کر دیں گے'' کے بھی کیے گئے ہیں۔''

وَلِّ — ج: وَلُّوْا۔ فعل امر ہے۔ تو پھیر دے۔ ﴿ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ ﴾ (2/البقرہ:144) ''تو آپؐ پھیر دیں اپنے چہرے کو مسجدِ حرام کی طرف اور جہاں کہیں ہو تم لوگ تو پھیر دو اپنے چہروں کو اس کی طرف۔''

مُوَلٍّ — اسم الفاعل ہے۔ پھیرنے والا۔ ﴿ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا ﴾ (2/البقرہ:148) ''اور ہر کسی کے واسطے ایک جانب ہے یعنی قبلہ کہ وہ منہ کرتا ہے اس طرف۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

(تفعّل) تَوَلٍّ — یہ لفظ بھی مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے:

(ا) اس کا تعدیہ جب بلا واسطہ ہو (یعنی جب اس کا مفعول بنفسہٖ آئے) تو اس سے تین معانی مراد لیے جاتے ہیں۔ (۱) کسی سے دوستی رکھنا جیسے فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ ﴾ (5/المآئدہ:51) ''اور جو کوئی تم میں سے اُن سے دوستی رکھے گا تو بے شک وہ انہی میں سے ہوگا۔'' (۲) کسی کام کو اٹھانا۔ قرآنِ مجید میں اس مفہوم میں معنوی طور پر استعمال ہوا ہے مثلاً: ﴿ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ (24/النور:11) ''اور جس نے اٹھایا ہے اس کا بڑا بوجھ، اس کے واسطے بڑا عذاب ہے۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ (۳) والی و حاکم ہونا۔ جیسے فرمایا: ﴿ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ﴾ (47/محمد:22) ''پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو خرابی ڈالو ملک میں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)۔ اور اکثر مفسرین نے اس آیت میں تَوَلَّيْتُمْ کا ترجمہ ''حکومت مل جانے'' سے کیا ہے۔

(ب) جب یہ لفظ عَنْ کے صلے کے ساتھ متعدی ہوتا ہے، خواہ عَنْ لکھا ہوا ہو یا پوشیدہ ہو تو اس سے مراد ہوتا ہے پیٹھ پھیرنا، منہ موڑنا، بے رخی کرنا، توجہ نہ کرنا، نزدیکی چھوڑ دینا۔ ﴿ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴾ (3/آل عمران:63) ''پھر اگر وہ پھر جائیں تو اللہ خوب جانتا ہے فساد کرنے والوں کو۔'' ﴿ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ﴾ (88/الغاشیۃ:23) ''مگر جس نے رُوگردانی کی اور کفر کیا۔'' (ترجمہ ضیاء القرآن)۔ ﴿ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴾ (8/الانفال:20) ''اور اس سے منہ مت پھیرو اس حال میں کہ تم سنتے ہو۔''

تَوَلَّ — فعل امر ہے۔ واحد مذکر حاضر۔ تو منہ پھیر۔ بغیر صلہ عَنْ کے استعمال کی صورت میں اس کا معنی ہوگا تو دوست بنا۔ لیکن اس معنی میں امر کا صیغہ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا کیونکہ تَوَلَّ کا صیغہ پانچ مرتبہ قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ عَنْ کے صلے کے ساتھ آیا ہے۔ (واللہ اعلم)۔ ﴿ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴾ (51/الذریات:54) ''پس آپؐ منہ پھیر لیں ان سے تو آپؐ پر کوئی الزام نہیں ہے۔''

بَعْدُ: البقرۃ آیت 27 دیکھیں۔

لَوْلَا اور لَوْمَا یہ لَوْ حرف شرط اور لَا اور مَا نافیہ سے مرکب ہیں۔ لفظاً کوئی تبدیلی نہیں کرتے۔ اِن کے بعد دو جملے آتے ہیں۔ پہلے کو شرط اور دوسرے کو جزاء کہتے ہیں۔ جزاء پر اکثر لام لگا دیا جاتا ہے (اور کبھی نہیں بھی لگایا جاتا)۔ اس صورت میں اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے "اگر یہ نہ ہوتا تو"۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ ﴾ (2/البقرۃ:251) "اور اگر نہ ہوتا دفع کرا دینا اللہ کا ایک کو دوسرے سے تو خراب ہو جاتا ملک۔" (ترجمہ شیخ الہندؒ) اور آیت زیر مطالعہ۔ نیز فرمایا: ﴿وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ﴾ (24/النور:21) "اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت تو تم میں سے کوئی بھی کبھی بھی پاک صاف نہ ہوتا۔" اگر لَوْلَا ضمیر پر داخل ہو تو ضمیر مرفوع ہوتی ہے جیسے فرمایا: ﴿ لَوْ لَاۤ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ۞﴾ (34/سبا:31) "اگر تم نہ ہوتے تو ہم مومن ہوتے۔"

یہ دونوں بطور حرف تحضیض بھی استعمال ہوتے ہیں یعنی وہ حروف جن سے کسی کو کسی فعل پر ابھارا جائے یا ترغیب دلائی جائے اور آمادہ کیا جائے۔ اس صورت میں یہ ہمیشہ فعل کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔ فعل مضارع بھی ہو سکتا ہے اور ماضی بھی۔ اس صورت میں اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے "کیوں نہیں ایسا کیا یا ایسا کرتے" مثلاً: ﴿ لَوْ لَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ ﴾ (27/النمل:46) "تم اللہ سے استغفار کیوں نہیں کرتے۔" ﴿ لَوْ لَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ﴾ (24/النور:13) "وہ اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے۔" ﴿ لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ ﴾ (15/الحجر:7) "کیوں نہیں آپؐ لے آتے ہمارے پاس فرشتوں کو۔" کبھی ایک جوابی جملہ بھی آتا ہے جس پر 'ف' داخل ہوتا ہے اور اگر مضارع ہو تو نصب پڑھا جاتا ہے۔ مثلاً: ﴿ رَبِّ لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ ﴾ (63/المنافقون:10) "اے میرے رب تو نے مجھے تھوڑی دیر تک مہلت کیوں نہیں دی تاکہ میں صدقہ خیرات کر لیتا۔" ﴿ فَلَوْ لَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَاۤ اِيْمَانُهَاۤ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۭ﴾ (10/یونس:98) "پس کیوں ایسا نہ ہوا کہ کوئی بستی ایمان لاتی تو نفع دیتا اسے اس کا ایمان (کسی سے ایسا نہ ہوا) بجز قوم یونس کے۔" (ترجمہ ضیاء القرآن)۔

ف ض ل: البقرۃ آیت 47 دیکھیں۔ ع ل ہ: آیت بسم اللہ دیکھیں۔ ر ح م: آیت بسم اللہ دیکھیں۔
ک و ن: البقرۃ آیت 10 دیکھیں۔ خ س ر: البقرۃ آیت 27 دیکھیں۔

ترکیب ثُمَّ، حرف عطف ہے۔ تَوَلَّيْتُمْ، ماضی میں جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے اور مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ اس سے متعلق ہے۔ فَلَوْ لَا میں 'ف' استئنافیہ ہے۔ لَوْلَا، لَوْ شرطیہ اور لَا نافیہ کا مرکب ہے۔ فَضْلُ اللّٰهِ مبتدا ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے۔ عَلَيْكُمْ متعلق خبر ہے۔ آگے 'وَ' عطف کا ہے اور رَحْمَتُهٗ، فَضْلُ اللّٰهِ پر عطف ہے۔ اگلا جملہ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ جواب شرط ہے۔ اسی لیے كُنْتُمْ پر لام لگا ہے۔ كُنْتُمْ کا اسم اس میں شامل ضمیر اَنْتُمْ ہے۔ خبر محذوف ہے اور مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ متعلق خبر ہے۔ (واللہ اعلم)۔

ترجمہ	ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ	مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ	فَلَوْ لَا	فَضْلُ اللّٰهِ	عَلَيْكُمْ
البقرۃ:64	پھر منہ موڑ لیا تم نے	اس (پختہ وعدے) کے بعد (بھی)	تو اگر نہ ہوتا	اللہ کا فضل	تم پر

وَ رَحْمَتُهٗ	لَكُنْتُمْ	مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۞
اور اس کی رحمت	تو تم لوگ ہو جاتے	نقصان اٹھانے والوں میں سے

نوٹ "مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ" سے مراد ہے قول و اقرار کرنے کے بعد یا کتاب ہدایت اور احکام مل جانے کے بعد اور یہ جو فرمایا "اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی ...... الخ" تو اس سے مراد ہے کہ انہیں اس نافرمانی کی فوری سزا نہیں دی گئی اور انہیں دوسری قوموں کی طرح تباہ و برباد نہیں کیا گیا بلکہ انہیں سنبھلنے کی اور اپنے آپ کو درست کرنے کی مزید مہلت دی گئی۔

229

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ البقرۃ (۲)

آیت نمبر (2/ البقرہ:65)

﴿وَ لَقَدۡ عَلِمۡتُمُ الَّذِیۡنَ اعۡتَدَوۡا مِنۡکُمۡ فِی السَّبۡتِ فَقُلۡنَا لَہُمۡ کُوۡنُوۡا قِرَدَۃً خٰسِئِیۡنَ ﴿۶۵﴾ۚ﴾

س ب ت

(ض) سَبۡتًا: کسی چیز کو قطع کرنا۔ کاٹ دینا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ پھر کاروبار ترک کرنے اور آرام کرنے کے معانی میں آتا ہے۔ ﴿وَ یَوۡمَ لَا یَسۡبِتُوۡنَ ۙ لَا تَاۡتِیۡہِمۡ ۚ﴾ (7/الاعراف:163) ''اور جس دن وہ لوگ کاروبار ترک نہیں کرتے تھے، وہ نہ آتی ان کے پاس۔''

سَبۡتٌ: ہفتہ یعنی سنیچر (SATURDAY) کا دن۔ کیونکہ اس دن یہود کو کاروبار کرنا منع تھا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

سُبَاتٌ: سکوت۔ آرام۔ ﴿وَّ جَعَلۡنَا نَوۡمَکُمۡ سُبَاتًا ۙ﴿۹﴾﴾ (78/النبا:9) ''اور ہم نے بنایا تمہاری نیند کو آرام۔''

ق ر د

(س) قَرۡدًا: زمین سے چمٹ کر ساکت ہو جانا۔ دھوکا دینا۔

قِرۡدٌ: ج قِرَدَۃٌ۔ بندر۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

خ س ء

(ف) خَسۡأً: کمزور ہونا۔ تھکا ماندہ ہونا۔

(س) خَسَأً: دھتکارا جانا۔

خَاسِئٌ: اسم الفاعل ہے۔ صفت کے طور پر آتا ہے۔ دھتکارا جانے والا۔ تھکا ماندہ۔ آیت زیرِ مطالعہ اور ﴿یَنۡقَلِبۡ اِلَیۡکَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّ ہُوَ حَسِیۡرٌ ﴿۴﴾﴾ (67/الملک:4) ''تو لوٹے گی نگاہ تیری طرف تھکی ماندی اور وہ ناکام ہوگی۔''

اِخۡسَأۡ: فعل امر ہے۔ تو دور ہو جا۔ دفع ہو جا۔ ﴿قَالَ اخۡسَـُٔوۡا فِیۡہَا وَ لَا تُکَلِّمُوۡنِ ﴿۱۰۸﴾﴾ (23/المومنون:108) ''وہ کہے گا تم لوگ دفع ہو جاؤ اس میں اور کلام مت کرو مجھ سے۔''

ترکیب

عَلِمۡتُمۡ میں شامل اَنۡتُمۡ کی ضمیر اس کا فاعل ہے۔ اَلَّذِیۡنَ اعۡتَدَوۡا یہ پورا جملہ عَلِمۡتُمۡ کا مفعول ہے۔ مِنۡکُمۡ اور فِی السَّبۡتِ متعلق فعل ہیں۔ کُوۡنُوۡا میں شامل اَنۡتُمۡ کی ضمیر اس کا فاعل ہے، قِرَدَۃً مفعول ہے اور خٰسِئِیۡنَ قِرَدَۃً کی صفت ہے۔

ترجمہ

وَ لَقَدۡ عَلِمۡتُمۡ	الَّذِیۡنَ	اعۡتَدَوۡا	مِنۡکُمۡ
اور جان لیا ہے تم لوگوں نے	ان لوگوں کو جنہوں نے	حد سے تجاوز کیا	تم میں سے

فِي السَّبْتِ	فَقُلْنَا لَهُمْ	كُوْنُوْا	قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ
ہفتے کے دن میں	تو ہم نے کہا ان سے	تم لوگ ہو جاؤ	دھتکارے جانے والے بندر

نوٹ۔1

یہود کے لیے ہفتے کا دن عبادت اور آرم کے لیے مخصوص تھا۔ اس دن ہر قسم کا دنیاوی کام ممنوع تھا۔ بستی کے کچھ لوگ اس حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مچھلیاں پکڑ تے تھے۔ کچھ لوگ مچھلی تو نہیں پکڑتے تھے لیکن منع بھی نہیں کرتے تھے۔ کچھ لوگ منع کرتے تھے۔ جب بندر بنانے کا عذاب آیا تو منع کرنے والے محفوظ رہے۔ باقی تمام لوگ بندر میں تبدیل ہو گئے اور چند دنوں میں مر گئے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم میں مسخ صورت کا عذاب نازل کرتے ہیں تو ان کی نسل نہیں چلتی۔ (معاف القران بحوالہ مسلم)

آیت نمبر (66)

﴿ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾

ن ک ل

(ن) نَكَلَةً: عبرت ناک سزا دینا۔

نَكَالٌ: اسم ذات ہے۔ عبرتناک سزا۔ نشانِ عبرت۔ ﴿ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ ﴾ (5/المائدہ:38) ''تو تم لوگ کاٹو ان دونوں کے ہاتھ بدلہ ہوتے ہوئے بسبب اس کے جو دونوں نے کمایا، بطور نشانِ عبرت اللہ کی طرف سے۔''

نِكْلٌ: ج اَنْكَالٌ۔ لوہے کی بیڑی اور لگام۔ ﴿ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّ جَحِيْمًا ﴾ (73/المزمل:12) ''بے شک ہمارے پاس ہیں لوہے کی بیڑیاں اور لگام اور بھڑکتی آگ۔''

(تفعیل) تَنْكِيْلًا: بتدریج یعنی تسلسل سے عبرتناک سزا دینا۔ ﴿ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّ اَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴾ (4/النساء:84) ''اور اللہ سب سے سخت ہے تکلیف دینے میں اور سب سے سخت ہے عبرتناک سزا دینے میں۔''

و ع ظ

(ض) وَعْظًا: کسی بھلائی کا اس طرح ذکر کرنا کہ سننے والے کے دل میں نرمی پیدا ہو۔ وعظ کرنا۔ نصیحت کرنا۔ ﴿ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۣ ﴾ (34/سبا:46) ''کچھ نہیں سوائے اس کے کہ میں نصیحت کرتا ہوں تم لوگوں کو ایک بات کی، کہ تم لوگ کھڑے ہو اللہ کے لیے دو دو اور اکیلے اکیلے پھر غور و فکر کرو۔''

عِظْ: فعل امر ہے۔ تو وعظ کر۔ نصیحت کر۔ ﴿ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ ﴾ (4/النساء:63) ''پس چشم پوشی کر ان سے اور نصیحت کر ان کو۔''

وَاعِظٌ: اسم الفاعل ہے۔ وعظ کرنے والا۔ ﴿ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴾ (26/الشعراء:136) ''برابر ہے ہم پر چاہے آپؐ وعظ کریں یا آپؐ نہ ہوں وعظ کرنے والوں میں سے۔''

مَوْعِظَةٌ: اسم ذات ہے۔ وعظ۔ نصیحت۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

ی د ی

229

(ض) يَدٰيًا ہاتھ پر مارنا۔

يَدٌ ج اَيْدٍ۔ اسم ذات ہے۔ ہاتھ ہتھیلی۔﴿حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ﴾ (9/التوبہ:29) ''یہاں تک کہ وہ لوگ دیں جزیہ ہاتھ سے۔'' ﴿اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ﴾ (7/الاعراف:195) ''کیا ان کے پیر ہیں، وہ لوگ چلتے ہیں جس سے یا ان کے ہاتھ ہیں وہ لوگ پکڑتے ہیں جس سے۔''

بَيْنَ يَدَيْنِ۔ اس کے لفظی معنی ہیں دونوں ہاتھ یا ہتھیلی کے درمیان۔ لیکن یہ عربی محاورہ ہے۔ اس کا مطلب ہے ''سامنے''۔ کیونکہ جو چیز ہاتھ یا ہتھیلی کے درمیان ہوتی ہے وہ سامنے بھی ہوتی ہے۔

ترکیب

فَجَعَلْنَا کا مفعول اوّل ضمیر مفعولی هَا ہے، اور اس کے مفعول ثانی دو آئے ہیں۔ پہلا مفعول ثانی نَكَالًا ہے اور اس کا متعلق فعل لِمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا ہے۔ جبکہ دوسرا مفعول ثانی مَوْعِظَةً ہے اور لِلْمُتَّقِيْنَ اس کا متعلق فعل ہے۔ جَعَلْنٰهَا، يَدَيْهَا اور خَلْفَهَا میں هَا کی ضمیریں گذشتہ آیت کے لفظ قِرَدَةً کے لیے بھی ہوسکتی ہیں اور اس واقعہ یا بستی کے لیے بھی ہوسکتی ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی ان ضمائر کا مرجع مانا جائے، آیت کے مفہوم میں فرق واقع نہیں ہوتا۔

بَيْنَ يَدَيْهَا میں يَدَىْ دراصل يَدٍ کا تثنیہ يَدَيْنِ ہے جو بَيْنَ کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے حالتِ جرّ میں ہے۔ اور چونکہ یہ آگے هَا کا مضاف بن رہا ہے اس لیے نون اعرابی گرا ہوا ہے۔

ترجمہ

فَجَعَلْنٰهَا	نَكَالًا	لِّمَا	بَيْنَ يَدَيْهَا	وَمَا
تو ہم نے بنایا اس کو	نشانِ عبرت	اس کے لیے جو	اس کے سامنے ہے	اور جو

خَلْفَهَا	وَمَوْعِظَةً	لِّلْمُتَّقِيْنَ
اس کے پیچھے ہے	اور نصیحت	اللہ کی ناراضگی سے بچنے والوں کے لیے

آیت نمبر (2/البقرہ:67)

﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝67﴾

ج ھ ل

(س) جَهْلًا (۱) ذہن کا علم سے خالی ہونا۔ یعنی نہ جاننا۔ نادان ہونا۔ (۲) ذہن میں حقیقت کے خلاف نظریات اور عقائد کا ہونا یعنی غلط خیالات رکھنا۔﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ۝111﴾ (6/الانعام:111) ''اور لیکن ان کی اکثریت غلط عقائد رکھتی ہے۔''

جَاهِلٌ	اسم فاعل ہے۔ نہ جاننے والا۔ غلط خیالات والا۔ ﴿يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ﴾ (2/ البقرہ: 273) ''ناواقف ان لوگوں کو سمجھتا ہے غنی۔'' ﴿وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿٦٣﴾﴾ (25/ الفرقان: 63) ''اور جب کبھی ان سے خطاب کرتے ہیں غلط خیالات والے لوگ تو وہ کہتے ہیں سلام۔''
جَهُوْلٌ	فَعُوْلٌ کے وزن پر اسم المبالغہ ہے۔ دل کھول کر غلط نظریات قائم کرنے والا۔ ﴿اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿٧٢﴾﴾ (33/ الاحزاب: 72) ''بے شک وہ یعنی انسان دل کھول کر چیزوں کو غلط جگہ رکھنے والا، غلط عقائد رکھنے والا ہے۔''
جَهَالَةٌ	اسم ذات ہے۔ لاعلمی یا نادانی۔ غلط خیالات۔ ﴿اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًاۢ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٥٤﴾﴾ (6/ الانعام: 54) ''کہ جس نے عمل کیا تم میں سے کسی برائی کا نادانی کے سبب سے پھر اس نے توبہ کی اس کے بعد اور اصلاح کی تو یہ کہ وہ تو یعنی اللہ بے انتہا بخشنے والا، ہر حال میں رحم کرنے والا ہے۔'' ﴿اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ﴾ (49/ الحجرات: 6) ''کہ کہیں تم لوگ جا پڑو کسی قوم پر غلط خیالات کے سبب سے۔''
جَاهِلِيَّةٌ	اسم نسبت ہے۔ غلط سوچنے والی۔ ﴿يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ﴾ (3/ آل عمران: 154) ''وہ لوگ گمان کرتے ہیں اللہ کے متعلق حق کے بغیر غلط سوچ والا گمان۔''

ترکیب

اِنَّ اللّٰهَ میں اَللّٰهَ، اِنَّ کا اسم ہے اور یَاْمُرُكُمْ جملہ فعلیہ اِنَّ کی خبر ہے۔ اَنْ تَذْبَحُوْا کا مفعول بَقَرَةً ہے۔ تَتَّخِذُ کا مفعول اوّل نَا کی ضمیر مفعولی ہے جبکہ هُزُوًا اس کا مفعول ثانی ہے۔

ترجمہ

يَاْمُرُكُمْ	اِنَّ اللّٰهَ	لِقَوْمِهٖٓ	وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى
حکم دیتا ہے تم لوگوں کو	کہ اللہ	اپنی قوم سے	اور جب کہا موسیٰ ؑ نے

اَتَتَّخِذُنَا	قَالُوْٓا	بَقَرَةً ؕ	اَنْ تَذْبَحُوْا
کیا آپ ؑ بناتے ہیں ہم کو	ان لوگوں نے کہا	ایک گائے کو	کہ تم لوگ ذبح کرو

اَنْ اَكُوْنَ	اَعُوْذُ بِاللّٰهِ	قَالَ	هُزُوًا ؕ
کہ میں ہوں	میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں	انہوں ؑ نے کہا	مذاق کا نشانہ

مِنَ الْجٰهِلِيْنَ
غلط خیالات والوں میں سے

نوٹ۔1

بَقَرٌ کا لفظ اسم جنس ہے جو گائے اور بیل دونوں کے لیے آتا ہے۔ واحد گائے کے لیے بَقَرَةٌ اور واحد بیل کے لیے ثَوْرٌ آتا ہے۔

نوٹ۔2

بنو اسرائیل کا ایک شخص قتل ہو گیا تھا اور قاتل لا پتہ تھا۔ لوگوں نے موسیٰ ؑ سے کہا کہ آپ ؑ اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر

قاتل کا نام بتائیں۔ اس پر گائے ذبح کرنے کا حکم ملا تو حسبِ عادت انہوں نے اعتراض کرنا شروع کیا۔ ان کا پہلا اعتراض یہ تھا کہ ہم نے تو قاتل کا نام پوچھنے کے لیے کہا تھا، آپؑ گائے ذبح کرنے کو کہہ رہے ہیں۔ یہ کیا مذاق ہے؟

229

نوٹ۔3

موسیٰؑ نے یہ کہنے کے بجائے کہ میں مذاق نہیں کر رہا ہوں، یہ کہا کہ میں جاہلوں میں سے نہیں ہوں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مذاق کرنا غلط بات ہے البتہ اس سے یہ راہنمائی ملتی ہے کہ اہم اور سنجیدہ معاملات میں غیر سنجیدہ رویہ اختیار کرنا غلط ہے۔

آیت نمبر (2/البقرہ:68)

﴿ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّ لَا بِكْرٌ ۭ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ۭ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ۝ ﴾

ب ی ن

(ض) بَیْنًا اور تِبْیَانًا: کسی چیز کا کسی سے جدا ہونا یا الگ ہونا تاکہ ان کے درمیان کی چیز ظاہر ہو جائے۔ جیسے کتاب کے اوراق ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہیں تو ان پر لکھی ہوئی تحریر واضح ہوتی ہے۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) جدا یا الگ ہونا۔ (۲) درمیان میں ہونا۔ (۳) ظاہر یا واضح ہونا۔ ثلاثی مجرد سے کوئی فعل قرآن مجید میں نہیں آیا۔

بَیِّنٌ: فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ ہمیشہ اور ہر حال میں واضح۔ روشن۔ زیادہ تر کسی دلیل یا سند کی صفت کے طور پر آتا ہے۔ اسی لیے اکثر موصوف یعنی دلیل یا سند کا لفظ محذوف کر کے صرف صفت استعمال کر لیتے ہیں۔ ﴿ لَوْ لَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ ۭ ﴾ (18/الکھف:15) ''وہ لوگ کیوں نہیں لاتے ان پر یعنی جھوٹے معبودوں پر کوئی روشن دلیل۔'' ﴿ فَقَدْ جَاۗءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ (6/الانعام:157) ''تو آ چکی ہے تم لوگوں کے پاس روشن دلیل تم لوگوں کے رب کی طرف سے۔'' ﴿ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ ﴾ (2/البقرہ:87) ''اور ہم نے دیا عیسیٰؑ ابن مریم کو روشن نشانیاں۔''

بَیْنَ: ظرف ہے۔ مضاف بن کر آتا ہے اسی لیے تنوین اور لام تعریف کے بغیر منصوب ہے۔ درمیان۔ بیچ۔ ﴿ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ ﴾ (2/البقرہ:285) ''ہم فرق نہیں کرتے اس کے رسولوں میں سے کسی ایک کے درمیان۔''

بَیَانٌ: گفتگو۔ کلام۔ خطبہ جو مافی الضمیر کو واضح کرے۔ ﴿ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ ﴾ (55/الرحمٰن:3۔4) ''اس نے پیدا کیا انسان کو، اس نے اس کو سکھایا مافی الضمیر کو واضح کرنا۔''

(افعال) اِبَانَةً: واضح کرنا۔ واضح ہونا (لازم و متعدی) ﴿ وَلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ۝ ﴾ (43/الزخرف:52) ''اور لگتا نہیں کہ وہ واضح کرے یعنی واضح بات کرے۔''

مُبِیْنٌ: اسم الفاعل ہے جو صفت کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ واضح ہونے والا۔ واضح کھلا۔ ﴿ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ ﴾ (2/البقرہ:168) ''بے شک وہ یعنی شیطان تم لوگوں کے لیے کھلا دشمن ہے۔''

(تفعیل) تَبْیِیْنًا: کثرت سے یعنی خوب اچھی طرح واضح کرنا۔ ﴿ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ ﴾

(3/آل عمران:103)''اس طرح اللہ واضح کرتا ہے تمہارے لیے اپنی نشانیوں کو شائد کہ تم لوگ ہدایت پاؤ۔''
229

مُبَيِّنَةٌ اسم الفاعل ہے۔ خوب واضح کرنے والی۔ ﴿ وَ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ﴾ (24/النور:34) ''اور ہم نے نازل کیا ہے تم لوگوں کی طرف خوب واضح کرنے والی نشانیاں۔''

(تفعّل) **تَبَيُّنًا** (۱) بتکلف جدا ہونا۔ الگ ہونا۔ (۲) کسی چیز کا ازخود واضح ہونا۔ (۳) کسی چیز کے متعلق ذہن کا بتکلف واضح ہونا یعنی تحقیق کرنا۔ چھان بین کرنا۔ ﴿ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ ﴾ (2/البقرہ: 256)''الگ ہو چکی ہے ہدایت گمراہی سے۔'' ﴿ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ ﴾ (41/حٰمٓ السجدہ:53)''ہم دکھائیں گے ان کو اپنی نشانیاں، آفاق میں اور ان کے اپنے وجود میں یہاں تک کہ واضح ہو جائے ان کے لیے یہ یعنی قرآن حق ہے۔''

تَبَيَّنْ فعل امر ہے۔ تو واضح ہو۔ تو تحقیق کر۔ ﴿ اِنْ جَاۗءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا ﴾ (49/الحجرات:6)''اگر آئے تم لوگوں کے پاس کوئی فاسق کسی خبر کے ساتھ تو تم لوگ تحقیق کرو۔''

(استفعال) **اِسْتِبَانَةً** (۱) وضاحت چاہنا۔ (۲) واضح ہو جانا۔ ﴿ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴾ (6/الانعام:55)''اور اس طرح ہم تفصیل بیان کرتے ہیں نشانیوں کی اس حال میں کہ واضح ہو جائے مجرموں کا راستہ۔''

مُسْتَبِيْنٌ اسم الفاعل ہے۔ واضح ہو جانے والا۔ ﴿ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴾ (37/الصافات:117) ''اور ہم نے دیا ان دونوں کو واضح ہو جانے والی کتاب۔''

ف ر ض

(ک) **فُرُوْضًا** گائے بیل کا بوڑھا ہونا۔

فَارِضٌ فَاعِلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ بوڑھا ہونے والا یعنی بوڑھا۔ آیت زیر مطالعہ۔

(ض) **فَرْضًا** کسی سخت چیز کو کاٹنا یا اس میں سوراخ کرنا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ اس کا زیادہ استعمال یہ ہے کہ خود اپنے اوپر یا دوسرے پر کچھ واجب کرنا۔ فرض کرنا۔ ﴿ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ ﴾ (2/البقرہ:197)''حج معلوم مہینوں میں ہے، تو جس نے فرض کیا ان میں حج کو۔'' ﴿ سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا ﴾ (24/النور:1)''یہ ایک سورت ہے، ہم نے اتارا اس کو اور ہم نے فرض کیا اس کو۔''

مَفْرُوْضٌ اسم المفعول ہے۔ فرض کیا ہوا۔ ﴿ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۭ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴾ (4/النساء:7)''اور عورتوں کے لیے ایک حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑا والدین نے اور قرابت داروں نے، اس میں سے جو کم ہو یا زیادہ، فرض کیا ہوا ایک حصہ ہے۔''

فَرِيْضَةٌ فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ جو فرض ہوا۔ واجب۔ ﴿ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ ﴾ (4/النساء:11)''یہ فرض ہے اللہ کی طرف سے۔''

ب ک ر

(ن) **بُكُوْرًا** صبح سویرے کچھ کرنا۔

بِكْرٌ	ج اَبْكَارٌ- ہر چیز کا ابتدائی حصہ۔ کنوارا یا کنواری (کیونکہ کنوارا پن جوانی کا ابتدائی حصہ ہوتا ہے)۔ آیت زیرِ مطالعہ اور ﴿ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴾ (56/ الواقعہ: 36) ''تو ہم نے بنایا ان کو کنواریاں۔''
بُكْرَةٌ	دن کا ابتدائی حصہ۔ صبح سویرے۔ ﴿ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا ﴾ (19/ مریم: 11) ''کہ تم لوگ تسبیح کرو صبح سویرے اور شام کو۔''

ترکیب

فعل امر اُدْعُ کا جواب امر ہونے کی وجہ سے يُبَيِّنْ مجزوم ہوا ہے۔ مَاهِيَ میں مَا مبتداء اور هِيَ خبر ہے اور یہ جملہ يُبَيِّنْ کا مفعول ہے۔ اِنَّهٗ میں ہٗ کی ضمیر اِنَّ کا اسم ہے اور رب کے لیے آئی ہے جبکہ يَقُوْلُ جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے۔ اِنَّهَا میں هَا کی ضمیر اِنَّ کا اسم ہے اور بَقَرَةٌ اس کی خبر ہے لیکن یہ نکرہ مخصوصہ ہے کیونکہ آگے لَا فَارِضٌ۔ لَا بِكْرٌ اور عَوَانٌ اس کی تین صفتیں آئی ہیں۔

ترجمہ

قَالُوْا	ادْعُ	لَنَا	رَبَّكَ	يُبَيِّنْ
ان لوگوں نے کہا	آپؑ پکاریئے	ہمارے لیے	اپنے رب کو	کہ وہ واضح کردے

لَّنَا	مَا هِيَ	قَالَ	اِنَّهٗ	يَقُوْلُ	اِنَّهَا	بَقَرَةٌ
ہمارے لیے	وہ کیا ہے	انہوںؑ نے کہا	کہ وہ	کہتا ہے	کہ وہ	ایک ایسی گائے ہے جو

لَّا فَارِضٌ	وَّلَا بِكْرٌ	عَوَانٌ	بَيْنَ ذٰلِكَ	فَافْعَلُوْا
نہ بوڑھی ہے	اور نہ کنواری ہے	بیچ میں ہے	اس کے مابین	پس تم لوگ کرو

مَا	تُؤْمَرُوْنَ
وہ جو	تم کو حکم دیا جاتا ہے

آیت نمبر (2/ البقرہ:69)

﴿ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاۗءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴾

ف ق ع

(ف۔س)

فَقْعًا	رنگ کا صاف اور خالص ہونا۔ چمکدار ہونا۔
فَاقِعٌ	فَاعِلٌ کا وزن ہے۔ صفت کے طور پر آتا ہے۔ چمکدار۔ شوخ۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

س ر ر

(ن)

سُرُوْرًا	کسی کو خوش کرنا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔
مَسْرُوْرٌ	اسم المفعول ہے۔ صفت کے طور پر آتا ہے۔ خوش کیا ہوا۔ خوش و خرم۔ ﴿ اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴾ (84/ الانشقاق: 13) ''بے شک وہ تھا اپنے گھر والوں میں خوش و خرم۔''
سَرَّاءُ	اَفْعَلُ الوان و عیوب میں فَعْلَاءُ کا وزن ہے۔ خوشی کا رنگ یا خوشی کی کیفیت۔ ﴿ الَّذِيْنَ

﴿ يُنۡفِقُوۡنَ فِى السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ ﴾ (3/آل عمران:134) ''جولوگ انفاق کرتے ہیں خوشی میں اور تکلیف میں۔''
229

سِرٌّ ج سَرَائِرُ۔ اسم ذات ہے۔ راز۔ بھید۔ (کبھی کوئی بات چھپا کر کسی کو خوش کرتے ہیں) ﴿ اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ سِرَّهُمۡ وَنَجۡوٰٮهُمۡ ﴾ (9/التوبہ:78) ''کیا وہ لوگ جانتے نہیں کہ اللہ جانتا ہے ان کے بھید کو اور ان کی سرگوشی کو۔'' ﴿ يَوۡمَ تُبۡلَى السَّرَآئِرُ ۙ﴾ (86/الطارق:9) ''جس روز جانچا جائے گا بھیدوں کو۔''

سَرِيۡرٌ ج سُرُرٌ۔ فَعِيۡلٌ کا وزن ہے۔ اس کے لفظی معنی بنتے ہیں دائمی طور پر خوش کرنے والا۔ لیکن عام طور پر یہ تختِ شاہی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ فِيۡهَا سُرُرٌ مَّرۡفُوۡعَةٌ ۙ﴾ (88/الغاشیہ:13) ''اس میں ہیں بلند کیے ہوئے تخت۔''

(افعال) **اِسۡرَارًا** (۱) راز کی بات بتانا۔ (۲) راز یا بھید کو چھپانا۔ (کبھی کسی کو راز بتا کر خوش کرتے ہیں اور کبھی چھپا کر)۔ ﴿ وَاِذۡ اَسَرَّ النَّبِىُّ اِلٰى بَعۡضِ اَزۡوَاجِهٖ حَدِيۡثًا ۚ﴾ (66/التحریم:3) ''اور جب نبیؐ نے راز کی ایک بات بتائی اپنی ازواجؓ میں سے کسی پر۔'' ﴿ فَاَسَرَّهَا يُوۡسُفُ فِىۡ نَفۡسِهٖ ﴾ (12/یوسف:77) ''تو چھپایا اس کو یوسفؑ نے اپنے جی میں۔'' ﴿ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الۡعَذَابَ ۚ﴾ (10/یونس:54) ''اور وہ لوگ چھپائیں گے ندامت کو جب وہ دیکھیں گے عذاب کو۔''

اَسِرَّ ج اَسِرُّوۡا۔ فعل امر ہے۔ تو چھپا۔ ﴿ وَاَسِرُّوۡا قَوۡلَكُمۡ اَوِ اجۡهَرُوۡا بِهٖ ؕ﴾ (67/الملک:13) ''اور تم لوگ چھپاؤ اپنی بات کو یا نمایاں کرو اس کو۔''

ترکیب

بَقَرَةٌ صَفۡرَآءُ مرکب توصیفی ہے۔ فَاقِعٌ لَوۡنُهَا میں فَاقِعٌ خبر مقدم ہے اور لَوۡنُهَا مبتداء مؤخر ہے۔ تَسُرُّ مضارع کا واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے۔ اس میں شامل هِىَ کی ضمیر اس کا فاعل ہے جبکہ النّٰظِرِيۡنَ مفعول ہے۔

تَسُرُّ میں هِىَ کی ضمیر بَقَرَةٌ کے لیے بھی ہوسکتی ہے اور لَوۡنٌ کے لیے بھی، حالانکہ لَوۡنٌ مذکر ہے۔ اس کی وجہ سمجھ لیں۔ جب کوئی مذکر لفظ کسی مؤنث لفظ کی طرف مضاف ہو، جیسے یہاں لَوۡنُ (مذکر) هَا (مؤنث) کی طرف مضاف ہے، تو ایسے مذکر لفظ کے لیے مؤنث کا صیغہ لانا جائز ہے۔

ترجمہ

قَالُوا ادۡعُ لَنَا رَبَّكَ	يُبَيِّنۡ لَّنَا	مَا
انہوں نے کہا آپؐ پکاریئے ہمارے لیے اپنے رب کو	کہ وہ واضح کردے ہمارے لیے	کیا ہے

لَوۡنُهَا ؕ	قَالَ اِنَّهٗ يَقُوۡلُ	اِنَّهَا	بَقَرَةٌ صَفۡرَآءُ ۙ	فَاقِعٌ
اس کا رنگ	انہوںؑ نے کہا کہ وہ کہتا ہے	کہ وہ	ایک پیلی گائے ہے	شوخ ہے

لَّوۡنُهَا	تَسُرُّ	النّٰظِرِيۡنَ
اس کا رنگ	وہ خوش کرتا ہے	دیکھنے والوں کو

نوٹ۔1

اس آیت کی لغت میں مادہ ''س ر ر'' کی باب افعال میں وضاحت کرتے ہوئے آیت نمبر (10/ یونس:54) میں لفظ اَسَرُّوْا آیا ہے اور آیت نمبر (67/ الملک:13) میں اَسِرُّوْا آیا ہے۔ ان دونوں کے فرق کو نوٹ کر کے ذہن نشین کر لیں۔ اَسَرُّوْا جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں ان لوگوں نے چھپایا۔ جبکہ اَسِرُّوْا فعل امر میں جمع مذکر مخاطب کا صیغہ ہے، اس کے معنی ہیں تم لوگ چھپاؤ۔

آیت نمبر (2/ البقرہ:70)

﴿قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ إِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ۭ وَإِنَّآ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ۝﴾

ترکیب

اِنَّ کا اسم اَلْبَقَرَ ہے اس لیے منصوب ہے اور یہاں اَلْبَقَرَۃَ کے بجائے اَلْبَقَرَ یعنی اسم جنس آیا ہے۔ تَشَابَہَ عَلَیْنَا جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے۔ اِنَّا میں شامل نَا کی ضمیر اِنَّ کا اسم ہے اور اسم الفاعل لَمُهْتَدُوْنَ اس کی خبر ہے۔ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ جملہ فعلیہ شرط ہے اور اِنَّا لَمُهْتَدُوْنَ جملہ اسمیہ جواب شرط ہے۔

ترجمہ

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ	يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ
انہوں نے کہا آپؑ پکاریئے ہمارے لیے اپنے رب کو	کہ وہ واضح کر دے ہمارے لیے کہ وہ کیا ہے

اِنَّ الْبَقَرَ	تَشٰبَهَ	عَلَيْنَا ۭ	وَاِنَّآ	اِنْ شَآءَ	اللّٰهُ
بے شک تمام گائے بیل	باہم ملتے جلتے ہوئے	ہم پر	اور یقیناً ہم	اگر چاہا	اللہ نے

لَمُهْتَدُوْنَ
تو ہدایت پانے والے ہیں

نوٹ۔1

گائے کے قصے میں اب تک جو آیات زیرِ مطالعہ آئی ہیں ان میں ایک دو باتیں نوٹ کرنے کے قابل ہیں۔ لیکن ان کو پوری طرح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پس منظر ذہن میں واضح ہو۔ فرعونوں کے دور میں مصر میں گائے کی پرستش عام تھی۔ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ بنو اسرائیل کے جو لوگ تھے ان کی اکثریت مصر میں پیدا ہوئی تھی اور اسی ماحول میں پروان چڑھی تھی۔ گو مصر میں انہوں نے گائے کی پرستش نہیں کی لیکن اس کی عظمت ان کے دلوں میں رچ بس گئی تھی اسی بات نے انہیں بچھڑے کی پرستش پر آمادہ کیا اور اسی وجہ سے وہ گائے ذبح کرنے میں پس و پیش کر رہے تھے۔

نوٹ۔2

اب پہلی بات یہ نوٹ کریں کہ آیات 67۔ 68 اور 69 میں حضرت موسیٰؑ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلسل لفظ بَقَرَۃٌ (کوئی ایک گائے) استعمال کر رہے ہیں لیکن اس آیت میں بنو اسرائیل نے اسم جنس اَلْبَقَرَ استعمال کیا ہے جس میں گائے اور بیل دونوں شامل ہوتے ہیں۔

دوسری بات یہ نوٹ کریں کہ ان کی بات میں واحد مذکر کا صیغہ تَشَابَہَ آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ

ان کا اصل شبہ اور الجھن بیل کے متعلق تھی۔ اگر گائے کے متعلق ہوتی تو تَشَابَهَ آتا۔

ان لوگوں کا یہ اندازِ کلام اس بات کی غمازی کررہا ہے کہ ان کی خواہش اور کوشش یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کے 229 گائے ذبح کرنے کے حکم کو بیل ذبح کرنے کے حکم میں تبدیل کردے۔

نوٹ۔3

تیسری بات یہ ہے کہ انہوں نے موسیٰؑ سے ہر دفعہ یہ کہا کہ آپ "اپنے رب" کو پکاریئے۔ ہر جگہ رَبَّکَ کہا ہے کسی ایک جگہ بھی رَبَّنَا نہیں کہا کہ آپ "ہمارے رب" کو پکاریئے۔ یہ اندازِ کلام بھی بہت کچھ غمازی کررہا ہے۔

آیت نمبر (2/البقرہ:71)

﴿ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِى الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧١﴾ ﴾

ث و ر

(ن) ثَوْرًا: غبار، دھواں یا بادل وغیرہ کا اوپر اٹھنا۔

(افعال) اِثَارَةً: اوپر اٹھانا۔ زمین جوتنا (کیونکہ اس میں زمین کی مٹی کو اوپر اٹھاتے ہیں)۔ ﴿ اَللّٰهُ الَّذِىْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا ﴾ (30/الروم:48) "اللہ ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو تو وہ اوپر اٹھاتی ہے بادل کو۔" ﴿ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ ﴾ (30/الروم:9) "وہ لوگ زیادہ شدید تھے ان سے بلحاظ قوت کے اور انہوں نے جوتا زمین کو اور آباد کیا اس کو۔"

ثَوْرٌ: اسم ذات ہے۔ بیل (کیونکہ یہ زمین جوتتا ہے)۔ یہ لفظ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا

س ل م

(س) سَلَامًا اور سَلَامَةً: (۱) آفت اور بلا سے محفوظ ہونا۔ سلامتی میں ہونا۔ (۲) عیب اور نقص سے پاک ہونا۔ صحیح وسالم۔

سَالِمٌ: فَاعِلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ صحیح وسالم ہونے والا۔ تندرست۔ ﴿ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿٤٣﴾ ﴾ (68/القلم:43) "اور یقیناً وہ لوگ بلائے جاتے تھے سجدوں کی طرف اس حال میں کہ وہ لوگ تندرست تھے۔"

سَلَمٌ: صفت ہے۔ صحیح وسالم۔ مکمل۔ پورے کا پورا۔ ﴿ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَاۗءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ ﴾ (39/الزمر:29) "اللہ مثال دیتا ہے ایک آدمی یعنی ایک غلام کی اس میں شریک ہیں کچھ مختلف مزاج لوگ یعنی کئی آقا اور ایک غلام کی جو پورا کا پورا ہے ایک آدمی یعنی ایک آقا کے لیے۔"

سَلْمٌ: اسم ذات ہے۔ صلح ﴿ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا ﴾ (8/الانفال:61) "اور اگر وہ لوگ جھکیں صلح کے لیے تو آپؐ جھکیں اس کے لیے۔"

سِلْمٌ: اسم ذات ہے۔ سلامتی۔ اسلام۔ ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ ﴾ (2/البقرہ:208) "اے لوگو! جو ایمان لائے تم لوگ داخل ہو سلامتی میں یعنی اسلام میں پورے کے پورے۔"

229

سُلَّمٌ اسم ذات ہے۔حفاظت کے لیے بلند جگہ پر چڑھنے کا ذریعہ۔سیڑھی۔ ﴿ اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ ﴾ (52/الطور:38)''یا ان کے پاس ہے کوئی سیڑھی، وہ لوگ کان لگاتے ہیں جس میں یعنی جس پر چڑھ کے۔''

سَلَامٌ اسم ذات ہے۔سلامتی۔سلامتی کی دعا۔﴿ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾(6/الانعام:127)''ان کے لیے سلامتی کا گھر ہے ان کے رب کے پاس۔''﴿ وَ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ ﴾ (10/یونس:10) ''اور ان کی دعا ہے اس میں سلامتی کی دعا۔''

(افعال)

اِسْلَامًا کسی کی فرمانبرداری قبول کرنا۔تابعداری کرنا (اس طرح انسان عافیت میں آجاتا ہے)۔اصطلاحاً اللہ اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری کرنا یعنی اسلام لانا۔﴿ وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ ﴾(49/الحجرات:14)''اور لیکن تم لوگ کہو ہم نے فرمانبرداری قبول کی اور ابھی تک داخل نہیں ہوا ایمان تمہارے دلوں میں۔''

اَسْلِمْ فعل امر ہے۔تو فرمانبرداری قبول کر۔﴿ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ۭ ﴾ (22/الحج:34)''پس تمہارا الٰہ واحد الٰہ ہے تو اس کی ہی تم لوگ فرمانبرداری کرو۔''

مُسْلِمٌ اسم الفاعل ہے۔فرمانبرداری قبول کرنے والا۔تابعدار۔مسلمان ﴿ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿١٠١﴾ ﴾(12/یوسف:101)''تو میرا مولا ہے دنیا اور آخرت میں، تو موت دے مجھ کو مسلمان ہوتے ہوئے اور تو ملا دے مجھ کو صالح لوگوں کے ساتھ۔''

اِسْلَامٌ باب افعال کا مصدر ہے۔اصطلاحاً دین اسلام یعنی اللہ اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری کا ضابطۂ حیات۔﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ ﴾ (3/آل عمران:85)''اور جو تلاش کرتا ہے اسلام کے علاوہ کو بطور دین کے تو ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اس سے۔''

(تفعیل)

تَسْلِيْمًا (۱) آفت سے بچانا۔کسی کو کسی کے سپرد کرنا۔(۲) صحیح وسالم یعنی پورا رکھنا۔(۳) سلامتی کی دعا دینا۔ ﴿ وَ لَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَ لَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۭ ﴾ (8/الانفال:43) ''اور اگر وہ تمہیں دکھاتا ان لوگوں کو زیادہ تو تم لوگ ہمت ہار دیتے اور تم لوگ جھگڑتے فیصلے میں لیکن اللہ نے بچایا۔''﴿ لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰٓي اَهْلِهَا ۭ ﴾ (24/النور:27)''تم لوگ داخل مت ہو کسی کے گھروں میں اپنے گھروں کے علاوہ یہاں تک کہ اجازت مانگ لو اور سلامتی کی دعا دے لو اس میں رہنے والوں پر۔''

سَلِّمْ فعل امر ہے۔تو بچا۔تو سلامتی کی دعا دے۔ ﴿ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ ﴾ (24/النور:61)''جب بھی تم لوگ داخل ہو کچھ گھروں میں تو سلامتی کی دعا دو یعنی سلام کرو اپنوں پر۔''

مُسَلَّمَةٌ اسم المفعول ہے، بطور صفت آتا ہے۔بچایا ہوا۔سپرد کیا ہوا۔﴿ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـــًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ ﴾(4/النساء:92)''اور جس نے قتل کیا کسی مومن کو غلطی سے تو ایک مسلمان گردن یعنی مسلمان غلام کا آزاد کرنا ہے اور خون بہا ہے حوالے کیا ہوا اس کے گھر والوں کے لیے۔''

229

و ش ی

(ض) وَشْيًا کسی چیز کو مصنوعی طور پر سجانا۔ نقش ونگار بنانا۔
شِيَةٌ اسم ذات ہے۔ داغ۔ نشان۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

ترکیب

اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ میں بَقَرَةٌ موصوف اور لَا ذَلُوْلٌ صفت ہے۔ یہ مرکب توصیفی اِنَّ کی خبر ہے۔ تُثِيْرُ فعل، اس کا فاعل اس میں شامل ھِیَ کی ضمیر ہے جو بَقَرَةٌ کے لیے ہے جبکہ اَلْاَرْضَ اس کا مفعول ہے۔ یہ جملہ فعلیہ مرکب توصیفی بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ کا حال ہے۔ لَا تَسْقِي الْحَرْثَ جملہ فعلیہ خبر ہے اور اس کا مبتداء ھِیَ محذوف ہے۔ مُسَلَّمَةٌ بھی خبر ہے اور اس کا بھی مبتداء ھِیَ محذوف ہے۔ لَا شِيَةَ مبتداء ہے اس کی خبر مَوْجُوْدَةٌ محذوف ہے اور فِيْهَا متعلق خبر ہے۔ لَا شِيَةَ کے ساتھ لائے نفی جنس لگا ہوا ہے۔

ترجمہ

قَالَ	اِنَّهٗ	يَقُوْلُ	اِنَّهَا	بَقَرَةٌ	لَّا ذَلُوْلٌ
انہوںؑ نے کہا	کہ وہ	کہتا ہے	کہ وہ	ایک گائے ہے	جو سدھائی نہیں گئی

تُثِيْرُ	الْاَرْضَ	وَلَا تَسْقِي	الْحَرْثَ ج	مُسَلَّمَةٌ
کہ وہ جوتتی ہے	زمین کو	اور وہ پانی نہیں پلاتی	کھیتی کو	وہ بچائی گئی ہے (ہر مشقت سے)

لَّا شِيَةَ	فِيْهَا ط	قَالُوا	الْئٰنَ	جِئْتَ بِالْحَقِّ ط
کسی قسم کا کوئی نشان نہیں	اس میں	ان لوگوں نے کہا	اب	تو لایا حق کو

فَذَبَحُوْهَا	وَمَا كَادُوْا	يَفْعَلُوْنَ
تو ان لوگوں نے ذبح کیا اس کو	اور لگتا نہیں تھا کہ	وہ لوگ کریں گے

نوٹ۔1

حضرت ابراہیمؑ سے نسبت کی بنیاد پر بنواسرائیل کا دعویٰ ہے کہ وہ جنتی ہیں۔ جبکہ حضرت ابراہیمؑ کا حال یہ تھا کہ خواب میں اشارہ ملا تو وہ اپنے بیٹے کو ذبح کرنے پر آمادہ ہو گئے، بلکہ اپنے جانتے میں تو انہوں نے ذبح کر دیا تھا۔ ادھر ان کا حال یہ ہے کہ کلیم اللہؑ نے اللہ کا حکم واضح الفاظ میں سنایا تو اس پر عمل کرنے میں انہوں نے اتنا پس وپیش کیا۔

یہ ایک واقعہ درحقیقت ان کے عمومی طرزِ عمل کی نمائندگی کر رہا ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام پر بے چون و چرا عمل نہیں کرتے تھے اور ان کا یہی طرزِ عمل اُمت مسلمہ کے منصب سے ان کی معزولی کا بنیادی سبب بنا۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی کسی مقرب ہستی سے نسبت اس کے نقشِ قدم کی پیروی کرنے سے ہے، نسلی تعلق سے نہیں ہے ورنہ حضرت نوحؑ کی آنکھوں کے سامنے ان کا بیٹا غرق نہ ہوتا۔

229

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ البقرۃ (۲)

آیت نمبر (72)

﴿ وَ اِذۡ قَتَلۡتُمۡ نَفۡسًا فَادّٰرَءۡتُمۡ فِیۡهَا ؕ وَ اللّٰہُ مُخۡرِجٌ مَّا کُنۡتُمۡ تَکۡتُمُوۡنَ ﴿ۚ۷۲﴾ ﴾

ق ت ل

(ن)	قَتۡلًا	کسی کو قتل کرنا۔ ﴿ وَ مَا قَتَلُوۡهُ یَقِیۡنًا ﴿ۙ۱۵۷﴾ ﴾ (4/النساء: 157) ''اور ان لوگوں نے یعنی یہودیوں نے یقیناً قتل نہیں کیا انؑ کو یعنی عیسیٰؑ کو۔''
	اُقۡتُلۡ	فعل امر ہے۔ تو قتل کر۔ ﴿ فَاِذَا انۡسَلَخَ الۡاَشۡهُرُ الۡحُرُمُ فَاقۡتُلُوا الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴾ (9/التوبہ: 5) ''پس جب نکل جائیں حرمت والے مہینے تو تم لوگ قتل کرو مشرکوں کو۔''
	قَتۡلٌ	اسم ذات ہے۔ قتل۔ ﴿ وَ الۡفِتۡنَةُ اَشَدُّ مِنَ الۡقَتۡلِ ۚ ﴾ (2/البقرہ: 191) ''اور فتنہ زیادہ شدید ہے قتل سے۔''
(تفعیل)	تَقۡتِیۡلًا	تسلسل سے یعنی کثرت سے قتل کرنا۔ ﴿ سَنُقَتِّلُ اَبۡنَآءَهُمۡ ﴾ (7/الاعراف: 127) ''ہم قتل کرتے رہیں گے ان کے بیٹوں کو۔''
(مفاعلہ)	مُقَاتَلَةً اور قِتَالًا	ایک دوسرے کو قتل کرنا۔ جنگ کرنا۔ اس فعل کی نسبت اگر اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو بددعا کا مفہوم ہوتا ہے یعنی ہلاک کرے۔ ﴿ لَا یَسۡتَوِیۡ مِنۡکُمۡ مَّنۡ اَنۡفَقَ مِنۡ قَبۡلِ الۡفَتۡحِ وَ قٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِکَ اَعۡظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیۡنَ اَنۡفَقُوۡا مِنۡۢ بَعۡدُ وَ قٰتَلُوۡا ؕ ﴾ (57/الحدید: 10) ''برابر نہیں ہے تم لوگوں میں سے وہ جس نے انفاق کیا فتح سے پہلے اور قتال کیا۔ وہ لوگ زیادہ عظیم ہیں بلحاظ درجے کے، ان لوگوں سے جنہوں نے انفاق کیا بعد میں اور قتال کیا۔'' ﴿ قٰتَلَهُمُ اللّٰہُ ۚ اَنّٰی یُؤۡفَکُوۡنَ ﴿۳۰﴾ ﴾ (9/التوبہ: 30) ''ہلاک کرے ان کو اللہ، کہاں اوندھے جاتے ہیں۔''
	قَاتِلۡ	فعل امر ہے۔ تو جنگ کر۔ تو قتال کر۔ ﴿ فَقَاتِلۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ۚ ﴾ (4/النساء: 84) ''پس آپؐ قتال کیجئے اللہ کی راہ میں۔'' ﴿ وَ قَاتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ﴾ (2/البقرہ: 190) ''اور تم لوگ قتال کرو اللہ کی راہ میں۔''
(افتعال)	اِقۡتِتَالًا	اہتمام سے لڑنا۔ آپس میں لڑنا۔ ﴿ وَ لَوۡ شَآءَ اللّٰہُ مَا اقۡتَتَلُوۡا ۟ ﴾ (2/البقرہ: 253) ''اور اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ آپس میں نہ لڑتے۔''

د ر ء

(ف)	دَرۡءً	دھکیلنا۔ ہٹانا۔ ﴿ وَ یَدۡرَءُوۡنَ بِالۡحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ ﴾ (13/الرعد: 22) ''اور وہ لوگ ہٹاتے ہیں بھلائی سے برائی کو۔''
	اِدۡرَءۡ	فعل امر ہے۔ تو ہٹا۔ ﴿ قُلۡ فَادۡرَءُوۡا عَنۡ اَنۡفُسِکُمُ الۡمَوۡتَ ﴾ (3/آل عمران: 168) ''آپؐ کہئے تو تم لوگ ہٹالو اپنی جان سے موت کو۔''
(تفاعل)	اِدّٰرُءًا	الزام کو ایک دوسرے پر ڈالنا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

229

ترکیب

قَتَلْتُمْ کا مفعول نَفْسًا ہے اور فِيْهَا میں هَا کی ضمیر نَفْسًا کے لیے ہے۔ اَللّٰهُ مبتداء، مُخْرِجٌ خبر اور مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ جملہ فعلیہ متعلق خبر ہے۔

ترجمہ

وَاِذْ قَتَلْتُمْ	نَفْسًا	فَادّٰرَءْتُمْ
اور جب تم لوگوں نے قتل کیا	ایک جان کو	تو الزام ایک دوسرے پر ڈالا

فِيْهَا	وَاللّٰهُ	مُخْرِجٌ	مَّا	كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ
اس میں	اور اللہ	نکالنے والا تھا	وہ جو	تم لوگ چھپاتے تھے

نوٹ۔1

ایک مرتبہ پھر یاد کرلیں، آیت نمبر (2/البقرہ: 11۔12) کے نوٹ۔1 میں بتایا جا چکا ہے کہ جملہ اگر اِذْ سے شروع ہو تو اس کا ترجمہ ماضی میں کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ کا ترجمہ ''اللہ نکالنے والا ہے'' کے بجائے ''اللہ نکالنے والا تھا'' کیا گیا ہے۔

نوٹ۔2

او پر لغت میں آیت نمبر (9/الروم:30) کا ترجمہ ''قتل کیا ان کو اللہ نے'' کرنے کے بجائے ''قتل کرے ان کو اللہ'' کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ سمجھنے کے لیے دعائیہ کلمات کے متعلق چند باتیں سمجھ لیں۔ دعا کے تین انداز ہیں۔ (۱) کبھی ہم اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے دعا کرتے ہیں جیسے یا اللہ! تو مجھے معاف کر۔ یا اللہ! تو اس کو معاف کر۔ (۲) کبھی ہم اس کو مخاطب کرتے ہیں جس کے لیے دعا کرتے ہیں۔ جیسے اللہ تجھ کو معاف کرے۔ (۳) کبھی ہمارا مخاطب کوئی نہیں ہوتا۔ ہم صرف اپنی خواہش کا اظہار کرتے ہیں۔ جیسے اللہ اسے معاف کرے۔ اللہ ہم سب کو معاف کرے۔

اُردو میں قاعدہ یہ ہے کہ پہلی صورت میں فعل امر حاضر استعمال ہوتا ہے، ''تو کر''۔ جبکہ دوسری اور تیسری صورت میں فعل امر غائب استعمال ہوتا ہے، ''وہ کرے''۔ عربی میں بھی پہلی صورت میں فعل امر حاضر ہی آتا ہے۔ جیسے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ۔ لیکن دوسری اور تیسری صورت میں فعل امر غائب کے بجائے فعل ماضی یا مضارع آتا ہے۔ جیسے غَفَرَ اللّٰهُ لَکَ۔ غَفَرَ اللّٰهُ لَنَا۔ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ وغیرہ۔

اب نوٹ کریں کہ غَفَرَ اللّٰهُ لَکَ کا اگر لفظی ترجمہ کریں کہ ''معاف کیا اللہ نے تجھ کو'' تو ایسی صورت میں دعا کا مفہوم نہیں رہتا۔ اس لیے اردو محاورے کے مطابق ترجمہ کرنا پڑتا ہے کہ ''معاف کرے اللہ تجھ کو''۔ اسی طرح يَرْحَمُكَ اللّٰهُ کا ترجمہ ''رحم کرتا ہے یا رحم کرے گا تجھ پر اللہ'' کرنے کے بجائے ترجمہ ہوگا ''رحم کرے تجھ پر اللہ''۔ یہی وجہ ہے کہ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ کا ترجمہ ''ہلاک کیا ان کو اللہ نے'' درست نہیں ہوگا۔ بلکہ ''ہلاک کرے ان کو اللہ'' درست ہوگا۔

آیت نمبر (2/البقرہ:73)

﴿فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿73﴾﴾

ترکیب

اِضْرِبُوْهُ میں هٗ کی ضمیر واحد مذکر ہے اس لیے یہ مقتول کے لیے ہے۔ بِبَعْضِهَا میں هَا کی ضمیر واحد مؤنث ہے اس

لیے یہ گائے کے لیے ہے۔ یُحْیِ کا فاعل اللّٰہُ اور اس کا مفعول اَلْمَوْتٰی ہے۔ یُرِیْ کا فاعل اس میں شامل ھُوَ کی ضمیر ہے جو اللہ کے لیے ہے۔ اس کا مفعول اوّل کُمْ ہے اور اٰیٰتِہٖ مفعول ثانی ہے۔ یہ دراصل اٰیَاتٍ (حالتِ نصب) تھا۔ مضاف ہونے کی وجہ سے تنوین ختم ہوئی اور ہٖ کی ضمیر مضاف الیہ ہے۔

ترجمہ

فَقُلْنَا	اضْرِبُوْهُ	بِبَعْضِهَا ؕ	كَذٰلِكَ	یُحْیِ اللّٰهُ
تو ہم نے کہا	تم لوگ مارو اس کو	اس کے حصہ سے	اس طرح	زندہ کرتا ہے اللہ

الْمَوْتٰى ۙ	وَیُرِیْكُمْ	اٰیٰتِهٖ	لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ
مردہ کو	اور وہ دکھاتا ہے تم کو	اپنی نشانیاں	شائد تم لوگ عقل کرو

نوٹ۔1

كَذٰلِكَ کا لفظ بتا رہا ہے کہ مردہ گائے کے گوشت کا ٹکڑا مارنے کے بعد جو کچھ ہوا وہ پورا واقعہ یہاں محذوف ہے اور اس میں مردہ کا دوبارہ زندہ ہونا لازماً شامل ہے۔

آیت نمبر (2/البقرہ:74)

﴿ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِیَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا یَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا یَشَّقَّقُ فَیَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا یَهْبِطُ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ ﴾

ق س و

(ن) قَسْوًا: ٹھوس ہونا۔ سخت ہونا۔ ﴿ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ ﴾ (57/الحدید:16) ''پس طویل ہوئی ان پر مدت تو سخت ہوئے ان کے دل۔''

قَاسٍ: مؤنث قَاسِیَةٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ سخت ہونے والا۔ ﴿ فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْقَاسِیَةِ قُلُوْبُهُمْ ؕ ﴾ (22/الحج:53) ''آزمائش ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں مرض ہے اور سخت ہونے والے ہیں جن کے دل۔''

قَسْوَةٌ: اسم ذات ہے۔ سختی۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

ش ق ق

(ن) شَقًّا اور مَشَقَّةً: پھاڑنا۔ کام کا دشوار ہونا۔ ﴿ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾ ﴾ (80/عبس:26) ''پھر ہم نے پھاڑا زمین کو جیسا پھاڑنے کا حق ہے۔''

اَشَقُّ: افعل التفضیل ہے۔ زیادہ دشوار۔ ﴿ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ ﴾ (13/الرعد:34) ''اور یقیناً آخرت کا عذاب سب سے زیادہ دشوار ہے۔''

شِقٌّ: اسم ذات ہے۔ دشواری۔ مشقت۔ ﴿ لَمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِیْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ ﴾ (16/النحل:7)

229

''تم لوگ نہیں ہو پہنچنے والے اس کو مگر جان کی مشقت سے۔''

	شُقَّةٌ	اسم ذات ہے۔ مشکل سفر۔﴿ وَلٰكِنۡۢ بَعُدَتۡ عَلَيۡهِمُ الشُّقَّةُ ؕ﴾ (9/التوبہ:42) ''اور لیکن دور ہوا یعنی طویل ہوا ان پر مشکل سفر۔''
(مفاعلہ)	شِقَاقًا	ایک دوسرے کی مخالفت کرنا۔ (پھٹ کر الگ ہونے کی وجہ سے) ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ ۚ﴾ (8/الانفال:13) ''یہ اس لیے کہ ان لوگوں نے مخالفت کی اللہ اور اس کے رسول کی۔''
(تفعّل)	تَشَقُّقًا	پھٹ جانا۔ پھٹ پڑنا۔﴿ وَ يَوۡمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ ﴾ (25/الفرقان:25) ''اور جس دن آسمان پھٹ جائے گا۔''
(انفعال)	اِنۡشِقَاقًا	پھٹ جانا۔﴿ اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانۡشَقَّ الۡقَمَرُ ۝ ﴾ (54/القمر:1) ''قریب ہوئی قیامت اور پھٹ گیا چاند۔''

خ ش ی

(س)	خَشۡيًا	مرعوب ہونا۔ ڈرنا۔﴿ ذٰلِكَ لِمَنۡ خَشِيَ رَبَّهٗ ۝ ﴾ (98/البینۃ:8) ''یہ ہے اس کے لیے جو مرعوب ہوا اپنے رب سے۔''
	اِخۡشَ	فعل امر ہے۔ تو مرعوب ہو۔﴿ فَلَا تَخۡشَوۡهُمۡ وَ اخۡشَوۡنِيۡ ۚ﴾ (2/البقرہ:150) ''تو تم لوگ مت مرعوب ہو ان لوگوں سے اور مرعوب ہو مجھ سے۔''
	خَشۡيَةٌ	اسم ذات ہے۔ رعب۔ دبدبہ۔ دہشت۔﴿ يَخۡشَوۡنَ النَّاسَ كَخَشۡيَةِ اللّٰهِ ﴾ (4/النساء:77) ''وہ لوگ مرعوب ہوتے ہیں لوگوں سے جیسے کہ اللہ کا رعب۔''

غ ف ل

(ن)	غَفۡلًا	کسی حقیقت کو ذہن میں حاضر نہ رکھنا۔ چوکنا نہ ہونا۔ غافل ہونا۔﴿ وَدَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡ تَغۡفُلُوۡنَ عَنۡ اَسۡلِحَتِكُمۡ ﴾ (4/النساء:102) ''تمنا کی ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا، کاش تم لوگ غفلت کرو اپنے ہتھیاروں سے۔''
	غَافِلٌ	اسم الفاعل ہے۔ غفلت کرنے والا۔﴿ وَ اِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ عَنۡ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوۡنَ ۝ ﴾ (10/یونس:92) ''اور بے شک لوگوں میں سے اکثر ہماری نشانیوں سے غفلت برتنے والے ہیں۔''
	غَفۡلَةٌ	اسم ذات ہے۔ غفلت۔﴿ يٰوَيۡلَنَا قَدۡ كُنَّا فِيۡ غَفۡلَةٍ مِّنۡ هٰذَا ﴾ (21/الانبیاء:97) ''ہائے ہماری بدبختی ہم تھے غفلت میں اس سے۔''
(افعال)	اِغۡفَالًا	غافل کرنا۔﴿ وَلَا تُطِعۡ مَنۡ اَغۡفَلۡنَا قَلۡبَهٗ عَنۡ ذِكۡرِنَا ﴾ (18/الکہف:28) ''اور تابعداری مت کر اس کی ہم نے غافل کیا جس کے دل کو اپنی یاد سے۔''

ترکیب

قَسَتۡ فعل، قُلُوۡبُكُمۡ فاعل اور مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ متعلق فعل ہے۔ هِيَ کی ضمیر قُلُوۡبٌ کے لیے ہے اور جملہ میں هِيَ مبتداء ہے۔ اس کی خبر قَسۡوَةٌ محذوف ہے، جبکہ كَالۡحِجَارَةِ متعلق خبر تھا جواب قائم مقام خبر ہے۔ اَوۡ کے بعد هِيَ مبتداء محذوف ہے۔ اَشَدُّ اس کی خبر ہے، جس کی تمیز قَسۡوَةً ہے، اس لیے منصوب ہے۔ لَمَا میں مَا موصولہ پر لام تاکید لگا ہوا ہے اور اِنَّ کا اسم ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے۔ مِنَ الۡحِجَارَةِ قائم مقام خبر مقدم ہے جبکہ

یَتَفَجَّرُ مِنۡهُ الۡاَنۡهٰرُ جملہ فعلیہ مَا موصولہ کا صلہ ہے۔ اس میں یَتَفَجَّرُ فعل، اَلۡاَنۡهٰرُ فاعل اور مِنۡهُ متعلق فعل ہے۔229

ترجمہ

ثُمَّ قَسَتۡ	قُلُوۡبُكُمۡ	مِّنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ	فَهِىَ
پھر سخت ہوئے	تمہارے دل	اس کے بعد سے	پس یہ

كَالۡحِجَارَةِ	اَوۡ اَشَدُّ	قَسۡوَةً ؕ	وَاِنَّ	مِنَ الۡحِجَارَةِ
پتھروں کی مانند ہیں	یا زیادہ ہیں	سختی میں	اور یقیناً	پتھروں میں سے ہیں

لَمَا	يَتَفَجَّرُ	مِنۡهُ	الۡاَنۡهٰرُ ؕ	وَاِنَّ	مِنۡهَا	لَمَا
وہ جو	پھوٹ بہتی ہیں	جن سے	نہریں	اور یقیناً	ان میں ہیں	وہ جو

يَشَّقَّقُ	فَيَخۡرُجُ	مِنۡهُ	الۡمَآءُ ؕ	وَاِنَّ مِنۡهَا	لَمَا
چیخ اٹھتے ہیں	تو رِستا ہے	ان سے	پانی	اور یقیناً ان میں ہیں	وہ جو

يَهۡبِطُ	مِنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ ؕ	وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ	عَمَّا	تَعۡمَلُوۡنَ
گر پڑتے ہیں	اللہ کے رعب سے	اور اللہ غافل نہیں ہے	اس سے جو	تم لوگ کرتے ہو

نوٹ۔1

ثُمَّ اور آگے مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کا اثر ہوا تھا لیکن کچھ عرصہ بعد پھر لوگوں کے دل سخت ہوتے چلے گئے۔ دل سخت ہونے کا مطلب ہے کہ اس میں موجود خواہشات کا اس سے نکلنا مشکل ہو اور کسی نئے جذبہ یا اُمنگ کا اس میں داخل ہونا مشکل ہو۔ یہ امکان اگر حتمی طور پر ختم ہو جائے تو اس کو دل پر مہر لگنا کہتے ہیں۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ دل کا سخت ہونا اس پر مہر لگنے سے پہلے کا مرحلہ ہے۔

نوٹ۔2

اس مقام پر پہلی بات یہ سمجھ لیں کہ پتھر گرنے کے متعدد اسباب ہوتے ہیں۔ یہاں پر ان تمام اسباب کا نہیں بلکہ صرف ایک سبب کا ذکر ہے۔ دوسری بات یہ سمجھ لیں کہ خوف محسوس کرنے کے لیے جو اصل صلاحیت درکار ہے وہ عقل نہیں بلکہ حِس ہے۔ عقل سے حِس کو مدد ملتی ہے لیکن عقل کا ہونا شرط نہیں ہے۔ ایک انسان جب اندھا ہوتا ہے تو اس کی حِس تیز ہو جاتی ہے۔ سانپ کی آنکھ نہیں ہوتی لیکن وہ حِس سے اپنا کام چلا لیتا ہے۔ تمام جانور حالانکہ غیر عاقل مخلوق ہیں لیکن حِس ہونے کی وجہ سے وہ بھی خوف محسوس کرتے ہیں۔ اسی طرح سے نباتات و جمادات میں حِس کی موجودگی اب سائنس سے ثابت ہے۔ اس لیے ان کے خوف محسوس کرنے پر کلام کرنا، کم علمی کا مظاہرہ ہے۔

نوٹ۔3

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ایسی باتوں کا ذکر ہے جن کو پورے طور پر سمجھنا پرانے زمانے میں ممکن نہیں تھا۔ اس کی سب سے پہلی مثال سورۃ الفاتحہ میں، رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ میں عَالَمٌ کے لیے جمع کے صیغے کا استعمال ہے۔ اس کے بعد

وقفہ وقفہ سے پورے قرآن مجید میں اس نوعیت کی باتیں ہیں۔ پتھروں کا خوف محسوس کرنا بھی ان میں سے ایک ہے۔229

پرانے زمانے میں جن لوگوں نے اپنے رب کی طرف سے حق تسلیم کیا، تو اپنی قوتِ ایمانی کے بل بوتے پر کیا۔ جیسے حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا کہ اللہ رب ہے اس عالم کا بھی جسے ہم جانتے ہیں اور ان تمام عالموں کا بھی جنہیں ہم نہیں جانتے۔ اور جنہوں نے اعتراضات کئے، تو عقل پر غیر ضروری اعتماد اور لاعلمی کی بنا پر کئے اور اب بھی کرتے ہیں۔ لیکن جیسے جیسے سائنس آگے بڑھ رہی ہے ایک ایک کر کے اعتراضات دور ہو رہے ہیں اور قرآن کی بات درست ثابت ہو رہی ہے۔ یہ صورتحال ہمارے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔

آیت نمبر (2/البقرہ: 75)

﴿ اَفَتَطۡمَعُوۡنَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡا لَکُمۡ وَقَدۡ کَانَ فَرِیۡقٌ مِّنۡهُمۡ یَسۡمَعُوۡنَ کَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوۡنَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡهُ وَهُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۵﴾ ﴾

ط	م	ع

(س) طَمَعًا: خواہش کے ساتھ کسی چیز کی اُمید رکھنا۔ لالچ کرنا۔ آرزو کرنا۔ ﴿ وَنَطۡمَعُ اَنۡ یُّدۡخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الۡقَوۡمِ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۸۴﴾ ﴾ (5/المآئدہ: 84) ''اور ہم آرزو کرتے ہیں کہ ہم کو داخل کرے ہمارا رب صالح لوگوں کے ساتھ۔''

طَمَعٌ: اسم ذات ہے۔ لالچ۔ آرزو۔ ﴿ وَادۡعُوۡهُ خَوۡفًا وَّطَمَعًا ؕ ﴾ (7/الاعراف: 56) ''اور تم لوگ پکارو اس کو خوف کرتے ہوئے اور آرزو کرتے ہوئے۔''

ح	ر	ف

(ض) حَرۡفًا: کسی چیز کے کنارے پر ہونا۔ جھکا ہوا ہونا۔

حَرۡفٌ: اسم ذات ہے۔ کنارہ۔ دھار۔ سرا۔ ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّعۡبُدُ اللّٰهَ عَلٰی حَرۡفٍ ۚ ﴾ (22/الحج: 11) ''اور لوگوں میں وہ بھی ہے جو بندگی کرتا ہے اللہ کی ایک کنارہ پر۔''

(تفعیل) تَحۡرِیۡفًا: کسی چیز کو کنارے پر کرنا۔ جھکا دینا۔ ﴿ یُحَرِّفُوۡنَ الۡکَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِهٖ ۙ ﴾ (5/المآئدہ: 13) ''وہ لوگ جھکاتے ہیں بات کو اس کے ٹھکانے سے یعنی بات کو بدل دیتے ہیں۔''

(تفعّل) تَحَرُّفًا: کسی جانب جھک جانا۔ جھکائی دینا۔

مُتَحَرِّفٌ: اسم الفاعل ہے۔ جھکنے والا۔ جھکائی دینے والا۔ ﴿ وَمَنۡ یُّوَلِّهِمۡ یَوۡمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ ﴾ (8/الانفال: 16) ''اور جو پھیرے گا ان کی طرف اس دن اپنی پیٹھ کو سوائے جھکائی دینے والا ہوتے ہوئے قتال کے لیے۔''

ترکیب

وَقَدۡ کَانَ میں واو حالیہ ہے۔ کَانَ پر قَدۡ داخل ہونے کی وجہ سے یہ ماضی قریب (PRESENT PERFECT TENSE) ہے۔ فَرِیۡقٌ مِّنۡهُمۡ میں فَرِیۡقٌ نکرہ مخصوصہ ہے اور کَانَ کا اسم ہے۔ اور اس کی خبر مَوۡجُوۡدٌ محذوف

ہے۔ یَسْمَعُوْنَ سے آخیر تک فَرِیْقٌ کی خصوصیت ہے۔ یُحَرِّفُوْنَہٗ اور عَقَلُوْہُ دونوں میں ہٗ کی ضمیر کَلٰمَ اللّٰہِ کے لیے ہے۔ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ میں بھی واوِ حالیہ ہے۔

ترجمہ

اَفَتَطْمَعُوْنَ	اَنْ یُّؤْمِنُوْا	لَکُمْ	وَ
تو کیا تم لوگ آرزو کرتے ہو	کہ وہ لوگ مان لیں	تمہاری بات	درآں حالیکہ

قَدْ کَانَ فَرِیْقٌ	مِّنْھُمْ	یَسْمَعُوْنَ	کَلٰمَ اللّٰہِ	ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَہٗ
ایک ایسا فریق	ان میں	جو سنتے ہیں	اللہ کے کلام کو	پھر وہ جھکاتے (بدلتے) ہیں اس کو

مِنْۢ بَعْدِ	مَا	عَقَلُوْہُ	وَ	ھُمْ یَعْلَمُوْنَ
اس کے بعد	کہ جو	انہوں نے سمجھا اس کو	اس حال میں کہ	وہ جانتے ہیں

آیت نمبر (2/ البقرہ: 76)

﴿ وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَ اِذَا خَلَا بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَھُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ لِیُحَآجُّوْکُمْ بِہٖ عِنْدَ رَبِّکُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾ ﴾

ح د ث

(ن) — حُدُوْثًا: کسی ایسی چیز کا وجود میں آنا جو پہلے نہیں تھی (فعل لازم)۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ قرآن مجید میں یہ زیادہ تر کسی بات یا خبر کے لیے استعمال ہوا ہے۔ ثلاثی مجرد سے فعل قرآن میں نہیں آیا۔

حَدِیْثٌ: ج اَحَادِیْثُ۔ فَعِیْلٌ کا وزن ہے۔ بنیادی مفہوم ہے وجود میں آنے والا، اس کے ساتھ پھر مختلف معانی میں اسم ذات کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ (۱) کلام۔ بات۔ ﴿ فَلْیَاْتُوْا بِحَدِیْثٍ مِّثْلِہٖٓ ﴾ (52/ الطور: 34) ''تو وہ لوگ لائیں اس کے جیسا کوئی کلام۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کو بھی اس معنی میں حدیث کہتے ہیں۔ (۲) خبر۔ حال۔ ﴿ ھَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَۃِ ؕ﴿۱﴾ ﴾ (88/ الغاشیۃ: 1) ''کیا پہنچی آپؐ کے پاس اس چھا جانے والی کی خبر۔'' (۳) گفتگو۔ بات۔ ﴿ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِہٖ ؕ ﴾ (6/ الانعام: 68) ''یہاں تک کہ وہ لوگ بال کی کھال نکالیں اس کے علاوہ کسی بات میں۔'' (۴) داستان۔ افسانہ۔ ﴿ فَجَعَلْنٰھُمْ اَحَادِیْثَ ﴾ (34/ سبا: 19) ''تو ہم نے بنا دیا ان کو افسانے۔'' (۵) خواب۔ ﴿ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ۚ ﴾ (12/ یوسف: 101) ''اور تو نے علم دیا مجھ کو خوابوں کی تعبیر میں سے۔''

(افعال) — اِحْدَاثًا: کوئی نیا وجود دینا۔ ﴿ فَلَا تَسْـَٔلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰٓی اُحْدِثَ لَکَ مِنْہُ ذِکْرًا ﴿۷۰﴾ ﴾ (18/ الکہف: 70) ''تو آپؐ نہ پوچھیں مجھ سے کسی چیز کے بارے میں یہاں تک کہ میں وجود دوں آپؐ کے لیے اس میں سے کسی بات کو۔''

مُحْدَثٌ — اسم المفعول ہے۔ نیا وجود دیا ہوا۔ نئی نصیحت۔ ﴿وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ﴾ (26/الشعراء:5) ''اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی یاد دہانی رحمٰن کی طرف سے، کوئی نئی نصیحت، مگر وہ لوگ تھے اس سے اعراض کرنے والے۔''

(تفعیل) تَحْدِيْثًا — خبر دینا۔ بیان کرنا۔ ﴿يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا﴾ (99/الزلزال:4) ''اس دن وہ بیان کرے گی اپنی خبروں کو۔''

حَدِّثْ — فعل امر ہے۔ تو خبر دے۔ تو بیان کر۔ ﴿وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ (93/الضحیٰ:11) ''اور اپنے رب کی نعمت کا آپؐ چرچا کریں۔''

ف ت ح

(ف) فَتْحًا — (۱) کسی چیز کو کھولنا۔ (۲) پیچیدگی کی گرہ کھولنا یعنی فیصلہ کرنا۔ ﴿فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ﴾ (6/الانعام:44) ''ہم نے کھولا ان پر ہر چیز کے دروازے۔'' ﴿ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ﴾ (34/سبا:26) ''پھر وہ فیصلہ کرے گا ہمارے مابین حق سے۔''

اِفْتَحْ — فعل امر ہے۔ تو کھول۔ تو فیصلہ کر۔ ﴿رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ﴾ (7/الاعراف:89) ''اے ہمارے رب تو فیصلہ کر ہمارے اور ہماری قوم کے مابین حق سے۔''

فَاتِحٌ — اسم الفاعل ہے۔ کھولنے والا۔ فیصلہ کرنے والا۔ ﴿وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ﴾ (7/الاعراف:89) ''اور تو فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔''

فَتَّاحٌ — اسم المبالغہ ہے۔ بہت کھولنے والا۔ بہت فیصلہ کرنے والا۔ ﴿وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ﴾ (34/سبا:26) ''اور وہ ہی بہت فیصلہ کرنے والا، ہر حال میں جاننے والا ہے۔''

مِفْتَحٌ — ج مَفَاتِحُ۔ اسم الآلہ ہے۔ کھولنے کا آلہ یعنی کنجی۔ ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ﴾ (6/الانعام:59) ''اور اس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔''

فَتْحٌ — اسم ذات ہے۔ فتح۔ فیصلہ۔ ﴿نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ﴾ (61/الصف:13) ''کوئی مدد، اللہ کی طرف سے اور ایک قریبی فتح۔'' ﴿يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِيْمَانُهُمْ﴾ (32/السجدہ:29) ''فیصلے کے دن نفع نہیں دے گا ان کو جنھوں نے کفر کیا، ان کا ایمان۔''

(تفعیل) تَفْتِيْحًا — کثرت سے کھولنا۔ ﴿لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَاءِ﴾ (7/الاعراف:40) ''ذرا سا بھی نہیں کھولے جائیں گے ان کے لیے آسمان کے دروازے۔''

مُفَتَّحٌ — مؤنث مُفَتَّحَةٌ۔ اسم المفعول ہے۔ کھولا ہوا۔ ﴿وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ﴾ (38/ص:49۔50) ''یقیناً متقی لوگوں کے لیے خوبصورت ٹھکانہ ہے، عدن کے باغات ہیں، کھولے گئے ہیں ان کے لیے دروازے۔''

(استفعال) اِسْتِفْتَاحًا — فتح مانگنا۔ فیصلہ مانگنا۔ ﴿وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ (2/البقرہ:89) ''وہ لوگ اس سے پہلے فتح مانگتے تھے ان پر جنھوں نے کفر کیا۔'' ﴿وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ﴾ (14/ابراہیم:15) ''اور ان لوگوں نے فیصلہ مانگا اور نامراد ہوا ہر ایک زبردست، ہٹ دھرم۔''

229

ح ج ج

(ن) حَجًّا (۱) دلیل میں غالب آنا۔(۲) کسی زیارت کا ارادہ کرنا۔حج کرنا۔اصطلاحاً اب یہ صرف حج کے لیے مخصوص مہینہ میں بیت اللہ کی زیارت کرنے کے لیے آتا ہے۔﴿ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ ﴾ (2/البقرہ:158)''توجس نے زیارت کی اس گھر کی یعنی حج کیا یا عمرہ کیا۔''

حَجٌّ یہ لفظ مصدر کے طور پر ہی آتا ہے۔حج کرنا۔﴿ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ ﴾ (2/البقرہ:197)''حج کرنا معلوم مہینوں میں ہے۔ پس جس نے فرض کیا ان میں حج کرنے کو تو کوئی مباشرت نہیں ہے اور کوئی حکم عدولی نہیں ہے اور کوئی جھگڑا نہیں ہے حج کرنے میں۔''

حِجٌّ ج حِجَجٌ۔ اسم ذات ہے۔زیارت یعنی حج۔سال (کیونکہ ایک حج سے دوسرے حج تک ایک سال ہو جاتا ہے)۔﴿ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ ﴾ (3/آل عمران:97)''اور اللہ کے لیے ہے لوگوں پر اس گھر کا حج۔''﴿ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ ﴾ (28/القصص:27)''اس پر کہ تو ملازمت کرے میری آٹھ سال۔''

حُجَّةٌ اسم ذات ہے۔(۱) دلیل۔حجت۔(۲) بحث و تکرار۔﴿ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ ﴾ (2/البقرہ:150)''تاکہ نہ رہے لوگوں کے لیے تم لوگوں پر کوئی حجت۔''﴿ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ؕ ﴾ (42/الشوریٰ:15)''ہمارے لیے ہمارے عمل ہیں اور تمہارے لیے تمہارے عمل ہیں۔کوئی بحث و تکرار نہیں ہے ہمارے اور تمہارے درمیان۔''

حَاجٌّ اسم الفاعل ہے۔واحد اور جمع دونوں کے لیے آتا ہے اور اس کی جمع حُجَّاج بھی آتی ہے۔حج کرنے والا۔حاجی۔﴿ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ﴾ (9/التوبہ:19)''کیا تم لوگوں نے کر دیا حاجیوں کی سبیل کو اور مسجدِ حرام کے بسانے کو اس کے جیسا جو ایمان لایا اللہ پر اور آخری دن پر اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں۔''

(مفاعلہ) مُحَاجَّةً ایک دوسرے سے دلیل بازی کرنا۔بحث کرنا۔﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ ﴾ (2/البقرہ:258)''کیا آپؐ نے غور نہیں کیا اس کی طرف جس نے بحث کی ابراہیمؑ سے ان کے رب کے بارے میں۔''

(تفاعل) تَحَاجًّا باہم جھگڑا کرنا۔﴿ وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ ﴾ (40/مومن:47)''اور جب وہ لوگ باہم جھگڑا کریں گے آگ میں۔''

ترکیب

اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شرط ہے اور قَالُوْٓا اٰمَنَّا جواب شرط ہے۔لَقُوْا کا فاعل اس میں شامل ھُمْ کی ضمیر ہے جبکہ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اس کا مفعول ہے۔وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ شرط ہے جبکہ قَالُوْٓا سے تَعْقِلُوْنَ تک جواب شرط ہے۔خَلَا کا فاعل بَعْضُهُمْ ہے۔

ترجمہ

وَاِذَا لَقُوا	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	قَالُوْٓا	229اٰمَنَّا ۚۖ
اور جب وہ لوگ ملتے ہیں	ان لوگوں سے جو	ایمان لائے	تو وہ کہتے ہیں	ہم ایمان لائے

وَاِذَا خَلَا	بَعْضُهُمْ	اِلٰى بَعْضٍ	قَالُوْٓا
اور جب تنہائی میں ملتے ہیں	ان کے بعض	بعض سے	تو وہ کہتے ہیں

اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ	بِمَا	فَتَحَ اللّٰهُ	عَلَيْكُمْ
کیا تم لوگ بیان کرتے ہو ان سے	اس کو جو	کھولا اللہ نے	تم پر

لِيُحَآجُّوْكُمْ	بِهٖ	عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ	اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ
تاکہ وہ لوگ بحث کریں تم سے	اس کے ذریعہ	تمہارے رب کے پاس	تو کیا تم لوگ عقل نہیں کرتے

آیت نمبر (2/البقرہ: 77)

﴿ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝ ﴾

ع ل ن

(ن۔ض۔س) عَلَانِيَةً کسی بات کا آشکار ہونا۔ ظاہر ہونا۔ ﴿ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً ﴾ (13/الرعد:22) ’’اور ان لوگوں نے انفاق کیا اس میں سے جو ہم نے عطا کیا ان کو چھپاتے ہوئے اور آشکار ہوتے ہوئے۔‘‘

(افعال) اِعْلَانًا کسی بات کو آشکار یا ظاہر کرنا۔ ﴿ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ۭ ﴾ (14/ابراہیم:38) ’’اے ہمارے رب! بے شک تو جانتا ہے اس کو جو ہم چھپاتے ہیں اور اس کو جو ہم آشکار کرتے ہیں۔‘‘

ترکیب

اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ میں اَنَّ کا اسم لفظ اَللّٰهَ ہے اور جملہ فعلیہ يَعْلَمُ سے يُعْلِنُوْنَ تک اس کی خبر ہے۔ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ، يَعْلَمُ کا مفعول ہے اور یہ پورا جملہ اسمیہ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ کا مفعول ہے۔

ترجمہ

اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ	اَنَّ اللّٰهَ	يَعْلَمُ	مَا	يُسِرُّوْنَ	وَمَا
تو کیا وہ لوگ جانتے نہیں	کہ اللہ	جانتا ہے	اس کو جو	وہ چھپاتے ہیں	اور اس کو جو

يُعْلِنُوْنَ
وہ آشکار کرتے ہیں

آیت نمبر (2/البقرہ: 78)

﴿ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝ ﴾

229

ء	م	م

(ن)

اَمًّا (۱) کسی چیز کا قصد کرنا۔ارادہ کرنا۔(۲) کسی کی ابتداءاور تربیت کا باعث ہونا۔(۳) راہنمائی کرنا۔

اٰمٌّ اسم الفاعل ہے۔ارادہ کرنے والا۔﴿ وَلَآ آٰمِّیۡنَ الۡبَیۡتَ الۡحَرَامَ ﴾ (5/المآئدہ:2)''اور نہ ہی اس محترم گھر کا ارادہ کرنے والوں کو۔''

اُمٌّ ج اُمَّھَاتٌ۔ اسم ذات ہے۔ہر وہ چیز جو کسی کی ابتداءاور تربیت کا ذریعہ بنے۔اس بنیادی مفہوم کے ساتھ مختلف انداز میں استعمال ہوتا ہے۔(۱) ﴿ وَعِنۡدَہٗۤ اُمُّ الۡکِتٰبِ ﴾ (13/الرعد:39)''اور اس کے یعنی اللہ کے پاس اصل یعنی ORIGINAL کتاب ہے۔''(۲)﴿ وَلِتُنۡذِرَ اُمَّ الۡقُرٰی وَمَنۡ حَوۡلَہَا ﴾ (6/الانعام:92)''تاکہ آپؐ خبردار کریں بستیوں کے تربیت کنندہ یعنی مکہ مکرمہ کے لوگوں کو اور جو اس کے اردگرد ہیں۔''(۳) ﴿ وَاَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اُمِّ مُوۡسٰۤی ﴾ (28/القصص:7)''اور ہم نے وحی کیا موسیٰؑ کی والدہ کی طرف۔''﴿ وَاللّٰہُ اَخۡرَجَکُمۡ مِّنۡۢ بُطُوۡنِ اُمَّہٰتِکُمۡ ﴾ (16/النحل:78)''اور اللہ نے نکالا تم لوگوں کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے۔''

اُمِّیٌّ اسم نسبت ہے۔ماں سے نسبت والا۔پیدائش کے وقت بچہ کچھ نہیں جانتا۔اس لحاظ سے اُمِّیٌّ ایسے شخص کو کہتے ہیں جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو۔ اَن پڑھ۔﴿ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہِ النَّبِیِّ الۡاُمِّیِّ ﴾ (7/الاعراف:158)''پس تم لوگ ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر جو امی نبی ہیں۔''﴿ ہُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡہُمۡ ﴾ (62/الجمعہ:2)''وہ ہے جس نے اُٹھایا اَن پڑھ لوگوں میں ایک رسول ان میں سے۔''

اُمَّۃٌ ج اُمَمٌ۔ اسم ذات ہے۔(۱) ضابطۂ حیات۔دین۔(۲) کسی ضابطۂ حیات کی پیروی کرنے والے لوگوں کی جماعت۔﴿ اِنَّا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤی اُمَّۃٍ ﴾ (43/الزخرف:22)''ہم نے پایا اپنے آباو اجداد کو ایک دین پر۔''﴿ تِلۡکَ اُمَّۃٌ قَدۡ خَلَتۡ ﴾ (2/البقرہ:134)''وہ ایک اُمت ہے جو گزر چکی ہے۔''﴿ وَاِنۡ تُکَذِّبُوۡا فَقَدۡ کَذَّبَ اُمَمٌ مِّنۡ قَبۡلِکُمۡ ﴾ (29/العنکبوت:18)''اور اگر تم لوگ جھٹلاتے ہو تو جھٹلایا ہے اُمتوں نے تم سے پہلے۔''

اِمَامٌ ج اَئِمَّۃٌ۔ اسم ذات ہے۔ جو چیز رہنمائی کا ذریعہ ہو۔ اس بنیاد مفہوم کے ساتھ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔(۱) راستہ۔﴿ وَاِنَّہُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِیۡنٍ ﴾ (15/الحجر:79)''اور بے شک یہ دونوں یعنی دونوں بستیاں ایک واضح راستے پر ہیں۔''۔(۲) ریکارڈ، خواہ وہ فائلوں، کیسٹ یا ڈسک، کسی بھی شکل میں ہو۔﴿ وَنَکۡتُبُ مَا قَدَّمُوۡا وَاٰثَارَہُمۡ ؕ وَکُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَیۡنٰہُ فِیۡۤ اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ ﴾ (36/یٰسٓ:12)''اور ہم لکھتے ہیں جو انہوں نے آگے بھیجا اور اپنے پیچھے چھوڑا۔اور ہر ایک چیز کو ہم نے شمار کیا یعنی SERIALIZE کیا ایک واضح ریکارڈ میں۔''(۳) راہنما کتاب۔﴿ وَمِنۡ قَبۡلِہٖ کِتٰبُ مُوۡسٰۤی اِمَامًا وَّرَحۡمَۃً ﴾ (46/الاحقاف:12)''اور اس سے پہلے موسیٰؑ کی کتاب ہے راہنما اور رحمت ہوتے ہوئے۔'' (۴) راہنما شخص۔﴿ اِنِّیۡ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ﴾ (2/البقرہ:124)''بے شک میں بنانے والا ہوں آپؑ کو لوگوں کے لیے پیشوا۔''

﴿ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا ﴾ (21/الانبیاء:73)''اور ہم نے بنایا ان کو پیشوا، وہ لوگ ہدایت دیتے ہیں ہمارے حکم سے۔''

اَمَامٌ	ظرف ہے۔ سامنے۔ ﴿ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ﴾ (75/القیامۃ:5)''بلکہ انسان چاہتا ہے کہ وہ نافرمانی کرے اپنے سامنے۔''

م ن ی

(ض)	مَنْيًا	(۱) کسی چیز کا اندازہ طے کرنا یعنی مقدر کرنا۔ (۲) کسی کو کسی چیز میں مبتلا کرنا۔
	اُمْنِيَّةٌ	ج اَمَانِيُّ۔ اسم ذات ہے۔ اندازہ۔ تخمینہ۔ زیادہ تر خواہش یا آرزو کے معانی میں آتا ہے۔ ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّ لَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ ﴾ (22/الحج:52)''اور ہم نے نہیں بھیجا آپؐ سے پہلے کوئی بھی رسول اور نہ ہی کوئی نبی مگر جب بھی وہ تمنا کرتے تو ڈالتا شیطان ان کی خواہش میں۔ اور اللہ منسوخ کرتا ہے اس کو جو شیطان ڈالتا ہے پھر اللہ محکم کرتا ہے اپنی نشانیوں کو۔'' ﴿ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ ﴾ (57/الحدید:14)''اور دھوکا دیا تم لوگوں کو آرزوؤں نے۔''
	مَنِيٌّ	اسم ذات ہے۔ نطفہ کی بوند۔ (کیونکہ یہ حیوانات کی ساخت مقرر کرتی ہے) ﴿ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ ﴾ (75/القیامۃ:37)''کیا وہ نہیں تھا کسی بوند میں سے ایک نطفہ۔''
(افعال)	اِمْنَاءً	کوئی رقیق چیز اندازے سے گرانا۔ ﴿ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ۝ ﴾ (56/الواقعۃ:58۔59)''تو کیا تم لوگوں نے غور کیا اس پر جو تم گراتے ہو۔ کیا تم لوگ پیدا کرتے ہو اس سے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔''
(تفعیل)	تَمْنِيَةً	خواہش دلانا۔ آرزو میں مبتلا کرنا۔ ﴿ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ ﴾ (4/النساء:120)''وہ یعنی شیطان وعدہ دیتا ہی ان کو اور ان کو آرزو میں مبتلا کرتا ہے۔''
(تفعّل)	تَمَنِّيْ	خواہش یا آرزو میں بتکلف مبتلا ہونا۔ تمنا کرنا۔ ﴿ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ ﴾ (4/النساء:32)''اور تم لوگ تمنا مت کرو اس کی، اللہ نے فضیلت دی جس سے، تم میں سے کسی کو کسی پر۔''

ترکیب

اُمِّيُّوْنَ مبتداء مؤخر نکرہ ہے، اس کی خبر مَوْجُوْدٌ محذوف ہے، اور مِنْهُمْ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ لَا يَعْلَمُوْنَ سے اَمَانِيَّ تک پورا جملہ اُمِّيُّوْنَ کی صفت یا بدل ہے۔

اِنْ نافیہ کے بعد جب اِلَّا سے مستثنیٰ کرتے ہیں تو اس سے بھی حصر کا مفہوم پیدا ہوتا ہے جیسے He IS --------NOTHING BUT۔ ایسی صورت میں اِلَّا کا مستثنیٰ عموماً اسم آتا ہے لیکن یہاں فعل آیا ہے۔ کیونکہ اسم محذوف ہے۔ اِنْ هُمْ اِلَّا قَوْمٌ يَظُنُّوْنَ۔

ترجمہ

وَمِنْهُمْ	اُمِّيُّوْنَ	لَا يَعْلَمُوْنَ	الْكِتٰبَ	اِلَّآ اَمَانِيَّ
اور ان میں ہیں	اَن پڑھ لوگ	جن کو علم نہیں	کتاب کا	سوائے آرزوؤں کے

229 يَظُنُّوْنَ	اِلَّا	وَاِنْ هُمْ
وہ گمان کرتے ہیں	سوائے اس کے کہ	اور وہ لوگ نہیں ہیں

نوٹ۔1

لفظ اُمِّیٌّ (اَن پڑھ) کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے یہ بات ذہن میں واضح ہونی چاہیے کہ پڑھنے لکھنے کی صلاحیت حصولِ علم میں مدد دیتی ہے لیکن یہ شرط نہیں۔ دیہاتوں میں آپ کو آج بھی بہت سے اَن پڑھ عالم مل جائیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے مشاہدے اور غور وفکر کی صلاحیتوں کو استعمال کر کے جو علم حاصل کیا وہ بہتوں سے بہتر ہے۔ دوسری طرف دنیا میں پڑھے لکھے جاہلوں کی کمی نہیں ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو فکسڈ ڈپازٹ کرا دیا ہے۔ اس لیے یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ پڑھنا لکھا ہونا اور عالم ہونا یا اَن پڑھ ہونا اور جاہل ہونا لازم وملزوم نہیں ہیں۔ اگر کوئی اَن پڑھ ہونے کے باوجود عالم ہے تو یہ بڑے کریڈٹ کی بات ہے۔

نوٹ۔2

دوسری بات یہ سمجھ لیں کہ علم حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے جسے آجکل کی اصطلاح میں ریسرچ کہتے ہیں۔ یعنی حواسِ خمسہ سے معلومات حاصل کر کے ان پر غور وفکر کرنا اور نتائج اخذ کرنا۔ لیکن یہ علم کائنات کے ان حقائق تک محدود ہوتا ہے جو ہمارے حواسِ خمسہ کے دائرے کے اندر ہوتے ہیں۔ جبکہ اس کائنات کے بے شمار حقائق حواسِ خمسہ کے دائرے کے باہر ہیں۔ انسان ان کا علم ریسرچ کے ذریعہ حاصل نہیں کر سکتا۔

اس کمی کو پورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے وحی کو انسان کے لیے دوسرا ذریعۂ علم بنایا۔ پھر اس کا فائنل ایڈیشن انسان کو دے کر اس کی حفاظت کو خود اپنے ذمہ لیا۔ تاکہ حواسِ خمسہ سے حاصل کردہ علم کو انسان وحی کے علم کے ذریعہ مکمل کرے، پھر ریسرچ کر کے صحیح نتائج تک رسائی حاصل کرے۔ صرف علم وحی کی بنیاد پر یا صرف حواس کے علم کی بنیاد پر یعنی نامکمل علم کی بنیاد پر جو بھی ریسرچ ہوگی اس کے نتائج کے درست ہونے کا امکان بہت کم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گنتی کی چند تھیوری اور نظریات کے علاوہ تقریباً ہر تھیوری اور نظریہ کچھ عرصہ بعد یا تو غلط ثابت ہوتا ہے یا اس میں ترمیم کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا صورتحال اور اس نوعیت کے جن مسائل کا آج انسانیت کو سامنا ہے اس کی بنیادی وجہ کی نشاندہی آیت زیرِ مطالعہ میں کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتا دیا ہے کہ، (۱) علم الکتٰب یعنی علم وحی کو نظر انداز کرنے والا شخص ابھی تک ''اَن پڑھ'' ہے خواہ اس نے PHD کر لیا ہو۔ (۲) ایسا شخص بے بنیاد خواہشات اور آرزوؤں میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ (۳) ایسا شخص ظن یعنی گمان کی بنیاد پر زندگی بسر کرتا ہے۔

ظن کی وضاحت ضروری ہے۔ علم وحی کے ساتھ حواس کے علم پر غور وفکر کر کے جو نتائج اخذ کیے جاتے ہیں، لغوی اعتبار سے وہ بھی ظن ہیں، لیکن ان میں یقین کا عنصر غالب ہوتا ہے۔ علمِ وحی کے بغیر اخذ کردہ نتائج بھی ظن ہیں، لیکن ان میں تربص یعنی گومگو (SCEPTICISM) کا عنصر غالب ہوتا ہے۔

انسانیت کا المیہ یہ ہے کہ زیادہ تر ریسرچ علمِ وحی کو نظر انداز کر کے ہوتی ہے۔ ہمارے ریسرچ اسکالرز کی اکثریت کا حال یہ ہے کہ

؎ سنی جو حکایتِ ہستی تو درمیاں سے سنی
نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

اس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ آج پوری انسانیت، مسلم اور غیر مسلم سمیت سب، ظن اور امانی میں گرفتار[229] ہیں۔

آیت نمبر (79)

﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۗ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ
فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ۝﴾

و ی ل

(X) — (X) — اس مادہ سے ثلاثی مجرد میں کوئی فعل نہیں آتا جبکہ مزید فیہ کا کوئی فعل قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

وَيْلٌ — اسم ذات ہے۔ ہلاکت۔ تباہی۔ بربادی۔ ﴿وَيْلَكَ اٰمِنْ ۖ ﴾ (46/الاحقاف:17) ''تیری بربادی! تو ایمان لا۔''

ک س ب

(ض) — كَسْبًا — محنت سے کوئی چیز حاصل کرنا۔ کمائی کرنا۔ ﴿وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۭ﴾ (31/لقمان:34) ''اور نہیں جانتی کوئی جان کہ وہ کیا کمائی کرے گی کل۔''

(افتعال) — اِكْتِسَابًا — اہتمام سے کمائی کرنا۔ ﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ﴾ (24/النور:11) ''ان میں سے ہر ایک شخص کے لیے ہے وہ، جو اس نے کمایا گناہ میں سے۔''

ترکیب

وَيْلٌ مبتداء نکرہ ہے، اس کی خبر وَاجِبٌ محذوف ہے۔ لِلَّذِيْنَ قائم مقام خبر ہے۔ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ یہ پورا جملہ اَلَّذِيْنَ کا صلہ ہے۔ يَكْتُبُوْنَ کا مفعول اَلْكِتٰبَ ہے اور بِاَيْدِيْهِمْ متعلق فعل ہے۔ يَقُوْلُوْنَ اور لِيَشْتَرُوْا دونوں کا فاعل ان میں شامل هُمْ کی ضمیریں ہیں جو اَلَّذِيْنَ کے لیے ہیں جبکہ بِهٖ کی ضمیر اَلْكِتٰبَ کے لیے ہے۔ لِيَشْتَرُوْا کا مفعول ثَمَنًا قَلِيْلًا ہے۔

ترجمہ

فَوَيْلٌ	لِّلَّذِيْنَ	يَكْتُبُوْنَ	الْكِتٰبَ	بِاَيْدِيْهِمْ ۗ
پس بربادی ہے	ان لوگوں کے لیے جو	لکھتے ہیں	کتاب کو	اپنے ہاتھوں سے

ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ	هٰذَا	مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ	لِيَشْتَرُوْا	بِهٖ
پھر وہ کہتے ہیں	یہ	اللہ کے پاس سے ہے	تاکہ وہ حاصل کریں	اس کے عوض

ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ	فَوَيْلٌ	لَّهُمْ	مِّمَّا	كَتَبَتْ	اَيْدِيْهِمْ
کچھ تھوڑی سی قیمت	تو تباہی ہے	ان کے لیے	اس سے جو	لکھا	ان کے ہاتھوں نے

وَوَيْلٌ	لَّهُمْ	مِّمَّا	يَكْسِبُوْنَ
اور تباہی ہے	ان کے لیے	اس سے جو	وہ کمائی کرتے ہیں

نوٹ۔1

گذشتہ آیت میں ان لوگوں کا ذکر تھا جو علم کو نظر انداز کرتے ہیں۔اس آیت میں علم وحی کے حامل افراد میں سے ایک مخصوص گروہ کا ذکر ہے۔یہ کردار آج بھی پایا جاتا ہے۔اور علم وحی کے حامل لوگوں کی اکثریت کا رویہ یہ ہے کہ یہ لوگ ریسرچ کے قائل نہیں ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ﴿ حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ﴾ (5/المآئدہ:104)''ہم کو کافی ہے وہ، ہم نے پایا جس پر، اپنے آباواجداد کو۔'' گیارہ سو سال پہلے کا مرتب کردہ درس نظامی کا سلیبس آج تک سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔

السلام وعلیکم رحمۃ اللہ وبرکاۃ

اللہ تعالیٰ ہم سب کی یہ سعی قبول فرمائے اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے۔جس جس نے بھی اس کارخیر میں مال، جان اور صلاحیتوں کو لگایا اللہ قبول ومنظور فرمائے

انجمن خدام القرآن فیصل آباد میں اس کے فوٹو کاپی بھی دستیاب ہیں اور محترم ڈاکٹر جہاں زیب صاحب کے اس کتاب میں اضافہ جات کے ساتھ مطالعہ قرآن حکیم کے نام سے دستیاب ہیں

رابطہ کے لئے: www.khuddam-ul-quran.com, info@khuddam-ul-quran.com

03217805614,0412437618,0412437781

قرآن اکیڈمی سعید کالونی نمبر 2 کینال روڈ فیصل آباد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

256

سورۃ البقرۃ (۲)

آیت نمبر (80)

﴿وَقَالُوۡا لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدَۃً ؕ قُلۡ اَتَّخَذۡتُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ عَہۡدًا فَلَنۡ یُّخۡلِفَ اللّٰہُ عَہۡدَہٗۤ اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۰﴾﴾

م س س

(ن-س) مَسَّا — چھونا۔ لاحق ہونا یعنی پہنچنا۔ ﴿وَ لَوۡ کُنۡتُ اَعۡلَمُ الۡغَیۡبَ لَاسۡتَکۡثَرۡتُ مِنَ الۡخَیۡرِ ۚۛ وَ مَا مَسَّنِیَ السُّوۡٓءُ ۚۛ﴾ (7/الاعراف:188) ''اور اگر میںؐ جانتا ہوتا غیب کو تو کثرت حاصل کرتا بھلائی میں سے اور نہ چھوتی یعنی نہ پہنچتی مجھ کو برائی۔''

مِسَاسَ — اسم فعل ہے۔ چھو۔ ﴿فَاِنَّ لَکَ فِی الۡحَیٰوۃِ اَنۡ تَقُوۡلَ لَا مِسَاسَ ۪﴾ (20/طٰہٰ:97) ''تو یقیناً تیرے لیے ہے یعنی تیری سزا ہے زندگی میں کہ تو کہے مت چھوؤ۔'' کا

مَسُّ — اسم ذات ہے۔ چھواہٹ۔ TOUCH۔ ﴿ذُوۡقُوۡا مَسَّ سَقَرَ ﴿۴۸﴾﴾ (54/القمر:48) ''تو لوگ چکھو دوزخ کی چھواہٹ یعنی دوزخ کی آنچ۔''

(تفاعل) تَمَاسَّا — ایک دوسرے کو چھونا۔ ﴿فَتَحۡرِیۡرُ رَقَبَۃٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّتَمَآسَّا ؕ﴾ (58/المجادلہ:3) ''تو آزاد کرنا ہے کسی گردن کا اس سے پہلے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو چھوئیں۔''

ترکیب

لَنۡ تَمَسَّنَا کا فاعل اَلنَّارُ ہے۔ اَیَّامًا ظرف ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے اور مَعۡدُوۡدَۃً اس کی صفت ہے۔ اَیَّامًا غیر عاقل کی جمع مکسر ہے اس لیے صفت واحد مؤنث آئی ہے۔ لیکن قرآن مجید میں تین مقامات پر جمع مؤنث مَعۡدُوۡدَات بھی آئی ہے۔ اَتَّخَذۡتُمۡ میں ہمزۂ استفہام ہے۔ یہ دراصل اَ اِتَّخَذۡتُمۡ تھا۔ افتعال کا ہمزۃ الوصل ما قبل سے ملا کر پڑھنے کے لیے صامت (SILENT) ہوا تو یہ اَ اتَّخَذۡتُمۡ بنا پھر ہمزۃ الوصل لکھنے میں بھی گر گیا۔

ترجمہ

وَقَالُوۡا	لَنۡ تَمَسَّنَا	النَّارُ	اِلَّاۤ	اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدَۃً ؕ
اور ان لوگوں نے کہا	ہرگز نہیں چھوئے گی ہم کو	آگ	مگر	گنے ہوئے چند دن

قُلۡ	اَتَّخَذۡتُمۡ	عِنۡدَ اللّٰہِ	عَہۡدًا	فَلَنۡ یُّخۡلِفَ اللّٰہُ
آپؐ کہیے	کیا تم لوگوں نے لیا	اللہ کے پاس	کوئی وعدہ	تو اللہ خلاف نہیں کرے گا

عَہۡدَہٗۤ	اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ	عَلَی اللّٰہِ	مَا	لَا تَعۡلَمُوۡنَ
اپنے وعدہ کے	یا تم لوگ کہتے ہو	اللہ پر	وہ جو	تم لوگ نہیں جانتے

نوٹ۔1

یہودیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اگر وہ دوزخ میں گئے بھی تو کچھ عرصہ بعد وہاں سے نکال کر ان کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ ان کے اس عقیدے کی اس آیت میں تردید کی گئی ہے اور اسے اللہ پر جھوٹ قرار دیا گیا ہے۔ عَلَى اللّٰهِ کا مطلب یہی ہے۔ دوسری طرف ہمارا بھی ہو بہو یہی عقیدہ ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر ہمارا عقیدہ درست ہے تو یہودیوں کا عقیدہ کیوں غلط ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے پہلے اپنا عقیدہ سمجھ لیں۔

ہمارے عقیدے کی اصل بنیاد احادیث ہیں۔ ان میں ایک طویل حدیث آیت نمبر۔(17 / بنی اسرائیل:79) کی تفسیر میں ابن کثیر میں منقول ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تین مرتبہ اجازت ملے گی اور ہر مرتبہ آپؐ اپنے کچھ امتیوں کو دوزخ سے نکال کر لائیں گے۔ تیسری مرتبہ نکالنے کے بعد فرمائیں گے کہ اب تو وہاں پر وہی لوگ رہ گئے ہیں جنہیں قرآن نے روک رکھا ہے۔

اس حدیث میں ہدایت و راہنمائی کے متعدد پہلو ہیں۔ لیکن دو پہلو ہمارے مسئلہ سے براہِ راست متعلق ہیں۔ اوّلاً یہ کہ ہمارا عقیدہ بے بنیاد نہیں ہے بلکہ درست ہے۔ ثانیاً یہ کہ تمام مسلمانوں کو یہ رعایت نہیں ملے گی بلکہ کچھ کو ملے گی۔ کچھ کو قرآن روک لے گا اور کچھ کسی اور وجہ سے ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

یہودیوں کے عقیدے کی سند کا ہمیں علم نہیں ہے۔ لیکن تورات یا موسیٰؑ کے قول میں اگر کوئی ایسی بات تھی تو وہ اس وقت تک کے لیے تھی جب تک شریعت موسوی نافذ تھی۔ اس کے بعد جن یہودیوں نے عیسیٰؑ کا انکار کیا تو وہ مسلمان نہیں رہے بلکہ کافر ہو گئے۔ اس لیے وہ مذکورہ رعایت کے مستحق نہیں رہے اور اب ان کا یہ عقیدہ باطل ہے۔

آیت نمبر (81۔82)

﴿بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـــَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿81﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿82﴾﴾

ترکیب

مَنْ شرطیہ ہے اور مبتداء ہے۔ كَسَبَ سَيِّئَةً جملہ فعلیہ خبر اوّل ہے۔ اَحَاطَتْ کا فاعل خَطِيْٓـــَٔتُهٗ ہے اور بِهٖ میں ہٖ کی ضمیر مَنْ کے لیے ہے۔ یہ جملہ فعلیہ مَنْ کی خبر ثانی ہے۔ یہاں تک بیان شرط ہے۔ اس کے آگے فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿81﴾ جواب شرط ہے جس میں دو جملہ اسمیہ ہیں۔ فَاُولٰٓئِكَ مبتداء اور اَصْحٰبُ النَّارِ خبر ہے۔ هُمْ مبتداء، خٰلِدُوْنَ خبر اور فِيْهَا متعلق خبر ہے۔ اس میں ھَا کی ضمیر اَلنَّار کے لیے ہے۔

ترجمہ

بَلٰى	مَنْ كَسَبَ	سَيِّئَةً	وَّ اَحَاطَتْ	بِهٖ	خَطِيْٓـــَٔتُهٗ
کیوں نہیں	جس نے کمائی	کوئی برائی	اور احاطہ کیا	اس کا	اس کی خطا نے

فَاُولٰٓئِكَ	اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ	هُمْ	فِيْهَا	خٰلِدُوْنَ	وَالَّذِيْنَ
تو وہ لوگ	آگ والے ہیں	وہ لوگ	اس میں	ہمیشہ رہنے والے ہیں	اور جو لوگ

اٰمَنُوْا	وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	اُولٰٓئِكَ	اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ	هُمْ	فِيْهَا
ایمان لائے	اور عمل کیے بھلے	وہ لوگ	جنت والے ہیں	وہ لوگ	اس میں

256
خٰلِدُوْنَ ؏
ہمیشہ رہنے والے ہیں

نوٹ۔1

سَیِّئَۃً کے متعلق مفسرین نے مختلف رائے دی ہے۔ ابن کثیرؒ نے ان کونقل کیا ہے۔ ابن عباسؓ کی رائے ہے کہ اس سے مراد کفر ہے۔ ابو ہریرہؓ کی رائے ہے کہ اس سے مراد شرک ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ اس سے مراد گناہِ کبیرہ ہے جس پر دوام ہو۔

نوٹ۔2

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ اور آخرت پر ایمان کے ساتھ نبیٔ وقت پر ایمان لائے۔ اور عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سے مراد وہ اعمال ہیں جو ایسے افراد نے اپنے نبی اور رسول کی شریعت کے مطابق کیے۔ واضح رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اگر کوئی اللہ پر، آخرت پر اور انبیاء ورسل پر ایمان رکھتا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت پر ایمان نہیں لاتا تو اس کا شمار وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا میں نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی اس کے نیک اعمال عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ شمار ہوں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خاتم النبیّٖن ہونے کی وجہ سے قیامت تک کے لیے آپؐ ہی نبیٔ وقت ہیں۔

آیت نمبر (2/ البقرہ:83)

﴿وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ ۟ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْکُمْ وَ اَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾﴾

ترکیب

اَخَذْنَا کا فاعل ضمیر نَحْنُ ہے۔ مِیْثَاقَ اس کا مفعول اوّل ہے اور بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ میں کلام منفی ہے اور مستثنٰی منہ مذکور نہیں ہے اس لیے لفظ اللہ کا اعراب جملہ کے مطابق ہے یعنی یہ تَعْبُدُوْنَ کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ (دیکھیں آیت: (2/ البقرہ:34) کا سبق)۔ بِالْوَالِدَیْنِ متعلق فعل مقدم ہے، فعل محذوف ہے اور اِحْسَانًا اس کا مفعول مطلق ہے۔ یہ سادہ جملہ اس طرح ہوتا وَاَحْسِنُوْا اِحْسَانًا بِالْوَالِدَیْنِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی، اور وَ الْمَسٰکِیْنِ، یہ سب بِالْوَالِدَیْنِ کی بِ پر عطف ہیں اس لیے حالتِ جرّ میں ہیں۔ قُوْلُوْا فعل امر ہے، لِلنَّاسِ متعلق فعل ہے جبکہ حُسْنًا اسم ذات ہے اور قُوْلُوْا کا مفعول ہے۔ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْکُمْ میں کلام مثبت ہے اس لیے مستثنٰی قَلِیْلًا نصب میں آیا ہے۔

ترجمہ

اِلَّا	لَا تَعْبُدُوْنَ 256	بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	مِيْثَاقَ	وَاِذْ اَخَذْنَا
مگر	تم لوگ بندگی نہیں کرو گے	بنو اسرائیل سے	پختہ عہد	اور جب ہم نے لیا

وَّذِي الْقُرْبٰى	اِحْسَانًا	وَبِالْوَالِدَيْنِ	اللّٰهَ قف
اور قرابت داروں سے	حسنِ سلوک کرو جیسا احسان کا حق ہے	اور والدین سے	اللہ کی

حُسْنًا	لِلنَّاسِ	وَقُوْلُوْا	وَالْمَسٰكِيْنِ	وَالْيَتٰمٰى
بھلائی کی	لوگوں سے	اور تم لوگ بات کرو	اور مسکینوں سے	اور یتیموں سے

اِلَّا	ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ	الزَّكٰوةَ ط	وَاٰتُوا	الصَّلٰوةَ	وَّ اَقِيْمُوا
سوائے	پھر تم لوگوں نے منہ موڑا	زکوٰۃ کو	اور پہنچاؤ	نماز کو	اور قائم کرو

مُّعْرِضُوْنَ	وَاَنْتُمْ	قَلِيْلًا مِّنْكُمْ
منہ موڑنے والے ہو	اور تم لوگ	تم میں سے چند کے

نوٹ۔1

تَوَلّٰی اور اَعْرَضَ تقریباً ہم معنی ہیں کیونکہ دونوں میں اعراض کرنے اور منہ موڑنے کا مفہوم ہے۔ اس کے باوجود اس آیت میں ان دونوں الفاظ کا ایک ساتھ استعمال بلا وجہ نہیں ہے۔ تَوَلَّيْتُمْ فعل ہے اور اس میں نظر انداز کرنے کے عمل کی طرف اشارہ ہے۔ جبکہ مُّعْرِضُوْنَ اسم الفاعل ہے اور اس میں نظر انداز کرنے کی عادت کی طرف اشارہ ہے۔

آیت نمبر (2/البقرہ: 84)

﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَ اَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿٨٤﴾﴾

د و ر

(ن)

دَوْرًا: چکر کھانا۔ گھومنا۔ گھیرنا۔ ﴿يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ﴾ (33/الاحزاب: 19) ''وہ لوگ دیکھتے ہیں تمہاری طرف، گھومتی ہیں ان کی آنکھیں۔''

دَارٌ: ج دِيَارٌ۔ کسی چیز سے گھری ہوئی جگہ۔ گھر۔ ﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ط﴾ (10/یونس: 25) ''اور اللہ دعوت دیتا ہے سلامتی کے گھر کی طرف۔'' ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا﴾ (8/الانفال: 47) ''اور تم لوگ مت ہونا ان کے مانند جو نکلے اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے۔''

دَيَّارٌ: یہ فَعَّالٌ کا نہیں بلکہ فَيْعَالٌ کا وزن ہے۔ رہنے والا۔ بسنے والا۔ ﴿رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿٢٦﴾﴾ (71/نوح: 26) ''اے میرے رب! تو مت چھوڑ زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا۔''

دَائِرَۃٌ — ج دَوَائِرُ۔ مؤنث اسم الفاعل فَاعِلَۃٌ کا وزن ہے۔ گھومنے والی۔ گھیرنے والی۔ اس سے مراد ہے گردشِ زمانہ۔ آفت۔ ﴿ نَخۡشٰۤى اَنۡ تُصِيۡبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ﴾ (5/المآئدہ:52) ''ہم ڈرتے ہیں کہ ہم کو آ لگے کوئی زمانے کی گردش۔'' ﴿ وَيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ﴾ (9/التوبہ:98) ''اور وہ انتظار کرتا ہے تمہارے لیے زمانے کی گردشوں کا۔''

256

(افعال) اِدَارَۃٌ — گھمانا۔ گردش دینا۔ ﴿ اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيۡرُوۡنَهَا بَيۡنَكُمۡ ﴾ (2/البقرہ:282) ''سوائے اس کے کہ وہ ہو کوئی حاضر سودا تم لوگ گھماتے ہو جس کو آپس میں۔''

ترجمہ

وَاِذۡ اَخَذۡنَا	مِيۡثَاقَكُمۡ	لَا تَسۡفِكُوۡنَ	دِمَآءَكُمۡ
اور جب ہم نے لیا	تم لوگوں سے پختہ عہد	تم لوگ نہیں بہاؤ گے	اپنوں کے خون

وَلَا تُخۡرِجُوۡنَ	اَنۡفُسَكُمۡ	مِّنۡ دِيَارِكُمۡ	ثُمَّ اَقۡرَرۡتُمۡ
اور تم لوگ نہیں نکالو گے	اپنوں کو	اپنے گھروں سے	پھر تم نے اقرار کیا

وَ	اَنۡتُمۡ	تَشۡهَدُوۡنَ
اس حال میں کہ	تم لوگ	گواہی دیتے ہو یعنی اب بھی مانتے ہو

آیت نمبر (2/البقرہ:85)

﴿ ثُمَّ اَنۡتُمۡ هٰٓؤُلَآءِ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ وَتُخۡرِجُوۡنَ فَرِيۡقًا مِّنۡكُمۡ مِّنۡ دِيَارِهِمۡ ۡ تَظٰهَرُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ بِالۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ ؕ وَاِنۡ يَّاۡتُوۡكُمۡ اُسٰرٰى تُفٰدُوۡهُمۡ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيۡكُمۡ اِخۡرَاجُهُمۡ ؕ اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡكِتٰبِ وَتَكۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنۡ يَّفۡعَلُ ذٰلِكَ مِنۡكُمۡ اِلَّا خِزۡىٌ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يُرَدُّوۡنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الۡعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸۵﴾ ﴾

ظ ھ ر

(ف) ظُهُوۡرًا — کسی چیز کا نمایاں ہونا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) ظاہر ہونا۔ ﴿ ظَهَرَ الۡفَسَادُ فِى الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ ﴾ (30/الروم:41) ''ظاہر ہوا فساد خشکی میں اور تری میں۔'' (۲) چڑھنا۔ ﴿ فَمَا اسۡطَاعُوۡۤا اَنۡ يَّظۡهَرُوۡهُ ﴾ (18/الکھف:97) ''تو ان کو طاقت نہیں کہ وہ چڑھیں اس پر۔'' (۳) غالب ہونا۔ ﴿ وَاِنۡ يَّظۡهَرُوۡا عَلَيۡكُمۡ لَا يَرۡقُبُوۡا فِيۡكُمۡ اِلًّا ﴾ (9/التوبہ:8) ''اور اگر وہ غالب ہوں تم پر تو لحاظ نہ کریں تم میں قرابت کا۔'' (۴) کسی بات پر غالب ہونا یعنی کسی راز کو جان لینا۔ ﴿ اِنَّهُمۡ اِنۡ يَّظۡهَرُوۡا عَلَيۡكُمۡ يَرۡجُمُوۡكُمۡ ﴾ (18/الکھف:20) ''اور اگر انہوں نے پہچان لیا تم کو تو وہ رجم کر دیں گے تم کو۔''

ظَهۡرٌ — ج ظُهُوۡرٌ۔ اسم ذات ہے۔ کسی چیز کا پچھلا حصہ۔ پیٹھ۔ ﴿ وَلَوۡ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوۡا مَا

تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ ﴾ (35/ فاطر:45) ''اور اگر پکڑتا اللہ لوگوں کو بسبب اس کے جو انہوں نے کمائی کی تو نہ چھوڑتا اس کی یعنی زمین کی پشت پر کوئی بھی چلنے والا۔'' ﴿ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ۭ ﴾ (6/ الانعام:31) ''اور وہ لوگ اٹھاتے ہیں اپنے بوجھ اپنی پیٹھوں پر۔''

ظَاهِرٌ فَاعِلٌ کا وزن ہے یعنی ظاہر ہونے والا۔ پھر کسی چیز کے ظاہر حصہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ښ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝ ﴾ (30/ الروم:7) ''وہ لوگ جانتے ہیں ظاہر کو دنیوی زندگی میں سے اور وہ لوگ آخرت سے ہی غفلت برتنے والے ہیں۔''

ظَهِيْرٌ فَعِيْلٌ کا وزن ہے یعنی ہمیشہ اور ہر حال میں ظاہر ہونے والا پھر مددگار کے معنی میں آتا ہے۔ ﴿ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾ (28/ القصص:86) ''تو ہرگز مت ہونا مددگار کافروں کے لیے۔''

ظَهِيْرَةٌ دوپہر (جب سورج خوب نمایاں ہوتا ہے) ﴿ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ ﴾ (24/ النور:58) ''اور جس وقت تم لوگ رکھتے ہو (اتار کے) اپنے کپڑے دوپہر میں۔''

(افعال) **اِظْهَارًا** (۱) ظاہر کرنا۔ ﴿ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ۝ ﴾ (40/ مومن:26) ''کہ وہ ظاہر کرے زمین میں فساد کو۔'' (۲) غالب کرنا۔ ﴿ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ ﴾ (9/ التوبۃ:33) ''تاکہ وہ غالب کرے اس کو دین پر کل کا کل۔'' (۳) کسی کو راز بتانا۔ ﴿ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ ﴾ (72/ الجن:26) ''تو وہ مطلع نہیں کرتا اپنے غیب پر کسی ایک کو۔'' (۴) دوپہر میں داخل ہونا۔ ﴿ وَحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ۝ ﴾ (30/ الروم:18) ''اور جس وقت تم لوگ دوپہر میں داخل ہوتے ہو یعنی جب دوپہر ہو جائے۔''

(مفاعلہ) **مُظَاهَرَةً اور ظِهَارًا** (۱) کسی کے خلاف آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنا۔ ﴿ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓي اِخْرَاجِكُمْ ﴾ (60/ الممتحنۃ:9) ''اور انہوں نے ایک دوسرے کی مدد کی تم لوگوں کو نکالنے پر۔'' (۲) کسی کے خلاف کسی دوسرے کی مدد کرنا۔ ﴿ وَلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا ﴾ (9/ التوبۃ:4) ''اور نہ انہوں نے مدد کی تمہارے خلاف کسی ایک کی۔'' (۳) ظِهَار کرنا یعنی اپنی بیویوں میں سے کسی کو ماں کے برابر کہہ دینا۔ (یہ زمانہ جاہلیت کی ایک رسم تھی)۔ ﴿ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـئِْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ ﴾ (33/ الاحزاب:4) ''اور اس نے یعنی الہ نے نہیں بنایا تمہاری بیویوں کو جن سے تم لوگ ظہار کرتے ہو ان میں سے، تمہاری مائیں۔''

(تفاعل) **تَظَاهُرًا** (۱) ایک دوسرے کا مددگار رہنا۔ ﴿ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ﴾ (28/ القصص:48) ''انہوں نے کہا دونوں جادو ہیں، دونوں ایک دوسرے کے مددگار رہوئے۔'' (۲) باہم مل کر کسی پر چڑھائی کرنا۔ ﴿ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ ﴾ (66/ التحریم:4) ''اور اگر تم دونوں نے مل کر ان ﷺ پر چڑھائی کی تو یقیناً اللہ تو ان کا ہی مددگار ہے۔''

ء ث م

(س) **اَثِمَ** اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنا۔ غلط کام کرنا۔ گناہ کرنا۔

اٰثِمٌ فَاعِلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ گناہ کرنے والا۔ گنہگار۔ ﴿ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ۝ ﴾ (5/ المائدہ:106) ''یقیناً ہم تب تو گناہ کرنے والوں میں سے ہیں۔''

اَثِيْمٌ فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ گناہ کرنے والا۔ ہمیشہ اور ہر حال میں گنہگار۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ

مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴿۱۰۷﴾ (4/النساء:107) ''بے شک اللہ محبت نہیں کرتا اس سے جو ہو بڑا خائن اور بہت گنہگار۔''
256

اِثْمٌ: اسم ذات ہے۔ غلط کام۔ گناہ۔ ﴿وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾ (2/البقرہ:219) ''اور ان دونوں کا گناہ زیادہ بڑا ہے ان کے نفع سے۔''

اَثَامٌ: اسم ذات ہے۔ گناہ کی سزا۔ ﴿وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾﴾ (25/الفرقان:68) ''اور جو یہ کرے گا تو وہ ملے گا سزا سے۔''

(تفعیل) **تَاْثِيْمًا**: کسی کو خطا کار کہنا۔ گناہ کا الزام لگانا۔ ﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿۲۵﴾﴾ (56/الواقعہ:25) ''وہ لوگ نہیں سنیں گے اس میں کوئی بیکار بات اور نہ ہی الزام تراشی کرنا۔''

ء س ر

(ض) **اَسْرًا**: کسی کو کسی چیز سے باندھ دینا۔ قیدی بنانا۔ ﴿وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾﴾ (33/الاحزاب:26) ''اور اس نے ڈالا ان کے دلوں میں رعب تو کسی فریق کو تم لوگ قتل کرتے ہو اور قیدی بناتے ہو کسی فریق کو۔''

اَسْرٌ: اسم ذات ہے۔ بندش۔ ﴿نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ﴾ (76/الدھر:28) ''ہم نے پیدا کیا ان کو اور ہم نے شدید کیا ان کی بندش کو۔''

اَسِيْرٌ: ج اُسٰرٰی اور اَسْرٰی۔ فَعِيْلٌ کا وزن ہے اسم المفعول کے معنی میں۔ باندھا ہوا، جکڑا ہوا یعنی قیدی۔ ﴿وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ﴿۸﴾﴾ (76/الدھر:8) ''اور وہ لوگ کھلاتے ہیں کھانا، اس کی محبت کے باوجود، مسکین کو اور یتیم کو اور قیدی کو۔'' ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى﴾ (8/الانفال:67) ''نہیں ہے کسی نبی کے لیے کہ ہوں اس کے لیے کچھ قیدی۔''

ف د ی

(ض) **فِدَاءً**: بدلے میں کچھ لے کر کسی کو کسی مشکل سے نجات دینا یا چھوڑنا۔ ﴿وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۷﴾﴾ (37/الصافات:107) ''اور ہم نے مشکل میں سے نکالا اس کو ایک عظیم ذبیحہ کے بدلے۔'' ﴿فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً﴾ (47/محمد:4) ''پس یا تو احسان کرنا ہے اس کے بعد یا بدلے میں کچھ لے کر چھوڑنا ہے۔''

فِدْيَةٌ: اسم ذات ہے۔ چھڑانے کی لیے جو چیز دی جائے۔ فدیہ۔ ﴿فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ﴾ (57/الحدید:15) ''تو آج نہیں لی جائے گی تم لوگوں سے بدلے میں کوئی چیز۔''

(مفاعلہ) **مُفَادَاةٌ**: کسی کو بدلے میں کچھ دے کر کسی کو چھڑانا۔ آیت زیر مطالعہ۔

(افتعال) **اِفْتِدَاءً**: بدلے میں کچھ دے کر خود کو چھڑانا۔ ﴿لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ﴾ (13/الرعد:18) ''اگر ہوتا ان کے لیے جو زمین میں ہے سب کا سب اور اس جیسا ان کے ساتھ، تو ضرور خود کو چھڑاتے اسے دے کر۔''

ح ر م

(ض) **حِرْمًا**: (۱) منع کرنا۔ روکنا (کسی چیز کے ناپسندیدہ یا نقصان دِہ ہونے کی وجہ سے اس کے استعمال کو)۔
(۲) منع کرنا۔ روکنا (کسی چیز کی عظمت اور بزرگی کی وجہ سے اس کی بے ادبی کو)۔

مَحْرُوْمٌ: اسم المفعول ہے۔ جس کو روکا گیا۔ روکا ہوا۔ منع کیا ہوا۔ ﴿فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿۲۴﴾ لِّلسَّآئِلِ

وَالْمَحْرُوْمِ ﴿ (70/المعارج:25)''ان کے اموال میں ایک معلوم حق ہے مانگنے والوں کے لیے اور محروم کے لیے۔''
256

حَرَامٌ: صفت ہے۔ ممنوع۔ حرام (استعمال سے منع کیا ہوا اور بے ادبی سے منع کیا ہوا، دونوں کے لیے حرام کا لفظ آتا ہے)۔﴿ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ ﴾(16/النحل:116)''یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔'' ﴿ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾ (2/البقرہ:144)''تو آپؐ پھیر دیں اپنے چہرے کو مسجد حرام کی طرف۔''

حَرَمٌ: ج حُرُمٌ۔ حُرُمَاتٌ۔ اسم ذات ہے۔ وہ چیز جس کے استعمال یا بے ادبی سے روکا گیا۔﴿ اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ يُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ﴾ (29/العنکبوت:67)''کہ ہم نے بنایا ایک امن والی ممنوع جگہ حالانکہ اُچک لیے جاتے ہیں لوگ ان کے اردگرد سے۔''﴿ لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ ﴾ (5/المآئدہ:95)''تم لوگ قتل مت کرو شکار کو اس حال میں کہ تم لوگ ممنوعہ چیزوں یعنی احرام میں ہو۔''﴿ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ﴾ (9/التوبہ:36)''ان میں سے چار محترم ہیں۔''﴿ وَ مَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ﴾(22/الحج:30)''اور جو تعظیم کرتا ہے اللہ کی حرمتوں کی تو وہ خیر ہے اس کے لیے۔''

(تفعیل) تَحْرِيْمًا: حرام کرنا۔ حرام قرار دینا۔﴿ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ ﴾(5/المآئدہ:72) ''بے شک وہ جس نے شریک کیا اللہ کے ساتھ تو حرام کیا ہے اللہ نے اس پر جنت کو۔''

مُحَرَّمٌ: اسم المفعول ہے۔ حرام کیا ہوا۔﴿ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ﴾(5/المآئدہ:26)''تو اسے یعنی بستی کو حرام کیا گیا ہے ان پر چالیس سال تک۔''

خ ز ی

(س) خِزْيٌ اور خِزْيًا: رسوا ہونا۔ بدنام ہونا۔﴿ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَ نَخْزٰى ﴾ (20/طٰہٰ:134)''اس سے پہلے کہ ہم ذلیل ہوتے اور رسوا ہوتے۔''

اَخْزٰى: اَفْعَلُ التَّفْضِيل ہے۔ زیادہ یا سب سے زیادہ رسوائی والا۔﴿ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى ﴾ (41/السجدہ:16)''اور یقیناً آخرت کا عذاب سب سے زیادہ رسوائی والا ہے۔''

خِزْيٌ: اسم ذات ہے۔ رسوائی۔ بدنامی۔﴿ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ﴾(2/البقرہ:114)''ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے۔''

(افعال) اِخْزَاءً: رسوا کرنا۔﴿ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ ﴾(16/النحل:27)''پھر قیامت کے دن وہ رسوا کرے گا ان کو۔''

مُخْزِي: اسم الفاعل ہے۔ رسوا کرنے والا۔﴿ وَ اَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ﴾ (9/التوبہ:2)''اور یہ کہ اللہ رسوا کرنے والا ہے کافروں کو۔''

ر د د

(ن) رَدًّا: کسی چیز کو واپس کر دینا۔ لوٹانا۔ پھیرنا۔﴿ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ ﴾(28/القصص:13)''تو ہم نے لوٹایا ان کو یعنی موسیٰؑ کو ان کی والدہ کی طرف۔''

رُدُّ: فعل امر ہے۔ تو لوٹا۔﴿ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ﴾ (4/النساء:59)''پس اگر تم لوگ تنازع کرو کسی چیز میں تو تم لوگ لوٹاؤ اس کو اللہ اور ان رسولؐ کی طرف۔''

256

رَادٌّ فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔لوٹانے والا۔﴿وَ اِنۡ یُّرِدۡكَ بِخَیۡرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضۡلِهٖ﴾ (10/یونس:107)''اور اگر وہ یعنی اللہ ارادہ کرے تیرے لیے کسی خیر کا تو کوئی لوٹانے والا نہیں ہے اس کے فضل کو۔''

مَرۡدُوۡدٌ اسم المفعول ہے۔لوٹایا ہوا۔واپس کیا ہوا۔﴿ءَ اِنَّا لَمَرۡدُوۡدُوۡنَ فِی الۡحَافِرَةِ﴾(79/النّٰزعٰت:10) ''کیا ہم لوگ لوٹائے جانے والے ہیں قبر میں سے۔''

مَرَدٌّ اسم الظرف ہے۔لوٹانے کی جگہ۔﴿وَ اِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوۡمٍ سُوۡٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ﴾ (13/الرعد:11) ''اور جب کبھی اللہ ارادہ کرے کسی قوم کے لیے کسی برائی یعنی عذاب کا تو لوٹانے کی کوئی جگہ یعنی امکان نہیں ہے اس کو۔''

(تفعّل) **تَرَدُّدًا** لوٹنے کی کوشش کرنا مگر نا کام رہنا۔کسی معاملہ میں شک وشبہہ میں پڑنا۔ڈانواں ڈول ہونا۔﴿فَهُمۡ فِیۡ رَیۡبِهِمۡ یَتَرَدَّدُوۡنَ﴾ (9/التوبہ:45)''تو وہ لوگ اپنے شک میں ڈانواں ڈول رہتے ہیں۔''

(افتعال) **اِرۡتِدَادًا** اہتمام سے واپس ہونا۔لوٹنا۔پھرنا۔﴿فَارۡتَدَّا عَلٰۤی اٰثَارِهِمَا﴾(18/الکھف:64)''تو وہ دونوں لوٹے اپنے نقشِ قدم پر۔''

ش د د

(ن) **شَدًّا** سخت کرنا۔مضبوط کرنا۔﴿وَ شَدَدۡنَا مُلۡكَهٗ﴾ (38/صٓ:20)''اور ہم نے مضبوط کیا اس کے ملک کو یعنی سلطنت کو۔''

شُدَّ اور اُشۡدُدۡ دونوں فعل امر ہیں۔تو سخت کر۔تو مضبوط کر۔﴿فَشُدُّوا الۡوَثَاقَ﴾(47/محمد:4)''تو تم لوگ مضبوط کرو جکڑنے کو۔''﴿وَ اشۡدُدۡ عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ﴾ (10/یونس:88)''اور تو سخت کر دے ان کے دلوں کو۔''

اَشَدُّ اَفۡعَلُ التّفضیل ہے۔زیادہ سخت۔﴿وَ الۡفِتۡنَةُ اَشَدُّ مِنَ الۡقَتۡلِ﴾ (2/البقرہ:191)''اور فتنہ زیادہ سخت ہے قتل سے۔''

اَشُدٌّ اسم ذات ہے۔مضبوطی۔سختی۔﴿حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ بَلَغَ اَرۡبَعِیۡنَ سَنَةً﴾ (46/الاحقاف:15) ''یہاں تک کہ جب وہ پہنچے اپنی پختگی کو اور پہنچے چالیس سال کو۔''

شَدِیۡدٌ ج اَشِدَّآءُ اور شِدَادٌ ۔فَعِیۡلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ہمیشہ اور ہر حال میں سخت۔﴿وَ فِی الۡاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ ۙ وَّ مَغۡفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ﴾ (57/الحدید:20)''اور آخرت میں ایک شدید عذاب ہے اور ایک مغفرت ہے اللہ کی طرف سے۔''﴿اَشِدَّآءُ عَلَی الۡكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ﴾ (48/الفتح:29) ''سخت ہیں کافروں پر اور نرم ہیں آپس میں۔'' ﴿ثُمَّ یَاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ سَبۡعٌ شِدَادٌ﴾ (12/یوسف:48)''پھر آئیں گے اس کے بعد سات شدید یعنی سات سختی والے سال۔''

(افتعال) **اِشۡتِدَادًا** اہتمام سے سخت ہونا۔مضبوط ہونا۔﴿اَعۡمَالُهُمۡ كَرَمَادِ اِشۡتَدَّتۡ بِهِ الرِّیۡحُ فِیۡ یَوۡمٍ عَاصِفٍ﴾ (14/ابراہیم:18)''ان کے اعمال راکھ کی مانند ہیں، سخت ہوئی جس پر ہوا آندھی کے دن میں۔''

ترکیب

اَنْتُمْ مبتداء اور هٰٓؤُلَاۤءِ اس کی خبر ہے جبکہ تَقْتُلُوْنَ، تُخْرِجُوْنَ اور تَظٰهَرُوْنَ سے شروع ہونے والے تینوں[256] جملہ فعلیہ متعلق خبر ہیں اور اَنْتُمْ کا حال ہیں۔ تَظٰهَرُوْنَ باب تفاعل ہے اور اصل میں تَتَظٰهَرُوْنَ تھا۔ وَالْعُدْوَانِ میں حرف جارہ بِ محذوف ہے اس لیے یہ حالتِ جرّ میں ہے۔ یَاْتُوْا کا فاعل اس میں شامل هُمْ کی ضمیر ہے۔ اور كُمْ مفعول ہے جبکہ اُسٰرٰی ضمیر فاعلی هُمْ کا حال ہے۔ یَاْتُوْكُمْ اُسٰرٰی شرط ہے اور تُفٰدُوْهُمْ جواب شرط ہے۔ وَهُوَ مُحَرَّمٌ میں هُوَ ضمیر الشّان ہے، مُحَرَّمٌ اسم المفعول اور خبر مقدم ہے، عَلَيْكُمْ متعلق خبر ہے اور اِخْرَاجُهُمْ مبتداء مؤخر ہے۔ فَمَا جَزَاۤءُ مَنْ میں مَا کو نافیہ بھی مانا جا سکتا ہے اور استفہامیہ بھی۔ ترجمے میں فرق پڑے گا۔ مَا کو نافیہ مانیں تو ترجمہ ہوگا ''نہیں ہے بدلہ اس کا جو......'' اگر استفہامیہ مانیں تو ترجمہ ہوگا ''کیا ہی بدلہ اس کا جو......'' دونوں ترجمے درست ہیں لیکن اس سے اصل مفہوم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یَوْمَ الْقِيٰمَةِ میں یَوْمَ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اَشَدِّ الْعَذَاب مرکب اضافی ہے اس لیے اَشَدِّ یہاں پر تفضیل کل SUPERLATIVE DEGREE ہے۔

ترجمہ

ثُمَّ اَنْتُمْ	هٰٓؤُلَاۤءِ	تَقْتُلُوْنَ	اَنْفُسَكُمْ	وَتُخْرِجُوْنَ	فَرِيْقًا
پھر تم	وہ لوگ ہو	کہ قتل کرتے ہو	اپنوں کو	اور نکالتے ہو	ایک فریق کو

مِّنْكُمْ	مِّنْ دِيَارِهِمْ ۡ	تَظٰهَرُوْنَ	عَلَيْهِمْ	بِالْاِثْمِ
اپنوں میں سے	ان کے گھروں سے	باہم مل کر چڑھائی کرتے ہو	ان پر	گناہ سے

وَالْعُدْوَانِ ؕ	وَاِنْ	يَّاْتُوْكُمْ	اُسٰرٰی
اور دشمنی سے	اور اگر	وہ لوگ آتے ہیں تمہارے پاس	قیدی ہو کر

تُفٰدُوْهُمْ	وَهُوَ	مُحَرَّمٌ	عَلَيْكُمْ
تو تم لوگ بدلہ دے کر چھڑاتے ہو ان کو	اور بات یہ ہے کہ	حرام کیا گیا ہے	تم لوگوں پر

اِخْرَاجُهُمْ ؕ	اَفَتُؤْمِنُوْنَ	بِبَعْضِ الْكِتٰبِ	وَتَكْفُرُوْنَ
ان کا نکالنا	تو کیا تم لوگ ایمان لاتے ہو	کتاب کے ایک حصے پر	اور انکار کرتے ہو

بِبَعْضٍ ۚ	فَمَا جَزَاۤءُ مَنْ	يَّفْعَلُ ذٰلِكَ	مِنْكُمْ	اِلَّا
ایک حصے کا	تو کیا ہے بدلہ اس کا جو	کرتا ہے یہ	تم میں سے	سوائے اس کے کہ

خِزْيٌ	فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ	وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ	يُرَدُّوْنَ
رسوائی ہے	دنیوی زندگی میں	اور قیامت کے دن	وہ لوگ لوٹائے جائیں گے

اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ	وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ	عَمَّا	تَعْمَلُوْنَ
سخت ترین عذاب کی طرف	اور اللہ غافل نہیں ہے	اس سے جو	تم لوگ کرتے ہو

256

نوٹ۔1

اوپر ترکیب میں ضمیر الشّان کا ذکر آیا ہے۔ یہاں اسے سمجھ لیں۔ بعض اوقات جملہ کے شروع میں ایک ضمیر لائی جاتی ہے جس کا کوئی مَرْجِع نہیں ہوتا۔ یعنی اس سے پیشتر کوئی ایسا لفظ مذکور نہیں ہوتا جس کی طرف یہ ضمیر اشارہ کرے۔ اس ضمن میں خاص بات یہ نوٹ کر لیں کہ یہ صرف واحد مذکر یا واحد مؤنث کی ضمیر ہوتی ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے ''حقیقت تو یہ ہے کہ''، ''سچی بات تو یہ ہے کہ''۔ جیسے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (آپؐ کہیے! حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ یکتا ہے)۔ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ (پس بے شک سچی بات تو یہی ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں''۔ ضمیر الشّان کا اُردو مفہوم ذرا طویل ہے اس لیے قرآن مجید کے ترجموں میں اکثر اسے نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

نوٹ۔2

اس آیت میں تورات کے بجائے کتاب کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ تورات پر جزوی عمل کرنا جیسا جُرم تھا، قرآن پر جزوی عمل کرنا بھی ویسا ہی جرم ہے۔

نوٹ۔3

اس آیت میں تورات پر جس جزوی عمل کی طرف اشارہ ہے اسے سمجھ لیں۔ تورات میں حکم تھا کہ بنو اسرائیل کا کوئی فرد اگر کسی مشکل میں پھنس جائے تو اسے اس مصیبت سے نکالنا پوری قوم کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ چنانچہ کوئی یہودی جب کسی دوسری قوم کا قیدی ہو جاتا تھا تو تورات کے اس حکم کا حوالہ دے کر چندہ کرتے اور فدیہ دے کر اسے چھڑاتے تھے۔ یعنی تورات کے اس حکم پر عمل کرتے تھے۔ لیکن تورات میں ہی یہ حکم بھی تھا کہ آپس میں خون خرابہ نہ کریں اور ایک دوسرے کو جلاوطن نہ کریں۔ وہ لوگ اس حکم پر عمل نہیں کرتے تھے۔

آیت نمبر (2/البقرہ: 86)

﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۡ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴾

خ ف ف

(ض) خَفًّا: (۱) ہلکا ہونا۔ ﴿ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴾ (7/الاعراف: 9) ''پس وہ، ہلکے ہوئے جن کے ترازو۔'' (۲) کم عقل ہونا۔ قرآن مجید میں اس معنی میں ثلاثی مجرد سے فعل استعمال نہیں ہوا۔''

خَفِيْفٌ: ج خِفَافٌ۔ فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ ہلکا ﴿ حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ﴾ (7/الاعراف: 189) ''اس نے اٹھایا ایک ہلکا بوجھ تو وہ چلی اس کے ساتھ۔'' ﴿ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا ﴾ (9/التوبہ: 41) ''تو لوگ کوچ کرو ہلکے ہوتے ہوئے یا بھاری ہوتے ہوئے۔''

(تفعیل) تَخْفِيْفًا: ہلکا کرنا۔ ﴿ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴾ (40/مومن: 49) ''تم لوگ پکارو اپنے رب کو کہ وہ کم کرے ہم سے کسی دن عذاب کو۔''

(استفعال) اِسْتِخْفَافًا: (۱) کسی کو ہلکا سمجھنا۔ ﴿ وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴾ (30/الروم: 60) ''اور ہرگز ہلکا نہ سمجھیں تم کو وہ لوگ جو یقین نہیں رکھتے۔'' (۲) کسی کو کم عقل کرنا۔ مت مار دینا۔ ﴿ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ﴾ (43/الزخرف: 54) ''پس اس نے مت ماردی اپنی قوم کی تو انہوں نے اطاعت کی اس کی۔''

ترکیب

اِشْتَرَوُا دراصل اِشْتَرَوْا تھا۔ اسے آگے ملانے کے لیے واؤ پر ضمہ دی گئی ہے۔ اَلْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا بنفسہٖ مفعول ہے۔ اس لیے یہ وہ چیز ہے جو خریدی گئی۔ اَلْاٰخِرَۃِ پر بِ کا صلہ آیا ہے اس لیے یہ وہ قیمت ہے جو ادا کی گئی۔ یُخَفَّفُ باب تفعیل کا مضارع مجہول ہے اور اَلْعَذَابُ اس کا نائب الفاعل ہونے کی وجہ سے رفع میں ہے۔ لَا یُنْصَرُوْنَ بھی مضارع مجہول ہے اور یہ ھُمْ کی خبر ہے۔

ترجمہ

اُولٰٓئِكَ	الَّذِیْنَ	اشْتَرَوُا	الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا	بِالْاٰخِرَۃِ
یہ وہ لوگ ہیں	جنہوں نے	خریدا	دنیوی زندگی کو	آخرت کے بدلے

فَلَا یُخَفَّفُ	عَنْھُمُ	الْعَذَابُ	وَلَا ھُمْ	یُنْصَرُوْنَ
تو کم نہیں کیا جائے گا	ان سے	عذاب کو	اور نہ ہی وہ لوگ	مدد دیئے جائیں گے

آیت نمبر (2/البقرہ:87)

﴿وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ وَقَفَّیْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۫ وَاٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤی اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِیْقًا كَذَّبْتُمْ ۫ وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾﴾

ق ف و

(ن) قَفْوًا: کسی کا پیچھا کرنا۔ پیچھے پڑنا۔

لَا تَقْفُ: فعل نہی ہے۔ تو پیچھے مت پڑ۔ ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ﴾ (17/بنی اسرائیل:36) ''اور تو پیچھے مت پڑ اس کے جس کا تجھ کو کوئی علم نہیں ہے۔''

(تفعیل) تَقْفِیَۃً: کسی کو کسی کے پیچھے لگانا۔ کسی کے پیچھے بھیجنا۔ ﴿ثُمَّ قَفَّیْنَا عَلٰۤی اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا﴾ (57/الحدید:27) ''پھر ہم نے بھیجا ان کے پیچھے اپنے رسولوں کو۔''

ر س ل

(س) رَسَلًا: نرمی سے چلنا۔ کسی کام کے لیے، زیادہ تر پیغام دینے کے لیے روانہ ہونا۔

رَسُوْلٌ: ج رُسُلٌ۔ فَعُوْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ روانہ ہونے والا۔ پیغامبر۔ (یہ لفظ عام ہے۔ انبیاء کرام، فرشتوں اور عام انسانوں، سب کے لیے قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے)۔ ﴿وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ﴾ (2/البقرہ:101) ''اور جب آیا ان کے پاس کوئی تصدیق کرنے والا پیغامبر اللہ کے پاس سے اس کی جو ان کے پاس ہے۔'' ﴿وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰی﴾ (11/ھود:69) ''اور یقینا آئے ہمارے پیغامبر یعنی فرشتے ابراہیمؑ کے پاس بشارت کے ساتھ۔'' ﴿فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ﴾ (12/یوسف:50) ''تو جب آیا ان کے یعنی یوسفؑ کے پاس وہ پیغامبر، تو انہوںؑ نے کہا تو واپس جا اپنے رب یعنی فرعون کی طرف۔''

رِسَالَۃٌ: ج رِسَالَاتٌ۔ اسم ذات ہے۔ پیغام۔ ﴿ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُکُمْ رِسَالَۃَ رَبِّیْ ﴾ 256 (7/الاعراف:79) ''اے میری قوم! میں نے پہنچا دیا ہے تم لوگوں کو اپنے رب کا پیغام۔'' ﴿ اُبَلِّغُکُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ ﴾ (7/الاعراف:68) ''میں پہنچاتا ہوں تم لوگوں کو اپنے رب کے پیغامات۔''

(افعال) اِرْسَالًا: کسی کام کے لیے یا پیغام پہنچانے کے لیے کسی کو روانہ کرنا۔ بھیجنا۔ ﴿ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ﴾ (26/الشعراء:53) ''تو بھیجا فرعون نے شہروں میں جمع کرنے والوں کو۔'' ﴿ کَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْکُمْ رَسُوْلًا مِّنْکُمْ یَتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِنَا ﴾ (2/البقرہ:151) ''جیسا کہ ہم نے بھیجا تم میں ایک رسول تم میں سے، وہ پڑھ کر سناتا ہے تم کو ہماری آیات۔''

اَرْسِلْ: فعل امر ہے۔ تو روانہ کر۔ تو بھیج۔ ﴿ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴾ (20/طٰہٰ:47) ''پس تو روانہ کر ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو۔''

مُرْسِلٌ: اسم الفاعل ہے۔ روانہ کرنے والا۔ بھیجنے والا۔ ﴿ وَاِنِّیْ مُرْسِلَۃٌ اِلَیْھِمْ بِھَدِیَّۃٍ ﴾ (27/النمل:35) ''اور میں بھیجنے والی ہوں ان کی طرف ایک تحفہ۔''

مُرْسَلٌ: اسم المفعول ہے۔ روانہ کیا ہوا۔ بھیجا ہوا۔ ﴿ ھٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴾ (36/یٰسٓ:52) ''یہ ہے وہ جو وعدہ کیا رحمٰن نے اور سچ کہا بھیجے ہوؤں نے۔''

ء ی د

(ض) اَیْدًا: مضبوط ہونا۔ قوی ہونا۔

اَیْدٌ: اسم ذات ہے۔ مضبوطی۔ قوت۔ ﴿ وَالسَّمَآءَ بَنَیْنٰھَا بِاَیْىدٍ ﴾ (51/الذّٰریٰت:47) ''اور آسمان! ہم نے بنایا اس کو قوت سے۔''

(تفعیل) تَاْیِیْدًا: مضبوط کرنا۔ تقویت دینا۔ ﴿ وَاللّٰہُ یُؤَیِّدُ بِنَصْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ﴾ (3/آل عمران:13) ''اور اللہ تقویت دیتا ہے اپنی مدد سے جسے وہ چاہتا ہے۔''

ر و ح

(ن) رَوَاحًا: شام کے وقت واپس آنا۔ ﴿ وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ غُدُوُّھَا شَھْرٌ وَّرَوَاحُھَا شَھْرٌ ﴾ (34/سبا:12) ''اور سلیمانؑ کے لیے ہوا، جس کی صبح ایک مہینہ ہے اور جس کا شام کو واپس ہونا ایک مہینہ ہے۔''

(ف۔س) (۱) رِیْحًا: کسی جگہ کا ہوادار رہنا۔ سُبک ہونا۔

(۲) رَاحَۃً: نیکی کی طرف خوشی سے جلدی کرنا۔

(ض) رَیْحًا: کسی چیز کی خوشبو پانا۔

رَوْحٌ: بادِ نسیم۔ پھر زیادہ تر آرام و آسودگی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو مطلب ہوتا ہے رحمت۔ ﴿ فَاَمَّآ اِنْ کَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ فَرَوْحٌ وَّرَیْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِیْمٍ ﴾ (56/الواقعہ:88۔89) ''پھر اگر وہ ہے مقرب لوگوں میں تو راحت ہے اور خوشبودار پودا ہے اور ہمیشگی والی نعمت کا باغ ہے۔''

﴿لَا يَايْـَٔسُ[256] مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾(12/یوسف:87)''اور مایوس نہیں ہوتی اللہ کی رحمت سے مگر کافر قوم۔''

رُوْحٌ سانس۔ چونکہ ہر جاندار کی زندگی کا دارومدار سانس پر ہوتا ہے اس لیے یہ مطلق جان یعنی روح کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔﴿فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ﴾ (15/الحجر:29)''اور جب میں نوک پلک درست کردوں اس کی اور میں پھونک دوں اس میں اپنی سانس میں سے۔''﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ (17/بنی اسرائیل:85) ''اور وہ لوگ پوچھتے ہیں آپؐ سے روح کے بارے میں۔آپؐ کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم میں سے ہے اور نہیں دیا گیا تم کو اس علم میں سے مگر تھوڑا سا۔''

اَلرُّوْحُ قرآن مجید میں یہ حضرت جبریلؑ کے لیے استعمال ہوا ہے۔کہیں روح الامین اور روح القدس بھی آیا ہے۔کہیں یہ لفظ دین وایمان کی روح یعنی وحی کے لیے بھی آیا ہے۔﴿يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ؕۙ﴾ (78/النبا:38)''جس دن کھڑے ہوں گے جبریلؑ اور فرشتے قطار باندھے ہوئے۔''﴿يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ﴾(16/النحل:2)''وہ اتارتا ہے فرشتوں کو روح کے ساتھ یعنی دین یا ایمان کی روح کے ساتھ اپنے حکم سے۔''

رِيْحٌ ج رِيَاحٌ۔ ہوا۔خوشبو۔﴿فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ﴾ (38/صٓ:36)''تو ہم نے مسخر کیا ان کے یعنی سلیمانؑ کے لیے ہوا کو، وہ چلتی ان کے حکم سے۔''﴿اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ﴾ (12/یوسف:94)''بے شک میں پاتا ہوں یوسفؑ کی خوشبو کو۔''﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ﴾ (3/آل عمران:46)''اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبریاں ہوتے ہوئے۔''

رَيْحَانٌ ہر خوشبودار پودا۔اوپر آیت نمبر۔(56/الواقعہ:89) دیکھیں۔

ھ و ی

(ض) **هَوِيًّا** اوپر سے نیچے اترنا۔گرنا۔﴿وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى﴾ (20/طٰہٰ:81)''اور جس پر حلال ہوتا ہے میرا غضب تو بے شک وہ گرا۔''﴿فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْۤ اِلَيْهِمْ﴾ (14/ابراہیم:37)''پس تو کردے کچھ دلوں کو لوگوں میں سے،وہ گرتے ہوں یعنی مائل ہوتے ہوں ان کی طرف۔''

(س) **هَوًى** کسی چیز کی طرف جھکنا۔ چاہنا۔ پسند کرنا۔ ﴿اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ﴾ (53/النجم:23)''وہ لوگ پیروی نہیں کرتے مگر گمان کی اور اس کی جو پسند کرتا ہے نفس۔''

هَاوِيَةٌ فَاعِلَةٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔نیچے اترنے والی۔یہ استعارہ ہے جہنم کے لیے۔ ﴿وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ؕ﴾ (101/القارعۃ:8۔9)''اور جس کے ہلکے ہوں پلڑے تو اس کی گود نیچے اترنے والی ہے۔یعنی جہنم ہے۔''

ھَوَاءٌ ج اَھْوَاءٌ۔ اس کے اصل معنی ہیں فضا۔ چونکہ فضا میں ہوا ہوتی ہے اس لیے مطلق ہوا کے لیے بھی آتا ہے۔ ہوا کو قرار نہیں ہوتا اس لیے ڈانواں ڈول ہونے کی کیفیت کے لیے بھی آتا ہے۔ خواہشات آدمی کو ڈانواں ڈول اور بے قرار کرتی ہیں اس لیے مطلق خواہش کے لیے بھی آتا ہے۔ ﴿ مُھْطِعِیْنَ مُقْنِعِیْ رُءُوْسِھِمْ لَا یَرْتَدُّ اِلَیْھِمْ طَرْفُھُمْ ۚ وَ اَفْـِٕدَتُھُمْ ھَوَآءٌ ؕ﴾ (14/ ابراہیم: 43) ''دوڑتے ہوئے، اپنے سروں کو اٹھائے ہوئے، نہیں جھپکے گی ان کی طرف ان کی پلک اور ان کے دل ڈولتے ہوں گے۔'' ﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ ھَوٰىهُ بِغَیْرِ ھُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ﴾ (28/ القصص: 50) ''اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے پیروی کی اپنی خواہش کی اللہ کی ہدایت کے بغیر۔'' ﴿وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا﴾ (6/ الانعام: 150) ''اور پیروی مت کرو ان کی خواہشات کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو۔''

(افعال) **اِھْوَاءً** اوپر سے نیچے اتارنا۔ پٹخ دینا۔ ﴿وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَھْوٰى ۙ﴾ (53/ النجم: 53) ''اور الٹنے والی بستی کو اس نے پٹخا۔''

(استفعال) **اِسْتِھْوَاءً** خواہشات کو مزین کر کے دکھانا۔ پھسلا دینا۔ بہکا دینا۔ ﴿ كَالَّذِی اسْتَھْوَتْهُ الشَّیٰطِیْنُ فِی الْاَرْضِ حَیْرَانَ ۠﴾ (6/ الانعام: 71) ''اس کی مانند جس کو بہکا دیا شیطانوں نے زمین میں متردد کرتے ہوئے۔''

ترکیب

اٰتَیْنَا کا مفعول اوّل مُوْسَی اور مفعول ثانی اَلْکِتٰبَ ہے۔ اسی طرح آگے اٰتَیْنَا کا مفعول اوّل عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ہے اور مفعول ثانی اَلْبَیِّنٰتِ ہے۔ اَیَّدْنٰهُ میں ضمیر مفعولی عیسیٰؑ کے لیے ہے۔ اَفَکُلَّمَا حرف شرط ہے۔ جَآءَکُمْ سے اَنْفُسُکُمْ تک شرط ہے اور اِسْتَکْبَرْتُمْ سے تَقْتُلُوْنَ تک جواب شرط ہے۔ دونوں جگہ پر فَرِیْقًا مفعول مقدم ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔

ترجمہ

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا	مُوْسَی	الْکِتٰبَ	وَقَفَّیْنَا	مِنْۢ بَعْدِهٖ
اور بے شک ہم نے دیا	موسیٰؑ کو	کتاب یعنی تورات	اور ہم نے بھیجا	انؑ کے بعد

بِالرُّسُلِ ز	وَاٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ	الْبَیِّنٰتِ
رسولوں کو	اور ہم نے دیا عیسیٰؑ بن مریم کو	روشن دلیلیں یعنی معجزات

وَاَیَّدْنٰهُ	بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ	اَفَکُلَّمَا
اور ہم نے تقویت دی انؑ کو	پاکیزگی کی روح یعنی جبریلؑ سے	تو کیا (ایسا نہیں ہوا کہ) جب بھی

جَآءَکُمْ	رَسُوْلٌۢ	بِمَا	لَا تَھْوٰٓی	اَنْفُسُکُمُ
آیا تمہارے پاس	کوئی رسول	اس کے ساتھ جو	نہیں چاہتے	تمہارے جی

اِسْتَكْبَرْتُمْ ج	فَفَرِيْقًا	كَذَّبْتُمْ ز	وَفَرِيْقًا	256 تَقْتُلُوْنَ
توتم لوگوں نے گھمنڈ کیا	پس ایک فریق کو	تم نے جھٹلایا	اور ایک فریق کو	قتل کرتے ہو

نوٹ۔1

نوٹ۔2

معجزات کے متعلق ایک بات یہ سمجھ لیں کہ انبیاء کرام کو معجزات ان کے زمانے کے لحاظ سے دیے جاتے تھے۔ موسیٰؑ کے زمانے میں جادو کا فن اپنے عروج پر تھا اور اس وقت جادوگر لوگ معاشرہ میں معزز مانے جاتے تھے۔ اس لیے موسیٰؑ کو ایسے معجزے دیے گئے جس نے جادوگروں کو عاجز کر دیا۔ حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں طِب کو بہت عروج حاصل ہوا تھا اور طبیب لوگوں کو معاشرہ میں بلند مقام حاصل ہوتا تھا۔ اس لیے ان کو ایسے معجزے دیے گئے جس نے طبیب لوگوں کو عاجز کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ادب اور شعروشاعری اپنے عروج پر تھی اور شاعری لوگوں کا معاشرے میں بڑا مقام تھا۔ اس لیے آپؐ کو قرآن مجید کا معجزہ دیا گیا جس نے عرب کے بڑے سے بڑے شاعر کو عاجز کر دیا۔

دوسری بات یہ سمجھ لیں کہ جس نبی کو جو معجزہ دیا گیا اسے وہ اپنی مرضی سے نہیں دکھا سکتے تھے۔ بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت دکھاتے تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ حضرت موسیٰؑ کہیں بیٹھنے کے لیے یا سونے کے لیے جب بھی لاٹھی زمین پر رکھتے تھے تو وہ سانپ بن جاتی تھی۔ عام حالات میں وہ لاٹھی ہی رہتی تھی۔ صرف مخصوص مواقع پر اللہ کے حکم سے جب انہوںؑ نے لاٹھی کو زمین پر ڈالا تو وہ سانپ بنی۔ ایسا نہیں تھا کہ عیسیٰؑ جب چاہیں قبر سے کسی مردے کو نکال کر زندہ کر دیں۔ بلکہ مخصوص مواقع پر اللہ کے حکم سے انہوںؑ نے ایسا کیا۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی کا انتظار رہتا تھا۔ لیکن جبریلؑ صرف اللہ کے حکم سے تشریف لاتے تھے۔ البتہ دیگر انبیاء کرام کے معجزے دکھانے کے بعد ختم ہو جاتے تھے۔ لیکن قرآن مجید ایک واحد معجزہ ہے جو محفوظ ہوتا چلا گیا، آج تک محفوظ ہے اور انشاء اللہ قیامت تک محفوظ رہے گا۔ اس لحاظ سے قرآن مجید کو زندہ معجزہ کہتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ البقرۃ (۲)

256

آیت نمبر (88)

﴿وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ﴾

غ	ل	ف

(ن) غَلْفًا ڈھانکنا۔ غلاف میں ڈالنا۔

(س) غَلَفًا ڈھکا ہوا ہونا۔ غلاف میں ہونا۔

اَغْلَفُ ج غُلْفٌ۔ افعل الوان وعیوب ہے۔ غلاف میں بند چیز۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

ل	ع	ن

(ف) لَعْنًا دھتکارنا۔ دور کرنا۔ لعنت اگر اللہ کی طرف سے ہو تو مطلب ہوتا ہے اپنی رحمت اور شفقت سے دور کرنا۔ اگر انسان کی طرف سے ہو تو بددعا ہوتی ہے کہ اللہ اسے رحمت سے دور کرے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (33/الاحزاب: 64) ''بے شک اللہ نے لعنت کی کافروں پر۔'' ﴿كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ﴾ (7/الاعراف: 38) ''جب بھی داخل ہوتی ہے کوئی جماعت، تو وہ لعنت کرتی ہے اپنی بہن پر یعنی دوسری جماعت پر۔''

اِلْعَنْ فعل امر ہے۔ تو لعنت کر۔ ﴿رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ؑ﴾ (33/الاحزاب: 68) ''اے ہمارے رب! تو دے ان کو دوگنا عذاب اور تو لعنت کر ان پر بڑی لعنت۔''

لَاعِنٌ اسم الفاعل ہے۔ لعنت کرنے والا۔ ﴿اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۙ﴾ (2/البقرہ: 159) ''یہ لوگ ہیں لعنت کرتا ہے ان پر اللہ اور لعنت کرتے ہیں ان پر لعنت کرنے والے۔''

مَلْعُوْنٌ اسم المفعول ہے۔ لعنت کیا ہوا۔ ﴿مَلْعُوْنِيْنَ ۛۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا﴾ (33/الاحزاب: 61) ''لعنت کیے ہوئے ہیں جہاں کہیں پائے جائیں پکڑے جائیں اور خوب قتل کیے جائیں جیسے قتل کرنے کا حق ہے۔''

لَعْنَةٌ اسم ذات ہے۔ لعنت۔ ﴿فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۙ﴾ (7/الاعراف: 44) ''تو پکارا ایک پکارنے والے نے کہ اللہ کی لعنت ہے ظلم کرنے والوں پر۔''

ترکیب

قُلُوْبُنَا مرکب اضافی ہے اور مبتداء ہے۔ غُلْفٌ اس کی خبر ہے۔ قَلِيْلًا مَّا میں مَا زائدہ ہے اور اس کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ قَلِيْلًا صفت ہے۔ اس کا موصوف اِيْمَانًا محذوف ہے اور یہ مرکب توصیفی مفعول مقدم ہے يُؤْمِنُوْنَ کا سادہ جملہ اس طرح ہوتا يُؤْمِنُوْنَ اِيْمَانًا قَلِيْلًا۔

ترجمہ

وَقَالُوْا	قُلُوْبُنَا	غُلْفٌ ؕ	بَلْ	لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ

اور انہوں نے کہا	ہمارے دل	غلاف میں بند ہیں	(ہرگز نہیں) بلکہ	اللہ نے رحمت سے دور کیا ان کو

256

بِكُفْرِهِمْ	فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ
ان کے کفر کے سبب سے	تو وہ لوگ تھوڑا سا ایمان لاتے ہیں

نوٹ۔1

کلمہ بَلْ کا استعمال دو طرح سے ہوتا ہے۔ایک صورت یہ ہے کہ بَلْ سے پہلے جو بات کہی گئی ہے وہ غلط ہے اور بَلْ کہہ کر اس کی تردید کرنا مقصود ہے۔ایسی صورت میں اس سے پہلے لفظ كَلَّا (ہرگز نہیں) محذوف ہوتا ہے، جیسا کہ آیتِ زیرِ مطالعہ میں ہے، اور ایسی صورت میں بَلْ کا پورا مفہوم یہ ہوتا ہے۔''ہرگز نہیں! بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ'' کبھی بَلْ کے ساتھ كَلَّا لکھ بھی دیتے ہیں لیکن مفہوم یہی رہتا ہے۔ جیسے ﴿قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۳﴾ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾﴾ (83/المطففین:13۔14)''انہوں نے کہا پرانے زمانے کے قصے ہیں۔ ہرگز نہیں! بلکہ سچی بات یہ ہے کہ زنگ چڑھا یا ان کے دلوں پر اس نے جو یہ لوگ کمائی کیا کرتے تھے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بَلْ سے پہلے جو بات کہی گئی ہے وہ درست ہے اور بَلْ کہہ کر اس کی تردید کرنا مقصود نہیں ہوتا۔ البتہ اس کے بعد بَلْ کہہ کر اس سچائی کو تسلیم نہ کرنے یا اس سے استفادہ نہ کرنے کی وجہ بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔ایسی صورت میں بَلْ سے پہلے لفظ كَلَّا محذوف نہیں ہوتا۔نیز ایسی صورت میں بَلْ کا مفہوم اردو محاورہ میں ''بلکہ'' کے بجائے ''لیکن'' سے ادا ہوتا ہے اور اس کا پورا مفہوم یہ ہوتا ہے۔''لیکن حقیقت یہ ہے کہ''۔ جیسے ﴿وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ﴿۱﴾ بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّ شِقَاقٍ ﴿۲﴾﴾ (38/ص:1۔2)''قسم ہے قرآن کی جو نصیحت والا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہٹ دھرمی اور مخالفت میں ہیں۔''

نوٹ۔2

اس آیت کی ترکیب میں ہم نے لکھا ہے کہ قَلِیْلًا مَّا میں مَا زائدہ ہے۔ کیونکہ تفسیر حقانی میں بھی یہی ہے اور ہمارے استاذ محترم پروفیسر حافظ احمد یار صاحب مرحوم کی رائے بھی یہی ہے۔لیکن بہر حال اسے مَا موصولہ ماننے کی بھی گنجائش ہے۔ایسی صورت میں (اِیْمَانًا) قَلِیْلًا مَّا یُؤْمِنُوْنَ کا مطلب ہوگا کہ تھوڑا ایمان ہے وہ، جو یہ لوگ ایمان لاتے ہیں۔اس طرح مفہوم تبدیل نہیں ہوتا اور مَا کو زائدہ ماننے کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔البتہ قَلِیْلًا سے پہلے رِجَالًا محذوف ماننا ممکن نہیں ہے۔کیونکہ رِجَالًا عاقل کی جمع مکسر ہے۔اس لیے اس کی صفت یا تو واحد مؤنث آسکتی ہے یا جمع مذکر آئے گی۔جبکہ قَلِیْلًا واحد مذکر ہے۔اس لیے اس آیت کا یہ مفہوم لینا درست نہیں ہوگا کہ ان میں تھوڑے سے لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔

نوٹ۔3

تھوڑے ایمان یا کم ایمان سے مراد یہ ہے کہ آدمی اللہ، آخرت، انبیاء و رُسل، کتب، وحی وغیرہ کو تو مانے لیکن اللہ تعالیٰ کی ہدایات اور اس کے رسول کی شریعت پر عمل نہ کرے۔ یا کچھ پر عمل کرے اور کچھ میں اپنی من مانی کرے۔

آیت نمبر(89)

﴿وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِیْنَ

كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٩﴾

256

ج ی ء

(ض) جِيْئَةً: (۱) آنا (لازم)۔ (۲) جَاءَ بِهٖ کسی کے ساتھ آنا یعنی لانا (متعدی)۔ (۳) کوئی کام کرنا۔ ﴿وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ط﴾ (17/بنی اسرائیل:81) ''اور آپؐ کہیے حق آیا اور باطل مٹا۔'' ﴿مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى﴾ (6/الانعام:91) ''کس نے اتارا کتاب کو جو لائے موسیٰؑ۔'' ﴿لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ﴿٢٧﴾﴾ (19/مریم:27) ''بے شک آپ نے کیا ہے ایک حیران کن چیز یعنی کام۔''

جِيْءَ: فِيْلَ کے وزن پر ماضی مجہول ہے۔ لایا گیا۔ ﴿وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ﴾ (39/الزمر:69) ''اور رکھی جائے گی کتاب اور لائے جائیں گے انبیاء اور گواہ۔''

(افعال) اِجَاءَةً: کسی کو لانا۔ ﴿فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ج﴾ (19/مریم:23) ''تو لایا اس کو دردِزہ کھجور کے تنے کی طرف۔''

ع ر ف

(ض) عِرْفَانًا: کسی کو پہچاننا۔ کسی کی مہک پانا (مہک بھی پہچان کا ذریعہ ہے)۔ ﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ط﴾ (2/البقرہ:146) ''وہ لوگ ہمیں نے دیا جن کو کتاب، وہ لوگ پہچانتے ہیں اس کو جیسے وہ پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو۔''

مَعْرُوْفٌ: اسم المفعول ہے۔ پہچانا ہوا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ پھر دو معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) دستوار اور رواج کے مطابق کام کیونکہ عام لوگ اس سے واقف ہوتے ہیں۔ (۲) نیکی کیونکہ انسانی فطرت اسے پہچانتی ہے۔ ﴿وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ط﴾ (4/النساء:6) ''اور جو فقیر ہو تو اسے چاہیے کہ وہ کھائے دستور کے مطابق۔'' ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (3/آل عمران:104) ''اور چاہیے کہ ہو تم میں ایک جماعت، وہ بلاتی ہو بھلائی کی طرف اور ترغیب دیتی ہو نیکی کی۔''

عُرْفٌ: اسم ذات ہے۔ پہچان۔ خوشبو۔ پھر ثابت شدہ باتوں یعنی نیکی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ﴿وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿١٩٩﴾﴾ (7/الاعراف:199) ''اور ترغیب دو نیکی کی اور اعراض کرو جاہلوں سے۔''

اَلْاَعْرَافُ: دوزخ اور جنت کے درمیان ایک مقام ہے۔ ﴿وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰهُمْ ج﴾ (7/الاعراف:46) ''اور اعراف پر لوگ ہوں گے، وہ پہچانیں گے سب کو ان کی نشانی سے۔''

عَرَفَاتٌ: میدانِ عرفات جہاں حج کے دن قیام ہوتا ہے۔ ﴿فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ﴾ (2/البقرہ:198) ''تو جب تم لوگ پلٹو عرفات سے۔''

(تفعیل) تَعْرِيْفًا: (۱) کسی کو کسی کی پہچان کرانا۔ تعارف کرانا۔ (۲) کسی کو خوشبودار بنانا۔ خوشبو میں بسانا۔ ﴿عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَ اَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ج﴾ (66/التحریم:3) ''انہوںؐ نے تعارف کرایا اس کے بعض کا اور اعراض کیا بعض سے۔''

256

﴿ وَيُدۡخِلُهُمُ الۡجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمۡ ۝۶ ﴾ (47/محمد:6)''اور وہ داخل کرے گا ان کو اس جنت میں، اس نے خوشبو میں بسایا جس کو ان کے لیے۔''

(تفاعل) **تَعَارُفًا** باہم ایک دوسرے کو پہچاننا۔﴿ يَتَعَارَفُوۡنَ بَيۡنَهُمۡ ﴾ (10/یونس:45)''ایک دوسرے کو پہچانیں گے آپس میں۔''

(افتعال) **اِعۡتِرَافًا** اہتمام سے پہچاننا۔ پھر زیادہ تر کسی بات کا اقرار کرنے کے معنی میں آتا ہے۔﴿ فَاعۡتَرَفۡنَا بِذُنُوۡبِنَا ﴾ (40/مومن:11)''تو ہم نے اقرار کیا اپنے گناہوں کا۔''

ترکیب

لَمَّا حرف شرط ہے۔ جَآءَ سے مَعَهُمۡ تک جملۂ شرطیہ ہے۔ اس کا جواب شرط اَنۡكَرُوۡهُ محذوف ہے۔ جَآءَ فعل اور هُمۡ اس کا مفعول ہے۔ كِتٰبٌ موصوف اور مُصَدِّقٌ اسم الفاعل اس کی صفت ہے۔ كِتٰبٌ مُصَدِّقٌ مرکب توصیفی بن کر جَآءَ کا فاعل ہے۔ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ اور لِمَا مَعَهُمۡ متعلقات ہیں۔ وَكَانُوۡا کا واوٴ حالیہ ہے۔ كَانُوۡا يَسۡتَفۡتِحُوۡنَ ماضی استمراری ہے۔ فَلَمَّا حرف شرط ہے۔ جَآءَ هُمۡ مَّا عَرَفُوۡا جملۂ شرط ہے اور كَفَرُوۡا بِهٖ جواب شرط ہے۔

ترجمہ

وَلَمَّا	جَآءَهُمۡ	كِتٰبٌ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ	لِّمَا
اور جب	آئی ان کے پاس	اللہ کے پاس سے ایک تصدیق کرنے والی کتاب	اس کی جو

مَعَهُمۡ	وَ	كَانُوۡا	مِنۡ قَبۡلُ	يَسۡتَفۡتِحُوۡنَ	عَلَى الَّذِيۡنَ
ان کے ساتھ ہے	اس حال میں کہ	وہ لوگ	اس سے پہلے	فتح مانگا کرتے تھے	ان پر جنہوں نے

كَفَرُوۡا	فَلَمَّا	جَآءَهُمۡ	مَّا	عَرَفُوۡا	كَفَرُوۡا بِهٖ
کفر کیا	تو جب	آیا ان کے پاس	وہ جس کو	انہوں نے پہچانا	تو انہوں نے انکار کیا اس کا

فَلَعۡنَةُ اللّٰهِ	عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ
تو اللہ کی رحمت سے دوری ہے	انکار کرنے والوں پر

نوٹ۔1

تورات اور انجیل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابۂ کرامؓ کی جہاں اور نشانیاں درج تھیں وہیں ان کی فتح ونصرت کی خبر بھی تھی۔ اس بنا پر مدینہ میں آباد یہودی قبائل دعا کیا کرتے تھے کہ یا اللہ! اب تو اپنے آخری نبیؐ کو بھیج دے تاکہ ہم کو کافروں پر فتح حاصل ہو۔

نوٹ۔2

مدینہ میں آباد یہودی قبائل کے علم اور دانائی کی داد دینی پڑتی ہے کہ تورات میں دی گئی نشانیوں کی مدد سے وہ ٹھیک اس جگہ آ کر بیٹھ گئے تھے جہاں اللہ کے آخری نبی ﷺ نے تشریف فرما ہونا تھا۔ ایسے لوگوں کے لیے یہ خیال کرنا کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور قرآن مجید کو پہچاننے میں کوئی مشکل پیش آئی، ایک بے معنی بات ہے۔ سیرت میں درج متعدد واقعات سے اس کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ انہیں پہچاننے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ اس ضمن میں بی بی صفیہؓ کے والد اور ان کے چچا کے درمیان مکالمہ، میرے علم کی حد تک، حرفِ آخر ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ انہوں نے انکار کیوں کیا؟ اس کا جواب اگلی آیت میں آ رہا ہے۔

256

آیت نمبر (90)

﴿ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿٩٠﴾ ﴾

ب ء س

(س۔ک) **بَأْسًا**: کسی چیز کا مضبوط ہونا۔ سخت ہونا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں زیادہ تر دو معانی میں آیا ہے۔ (۱) فقر و فاقہ کی حالت کا سخت ہونا۔ (۲) جنگ کا سخت ہونا۔ ثلاثی مجرد سے فعل قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

بَأْسٌ: ج بَأْسَاءُ۔ اسم ذات ہے۔ سختی۔ ﴿ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۭ ﴾ (2/البقرہ: 177) ''اور ڈٹے رہنے والے فقر و فاقہ کی سختیوں میں اور جسمانی تکالیف میں اور گھمسان کی جنگ کے وقت۔''

بَائِسٌ: فَاعِلٌ کا وزن ہے۔ سخت ہونے والا۔ صفت کے طور پر آتا ہے۔ سخت۔ شدید۔ ﴿ وَاَطْعِمُوا الْبَاۗىِٕسَ الْفَقِيْرَ ﴿٢٨﴾ ﴾ (22/الحج: 28) ''اور تم لوگ کھلاؤ انتہائی محتاج کو۔''

بَئِيْسٌ: فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ ہمیشہ اور ہر حال میں سخت۔ شدید ﴿ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَىِٕيْسٍۢ ﴾ (7/الاعراف: 165) ''اور ہم نے پکڑا ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا، ایک شدید عذاب میں۔''

بِئْسَ: ذم یعنی مذمت کرنے کا لفظ ہے۔ کیا ہی برا۔ کتنا برا۔ ﴿ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿٢٠٦﴾ ﴾ (2/البقرہ: 206) ''تو کافی ہے اس کو جہنم اور یقیناً وہ بہت برا بچھونا ہے۔''

(افتعال) **اِبْتِئَاسًا**: سخت غمگین ہونا۔ دل برداشتہ ہونا۔

لَا تَبْتَئِسْ: فعل نہی ہے۔ تو دل برداشتہ مت ہو۔ ﴿ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٦﴾ ﴾ (11/ھود: 36) ''پس آپؐ دل برداشتہ نہ ہو اس سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔''

ب غ ی

(ض) **بَغْيًا**: کسی چیز کی چاہت یا طلب میں حد سے بڑھ جانا۔ اس طرح یہ دو معانی میں آتا ہے۔ (۱) چاہنا۔ طلب کرنا۔ (۲) زیادتی کرنا۔ سرکشی کرنا۔ ﴿ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَي الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ ﴾ (49/الحجرات: 9) ''پس اگر زیادتی کرے دو میں کی ایک جماعت دوسری پر تو تم لوگ جنگ کرو اس سے جو زیادتی کرتی ہے۔'' ﴿ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۭ ﴾ (6/الانعام: 164) ''آپؐ کہئے کیا اللہ کے سوا کسی کو میں چاہوں بطور رب کے حالانکہ وہ ہر ایک چیز کا رب ہے۔''

بَاغٍ: فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ سرکشی کرنے والا۔ چاہنے والا۔ ﴿ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ

لَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ ﴾(16/النحل:115)''پس جو لاچار ہوا، نہ خواہش کرنے والا اور نہ حد سے بڑھنے والا، تو یقیناً اللہ غفور و رحیم ہے۔''

256

بَغْيٌ اسم ذات ہے۔ چاہت۔زیادتی۔ ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ ۙ ﴾ (10/یونس:23)''اے لوگو! کچھ نہیں سوائے اس کے کہ تم لوگ کی زیادتی تمہارے اپنے آپ پر ہے۔''

بَغِيٌّ اسم نسبت ہے۔ چاہت والا۔زیادتی والا۔ ﴿وَمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ۖ﴿۲۸﴾ ﴾(19/مریم:28)''اور نہ تھیں آپ کی والدہ زیادتی والی۔''

(افتعال) **اِبْتِغَاءً** اہتمام سے چاہنا۔ جستجو کرنا۔ ﴿ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ﴿۷﴾ ﴾ (23/المؤمنون:7)''پس جس نے چاہا اس سے آگے تو وہ لوگ ہی حد سے بڑھنے والے ہیں۔'' ﴿وَ اٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ﴾ (73/المزمل:20)''اور دوسرے ہیں، وہ لوگ پھرتے ہیں زمین میں، تلاش کرتے ہیں اللہ کے فضل میں سے یعنی روزی تلاش کرتے ہیں۔''

اِبْتَغِ فعل امر ہے۔تو طلب کر۔تو تلاش کر۔ ﴿ وَابْتَغِ فِيْمَاۤ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ﴾ (28/القصص:77)''اور تو جستجو کر، اس میں سے جو دیا تجھ کو اللہ نے، آخرت کے گھر کی اور تو مت بھول اپنا حصہ دنیا میں سے۔''

(انفعال) **اِنْبِغَاءً** نرم و آسان ہونا۔ مقام و رتبہ میں شایانِ شان ہو۔ ﴿ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِىْ لَهٗ ؕ﴾ (36/یٰسٓ:69)''اور ہم نے نہیں سکھایا ان ؐ کو شعر کہنا اور وہ شایانِ شان نہیں ہوتا ان کے لیے۔''

ھ	و	ن

(ن) **هَوْنًا** (ا) نرم و آسان ہونا۔(۲) ذلیل و رسوا ہونا۔

هَوْنٌ اسم ذات ہے۔نرمی۔ ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا ﴾(25/الفرقان:63)''اور رحمن کے بندے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر نرمی سے۔''

هُوْنٌ اسم ذات ہے۔ ذلت۔ رسوائی۔ ﴿ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ ﴾ (6/الانعام:93)''آج تم لوگوں کو بدلہ دیا جائے گا ذلت کے عذاب سے۔''

هَيِّنٌ صفت ہے۔ہلکا۔آسان۔ ﴿ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَىَّ هَيِّنٌ ۚ﴾ (19/مریم:21)''کہا آپ کے رب نے یہ مجھ پر آسان ہے۔''

اَهْوَنُ اَفْعَلُ التَّفضِیل ہے۔زیادہ آسان۔سب سے آسان۔ ﴿ وَهُوَ الَّذِىْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ﴾ (30/الروم:27)''اور وہ ہے جس نے ایجاد کیا پیدائش کو پھر وہ لوٹائے گا اس کو اور یہ زیادہ آسان ہے اس پر۔''

(افعال) **اِهَانَةً** ذلیل کرنا۔رسوا کرنا۔ ﴿ فَيَقُوْلُ رَبِّىْۤ اَهَانَنِ ۚ﴿۱۶﴾ ﴾(89/الفجر:16)''تو وہ کہتا ہے میرے رب نے رسوا کیا مجھ کو۔''

مُهِيْنٌ اسم الفاعل ہے۔ذلیل کرنے والا۔رسوا کرنے والا۔ ﴿وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۚ﴿۳۷﴾ ﴾ (4/النساء:37)''اور ہم نے تیار کیا کافروں کی لیے ایک ذلیل کرنے والا عذاب۔''

مُھَانٌ	اسم المفعول ہے۔ ذلیل کیا ہوا۔ ﴿وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا﴾ (25/ الفرقان: 69) ''اور وہ ہمیشہ رہے گا اس میں ذلیل کیا ہوا۔''

256

ترکیب

بِئْسَ لفظ ذم ہے اور اس کے ساتھ مَا موصولہ ہے۔ اَنْفُسَهُمْ مفعول بنفسہ ہے یعنی جو خریدا۔ جس کے بدلے خریدا، اس کے لیے بِهٖ آیا ہے۔ اس میں ہٖ کی ضمیر مَا کے لیے ہے اور اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ پورا جملہ مَا کا صلہ ہے بَغْيًا حال ہے۔ اَنْ يُّنَزِّلَ سے مِنْ عِبَادِهٖ تک پورا جملہ بَغْيًا کا سبب ہے اور فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ اس کا نتیجہ ہے۔ لِلْكٰفِرِيْنَ قائم مقام خبر مقدم ہے اور مرکب توصیفی عَذَابٌ مُّهِيْنٌ مبتداء مؤخر نکرہ ہے۔

ترجمہ

بِئْسَمَا	اشْتَرَوْا	بِهٖٓ	اَنْفُسَهُمْ	اَنْ يَّكْفُرُوْا
کتنا برا ہے وہ	انہوں نے خریدا	جس کے بدلے	اپنے نفس کو	کہ وہ لوگ انکار کرتے ہیں

بِمَآ	اَنْزَلَ اللّٰهُ	بَغْيًا	اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ	مِنْ فَضْلِهٖ
اس کا جسے	اللہ نے اتارا	سرکشی کرتے ہوئے	کہ اللہ اتارتا ہے	اپنے فضل میں سے

عَلٰى مَنْ	يَّشَآءُ	مِنْ عِبَادِهٖ	فَبَآءُوْ	بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ
جس پر	وہ چاہتا ہے	اپنے بندوں میں سے	پس وہ لوگ لوٹے	غضب پر غضب کے ساتھ

وَلِلْكٰفِرِيْنَ	عَذَابٌ مُّهِيْنٌ
اور کافروں کے لیے	ایک ذلیل کرنے والا عذاب ہے

نوٹ۔1

استادِ محترم پروفیسر حافظ احمد یار صاحب مرحوم کے جو لیکچر کیسٹ میں ریکارڈ کیے گئے ہیں اس میں حافظ صاحب نے اس آیت کے لفظ ''بَآءُوْ'' کے املا پر کوئی بات نہیں کی ہے۔ اس لیے اس کے املا کو چیک کرنے کے لیے متعدد نسخے دیکھے۔ تدبر قرآن اور معارف القرآن میں اسے واؤ الجمع کے الف کے ساتھ یعنی بَآءُوْا لکھا گیا ہے۔ جبکہ ابنِ کثیرؒ، احمد رضا خان صاحب، شیخ الہندؒ، مولانا فتح محمد جالندھری اور پکتھال کے نسخوں میں یہ الف کے بغیر یعنی بَآءُوْ لکھا ہے۔ فیصلہ کرنے کے لیے سعودی عرب سے شائع شدہ نسخہ دیکھا۔ اس میں بھی یہ الف کے بغیر ہے۔ چنانچہ اس سند پر ہم نے بھی بَآءُوْ لکھا ہے۔

نوٹ۔2

اس آیت میں مذکور جس جرم کی بناء پر بنو اسرائیل اللہ تعالیٰ کے غضب کے سزاوار ہوئے، اس کی نوعیت کو صحیح طرح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ لفظ فضل کا پورا مفہوم ہمارے ذہن میں واضح ہو۔

آیت نمبر (2/ البقرہ: 47) کی لغت میں آپ کو بتایا گیا ہے کہ جو چیز حق سے زیادہ ہو اسے فضل کہتے ہیں۔ مثلاً

ہوٹل میں کھانے کے بعد ہم جو بل ادا کرتے ہیں وہ کھانے کی اجرت یعنی اجر ہے۔ پھر بیرے کو جو ٹپ دیتے ہیں وہ فضل ہے۔ بل

ہم حساب کتاب سے ادا کرتے ہیں اور ٹپ بغیر حساب دیتے ہیں۔اس ضمن میں اہم تر بات یہ ہے کہ ٹپ بیرے کا حق نہیں ہوتا بلکہ یہ کلیتہً دینے والے کی مرضی پر منحصر ہے۔یہ اور بات ہے کہ اس علیم اور حکیم ہستی کی مرضی بھی علم اور حکمت کے ساتھ ہوتی ہے۔[256]

اب نوٹ کریں کہ آیت زیرِ مطالعہ میں یہی بتایا گیا ہے کہ فضل اللہ کا تھا۔دینے والا بھی اللہ تھا۔اس نے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہا دیا۔اس پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔اور اگر کوئی اعتراض کرے گا تو وہ اللہ کے غضب کو دعوت دے گا۔لیکن بنو اسرائیل نے یہ اعتراض کیا کہ نبوت و رسالت تو ان کا خاندانی ورثہ ہے، یہ نعمت بنو اسمٰعیل کو کیوں دی گئی؟ اس لیے انہوں نے جانتے بوجھتے قرآن مجید کو کلام اللہ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو رسول اللہ ماننے سے انکار کیا اور اللہ کے غضب کو دعوت دی۔

یہودیوں کو بحیثیت مجموعی اس بات کا رنج تو تھا کہ یہ نعمت ان کی نسل سے چھن گئی۔لیکن مدینہ میں آباد یہودیوں کے لیے صدمے کا ایک اضافی پہلو بھی تھا۔غور طلب بات یہ ہے کہ تورات میں دی گئی نشانیوں کی مدد سے یہودی وہ جگہ کیوں تلاش کر رہے تھے جہاں اللہ کے آخری نبیؐ کا ظہور ہونا تھا۔وہ جانتے تھے کہ وہ نبی آسمان سے نہیں اترے گا بلکہ اس جگہ پر آباد لوگوں میں سے کسی شخص کے سر پر یہ تاج رکھا جائے گا۔اس لیے ان کی کوشش تھی کہ وہ اس جگہ پر جا کر آباد ہو جائیں تاکہ ان کے علماء میں سے یا ان کی اولاد میں سے کسی کو یہ سعادت حاصل ہو جائے۔مدینہ کے یہودی علماء کو جب پتہ چلا کہ وہ بالکل ٹھیک جگہ پر آ کر آباد ہوئے تھے لیکن پھر بھی محروم رہے تو اس صدمہ نے نہ صرف انہیں بے حال کر دیا بلکہ وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے۔اِلا ماشاءاللہ۔

نوٹ۔3

اب سوال یہ ہے کہ آج کے دور میں ہمارے لیے اس آیت میں کیا راہنمائی ہے؟ اس ضمن میں یہ نوٹ کریں کہ نبوت و رسالت کا دروازہ تو یقیناً بند ہو چکا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔شائد اسی حقیقت کو اجاگر کرنے کے لیے اس آیت میں جب یہودیوں کے انکار کا ذکر کیا گیا تو بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ کے الفاظ آئے ہیں۔اس میں نَزَلَ کے لیے ماضی کا صیغہ آیا ہے اور وہ بھی باب افعال میں، جس میں کام کو ایک مرتبہ کرنے کا مفہوم ہوتا ہے۔لیکن جب ان کے انکار کی وجہ بیان کی گئی تو اَنۡ یُّنَزِّلَ اللّٰہُ کے الفاظ آئے ہیں۔اس میں نَزَلَ کے لیے مضارع کا صیغہ آیا ہے اور وہ بھی باب تفعیل میں، جس میں کام کے تسلسل کا مفہوم ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو اللہ کی سنت ہے جس کا سلسلہ جاری رہے گا۔

اس حوالہ سے اب یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ آج بھی جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کو اپنے فضل میں سے کچھ دیتا ہے تو اس بندے سے یا اللہ تعالیٰ سے جھگڑا کرنا تو دور کی بات ہے، اگر ہم نے دل میں یہ رنجش اور کدورت بھی رکھی کہ یہ اللہ نے کیا کیا؟ یہ چیز اسے کیوں دی؟ مجھے کیوں نہیں دی یا فلاں کو کیوں نہیں دی؟ تو یہ اللہ کے غضب کو دعوت دینے والی بات ہے۔اس بات کو ہمارے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس طرح سمجھایا ہے کہ حسد کرنے والے کی نیکیوں کو حسد اس طرح کھا جاتی ہے جیسے آگ لکڑی کو۔

آیت نمبر (2/ البقرہ:91)

256

﴿ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا نُؤۡمِنُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡنَا وَيَكۡفُرُوۡنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۚ وَهُوَ الۡحَقُّ
مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمۡ ؕ قُلۡ فَلِمَ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنۡ قَبۡلُ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۹۱﴾ ﴾

و ر ی

(ض) وَرْيًا: کسی چیز کا کسی چیز کے پیچھے چھپا ہوا ہونا۔ چقماق سے چنگاری نکلنا۔ آگ جلنا۔

وَرَاءٌ: ظرف ہے اور زیادہ تر مضاف بن کر آتا ہے۔ جیسے فَوْقَ، تَحْتَ، عِنْدَ وغیرہ ہیں۔ (۱) پیچھے۔ بعد۔ (۲) سوا۔ علاوہ۔ ﴿ فَسۡـَٔلُوۡهُنَّ مِنۡ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ﴾ (33/ الاحزاب:53) ''تو تم لوگ مانگو ان سے پردے کے پیچھے سے۔'' ﴿ فَبَشَّرۡنٰهَا بِاِسۡحٰقَ ۙ وَمِنۡ وَّرَآءِ اِسۡحٰقَ يَعۡقُوۡبَ ﴿۷۱﴾ ﴾ (11/ ھود:71) ''تو ہم نے خوشخبری دی انہیں اسحاق ؑ کی اور اسحاق ؑ کے بعد یعقوب ؑ کی۔'' ﴿ فَمَنِ ابۡتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡعٰدُوۡنَ ۚ﴿۷﴾ ﴾ (23/ المؤمنون:7) ''پس جو چاہے اس کے سوا تو وہ لوگ ہی حد سے بڑھنے والے ہیں۔''

(افعال) اِيْرَاءً: آگ کو جلانا۔ ﴿ اَفَرَءَيۡتُمُ النَّارَ الَّتِىۡ تُوۡرُوۡنَ ﴿۷۱﴾ ﴾ (56/ الواقعہ:71) ''تو کیا تم لوگوں نے دیکھا اس آگ کو جو تم لوگ جلاتے ہو۔''

(مفاعلہ) مُوَارَاةً: کسی سے کسی چیز کو چھپانا۔ ﴿ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكُمۡ لِبَاسًا يُّوَارِىۡ سَوۡاٰتِكُمۡ ﴾ (7/ الاعراف:26) ''ہم نے اتارا ہے تم پر لباس، وہ چھپاتا ہے تمہاری ستر کو۔''

(تفاعل) تَوَارٍ: باہم ایک دوسرے سے چھپنا۔ ﴿ يَتَوَارٰى مِنَ الۡقَوۡمِ ﴾ (16/ النحل:59) ''وہ چھپتا ہے لوگوں سے۔''

ترکیب

قَالُوۡا کے بعد نُؤۡمِنُ جمع متکلم کا صیغہ بتا رہا ہے کہ ان کے قول کو DIRECT TENSE میں نقل کیا گیا ہے۔ اس کے بعد وَيَكۡفُرُوۡنَ میں غائب کا صیغہ بتا رہا ہے کہ یہ ان کے قول پر تبصرہ ہے اور اس کا واؤ حالیہ ہے۔ وَهُوَ الۡحَقُّ بھی تبصرہ ہے اور اس کا واو بھی حالیہ ہے۔ اَلۡحَقُّ پر لام جنس ہے۔ مُصَدِّقًا اسم الفاعل ہے اور حال ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ فَلِمَ تَقۡتُلُوۡنَ مضارع ہے لیکن اس کے آگے مِنۡ قَبۡلُ آیا ہے۔ اس لیے اس کا ترجمہ ماضی استمراری میں ہوگا۔

ترجمہ

وَاِذَا	قِيۡلَ لَهُمۡ	اٰمِنُوۡا	بِمَاۤ	اَنۡزَلَ اللّٰهُ	قَالُوۡا
اور جب کبھی	کہا جاتا ہے ان سے	تم لوگ ایمان لاؤ	اس پر جو	اتارا اللہ نے	تو وہ لوگ کہتے ہیں

نُؤۡمِنُ	بِمَاۤ	اُنۡزِلَ	عَلَيۡنَا	وَ	يَكۡفُرُوۡنَ
ہم ایمان لاتے ہیں	اس پر جو	اتارا گیا	ہم پر	درآں حالیکہ	وہ لوگ انکار کرتے ہیں

بِمَا	وَرَآءَهٗ	وَ	هُوَ	الۡحَقُّ	مُصَدِّقًا
اس کا جو	اس کے بعد ہے	حالانکہ	وہ	کل کا کل حق ہے	تصدیق کرنے والا ہوتے ہوئے

لِمَا	مَعَهُمْ	قُلْ	فَلِمَ	تَقْتُلُوْنَ	اَنْۢبِيَاۤءَ اللّٰهِ
اس کی جو	ان کے ساتھ ہے	آپؐ پوچھیے	تو پھر کیوں	تم لوگ قتل کیا کرتے تھے 256	اللہ کے نبیوں کو

مِنْ قَبْلُ	اِنْ كُنْتُمْ	مُّؤْمِنِيْنَ
اس سے پہلے	اگر تم لوگ ہو	ایمان لانے والے

نوٹ۔1

وَرَاۗءَ کے معنی میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ البتہ المنجد نے اسے مادہ ''و ر ء'' کے تحت دیا ہے۔ جبکہ مفردات اور معجم میں اسے مادہ ''و ر ی'' کے تحت دیا ہے۔

نوٹ۔2

اس آیت میں اہم بات یہ ہے کہ اہل کتاب کے قول کو نقل کیا گیا کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر اتارا گیا یعنی تورات اور انجیل۔ جبکہ ان کی حالت یعنی ان کا عمل یہ ہے کہ وہ لوگ اس کا انکار کرتے ہیں جو اس کے بعد ہے یعنی جو تورات اور انجیل کے بعد اتارا گیا ہے یعنی قرآن مجید۔ بات کہنے کا یہ جو انداز ہے اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ اگر کوئی تورات یا انجیل پر واقعی ایمان رکھتا تھا تو اس کے لیے قرآن مجید کا انکار کرنا ممکن نہیں تھا۔ اور اگر کوئی قرآن مجید کا انکار کرنے والا تورات یا انجیل پر ایمان کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا دعویٰ غلط ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید دراصل تورات اور انجیل کا تسلسل اور تتمہ ہے۔ نیز یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت تک تورات اور انجیل میں جو نشانیاں موجود تھیں ان پر ایمان رکھنے والوں کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، صحابۂ کرامؓ اور قرآن مجید کو پہچاننا کوئی مسئلہ نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انکار کرنے والے یہود ونصٰریٰ کے علماء نے پہچاننے کے بعد انکار کیا۔ اس طرح تورات اور انجیل پر اپنے زبانی دعوے کی انہوں نے اپنے عمل سے تکذیب کی۔ بی بی صفیہؓ کے والد اور چچا کا مکالمہ، نجران کے عیسائی وفد کا مباہلہ سے کنی کترانا، ہرقل کا ایمان لانے کی خواہش کے باوجود محروم رہنا اور اس طرح کے متعدد واقعات اس بات کا واضح ثبوت ہیں۔ ضمنی طور پر نوٹ کرلیں کہ سلطنت روما کی بادشاہت قبول کرنے سے پہلے ہرقل کا شمار عیسائیوں کے چوٹی کے عالمِ دین میں ہوتا تھا۔

دوسری طرف تورات اور انجیل پر حقیقی ایمان رکھنے والے یہود ونصٰریٰ کے علماء نے اسلام قبول کیا۔ یہودیوں میں اس کی واضح مثال حضرت عبداللہ بن سلامؓ کی ہے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مدینہ پہنچتے ہی اسلام قبول کیا۔ عیسائیوں میں اس کی مثال حبشہ کے شاہ نجاشی کی ہے جن کے انتقال پر مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھائی تھی۔

آیت نمبر (2/البقرہ:92)

﴿ وَلَقَدْ جَاۗءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿٩٢﴾ ﴾

ترکیب

جَاۗءَ کا فاعل موسٰی ہے۔ الْبَيِّنٰتِ صفت ہے اور اس کا موصوف الْاٰيَات محذوف ہے۔ پورا مرکب توصیفی اس طرح ہوتا۔ بِالْاٰيَاتِ الْبَيِّنٰتِ۔ فعل اِتَّخَذْتُمْ کا مفعول اوّل اَلْعِجْلَ ہے جبکہ اس کا مفعول ثانی اِلٰهًا محذوف ہے۔

مِنۡ بَعۡدِہٖ میں ہٖ کی ضمیر موسیٰؑ کے لیے ہے۔

ترجمہ

وَلَقَدۡ جَآءَ	کُمۡ	مُّوۡسٰی	بِالۡبَیِّنٰتِ	ثُمَّ اتَّخَذۡتُمُ
اور آ چکے ہیں	تمہارے پاس	موسیٰؑ	واضح (نشانیوں) کے ساتھ	پھر تم لوگوں نے بنایا

الۡعِجۡلَ	مِنۡ بَعۡدِہٖ	وَاَنۡتُمۡ	ظٰلِمُوۡنَ
بچھڑے کو (الٰہ)	انؑ کے بعد	اور تم لوگ	ہو (ہی) ظلم کرنے والے

السلام وعلیکم رحمۃ اللہ وبرکاۃ

اللہ تعالیٰ ہم سب کی یہ سعی قبول فرمائے اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے۔جس جس نے بھی اس کارخیر میں مال، جان اور صلاحیتوں کو لگایا اللہ قبول ومنظور فرمائے

انجمن خدام القرآن فیصل آباد میں اس کے فوٹو کاپی بھی دستیاب ہیں اور محترم ڈاکٹر جہاں زیب صاحب کے اس کتاب میں اضافہ جات کے ساتھ مطالعہ قرآن حکیم کے نام سے دستیاب ہیں

رابطہ کے لئے: www.khuddam-ul-quran.com, info@khuddam-ul-quran.com

03217805614,0412437618,0412437781

قرآن اکیڈمی سعید کالونی نمبر 2 کینال روڈ فیصل آباد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ البقرۃ (۲)

آیت نمبر (93)

﴿ وَ اِذۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَکُمۡ وَ رَفَعۡنَا فَوۡقَکُمُ الطُّوۡرَ ؕ خُذُوۡا مَاۤ اٰتَیۡنٰکُمۡ بِقُوَّۃٍ وَّ اسۡمَعُوۡا ؕ قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَ
عَصَیۡنَا ٭ وَ اُشۡرِبُوۡا فِیۡ قُلُوۡبِہِمُ الۡعِجۡلَ بِکُفۡرِہِمۡ ؕ قُلۡ بِئۡسَمَا یَاۡمُرُکُمۡ بِہٖۤ اِیۡمَانُکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ
مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۹۳﴾ ﴾

ط	و	ر

(ن)

طَوۡرًا — قریب ہونا۔نزدیک ہونا۔

طَوۡرٌ — ج۔اَطۡوَارٌ۔ اسم ذات ہے۔مختلف لیکن قریب قریب ملتے جلتے ہونے کی کیفیت۔حالت۔ہیئت۔ ﴿ وَ قَدۡ خَلَقَکُمۡ اَطۡوَارًا ﴿۱۴﴾ ﴾ (71/نوح:14) ''اور اس نے پیدا کیا ہے تم لوگوں کو مختلف اور ملتی جلتی حالتوں میں۔''

اَلطُّوۡرُ — ایک پہاڑ کا نام ہے۔آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب

اَخَذۡنَا کا مفعول مرکب اضافی مِیۡثَاقَکُمۡ ہے اور رَفَعۡنَا کا مفعول الطُّوۡرَ ہے جبکہ مرکب اضافی فَوۡقَکُمۡ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔فعل امر خُذُوۡا کا مفعول مَاۤ موصولہ ہے اور اس کا صلہ جملہ فعلیہ اٰتَیۡنٰکُمۡ ہے۔جبکہ بِقُوَّۃٍ دراصل حال ہے لیکن حرف جارِ بِ کی وجہ سے مجرور ہے۔اس طرح یہ مرکب جاری محلاً منصوب ہے۔اُشۡرِبُوۡا ماضی مجہول ہے۔اس میں شامل ھُمۡ کی ضمیر مفعول اوّل اور نائب فاعل ہے اس لیے مرفوع ہے۔جبکہ الۡعِجۡلَ مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔یَاۡمُرُ کا فاعل اِیۡمَانُکُمۡ ہے۔

ترجمہ

وَاِذۡ	اَخَذۡنَا	مِیۡثَاقَکُمۡ	وَرَفَعۡنَا	فَوۡقَکُمُ	الطُّوۡرَ ؕ
اور جب	ہم نے لیا	تم سے پختہ عہد	اور ہم نے بلند کیا	تمہارے اوپر	کوہِ طور کو

خُذُوۡا	مَاۤ	اٰتَیۡنٰکُمۡ	بِقُوَّۃٍ	وَّاسۡمَعُوۡا ؕ
(کہ) تم لوگ پکڑو	اس کو جو	ہم نے دیا تم کو	عمل کی قدرت سے	اور تم لوگ سنو

قَالُوۡا	سَمِعۡنَا	وَعَصَیۡنَا ٭	وَاُشۡرِبُوۡا	فِیۡ قُلُوۡبِہِمُ	الۡعِجۡلَ
انہوں نے کہا	ہم نے سنا	اور ہم نے نافرمانی کی	اور پلا دی گئی	ان کے دلوں میں	بچھڑے (کی محبت)

بِکُفۡرِہِمۡ ؕ	قُلۡ	بِئۡسَمَا	یَاۡمُرُکُمۡ بِہٖۤ	اِیۡمَانُکُمۡ
ان کے کفر کے سبب سے	آپ کہہ دیجئے	کتنا برا ہے وہ	تم کو حکم دیتا ہے جو	تمہارا ایمان

اِنْ كُنْتُمْ	مُّؤْمِنِيْنَ 273
اگرتم لوگ	ایمان لانے والے ہو

آیت نمبر(94)

﴿ قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾

خ ل ص

(ن) **خُلُوْصًا** کسی سے الگ ہونا۔ ملاوٹ سے پاک ہونا۔ ﴿ فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ﴾ (12/یوسف:80) ''پھر جب وہ لوگ مایوس ہوئے اس سے تو وہ الگ ہوئے سرگوشی والا ہوتے ہوئے۔''

خَالِصٌ فَاعِلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ ملاوٹ سے پاک ہونے والا یعنی ملاوٹ سے پاک۔ خالص۔ ﴿ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا ﴾ (16/النحل:66) ''ہم پلاتے ہیں تم لوگوں کو اس میں سے جو ان کے پیٹوں میں ہے، گوبر اور خون کے درمیان سے، ملاوٹ سے پاک دودھ۔''

(افعال) **اِخْلَاصًا** دوسروں سے الگ کرنا۔ ملاوٹ سے پاک کرنا۔ ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ اعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَ اَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ ﴾ (4/النساء:146) ''سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کی اور چمٹے اللہ سے اور ملاوٹ سے پاک کیا اپنے دین کو اللہ کے لیے۔''

مُخْلِصٌ اسم الفاعل ہے۔ ملاوٹ سے پاک کرنے والا۔ ﴿ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ﴾ (39/الزمر:11) ''آپؐ کہیئے کہ مجھے حکم دیا گیا کہ میں بندگی کروں اللہ کی، ملاوٹ سے پاک کرنے والا ہوتے ہوئے اس کے لیے نظامِ حیات کو۔''

مُخْلَصٌ اسم المفعول ہے۔ ملاوٹ سے پاک کیا ہوا۔ دوسروں سے الگ کیا ہوا۔ ﴿ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴾ (19/مریم:51) ''بے شک وہ یعنی موسیٰؑ تھے الگ کیے ہوئے یعنی چنے ہوئے اور وہ تھے رسول نبی۔''

(استفعال) **اِسْتِخْلَاصًا** دوسروں سے الگ کر کے چن لینا۔ منتخب کرنا۔ ﴿ وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ﴾ (12/یوسف:54) ''بادشاہ نے کہا تم لوگ لاؤ میرے پاس انؑ کو، میں منتخب کرتا ہوں انؑ کو اپنے لیے۔''

ترکیب

كَانَتْ کا اسم اَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ ہے جبکہ خَالِصَةً اس کی خبر ہے۔ لَكُمْ۔ عِنْدَ اللّٰهِ اور مِنْ دُوْنِ النَّاسِ متعلق خبر ہیں۔ یہ پورا جملہ شرط ہے جبکہ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ جواب شرط ہے۔

ترجمہ

قُلْ	اِنْ كَانَتْ	لَكُمْ	الدَّارُ الْاٰخِرَةُ	عِنْدَ اللّٰهِ	خَالِصَةً
آپؐ کہیئے	اگر ہے	تمہارے لیے	آخری گھر	اللہ کے پاس	الگ کرنے والا

مِّنۡ دُوۡنِ النَّاسِ	فَتَمَنَّوُا	الۡمَوۡتَ	اِنۡ كُنۡتُمۡ	صٰدِقِيۡنَ 273
دوسرے لوگوں سے	تو تم لوگ تمنا کرو	موت کی	اگر تم لوگ ہو	سچ کہنے والے

آیت نمبر (95)

﴿وَلَنۡ يَّتَمَنَّوۡهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالظّٰلِمِيۡنَ ﴿۹۵﴾﴾

ق د م

(ن) **قَدۡمًا** کسی کے آگے ہونا۔ ﴿يَقۡدُمُ قَوۡمَهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ﴾ (11/ہود:98) ''وہ آگے ہوگا اپنی قوم کے قیامت کے دن۔''

اَقۡدَمُ افعل التفضیل ہے۔ زیادہ آگے۔ ﴿اَفَرَءَيۡتُمۡ مَّا كُنۡتُمۡ تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۷۵﴾ اَنۡتُمۡ وَ اٰبَآؤُكُمُ الۡاَقۡدَمُوۡنَ ﴿۷۶﴾﴾ (26/الشعراء:75۔76) ''تو کیا تم لوگ نے غور کیا اس پر جس کی تم عبادت کرتے ہو، تم لوگ اور تمہارے اگلے آباء یعنی آباء واجداد۔''

قَدَمٌ ج اَقۡدَامٌ۔ اسم ذات ہے۔ پاؤں۔ قدم۔ ﴿بَيۡنَكُمۡ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعۡدَ ثُبُوۡتِهَا﴾ (16/النحل: 94) ''تو پھسلے کوئی قدم اس کے جمنے کے بعد۔'' ﴿رَبَّنَاۤ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّ ثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا﴾ (2/البقرہ:250) ''اے ہمارے رب! تو انڈیل دے ہم پر صبر کو اور تو جما دے ہمارے قدموں کو۔''

(س) **قُدُوۡمًا** کسی کام کا ارادہ کرنا۔ ﴿وَ قَدِمۡنَاۤ اِلٰى مَا عَمِلُوۡا مِنۡ عَمَلٍ فَجَعَلۡنٰهُ هَبَآءً مَّنۡثُوۡرًا ﴿۲۳﴾﴾ (25/الفرقان:23) ''اور ہم نے ارادہ کیا اس کی طرف جو انہوں نے عمل کیے کسی عمل میں سے، تو ہم نے بنایا اس کو بکھرے ہوئے ذرے۔''

(ک) **قَدَامَةً** پرانا ہونا۔

قَدِيۡمٌ فَعِيۡلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ پرانا ہونے والا یعنی پرانا۔ ﴿فَسَيَقُوۡلُوۡنَ هٰذَاۤ اِفۡكٌ قَدِيۡمٌ ﴿۱۱﴾﴾ (46/الاحقاف:11) ''تو وہ لوگ کہیں گے یہ پرانا بہتان ہے۔''

(تفعیل) **تَقۡدِيۡمًا** آگے کرنا۔ آگے بھیجنا۔ ﴿يُنَبَّؤُا الۡاِنۡسَانُ يَوۡمَئِذٍۢ بِمَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ ﴿۱۳﴾﴾ (75/القیامہ:13) ''جتا دیا جائے گا انسان کو اس دن جو اس نے آگے کیا اور جو پیچھے کیا۔''

قَدِّمۡ فعل امر ہے۔ تو آگے کر۔ تو آگے بھیج۔ ﴿اِذَا نَاجَيۡتُمُ الرَّسُوۡلَ فَقَدِّمُوۡا بَيۡنَ يَدَىۡ نَجۡوٰىكُمۡ صَدَقَةً ؕ﴾ (58/المجادلہ:12) ''جب بھی تم لوگ سرگوشی کرو ان رسول ﷺ سے تو آگے کرو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ۔''

(تفعّل) **تَقَدُّمًا** بتکلف خود کو آگے کرنا۔ پیش پیش ہونا۔ آگے ہونا۔ ﴿لِمَنۡ شَآءَ مِنۡكُمۡ اَنۡ يَّتَقَدَّمَ اَوۡ يَتَاَخَّرَ ﴿۳۷﴾﴾ (74/المدثر:37) ''اس کے لیے جو چاہے تم میں سے کہ وہ آگے ہو یا پیچھے رہے۔''

(استفعال) **اِسۡتِقۡدَامًا** پہلے ہونا۔ قبل از وقت ہونا۔ آگے ہونا۔ ﴿اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمۡ فَلَا يَسۡتَاۡخِرُوۡنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسۡتَقۡدِمُوۡنَ ﴿۴۹﴾﴾ (10/یونس:49) ''اور جب بھی آتی ہے ان کی اجل تو وہ لوگ پیچھے نہیں ہوتے ایک گھڑی اور نہ آگے ہوتے ہیں۔''

مُسۡتَقۡدِمٌ اسم الفاعل ہے۔ پہلے یا آگے ہونے والا۔ ﴿وَ لَقَدۡ عَلِمۡنَا الۡمُسۡتَقۡدِمِيۡنَ مِنۡكُمۡ﴾ (15/الحجر:24) ''اور ہم نے جان لیا ہے آگے ہونے والوں کو تم میں سے۔''

ترکیب

یَتَمَنَّوْا کا مفعول ہٗ کی ضمیر ہے جو گذشتہ آیت کے لفظ اَلْمَوْتَ کے لیے ہے۔ اَبَدًا ظرف زمان ہونے کی وجہ سے 273 منصوب ہے۔ قَدَّمَتْ کا فاعل اَیْدِیْھِمْ ہے۔ اَللّٰہُ مبتداء، عَلِیْمٌ خبر اور بِالظّٰلِمِیْنَ متعلق خبر ہے۔

ترجمہ

وَلَنْ یَّتَمَنَّوْہُ	اَبَدًا	بِمَا	قَدَّمَتْ
اور وہ لوگ ہرگز تمنا نہیں کریں گے اس کی	کبھی بھی	بسبب اس کے جو	آگے بھیجا

اَیْدِیْھِمْ ط	وَاللّٰہُ	عَلِیْمٌۢ	بِالظّٰلِمِیْنَ
ان کے ہاتھوں نے	اور اللہ	جاننے والا ہے	ظلم کرنے والوں کو

نوٹ۔1

لفظ اَبَدًا کا مادہ ''ء ب د'' ہے لیکن اسے لغت میں اس لیے نہیں دیا کہ اس کے علاوہ اس مادہ سے کوئی اور فعل یا اسم قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔ جیسا کہ اوپر ترکیب میں بتایا گیا ہے کہ اَبَدًا ظرف زمان ہے لیکن اہم بات یہ ہے کہ اس میں مسلسل اور لامتناہی زمانہ کا مفہوم ہے۔ اس وجہ سے مثبت اور منفی جملوں میں اس کا اردو ترجمہ مختلف ہوتا ہے۔ مثلاً ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْھَا اَبَدًا﴾ (4/النساء:122) ''(ایک حالت میں رہنے والے ہیں اس میں ہمیشہ ہمیشہ)﴿لَنْ نَّدْخُلَھَا اَبَدًا﴾ (5/المآئدہ:24) ''ہم ہرگز داخل نہیں ہوں گے اس میں کبھی بھی۔''

آیت نمبر (96)

﴿وَلَتَجِدَنَّھُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰی حَیٰوۃٍ ۚۛ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا ۚۛ یَوَدُّ اَحَدُھُمْ لَوْ یُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَۃٍ ۚ وَمَا ھُوَ بِمُزَحْزِحِہٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ یُّعَمَّرَ ط وَاللّٰہُ بَصِیْرٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾﴾

و ج د

(ض) وُجُوْدًا: کسی چیز کو پانا۔ ﴿اِنَّا وَجَدْنٰہُ صَابِرًا ط﴾ (38/ص:44) ''ہم نے پایا اس کو یعنی ایوبؑ کو صبر کرنے والا''

وُجْدٌ: پائی ہوئی صلاحیت۔ اہلیت۔ طاقت۔ ﴿اَسْکِنُوْھُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِکُمْ﴾ (65/الطلاق:6) ''تم لوگ سکونت دو خواتین کو جہاں تم سکونت رکھتے ہو، اپنے مقدور بھر۔''

ح ر ص

(ض) حَرْصًا: کسی چیز کی شدت سے خواہش کرنا۔ لالچ کرنا۔ ﴿وَلَنْ تَسْتَطِیْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَیْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ﴾ (4/النساء:129) ''اور تم لوگ ہرگز استطاعت نہیں رکھتے کہ عدل کرو عورتوں کے مابین اور اگرچہ شدید خواہش کرو۔''

حَرِیْصٌ: فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ شدید خواہش کرنے والا۔ لالچی۔ ﴿لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ﴾ (9/التوبہ:128) ''آ چکے ہیں تمہارے پاس

ایک رسول تم میں سے، گراں ہے انؐ پر وہ جو تم کو تکلیف دے، شدید خواہش رکھنے والے ہیں تم پر یعنی بھلائی کی۔‘‘ 273

اَحْرَصُ — افعل التفضیل ہے۔ زیادہ لالچی یا سب سے زیادہ لالچی۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

و د د

(س)

وُدًّا — محبت کرنا۔ چاہنا۔ خواہش کرنا۔ ﴿ وَدَّتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ ﴾ (3/ آل عمران:69) ’’چاہتی ہے ایک جماعت اہلِ کتاب میں سے کہ کاش وہ لوگ گمراہ کردیں تم لوگوں کو۔‘‘

وَدُوْدٌ — فَعُوْلٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ انتہائی محبت کرنے والا۔ انتہائی خیر خواہ۔ ﴿ اِنَّ رَبِّیْ رَحِیْمٌ وَّدُوْدٌ ۝ ﴾ (11/ ھود:90) ’’بے شک میرا رب ہمیشہ رحم کرنے والا، انتہائی خیر خواہ ہے۔‘‘

مَوَدَّةٌ — اسم ذات ہے۔ محبت۔ خیر خواہی۔ ﴿ وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ؕ ﴾ (30/ الروم:21) ’’اور اس نے بنایا تمہارے مابین محبت اور رحمت۔‘‘

وُدٌّ — اسم ذات ہے۔ محبت۔ ﴿ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝ ﴾ (19/ مریم:96) ’’رحمٰن بنادے گا ان کے لیے محبت کو۔‘‘

وَدٌّ — ایک بت کا نام ہے۔ ﴿ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّ لَا سُوَاعًا ۙ ﴾ (71/ نوح:23) ’’اور تم لوگ ہرگز نہ چھوڑنا وَدّ کو اور نہ ہی سواع کو۔‘‘

(مفاعلہ)

مُوَادَّةٌ — باہم محبت کرنا۔ خیر خواہی کرنا۔ ﴿ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ (58/ المجادلہ:22) ’’تو نہیں پائے گا کسی قوم کو جو ایمان لاتی ہے اللہ پر اور آخری دن پر کہ وہ خیر خواہی کریں اس کی جس نے مخالفت کی اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی۔‘‘

ع م ر

(ن)

عَمْرًا — کسی زمین یا جگہ کو آباد کرنا۔ ﴿ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اَثَارُوا الْاَرْضَ وَ عَمَرُوْهَآ ﴾ (30/ الروم:9) ’’وہ لوگ زیادہ شدید تھے ان سے بلحاظ قوت کے اور انہوں نے زمین کو جوتا اور اسے آباد کیا۔‘‘

مَعْمُوْرٌ — مَفْعُوْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ آباد کیا ہوا یعنی آباد۔ ﴿ وَّ الْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۝ ﴾ (52/ الطور:4) ’’قسم ہے آباد گھر کی۔‘‘

عُمُرٌ — بدن کا زندگی سے آباد رہنے کا عرصہ۔ عمر۔ ﴿ وَلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ۝ ﴾ (26/ الشعراء: 18) ’’اور تو نے قیام کیا ہم میں اپنی عمر میں سے کئی سال۔‘‘

عَمْرٌ — اس کے معنی بھی عمر کے ہیں لیکن اس کا زیادہ تر استعمال قسم کھاتے وقت یا دعا کے وقت ہوتا ہے۔ ﴿ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ ﴾ (15/ الحجر:72) ’’آپؐ کی عمر کی قسم یقیناً یہ لوگ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں۔‘‘

عِمَارَةٌ — اسم ذات ہے۔ آبادی۔ ﴿ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ ﴾ (9/ التوبہ:19) ’’کیا تم لوگوں نے بنایا حاجیوں کی سبیل کو اور مسجدِ حرام کی آبادی کو اس کے جیسا جو ایمان لایا اللہ پر اور آخری دن پر اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں، یہ برابر نہیں ہوتے اللہ کے پاس۔‘‘

273

عُمْرَةٌ — حج کے علاوہ بیت اللہ کی زیارت کرنا۔ عمرہ۔ (کیونکہ اس سے بیت اللہ آباد ہوتا ہے)۔ ﴿وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ﴾ (2/ البقرہ: 196) ''اور تم لوگ پورا کرو حج کو اور عمرہ کو اللہ کے لیے۔''

(تفعیل) تَعْمِيْرًا — کسی کو عمر دینا یعنی زندگی دینا۔ ﴿اَوَ لَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَ جَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ؕ﴾ (35/ فاطر: 37) ''تو کیا ہم نے عمر نہیں دی تم کو اتنی جس میں وہ سمجھ لیتا جس نے سمجھنا ہوتا اس حال میں کہ تمہارے پاس آیا خبردار کرنے والا۔''

مُعَمَّرٌ — اسم المفعول ہے۔ عمر دیا ہوا۔ زیادہ تر طویل عمر کے لیے آتا ہے۔ ﴿وَ مَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ﴾ (35/ فاطر: 11) ''اور جو عمر دی جاتی ہے طویل العمر کو۔''

(افتعال) اِعْتِمَارًا — کسی جگہ کو آباد کرنے کا اہتمام کرنا۔ زیارت کرنا۔ عمرہ کرنا۔ ﴿فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ﴾ (2/ البقرہ: 158) ''تو جو حج کرے اس گھر کا یا عمرہ کرے۔''

(استفعال) اِسْتِعْمَارًا — کسی کو کسی جگہ بسانا۔ ﴿هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا﴾ (11/ ھود: 61) ''اس نے پیدا کیا تم کو زمین سے اور اس نے بسایا تم کو اس میں۔''

س ن و

(ن) سَنْوًا — کسی چیز کا چمکنا۔ نمایاں ہونا۔

سَنًا — اسم ذات ہے۔ چمک۔ ﴿يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ؕ﴾ (24/ النور: 43) ''قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک لے جائے آنکھوں کو۔''

سَنَةٌ — ج سِنُوْنَ۔ زمانے کے نمایاں ہونے کا معین عرصہ۔ ایک سال ﴿فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ﴾ (29/ العنکبوت: 14) ''تو انہوں نے یعنی حضرت نوحؑ نے بسر کیے ان میں ہزار سال سوائے پچاس برس کے یعنی 950 سال۔'' ﴿وَ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ الْحِسَابَ ؕ﴾ (10/ یونس: 5) ''اور اس نے مقدر کیا اس کے لیے یعنی چاند، سورج وغیرہ کے لیے منزلیں تاکہ تم لوگ جان لو سالوں کی گنتی اور حساب یعنی مہینوں، دنوں وغیرہ کا حساب۔''

ز ح ز ح

(رباعی) زَحْزَحَةً — دور کرنا۔ ہٹانا۔ بچانا۔ ﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ﴾ (3/ آل عمران: 185) ''پس جو دور کیا گیا آگ سے اور داخل کیا گیا جنت میں تو اس نے مراد پالی۔''

مُزَحْزِحٌ — اسم الفاعل ہے۔ دور کرنے والا۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب

لَتَجِدَنَّ کا مفعول اوّل هُمْ کی ضمیر ہے۔ مرکب اضافی اَحْرَصَ النَّاسِ مفعول ثانی ہے اس لیے اس کا مضاف اَحْرَصَ منصوب ہے۔ عَلٰی حَيٰوةٍ متعلق فعل ہے۔ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا کے دو امکانات ہیں۔ ایک امکان یہ ہے کہ اسے لَتَجِدَنَّ کا دوسرا مفعول اوّل مانا جائے۔ ایسی صورت میں مطلب ہوگا کہ تو لازماً پائے گا ان کو یعنی یہودیوں کو اور ان میں سے جنہوں نے شرک کیا، لوگوں میں سب سے زیادہ حریص زندگی پر۔ دوسرا امکان یہ ہے کہ اسے اَلنَّاسِ پر عطف مانا جائے۔ ایسی صورت میں مطلب ہوگا لوگوں میں سب سے زیادہ حریص اور ان سے بھی زیادہ حریص جنہوں نے شرک کیا۔ ترجمہ میں ہم دوسرے امکان کو ترجیح دیں گے۔

وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ میں مَا نافیہ ہے۔ هُوَ مبتداء اور مرکب بِمُزَحْزِحِهٖ خبر ہے مَا کی۔ هُوَ کی ضمیر کے لیے 273 ہماری ترجیح یہ ہے کہ اسے يَوَدُّ کے اسم شدید خواہش کے لیے مانا جائے یعنی یہ خواہش اسے بچانے والی نہیں ہے عذاب سے کہ اسے لمبی عمر دے دی جائے۔

ترجمہ

وَلَتَجِدَنَّهُمْ	اَحْرَصَ النَّاسِ	عَلٰى حَيٰوةٍ	وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا
اور تو لازماً پائے گا ان کو	لوگوں میں سب سے زیادہ حریص	زندگی پر	اور ان سے (بھی زیادہ حریص) جنہوں نے شرک کیا

يَوَدُّ	اَحَدُهُمْ	لَوْ يُعَمَّرُ	اَلْفَ سَنَةٍ	وَمَا هُوَ	بِمُزَحْزِحِهٖ
چاہتا ہے	ان کا ہر ایک	کاش وہ عمر دیا جائے	ہزار سال کی	اور یہ (آرزو)	اس کو بچانے والی نہیں ہے

مِنَ الْعَذَابِ	اَنْ يُّعَمَّرَ	وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ	بِمَا	يَعْمَلُوْنَ
عذاب سے	کہ وہ عمر دیا جائے (لمبی)	اور اللہ دیکھنے والا ہے	اس کو جو	یہ لوگ کرتے ہیں

نوٹ۔1

المنجد میں ہے کہ حَرَصَ باب نصر اور سمع سے آتا ہے لیکن قرآن مجید میں یہ ضرب سے آیا ہے۔ کیونکہ اس کا مضارع مکسور العین یعنی ''ر'' کے زیر کے ساتھ اِنْ تَحْرِصْ آیا ہے (16/ النحل:37) اس لیے لغت میں ہم نے اسے باب ضرب سے لکھا ہے۔

نوٹ۔2

عَلٰى حَيٰوةٍ میں حَيٰوةٍ نکرہ آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ زندگی کے حریص ہیں، چاہے وہ کیسی بھی ہو۔ خواہ عزت کی ہو یا ذلت کی ہو۔

آیت نمبر (97)

﴿ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾

ترکیب

مَنْ شرطیہ ہے۔ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ شرط ہے اور اس کا جواب شرط محذوف ہے۔ تفسیر حقانی میں یہاں پر فَهُوَ عَدُوُّ اللّٰهِ (تو وہ اللہ کا دشمن ہے) کو محذوف مانا گیا ہے۔ جبکہ ہمارے استاد محترم پروفیسر حافظ احمد یار صاحب یہ محذوف مانتے تھے کہ ''دشمن ہے تو ہوا کرے۔'' فَاِنَّهٗ میں ہٗ کی ضمیر جبریلؑ کے لیے ہے۔ نَزَّلَهٗ میں ہٗ کی ضمیر قرآن مجید کے لیے ہے۔ اس آیت میں یا اس سے پہلے قرآن مجید کا ذکر نہیں ہے لیکن عبارت بتا رہی ہے کہ قرآن کے علاوہ اس ضمیر کا کوئی اور مرجع ماننا ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح بَيْنَ يَدَيْهِ میں بھی ہِ کی ضمیر قرآن مجید کے لیے ہے۔ مُصَدِّقًا حال ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے اور یہ نَزَّلَهٗ کی ضمیر ہٗ یعنی قرآن مجید کا حال ہے۔ اسی طرح سے هُدًى اور بُشْرٰى بھی قرآن کا حال ہیں۔

273

ترجمہ

قُلْ	مَنْ كَانَ	عَدُوًّا	لِّجِبْرِيْلَ	فَاِنَّهٗ	نَزَّلَهٗ	عَلٰى قَلْبِكَ
آپ ﷺ کہہ دیجئے	جو ہے	دشمن	جبریل علیہ السلام کا	تو انہوں نے تو	اتارا اس کو	آپ ﷺ کے دل پر

بِاِذْنِ اللّٰهِ	مُصَدِّقًا	لِّمَا	بَيْنَ يَدَيْهِ
اللہ کی اجازت سے	تصدیق کرنے والا ہوتے ہوئے	اس کی جو	اس کے پہلے ہے

وَهُدًى	وَّبُشْرٰى	لِلْمُؤْمِنِيْنَ
اور ہدایت ہوتے ہوئے	اور بشارت ہوتے ہوئے	ایمان لانے والوں کے لیے

آیت نمبر (98_99)

﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝٩٨ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ
اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ۝٩٩﴾

ترجمہ

مَنْ كَانَ	عَدُوًّا	لِّلّٰهِ	وَمَلٰٓئِكَتِهٖ	وَرُسُلِهٖ	وَجِبْرِيْلَ
جو ہے	دشمن	اللہ کا	اور اس کے فرشتوں کا	اور اس کے رسولوں کا	اور جبریل علیہ السلام کا

وَمِيْكٰلَ	فَاِنَّ اللّٰهَ	عَدُوٌّ	لِّلْكٰفِرِيْنَ	وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ
اور میکائیل علیہ السلام کا	تو بیشک اللہ	دشمن ہے	انکار کرنے والوں کا	اور بیشک ہم نے اتارا ہے

اِلَيْكَ	اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ	وَمَا يَكْفُرُ	بِهَآ	اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ
آپ ﷺ کی طرف	کھلی نشانیوں کو	اور انکار نہیں کرتے	اس کا	مگر نافرمانی کرنے والے

نوٹ۔1

علماء یہود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کرتے تھے کہ اگر جواب درست ہوا تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اسی طرح ایمان لائے تھے۔ جبکہ دوسرے علماء جوابات تو درست تسلیم کرتے تھے لیکن یہ کہہ کر انکار کر دیتے تھے کہ آپ ﷺ پر جبریل علیہ السلام وحی لاتے ہیں جن سے ہماری دشمنی ہے کیونکہ وہ سختی اور خونریزی کے احکام لاتے ہیں۔ اگر کوئی اور فرشتہ وحی لاتا تو ہم ایمان لے آتے۔ اس کے جواب میں مذکورہ آیات نازل ہوئیں کہ فرشتے اور رسول تو اللہ کی اجازت سے اس کے احکام لاتے ہیں۔ ان سے دشمنی دراصل اللہ سے دشمنی ہے۔ اس لیے اللہ ایسے لوگوں کا دشمن ہے۔

273

آیت نمبر(100)

﴿ اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُھُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝١٠٠﴾

ن ب ذ

(ض) نَبَذًا: کسی چیز کو الگ کرنا۔ پھینک دینا۔﴿ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ﴾ (28/القصص:40) ''پس ہم نے پکڑا اس کو اور اس کے لشکر کو پھر ہم نے پھینکا ان کو پانی میں۔''

اِنْبِذْ: فعل امر ہے۔ تو الگ کر۔ تو پھینک ﴿ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ ﴾ (8/الانفال:58) ''اور اگر تم کو خوف ہو کسی قوم سے خیانت کا یعنی معاہدہ کی خلاف ورزی کا تو تم پھینکو ان کی طرف یعنی معاہدہ کو۔''

(افتعال) اِنْتِبَاذًا: الگ ہونا۔ خود کو پھینکنا یعنی گوشہ نشین ہونا۔﴿ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ۝٢٢﴾ (19/مریم:22) ''تو وہ گوشہ نشین ہوئیں اس کے ساتھ ایک دور دراز جگہ میں۔''

ترکیب

اَوَ کا ہمزہ استفہام انکاری ہے۔ اس کا لفظی ترجمہ بنتا ہے ''اور کیا نہیں'' لیکن اس کا پورا مفہوم ہے ''اور کیا ایسا نہیں ہے۔'' كُلَّمَا شرطیہ ہے۔ عٰهَدُوْا عَهْدًا شرط ہے، عَهْدًا مفعول مطلق ہے اور نَبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ اس کا جواب ہے۔

ترجمہ

اَوَ	كُلَّمَا	عٰهَدُوْا	عَهْدًا
اور کیا (ایسا نہیں ہے کہ)	جب کبھی	ان لوگوں نے معاہدہ کیا	جیسا عہد کرنے کا حق ہے

نَبَذَهٗ	فَرِيْقٌ	مِّنْهُمْ ۭ	بَلْ	اَكْثَرُھُمْ
تو پھینکا اس کو	ایک فریق نے	ان میں سے	بلکہ	ان کے اکثر

لَا يُؤْمِنُوْنَ
ایمان نہیں لاتے

نوٹ۔1

مفعول مطلق کا استعمال آپ آیت نمبر(2/البقرہ:48) میں پڑھ چکے ہیں۔ اب یہ بات سمجھ لیں کہ مزید فیہ کے افعال کے ساتھ اسی باب کا مصدر بھی بطور مفعول مطلق آتا ہے اور ثلاثی مجرد کا مصدر لانا بھی جائز ہے۔ جیسا کہ آیت زیر مطالعہ میں عٰهَدُوْا باب مفاعلہ سے ماضی مذکر غائب کا صیغہ ہے جبکہ اس کا مفعول مطلق ثلاثی مجرد کا مصدر عَهْدًا آیا ہے۔

آیت نمبر(101)

﴿ وَلَمَّا جَاۗءَھُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَھُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ڎ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝١٠١﴾

ترکیب

لَمَّا شرطیہ ہے۔ جَآءَ هُمْ سے مَعَهُمْ تک شرط ہے۔ نَبَذَ فَرِيْقٌ سے وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ تک جواب شرط ہے۔ جبکہ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ حال ہے فَرِيْقٌ کا۔

جَآءَ کا مفعول هُمْ ہے، اس کا فاعل رَسُوْلٌ ہے جو کہ موصوف ہے، اس کی صفت مُصَدِّقٌ ہے اور درمیان میں مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ متعلق فعل ہے۔ مرکب توصیفی رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ نکرہ مخصوصہ ہے اور لِمَا مَعَهُمْ اس کی خصوصیت ہے۔ نَبَذَ کا فاعل فَرِيْقٌ ہے اور یہ بھی نکرہ مخصوصہ ہے۔ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اس کی خصوصیت ہے۔ اُوْتُوْا دراصل اُتِیَ (باب افعال) کا ماضی مجہول ہے۔ اس کا نائب فاعل اَلَّذِيْنَ ہے اس لیے محلاً رفع میں ہے جبکہ اَلْكِتٰبَ اس کا مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ كِتٰبَ اللّٰهِ دراصل نَبَذَ کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور وَرَآءَ ظرف ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔

ترجمہ

وَلَمَّا	جَآءَهُمْ	رَسُوْلٌ	مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ	مُصَدِّقٌ	لِّمَا
اور جب	آیا ان کے پاس	ایک رسول	اللہ کے پاس سے	تصدیق کرنے والا	اس کی جو

مَعَهُمْ	نَبَذَ	فَرِيْقٌ	مِّنَ الَّذِيْنَ	اُوْتُوا	الْكِتٰبَ	كِتٰبَ اللّٰهِ
ان کے ساتھ ہے	تو پھینکا	ایک فریق نے	ان میں سے جن کو	دی گئی	کتاب	اللہ کی کتاب کو

وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ	كَاَنَّهُمْ	لَا يَعْلَمُوْنَ
اپنی پیٹھوں کے پیچھے	جیسے کہ وہ لوگ	جانتے نہیں ہیں

نوٹ۔1

اُوْتُوا الْكِتٰبَ میں کتاب سے مراد سابقہ کتابیں یعنی تورات اور انجیل ہیں۔ جبکہ كِتٰبَ اللّٰهِ میں کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ آیت کے آخر میں ''جیسے کہ وہ لوگ جانتے نہیں ہیں'' کا فقرہ بتا رہا ہے کہ تورات اور انجیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن مجید اور صحابۂ کرامؓ کے متعلق اتنی واضح نشانیاں موجود تھیں کہ انہیں ان کو پہچاننے میں کوئی مشکل پیش نہیں آسکتی تھی۔ لیکن ان لوگوں نے رویہ وہ اختیار کیا کہ جیسے ان کے پاس یہ علم نہیں ہے۔

آیت نمبر (102)

﴿وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ
النَّاسَ السِّحْرَ ۖ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى
يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ
بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ
اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ڞ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ١٠٢﴾

س	ح	ر

273

(ف)

سِحْرًا چاندی پر سونے کا ملمع کرنا۔ دھوکا دینا۔ جادو کرنا۔ ﴿سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ﴾(7/الاعراف:116) ''انہوں نے ملمع کیا یعنی جادو کیا لوگوں کی آنکھوں پر۔''

سِحْرٌ اسم ذات بھی ہے۔ ملمع۔ جادو۔ ﴿اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ﴾(20/طٰہٰ:71)''یقیناً یہ تمہارا بڑا ہے جس نے سکھایا تم لوگوں کو جادو۔''

سَحَرٌ ج اَسْحَارٌ۔ ایسی صبح جس پر رات کا ملمع ہو۔ صبح صادق۔ صبح تڑکے۔ ﴿نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ۙ﴾ (54/القمر:34)''ہم نے نجات دی ان کو صبح تڑکے۔''﴿وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ﴾ (3/آل عمران:17)''اور مغفرت طلب کرنے والے سویرے سویرے۔''

سَاحِرٌ ج سَحَرَةٌ اور سَاحِرُوْنَ۔ اسم الفاعل ہے۔ ملمع کرنے والا۔ جادو کرنے والا۔ جادوگر۔ ﴿وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ﴾ (20/طٰہٰ:69)''اور مراد کو نہیں پہنچتا جادوگر۔''﴿وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ﴾ (7/الاعراف:113)''اور آئے جادوگر لوگ فرعون کے پاس۔''﴿وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ﴾ (10/یونس:77)''اور مراد کو نہیں پہنچتے جادوگر لوگ۔''

سَحَّارٌ فَعَّالٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ بڑا جادوگر۔ ﴿يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ﴾ (26/الشعراء:37)''وہ لوگ لے آئیں تیرے پاس ہر ایک جاننے والے بڑے جادوگر کو۔''

مَسْحُوْرٌ اسم المفعول ہے۔ جادو کیا ہوا۔ ﴿اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا﴾(17/بنی اسرائیل:101)''کہ میں گمان کرتا ہوں تم کو اے موسیٰؑ جادو کیا ہوا۔''

مُسَحَّرٌ باب تفعیل سے اسم المفعول ہے۔ بار بار یعنی کثرت سے جادو کیا ہوا۔ ﴿اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۚ﴾(26/الشعراء:153)''کچھ نہیں سوائے اس کے کہ تو جادو کئے ہوئے لوگوں میں سے ہے۔''

ف	ت	ن

(ض)

فُتُوْنًا سونے کو آگ میں ڈال کر کھرا کھوٹا معلوم کرنا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ پھر متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے تو مطلب ہوتا ہے (۱) کھرا کھوٹا الگ الگ کرنے کے لیے آزمائش میں ڈالنا۔ (۲) عذاب دینا۔ اگر غیر اللہ کی طرف نسبت ہو تو مطلب ہوتا ہے۔ (۳) ایسی مشکل یا آفت میں ڈالنا جس میں گمراہی کا امکان غالب ہو۔ (۴) لغزش دینا۔ پھسلا دینا۔ (۵) تکلیف دینا۔ ﴿اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ﴾ (29/العنکبوت:2)''کیا لوگوں نے گمان کیا کہ وہ چھوڑ دیے جائیں گے کہ انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور وہ لوگ آزمائش میں نہ ڈالے جائیں گے۔''﴿يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ﴾ (51/الذریات:13)''اس دن وہ لوگ آگ پر عذاب دیے جائیں گے۔''﴿وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ﴾ (57/الحدید:14) اور لیکن یعنی مگر تم لوگوں نے مشکل میں ڈالا اپنے آپ کو۔''﴿وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۭ﴾ (5/المآئدہ:49)''اور آپؐ محتاط رہیں ان سے کہ وہ لوگ پھسلا دیں آپؐ کو اس کے بعض سے جو نازل کیا اللہ نے آپ کی طرف۔''

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ﴾ (85/البروج:10)''بیشک جن لوگوں نے ایذا دی مسلمان مردوں کو اور مسلمان عورتوں کو پھر انہوں نے توبہ نہیں کی تو ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے۔''

فَاتِنٌ اسم الفاعل ہے۔لغزش دینے والا۔﴿ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴾ (37/الصافات:162)''اور تم لوگ اس سے یعنی ایمان سے لغزش دینے والے نہیں ہو یعنی نہیں دے سکتے۔''

فِتْنَةٌ اسم ذات ہے۔(۱) آزمائش۔(۲) عذاب۔(۳) مشکل۔آفت۔(۴) لغزش۔گمراہی۔(۵) تکلیف۔﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ﴾ (8/الانفال:28)''تم لوگ جان لو کہ دراصل تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہیں۔'' ﴿ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ﴾ (51/الذریات:14)''تم لوگ چکھو اپنے عذاب کو۔'' ﴿ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ﴾ (8/الانفال:25)''اور تم لوگ بچو ایسی آفت سے جو خاص ان لوگوں کو نہیں پہنچے گی جنہوں نے ظلم کیا تم میں سے۔'' ﴿ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ﴾ (8/الانفال:39)''اور تم لوگ قتال کرو ان سے یہاں تک کہ نہ رہے کوئی گمراہی اور ہو جائے نظام حیات، اس کا کل، اللہ کے لیے۔'' ﴿ وَ اِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨانْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ﴾ (22/الحج:11)''اور اگر پہنچتی ہے اس کو کوئی تکلیف تو وہ پلٹ جاتا ہے اپنے چہرے پر۔''

ض ر ر

(ن) **ضَرًّا** کسی کو نقصان پہنچانا۔تکلیف دینا۔﴿ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ﴾ (10/یونس:106)''اور تو مت پکار اللہ کے سوا اس کو جو تجھ کو نفع نہیں دیتا اور نقصان نہیں پہنچاتا۔''

ضَرٌّ ج ضَرَّاءُ۔ اسم ذات ہے۔نقصان۔تکلیف۔﴿ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا ﴾ (7/الاعراف:188)''آپؐ کہیے میں اختیار نہیں رکھتا اپنی جان کے لیے کسی نفع کا اور نہ ہی کسی نقصان کا۔'' ﴿ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ ﴾ (3/آل عمران:134)''وہ لوگ جو انفاق کرتے ہیں آسانیوں میں اور تکالیف میں۔''

ضَرَرٌ اسم ذات ہے۔مجبوری۔عذر۔﴿ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ ﴾ (4/النساء:95)''برابر نہیں ہیں بیٹھنے والے مومنوں میں سے، بغیر عذر والے، اور جہاد کرنے والے۔''

ضَارٌّ فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔تکلیف دینے والا۔﴿ وَ لَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا ﴾ (58/المجادلہ:10)''اور وہ نقصان پہنچانے والا نہیں ہے ان کو کچھ بھی۔''

(مفاعلہ) **ضِرَارًا** باہم نقصان پہنچانا، تکلیف دینا۔﴿ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ﴾ (65/الطلاق:6)''اور تم لوگ تکلیف مت دو ان خواتین کو تاکہ تم لوگ تنگی کرو ان پر۔''

مُضَارٌّ اس باب میں مضاعف کا اسم الفاعل اور اسم المفعول دونوں ہم شکل ہو جاتے ہیں۔اس لیے اس کے دو معانی ہیں۔(۱) نقصان پہنچانے والا۔(۲) نقصان پہنچایا ہوا۔﴿ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ ﴾ (4/النساء:12)''وصیت کے بعد، اس نے وصیت کی جس کی یا قرض کے بعد، بغیر نقصان پہنچانے والا ہوتے ہوئے۔''

(افتعال) **اِضْطِرَارًا** مجبور کرنا۔﴿ ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ ﴾ (2/البقرہ:126) ''پھر میں مجبور کردوں گا اس کو آگ کے عذاب کی طرف۔''

مُضْطَرٌّ اس میں بھی دو امکان ہیں۔(۱) مجبور کرنے والا۔جابر۔(۲) مجبور کیا ہوا۔مجبور۔لاچار۔﴿ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ ﴾ (27/النمل:62) ''یا کون جواب دیتا ہے یعنی قبول کرتا ہے لاچار کی جب بھی وہ پکارے اس کو۔''

ن ف ع

(ف) **نَفْعًا** فائدہ دینا۔﴿ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَ لَا يَضُرُّنَا ﴾ (6/الانعام:71) ''کیا ہم پکارے اللہ کے سوا اس کو جو ہم کو نفع نہیں دیتا اور نہ ہم کو نقصان پہنچاتا ہے۔''

نَفْعٌ اسم ذات ہے۔فائدہ۔﴿ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا ؕ ﴾ (13/الرعد:16) ''وہ لوگ اختیار نہیں رکھتے اپنے آپ کے لیے کسی فائدے کا اور نہ کسی نقصان کا۔''

مَنْفَعَةٌ ج مَنَافِعُ۔ اسم ذات ہے۔ہر وہ چیز جس سے فائدہ اٹھایا جائے۔﴿ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ (22/الحج:33) ''تمہارے لیے اس میں فائدہ اٹھانے کی چیزیں ہیں ایک مقررہ میعاد تک۔''

ترکیب

تَتْلُوْا مضارع میں واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے اور اس پر الف کا اضافہ قرآن مجید کا مخصوص املا ہے۔اس کا فاعل اسم ظاہر اَلشَّيٰطِيْنُ عاقل کی جمع مکسر ہے اس لیے مؤنث کا صیغہ بھی جائز ہے۔وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ میں لٰكِنَّ کا اسم ہونے کی وجہ سے اَلشَّيٰطِيْنَ نصب میں ہے اور جملہ فعلیہ كَفَرُوْا اس کی خبر ہے۔يُعَلِّمُوْنَ کا فاعل اس میں شامل هُمْ کی ضمیر ہے جو الشَّيٰطِيْنَ کے لیے ہے جبکہ اَلنَّاسَ اس کا مفعول اوّل اور اَلسِّحْرَ مفعول ثانی ہے اور یہ پورا جملہ كَفَرُوْا کا حال ہے۔وَمَاۤ اُنْزِلَ عطف ہے وَاتَّبَعُوْا پر۔هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ بدل ہے اَلْمَلَكَيْنِ کا، اس لیے یہ حالت جرّ میں ہے اور غیر منصرف ہونے کی وجہ سے تا پر فتحہ آئی ہے۔يُعَلِّمٰنِ کا فاعل اس میں شامل هُمَا کی ضمیر ہے جو ھاروت اور ماروت کے لیے ہے۔فَيَتَعَلَّمُوْنَ کا مفعول مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ ہے۔بِضَآرِّيْنَ بِهٖ میں ہ کی ضمیر مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ کے لیے ہے۔

ترجمہ

وَاتَّبَعُوْا	مَا	تَتْلُوا	الشَّيٰطِيْنُ	عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ
اور وہ لوگ پیچھے پڑے	اس کے جو	پڑھتے تھے	شیاطین	سلیمانؑ کے ملک میں

وَمَا كَفَرَ	سُلَيْمٰنُ	وَلٰكِنَّ	الشَّيٰطِيْنَ	كَفَرُوْا	يُعَلِّمُوْنَ
اور کفر نہیں کیا	سلیمانؑ نے	اور لیکن (بلکہ)	شیاطین نے	کفر کیا ہے	وہ سکھاتے تھے

النَّاسَ	السِّحْرَ ۗ	وَمَاۤ	اُنْزِلَ	عَلَى الْمَلَكَيْنِ	بِبَابِلَ
لوگوں کو	جادو	اور اس کے (پیچھے پڑے) جو	اتارا گیا	دو فرشتوں پر	بابل میں

هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ	وَمَا يُعَلِّمٰنِ	مِنْ اَحَدٍ	حَتّٰى
ھاروت اور ماروت پر	اور وہ دونوں نہیں سکھاتے تھے	کسی ایک کو	یہاں تک کہ

يَقُوْلَآ	اِنَّمَا	نَحْنُ	فِتْنَةٌ	فَلَا تَكْفُرْ ؕ 273
وہ دونوں کہتے	کچھ نہیں سوائے اس کے کہ	ہم	آزمائش ہیں	پس تو کفر مت کر

فَيَتَعَلَّمُوْنَ	مِنْهُمَا	مَا	يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ	بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ
تو (بھی) وہ لوگ سیکھتے	ان دونوں سے	اس کو	وہ لوگ جدائی ڈالتے جس سے	مرد اور اس کی بیوی کے مابین

وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ	بِهٖ	مِنْ اَحَدٍ	اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ
اور وہ لوگ نقصان پہنچانے والے نہیں ہیں	اس سے	کسی ایک کو	مگر اللہ کی اجازت سے

وَيَتَعَلَّمُوْنَ	مَا	يَضُرُّهُمْ	وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ	وَلَقَدْ عَلِمُوْا
اور وہ سیکھتے	اس کو جو	ان کو نقصان دیتا	اور ان کو نفع نہیں دیتا	اور یقیناً وہ جان چکے تھے

لَمَنِ اشْتَرٰىهُ	مَالَهٗ	فِي الْاٰخِرَةِ	مِنْ خَلَاقٍ ؞	وَلَبِئْسَ
کہ بیشک جس نے خریدا اس کو	اس کے لیے نہیں ہے	آخرت میں	کوئی حصہ	اور یقیناً کتنا برا ہے

مَا شَرَوْا بِهٖٓ	اَنْفُسَهُمْ ؕ	لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ
وہ، انہوں نے سودا کیا جس سے	اپنے آپ کا	کاش وہ لوگ جانتے ہوتے

نوٹ۔1

اس آیت سے جادو کے متعلق جو راہنمائی حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہے۔(۱) جادو کا وجود اور اس کا مؤثر ہونا ثابت ہے۔(۲) جادو کا کفر ہونا ثابت ہے۔(۳) جادو کا اثر اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر ممکن نہیں ہے اس لیے جادو کا توڑ جادو سے کرنا غلط ہے بلکہ اس کے لیے اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔" جادو کو دور کرنے (یعنی دور رکھنے) اور اس کے اثر کو زائل کرنے کے لیے سب سے اعلیٰ چیز قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ کی سورتیں ہیں۔ حدیث میں ہے کہ ان جیسا کوئی تعویذ نہیں ہے۔ اسی طرح آیت الکرسی بھی شیطان کو دفع کرنے میں اعلیٰ درجے کی چیز ہے" (ابن کثیر)۔

آیت نمبر (103)

﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠٣﴾ ع ﴾

ث و ب

(ن) ثَوْبًا کسی چیز کا اپنی اصل کی طرف لوٹنا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) منزل مقصود تک پہنچنا۔ (۲) بدلہ پانا (عمل کا عمل کرنے والے یعنی اپنے اصل کی طرف لوٹ آنا)۔

مَثَابَةٌ مَفْعَلٌ کے وزن پر اسم الظرف ہے۔ (مَثَابٌ کے ساتھ تائے وحدت ہے۔ جیسے بَقَرٌ سے بَقَرَةٌ)۔ لوٹنے کی ایک جگہ۔ ﴿ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ ﴾ (2/ البقرہ: 125) "اور جب ہم نے بنایا اس گھر کو لوٹنے کا ایک ٹھکانہ لوگوں کے لیے۔"

ثَوَابٌ اسم ذات ہے۔کسی عمل کی جزا۔بدلہ۔﴿ فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ﴾(4/النساء:134) ’’تو اللہ ہی کے پاس آخرت اور دنیا کی جزا ہے۔‘‘

مَثُوْبَةٌ اسم ذات ہے۔جزا۔بدلہ۔﴿ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً ﴾(5/المآئدہ:60)’’کیا میں خبر دوں تم لوگوں کو اس سے زیادہ شر کی بطور بدلے کے۔‘‘

ثَوْبٌ ج ثِيَابٌ۔ اسم ذات ہے۔کپڑا (کپاس کی منزلِ مقصود)۔﴿ يَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا ﴾(18/الکہف:31)’’اور وہ پہنیں گے سبز کپڑے۔‘‘

ثَيِّبَاتٌ فَيْعِلٌ کے وزن پر صفت ثَيِّبٌ کی جمع مؤنث سالم ہے۔بیوہ یا طلاق شدہ خواتین (کیونکہ وہ شادی سے پہلے کی حالت پر لوٹ آتی ہیں)۔﴿ ثَيِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا ۝﴾(66/التحریم:5)’’شوہر آشنا خواتین اور کنواریاں۔‘‘

(افعال) **اِثَابَةٌ** بدلے میں کچھ دینا۔﴿ فَاَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ ﴾(3/آل عمران:153)’’تو اس نے بدلے میں دیا تم لوگوں کو غم پر غم۔‘‘﴿ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ ﴾(5/المآئدہ:85)’’تو بدلے میں دیا ان کو اللہ نے، بسبب اس کے جو انہوں نے کہا، باغات۔‘‘

(تفعیل) **تَثْوِيْبًا** بدلہ دینا۔﴿ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ ﴾(83/المطففین:36)’’کیا بدلہ دیے گئے کافر لوگ، وہ جو وہ لوگ کیا کرتے تھے۔‘‘

خ ی ر

(ض) **خَيْرًا** فائدہ مند ہونا۔صاحبِ خیر ہونا (لازم)۔

خِيَرًا پسند کرنا (متعدی)۔

خَيْرٌ اسم ذات ہے۔(۱) جس کا انجام پسندیدہ ہو۔بھلائی۔خیر۔(۲) پسندیدہ چیز۔مال۔دولت۔﴿ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ﴾(2/البقرہ:110)’’اور جو تم لوگ آگے بھیجتے ہو اپنے آپ کے لیے کوئی بھی بھلائی، تم لوگ پاؤ گے اس کو اللہ کے پاس۔‘‘﴿ وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝ ۭ﴾(100/العٰدیٰت:8)’’اور یقیناً وہ مال کی محبت میں شدید ہے۔‘‘

خَيْرٌ اس مادہ کا افعل التفضیل اَخْيَرُ بہت کم استعمال ہوتا ہے۔اس کے بجائے زیادہ تر خَيْرٌ استعمال ہوتا ہے اور قرآن مجید میں بھی خَيْرٌ استعمال ہوا ہے۔اَخْيَرُ کہیں نہیں آیا۔بہتر یا سب سے بہتر۔﴿ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ﴾(7/الاعراف:12)’’میں بہتر ہوں اس سے۔‘‘﴿ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ۝ ﴾(3/آل عمران:150)’’بلکہ اللہ تمہارا مولیٰ ہی اور وہ سب سے بہتر مدد کرنے والا ہے۔‘‘

خَيْرَاتٌ یہ خَيْرٌ کی جمع مؤنث سالم ہے۔بھلائیاں۔نیکیاں۔﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ﴾(21/الانبیاء:90)’’بیشک وہ لوگ جلدی کیا کرتے تھے نیکیوں میں۔‘‘

اَخْيَارٌ اَفْعَالٌ کے وزن پر جمع مکسر ہے۔بہت خیر والا۔﴿ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ۝ ۭ﴾(38/صٓ:48)’’اور یاد کرو اسمٰعیلؑ کو اور یَسَعَ علیہ السلام کو اور ذو الکفل کو، وہ سب بہت خیر والوں میں سے ہیں۔‘‘

خِيَرَةٌ پسند کرنے کی قدرت۔اختیار۔﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ

اَمۡرًا اَنۡ یَّکُوۡنَ لَهُمُ الۡخِیَرَةُ مِنۡ اَمۡرِهِمۡ ؕ﴾ (33/الاحزاب: 36) ''نہیں ہے کسی مومن مرد کے لیے اور نہ ہی کسی مومن عورت کے لیے، جب فیصلہ کرے اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا، کہ ہو ان کے لیے پسند کرنے کا اختیار اپنے کام میں۔''

273

(تفعل)	تَخَیُّرًا	کسی چیز کو اپنے لیے پسند کرنا۔ ﴿وَ فَاکِهَةٍ مِّمَّا یَتَخَیَّرُوۡنَ ﴾ (56/الواقعہ: 20) ''اور پھل، اس میں سے جو وہ لوگ پسند کریں۔''
(افتعال)	اِخۡتِیَارًا	پسندیدہ چیز کو حاصل کر لینا۔ چن لینا۔ منتخب کرنا۔ ﴿وَ اخۡتَارَ مُوۡسٰی قَوۡمَهٗ سَبۡعِیۡنَ رَجُلًا﴾ (7/الاعراف: 155) ''اور چن لیا موسیٰ ؑ نے اپنی قوم سے ستر مرد۔''

ترکیب

لَوۡ شرطیہ ہے۔ اَنَّهُمۡ اٰمَنُوۡا وَ اتَّقَوۡا شرط ہے اور لَمَثُوۡبَةٌ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ خَیۡرٌ جوابِ شرط ہے۔ لَمَثُوۡبَةٌ پر لامِ جوابِ شرط کا ہے اور مَثُوۡبَةٌ مبتداء نکرہ ہے، خَیۡرٌ اس کی خبر ہے اور مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ متعلق خبر ہے۔ لَوۡ کَانُوۡا یَعۡلَمُوۡنَ کا لَوۡ تمنّی ہے۔

ترجمہ

وَلَوۡ	اَنَّهُمۡ	اٰمَنُوۡا	وَاتَّقَوۡا	لَمَثُوۡبَةٌ	مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ
اور اگر	یہ کہ وہ لوگ	ایمان لاتے	اور پرہیزگاری کرتے	تو بدلہ	اللہ کے پاس سے

خَیۡرٌ ؕ	لَوۡ کَانُوۡا یَعۡلَمُوۡنَ
بہتر ہوتا	کاش وہ لوگ جانتے ہوتے

نوٹ۔1

ترکیب میں بتایا گیا کہ مَثُوۡبَةٌ نکرہ ہے لیکن مبتداء ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی عام قاعدہ بیان کرنا ہوتا ہے تو ایسی صورت میں مبتداء کو معرفہ اور نکرہ، دونوں طرح سے لانا جائز ہے۔

نوٹ۔2

آیت زیرِ مطالعہ کی لغت میں مادہ ''ث و ب'' کے ایک لفظ مَثَابَةٌ کے معنی بتاتے ہوئے ہم نے بتایا ہے کہ اس کے ساتھ تائے وحدت لگی ہوئی ہے۔ اس کا مطلب سمجھ لیں۔

بعض اسماء کسی چیز کی قسم یا جنس کے لیے آتے ہیں۔ وہ بذاتِ خود بھی واحد ہوتے ہیں اور ان کی جمع بھی آتی ہے لیکن جب اس قسم کی کسی ایک چیز کا ذکر کرنا ہوتا ہے تو اسم جنس کے واحد لفظ کے آخر میں گول تے (ۃ) کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ جیسے عِنَبٌ (انگور) ایک خاص قسم کے پھل کا اسم جنس ہے، اس کی جمع اَعۡنَابٌ ہے، لیکن انگور کے ایک دانے کو عِنَبَةٌ کہتے ہیں۔ اسی طرح سے شَجَرٌ (درخت) کی جمع اَشۡجَارٌ اور واحد شَجَرَةٌ ہے۔ حَبٌّ (دانہ) کی جمع حُبُوۡبٌ اور واحد حَبَّةٌ ہے۔ نَمۡلٌ (چیونٹی) کی جمع نِمَالٌ اور واحد نَمۡلَةٌ ہے۔

اب یہ نوٹ کر لیں کہ اسم جنس میں دراصل جمع کا مفہوم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا واحد گول تے (ۃ) کا اضافہ کر کے بناتے ہیں۔ البتہ اس کی جمع اس وقت استعمال ہوتی ہے جب اس جنس کی مختلف اقسام کا ذکر ہو۔ مثلاً ایک باغ میں صرف آم کے درخت ہیں۔ تو ان درختوں کو اَشۡجَارٌ نہیں بلکہ شَجَرٌ کہیں گے۔ دوسرے باغ میں کچھ آم کے، کچھ کھجور کے، کچھ بیری کے اور مختلف چیزوں کے درخت ہیں۔ اب ان درختوں کو شَجَرٌ نہیں بلکہ اَشۡجَارٌ کہیں گے۔

السلام وعلیکم رحمۃ اللہ و برکاۃ

اللہ تعالیٰ ہم سب کی یہ سعی قبول فرمائے اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے۔ جس جس نے بھی اس کار خیر میں مال، جان اور صلاحیتوں کو لگایا

اللہ قبول و منظور فرمائے

انجمن خدام القرآن فیصل آباد میں اس کے فوٹو کاپی بھی دستیاب ہیں اور محترم ڈاکٹر جہاں زیب صاحب
کے اس کتاب میں اضافہ جات کے ساتھ مطالعہ قرآن حکیم کے نام سے دستیاب ہیں

رابطہ کے لئے: info@khuddam-ul-quran.com ,www.khuddam-ul-quran.com

03217805614,0412437618,0412437781

قرآن اکیڈمی سعید کالونی نمبر 2 کینال روڈ فیصل آباد

290

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ البقرۃ (۲)

آیت نمبر (104)

﴿ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقُوۡلُوۡا رَاعِنَا وَ قُوۡلُوا انۡظُرۡنَا وَ اسۡمَعُوۡا ؕ وَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱۰۴﴾ ﴾

ر ع ی

(ف) **رِعَایَۃً**: (۱) حفاظت کرنا۔ (۲) نظر رکھنا یا نگرانی کرنا۔ (۳) مویشی چرانا۔ (۴) کسی کے حق کی حفاظت کرنا یعنی رعایت کرنا۔ ﴿ فَمَا رَعَوۡہَا حَقَّ رِعَایَتِہَا ۚ ﴾ (57/الحدید:27) ''تو انہوں نے حفاظت نہیں کی اس کی جیسا کہ اس کی حفاظت کرنے کا حق ہے۔''

اِرۡعَ: فعل امر ہے۔ تو حفاظت کر۔ ﴿ کُلُوۡا وَ ارۡعَوۡا اَنۡعَامَکُمۡ ؕ ﴾ (20/طٰہٰ:54) ''تم لوگ کھاؤ اور چراؤ اپنے مویشیوں کو۔''

رَاعٍ: ج رِعَاءٌ اور رَاعُوۡنَ۔ حفاظت کرنے والا۔ چرواہا۔ ﴿ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ لِاَمٰنٰتِہِمۡ وَ عَہۡدِہِمۡ رٰعُوۡنَ ۙ﴿۸﴾ ﴾ (23/المؤمنون:8) ''اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی حفاظت کرنے والے ہیں۔'' ﴿ لَا نَسۡقِیۡ حَتّٰی یُصۡدِرَ الرِّعَآءُ ٜ ﴾ (28/القصص:23) ''ہم نہیں پلاتے یہاں تک کہ واپس لے جائیں چرواہے۔''

مَرۡعٰی: مَفۡعَلٌ کے وزن پر اسم الظرف ہے۔ چراگاہ۔ پھر چارے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ وَ الَّذِیۡۤ اَخۡرَجَ الۡمَرۡعٰی ۪ۙ﴿۴﴾ ﴾ (87/الاعلیٰ:4) ''اور جس نے نکالا چارے کو۔''

(مفاعلہ) **مُرَاعَاۃً**: کسی کے حق پر نگاہ رکھنا۔ رعایت کرنا۔

رَاعِ: فعل امر ہے۔ تو رعایت کر۔ ﴿ وَ یَقُوۡلُوۡنَ سَمِعۡنَا وَ عَصَیۡنَا وَ اسۡمَعۡ غَیۡرَ مُسۡمَعٍ وَّ رَاعِنَا لَیًّۢا بِاَلۡسِنَتِہِمۡ ﴾ (4/النساء:46) ''اور وہ لوگ کہتے ہیں ہم نے سنا اور ہم نے نہ مانا اور آپ سنیے، سنایا ہوا ہونے کے بغیر اور (کہتے ہیں) راعنا اپنی زبانوں کو پھیرتے ہوئے۔''

ترجمہ

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا	لَا تَقُوۡلُوۡا	رَاعِنَا	وَ قُوۡلُوا	انۡظُرۡنَا
اے لوگو! جو ایمان لائے ہو	تم لوگ مت کہو	راعنا	اور کہو	آپ مہلت دیں ہم کو

وَ اسۡمَعُوۡا ؕ	وَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ	عَذَابٌ اَلِیۡمٌ
اور تم لوگ سنو	اور انکار کرنے والوں کے لیے	ایک دردناک عذاب ہے

نوٹ۔1

کسی مجلس میں جب کوئی بات کر رہا ہو اور اس کی بات سمجھ میں نہ آئے یا درمیان میں ہم کچھ کہنا چاہیں تو اردو میں ''قطع کلامی معاف'' کہنے کا رواج ہے انگریزی میں EXCUSE ME یا BEG YOUR PARDON کہنے کا رواج

ہے۔ایسے ہی عربی میں رَاعِنَا یا اُنْظُرْنَا کہنے کا رواج تھا۔رَاعِنَا کہنے سے کیوں منع کیا گیا اس کی وجہ سمجھ لیں۔ مادہ ''ر ع ی'' سے باب مفاعلہ میں فعل امر رَاعِ بنتا ہے۔اس پر جب ضمیر مفعولی نَا داخل ہوتی ہے تو لفظ رَاعِنَا بنتا ہے جس کے معنی ہیں ہماری رعایت کریں۔لیکن اسی مادے سے ثلاثی مجرد میں اسم الفاعل رَاعٍ بنتا ہے۔یہ جب مضاف بنتا ہے تو تنوین ختم ہوجاتی ہے اور اس پر مضاف الیہ نَا لگائیں تب بھی لفظ رَاعِنَا بنے گا جس کے معنی ہوں گے ہمارا چرواہا۔اس طرح یہ ایک ذومعنی لفظ ہے۔یہودی اور منافق اس کا غلط استعمال کرتے تھے اس لیے یہ لفظ ممنوع قرار دیا گیا۔

اس حوالہ سے یہ بات آسانی سے سمجھی جاسکتی ہے گفتگو میں ذومعنی الفاظ کا استعمال اللہ تعالی کو پسند نہیں ہے۔

آیت نمبر(105)

﴿مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۱۰۵﴾

خ ص ص

(ن)	خَصًّا	خاص کرنا(متعدی)۔خاص ہونا(لازم)۔
	خَاصٌّ	مؤنث خَاصَّةٌ فَاعِلٌ کے وزن پر صفت ہے۔خاص۔﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاۗصَّةً ۚ﴾ (8/الانفال:25)''اور تم لوگ بچو ایک فتنہ سے جو نہیں پہنچے گا ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا تم میں سے،خاص ہوتے ہوئے،یعنی صرف ظالموں کو نہیں بلکہ سب کو پہنچے گا۔''
(س)	خَصَاصَةً	مفلس ہونا۔محتاج ہونا۔
	خَصَاصَةٌ	اس ذات بھی ہے۔مفلسی۔محتاجی۔﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ڵ﴾ (59/الحشر:9)''اور وہ لوگ ترجیح دیتے ہیں اپنے آپ پر اور اگرچہ یعنی خواہ ہو ان کو محتاجی۔''
(افتعال)	اِخْتِصَاصًا	اہتمام سے خاص کرنا۔چن لینا۔آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب

يَوَدُّ کا فاعل اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ہے جس کی وضاحت کے لیے مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ آیا ہے جو کہ متعلق فعل ہے۔اَلْمُشْرِكِيْنَ سے پہلے مِنْ اَهْلِ کے الفاظ محذوف ہیں اس لئے یہ حالت جر میں ہے۔اَنْ يُّنَزَّلَ سے مِنْ رَّبِّكُمْ تک پورا جملہ يَوَدُّ کا مفعول ہے۔يَخْتَصُّ کا فاعل اَللّٰهُ ہے۔يَخْتَصُّ اور يَشَاۗءُ دونوں کا مفعول مَنْ ہے۔

ترجمہ

مَا يَوَدُّ	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ	وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ
نہیں چاہتے	وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا	اہل کتاب میں سے	اور نہ ہی شرک کرنے والوں میں سے

اَنْ يُّنَزَّلَ	عَلَيْكُمْ	مِّنْ خَيْرٍ	مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ	وَاللّٰهُ
کہ نازل کی جائے	تم لوگوں پر	کوئی بھلائی	تمہارے رب کی طرف سے	اور اللہ

يَخْتَصُّ	بِرَحْمَتِهٖ	مَنْ	يَّشَآءُ	وَاللّٰهُ	ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ
مخصوص کرتا ہے	اپنی رحمت سے	ان کو جن کو	وہ چاہتا ہے	اور اللہ	بڑے فضل والا ہے

آیت نمبر(106)

﴿ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۗ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٠٦﴾ ﴾

ن س خ

(ف) نَسْخًا: کسی چیز کا دوسری چیز کو زائل کر کے اس کی جگہ لینا۔ جیسے دھوپ کا سایہ یا سایہ کا دھوپ کی جگہ لینا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً (۱) کتاب کو حرف بہ حرف نقل کرنا۔ (کیونکہ کتاب کے حروف تختی یا کاغذ کی سادہ جگہ کو لے لیتے ہیں)۔ (۲) کسی چیز کو زائل کر دینا۔ ﴿فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ﴾ (22/الحج:52) ''تو اللہ زائل کرتا ہے اس کو جو ڈالتا ہے شیطان۔''

نُسْخَةٌ: اسم ذات ہے۔ نقل کیے ہوئے حروف۔ تحریر ﴿وَفِىْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ﴾ (7/الاعراف:154) ''اور ان کی تحریر میں ہدایت اور رحمت تھی۔''

(استفعال) اِسْتِنْسَاخًا: لکھنے کے لیے کہنا۔ لکھوانا۔ ﴿اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٩﴾﴾ (45/الجاثیہ:29) ''ہم لکھواتے تھے جو تم لوگ عمل کرتے تھے۔''

ترکیب

مَا شرطیہ ہے نَنْسَخْ اور نُنْسِ شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہیں۔ جبکہ نَاْتِ جواب شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے۔ نُنْسِهَا مِثْلِهَا اور مِنْهَا میں هَا کی ضمیریں اٰيَةٍ کے لیے ہیں۔ لفظ اَللّٰهَ، اَنَّ کا اسم ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، قَدِيْرٌ اس کی خبر ہے اور عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ متعلق خبر ہے۔

ترجمہ

مَا نَنْسَخْ	مِنْ اٰيَةٍ	اَوْ نُنْسِهَا	نَاْتِ
جو ہم زائل کرتے ہیں	کوئی بھی آیت	یا ہم بھلا دیتے ہیں اس کو	تو ہم لاتے ہیں

بِخَيْرٍ مِّنْهَآ	اَوْ مِثْلِهَا	اَلَمْ تَعْلَمْ	اَنَّ اللّٰهَ	عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ	قَدِيْرٌ
اس سے زیادہ بہتر کو	یا اس کی مانند	کیا تو نے جانا نہیں	کہ اللہ	ہر چیز پر	قدرت رکھنے والا ہے

نوٹ۔1

یہودی نسخ احکام کے قائل نہیں ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اس طرح نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی صفت علم کا نقص ثابت ہوتا ہے۔ اس دلیل کی بنیاد پر وہ کسی نئی شریعت کے قائل نہیں ہیں، نہ شریعتِ عیسوی کے اور نہ ہی شریعتِ محمدیؐ کے۔ ان کی اس دلیل کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی اور جواب دیا گیا کہ اگر وہ کوئی آیت زائل کرتا ہے تو اس کی جگہ کوئی دوسری آیت نازل کر دیتا ہے۔ اس میں نسلِ انسانی کے عبوری دور کی طرف اشارہ ہے۔ اسے سمجھ لیں۔

احکام کی تبدیلی کی ضرورت اس لیے نہیں تھی کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں تھا کہ کون سا حکم انسانوں کے لیے مفید ہے۔ بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ انسانی ذہن اور انسانی معاشرہ نے ارتقائی مراحل طے کیے ہیں۔ اسلیے نسل انسانی کے عبوری دور میں عبوری احکام ہی اس کے حق میں مفید تھے۔ جیسے نوزائیدہ بچے کے لیے ٹھوس غذا نقصان دہ ہوتی ہے لیکن بعد میں وہی ٹھوس غذا اس کے لیے ضروری ہوجاتی ہے۔ ڈاکٹر اپنے مریضوں کی دوا بھی تبدیل کرتا ہے اور ان کی خوراک بھی تبدیل کرتا ہے۔ والدین اور ڈاکٹر یہ کام لاعلمی کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے علم کی وجہ سے کرتے ہیں۔

اب نوٹ کرلیں کہ حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے نسل انسانی کا عبوری دور تھا اور خود آپؐ کا ۲۳ سالہ دور بھی اسی عبوری دور کا آخری حصہ تھا۔ نسلِ انسانی کا یہ عبوری دور اس دن ختم ہوگیا جس دن اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ والی آیت نازل ہوئی۔ یہ آیت حیات طیبہ کے آخری ایام میں نازل ہوئی۔ اس کے بعد چند مزید آیات تو نازل ہوئیں لیکن کوئی نیا حکم نہیں آیا۔

یہی وجہ ہے کہ امت کے تقریباً تمام مکاتبِ فکر نسخ آیات کے امکان اور وقوع، دونوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ صرف معتزلہ ایک ایسا فرقہ گزرا ہے جو اس کے امکان کو تسلیم کرتا تھا لیکن وقوع کو نہیں مانتا تھا۔

آیت نمبر(107)

﴿اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَمَا لَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیۡرٍ ﴿۱۰۷﴾﴾

ترکیب

اَنَّ کا اسم لفظ اَللّٰہَ ہے اس کی خبر ثَابِتٌ محذوف ہے۔ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ متعلق خبر تھے جواب قائم مقام خبر ہیں۔ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیۡرٍ دراصل مبتداء مؤخر نکرہ وَلِیٌّ اور نَصِیۡرٌ تھے جو مِنۡ تبعیضیہ داخل ہونے کی وجہ سے مجرور ہوئے ہیں۔ ان کی خبر مَوۡجُوۡدًا محذوف ہے۔ مَا نافیہ ہے۔ لَکُمۡ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ قائم مقام خبر مقدم ہے۔

ترجمہ

اَلَمۡ تَعۡلَمۡ	اَنَّ اللّٰہَ	لَہٗ	مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ
کیا تو نے جانا نہیں	کہ اللہ	کے لیے ہے	زمین اور آسمانوں کا اقتدار

وَمَا لَکُمۡ	مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ	مِنۡ وَّلِیٍّ	وَّلَا نَصِیۡرٍ
اور تمہارے لیے نہیں ہے	اللہ کے علاوہ	کوئی بھی کارساز	اور نہ ہی کوئی مددگار

نوٹ۔1

جب کسی نکرہ اسم پر مِنۡ لگا کر اسے مزید نکرہ کرتے ہیں تو اسے مِنۡ تبعیضیہ کہتے ہیں۔ جیسے کِتَابٌ کا مطلب ہے کوئی کتاب۔ جبکہ مِنۡ کِتَابٍ کا مطلب ہے کسی قسم کی کوئی بھی کتاب۔ اسی طرح وَلِیٌّ اور نَصِیۡرٌ کا مطلب ہے کوئی کارساز اور کوئی مددگار۔ جبکہ مِنۡ وَّلِیٍّ اور مِنۡ نَصِیۡرٍ کا مطلب ہے کسی قسم کا کوئی بھی کارساز اور مددگار۔

آیت نمبر(108)

﴿اَمۡ تُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ تَسۡـَٔلُوۡا رَسُوۡلَکُمۡ کَمَا سُئِلَ مُوۡسٰی مِنۡ قَبۡلُ ؕ وَمَنۡ یَّتَبَدَّلِ الۡکُفۡرَ بِالۡاِیۡمَانِ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیۡلِ ﴿۱۰۸﴾﴾

290

س ب ل

(ن) سَبْلًا: کسی پر الزام دینے کی راہ نکالنا۔ گالی دینا۔

سَبِیْلٌ: ج سُبُلٌ۔ فَعِیْلٌ کا وزن ہے لیکن اسم الفاعل یا صفت کے بجائے اسم ذات کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ (۱) راہ۔ راستہ۔ (۲) الزام۔ اس معنی میں عموماً علٰی کے ساتھ آتا ہے۔ ﴿ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ ﴾ (16/النحل:125) ''دعوت دو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت سے۔'' ﴿ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ ﴾ (30/الروم:38) ''پس دو قربت والے کو اس کا حق اور ضرورتمند کو اور راستے کے بیٹے یعنی مسافر کو۔'' ﴿ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ؕ ﴾ (2/البقرہ:41) ''تو یہ لوگ ہیں نہیں ہے ان پر کوئی راہ یعنی کوئی الزام۔'' ﴿ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ ﴾ (29/العنکبوت:69) ''اور جن لوگوں نے جدوجہد کی ہمارے لیے تو ہم لازماً ہدایت دیں گے ان کو اپنے راستوں کی۔''

ترکیب

اَنْ تَسْــَٔلُوْا سے مِنْ قَبْلُ تک پورا جملہ تُرِيْدُوْنَ کا مفعول ہے۔ مَنْ شرطیہ ہے، يَتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ شرط ہے اور فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ جواب شرط ہے۔ سَوَآءَ السَّبِيْلِ مرکب اضافی ہے اور ضَلَّ کا ظرف ہے۔ اس لیے اس کے مضاف سَوَآءَ پر نصب آئی ہے۔

ترجمہ

اَمْ تُرِيْدُوْنَ	اَنْ تَسْــَٔلُوْا	رَسُوْلَكُمْ	كَمَا	سُئِلَ
یا تم لوگ چاہتے ہو	کہ تم لوگ پوچھو	اپنے رسولؐ سے	اس کی مانند جو	پوچھا گیا

مُوْسٰى	مِنْ قَبْلُ ؕ	وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ	الْكُفْرَ	بِالْاِيْمَانِ	فَقَدْ ضَلَّ
موسیٰؑ سے	اس سے پہلے	اور جو بدلہ میں لیتا ہے	کفر کو	ایمان کے عوض	تو وہ بھٹک گیا ہے

سَوَآءَ السَّبِيْلِ
راہ کے وسط سے

نوٹ۔1

نسخ احکام کے پس منظر میں یہودی ایسے سوالات اٹھاتے تھے جن کے بین السطور اسلامی احکام پر اعتراض اور ترمیم یا تبدیلی کی تجویز مضمر ہوتی تھی۔ منافقین اور کچھ سادہ لوح صحابی ان سے متاثر ہو کر وہی سوالات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کرتے تھے۔ اس نوعیت کے سوالات کرنے سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منع کیا ہے۔ ترجمہ پر ایک مرتبہ پھر غور کر لیں تو اندازہ ہو جائے گا کہ ممانعت کا انداز نہ صرف تیکھا ہے بلکہ یہ راز بھی فاش کر رہا ہے کہ اس نوعیت کے سوالات کہاں سے امپورٹ ہوتے ہیں اور ان کا COUNTRY OF ORIGIN کیا ہے؟ ساتھ ہی یہ واضح کر دیا کہ یہ روش اختیار کرنا کفر کو دعوت دینا ہے۔

یہ نہ سمجھیں کہ یہ روش صرف حیاتِ طیبہ کے دوران تھی اب ختم ہو چکی ہے۔ یہ سلسلہ آج بھی زیادہ

شد و مد سے جاری ہے، البتہ اس کا تکیہ اب نسخ احکام کے بجائے اجتہاد پر ہوتا ہے، لیکن اس کا COUNTRY OF ORIGIN بھی وہی ہے اور اس کے لیے حکم بھی وہی ہے۔ 290

کسی حکم کے متعلق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی حقیقی منشاء و مرضی معلوم کرنے کی نیت سے سوال کرنا ایک بالکل مختلف روش ہے۔ اس کی ممانعت نہ تو حیاتِ طیبہ کے دوران تھی اور نہ آج ہے اس کے لیے اصحاب صفہ کی ایک جماعت اُس وقت مصروفِ کار تھی اور الحمد للہ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

آیت نمبر (109)

﴿ وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠٩﴾ ﴾

ح س د

(ن) **حَسَدًا** کسی کی نعمت کے زوال کی تمنا کرنا یا کوشش کرنا۔ ﴿ أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۖ ﴾ (4/النساء:54) "یا وہ لوگ حسد کرتے ہیں لوگوں سے اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے۔"

حَاسِدٌ اسم الفاعل ہے۔ حسد کرنے والا۔ ﴿ وَمِن شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ﴿٥﴾ ﴾ (113/الفلق:5) "اور حسد کرنے والے کے شر سے جب بھی وہ حسد کرے۔"

ص ف ح

(ف) **صَفْحًا** نظر انداز کرنا۔ درگزر کرنا۔ ﴿ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ ﴾ (24/النور:22) "اور چاہیے کہ وہ لوگ معاف کریں اور درگزر کریں کیا تم لوگ پسند نہیں کرتے کہ اللہ معاف کرے تم کو۔"

اِصْفَحْ فعل امر ہے۔ تو درگزر کر۔ نظر انداز کر۔ ﴿ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٣﴾ ﴾ (5/المآئدہ:13) "پس تو معاف کر ان کو اور نظر انداز کر بیشک اللہ محبوب رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو۔"

ترکیب

وَدَّ کا فاعل كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ ہے اور لَوْ يَرُدُّونَكُم سے كُفَّارًا تک پورا جملہ اس کا مفعول ہے۔ يَرُدُّونَ کا فاعل اس میں شامل هُمْ کی ضمیر ہے اور كُمْ کی ضمیر اس کا مفعول ہے، جبکہ كُفَّارًا ضمیر مفعولی كُمْ کا حال ہے۔ تفسیر حقانی میں حَسَدًا کو مفعول مانا گیا ہے۔ لیکن ہماری ترجیح یہ ہے کہ اسے يَرُدُّونَ کی ضمیر فاعلی هُمْ یعنی كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ کا حال مانا جائے۔

ترجمہ

وَدَّ	كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ	لَوْ يَرُدُّونَكُم
چاہا	اہل کتاب کی اکثریت نے	کاش وہ لوگ پھیر دیں تم لوگوں کو

مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ	كُفَّارًا	حَسَدًا	مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم
تمہارے ایمان کے بعد	کفر کرنے والی حالت میں	حسد کرتے ہوئے	اپنے جی ہی جی میں

مِّن بَعْدِ مَا	تَبَيَّنَ	لَهُمُ	الْحَقُّ	فَاعْفُوا	وَاصْفَحُوا
اس کے بعد (بھی) کہ جو	واضح ہوا	ان کے لیے	حق	پس تم لوگ معاف کرو	اور نظر انداز کرو

حَتّٰی	یَاْتِیَ	اللّٰہُ	بِاَمْرِہٖ ؕ	اِنَّ اللّٰہَ	عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ	290 قَدِیْرٌ
یہاں تک کہ	لائے	اللہ	اپنا فیصلہ	بیشک اللہ	ہر چیز پر	قدرت رکھنے والا ہے

نوٹ۔1

اس آیت میں اللہ نے حاسدوں سے DEAL کرنے کے لیے ہم کو ایک THREE STEP FORMULA دیا ہے۔ (۱) انہیں معاف کرو۔ (۲) ان کی حرکتوں کو نظر انداز کرو۔ (۳) اللہ کے فیصلے کا انتظار کرو۔ اس فارمولے کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ اللہ ہر چیز پر ہمیشہ اور ہر حال میں قدرت رکھنے والا ہے۔ کسی حاسد کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر ہم کو کچھ بھی نقصان پہنچا سکے۔ اور اللہ تعالیٰ چونکہ ہمارا رب بھی ہے اس لیے وہ اجازت صرف اس وقت دیتا ہے جب ظاہری نقصان میں ہمارا کوئی فائدہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ اس کی قدرت کا عالم یہ ہے کہ وہ مردہ میں سے زندہ کو اور رات میں سے دن کو نکال لاتا ہے۔ ایسی قدیر ہستی کے لیے کیا مشکل ہے کہ وہ کسی نقصان میں سے فائدہ برآمد کر دے۔ البتہ اس پوشیدہ فائدہ کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جب وہ ہمارے لیے مفید ہو۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ ہم مذکورہ فارمولے پر عمل کریں اور اللہ کے فیصلے کا انتظار کریں۔ اس کے خلاف عمل کر کے ہوسکتا ہے کہ پوشیدہ فائدے سے ہم خود کو محروم کر لیں۔

حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے ان سے حسد کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی کوشش کو کامیاب ہونے کی اجازت دی۔ اس میں جو فائدہ پوشیدہ تھا اس کا اس وقت کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن آج ساری دنیا جانتی ہے کہ اس طرح مصر میں بنو اسرائیل کے اقتدار کی بنیاد رکھی گئی تھی اور یہ بھی معلوم ہے کہ اس فائدے کا ظہور کتنی طویل مدت کے بعد ہوا۔

آیت نمبر (110)

﴿ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ ؕ وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْہُ عِنْدَ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۱۰﴾ ﴾

ترکیب

وَ اَقِیْمُوا کا واؤ گذشتہ آیت کے فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا پر عطف ہے۔ وَمَا تُقَدِّمُوْا کا مَا موصولہ بھی ہے اور شرطیہ بھی۔ تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ مِنْ خَیْرٍ شرط ہے اور تَجِدُوْہُ عِنْدَ اللّٰہِ جواب شرط ہے۔ مِنْ خَیْرٍ کا مِنْ تبعیضیہ ہے۔ تَجِدُوْہُ میں ہُ کی ضمیر مَا کے لیے ہے۔

ترجمہ

وَ اَقِیْمُوا	الصَّلٰوۃَ	وَاٰتُوا	الزَّکٰوۃَ ؕ	وَمَا	تُقَدِّمُوْا
اور تم لوگ قائم کرو	نماز کو	اور پہنچاؤ	زکوٰۃ کو	اور جو	تم لوگ آگے بھیجو گے

لِاَنْفُسِکُمْ	مِّنْ خَیْرٍ	تَجِدُوْہُ	عِنْدَاللّٰہِ ؕ	اِنَّ اللّٰہَ
اپنے آپ کے لیے	کوئی بھی بھلائی	تو تم لوگ پاؤ گے اس کو	اللہ کے پاس	یقیناً اللہ

بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ	بَصِيۡرٌ 290
اس کو جو تم لوگ کرتے ہو	ہر حال میں دیکھنے والا

نوٹ۔1

لفظ اٰتُوا اور اٰتَوۡا کے فرق کو سمجھ کر اچھی طرح ذہن نشین کرلیں۔ اٰتُوا باب افعال میں فعل امر اٰتِ کا جمع مذکر کا صیغہ ہے۔ اس کی اصلی شکل اٰتِيُوۡا تھی جو ناقص کے قاعدے کے تحت تبدیل ہو کر اٰتُوۡا بنتی ہے۔ پھر جب اسے آگے ملاتے ہیں تو واؤ پر علامت سکون کی ضرورت باقی نہیں رہتی اس لیے اٰتُوا الزَّكٰوةَ لکھا جاتا ہے۔ اس کے معنی ہیں تم لوگ زکوٰۃ ادا کرو۔

جبکہ اٰتَوۡا باب افعال میں ماضی معروف کا جمع مزکر غائب کا صیغہ ہے۔ اس کی اصلی شکل اٰتَيُوۡا تھی جو ناقص کے قاعدے کے تحت تبدیل ہو کر اٰتَوۡا بنتی ہے۔ پھر آگے ملانے کے لیے واؤ پر ضمہ لگاتے ہیں تو یہ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ لکھا جاتا ہے اس کے معنی ہیں ان لوگوں نے زکوٰۃ ادا کی۔

نوٹ۔2

گذشتہ آیت میں حسد کے علاج کے لیے جو فارمولا دیا گیا ہے س پر عمل کرنے اور خاص طور سے اللہ کے فیصلہ کا انتظار کرنے کے لیے انسان کو جس ٹانک کی ضرورت ہے، اس آیت میں اس کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اس ٹانک کی تاثیر کے دو پہلو ہیں۔ اولاً یہ کہ نماز، زکوٰۃ اور دیگر اعمالِ صالحہ کا اہتمام کرنے سے اللہ کے فیصلے کا انتظار کرنے میں مدد ملتی ہے۔ ثانیاً یہ کہ حاسد سے الجھ کر اپنا وقت ضائع کرنے کے بجائے وہی وقت بامقصد اور تعمیری کاموں میں صرف کرو گے تو ظاہری نقصان میں پوشیدہ فائدے کے مستحق قرار دیے جاؤ گے۔

نوٹ کرلیں کہ آسودگی یا پریشانی، ہر حال میں، ہر مسلمان پر نماز اور زکوٰۃ فرض ہے۔ حسد کے علاج کے طور پر یہاں جس نماز اور زکوٰۃ کا ذکر ہے، وہ نفلی عبادات اور صدقات ہیں۔

آیت نمبر (111)

﴿وَقَالُوۡا لَنۡ يَّدۡخُلَ الۡجَنَّةَ اِلَّا مَنۡ كَانَ هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى ؕ تِلۡكَ اَمَانِيُّهُمۡ ؕ قُلۡ هَاتُوۡا بُرۡهَانَكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۱۱۱﴾﴾

ه ت و

(ن) هَتۡوًا کسی چیز کو توڑ کر روندنا۔

(مفاعلہ) هِتَاءً دوسرے کی بات کو روندنا۔ اپنی رائے دینا۔

هَاتِ ج هَاتُوۡا۔ فعل امر ہے۔ تو دے۔ تُو لا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

ب ر ه

(س) بَرَهًا جسم کا صحت مند ہونا۔ صحت مند جلد کی طرح چمکدار رہنا۔

بُرۡهَانٌ فُعۡلَانٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ انتہائی چمکدار۔ انتہائی روشن۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ یہ لفظ زیادہ تر فیصلہ کن دلیل کے لیے آتا ہے۔ ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَكُمۡ بُرۡهَانٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ﴾ (4/النساء:174) ''اے لوگو! آچکی ہے تمہارے پاس ایک انتہائی روشن دلیل تمہارے رب کی طرف سے۔''

ترجمہ

وَقَالُوۡا	لَنۡ يَّدۡخُلَ	الۡجَنَّةَ	اِلَّا مَنۡ	كَانَ هُوۡدًا
اور انہوں نے کہا	ہرگز داخل نہیں ہوگا	جنت میں	سوائے اس کے جو	یہودی ہو

اَوْ نَصٰرٰی ؕ	تِلْكَ اَمَانِیُّهُمْ ؕ	قُلْ	هَاتُوْا	بُرْهَانَكُمْ 290
یا عیسائی ہو	یہ ان کی آرزوئیں ہیں	آپ ؐ کہیے	تم لوگ دو	اپنی روشن دلیل

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ
اگر تم لوگ سچے ہو

نوٹ۔1 هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی میں اَوْ تفصیل کے لیے ہے۔یعنی یہودی اپنے لیے اور نصاریٰ اپنے لیے یہی بات کہتے تھے۔

نوٹ۔2 اس آیت میں برہان کا مطلب یہ ہے کہ اگر توراۃ یا انجیل میں ایسی کوئی بات موجود ہے تو اسے سامنے لاؤ۔

آیت نمبر (112)

﴿ بَلٰی ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝۱۱۲ ع ﴾

و	ج	ه

(ک)

وَجَاهَةً بلند رتبہ ہونا۔باعزت ہونا۔

وَجِیْهٌ فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ہمیشہ بلند رتبہ۔باعزت۔﴿ اسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ﴾ (3/آل عمران:45) ''ان کا نام مسیح عیسیٰ ؑ ابن مریم ہے، بلند رتبہ ہوتے ہوئے دنیا اور آخرت میں۔''

وَجْهٌ ج وُجُوْهٌ۔ اسم ذات ہے اور مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔
(۱) کسی چیز کا اشرف یا ابتدائی حصہ۔﴿ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْۤ اُنْزِلَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَ اكْفُرُوْۤا اٰخِرَهٗ ﴾ (3/آل عمران:72) ''تم لوگ ایمان لاؤ اس پر جو نازل کیا گیا ان پر جو ایمان لائے، دن کے اشرف حصہ میں یعنی صبح کو اور انکار کرو اس کے آخر میں یعنی شام کو۔''
(۲) چہرہ (کیونکہ یہ انسان کا اشرف اور ابتدائی حصہ ہے)۔ ﴿ فَاَلْقُوْهُ عَلٰی وَجْهِ اَبِیْ یَاْتِ بَصِیْرًا ۚ ﴾ (12/یوسف:93) ''پس ڈالو اس کو میرے والد کے چہرے پر تو وہ ہو جائیں گے دیکھنے والے۔'' ﴿ یَّوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ ﴾ (3/آل عمران:106) ''جس دن سفید یعنی روشن ہو جائیں گے کچھ چہرے اور سیاہ ہو جائیں گے کچھ چہرے۔''
(۳) توجہ۔خوشنودی۔﴿ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ ﴾ (76/الدھر:9) ''کچھ نہیں سوائے اس کے کہ ہم کھلاتے ہیں تم لوگوں کو اللہ کی خوشنودی کے لیے۔'' ﴿ اقْتُلُوْا یُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا یَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِیْكُمْ ﴾ (12/یوسف:9) ''تم لوگ قتل کرو یوسف ؑ کو یا پھینک دو ان کو کسی زمین میں تو خالی یعنی خالص ہو جائے گی تمہارے لیے تمہارے والد کی توجہ۔''

جِهَةٌ ج وِجُهَةٌ۔ اسم ذات ہے۔توجہ کرنے کی سمت۔﴿ وَ لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّیْهَا ﴾ (2/البقرہ:148) ''اور سب کے لیے توجہ کرنے کی کچھ سمتیں ہیں، وہ پھیرنے والا ہے یعنی اپنے چہرے کو پھیرنے والا ہے اس کی طرف۔''

(تفعیل)	تَوْجِيهًا	(۱) کسی کا رُخ کسی جانب کرنا۔ (۲) کسی کو کسی جانب بھیجنا۔ ﴿ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ﴾ (6/الانعام: 79) ''میں رُخ کرتا ہوں اپنے چہرے کا اس کی طرف جس نے بنایا آسمانوں اور زمین کو۔'' ﴿ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ﴾ (16/النحل: 76) ''جہاں کہیں وہ بھیجتا ہے اس کو تو وہ نہیں لاتا کوئی بھلائی۔''
(تفعّل)	تَوَجُّهًا	اپنا رُخ کسی جانب کرنا۔ متوجہ ہونا۔ ﴿ وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ ﴾ (28/القصص: 22) ''اور جب وہ متوجہ ہوئے مدین کے سامنے۔''

ترکیب

مَنْ شرطیہ ہے۔ اَسْلَمَ سے مُحْسِنٌ تک شرط ہے۔ فَلَهٗ سے يَحْزَنُوْنَ تک جواب شرط ہے۔ اَسْلَمَ میں شامل ضمیر هُوَ اس کا فاعل ہے، جو کہ مَنْ کے لیے ہے۔ مرکب اضافی وَجْهَهٗ اس کا مفعول ہے، اس لیے اس کے مضاف وَجْهَ پر نصب آئی ہے۔ وَهُوَ مُحْسِنٌ کا واوِ حالیہ ہے۔ مرکب اضافی اَجْرُهٗ مبتداء مؤخر ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے، جو کہ ثَابِتٌ ہو سکتی ہے۔ فَلَهٗ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ خَوْفٌ مبتداء نکرہ ہے کیونکہ اصول بیان کیا گیا ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے جو کہ مَوْجُوْدٌ ہو سکتی ہے۔

ترجمہ

بَلٰی ق	مَنْ اَسْلَمَ	وَجْهَهٗ	لِلّٰهِ	وَ	هُوَ
کیوں نہیں	جس نے تابعدار کیا	اپنے چہرے کو	اللہ کے لیے	اس حال میں کہ	وہ

مُحْسِنٌ	فَلَهٗ	اَجْرُهٗ	عِنْدَ رَبِّهٖ ص
محسن ہے	تو اس کے لیے ہے	اس کا اجر	اس کے رب کے پاس

وَلَا خَوْفٌ	عَلَيْهِمْ	وَلَا هُمْ	يَحْزَنُوْنَ
اور کوئی خوف نہیں ہے	ان پر	اور نہ ہی وہ لوگ	پچھتاتے ہیں

نوٹ۔1

قرآن مجید کا یہ ایک خاص انداز ہے کہ اکثر وہ کسی چیز کے کسی جز کا ذکر کر کے اس چیز کے کُل کو مراد لیتا ہے۔ نماز کے ذکر میں یہ انداز نسبتاً زیادہ واضح ہے جیسے ﴿ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴾ (73/المزمل: 2) ''اس میں نماز کے ایک رکن قیام کا ذکر کر کے نماز مراد لی گئی ہے۔'' ﴿ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ ﴾ (2/البقرہ: 43) ''اس میں نماز کے ایک رکن رکوع کا ذکر کر کے نماز باجماعت مراد لی گئی ہے۔ اسی طرح آیتِ زیرِ مطالعہ میں وَجْهَهٗ سے صرف چہرہ نہیں بلکہ پوری شخصیت مراد ہے۔

آیت نمبر (113)

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ص وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ لا وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ط كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ج فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝١١٣ ﴾

ترکیب

اَلْیَھُوْدُ اور اَلنَّصٰرٰی عاقل کی جمع مکسر ہیں۔ اس لیے ان کے ساتھ افعال کے مذکر اور مؤنث دونوں صیغے290 ہیں۔ اس آیت میں قَالَتْ اور لَیْسَتْ مؤنث کے صیغے آئے ہیں۔

لَیْسَتِ النَّصٰرٰی اور لَیْسَتِ الْیَھُوْدُ میں اَلنَّصٰرٰی اور اَلْیَھُوْدُ دونوں لَیْسَتْ کا اسم ہیں، ان کی خبر محذوف ہے جو کہ قَائِمًا ہوسکتی ہے، جبکہ عَلٰی شَیْءٍ متعلق خبر ہے۔ وَھُمْ یَتْلُوْنَ کا واو حالیہ ہے۔ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ کا مفعول قَوْلًا، محذوف ہے، مرکب اضافی مِثْلَ قَوْلِھِمْ اس کی صفت ہے اس لیے مضاف مِثْلَ پر نصب آئی ہے۔

ترجمہ

وَقَالَتِ الْیَھُوْدُ	لَیْسَتِ النَّصٰرٰی	عَلٰی شَیْءٍ ص	وَّ قَالَتِ النَّصٰرٰی
اور کہا یہود نے	نہیں ہیں عیسائی	کسی چیز پر	اور کہا عیسائیوں نے

لَیْسَتِ الْیَھُوْدُ	عَلٰی شَیْءٍ لا	وَّ	ھُمْ یَتْلُوْنَ	الْکِتٰبَ ط
نہیں ہیں یہود	کسی چیز پر	اس حال میں کہ	وہ لوگ پڑھتے ہیں	کتاب کو

کَذٰلِكَ	قَالَ	الَّذِیْنَ	لَا یَعْلَمُوْنَ	مِثْلَ قَوْلِھِمْ ج	فَاللّٰهُ
ایسے ہی	کہا	ان لوگوں نے جو	علم نہیں رکھتے	ان کے قول کی مانند	تو اللہ

یَحْكُمُ	بَیْنَھُمْ	یَوْمَ الْقِیٰمَةِ	فِیْمَا	کَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ
فیصلہ کرے گا	ان کے مابین	قیامت کے دن	اس میں	وہ لوگ اختلاف کیا کرتے تھے جس میں

نوٹ۔1

اس آیت میں اَلْکِتٰبُ سے مراد ہے توراۃ اور انجیل۔ چنانچہ توراۃ اور انجیل پڑھنے والے علماء یہود اور علماء نصٰرٰی کے قول کو نقل کرنے کے بعد ہمیں بتایا گیا ہے کہ ایسی ہی بات وہ یہود اور نصٰرٰی بھی کہتے ہیں جو علم نہیں رکھتے یعنی جاہل ہیں۔ اس طرح عالم اور جاہل برابر ہوگئے۔ یہاں زندگی کے ایک اہم اصول کی جانب ہماری راہنمائی کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ SUBJECTIVE THINKING یعنی کسی آرزو سے مغلوب سوچ، انسان کو عالم سے جاہل بنا دیتی ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے علماء کرام کے لیے یہ ایک لمحۂ فکریہ ہے۔

آیت نمبر (114)

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا ط اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِیْنَ ؕ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿١١٤﴾﴾

م ن ع

(ف) مَنْعًا

(۱) کسی کو کسی کام سے روکنا۔ ﴿مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ط﴾ (7/الاعراف:12) ''کس چیز نے روکا تجھ کو کہ تو سجدہ نہ کرے جب میں نے حکم دیا تجھ کو۔''

(۲) کسی چیز کو اپنے پاس روکنا۔ کنجوسی کرنا۔ ﴿وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ﴿٧﴾ ع﴾ (107/الماعون:7) ''اور اپنے پاس روکتے ہیں برتنے کی چیز کو۔''

(۳) کسی کو نقصان پہنچانے سے روکنا۔ کسی کو کسی سے بچانا۔ ﴿ اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَ نَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (4/النساء:141) ''کیا ہم قابو یافتہ نہ تھے تم پر اور کیا ہم نے نہیں بچایا تم کو مومنوں سے۔''

مَانِعٌ مؤنث مَانِعَةٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ روکنے والا۔ بچانے والا۔ ﴿ وَ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ (59/الحشر:2) ''اور انہوں نے گمان کیا کہ ان کو بچانے والے ہیں ان کے قلعے اللہ سے۔''

مَمْنُوْعٌ مؤنث مَمْنُوْعَةٌ۔ اسم المفعول ہے۔ روکا ہوا۔ ﴿ وَّ فَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿۳۲﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّ لَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿۳۳﴾ ﴾ (56/الواقعہ:32۔33) ''اور کثیر پھل، نہ کاٹے ہوئے اور نہ روکے ہوئے۔''

مَنُوْعٌ فَعُوْلٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ بہت روکنے والا۔ ﴿ وَّ اِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴿۲۱﴾ ﴾ (70/المعارج:21) ''اور جب بھی پہنچے اس کو بھلائی تو بہت کنجوسی کرنے والا ہو۔''

مَنَّاعٌ فَعَّالٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ بہت روکنے والا۔ ﴿ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ ﴾ (50/قٓ:25) ''بہت روکنے والا بھلائی سے۔''

س ع ی

(ف) سَعْيًا تیز تیز چلنا۔ کسی کام کے لیے بھاگ دوڑ کرنا۔ کوشش کرنا۔ ﴿ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ ﴾ (57/الحدید:12) ''جس دن تو دیکھے گا مومنوں اور مومنات کو، چلتا ہو گا ان کا نور ان کے سامنے۔'' ﴿ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿۳۵﴾ ﴾ (79/النّٰزعٰت:35) ''جس دن یاد کرے گا انسان جو اس نے بھاگ دوڑ کی۔''

اِسْعَ فعل امر ہے۔ تو دوڑ۔ تو کوشش کر۔ ﴿ اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ (62/الجمعہ:9) ''جب بھی ندا دی جائے نماز کے لیے جمعہ کے دن تو تم لوگ لپکو اللہ کے ذکر کی طرف۔''

سَعْيٌ اسم ذات ہے۔ بھاگ دوڑ۔ کوشش۔ ﴿ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ﴾ (21/الانبیاء:94) ''تو کسی قسم کی کوئی ناشکری نہیں ہے اس کی کوشش کی۔''

خ ر ب

(س) خَرَبًا کسی جگہ کا اجاڑ ہونا۔ ویران ہونا۔

خَرَابٌ اسم ذات ہے۔ ویرانی۔ آیت زیر مطالعہ۔

(افعال) اِخْرَابًا اجاڑنا۔ ویران کرنا۔ ﴿ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ ﴾ (59/الحشر:2) ''وہ لوگ اجاڑتے ہیں اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے۔''

ترکیب

مَنْ استفہامیہ مبتداء ہے اور اَظْلَمُ اس کی خبر ہے۔ مِمَّنْ اصل میں مِنْ مَنْ ہے۔ یہ مَنْ جمع کے مفہوم میں ہے۔ لفظی رعایت کے تحت فعل مَنَعَ اور سَعٰی واحد آیا ہے۔ پھر معنوی رعایت کے تحت اسم اشارہ اُولٰٓئِكَ اور لَهُمْ میں هُمْ کی ضمیر جمع آئی ہے۔ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مرکب اضافی ہے اور مَنَعَ کا مفعول ہے۔ فِيْهَا میں هَا کی ضمیر مساجد کے لیے ہے جبکہ اِسْمُهٗ میں ہٗ کی ضمیر اللہ کے لیے ہے۔ خَرَابِهَا میں بھی هَا کی ضمیر مساجد کے لیے ہے، خَآئِفِيْنَ حال ہے۔ خِزْيٌ اور عَذَابٌ عَظِيْمٌ مبتداء مؤخر نکرہ ہیں اور ان کی خبریں محذوف ہیں۔

ترجمہ

290

وَمَنْ	اَظْلَمُ	مِمَّنْ	مَّنَعَ	مَسٰجِدَ اللّٰهِ	اَنْ يُّذْكَرَ
اور کون	زیادہ ظالم ہے	ان سے جو	روکیں	اللہ کی مسجدوں کو	کہ یاد کیا جائے

فِيْهَا	اسْمُهٗ	وَسَعٰى	فِيْ خَرَابِهَا ؕ	اُولٰٓئِكَ
ان میں	اس کے نام کو	اور کوشش کریں	ان کی ویرانی میں	یہ لوگ ہیں

مَا كَانَ لَهُمْ	اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ	اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ
نہیں تھا جن کے لیے	کہ وہ داخل ہوں ان میں	مگر خوف کرنے والے ہوتے ہوئے

لَهُمْ فِي الدُّنْيَا	خِزْيٌ	وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ	عَذَابٌ عَظِيْمٌ
ان کے لیے دنیا میں ہے	ایک رسوائی	اور ان کے لیے آخرت میں ہے	ایک عظیم عذاب

نوٹ۔1

مفتی محمد شفیعؒ نے معارف القرآن میں اس آیت سے حاصل ہونے والی راہنمائی پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

۱۔ مسجد میں نماز اور ذکر سے روکنے کی جتنی بھی صورتیں ہیں وہ سب ناجائز اور حرام ہیں۔

۲۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ کسی کو مسجد میں جانے سے صراحۃً روکا جائے۔

۳۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مسجد میں شور کر کے یا اس کے قریب جوار میں شور کر کے لوگوں کی نماز اور ذکر میں خلل ڈالے۔ یہ بھی ذکر اللہ سے روکنے میں داخل ہے۔

۴۔ تیسری صورت یہ ہے کہ جب لوگ اپنے نوافل یا تسبیح و تلاوت میں مصروف ہوں اس وقت مسجد میں کوئی بلند آواز سے تلاوت یا ذکر کرنے لگے تو یہ بھی نمازیوں کی نماز و تسبیح میں خلل ڈالنے اور ذکر اللہ کو روکنے کی صورت ہے۔ اس لیے یہ بھی ناجائز ہے۔

۵۔ جس وقت لوگ نماز و تسبیح میں مشغول ہوں اس وقت مسجد میں اپنے لیے سوال کرنا یا دینی کام کے لیے چندہ اکٹھا کرنا ممنوع ہے۔

آیت نمبر(115)

﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ١١٥﴾

ش ر ق

(ن۔س) شَرْقًا: روشنی کا پھوٹنا۔ کسی چیز کا سرخ ہونا۔

مَشْرِقٌ: ج مَشَارِقُ۔ مَفْعِلٌ کے وزن پر اسم الظرف ہے۔ روشن یا سرخ ہونے کی جگہ یا سمت۔ اصطلاحاً سورج نکلنے کی سمت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ﴾ (2/البقرہ:177) ''نیکی یہی نہیں ہے کہ تم لوگ پھیر دو اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی طرف۔'' ﴿وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝﴾ (37/الصفات:5) ''اور تمام مشرقوں کا رب۔''

شَرْقِيٌّ — اسم نسبت ہے۔ مشرق والا۔ مشرقی۔ ﴿لَا شَرْقِيَّةٍ وَّ لَا غَرْبِيَّةٍ﴾ (24/النور:35) ''نہ مشرقی ہے اور نہ مغربی ہے۔''

290

(افعال) اِشْرَاقًا — کسی چیز سے کسی چیز کا روشن یا سرخ ہونا۔ ﴿وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا﴾ (39/الزمر:69) ''اور جگمگا اٹھے گی زمین اپنے رب کے نور سے۔''

اَلْاِشْرَاقُ — یہ باب افعال کا مصدر ہے۔ اصطلاحًا اس کا مطلب ہے سورج سے زمین کا روشن ہونا یا روشن ہونے کا وقت جب سورج سوا نیزے بلند ہو جائے یعنی طلوعِ آفتاب کے 25۔ 20 منٹ بعد۔ ﴿يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ﴾ (38/صٓ:18) ''وہ سب تسبیح کرتے ہیں عشاء اور اشراق میں۔''

مُشْرِقٌ — اسم الفاعل ہے۔ روشن ہونے والا۔ اصطلاحًا اس کا مطلب ہے سورج نکلتے ہی صبح کا وقت۔ ﴿فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ﴾ (26/الشعراء:60) ''تو انہوں نے پیچھا کیا ان کا سورج نکلتے ہی۔''

غ ر ب

(ن) غَرْبًا — دور چلے جانا۔ دوری کی وجہ سے چھپ جانا۔ غروب ہونا۔ ﴿وَ اِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ﴾ (18/الکہف:17) ''اور جب وہ یعنی سورج غروب ہوتا ہے، کترا جاتا ہے ان سے بائیں جانب۔''

(س) غَرَبًا — سیاہ رنگ والا ہونا (سیاہی اصل رنگ کو چھپا دیتی ہے)۔

غُرُوْبٌ — یہ باب نَصَرَ کے مصدر غَرْبٌ کی جمع ہے۔ ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا﴾ (20/طٰہٰ:130) ''اور آپ تسبیح کریں اپنے رب کی حمد کے ساتھ سورج کے طلوع ہونے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے۔''

مَغْرِبٌ — ج مَغَارِبُ۔ مَفْعِلٌ کے وزن پر اسم الظرف ہے۔ غروب ہونے کی سمت یا وقت۔ مادہ ''ش ر ق'' میں آیت نمبر (2/البقرہ:177) ﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ﴾ (70/المعارج:40) ''پس نہیں! میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے رب کی۔''

غَرْبِيٌّ — اسم نسبت ہے۔ مغرب والا۔ مغربی۔ مادہ ''ش ر ق'' میں آیت نمبر (24/النور:35) دیکھیں۔

غُرَابٌ — اسم جنس ہے کوّا۔ (کیونکہ وہ سیاہ ہوتا ہے)۔ ﴿فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا﴾ (5/المائدۃ:5) ''تو بھیجا اللہ نے ایک کوّا۔''

غِرْبِيْبٌ — ج غَرَابِيْبُ۔ صفت ہے۔ انتہائی سیاہ بھجنگ۔ ﴿وَ مِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ﴾ (35/سبا:27) ''اور پہاڑوں میں سفید راستے ہیں، مختلف سرخی ہے ان کے رنگوں کی، اور کچھ بھجنگ سیاہ ہیں۔''

ث م م

(ن) ثَمًّا — کسی چیز کو درست کرنا۔

ثُمَّ — حرف عطف ہے جو کلام کی ترتیب کو درست رکھنے کے لیے آتا ہے۔ پھر۔ تب۔ اس کے بعد۔ ﴿ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا﴾ (5/المآئدہ:93) ''پھر انہوں نے تقوٰی اختیار کیا اور ایمان لائے اس کے بعد پھر انہوں نے تقوٰی اختیار کیا اور بلا کم و کاست نیکی کی۔''

ثَمَّ — اشارہ بعید کے طور پر آتا ہے۔ وہیں۔ اُسی جگہ۔ ﴿وَ اِذَا رَاَیۡتَ ثَمَّ رَاَیۡتَ نَعِیۡمًا﴾ (76/الدھر:20) ''جب بھی تو دیکھے گا تو وہیں تو دیکھے گا ہمیشگی والی آسودگی۔''

290

و س ع

(س) سَعَۃً — کشادہ ہونا (لازم)۔ کشادہ کرنا (متعدی)۔ ﴿وَ رَحۡمَتِیۡ وَسِعَتۡ کُلَّ شَیۡءٍ﴾ (7/الاعراف:156) ''اور میری رحمت کشادہ ہوئی ہر چیز پر۔''

سَعَۃٌ — اسم ذات بھی ہے۔ کشادگی۔ وسعت۔ ﴿لِیُنۡفِقۡ ذُوۡ سَعَۃٍ مِّنۡ سَعَتِہٖ﴾ (65/الطلاق:7) ''چاہیے کہ خرچ کرے کشادگی والا اپنی کشادگی میں سے۔''

وُسۡعٌ — اسم ذات ہے۔ وسعت۔ اہلیت۔ ﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا﴾ (2/البقرہ:286) ''اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی جان کو مگر اس کی اہلیت کو۔''

وَاسِعٌ — فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ کشادہ کرنے والا۔ ﴿ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۵۴﴾﴾ (5/المآئدہ:54) ''یہ اللہ کا فضل ہے وہ دیتا ہے جس کو وہ چاہتا ہے اور اللہ کشادہ کرنے والا جاننے والا ہے۔''

وَاسِعَۃٌ — یہ وَاسِعٌ کا مؤنث ہے۔ زیادہ تر صفت کے طور پر آتا ہے۔ کشادہ ہونے والی یعنی کشادہ۔ ﴿وَ اَرۡضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃٌ﴾ (39/الزمر:10) ''اور اللہ کی زمین کشادہ ہے۔''

(افعال) اِیۡسَاعًا — رزق میں کشادہ ہونا۔ کسی جگہ کو کشادہ کرنا۔

مُوۡسِعٌ — اسم الفاعل ہے۔ رزق میں کشادہ ہونے والا۔ جگہ کو کشادہ کرنے والا۔ ﴿عَلَی الۡمُوۡسِعِ قَدَرُہٗ وَ عَلَی الۡمُقۡتِرِ قَدَرُہٗ﴾ (2/البقرہ:236) ''رزق میں کشادہ ہونے والے پر ہے اس کے مقدور بھر اور تنگدست پر ہے اس کے مقدور بھر۔'' ﴿وَ السَّمَآءَ بَنَیۡنٰہَا بِاَیۡىدٍ وَّ اِنَّا لَمُوۡسِعُوۡنَ ﴿۴۷﴾﴾ (51/الذریات:47) ''اور آسمان، ہم نے بنایا اس کو ہاتھوں سے اور بے شک ہم کشادہ کرنے والے ہیں۔''

ترکیب

اَلۡمَشۡرِقُ وَ الۡمَغۡرِبُ مبتداء مؤخر ہیں، خبر محذوف ہے اور قائم مقام خبر کو تاکید کے لیے مقدم کیا گیا ہے۔ اَیۡنَمَا کلمہ شرط ہے، تُوَلُّوۡا شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے اور فَثَمَّ وَجۡہُ اللّٰہِ جواب شرط ہے۔ مضارع مجزوم تُوَلُّوۡا کا فاعل اس میں شامل اَنۡتُمۡ کی ضمیر ہے اور اس کا مفعول وُجُوۡھَکُمۡ محذوف ہے۔

ترجمہ

وَلِلّٰہِ	الۡمَشۡرِقُ وَالۡمَغۡرِبُ ق	فَاَیۡنَمَا	تُوَلُّوۡا
اور اللہ کے لیے ہی ہے	مشرق اور مغرب	پس جہاں کہیں بھی	تم لوگ پھیرو گے (اپنے چہروں کو)

فَثَمَّ	وَجۡہُ اللّٰہِ ط	اِنَّ اللّٰہَ	وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ
تو وہیں	اللہ کی توجہ ہے	بے شک اللہ	وسعت والا جاننے والا ہے

نوٹ۔1

یہ آیت تحویلِ قبلہ کے حکم سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ اس لحاظ سے اسے تحویلِ قبلہ کے حکم کی پیش بندی قرار دیا جاسکتا ہے۔ اور اس پہلو سے آیت میں مشرق اور مغرب کے الفاظ کی اہمیت کو سمجھ لیں۔

مدینہ میں ہجرت کے بعد سولہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی گئی۔ اُس وقت مدینہ کے نمازیوں کا رُخ شمال کی طرف ہوتا تھا کیونکہ بیت المقدس مدینہ کے شمال میں ہے۔ تحویلِ قبلہ کے بعد اب مدینہ

کے نمازیوں کا رُخ جنوب کی طرف ہوتا ہے کیونکہ خانہ کعبہ مدینہ کے جنوب میں ہے۔اب نوٹ کریں کہ اس آیت میں شمال اور جنوب کے بجائے مشرق اور مغرب کی بات کی گئی ہے۔ اس طرح گویا چاروں سمتوں کا احاطہ کر کے فرمایا فَاَیۡنَمَا۔ جہاں کہیں بھی یعنی جس طرف بھی رُخ کرو، اللہ کی توجہ ہر طرف ہے۔

نوٹ۔2

اس میں یہ حقیقت واضح کر دی کہ اللہ تعالیٰ کی توجہ کسی سمت میں مقید نہیں ہے۔اس حقیقت کو تسلیم کر لینے کے بعد عمل کی دو صورتیں ہیں۔ایک یہ کہ ہر شخص کو آزادی دے دی جائے کہ جس طرف اس کا جی چاہے رُخ کر کے نماز پڑھ لے۔دوسری یہ کہ اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے باوجود کوئی ایک سمت مقرر کی جائے۔اسلام میں جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے وہ اس لحاظ سے بڑا عجیب ہے کہ نہ تو افراد کو آزادی ہے کہ جدھر جی چاہے رُخ کر کے نماز پڑھیں اور نہ ہی کسی ایک سمت کا تعین ہے۔البتہ ایک رُخ کا تعین کیا ہے۔

ایک قبلہ مقرر کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ امت کا ہر فرد پابند ہے کہ وہ اسی طرف رُخ کر کے نماز پڑھے۔اس طرح امت میں تنظیم اور اتحاد کی عملی تربیت کا اہتمام ہو گیا۔اب ساری دنیا کے مسلمان جب قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے ہیں تو نہ صرف شمال جنوب اور مشرق و مغرب بلکہ ان کے درمیان کے تمام زاویہ سمت کا خود بخود احاطہ ہو جاتا ہے۔

آیت نمبر (116)

﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبۡحٰنَهٗ ؕ بَلۡ لَّهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوۡنَ ﴿۱۱۶﴾ ﴾

و ل د

(ض) وِلَادًا: بچہ کی پیدائش کا باعث ہونا۔بچہ جنا۔﴿ وَلَا یَلِدُوۡۤا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾ ﴾ (71/نوح:27) ''اور وہ لوگ نہیں جنیں گے مگر گنہگار ناشکرے کو۔''

وَالِدٌ: مؤنث وَالِدَةٌ۔ اسم الفاعل ہے۔پیدائش کا باعث ہونے والا۔والد۔باپ ﴿ وَاخۡشَوۡا یَوۡمًا لَّا یَجۡزِیۡ وَالِدٌ عَنۡ وَّلَدِهٖ ۫ ﴾ (31/لقمان:33) ''تم لوگ ڈرو ایک ایسے دن سے جب کام نہیں آئے گا کوئی باپ اپنی اولاد کے۔'' ﴿ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا ﴾ (2/البقرہ:233) ''ضرر نہ پہنچایا جائے کسی ماں کو اس کے بچہ سے۔''

وَالِدَانِ: یہ وَالِدٌ کا تثنیہ ہے۔ اصطلاحًا ماں، باپ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿ اَنِ اشۡكُرۡ لِیۡ وَ لِوَالِدَیۡكَ ؕ ﴾ (31/لقمان:14) ''کہ تو شکر کر میرا اور اپنے ماں باپ کا۔''

مَوۡلُوۡدٌ: اسم المفعول ہے۔پیدا کیا ہوا یعنی بچہ۔﴿ وَلَا مَوۡلُوۡدٌ هُوَ جَازٍ عَنۡ وَّالِدِهٖ ﴾ (31/لقمان:33) ''اور نہ کوئی بچہ کام آنے والا ہے اپنے باپ کے۔''

وَلَدٌ: ج اَوۡلَادٌ۔ اسم ذات ہے۔بچہ یا بچی۔بیٹا (وَلَدٌ کا لفظ واحد، جمع، مذکر، مؤنث، سب کے لیے آتا ہے اور اس کی جمع اَوۡلَادٌ بھی آتی ہے۔اس کے علاوہ منہ بولے بیٹے کے لیے بھی آتا ہے)۔﴿ فَاِنۡ لَّمۡ یَكُنۡ لَّهٗ وَلَدٌ ﴾ (4/النساء:11) ''پھر اگر نہ ہو اس کے بیٹا، بیٹی۔'' ﴿ وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ مِّنۡ اِمۡلَاقٍ ؕ ﴾ (6/الانعام:151) ''اور تم لوگ قتل مت کرو اپنی اولاد کو مفلسی سے یعنی مفلسی کے خوف سے۔''

290

﴿ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ط﴾ (12/یوسف:21)''یا ہم بنالیں اس کو بیٹا۔''

وَلِيْدٌ ج وِلْدَانٌ۔ فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔کم عمر لڑکا۔ ﴿وَ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ج﴾ (76/الدھر:19)''اور پھریں گے ان کے گرد ہمیشگی دیے ہوئے کم عمر لڑکے۔''

ق ن ت

(ن) قُنُوْتًا اطاعت کرنا۔فرمانبرداری کرنا۔﴿وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ (33/الاحزاب:31)''اور جوفرمانبرداری کرے گی تم میں سے اللہ کی اور اس کے رسول کی۔''

اُقْنُتْ فعل امر ہے۔تو اطاعت کر۔فرمانبرداری کر۔﴿يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ﴾(3/آل عمران:43)''اے مریم! آپ فرمانبرداری کریں اپنے رب کی۔''

قَانِتٌ اسم الفاعل ہے۔فرمانبرداری کرنے والا۔ ﴿ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا﴾ (39/الزمر:9)''یا وہ جوفرمانبرداری کرنے والا ہے رات کی گھڑیوں میں سجدہ کرنے والا اور قیام کرنے والا ہوتے ہوئے۔''

ترکیب

اِتَّخَذَ فعل، اَللّٰهُ فاعل اور وَلَدًا مفعول، یہ جملہ فعلیہ قَالُوْا کا مقولہ ہے جبکہ سُبْحٰنَهٗ جملہ معترضہ ہے۔بَلْ مقولہ کی تردید کے لیے آیا ہے۔مَا مبتداء ہے، اس کی خبر مَوْجُوْدٌ محذوف ہے جبکہ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور لَهٗ متعلق خبر ہیں۔لَهٗ کا لام، لامِ تملیک ہے۔كُلٌّ مبتداء نکرہ ہے، قَانِتُوْنَ خبر اور لَهٗ متعلق خبر ہیں۔

ترجمہ

وَقَالُوا	اتَّخَذَ	اللّٰهُ	وَلَدًا	سُبْحٰنَهٗ ط	بَلْ لَّهٗ
اور انہوں نے کہا	بنایا	اللہ نے	ایک بیٹا	اس کی پاکیزگی ہے	بلکہ اس کی ملکیت ہے

مَا	فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط	كُلٌّ لَّهٗ	قٰنِتُوْنَ
جو کچھ	زمین اور آسمانوں میں ہے	سب اس کی	فرمانبرداری کرنے والے ہیں

نوٹ۔1

فعل اِتَّخَذَ دو مفعول کا تقاضہ کرتا ہے۔کس کو بنایا اور کیا بنایا؟ اس آیت میں مفعول اوّل (کس کو بنایا) محذوف ہے اور صرف مفعول ثانی (کیا بنایا) مذکور ہے۔اس کا ایک فائدہ یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس طرح اس نوعیت کے تمام عقائد کی تردید ہوگئی ہے۔اگر مفعول اوّل مذکور ہوتا تو صرف مذکورہ عقیدے کی تردید ہوتی۔

نوٹ۔2

اولاد کی ضرورت صاحب اولاد کی ذات کے کسی نقص کی دلیل ہوتی ہے۔مثلاً صاحبِ اولاد کی ذات کا فانی ہونا، تاکہ اولاد کی شکل میں اس کی ذات کا تسلسل برقرار رہے اور کوئی نام لینے والا ہو۔یا صاحب اولاد کے کسی کام کا نامکمل رہ جانا۔تاکہ اولاد اس کے کام کو آگے بڑھائے، وغیرہ وغیرہ۔جملہ معترضہ سُبْحٰنَهٗ سے یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر نوعیت کے نقص سے پاک ہے۔

آیت نمبر (117)

﴿ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴾ ۝١١٧

| ب | د | ع |

(ف) **بَدْعًا**: نمونے کے بغیر کوئی چیز بنانا۔ ایجاد کرنا۔ اس لفظ کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے تو اس کا مفہوم ہوتا ہے کہ نمونہ، مادہ یا اوزار وغیرہ کے بغیر ایجاد کرنا۔

بَدِيْعٌ: فَعِيْلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ ایجاد کرنے والا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

بِدْعٌ: صفت ہے۔ نیا۔ انوکھا۔ ﴿ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ ﴾ (46/الاحقاف: 9) ''میں کوئی انوکھا نہیں ہوں رسولوں میں سے۔''

(افتعال) **اِبْتِدَاعًا**: اہتمام سے کوئی نئی چیز ایجاد کرنا۔ ﴿ وَرَهْبَانِيَّةَ ِۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ ﴾ (57/الحدید: 27) ''اور رہبانیت! انہوں نے ایجاد کیا اس کو ہم نے واجب نہیں کیا جسے، ان پر۔''

| ق | ض | ی |

(ض) **قَضَاءً**: (۱) کسی چیز کو مضبوطی سے بنانا۔ ﴿ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ﴾ (41/حٰمٓ السجدۃ: 12) ''تو اس نے مضبوطی سے بنایا ان کو سات آسمان۔''

(۲) کسی کام کو پورا کر کے فارغ ہونا۔ ﴿ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ ﴾ (2/البقرہ: 200) ''پس جب تم لوگ فارغ ہو جاؤ اپنے عبادت کے طریقوں سے تو یاد کرو اللہ کو۔''

(۳) کسی بات یا کام کا فیصلہ کرنا۔ ﴿ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ﴾ (17/بنی اسرائیل: 23) ''اور فیصلہ کیا تیرے رب نے کہ تم لوگ عبادت مت کرو مگر اس کی۔''

اِقْضِ: فعل امر ہے۔ تو فیصلہ کر۔ ﴿ فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۭ ﴾ ۝٧٢ (20/طٰہٰ: 72) ''پس تو فیصلہ کر جو تو فیصلہ کرنے والا ہے۔ کچھ نہیں سوائے اس کے کہ تو فیصلہ کرے گا اس دنیا کی زندگی کا۔''

قَاضٍ: فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ فیصلہ کرنے والا۔ اوپر آیت نمبر (20/طٰہٰ: 72) دیکھیں۔

مَقْضِيٌّ: اسم المفعول ہے۔ فیصلہ کیا ہوا۔ ﴿ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴾ ۝٢١ (19/مریم: 21) ''اور وہ تھا فیصلہ کیا ہوا کام۔''

ترکیب

مرکب اضافی بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ خبر ہے۔ اس کا مبتداء هُوَ محذوف ہے۔ اِذَا کلمہ شرط، قَضٰى اَمْرًا شرط اور فَاِنَّمَا سے فَيَكُوْنُ تک جواب شرط ہے۔

ترجمہ

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ	وَاِذَا	قَضٰٓى	اَمْرًا
زمین اور آسمانوں کا ایجاد کرنے والا ہے	اور جب بھی	وہ فیصلہ کرتا ہے	کسی کام کا

فَاِنَّمَا	يَقُوْلُ	لَهٗ	كُنْ	فَيَكُوْنُ
تو بس	وہ کہتا ہے	اس کو	تو ہو جا	پس وہ ہو جاتا ہے

السلام وعلیکم رحمۃ اللہ وبرکاۃ

اللہ تعالیٰ ہم سب کی یہ سعی قبول فرمائے اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے۔ جس جس نے بھی اس کارخیر میں مال، جان اور صلاحیتوں کو لگایا اللہ قبول ومنظور فرمائے

290

انجمن خدام القرآن فیصل آباد میں اس کے فوٹو کاپی بھی دستیاب ہیں اور محترم ڈاکٹر جہاں زیب صاحب کے اس کتاب میں اضافہ جات کے ساتھ مطالعہ قرآن حکیم کے نام سے دستیاب ہیں

رابطہ کے لئے: www.khuddam-ul-quran.com, info@khuddam-ul-quran.com

03217805614,0412437618,0412437781

قرآن اکیڈمی سعید کالونی نمبر 2 کینال روڈ فیصل آباد

آیات

118 تا 141

تک کی تفسیر ہمارے پاس موجود نہیں ہے۔ اس لئے ہم نے ان

23

آیات کا صرف لفظ بالفظ ترجمہ شامل کر دیا ہے۔

وَ قَالَ	الَّذِيْنَ	لَا يَعْلَمُوْنَ
اور کہا	انھوں نے جو	نہیں علم رکھتے

لَوْ لَا	يُكَلِّمُنَا	اللّٰهُ	اَوْ	تَاْتِيْنَآ	اٰيَةٌ ؕ	كَذٰلِكَ	قَالَ
کیوں نہیں	کلام کرتا ہم سے	اللہ	یا	آتی ہمارے پاس	کوئی نشانی	اسی طرح	کہا تھا

الَّذِيْنَ	مِنْ قَبْلِهِمْ	مِّثْلَ	قَوْلِهِمْ ؕ	تَشَابَهَتْ	قُلُوْبُهُمْ ؕ	قَدْ
انھوں نے جو	ان سے پہلے تھے	مثل / مانند	ان کی بات کے	مشابہ ہوگئے	دل ان کے	تحقیق

بَيَّنَّا	الْاٰيٰتِ	لِقَوْمٍ	يُّوْقِنُوْنَ (118)	اِنَّآ	اَرْسَلْنٰكَ	بِالْحَقِّ
واضح کر دیں ہم نے	آیات	ان لوگوں کے لیے	جو یقین رکھتے ہیں	بے شک ہم نے	بھیجا ہم نے آپ کو	ساتھ حق کے

بَشِيْرًا	وَّ نَذِيْرًا ۙ	وَّ لَا تُسْـَٔلُ	عَنْ اَصْحٰبِ	الْجَحِيْمِ (119)
خوش خبری دینے والا	اور ڈرانے والا (بنا کر)	اور نہ آپ سے سوال کیا جائے گا	ساتھیوں کے بارے میں	جہنم کے

وَ لَنْ	تَرْضٰى	عَنْكَ	الْيَهُوْدُ	وَ لَا	النَّصٰرٰى	حَتّٰى	تَتَّبِعَ
اور ہرگز نہیں	راضی ہوں گے	آپ سے	یہود	اور نہ	نصاریٰ	یہاں تک کہ	آپ پیروی کریں

مِلَّتَهُمْ ؕ	قُلْ	اِنَّ	هُدَى	اللّٰهِ	هُوَ	الْهُدٰى ؕ	وَ لَئِنِ
ان کے طریقے کی	کہہ دیجیے	بے شک	ہدایت	اللہ کی	وہی	ہدایت ہے	اور البتہ اگر

اتَّبَعْتَ	اَهْوَآءَهُمْ	بَعْدَ	الَّذِيْ	جَآءَكَ	مِنَ الْعِلْمِ ۙ	مَا
پیروی کی آپ نے	ان کی خواہشات کی	بعد اس کے	جو	آ گیا آپ کے پاس	علم میں سے	نہیں

وقف منزل

لَكَ	مِنَ اللّٰهِ	مِنْ وَّلِيٍّ	وَّلَا	نَصِيْرٍ ﴿120﴾	اَلَّذِيْنَ	اٰتَيْنٰهُمُ
آپ کے لیے	اللہ سے (بچانے والا)	کوئی حمایتی	اور نہ	کوئی مددگار	وہ لوگ جو	دی ہم نے انہیں

الْكِتٰبَ	يَتْلُوْنَهٗ	حَقَّ	تِلَاوَتِهٖ ؕ	اُولٰٓئِكَ	يُؤْمِنُوْنَ	بِهٖ ؕ
کتاب	وہ تلاوت کرتے ہیں اس کی	(جیسا) حق ہے	اس کی تلاوت کا	یہی لوگ ہیں	جو ایمان لاتے ہیں	اس پر

ع 14 9 14

وَمَنْ	يَّكْفُرْ	بِهٖ	فَاُولٰٓئِكَ	هُمُ	الْخٰسِرُوْنَ ﴿121﴾ ع	يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
اور جو کوئی	کفر کرے گا	اس کا	تو یہی لوگ ہیں	وہ	جو خسارہ پانے والے ہیں	اے بنی اسرائیل

اذْكُرُوْا	نِعْمَتِيَ	الَّتِيْٓ	اَنْعَمْتُ	عَلَيْكُمْ	وَاَنِّيْ	فَضَّلْتُكُمْ
یاد کرو	میری نعمت کو	وہ جو	انعام کی میں نے	تم پر	اور بے شک میں	فضیلت دی تھی میں نے تمہیں

عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿122﴾	وَاتَّقُوْا	يَوْمًا	لَّا تَجْزِيْ	نَفْسٌ	عَنْ نَّفْسٍ
تمام جہانوں پر	اور ڈرو	اس دن سے	نہیں کام آئے گا	کوئی نفس	کسی نفس کے

شَيْئًا	وَّلَا	يُقْبَلُ	مِنْهَا	عَدْلٌ	وَّلَا	تَنْفَعُهَا	شَفَاعَةٌ
کچھ بھی	اور نہ	قبول کیا جائے گا	اس سے	کوئی بدلہ	اور نہ	نفع دے گی اسے	کوئی سفارش

وَّلَا	هُمْ	يُنْصَرُوْنَ ﴿123﴾	وَاِذِ	ابْتَلٰٓى	اِبْرٰهٖمَ	رَبُّهٗ	بِكَلِمٰتٍ
اور نہ	وہ	وہ مدد کیے جائیں گے	اور جب	آزمایا	ابراہیم کو	اس کے رب نے	چند کلمات سے

فَاَتَمَّهُنَّ ؕ	قَالَ	اِنِّيْ	جَاعِلُكَ	لِلنَّاسِ	اِمَامًا ؕ	قَالَ
تو اس نے پورا کر دیا انہیں	فرمایا	بے شک میں	بنانے والا ہوں تجھے	لوگوں کے لیے	امام	کہا

وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ؕ	قَالَ	لَا يَنَالُ	عَهْدِي	الظّٰلِمِيْنَ ﴿124﴾	وَاِذْ
اور میری اولاد میں سے	فرمایا	نہیں پہنچے گا	عہد میرا	ظالموں کو	اور جب

جَعَلْنَا	الْبَيْتَ	مَثَابَةً	لِّلنَّاسِ	وَاَمْنًا ؕ	وَاتَّخِذُوْا
بنایا ہم نے	بیت اللہ کو	لوٹنے کی جگہ/مرکز	لوگوں کے لیے	اور امن کی جگہ	اور بنالو

مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ	مُصَلًّى ؕ	وَعَهِدْنَآ	اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ	وَاِسْمٰعِيْلَ
مقامِ ابراہیم کو	جائے نماز	اور عہد لیا ہم نے	ابراہیم سے	اور اسماعیل سے

اَنْ	طَهِّرَا	بَيْتِىَ	لِلطَّآئِفِيْنَ	وَالْعٰكِفِيْنَ	وَالرُّكَّعِ
کہ	تم دونوں پاک کرو	میرے گھر کو	واسطے طواف کرنے والوں کے	اور اعتکاف کرنے والوں	اور رکوع کرنے والوں

السُّجُوْدِ (125)	وَاِذْ	قَالَ	اِبْرٰهٖمُ	رَبِّ	اجْعَلْ	هٰذَا	بَلَدًا
سجدہ کرنے والوں کے	اور جب	کہا	ابراہیم نے	اے میرے رب	بنا دے	اسے	شہر

اٰمِنًا	وَّارْزُقْ	اَهْلَهٗ	مِنَ الثَّمَرٰتِ	مَنْ	اٰمَنَ	مِنْهُمْ
امن والا	اور رزق دے	اس کے رہنے والوں کو	پھلوں میں سے	جو کوئی	ایمان لائے	ان میں سے

بِاللّٰهِ	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ	قَالَ	وَمَنْ	كَفَرَ	فَاُمَتِّعُهٗ	قَلِيْلًا
اللہ پر	اور آخری دن پر	فرمایا	اور جس نے	کفر کیا	تو میں فائدہ دوں گا اسے	تھوڑا سا

ثُمَّ	اَضْطَرُّهٗٓ	اِلٰى	عَذَابِ	النَّارِ ؕ	وَبِئْسَ	الْمَصِيْرُ (126)
پھر	میں مجبور کردوں گا اسے	طرف	عذاب	آگ کے	اور کتنی بری ہے	لوٹنے کی جگہ

وَاِذْ	يَرْفَعُ	اِبْرٰهٖمُ	الْقَوَاعِدَ	مِنَ الْبَيْتِ	وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ	رَبَّنَا
اور جب	بلند کر رہے تھے	ابراہیم	بنیادیں	بیت اللہ کی	اور اسماعیل	اے ہمارے رب

تَقَبَّلْ	مِنَّا ؕ	اِنَّكَ	اَنْتَ	السَّمِيْعُ	الْعَلِيْمُ (127)	رَبَّنَا
تو قبول فرما	ہم سے	بے شک تو	تو ہی ہے	خوب سننے والا	خوب جاننے والا	اے ہمارے رب

وَاجْعَلْنَا	مُسْلِمَيْنِ	لَكَ	وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ	اُمَّةً	مُّسْلِمَةً
اور بنا ہمیں	فرماں بردار	اپنے لیے	اور ہماری اولاد میں سے	ایک امت	فرماں بردار

لَّكَ ص	وَاَرِنَا	مَنَاسِكَنَا	وَتُبْ	عَلَيْنَا ج	اِنَّكَ	اَنْتَ
اپنے لیے	اور دکھا ہمیں	ہماری عبادت کے طریقے	اور مہربان ہو	ہم پر	بے شک تو	تو ہی ہے

التَّوَّابُ	الرَّحِيۡمُ ﴿128﴾	رَبَّنَا	وَابۡعَثۡ	فِيۡهِمۡ	رَسُوۡلًا
بہت توبہ قبول کرنے والا	نہایت رحم کرنے والا	اے ہمارے رب	اور مبعوث فرما	ان میں	ایک رسول کو

مِّنۡهُمۡ	يَتۡلُوۡا	عَلَيۡهِمۡ	اٰيٰتِكَ	وَيُعَلِّمُهُمُ	الۡكِتٰبَ
ان ہی میں سے	وہ تلاوت کرے	ان پر	آیات تیری	اور وہ تعلیم دے انہیں	کتاب

15 ع 8 15

وَالۡحِكۡمَةَ	وَيُزَكِّيۡهِمۡ ؕ	اِنَّكَ	اَنۡتَ	الۡعَزِيۡزُ	الۡحَكِيۡمُ ﴿129﴾ ع
اور حکمت کی	اور وہ تزکیہ کرے ان کا	بے شک تو	تو ہی ہے	بہت زبردست	خوب حکمت والا

وَمَنۡ	يَّرۡغَبُ	عَنۡ مِّلَّةِ	اِبۡرٰهٖمَ	اِلَّا	مَنۡ	سَفِهَ
اور کون ہے	جو منہ موڑے	طریقے سے	ابراہیم کے	مگر	وہ جس نے	بے وقوف بنایا

نَفۡسَهٗ ؕ	وَلَقَدِ	اصۡطَفَيۡنٰهُ	فِى الدُّنۡيَا ۚ	وَاِنَّهٗ	فِى الۡاٰخِرَةِ
اپنے نفس کو	اور البتہ تحقیق	چن لیا تھا ہم نے اسے	دنیا میں	اور بے شک وہ	آخرت میں

لَمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿130﴾	اِذۡ	قَالَ	لَهٗ	رَبُّهٗۤ	اَسۡلِمۡ ۙ	قَالَ
البتہ صالح لوگوں میں سے ہے	جب	کہا	اس کو	اس کے رب نے	فرماں بردار ہو جا	اس نے کہا

اَسۡلَمۡتُ	لِرَبِّ	الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿131﴾	وَوَصّٰى	بِهَآ	اِبۡرٰهٖمُ	بَنِيۡهِ
میں فرماں بردار ہو گیا	رب کے لیے	تمام جہانوں کے	اور وصیت کی	اس کی	ابراہیم نے	اپنے بیٹوں کو

وَيَعۡقُوۡبُ ؕ	يٰبَنِىَّ	اِنَّ	اللّٰهَ	اصۡطَفٰى	لَـكُمُ	الدِّيۡنَ
اور یعقوب نے	اے میرے بیٹو	بے شک	اللہ نے	چن لیا	تمہارے لیے	دین کو

فَلَا تَمُوۡتُنَّ	اِلَّا	وَاَنۡتُمۡ	مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿132﴾ ؕ	اَمۡ	كُنۡتُمۡ	شُهَدَآءَ
پس تم ہرگز نہ مرنا	مگر	اس حال میں کہ تم	مسلمان ہو	کیا	تھے تم	موجود

اِذۡ	حَضَرَ	يَعۡقُوۡبَ	الۡمَوۡتُ ۙ	اِذۡ	قَالَ	لِبَنِيۡهِ	مَا	تَعۡبُدُوۡنَ
جب	آئی	یعقوب کو	موت	جب	اس نے کہا	اپنے بیٹوں سے	کس کی	تم عبادت کرو گے

مِنۢ بَعۡدِیۡ ؕ	قَالُوۡا	نَعۡبُدُ	اِلٰهَكَ	وَاِلٰهَ	اٰبَآئِكَ	اِبۡرٰهٖمَ
میرے بعد	انہوں نے کہا	ہم عبادت کریں گے	تیرے الٰہ کی	اور الٰہ کی	تیرے آباؤ اجداد کے	ابراہیم

وَاِسۡمٰعِيۡلَ	وَاِسۡحٰقَ	اِلٰهًا	وَّاحِدًا ۖۚ	وَّنَحۡنُ	لَهٗ	مُسۡلِمُوۡنَ (133)
اور اسماعیل	اور اسحاق کے	الٰہ کی	ایک ہی کی	اور ہم	اسی کے لیے	فرماں بردار ہیں

تِلۡكَ	اُمَّةٌ	قَدۡ	خَلَتۡ ۚ	لَهَا	مَا	كَسَبَتۡ	وَلَكُمۡ
یہ	ایک امت تھی	تحقیق	وہ گزر گئی	اس کے لیے ہے	جو	اس نے کمایا	اور تمہارے لیے ہے

مَّا	كَسَبۡتُمۡ ۚ	وَلَا	تُسۡـئَلُوۡنَ	عَمَّا	كَانُوۡا	يَعۡمَلُوۡنَ (134)
جو	کمایا تم نے	اور نہ	تم سوال کیے جاؤ گے	اس کے بارے میں جو	تھے وہ	وہ عمل کرتے

وَقَالُوۡا	كُوۡنُوۡا	هُوۡدًا	اَوۡ	نَصٰرٰى	تَهۡتَدُوۡا ؕ	قُلۡ	بَلۡ
اور انہوں نے کہا	ہو جاؤ	یہودی	یا	نصرانی	تم ہدایت پالو گے	کہہ دیجیے	بلکہ

مِلَّةَ	اِبۡرٰهٖمَ	حَنِيۡفًا ؕ	وَمَا	كَانَ	مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ (135)
ملّت	ابراہیم کی	جو یکسو تھا	اور نہیں	تھا وہ	مشرکین میں سے

قُوۡلُوۡٓا	اٰمَنَّا	بِاللّٰهِ	وَمَآ	اُنۡزِلَ	اِلَيۡنَا	وَمَآ	اُنۡزِلَ
کہو تم	ایمان لائے ہم	اللہ پر	اور (اس پر) جو	نازل کیا گیا	طرف ہمارے	اور جو	نازل کیا گیا

اِلٰٓى	اِبۡرٰهٖمَ	وَاِسۡمٰعِيۡلَ	وَاِسۡحٰقَ	وَيَعۡقُوۡبَ	وَالۡاَسۡبَاطِ
طرف	ابراہیم کے	اور اسماعیل	اور اسحاق	اور یعقوب	اور اولاد یعقوب کے

وَمَآ	اُوۡتِىَ	مُوۡسٰى	وَعِيۡسٰى	وَمَآ	اُوۡتِىَ	النَّبِيُّوۡنَ	مِنۡ رَّبِّهِمۡ ۚ
اور جو	دیئے گئے	موسیٰ	اور عیسیٰ	اور جو	دیئے گئے	تمام انبیاء	اپنے رب کی طرف سے

لَا نُفَرِّقُ	بَيۡنَ	اَحَدٍ	مِّنۡهُمۡ ۖ	وَنَحۡنُ	لَهٗ	مُسۡلِمُوۡنَ (136)
نہیں ہم فرق کرتے	درمیان	کسی ایک کے	ان میں سے	اور ہم	اسی کے لیے	فرماں بردار ہیں

فَاِنْ	اٰمَنُوْا	بِمِثْلِ مَآ	اٰمَنْتُمْ	بِهٖ	فَقَدِ	اهْتَدَوْا ج	وَاِنْ
پھر اگر	وہ ایمان لے آئیں	جس طرح	ایمان لائے تم	ساتھ اس کے	پس تحقیق	وہ ہدایت پا گئے	اور اگر

تَوَلَّوْا	فَاِنَّمَا	هُمْ	فِيْ شِقَاقٍ ج	فَسَيَكْفِيْكَهُمُ	اللّٰهُ ج	وَهُوَ
وہ منہ پھیر لیں	تو بے شک	وہ	اختلاف میں ہیں	پس عنقریب کافی ہوگا آپ کو ان سے	اللہ	اور وہ

السَّمِيْعُ	الْعَلِيْمُ ؕ (137)	صِبْغَةَ	اللّٰهِ ج	وَمَنْ	اَحْسَنُ	مِنَ اللّٰهِ
خوب سننے والا ہے	خوب جاننے والا ہے	رنگ	اللہ کا	اور کون	زیادہ اچھا ہے	اللہ سے

صِبْغَةً ز	وَّنَحْنُ	لَهٗ	عٰبِدُوْنَ (138)	قُلْ	اَتُحَآجُّوْنَنَا
رنگ میں	اور ہم	اسی کی	عبادت کرنے والے ہیں	کہہ دیجیے	کیا تم جھگڑا کرتے ہو ہم سے

فِي اللّٰهِ	وَهُوَ	رَبُّنَا	وَرَبُّكُمْ ج	وَلَنَآ	اَعْمَالُنَا	وَلَكُمْ
اللہ کے بارے میں	حالانکہ وہ	رب ہے ہمارا	اور رب ہے تمہارا	اور ہمارے لیے ہیں	اعمال ہمارے	اور تمہارے لیے ہیں

اَعْمَالُكُمْ ج	وَنَحْنُ	لَهٗ	مُخْلِصُوْنَ (139) لا	اَمْ	تَقُوْلُوْنَ
اعمال تمہارے	اور ہم	اسی کے لیے	مخلص ہیں	یا	تم کہتے ہو

اِنَّ	اِبْرٰهٖمَ	وَاِسْمٰعِيْلَ	وَاِسْحٰقَ	وَيَعْقُوْبَ	وَالْاَسْبَاطَ
بے شک	ابراہیم	اور اسماعیل	اور اسحاق	اور یعقوب	اور اولاد یعقوب

كَانُوْا	هُوْدًا	اَوْ	نَصٰرٰى ؕ	قُلْ	ءَاَنْتُمْ	اَعْلَمُ	اَمِ	اللّٰهُ ؕ
تھے وہ	یہودی	یا	نصرانی	کہہ دیجیے	کیا تم	زیادہ جانتے ہو	یا	اللہ

وَمَنْ	اَظْلَمُ	مِمَّنْ	كَتَمَ	شَهَادَةً	عِنْدَهٗ	مِنَ اللّٰهِ ؕ
اور کون	بڑا ظالم ہے	اس سے جو	چھپائے	گواہی کو	جو پاس ہے اس کے	اللہ کی طرف سے

وَمَا	اللّٰهُ	بِغَافِلٍ	عَمَّا	تَعْمَلُوْنَ (140)	تِلْكَ	اُمَّةٌ
اور نہیں	اللہ	غافل	اس سے جو	تم عمل کرتے ہو	یہ	ایک امت تھی

قَدْ	خَلَتْ ج	لَهَا	مَا	كَسَبَتْ	وَلَكُمْ	مَّا	كَسَبْتُمْ ج
تحقیق	وہ گزر گئی	اس کے لیے ہے	جو	اس نے کمایا	اور تمہارے لیے ہے	جو	کمایا تم نے

ع 16 12 16

وَلَا	تُسْـَٔلُوْنَ	عَمَّا	كَانُوْا	يَعْمَلُوْنَ ﴿141﴾ ع
اور نہ	تم سوال کیے جاؤ گے	اس کے بارے میں جو	تھے وہ	وہ عمل کرتے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ البقرۃ (۲)

آیت نمبر (142)

﴿ سَیَقُوۡلُ السُّفَہَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىہُمۡ عَنۡ قِبۡلَتِہِمُ الَّتِیۡ کَانُوۡا عَلَیۡہَا ؕ قُلۡ لِّلّٰہِ الۡمَشۡرِقُ وَ الۡمَغۡرِبُ ؕ یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۱۴۲﴾ ﴾

ترکیب

سَیَقُوۡلُ کا فاعل السُّفَہَآءُ ہے اور مِنَ النَّاسِ اس کی وضاحت ہے۔ مَا استفہامیہ ہے اور مبتداء ہے، جب کہ جملہ فعلیہ وَلّٰىہُمۡ اس کی خبر ہے۔ عَنۡ قِبۡلَتِہِمۡ متعلق خبر ہے اور یہ پورا فقرہ موصوف ہے جب کہ اَلَّتِیۡ کَانُوۡا عَلَیۡہَا اس کی صفت ہے۔ اَلۡمَشۡرِقُ وَالۡمَغۡرِبُ مبتداء موخر ہیں ان کی خبر محذوف ہے اور لِلّٰہِ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ یَہۡدِیۡ کا فاعل اس میں شامل ھُوَ کی ضمیر ہے جو اللہ کے لئے ہے اور مَنۡ اس کا مفعول ہے یَشَآءُ کا فاعل بھی ھُوَ کی ضمیر ہے جو اللہ کے لئے ہے۔

ترجمہ

سَیَقُوۡلُ	السُّفَہَآءُ	مِنَ النَّاسِ	مَا	وَلّٰىہُمۡ	عَنۡ قِبۡلَتِہِمُ الَّتِیۡ
کہیں گے	بیوقوف لوگ	لوگوں میں سے	کس چیز نے	پھیرا ان کو	ان کے اُس قبلے سے

کَانُوۡا	عَلَیۡہَا ؕ	قُلۡ	لِّلّٰہِ	الۡمَشۡرِقُ وَالۡمَغۡرِبُ ؕ	یَہۡدِیۡ
وہ لوگ تھے	جس پر	آپؐ کہئے	اللہ ہی کے لئے ہے	مشرق اور مغرب	وہ ہدایت دیتا ہے

مَنۡ	یَّشَآءُ	اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ
اس کو جس کو	وہ چاہتا ہے	ایک سیدھے راستے کی طرف

آیت نمبر (143)

﴿ وَ کَذٰلِکَ جَعَلۡنٰکُمۡ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوۡنُوۡا شُہَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَ یَکُوۡنَ الرَّسُوۡلُ عَلَیۡکُمۡ شَہِیۡدًا ؕ وَ مَا جَعَلۡنَا الۡقِبۡلَۃَ الَّتِیۡ کُنۡتَ عَلَیۡہَاۤ اِلَّا لِنَعۡلَمَ مَنۡ یَّتَّبِعُ الرَّسُوۡلَ مِمَّنۡ یَّنۡقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیۡہِ ؕ وَ اِنۡ کَانَتۡ لَکَبِیۡرَۃً اِلَّا عَلَی الَّذِیۡنَ ہَدَی اللّٰہُ ؕ وَ مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُضِیۡعَ اِیۡمَانَکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۴۳﴾ ﴾

و س ط

(ض) وَسۡطًا کسی کے درمیان میں بیٹھنا۔ درمیان میں ہونا۔ ﴿ فَوَسَطۡنَ بِہٖ جَمۡعًا ﴿۵﴾ ﴾ (100/العدیت:5)
"پھر وہ سب یعنی گھوڑوں کے رسالے اس کے درمیان میں بیٹھے یعنی گھس گئے جم کر۔"

(ک) **وَسَاطَةً**: شریف ہونا۔ افضل ہونا۔

اَوْسَطُ: مؤنث وُسْطٰی۔ افعل التفضیل ہے۔ زیادہ درمیان یعنی ٹھیک یا بالکل درمیان۔﴿ فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ ﴾(5/المائدہ:89)''تو اس کا کفارہ ہے کھانا کھلانا دس مسکینوں کو، اس کے اوسط سے جو تم لوگ کھلاتے ہو اپنے گھر والوں کو۔''﴿ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ق ﴾ (2/البقرہ:238)''تم لوگ نگہبان رہو نمازوں پر اور درمیانی نماز پر۔''

وَسَطٌ: معتدل۔ متوازن (یعنی افراط وتفریط سے پاک)۔ آیت زیر مطالعہ۔ یہ مذکر مؤنث، واحد جمع، سب کے لئے آتا ہے۔

ع	ق	ب

(ض۔ن) **عَقْبًا**: پیر کا پچھلا حصہ مارنا یعنی ایڑی مارنا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے (۱) پیچھے آنا۔ (۲) جانشین ہونا۔ (۳) ایک چیز جانے کے بعد اس کا دوسرا رُخ سامنے آنا۔ جیسے رات کے بعد صبح کا آنا یعنی نتیجہ ظاہر ہونا۔ بدلہ سامنے آنا۔

عُقْبٰی: افعل التفضیل کے مؤنث فُعْلٰی کا وزن ہے۔ زیادہ یا سب سے پیچھے یعنی آخر میں ظاہر ہونے والا نتیجہ یا بدلہ۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ زیادہ تر دو معانی میں آتا ہے۔ (۱) آخری۔ (۲) بدلہ۔﴿ وَّ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝٢٢ ﴾(13/الرعد:22)''اور وہ لوگ دفع کرتے ہیں بھلائی سے برائی کو۔ ان لوگوں کے لئے ہے آخری گھر۔''﴿ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖ وَّ عُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ۝٣٥ ﴾(13/الرعد:35)''یہ بدلہ ہے ان لوگوں کا جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور کافروں کا بدلہ ہے آگ۔''

عَقِبٌ: ج اَعْقَابٌ۔ اسم ذات ہے۔ کسی چیز کا پچھلا حصہ۔ (۱) ایڑی۔ (۲) بیٹے۔ پوتے وغیرہ۔﴿ فَلَمَّا تَرَاۗءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰي عَقِبَيْهِ ﴾(8/الانفال:48)''پھر جب آمنے سامنے ہوئیں دونوں فوجیں تو وہ پسپا ہوا اپنی دونوں ایڑیوں پر۔''﴿ وَ جَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝٢٨ ﴾(43/الزخرف:28)''اور اس نے بنایا اس کو ایک باقی رہنے والا فرمان اپنی اولاد میں، شائد وہ لوگ رجوع کریں۔''﴿ يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓي اَعْقَابِكُمْ ﴾(3/آل عمران:149)''تو وہ پھیر دیں گے تم لوگوں کو تمہاری ایڑیوں پر۔''

عُقْبٌ: اسم ذات ہے۔ نتیجہ۔ انجام۔﴿ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ عُقْبًا ۝٤٤ ع ﴾(18/الکھف:44)''وہ بہتر ہے بطور بدلے کے اور بہتر ہے بطور انجام کے۔''

عَاقِبَةٌ: اسم ذات ہے۔ بدلہ (خواہ اچھا ہو یا برا)﴿ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝١٣٧ ﴾(3/آل عمران:137)''پس تم لوگ دیکھو کیسا تھا جھٹلانے والوں کا بدلہ۔''﴿ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝٤٩ ع ﴾(11/ھود:49)''بے شک بدلہ ہے تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لئے۔''﴿ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝٤١ ﴾(22/الحج:41)''اور اللہ کی ہی ہے یعنی ملکیت ہے تمام کاموں کا بدلہ۔''

عَقَبَةٌ: دشوار گزار گھاٹی۔﴿ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝١١ ﴾(90/البلد:11)''تو اس نے عبور نہیں کیا گھاٹی کو۔''

(افعال) **اِعْقَابًا**: کسی چیز کے بدلے میں کچھ دینا۔ بدلہ دینا۔﴿ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ﴾(9/التوبۃ:77)''تو اس نے بدلے میں دیا ان کو ایک نفاق ان کے دلوں میں۔''

(تفعیل) **تَعۡقِیۡبًا** پیچھے ہونا۔ پیچھے ڈالنا۔ ﴿ وَّلّٰی مُدۡبِرًا وَّ لَمۡ یُعَقِّبۡ ﴾ (27/ النمل: 10) ''وہ چل دیا پیٹھ پھیرتے ہوئے اور پیچھے ہوا ہی نہیں یعنی مڑ کر نہ دیکھا۔''

مُعَقِّبٌ اسم الفاعل ہے۔ پیچھے ہونے والا۔ پیچھے ڈالنے والا۔ ﴿ وَاللّٰہُ یَحۡکُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُکۡمِہٖ ﴾ (13/ الرعد: 41) ''اور اللہ حکم کرتا ہے، کوئی پیچھے ڈالنے والا نہیں ہے اس کے حکم کو۔'' ﴿ لَہٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡہِ وَمِنۡ خَلۡفِہٖ ﴾ (13/ الرعد: 11) ''اس کے ہیں یعنی اس کی ملکیت ہیں پیچھے رہنے والے یعنی پہرے دار، اس کے یعنی انسان کے آگے سے اور اس کے پیچھے سے۔''

(مفاعلہ) **مُعَاقَبَۃً** ایک دوسرے کے پیچھے پڑنا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ متعدد معانی میں آتا ہے۔ (۱) کسی کے ساتھ زیادتی کرنا۔ (۲) کسی زیادتی کا بدلہ دینا۔ (۳) کسی زیادتی پر گرفت کرنا۔ سزا دینا۔ ﴿ وَاِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا بِمِثۡلِ مَا عُوۡقِبۡتُمۡ بِہٖ ﴾ (16/ النحل: 126) ''اور اگر تم لوگ بدلہ لو، تو بدلہ لو اس کے جیسا، تمہارے ساتھ زیادتی کی گئی جتنی۔'' ﴿ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ﴾ (2/ البقرہ: 196) ''اور تم لوگ جان لو کہ اللہ سزا دینے کا سخت ہے۔''

عَاقِبۡ فعل امر ہے۔ تو بدلہ دے۔ سزا دے۔ اور آیت نمبر (16/ النحل: 126) دیکھیں۔

| ض ی ع |

(ض) **ضِیَاعًا** کسی چیز کا تلف ہونا۔ بیکار ہونا۔

(افعال) **اِضَاعَۃً** کسی چیز کو تلف کرنا۔ ضائع کرنا۔ ﴿ اَنِّیۡ لَاۤ اُضِیۡعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنۡکُمۡ ﴾ (3/ آل عمران: 195) ''کہ میں ضائع نہیں کرتا کسی عمل کرنے والے کے عمل کو، تم میں سے۔''

| ر ء ف |

(ف) **رَاۡفَۃً** نرم دل ہونا۔ شفیق ہونا۔

رَءُوۡفٌ فَعُوۡلٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ بہت نرمی کرنے والا۔ بہت شفقت کرنے والا۔ ﴿ وَاللّٰہُ رَءُوۡفٌۢ بِالۡعِبَادِ ﴾ (2/ البقرہ: 207) ''اور اللہ بہت نرمی کرنے والا ہے بندوں سے۔''

رَاۡفَۃٌ اسم ذات بھی ہے۔ نرمی۔ شفقت۔ ﴿ وَجَعَلۡنَا فِیۡ قُلُوۡبِ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡہُ رَاۡفَۃً وَّ رَحۡمَۃً ﴾ (57/ الحدید: 27) ''اور ہم نے بنایا یعنی رکھا اُن کے دلوں میں جنہوں نے پیروی کی انؑ کی، نرمی اور رحمت۔''

ترکیب

کَذٰلِکَ میں اشارہ گذشتہ آیت کے مَنۡ یَّشَآءُ کی طرف ہے۔ جَعَلۡنَا کا مفعول اوّل کُمۡ کی ضمیر ہے، جب کہ مرکب توصیفی اُمَّۃً وَّسَطًا مفعول ثانی ہے۔ لِتَکُوۡنُوۡا پر لامِ کَیۡ داخل ہوا ہے اس لئے تَکُوۡنُوۡنَ کا نون اعرابی گرا ہوا ہے۔ اس کا اسم اس میں شامل اَنۡتُمۡ کی ضمیر ہے، شُھَدَآءَ اس کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور عَلَی النَّاسِ متعلق خبر ہے۔ یَکُوۡنَ کی نصب لامِ کَیۡ کی وجہ سے ہے جو لِتَکُوۡنُوۡا پر آچکا ہے اور اس کا اسم اَلرَّسُوۡلُ ہے، جس پر لام تعریف داخل ہوا ہے، شَھِیۡدًا اس کی خبر ہے اور عَلَیۡکُمۡ متعلق خبر ہے۔ وَمَا جَعَلۡنَا کا مفعول اوّل اَلۡقِبۡلَۃَ ہے جس پر لام تعریف داخل ہوا ہے جب کہ مفعول ثانی محذوف ہے۔ اَلَّتِیۡ کُنۡتَ عَلَیۡہَا کا پورا فقرہ اَلۡقِبۡلَۃَ کی صفت ہے۔

مَا جَعَلْنَا کا مفعول ثانی عَلَیْهَا کے بعد آنا تھا جسے محذوف کیا گیا ہے اور یہ قِبْلَةً ہوسکتا ہے۔ اَلَّتِیْ کے ساتھ کُنْتَ کا اسم اس میں شامل اَنْتَ کی ضمیر ہے، اس کی خبر محذوف ہے جو کہ قَآئِماً ہوسکتی ہے۔ عَقِبَیْهِ دراصل عَقِبٌ کا تثنیہ عَقِبَانِ تھا۔ اس پر عَلٰی داخل ہوا تو حالت جر میں یہ عَقِبَیْنِ ہوگیا پھر مضاف ہونے کی وجہ سے اس کا نون اعرابی گر گیا۔ جبکہ بِهٖ کی ضمیر اس کا مضاف الیہ ہے۔ ان دراصل اِنَّ ہے۔ کَانَتْ کی ضمیر اب هِیَ کے بجائے هَا ہوگی، اِنَّ کا اسم ہے اور یہ اَلتَّحْوِیْلَةَ (تحویل) کے لئے ہے۔ جب کہ لَکَبِیْرَةً کَانَتْ کی خبر ہے۔ مَا کَانَ اللّٰهُ میں آفاقی صداقت کا بیان ہے۔ اس لئے کَانَ کا ترجمہ حال میں ہوگا۔

ترجمہ

وَکَذٰلِكَ	جَعَلْنٰكُمْ	اُمَّةً وَّسَطًا	لِّتَكُوْنُوْا	شُهَدَآءَ
اور اس طرح	ہم نے بنایا تم لوگوں کو	ایک معتدل امت	تا کہ تم لوگ ہوجاؤ	گواہ

عَلَى النَّاسِ	وَيَكُوْنَ	الرَّسُوْلُ	عَلَيْكُمْ	شَهِيْدًا ط	وَمَا جَعَلْنَا
لوگوں پر	اور تا کہ ہوجائیں	یہ رسول ؐ	تم لوگوں پر	گواہ	اور ہم نے نہیں بنایا

الْقِبْلَةَ	الَّتِیْ كُنْتَ عَلَيْهَآ	اِلَّا	لِنَعْلَمَ	مَنْ
اُس قبلہ کو	جس پر آپ ؐ تھے	سوائے اس کے	تا کہ ہم جان لیں کہ	کون

يَّتَّبِعُ	الرَّسُوْلَ	مِمَّنْ	يَّنْقَلِبُ	عَلٰى عَقِبَيْهِ ط
پیروی کرتا ہے	ان رسول ؐ کی	اس میں سے جو	پلٹ جاتا ہے	اپنی دونوں ایڑیوں پر

وَاِنْ	كَانَتْ	لَكَبِيْرَةً	اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ	هَدَى	اللّٰهُ ط
اور یقیناً	وہ تھی	بھاری	سوائے ان لوگوں کے جنہیں	ہدایت دی	اللہ نے

وَمَا كَانَ اللّٰهُ	لِيُضِيْعَ	اِيْمَانَكُمْ ط	اِنَّ اللّٰهَ
اور اللہ نہیں ہے	کہ وہ ضائع کرے	تم لوگوں کے ایمان کو	یقیناً اللہ

بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ	رَّحِيْمٌ
لوگوں کے حق میں بے انتہا نرمی کرنے والا ہے	ہر حال میں رحم کرنے والا ہے

نوٹ۔1

ترکیب میں آپ کو بتایا گیا ہے کہ اِنْ کَانَتْ کے ساتھ جو اِنْ ہے یہ دراصل اِنَّ ہے۔ اس کو اِنْ مُخَفَّفَه کہتے ہیں اور اس کو پہچاننے کی کوئی علامت نہیں ہے۔ اس کو جملہ کے مفہوم سے پہچانا جاتا ہے۔ اب اسی آیت میں اگر اس کو اِنْ شرطیہ مان کر ترجمہ کریں تو جملہ بے معنی ہوجاتا ہے۔ اور اگر اِنْ نافیہ مان کر ترجمہ کریں تو معنی اُلٹ جاتے ہیں جو کہ خلاف واقع ہے۔ اس طرح معلوم ہوا کہ یہ اِنْ مُخَفَّفَه ہے۔

نوٹ۔2

کَانَ نافیہ (مَا کَانَ) کے بعد مضارع پر اگر لام کَیْ آئے تو اس وقت لام کَیْ ''تا کہ'' کے بجائے ''کہ'' کے معنی دیتا ہے۔

نوٹ۔3

وحی کی ایک قسم وہ ہے جسے قرآن مجید میں لکھ دیا گیا۔اسے وحی متلو یعنی تلاوت کی ہوئی وحی کہتے ہیں۔وحی کی دوسری قسم وہ ہے جسے قرآن مجید میں نہیں لکھا گیا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے قول وعمل اسی وحی کی بناء پر تھے۔اسے وحی غیر متلو کہتے ہیں اور اس کا ثبوت ہمیں قرآن مجید سے بھی ملتا ہے۔آیت زیر مطالعہ ایسے ہی مقامات میں سے ایک ہے۔

مدینہ میں تقریباً سولہ مہینے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھائی۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اس کو قبلہ ہم نے بنایا تھا، لیکن قرآن مجید میں یہ حکم درج نہیں ہے۔اس سے معلوم ہو گیا کہ آپ ﷺ کا یہ عمل وحی غیر متلو کے تحت تھا۔

آیت نمبر(144)

﴿قَدۡ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ فِی السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبۡلَةً تَرۡضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجۡهَكَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ؕ وَحَيۡثُ مَا كُنۡتُمۡ فَوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ شَطۡرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ لَيَعۡلَمُوۡنَ اَنَّهُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴۴﴾﴾

ش ط ر

(ن) شَطۡرًا کسی چیز کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرنا۔

شَطۡرٌ کسی چیز کا نصف یا وسط۔پھر کسی چیز کے رُخ یا سمت کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔آیت زیر مطالعہ۔

ح ی ث

(x) x اس مادہ سے فعل استعمال ہوتا۔

حَيۡثُ یہ ظرف مکان ہے اور ضمہ پر مبنی ہے۔جہاں۔کہاں (یہ زیادہ تر مکانِ مبہم کے لئے آتا ہے اس لئے اس کے بعد کسی جملہ یا فقرہ سے اس کی وضاحت کی جاتی ہے)۔آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب

نَرٰی کا فاعل اس میں شامل نَحۡنُ کی ضمیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔لفظ تَقَلُّبُ میں حرف لام کی ضمہ بتا رہی ہے کہ یہ باب تفعل کے ماضی کا صیغہ نہیں ہے بلکہ اس کا مصدر ہے۔مضاف ہونے کی وجہ سے تنوین سے خالی ہے۔وَجۡهِ اس کا مضاف الیہ بھی ہے اور آگے ضمیر كَ کا مضاف بھی ہے۔یہ پورا مرکب اضافی نَرٰی کا مفعول ہے اس لئے اس کے مضاف تَقَلُّبَ پر نصب آئی ہے۔جب کہ فِی السَّمَآءِ متعلق فعل ہے۔

لَنُوَلِّيَنَّ دراصل باب تفعیل میں وَلّٰی یُوَلِّیۡ کا نون ثقیلہ کے ساتھ مضارع ہے اور جمع متکلم کا صیغہ ہے۔اس میں شامل نَحۡنُ کی ضمیر اس کا فاعل ہے، جو کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔اس کے ساتھ ضمیر كَ اس کا مفعول اوّل ہے جب کہ قِبۡلَةً مفعول ثانی ہے اور نکرہ موصوفہ ہے، تَرۡضٰىهَا اس کی صفت ہے۔

فَوَلِّ واحد مذکر مخاطب کے صیغے میں فعل امر ہے۔اس کا فاعل اس میں شامل اَنۡتَ کی ضمیر ہے۔مرکب اضافی وَجۡهَكَ اس کا مفعول اوّل ہے اس لئے وَجۡهَ پر نصب آئی ہے۔مرکب اضافی شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ مفعول ثانی اس لئے شَطۡرَ نصب میں ہے، جب کہ الۡحَرَامِ، الۡمَسۡجِدِ کی صفت ہے۔فَوَلُّوۡا جمع مذکر مخاطب کے صیغے میں فعل امر

ہے۔اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے۔وُجُوْهَكُمْ مفعول اوّل اور شَطْرَهٗ مفعول ثانی ہے۔اس میں ہٗ کی ضمیر مسجدِ حرام کے لئے ہے۔یہ جملہ فعلیہ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ کی خبر ہے۔
320

اَنَّهُ الْحَقُّ میں ہُ کی ضمیر اَنَّ کا اسم ہے اور الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کے لئے ہے۔الْحَقُّ خبر معرف باللّام ہے اور ضمیر فاصل هُوَ کے بغیر ہے۔پورا جملہ اس طرح ہوتا۔اَنَّهٗ هُوَ الْحَقُّ۔

ترجمہ

قَدْ نَرٰی	تَقَلُّبَ وَجْهِكَ	فِي السَّمَآءِ ۚ	فَلَنُوَلِّيَنَّكَ
ہم نے دیکھا ہے	آپؐ کے چہرے کا پلٹنا	آسمان میں	تو ہم لازماً پھیر دیں گے آپؐ کو

قِبْلَةً	تَرْضٰىهَا ۠	فَوَلِّ	وَجْهَكَ
اس قبلہ کی طرف	آپؐ راضی ہوں جس سے	پس آپؐ پھیریں	اپنے چہرے کو

شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ	وَحَيْثُ مَا	كُنْتُمْ	فَوَلُّوْا	وُجُوْهَكُمْ
مسجد حرام کی طرف	اور جہاں کہیں بھی	تم لوگ ہو	تو تم لوگ پھیرو	اپنے چہروں کو

شَطْرَهٗ ۭ	وَاِنَّ الَّذِيْنَ	اُوْتُوا	الْكِتٰبَ	لَيَعْلَمُوْنَ
اس کی طرف	اور بیشک وہ لوگ جن کو	دی گئی	کتاب	یقیناً جانتے ہیں

اَنَّهُ	الْحَقُّ	مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ	وَمَا اللّٰهُ	بِغَافِلٍ	عَمَّا	يَعْمَلُوْنَ
کہ وہ	ہی حق ہے	ان کے رب سے	اور اللہ	غافل نہیں ہے	اس سے جو	یہ لوگ کرتے ہیں

نوٹ۔1

اہل کتاب کے علماء پر یہ حقیقت پوری طرح واضح تھی کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے خانہ کعبہ تعمیر کیا تھا اور یہ بنو اسمٰعیل اور بنو اسرائیل، دونوں کا قبلہ تھا۔پھر تیرہ سو سال بعد حضرت سلیمان نے بیت المقدس تعمیر کرایا تو وہ یہودیوں کا قبلہ قرار پایا۔لیکن اپنی کتابوں میں وہ لکھا ہوا پاتے تھے کہ ''اس نبی''یعنی آخری نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قبلہ خانہ کعبہ ہوگا۔

ابو العالیہؒ کا ایک یہودی سے مناظرہ ہوگیا۔یہودی نے کہا کہ حضرت موسیٰؑ کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ابو العالیہؒ نے کہا نہیں، حضرت موسیٰ بیت المقدس کے پاس نماز پڑھتے تھے لیکن آپؑ کا رخ بیت اللہ کی طرف ہی ہوتا تھا (واضح رہے کہ حضرت موسیٰ کے زمانے میں بیت المقدس تعمیر نہیں ہوا تھا) یہودی نے انکار کیا تو ابو العالیہؒ نے کہا اس جھگڑے کا فیصلہ حضرت صالح کی مسجد کرے گی۔جو بیت المقدس کے نیچے ایک پہاڑ پر تھی۔دیکھا گیا تو اس کا قبلہ بیت اللہ کی طرف تھا۔(معارف القرآن، ج1۔ص375)

آیت نمبر (145)

﴿ وَلَىِٕنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ١٤٥ ﴾

ترکیب

لَئِنْ کا اِنْ شرطیہ ہے۔ اٰتَیْتَ سے اٰیَۃٍ تک شرط ہے جب کہ مَا تَبِعُوْا قِبْلَتَکَ جواب شرط ہے۔ مَا تَبِعُوْا ماضی کا صیغہ ہے۔ لیکن جواب شرط ہونے کی وجہ سے اس کا ترجمہ مستقبل میں ہوگا۔ وَمَآ اَنْتَ میں مَا کا اسم اَنْتَ ہے اور اسم الفاعل بِتَابِعٍ اس کی خبر بھی ہے اور فاعل کا بھی کام کر رہا ہے۔ اس لئے متعلق خبر قِبْلَتَھُمْ کے مضاف قِبْلَۃَ پر نصب آئی ہے۔ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ میں بھی اِنْ شرطیہ ہے۔ اِتَّبَعْتَ سے مِنَ الْعِلْمِ تک شرط ہے اور اِنَّکَ سے آخیر تک جواب شرط ہے۔

ترجمہ

وَلَئِنْ	اَتَیْتَ	الَّذِیْنَ	اُوْتُوا	الْکِتٰبَ	بِکُلِّ اٰیَۃٍ
اور اگر	آپؐ لے آئیں	ان کے پاس جن کو	دی گئی	کتاب	تمام نشانیاں (ہر نشانی)

مَّا تَبِعُوْا	قِبْلَتَکَ ج	وَمَآ اَنْتَ	بِتَابِعٍ
تو بھی وہ لوگ پیروی نہیں کریں گے	آپؐ کے قبلے کی	اور آپؐ	پیروی کرنے والے نہیں ہیں

قِبْلَتَھُمْ ج	وَمَا بَعْضُھُمْ	بِتَابِعٍ	قِبْلَۃَ بَعْضٍ ط
ان کے قبلے کی	اور ان کے کچھ لوگ	پیروی کرنے والے نہیں ہیں	(اپنے) کچھ لوگوں کے قبلے کی

وَلَئِنِ	اتَّبَعْتَ	اَھْوَآءَھُمْ	مِّنْ بَعْدِ	مَا	جَآءَکَ
اور اگر	آپؐ نے پیروی کی	ان کی خواہشات کی	اس کے بعد	کہ جو	آیا آپؐ کے پاس

مِنَ الْعِلْمِ لا	اِنَّکَ اِذًا	لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ
علم میں سے	پھر تو یقیناً آپؐ	ظلم کرنے والوں میں سے ہوں گے

نوٹ۔1

اِذًا حرف ہے اور اس کے معنی ہیں ''تب تو''۔''پھر تو''۔ یہ جملہ کے شروع میں نہیں آتا اور ہمیشہ جواب شرط پر آتا ہے۔

نوٹ۔2

اس آیت میں بھی انداز وہی ہے کہ خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن دراصل وارننگ ہم لوگوں کو دی گئی ہے۔

نوٹ۔3

اس آیت میں بھی اَھْوَاءَ ھُمْ اور مِنَ الْعِلْمِ کا تقابلی مطالعہ ہماری راہنمائی اس حقیقت کی جانب کر رہا ہے کہ SUBJECTIVE THINKING کے نتیجہ میں انسان جو عقائد اور نظریات قائم کرتا ہے، ان پر سائنٹیفک ریسرچ کے خواہ کتنے بھی ردّے چڑھالے لیکن بہرحال وہ خواہشات ہی ہوتے ہیں۔ علم حاصل کرنے کا راستہ صرف ایک ہے، اور وہ یہ کہ علم وحی کی روشنی میں انسان اپنی OBJECTIVE THINKING کی صلاحیت کو استعمال کرے۔ یہ بھی نوٹ کرلیں کہ اس راستے کی ضرورت واہمیت فزیکل سائنس سے زیادہ شوشل سائنس میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو قومیں آج آسمان سے تارے توڑ کر لا رہی ہیں، سوشل سائنس میں وہی قومیں آج ترقی معکوس کا شکار ہیں۔ انسانیت کو تباہی سے بچانے کے لئے اس حقیقت کا ادراک کرنا اور اس کا اعتراف کرنا ازبس ضروری ہے۔ اس ضمن میں آج کے ''اہلِ کتاب'' یعنی امت وسط کی ذمہ داری دوچند ہے کیونکہ اب علم وحی

ہمارے پاس ہے۔ اگر ہم نے اپنا فریضہ سرانجام نہیں دیا تو میدانِ حشر میں ہم شھداء علی الناس کا فریضہ سرانجام نہیں دے سکیں گے اور بقول مولانا مودودیؒ اللہ تعالیٰ ہم سے پوچھے گا کہ جب دنیا میں معصیت، ظلم اور گمراہی کا یہ 320 طوفان برپا تھا، تو تم کہاں مرگئے تھے۔

آیت نمبر (146)

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝۱۴۶ ﴾

ترکیب

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مبتداء ہے اور يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَ هُمْ اس کی خبر ہے۔ اِنَّ کا اسم فَرِيْقًا ہے اور نکرہ موصوفہ ہے۔ اس کی خبر مَوْجُوْدٌ محذوف ہے اور مِنْهُمْ قائم مقام خبر ہے۔ جب کہ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ صفت ہے فَرِيْقًا کی وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ کا واو حالیہ ہے۔

ترجمہ

اَلَّذِيْنَ	اٰتَيْنٰهُمُ	الْكِتٰبَ	يَعْرِفُوْنَهٗ	كَمَا	يَعْرِفُوْنَ
وہ لوگ	ہم نے دی جن کو	کتاب	وہ لوگ پہچانتے ہیں اس کو	جیسے کہ	وہ پہچانتے ہیں

اَبْنَآءَهُمْ ؕ	وَاِنَّ	فَرِيْقًا	مِّنْهُمْ	لَيَكْتُمُوْنَ	الْحَقَّ
اپنے بیٹوں کو	اور یقینا	ایک ایسا فریق	ان میں سے	جو چھپاتا ہے	حق کو

وَ	هُمْ	يَعْلَمُوْنَ
اس حال میں کہ	وہ لوگ	جانتے ہیں

نوٹ۔1

يَعْرِفُوْنَهٗ میں ہٗ کی ضمیر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی مانا گیا ہے، قرآن کے لئے بھی مانا گیا ہے اور ایک رائے یہ بھی ہے کہ یہ قبلہ کے طور پر بیت اللہ کے لئے ہے۔ میرے خیال میں یہ ضمیر ان سب کی جامع ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں علامتوں سے پہچانا جانا تھا اور اہل کتاب نے انہیں علامتوں کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پہچان لیا تھا جیسے کوئی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے۔

آیت نمبر (147)

﴿ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝۱۴۷ ع ﴾

م ر ی

(ض) مِرْيَةً: شک کی وجہ سے جھگڑا کرنا۔

مِرْيَةٌ: اسم ذات بھی ہے۔ شک۔ شبہہ۔ ﴿ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ق ﴾ (11/ ھود: 17) ”تو آپؐ نہ ہوں کسی شبہہ میں اس سے۔“

(مفاعلہ) مِرَاءً: ایک دوسرے سے جھگڑنا۔ ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ۝۱۸ ﴾ (42/ الکھف: 18) ”بیشک جو لوگ

جھگڑتے ہیں اس گھڑی میں یعنی قیامت کے بارے میں وہ دور کی گمراہی میں ہیں۔''

320

لَا تُمَارِ — فعل نہی ہے۔تو مت جھگڑ۔﴿فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ص﴾(18/الکھف:22)''پس تو مت جھگڑ ان میں مگر ظاہری جھگڑنا یعنی سرسری اختلاف ظاہر کردینا۔''

(تفاعل) **تَمَارًا** — باہم کسی پر یا کسی چیز میں شک کرنا۔جھگڑا کرنا۔﴿وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ۝٣٦﴾(54/القمر:36)''اور اس نے خبردار کیا ہے ان کو ہماری پکڑ سے تو ان لوگوں نے جھگڑا کیا خبردار کرنے میں۔''

(افتعال) **اِمْتِرَاءً** — اہتمام سے جھگڑا کرنا۔شک کرنا۔﴿اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ۝٥٠﴾(44/الدخان:50)''بیشک یہ وہ ہے جس میں تم لوگ شک کیا کرتے تھے۔''

مُمْتَرٍ — اسم الفاعل ہے۔شک کرنے والا۔جھگڑا کرنے والا۔آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ کی ترکیب میں میرا ذہن مولانا اصلاحی کی رائے کو ترجیح دیتا ہے کہ اَلْحَقُّ خبر معرف باللّام ہے۔اس کا مبتداء اور ضمیر فاصل دونوں محذوف ہیں۔پورا جملہ اس طرح ہوتا ہے۔هٰذَا هُوَ الْحَقُّ۔ جب کہ مِنْ رَّبِّكَ متعلق خبر ہے۔لَا تَكُوْنَنَّ واحد مذکر مخاطب کے صیغے میں يَكُوْنُ کا فعل نہی، نون ثقیلہ کے ساتھ۔اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتَ کی ضمیر ہے۔مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ دراصل اس کا مفعول تھا لیکن اس پر مِنْ داخل ہونے کی وجہ سے اب متعلق فعل کہلائے گا۔

ترجمہ

اَلْحَقُّ	مِنْ رَّبِّكَ	فَلَا تَكُوْنَنَّ	مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ
(یہ ہی) حق ہے	آپؐ کے رب سے	پس آپؐ ہرگز نہ ہوں	شک کرنے والوں میں سے

آیت نمبر(148)

﴿وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ط اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ط اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝١٤٨﴾

س ب ق

(ض) **سَبْقًا** — تیز چلنا۔آگے نکلنا۔اس بنیادی مفہوم کے ساتھ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔(۱) کسی بات کا آگے نکلنا یعنی بات کا طے ہوجانا۔فیصلہ ہوجانا۔﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝١٧١ صلے﴾(37/الصّٰفّٰت:171)''اور آگے نکل چکا ہے ہمارا فرمان یعنی ہمارا فیصلہ ہو چکا ہے ہمارے بھیجے ہوئے بندوں یعنی رسولوں کے لئے۔(۲) کسی کی پکڑ سے آگے نکلنا یعنی بھاگ نکلنا۔﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ط﴾(8/الانفال:59)''اور ہرگز گمان نہ کریں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ وہ لوگ بھاگ نکلے۔'' (۳) کسی کام میں آگے نکلنا یعنی پہل کرنا۔سبقت کرنا۔﴿لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ط﴾(46/الاحقاف:11)''اگر وہ ہوتا بہتر تو وہ لوگ ہم پر سبقت نہ کرتے اس کی طرف۔''
(۴) کسی کی بات سے آگے نکلنا یعنی حکم عدولی کرنا۔نافرمانی کرنا۔﴿لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ

بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿27﴾ (21/الانبیاء:27)''وہ لوگ نافرمانی نہیں کرتے اس کی بات 320 میں اور وہ لوگ اس حکم سے عمل کرتے ہیں۔''

سَابِقٌ — اسم الفاعل ہے۔آگے نکلنے والا۔﴿ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ﴾ (36/یٰسٓ:40)''اور نہ رات دن کے آگے نکلنے والی ہے۔''

مَسْبُوْقٌ — اسم المفعول ہے۔جس کی گرفت سے نکلا گیا یعنی بے بس کیا ہوا۔عاجز کیا ہوا۔﴿ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿60﴾ ﴾ (56/الواقعہ:60)''اور ہم عاجز کیے ہوئے نہیں ہیں۔''

(مفاعلہ) مُسَابَقَةً — دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرنا۔لپکنا۔

سَابِقْ — فعل امر ہے۔تو آگے نکل ۔تو لپک۔﴿ وَسَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ ﴾ (57/الحدید:21)''اور تم لوگ لپکو اپنے رب سے مغفرت کی طرف اور جنت کی طرف۔''

(افتعال) اِسْتِبَاقًا — اہتمام سے آگے نکلنا یعنی آگے نکلنے کا مقابلہ کرنا۔دوڑ لگانا۔﴿ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا ﴾ (12/یوسف:17)''بیشک ہم گئے کہ دوڑ لگاتے ہیں اور ہم نے چھوڑا یوسفؑ کو اپنے سامان کے پاس۔''

ترکیب

وِجْهَةٌ مبتداءنکرہ ہے۔اس کی خبر مَوْجُوْدٌ محذوف ہے۔لِكُلٍّ متعلق خبر تھا جواب قائم مقام خبر مقدم ہے۔هُوَ مبتداء اور مُوَلِّيْهَا اس کی خبر ہے۔مُوَلِّيْهَا میں اسم الفاعل مُوَلٍّ آیا ہے۔مضاف ہونے کی وجہ سے تنوین ختم ہوئی تو مُوَلِّيْ ہوا۔یہاں پر اسم الفاعل فعل کا کام کررہا ہے جو دومفعول کا تقاضہ کرتا ہے۔پورا جملہ اس طرح ہوتا هُوَ مُوَلٍّ نَفْسَهٗ اِلٰى تِلْكَ الْوِجْهَةِ۔ چونکہ دونوں مفعول نَفْسٌ اور وِجْهَةٌ کی ضمیریں مضاف الیہ کے طور پر آتی اس لئے مفعول اوّل نَفْسٌ کی ضمیر کو محذوف کردیا گیا۔ فَاسْتَبِقُوْا فعل امر ہے۔اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے۔اَلْخَيْرَاتِ اس کا مفعول ہے اس لئے حالتِ نصب میں ہے۔تَكُوْنُوْا شرط ہونے کی وجہ سے اور يَاْتِ جواب شرط ہونے کی وجہ سے حالتِ جزم میں ہے۔

ترجمہ

وَلِكُلٍّ	وِّجْهَةٌ	هُوَ	مُوَلِّيْهَا
اور سب کے لئے	توجہ کرنے کی کچھ سمتیں ہیں	وہ	پھیرنے والا ہے (خود کو) اس کی طرف

فَاسْتَبِقُوا	الْخَيْرٰتِ	اَيْنَ مَا	تَكُوْنُوْا
پس تم لوگ آگے نکلنے کا مقابلہ کرو	بھلائیوں میں	جہاں کہیں بھی	تم لوگ ہوگے

يَاْتِ بِكُمُ	اللّٰهُ	جَمِيْعًا	اِنَّ اللّٰهَ	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	قَدِيْرٌ
لے آئے گا تم لوگوں کو	اللہ	سب کے سب کو	بے شک اللہ	ہر چیز پر	قدرت رکھنے والا ہے

نوٹ۔1

اس آیت میں رہنمائی کی گئی ہے کہ ہر ایک نے اپنا اپنا قبلہ بنایا ہوا ہے اور وہ ادھر ہی رُخ کرے گا۔اس لئے اپنے قبلہ کی برتری ثابت کرنے کے لئے بحث و مباحثہ میں وقت ضائع مت کرو کیونکہ اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔پس یہی وقت بھلائی کے کاموں میں صرف کرو اور اس میدان میں اُن سے آگے نکلنے کا مقابلہ کرو

320

آیت نمبر(149)

﴿وَمِنۡ حَيۡثُ خَرَجۡتَ فَوَلِّ وَجۡهَكَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ؕ وَاِنَّهٗ لَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكَ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴۹﴾﴾

ترکیب

فَوَلِّ فعل امر ہے۔اس کا فاعل اس میں شامل اَنۡتَ کی ضمیر ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔ وَجۡهَكَ اس کا مفعول اوّل ہے اور شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ مفعول ثانی ہے۔اس لئے شَطۡرَ پر نصب آئی ہے۔تفسیر حقانی کے مطابق مِنۡ حَيۡثُ خَرَجۡتَ یہاں پر شرط نہیں ہے۔اس لئے یہ اللہ تعالیٰ کے حکم فَوَلِّ کا متعلق فعل قرار پاتا ہے جس کو تاکید کی غرض سے مقدم کیا گیا ہے۔اِنَّهٗ میں اِنَّ کا اسم ہٗ کی ضمیر ہے جو حکم کے لئے ہے۔ لَلۡحَقُّ اس کی خبر ہے،مِنۡ رَّبِّكَ متعلق خبر ہے۔

ترجمہ

وَمِنۡ حَيۡثُ	خَرَجۡتَ	فَوَلِّ	وَجۡهَكَ	شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ؕ
اور جہاں سے	آپؐ نکلیں	تو آپؐ پھیریں	اپنے چہرے کو	مسجد حرام کی طرف

وَاِنَّهٗ	لَلۡحَقُّ	مِنۡ رَّبِّكَ ؕ	وَمَا اللّٰهُ	بِغَافِلٍ
اور بے شک یہ	حق ہے	آپؐ کے رب کی جانب سے	اور اللہ	غافل نہیں ہے

عَمَّا	تَعۡمَلُوۡنَ
اس سے جو	تم لوگ کرتے ہو

نوٹ۔1

آپ پڑھ چکے ہیں کہ لام تعریف پر جب لام جارّہ (لِ) داخل ہوتا ہے تو لام تعریف کا ہمزۃ الوصل لکھنے میں بھی گر جاتا ہے جیسے لِلۡمُتَّقِيۡنَ۔ اسی طرح سے لام تعریف پر جب لام تاکید (لَ) داخل ہوتا ہے تب بھی ہمزۃ الوصل لکھنے میں گر جاتا ہے۔اس حوالہ سے نوٹ کریں کہ لَلۡحَقُّ دراصل لَ الۡحَقُّ تھا جو لَلۡحَقُّ لکھا گیا ہے۔

آیت نمبر(150)

﴿وَمِنۡ حَيۡثُ خَرَجۡتَ فَوَلِّ وَجۡهَكَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ؕ وَحَيۡثُ مَا كُنۡتُمۡ فَوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ شَطۡرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَيۡكُمۡ حُجَّةٌ ۙ اِلَّا الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡهُمۡ ۚ فَلَا تَخۡشَوۡهُمۡ وَاخۡشَوۡنِيۡ ۚ وَلِاُتِمَّ نِعۡمَتِيۡ عَلَيۡكُمۡ وَلَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۵۰﴾ۙ﴾

ترکیب

لِئَلَّا دراصل لِاَنۡ لَا ہے لِاَنۡ کی وجہ سے يَكُوۡنَ منصوب ہے۔اس کا اسم حُجَّةٌ نکرہ آیا ہے،اس کی خبر محذوف ہے جو کہ مَوۡجُوۡدًا یا قَائِمًا ہوسکتی ہے جب کہ لِلنَّاسِ متعلق خبر ہے۔لَا تَخۡشَوۡا فعل نہی ہے۔اس کا فاعل اس میں شامل اَنۡتُمۡ کی ضمیر ہے اور هُمۡ ضمیر مفعولی ہے۔وَاخۡشَوۡا فعل امر ہے۔اس کا فاعل بھی اَنۡتُمۡ کی ضمیر ہے اور نِيۡ ضمیر مفعولی ہے۔

320

ترجمہ

وَمِنْ حَيْثُ	خَرَجْتَ	فَوَلِّ	وَجْهَكَ	شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ	وَحَيْثُ مَا
اور جہاں سے	آپؐ نکلیں	تو آپؐ پھیریں	اپنے چہرے کو	مسجد حرام کی طرف	اور جہاں کہیں بھی

كُنْتُمْ	فَوَلُّوْا	وُجُوْهَكُمْ	شَطْرَهٗ ۙ	لِئَلَّا يَكُوْنَ	لِلنَّاسِ
تم لوگ ہو	تو تم لوگ پھیرو	اپنے چہروں کو	اس کی طرف	تا کہ نہ ہو	لوگوں کے لئے

عَلَيْكُمْ	حُجَّةٌ ۙ	اِلَّا الَّذِيْنَ	ظَلَمُوْا	مِنْهُمْ ۗ
تم لوگوں پر	کوئی حجت	سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے	ظلم کیا	ان میں سے

فَلَا تَخْشَوْهُمْ	وَاخْشَوْنِيْ ۗ	وَلِاُتِمَّ
پس تم لوگ مرعوب مت ہو ان لوگوں سے	اور مرعوب ہو مجھ سے	اور تا کہ میں تمام کروں

نِعْمَتِيْ	عَلَيْكُمْ	وَلَعَلَّكُمْ	تَهْتَدُوْنَ
اپنی نعمت کو	تم لوگوں پر	اور شائد کہ تم لوگ	ہدایت پاؤ

نوٹ۔1

تحویل قبلہ کا حکم یہودیوں پر بہت بھاری تھا۔ ان کی معزولی کے تابوت میں یہ آخری کیل تھا۔ اس لئے وہ اپنی تمام تر ذہانت اور فطانت کو بروئے کار لا کر ہر قسم کے اعتراضات کر رہے تھے اور وسوسہ اندازی کا کاروبار بھی پورے زور وشور سے جاری تھا۔ کچھ سادہ لوح صحابہ کرامؓ کا اس طوفان سے متاثر ہو جانا ایک فطری بات ہے۔ ان کے اطمینانِ قلب کے لئے تحویل قبلہ کے حکم کی تکرار کی گئی ہے۔

نیز مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ کے ساتھ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ کے الفاظ لا کر اس بات کو کھول دیا گیا کہ یہ حکم جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے، وہی حکم پوری امت کے لئے بھی ہے۔ اُصول یہ ہے کہ جو حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے وہی حکم پوری امت کے لئے بھی ہے۔ لیکن تحویل قبلہ کے حکم کو اس اصول پر نہیں چھوڑا گیا تا کہ آگے چل کر تعین قبلہ کے ضمن میں کوئی مین میخ نکالنے کی یا اگر چہ، مگر چہ، چنین کہ، چنانچہ کی دھونی رمانے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ مثلاً کوئی ریسرچ سکالر یہ دور کی کوڑی لا سکتا تھا کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی ہے اور بیت اللہ کی طرف بھی، اس لئے دونوں میں سے کسی طرف رُخ کر لیا جائے درست ہوگا۔ سچی بات یہ ہے کہ ایک دانشور سے اس نکتہ پر میری بات ہو چکی ہے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر ہم لوگ اپنے ملّا پن سے باز آ جائیں ذرا سی وسیع النظری کا مظاہرہ کریں تو عالمی امن میں انقلاب آ جائے گا اور پاکستان کو ہونے والے فوائد کا شمار کرنا مشکل ہو جائے گا۔ اس کی دلیل قاطع وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ سے آخر تک آیت نمبر 143/2 ہے۔

بہر حال یہ بات اچھی طرح سمجھ کر ذہن نشین کر لیں کہ تحویل قبلہ کے ضمن میں آیت نمبر 142/2 سے اس آیت تک تکرار، تاکید اور وضاحت کا جو انداز اختیار کیا گیا ہے اس کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اس نوعیت کی حجت وتکرار کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند کر دیئے جائیں۔

نوٹ۔2

دوسروں کے نظریات اور طرزِ زندگی کو ترقی یافتہ سمجھنا جب کہ اسلامی نظریات اور طرزِ زندگی کو فرسودہ قرار دے کر

موجودزمانے میں ناقابلِ عمل سمجھنا، دراصل ایک ذہنی بیماری ہے جو عمل میں بھی سرایت کرجاتی ہے۔اس قسم کی ذہنی مرعوبیت سے، اس آیت میں، بالکل دوٹوک الفاظ میں منع فرمایا ہے۔فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ کا یہی مطلب ہے۔ کیونکہ یہ آیت صرف صحابہ کرامؓ کے لئے ہی نہیں آئی تھی بلکہ ہمارے اور آپ کے لئے بھی آئی ہے۔

اس حکم کے ساتھ ہی ہمارے رب نے ایک وعدہ بھی کیا ہے کہ کوئی قوم جب کبھی بھی وَاخْشَوْنِيْ پر عمل کرے گی، تو اللہ تعالیٰ اس قوم پر اپنی نعمت تمام کردے گا۔غور کریں کہ اُتِمَّ (میں تمام کرتا ہوں یا کروں گا) کہنے کے بجائے لِاُتِمَّ (تاکہ میں تمام کروں) فرمایا ہے۔اس کا مطلب یہی ہے کہ اِتمامِ نعمت کا وعدہ اِخْشَوْنِيْ کے حکم کے ساتھ مشروط ہے۔

میں نے اپنے دانشور دوست کے سامنے تصویر کا یہ رُخ رکھ کر انہیں دعوت دی کہ ہمارے دانشور لوگ اگر ذہنی غلامی سے آزادی حاصل کرکے وَاخْشَوْنِيْ پر عمل پیرا ہونے پر آمادہ ہوجائیں تو اللہ تعالیٰ پاکستان پر اپنی نعمت تمام کردے گا۔اس وقت پاکستان کو کتنے فوائد حاصل ہوں گے؟ میں نے بہت کوشش کی کہ ہمارے دوست کم از کم ایک مرتبہ غور تو کرلیں، لیکن وہ اپنے قبلہ سے رُخ پھیرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔اور هُوَ مُوَلِّيْهَا کا عملی مظاہرہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔اس کے ساتھ ہی اس آیت میں قِبْلَةٌ کے بجائے وِجْهَةٌ کا لفظ لانے کی حکمت بھی سمجھ میں آگئی۔ہماری کوشش کا نتیجہ یہ نکلا کہ ''وہ براوقت'' آنے سے پہلے ہی، محض اس کی دہشت سے، ہمارے دوست ویزا لے کر کینیڈا چلے گئے۔پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔یہ دراصل BRAIN DRAIN کا لطیف ترجمہ ہے۔DRAIN کے لفظی معنی بیان کرنے سے ترجمہ کثیف ہوجاتا ہے۔

آیت نمبر(151)

﴿كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٥١﴾﴾

ترجمہ

كَمَآ	اَرْسَلْنَا	فِيْكُمْ	رَسُوْلًا	مِّنْكُمْ	يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ
جیسا کہ	ہم نے بھیجا	تم لوگوں میں	ایک ایسا رسول	تم لوگوں میں سے	جو پڑھ کر سناتا ہے تم لوگوں کو

اٰيٰتِنَا	وَيُزَكِّيْكُمْ	وَيُعَلِّمُكُمُ	الْكِتٰبَ
ہماری آیات	اور جو تزکیہ کرتا ہے تم لوگوں کا	اور جو تعلیم دیتا ہے تم لوگوں کو	احکام کی

وَالْحِكْمَةَ	وَيُعَلِّمُكُمْ	مَّا	لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ
اور حکمت کی	اور جو تعلیم دیتا ہے تم لوگوں کو	اس کی جو	تم لوگ نہیں جانتے تھے

نوٹ۔1

آیت زیر مطالعہ کی ابتداء لفظ كَمَا (جیسا کہ) سے ہوئی ہے۔اس کا ربط گزشتہ آیت کے آخری حصے سے ہے جس میں فرمایا کہ تاکہ میں تم لوگوں پر اپنی نعمت تمام کروں اور تاکہ تم لوگ ہدایت پاؤ۔اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت انسانیت پر اللہ تعالیٰ کا ایک احسانِ عظیم ہے اور انسانیت کی ہدایت کے لئے ہے۔اسی طرح تحویل قبلہ کا حکم بھی اللہ کا احسان ہے اور ہماری ہدایت کے لئے ہے۔

نوٹ۔2

اس آیت کا مفہوم گذشتہ آیت نمبر 2 / 129 میں واضح کر دیا گیا ہے، لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس حقیقت کو ایک مرتبہ پھر ذہن نشین کر لیا جائے کہ اسلام کا تجویز کردہ تزکیہ کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات کی تلاوت اس طرح کی جائے جیسا کہ ان کی تلاوت کا حق ہے۔(121/2) باقی طریقے دیگر مذاہب سے مستعار لے کر مسلمان کئے گئے ہیں۔نظریات وعقائد کے تزکیہ کے بعد ہی اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا ممکن ہوتا ہے اور احکام کی حکمت عمل کے بعد سمجھی جاتی ہے۔

دنیاوی معاملات میں کسی کام کی حکمت سمجھنے کے بعد اس پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرنا درست طریقہ کار ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مختلف طریقہ کار میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنے کا ہمیں اختیار اور آزادی حاصل ہے، یعنی یہاں ہمارے پاس CHOICE ہے۔لیکن اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے کے بعد اس کے احکام کے ضمن میں ہماری CHOICE ختم ہو جاتی ہے۔اس لئے احکامِ الٰہی کے لئے یہی ترتیب درست ہے کہ پہلے ان پر عمل کیا جائے اور بعد میں ان کی حکمت سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

آیت نمبر (152)

﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۝١٥٢﴾

ترکیب

فَاذْكُرُوْا فعل امر ہے اور نِيْ ضمیر مفعولی ہے اس لئے فَاذْكُرُوْا میں واوالجمع کا الف گرا ہوا ہے۔اَذْكُرْ فعل مضارع ہے اور جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے۔وَاشْكُرُوْا بھی فعل امر ہے جب کہ لَا تَكْفُرُوْا فعلِ نہی ہے۔نِ نون وقایہ یعنی ضمیر مفعولی نِيْ کا مخفف ہے اس لئے لَا تَكْفُرُوْا کا واوالجمع بھی گرا ہوا ہے۔

فَاذْكُرُوْنِيْٓ	اَذْكُرْ	كُمْ	وَاشْكُرُوْا لِيْ
پس تم لوگ یاد کرو مجھ کو	تو میں یاد رکھوں گا	تم لوگوں کو	اور تم لوگ شکر ادا کرو میرا

وَلَا تَكْفُرُوْ	نِ
اور تم لوگ ناشکری مت کرو	میری

نوٹ۔1

بہت عرصہ پہلے ایک کتابچہ ''ذکراللہ'' پڑھا تھا جو مفتی محمد شفیعؒ کی تحریر تھی۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص زبان سے سبحان اللہ کا تکرار کر رہا تھا، لیکن اس کا دماغ اور دل کہیں اور مصروف ہے۔یہ شخص ان سے تو بہتر ہے جن کی زبان کسی قسم کی بدگوئی میں مصروف ہے، لیکن اس کا یہ عمل ذکراللہ نہیں ہے بلکہ ذکر کا ذریعہ ہے۔دوسرا شخص زبان سے الحمدللہ کی تکرار کر رہا ہے، اس کا ذہن بھی متوجہ ہے، لیکن دل شکر کے جذبات سے خالی ہے۔یہ پہلے شخص سے بہتر ہے، لیکن یہ بھی ابھی ''ذریعہ ذکر'' میں ہے۔تیسرا شخص اپنے قلب و ذہن کی گہرائیوں سے پھوٹ بہنے والے جذبۂ شکر کے اظہار کے لئے زبان سے الحمدللہ کی تکرار کر رہا ہے۔یہ سب سے بہتر ہے، لیکن یہ بھی ابھی ذکراللہ کی

منزل تک نہیں پہنچا ہے۔ صحیح جذبات و کیفیات کے ساتھ اللہ کو یاد کرنے والے کلمات کی زبان سے تکرار کرنے کے نتیجے میں جب کسی کو معاملات کرتے وقت اللہ کے احکام یاد آنے لگیں اور وہ ان پر عمل کرے، تو یہ ذکر اللہ ہے۔ اس حوالہ سے اب آپ 320 فَاذْكُرُوْنِيْٓ کا مفہوم سمجھنے اور ذہن نشین کرنے کی کوشش کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اس نے اللہ کو یاد کیا، اگرچہ اس کی نماز۔ روزہ (نفلی) وغیرہ کم ہوں اور جس نے احکام خداوندی کی خلاف ورزی کی اس نے اللہ کو بھلا دیا، اگرچہ اس کی نماز۔ روزہ (نفلی)۔ تسبیحات وغیرہ زیادہ ہوں۔ (معارف القرآن)۔

آیت نمبر (153)

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ١٥٣ ﴾

ترکیب

اس آیت کی ترکیب وتشریح کے لئے آیت نمبر ۲/ ۴۵ دیکھیں۔

ترجمہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا	اسْتَعِيْنُوْا	بِالصَّبْرِ
اے لوگو! جو ایمان لائے	تم لوگ مدد طلب کرو (اللہ کی)	ثابت قدمی کے ذریعے

وَالصَّلٰوةِ ۭ	اِنَّ اللّٰهَ	مَعَ الصّٰبِرِيْنَ
اور نماز کے ذریعہ	یقیناً اللہ	ثابت قدم لوگوں کے ساتھ ہے

آیت نمبر (154)

﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ١٥٤ ﴾

ترکیب

لَا تَقُوْلُوْا فعل نہی ہے۔ يُقْتَلُ مضارع مجہول اور لَا تَشْعُرُوْنَ مضارع منفی ہیں جن میں حال اور مستقبل، دونوں زمانوں کا احاطہ ہوتا ہے۔ لِمَنْ میں مَنْ جمع کے معنی میں آیا ہے۔ لفظی رعایت کے تحت يُقْتَلُ واحد آیا ہے۔ پھر معنوی لحاظ سے مَيِّتٌ کی جمع اَمْوَاتٌ آئی ہے جو کہ خبر ہے۔ اس کا مبتداء هُمْ محذوف ہے۔ اسی طرح سے اَحْيَاۗءٌ بھی خبر ہے اور اس کا بھی مبتداء هُمْ محذوف ہے۔

ترجمہ

وَلَا تَقُوْلُوْا	لِمَنْ	يُّقْتَلُ
اور تم لوگ مت کہو	ان کے لئے جو	قتل کئے جاتے ہیں اور قتل کئے جائیں گے

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	اَمْوَاتٌ ۭ	بَلْ	اَحْيَاۗءٌ	وَّلٰكِنْ
اللہ کی راہ میں	(کہ وہ لوگ) مردہ ہیں	بلکہ	(وہ لوگ) زندہ ہیں	اور لیکن

320 لَّا تَشۡعُرُوۡنَ
تم لوگ شعور نہیں رکھتے اور نہ رکھو گے

نوٹ۔1

شہداء کے بہت سے درجے ہیں۔ان میں سب سے بلند درجہ ان لوگوں کا ہے جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جاتے ہیں۔اس حوالہ سے یہ بات سمجھ لیں کہ اس آیت میں جو ہدایت ہے وہ مقتول فی سبیل اللہ کے لئے ہے۔جب معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ زندہ ہیں تو ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ (۱) کہاں زندہ ہیں اور (۲) ان کی زندگی کی کیفیت کیا ہے؟ اس آیت میں پہلے سوال کا جواب نہیں ہے، البتہ آگے چل کر آیت نمبر (3/169) میں اس کا جواب دیا گیا ہے کہ یہ لوگ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔دوسرے سوال کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے کہ ہم لوگ ان کی زندگی کا شعور حاصل نہیں کر سکتے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ البقرۃ (۲)

آیت نمبر (155)

﴿ وَلَنَبۡلُوَنَّکُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَالۡجُوۡعِ وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَنۡفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ ﴿۱۵۵﴾ ﴾

ج و ع

(ن) جَوۡعًا: بھوکا ہونا۔ ﴿ اِنَّ لَکَ اَلَّا تَجُوۡعَ فِیۡہَا وَلَا تَعۡرٰی ﴿۱۱۸﴾ ﴾ (20/طٰہٰ:118) ''بے شک تیرے لئے ہے کہ تو بھوکا نہیں ہوگا اس میں اور نہ ننگا۔''

جُوۡعٌ: اسم ذات ہے۔ بھوک۔ ﴿ الَّذِیۡۤ اَطۡعَمَہُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ ۬ ﴾ (106/القریش:4) ''جو کھانا دیتا ہے ان کو بھوک میں۔''

ن ق ص

(ن) نَقۡصًا: کمی کرنا۔ گھٹانا۔ ﴿ قَدۡ عَلِمۡنَا مَا تَنۡقُصُ الۡاَرۡضُ مِنۡہُمۡ ۚ ﴾ (50/قٓ:4) ''ہمیں علم ہے اس کا جو گھٹاتی ہے زمین ان میں سے۔''

اُنۡقُصۡ: فعل امر ہے۔ تو کمی کر۔ تو گھٹا۔ ﴿ اَوِ انۡقُصۡ مِنۡہُ قَلِیۡلًا ۙ﴿۳﴾ ﴾ (73/المزمل:3) ''یا آپ گھٹائیں اس میں سے تھوڑا سا۔''

مَنۡقُوۡصٌ: اسم المفعول ہے۔ کمی کیا ہوا۔ گھٹایا ہوا۔ ﴿ وَ اِنَّا لَمُوَفُّوۡہُمۡ نَصِیۡبَہُمۡ غَیۡرَ مَنۡقُوۡصٍ ﴿۱۰۹﴾ ﴾ (11/ھود:109) ''اور بے شک ہم پورا پورا دینے والے ہیں ان کو ان کا حصہ بغیر کوئی کمی کیا ہوا۔''

نَقۡصٌ: اسم ذات بھی ہے۔ کمی۔ گھاٹا۔ آیتِ زیر مطالعہ

ترکیب

فعل مضارع نَبۡلُوۡ لام تاکید اور نون ثقیلہ کے ساتھ لَنَبۡلُوَنَّ آیا ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل نَحۡنُ کی ضمیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اس کا مفعول کُمۡ کی ضمیر ہے۔ جو اہلِ ایمان کے لئے ہے۔ بِشَیۡءٍ متعلق فعل ہے۔ مِنَ الۡخَوۡفِ کا مِنۡ بیانیہ ہے جو بِشَیۡءٍ کی وضاحت کے لئے ہے۔ اَلۡجُوۡعِ۔ نَقۡصٍ۔ اَلۡاَنۡفُسِ۔ اَلثَّمَرٰتِ، ان سب سے پہلے مِنۡ بیانیہ محذوف ہے۔ اس لیے یہ سب حالت جرّ میں ہیں۔ بَشِّرِ دراصل فعل امر بَشِّرۡ ہے جس کو آگے ملانے کے لیے کسرہ دی گئی ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل اَنۡتَ کی ضمیر ہے اور اَلصّٰبِرِیۡنَ اس کا مفعول ہے۔

ترجمہ

وَلَنَبۡلُوَنَّکُمۡ	بِشَیۡءٍ	مِّنَ الۡخَوۡفِ	وَالۡجُوۡعِ
اور ہم لازماً آزمائیں گے تم لوگوں کو	کسی چیز سے	خوف میں سے	اور بھوک میں سے

وَنَقۡصٍ	مِّنَ الۡاَمۡوَالِ	وَالۡاَنۡفُسِ	وَالثَّمَرٰتِ ؕ
اور کچھ گھاٹے سے	مالوں میں سے	اور جانوں میں سے	اور پھلوں میں سے

الصّٰبِرِيْنَ	وَ بَشِّرِ
ثابت قدم	اور آپؐ بشارت دیں

320

نوٹ۔1

بِشَيْءٍ کالفظی ترجمہ تو یہی بنتا ہے کہ ''کسی چیز سے''لیکن محاورہ میں اس کا مفہوم ہے ''تھوڑا سا'' یا ''ذرا سا''۔اس آیت میں یہ لفظ لا کر ہمیں بتادیا گیا ہے کوئی آزمائش ہمیں کتنی بھی بڑی معلوم ہو لیکن دراصل وہ چھوٹی ہی ہوگی۔ہم لوگوں کو اس کا تجربہ بھی ہے۔جب کوئی آزمائش گزر جاتی ہے تب ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وہ اتنی بڑی آزمائش نہیں تھی جتنا ہم واویلا کر رہے تھے۔اور جب کوئی نئی آزمائش آتی ہے تو ہم پچھلے تجربے کو بھول جاتے ہیں۔

نوٹ۔2

آزمائش کے ضمن میں پہلی بات یہ نوٹ کرلیں کہ یہ انسان کی اور ہر انسان کی ضرورت ہے۔اس نظام سے اللہ کی کوئی غرض نہیں اٹکی ہوئی ہے۔اس لیے اس دنیا میں عابد وزاہد، فاسق وفاجر، مومن وکافر، غرض ہر قسم کے انسان کو مختلف آزمائشوں سے گزارا جاتا ہے جو مختلف ضروریات کو پورا کرتی ہیں۔اس آیت کے سیاق وسباق میں نیکوکار اہل ایمان کی بات ہورہی ہے۔اس لیے اس مقام پر یہ بات سمجھ لیں کہ ایمان کی حالت میں عملِ صالح کرنے والے لوگوں کی کون سی ضرورت ان آزمائشوں سے پوری ہوتی ہے۔

ہماری ایک کمزوری یہ ہے کہ ہم کو کتنا بھی انعام واکرام دے دیا جائے، عام طور پر ہم اس سے مطمئن نہیں ہوتے اور مزید کا مطالبہ کرتے ہیں۔یہ مطالبہ زبانی دعووں کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ہماری دوسری کمزوری یہ ہے کہ اگر ہمارے مطالبے کے مطابق ہم کو دے دیا جائے، تو ہم پھر بھی مطمئن نہیں ہوتے۔کیونکہ پھر ہم دوسرے کی تھالی میں جھانکتے ہیں کہ اس کو اتنا کیوں ملا؟ اور یہ بات طے ہے کہ میدانِ حشر میں ہماری یہ کمزوریاں ختم نہیں ہوں گی بلکہ زیادہ ہوجائیں گی۔

اس کا علاج یہی ہے کہ ہمارے بلند و بانگ دعووں کا لپ اسٹک پاؤڈر آزمائش کی کڑی دھوپ میں اُتار دیا جائے اور ہر ایک کے دعوے کی حقیقت ریکارڈ پر آجائے۔اس طرح نیکوکار اہل ایمان میدانِ حشر میں اطمینانِ قلب کی نعمت حاصل کریں گے۔

آیت نمبر(156)

﴿الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ١٥٦ؕ﴾

ترکیب

اَلَّذِيْنَ گزشتہ آیت کے اَلصّٰبِرِيْنَ پر عطف ہے۔اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُصِيْبَةٌ شرط ہے اور قَالُوْا سے رٰجِعُوْنَ تک جوابِ شرط ہے۔اَصَابَتْ فعل ماضی کا واحد مؤنث کا صیغہ ہے لیکن اِذَا کی وجہ سے یعنی شرط ہونے کی وجہ سے اس کا ترجمہ حال میں ہوگا۔اَصَابَتْ کا فاعل مُصِيْبَةٌ ہے اور اس کا مفعول هُمْ کی ضمیر ہے جو اَلَّذِيْنَ یعنی اَلصّٰبِرِيْنَ کے لیے ہے۔اِنَّا دراصل اِنَّ نَا ہے اِنَّ حرف تاکید، ضمیر منصوبہ، نَا اس کا اسم ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔جبکہ لِلّٰهِ قائم مقام خبر ہے۔اسی طرح اِنَّا کی خبر رٰجِعُوْنَ ہے اور اِلَيْهِ متعلق خبر مقدم ہے۔

ترجمہ

الَّذِيْنَ	اِذَآ	اَصَابَتْهُمْ	مُّصِيْبَةٌ ۙ	قَالُوْٓا	اِنَّا 320
وہ لوگ جو	جب بھی	پہنچتی ہے ان کو	کوئی مصیبت	تو وہ لوگ کہتے ہیں	بیشک ہم

لِلّٰهِ	وَاِنَّآ	اِلَيْهِ	رٰجِعُوْنَ
اللہ کے لیے ہیں	اور یقیناً ہم	اس کی طرف ہی	لوٹنے والے ہیں

آیت نمبر(157)

﴿اُولٰۗىِٕكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ١٥٧﴾

ترکیب

صَلَوٰتٌ اور رَحْمَةٌ مبتداء نکرہ ہیں کیونکہ اصول بیان ہو رہا ہے۔ ان کی خبر محذوف ہے جو کہ وَاجِبٌ ہوسکتی ہے۔ عَلَيْهِمْ قائم مقام خبر مقدم ہے اور مِنْ رَّبِّهِمْ متعلق خبر ہے۔ یہ پورا جملہ اسمیہ پھر خبر بن رہا ہے اُولٰۗىِٕكَ کی، جو کہ مبتداء ہے۔ وَاُولٰۗىِٕكَ مبتداء هُمْ ضمیر فاصل اور اَلْمُهْتَدُوْنَ خبر معرّف بلام ہے۔ ناقص یائی جب باب افتعال میں آتا ہے تو اس کا اسم الفاعل اور اسم المفعول ہم شکل ہو جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے اَلْمُهْتَدُوْنَ کے دونوں امکانات تھے۔ لیکن چونکہ اِهْتَدٰى لازم ہے اس لیے اَلْمُهْتَدُوْنَ اسم الفاعل ہے۔

ترجمہ

اُولٰۗىِٕكَ	عَلَيْهِمْ	صَلَوٰتٌ	مِّنْ رَّبِّهِمْ	وَرَحْمَةٌ ۣ	وَاُولٰۗىِٕكَ
وہ لوگ ہیں	جن پر ہیں	عنائتیں	ان کے رب (کی جانب) سے	اور رحمت	اور وہ لوگ

هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ
ہی ہدایت پانے والے ہیں

آیت نمبر(158)

﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَاۗىِٕرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۭ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ١٥٨﴾

ج ن ح

(ض) جُنُوْحًا: کشتی کا کسی جانب جھک جانا۔ کسی کا کسی طرف مائل ہونا۔ ﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا﴾ (8/الانفال:61) ''اور اگر وہ لوگ مائل ہوں صلح کے لیے تو آپؐ بھی مائل ہوں اس کے لیے۔''

اِجْنَحْ: فعل امر ہے۔ تو جھک۔ تو مائل ہو۔ اوپر آیت نمبر۔ (8/الانفال:61)

جَنَاحٌ: ج اَجْنِحَةٌ۔ اسم ذات ہے۔ کسی چیز کا کوئی جانب۔ انسان کا پہلو۔ بغل۔ پرندوں کے پر۔ ﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ٨٨﴾ (15/الحجر:88) ''اور آپؐ جھکائیں اپنا پہلو مومنوں کے لیے۔'' ﴿وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ﴾ (20/طٰہٰ:22) ''اور آپؐ ملا لیں اپنا ہاتھ اپنی بغل کی طرف۔''

﴿وَ لَا طٰٓئِرٍ یَّطِیۡرُ بِجَنَاحَیۡهِ﴾ (6/الانعام:38) ''اور نہ کوئی اُڑنے والا جو اُڑتا ہے اپنے دونوں پروں سے۔'' ﴿جَاعِلِ الۡمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِیۡۤ اَجۡنِحَةٍ﴾ (35/فاطر:1) 320 ''فرشتوں کو بنانے والا رسول، جن کے پر ہیں۔''

جُنَاحٌ اسم ذات ہے۔ کسی غلط جانب جھکاؤ۔ گناہ۔ آیت زیر مطالعہ۔

ط و ع

(ف۔ن) **طَوْعًا** تابعدار رہونا۔ فرمانبردار رہونا۔

طَائِعٌ تابعدار ہونے والا۔ ﴿فَقَالَ لَهَا وَ لِلۡاَرۡضِ ائۡتِیَا طَوۡعًا اَوۡ كَرۡهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَیۡنَا طَآئِعِیۡنَ ۝۱۱﴾ (41/حم السجدہ:11) ''تو اس نے یعنی اللہ تعالیٰ نے کہا اس سے یعنی آسمان سے اور زمین سے کہ تم دونوں آؤ تابعدار ہوتے ہوئے یا کراہیت کرتے ہوئے۔ ان دونوں نے کہا ہم آئے تابعدار ہونے والے ہوتے ہوئے۔''

(افعال) **اِطَاعَةً اور طَاعَةً** کسی کی فرمانبرداری کرنا۔ اطاعت کرنا۔ ﴿وَ یَقُوۡلُوۡنَ طَاعَةٌ ۫﴾ (4/النساء:81) ''اور وہ لوگ کہتے ہیں فرمانبرداری کرنا ہے۔'' ﴿یَقُوۡلُوۡنَ یٰلَیۡتَنَاۤ اَطَعۡنَا اللّٰهَ وَ اَطَعۡنَا الرَّسُوۡلَا ۝۶۶﴾ (33/الاحزاب:66) ''وہ لوگ کہیں گے اے کاش! ہم اطاعت کرتے اللہ کی اور ہم اطاعت کرتے ان رسولؐ کی۔''

اَطِعۡ ج اَطِیۡعُوۡا۔ فعل امر ہے۔ تو اطاعت کر۔ ﴿اَطِیۡعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوۡلَ ۚ﴾ (3/آل عمران:32) ''تم لوگ اطاعت کرو اللہ کی اور ان رسولؐ کی۔''

لَا تُطِعۡ فعل نہی ہے۔ تو اطاعت مت کر۔ تو کہنا مت مان۔ ﴿وَ لَا تُطِعۡ مَنۡ اَغۡفَلۡنَا قَلۡبَهٗ عَنۡ ذِكۡرِنَا﴾ (18/الکہف:28) ''اور تو کہنا مت مان اس کا، ہم نے غافل کیا جس کے دل کو اپنی یاد سے۔''

مُطَاعٌ اسم المفعول ہے۔ اطاعت کیا ہوا۔ بات مانا ہوا۔ ﴿ذِیۡ قُوَّةٍ عِنۡدَ ذِی الۡعَرۡشِ مَكِیۡنٍ ۝۲۰ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیۡنٍ ؕ ۝۲۱﴾ (81/التکویر:20،21) ''قوت والا، عرش والے کے پاس رہنے والا، مانا جانے والا، وہیں امانت والا۔''

(تفعیل) **تَطۡوِیۡعًا** کسی کو فرمانبردار بنانا، کسی کام کے لیے راضی کرنا۔ ﴿فَطَوَّعَتۡ لَهٗ نَفۡسُهٗ قَتۡلَ اَخِیۡهِ﴾ (5/المائدہ:30) ''پس راضی کیا اس کو اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر۔''

(تفعّل) **تَطَوُّعًا** بتکلف فرمانبرداری کرنا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ پھر اصطلاحاً نفلی عبادات کرنے کے لیے آتا ہے۔ آیت زیر مطالعہ۔

مُطَّوِّعٌ اسم الفاعل ہے۔ نفلی عبادت کرنے والا۔ ﴿اَلَّذِیۡنَ یَلۡمِزُوۡنَ الۡمُطَّوِّعِیۡنَ﴾ (9/التوبۃ:79) ''وہ لوگ جو طعن کرتے ہیں نفلی عبادت کرنے والوں کو۔''

(استفعال) **اِسۡتِطَاعَةً** فرمانبرداری کرنے کے لائق ہونا۔ صلاحیت یا قدرت رکھنا۔ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسۡتَطَعۡتُمۡ﴾ (64/التغابن:16) ''پس تقویٰ کرو اللہ کا اتنا جتنی تمہاری صلاحیت ہو۔''

ش ك ر

(ن) **شُكۡرًا اور شُكُوۡرًا** کسی نعمت و بھلائی کا اعتراف کرنا۔ احسان ماننا۔ شکر کرنا۔ ﴿وَ مَنۡ شَكَرَ فَاِنَّمَا یَشۡكُرُ لِنَفۡسِهٖ ۚ﴾ (27/النمل:40) ''اور جس نے شکر کیا تو کچھ نہیں سوائے اس کے کہ وہ شکر کرتا ہے اپنے آپ کے لیے۔''

اُشۡكُرۡ فعل امر ہے۔ تو احسان مان۔ تو شکر کر۔ ﴿اَنِ اشۡكُرۡ لِیۡ وَ لِوَالِدَیۡكَ ؕ﴾ (31/لقمٰن:14) ''کہ تو احسان مان میرا اور اپنے والدین کا۔''

شَاكِرٌ اسم الفاعل ہے۔ شکر کرنے والا۔ اس کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو مطلب ہوتا ہے قدر کرنے والا۔ آیت زیر مطالعہ اور ﴿شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ﴾ (16/النحل: 121) ''شکر کرنے والا اس کے احسانوں کا۔''

مَشْكُورٌ اسم المفعول ہے۔ شکر کیا ہوا۔ قدر کیا ہوا۔ ﴿فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝۱۹﴾ (17/بنی اسرائیل: 19) ''تو وہ لوگ ہیں جن کی بھاگ دوڑ قدر کی ہوئی ہے۔''

شَكُوْرٌ فَعُوْلٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ بے انتہا شکر کرنے والا۔ ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝۵﴾ (14/ابراہیم: 5) ''بے شک اس میں نشانیاں ہیں ہر ایک بار بار صبر کرنے والے، بے انتہا شکر کرنے والے کے لئے۔'' ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۝۲۳﴾ (42/الشوریٰ: 23) ''بے شک اللہ بے انتہا بخشنے والا بے انتہا قدر کرنے والا ہے۔''

ترکیب

اِنَّ کا اسم اَلصَّفَا اور اَلْمَرْوَةَ ہیں۔ ان کی خبر محذوف ہے جو کہ مَوْجُوْدَانِ ہوسکتی ہے۔ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ متعلق خبر ہے۔ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ شرط ہے اور فَلَا جُنَاحَ سے بِهِمَا تک جواب شرط ہے۔ حَجَّ اور اِعْتَمَرَ کا فاعل ان میں شامل هُوَ کی ضمیریں ہیں جو مَنْ کے لیے ہیں اور اَلْبَيْتَ ان دونوں کا مفعول ہے۔ یہ جملہ فعلیہ فَمَنْ مبتداء کی خبر ہے۔ فَلَا جُنَاحَ پر لائے نفی جنس ہے۔ اس لیے جُنَاحَ تنوین کے بغیر نصب میں آیا ہے اور یہ مبتداء ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے۔ جو ثَابِتٌ یا وَاجِبٌ ہوسکتی ہے۔ عَلَيْهِ قائم مقام خبر ہے۔ بِهِمَا میں هِمَا کی ضمیر اَلصَّفَا اور اَلْمَرْوَةَ کے لیے ہے۔ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا شرط ہے۔ اور فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ جواب شرط ہے۔

ترجمہ

اِنَّ	الصَّفَاوَالْمَرْوَةَ	مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ	فَمَنْ
بیشک	صفا اور مروہ ہیں	اللہ کا شعور حاصل کرنے کی علامتوں میں سے	پس جس نے

حَجَّ	الْبَيْتَ	اَوِ اعْتَمَرَ	فَلَا جُنَاحَ	عَلَيْهِ
زیارت کی	اس گھر کی	یا عمرہ کیا	تو کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں	اس پر

اَنْ يَّطَّوَّفَ	بِهِمَا ؕ	وَمَنْ	تَطَوَّعَ	خَيْرًا ۙ
کہ وہ بتکلف چکر لگائے	ان دونوں میں	اور جس نے	نفلاً کی	کوئی بھلائی

فَاِنَّ اللّٰهَ	شَاكِرٌ	عَلِيْمٌ
تو یقیناً اللہ	قدردان ہے	جاننے والا

نوٹ۔1

زمانہ جاہلیت میں صفا اور مروہ پر مورتیاں رکھی ہوتی تھیں اور کفار انہیں کی پوجا کرنے کے لیے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے تھے۔ اس وجہ سے کچھ صحابہ کرامؓ کو شبہ تھا کہ کہیں اس میں کوئی گناہ نہ ہو۔ اس آیت میں اس شبہہ کا ازالہ کیا گیا ہے کہ اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کیونکہ یہ بی بی ہاجرہؓ کا عمل تھا اور سنت ابراہیمیؑ ہے۔ امام احمدؒ کے نزدیک حج یا عمرہ میں سعی کرنا مستحب ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے، جب کہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک یہ فرض ہے۔ (معارف القرآن)

320

آیت نمبر (149)

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۙ﴿۱۵۹﴾ ﴾

ترکیب

اَلَّذِيْنَ سے فِى الْكِتٰبِ تک پوری عبارت اِنَّ کا اسم جب کہ اُولٰئِکَ سے آخیر تک اس کی خبر ہے۔ يَكْتُمُوْنَ کا فاعل اس میں شامل هُمْ کی ضمیر ہے جو اَلَّذِيْنَ کے لیے ہے۔ مَا مفعول ہے۔ يَكْتُمُوْنَ کا بھی اور اَنْزَلْنَا کا بھی۔ مِنْ بیانیہ ہے جو مَا اَنْزَلْنَا کی وضاحت کے لیے آیا ہے۔ اَلْبَيِّنٰتِ صفت ہے، اس کا موصوف اَلْاٰيٰتِ محذوف ہے۔ بَيَّنّٰهُ میں ہٗ کی ضمیر مفعولی مَا اَنْزَلْنَا کے لیے ہے۔ لِلنَّاسِ اور فِى الْكِتٰبِ دونوں بَيَّنَّا فعل کے متعلق ہیں۔ اُولٰئِكَ مبتداء ہے اور يَلْعَنُهُمْ سے آخیر تک جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے۔ يَلْعَنُهُمْ میں هُمْ کی ضمیر مفعولی اَلَّذِيْنَ کے لیے ہے۔

اِنَّ	اَلَّذِيْنَ	يَكْتُمُوْنَ	مَآ	اَنْزَلْنَا	مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى
بیشک	جو لوگ	چھپاتے ہیں	اس کو جس کو	ہم نے نازل کیا	ہدایت اور کھلی کھلی (نشانیوں) میں سے

مِنْۢ بَعْدِ مَا	بَيَّنّٰهُ	لِلنَّاسِ	فِى الْكِتٰبِ ۙ	اُولٰٓئِكَ
اس کے بعد جو	ہم نے واضح کیا اس کو	لوگوں کے لیے	کتاب میں	وہ لوگ ہیں

يَلْعَنُهُمُ	اللّٰهُ	وَيَلْعَنُهُمُ	اللّٰعِنُوْنَ
لعنت کرتا ہے جن پر	اللہ	اور لعنت کرتے ہیں جن پر	لعنت کرنے والے

نوٹ۔1

حضرت ابو ہریرہؓ اور چند دیگر صحابہؓ کے قول منقول ہیں کہ اگر قرآن میں یہ آیت نہ ہوتی تو وہ لوگ حدیث بیان نہ کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک حدیث رسولؐ بھی قرآن کے حکم میں ہے۔ (معارف القرآن)۔ اس کی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے احکام کو واضح کیا ہے۔ مِنَ الْبَيِّنٰت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن و حدیث کے جو واضح احکام ہیں انہیں پھیلانا اور عام کرنا لازم ہے اور ان کو چھپانا ایک جرم عظیم ہے۔

آیت نمبر (160 تا 162)

﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۙ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ ﴾

ترکیب

تَابُوْا، اَصْلَحُوْا اور بَيَّنُوْا کے فاعل ان میں شامل هُمْ کی ضمیریں ہیں جو اَلَّذِيْنَ کے لیے ہیں۔ تَابُوْا کے بعد اِلٰى

اللّٰہِ محذوف ہے۔ اَصۡلَحُوۡا کا مفعول محذوف ہے جو کہ عَمَلَهُمۡ ہوسکتا ہے۔ بَيَّنُوۡا کا مفعول بھی محذوف 320 جو گذشتہ آیت کا مَاۤ اَنۡزَلۡنَا ہے۔ اَنَا مبتداء ہے، اَلتَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ اس کی معرف باللّام خبر ہے جو ضمیر فاصل کے بغیر آئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مبتداء بھی ضمیر ہے۔ اِنَّ الَّذِيۡنَ میں اَلَّذِيۡنَ سے كُفَّارٌ تک اِنَّ کا اسم ہے۔ اُولٰٓئِكَ سے اَجۡمَعِيۡنَ تک اِنَّ کی خبر ہے۔ وَ هُمۡ كُفَّارٌ کا واو حالیہ ہے۔ اَلنَّاسِ کی تمیز ہونے کی وجہ سے اجۡمَعِيۡنَ حالتِ نصب میں ہے۔ خٰلِدِيۡنَ حال ہے۔ عَلَيۡهِمۡ کی ضمیر هُمۡ کا جو کہ اَلَّذِيۡنَ کے لیے ہے۔ فِيۡهَا میں هَا کی ضمیر لعنت کے لیے ہے۔ يُخَفَّفُ مضارع مجہول ہے۔ اَلۡعَذَابُ اس کا نائب فاعل ہونے کی وجہ سے رفع میں جب کہ عَنۡهُمۡ متعلق فعل ہے۔ يُنۡظَرُوۡنَ بھی مضارع مجہول ہے۔ ثلاثی مجرد اور باب افعال کا مضارع مجہول ہم شکل ہوجاتا ہے۔ اس لیے اس کے دونوں امکانات ہیں۔ لیکن یہ مادہ باب افعال میں مہلت دینے کے معنی میں آتا ہے اس لیے اسے باب افعال کا مضارع مجہول ماننا بہتر ہے۔

ترجمہ

اِلَّا الَّذِيۡنَ	تَابُوۡا وَ	اَصۡلَحُوۡا	وَ بَيَّنُوۡا	فَاُولٰٓئِكَ
سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے	توبہ کی	اور اصلاح کی	اور واضح کیا	تو وہ لوگ ہیں

اَتُوۡبُ عَلَيۡهِمۡ ۚ	وَ اَنَا	التَّوَّابُ
میں توبہ قبول کرتا ہوں جن کی	اور میں	ہی بار بار توبہ قبول کرنے والا ہوں

الرَّحِيۡمُ	اِنَّ الَّذِيۡنَ	كَفَرُوۡا	وَ مَاتُوۡا	وَ
ہر حال میں رحم کرنے والا ہوں	بیشک جن لوگوں نے	انکار کیا	اور مرے	اس حال میں کہ

هُمۡ	كُفَّارٌ	اُولٰٓئِكَ عَلَيۡهِمۡ	لَعۡنَةُ اللّٰهِ	وَالۡمَلٰٓئِكَةِ
وہ لوگ	انکار کرنے والے رہے	وہ لوگ ہیں جن پر	اللہ کی لعنت ہے	اور فرشتوں کی

وَالنَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ ۙ﴿۱۶۱﴾	خٰلِدِيۡنَ	فِيۡهَا ۚ	لَا يُخَفَّفُ
اور سب کے سب لوگوں کی	ہمیشہ ایک حالت میں رہنے والے ہوتے ہوئے	اس میں	ہلکا نہیں کیا جائے گا

عَنۡهُمُ الۡعَذَابُ	وَلَا هُمۡ	يُنۡظَرُوۡنَ
ان سے عذاب کو	نہ ہی وہ لوگ	مہلت دیے جائیں گے

نوٹ۔1

وَمَاتُوۡا وَ هُمۡ كُفَّارٌ کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ جس کافر کے کفر کی حالت میں مرنے کا یقین نہ ہو اس پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے اور چونکہ ہمیں کسی شخص کے خاتمہ کا یقینی علم ہونے کا اب کوئی ذریعہ نہیں ہے اس لیے کسی کافر کا نام لے کر اس پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ عام کافروں اور ظالموں پر بغیر تعین کے لعنت کرنا درست ہے۔ جب لعنت کا معاملہ اتنا شدید ہے تو کسی مسلمان پر (خواہ وہ کتنا ہی فاسق و فاجر کیوں نہ ہو) لعنت کیسے جائز ہوسکتی ہے۔ کسی کو مردود، راندۂ درگاہ، اللہ مارا وغیرہ کہنا بھی لعنت ہی کے حکم میں ہے۔ (معارف القرآن)

آیت نمبر (163)

320

﴿وَ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿١٦٣﴾﴾

ترکیب

مرکب اضافی اِلٰـهُكُمْ مبتداء ہے اور مرکب توصیفی اِلٰهٌ وَّاحِدٌ اس کی خبر ہے۔ اِلٰهَ سے پہلے لائے نفی جنس ہے اس لیے لفظ اِلٰهَ تنوین کے بغیر نصب میں آیا ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ اور اَلرَّحِيْمُ صفت نہیں ہیں۔ کیونکہ ایسی صورت میں ھُوَ کو موصوف ماننا پڑے گا، جبکہ ضمیر موصوف نہیں بنتی۔ اس لیے انہیں ھُوَ کا بدل مانا جائے گا۔

ترجمہ

وَاِلٰـهُكُمْ	اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ	لَاۤ اِلٰهَ	اِلَّا
اور تم لوگوں کا اِلٰہ	واحد اِلٰہ	کسی قسم کا کوئی اِلٰہ نہیں ہے	مگر

ھُوَ	الرَّحْمٰنُ	الرَّحِيْمُ
وہ	جو بے انتہا رحم کرنے والا ہے	جو ہر حال میں رحم کرنے والا ہے

نوٹ۔1

میرے ایک دوست نے مجھ سے پوچھا کہ تم لفظ اِلٰہ کا ترجمہ کیوں نہیں کرتے؟ میں نے کہا کہ اس لفظ کے حقیقی مفہوم کا اُردو میں ترجمہ ممکن نہیں ہے۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ انسان ایک مرتبہ اس کا مفہوم سمجھ کے ذہن نشین کر لے۔ اس کے بعد جب بھی یہ لفظ آئے تو اس کے ذہن میں آنا چاہیے کہ پرستش کے لائق، حاجت روا، مشکل کشا، پناہ دہندہ، اَن داتا، حاضر و ناظر ہستی۔ کہنے لگے اور جو لوگ دوسروں کو حاجت روا اور مشکل کشا وغیرہ مانتے ہیں؟ میں نے کہا کہ یہ کلمہ شہادت لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی نفی ہے۔ ان کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ کہنے لگے تم انتہائی متشدد ہو۔ میں نے کہا کہ میں کس کھیت کی مولی ہوں۔ بات یہ ہے کہ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کا حکم بڑا سخت ہے۔ اس نے قرآن مجید میں دو جگہ پر دوٹوک الفاظ میں اعلان کر دیا ہے کہ وہ کلمہ شہادت کی نفی کو یعنی شرک کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ اس لیے ہر کلمہ گو پر لازم ہے کہ وہ اس کی کسی قسم کی کوئی نفی نہ کرے۔

آیت نمبر (164)

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ الْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ
النَّاسَ وَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪
وَّ تَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿١٦٤﴾﴾

ل ی ل

(x) x ثلاثی مجرد سے فعل استعمال نہیں ہوتا۔

لَیْلٌ اسم جنس ہے۔ اس کی جمع لَیَالٍ اور واحد لَیْلَةٌ ہے۔ رات۔ ﴿اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ

سَوِيًّا ﴿(19/مریم:10)''تیری نشانی ہے کہ تو کلام نہیں کرے گا لوگوں سے تین راتیں مکمل۔''
320
﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴾(97/القدر:1)''بیشک ہم نے نازل کیا اس کو قدر کی رات میں۔''

ف ل ک

(ن) فَلْكًا: کسی چیز کا انڈے کی مانند گول ہونا۔ بیضاوی ہونا۔

فُلْكٌ: اسم ذات ہے کشتی (کیونکہ یہ بیضاوی ہوتی ہے)۔ یہ واحد، جمع، دونوں کے لیے آتا ہے۔ آیت زیر مطالعہ۔

فَلَكٌ: اسم ذات ہے۔ سیاروں کی گردش کرنے کا مقررہ راستہ۔ مدار۔ (کیونکہ آسمان میں ہر گردش کرنے والی چیز کا مدار بیضاوی ہے)۔﴿ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴾(21/الانبیاء:33)''سب کسی مدار میں تیرتے ہیں۔''

ب ث ث

(ن) بَثًّا: کسی چیز کو منتشر کرنا۔ بکھیرنا۔ آیت زیر مطالعہ۔

بَثٌّ: اسم ذات ہے۔ اضطراب، پریشانی، بے چینی (غم کی شدت کی وجہ سے)۔﴿ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ﴾(12/یوسف:86)''میں تو بس بیان کرتا ہوں اپنی پریشانی اور اپنا غم اللہ سے۔''

مَبْثُوْثٌ: اسم المفعول ہے۔ منتشر کیا ہوا۔ بکھیرا ہوا۔﴿ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ﴾(101/القارعۃ:4)''جس دن ہوں گے لوگ بکھیرے ہوئے پتنگوں کی مانند۔''

(انفعال) اِنْبِثَاثًا: کسی چیز کا منتشر ہونا۔ بکھر جانا۔

مُنْبَثٌّ: اسم الفاعل ہے۔ منتشر ہونے والا۔ بکھیرنے والا۔﴿ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ﴾(56/الواقعہ:6)''پھر وہ ہو غبار بکھیرنے والا ہوتے ہوئے۔''

د ب ب

(ض) دَبًّا: زمین پر چلنا۔ گھسٹنا۔ رینگنا۔

دَابٌّ: فَاعِلٌ کا وزن ہے۔ چلنے والا۔ رینگنے والا۔ لیکن یہ اسم جنس کے طور پر آتا ہے۔ اس کی جمع دَوَابٌّ اور واحد دَابَّةٌ ہے۔﴿ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴾(8/الانفال:22)''بیشک زمین پر چلنے والے تمام جانداروں کے بدترین اللہ کے نزدیک بہرے گونگے وہ لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔'' دَابَّةٌ کے لیے آیت زیر مطالعہ دیکھیں۔

ص ر ف

(ض) صَرْفًا: کسی کو کسی سے پھیر دینا۔ ہٹا دینا۔﴿ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ ﴾(7/الاعراف:146)''میں پھیر دوں گا اپنی نشانیوں سے ان لوگوں کو جو تکبر کرتے ہیں زمین میں۔''

اِصْرِفْ: فعل امر ہے۔ تو پھیر دے۔ ہٹا دے۔﴿ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ﴾(25/الفرقان:65)''اے ہمارے رب! تو ہٹا دے ہم سے جہنم کے عذاب کو۔''

مَصْرِفٌ: اسم الظرف ہے۔ پھیرنے کی جگہ۔﴿ وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴾(18/الکہف:53)''اور وہ لوگ نہیں پائیں گے اس سے پھیرنے کی کوئی جگہ یعنی کوئی راستہ۔''

(تفعیل) **تَصْرِیْفًا** کثرت سے پھیرنا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ زیادہ تر دو معنی میں آتا ہے۔ (ا) کسی کو بار بار گھمانا۔ 320
(۲) کسی بات کو بار بار بیان کرنا۔ ﴿ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴾ (7/الاعراف:58) ''اس طرح ہم بار بار بیان کرتے ہیں آیتوں کو ایسے لوگوں کے لیے جو شکر کرتے ہیں۔''

(انفعال) **اِنْصِرَافًا** کسی سے پھر جانا۔ ہٹ جانا۔ ﴿ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ۭ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ﴾ (9/التوبہ:127) ''پھر وہ لوگ ہٹ جاتے ہیں اللہ نے پھیرا ان کے دلوں کو۔''

س ح ب

(ف) **سَحْبًا** کسی کو گھسیٹنا۔ ﴿ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰي وُجُوْهِهِمْ ۭ ﴾ (54/القمر:48) ''جس دن وہ لوگ گھسیٹے جائیں گے آگ میں اپنے چہروں کے بل۔''

سَحَابٌ اسم ذات ہے۔ بادل (کیونکہ وہ بخارات کو گھسیٹتا ہے)۔ آیت زیر مطالعہ۔

س خ ر

(ف) **سَخْرًا** کسی سے بلا معاوضہ یعنی اعزازی طور پر کام لینا۔ بیگار لینا۔

(س) **سَخَرًا** کسی سے مذاق کرنا۔ ﴿ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۭ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ﴾ (9/التوبہ:79) ''تو وہ لوگ مذاق کرتے ہیں ان سے۔ مذاق کیا اللہ نے ان سے۔''

سَاخِرٌ اسم الفاعل ہے۔ مذاق کرنے والا۔ ﴿ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴾ (39/الزمر:56) ''اور میں تھا مذاق کرنے والوں میں سے۔''

سِخْرِیٌّ اسم نسبت ہے۔ مذاق والا (جس سے مذاق کیا جائے)۔ مذاق کا نشانہ ﴿ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا ﴾ (23/المومنون:110) ''پھر بنایا تم لوگوں نے ان کو مذاق کا نشانہ۔''

سُخْرِیٌّ اسم نسبت ہے۔ خدمت گار (جس سے خدمت لی جائے) دوسروں کے کام آنے والا۔ ﴿ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۭ ﴾ (43/الزخرف:32) ''تاکہ ان کا کوئی بنائے کسی کو کام آنے والا یعنی ایک دوسرے کے کام آئیں۔''

(تفعیل) **تَسْخِیْرًا** کثرت سے خدمت لینا۔ کسی کو مطیع کرنا۔ ﴿ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ﴾ (14/ابراہیم:32) ''اور اس نے مطیع کیا کشتی کو تاکہ وہ چلے سمندر میں اس کے حکم سے۔''

مُسَخَّرٌ اسم المفعول ہے۔ مطیع کیا ہوا۔ آیت زیر مطالعہ۔

(استفعال) **اِسْتِسْخَارًا** کسی کا مذاق اُڑانا۔ ﴿ وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴾ (37/الصّٰفّٰت:14) ''اور جب بھی وہ لوگ دیکھتے ہیں کوئی نشانی تو مذاق اُڑاتے ہیں۔''

ترکیب

آیت کے تقریباً آخر کا لفظ **لَاٰيٰتٍ** مبتداء مؤخر نکرہ ہے اور **اِنَّ** کا اسم ہونے کی وجہ سے حالتِ نصب میں ہے۔ اس کی خبر **مَوْجُوْدٌ** محذوف ہے۔ **فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ** سے **بَيْنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ** تک پوری عبارت قائم مقام خبر ہے جب کہ **لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ** متعلق خبر ہے۔ **فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ** کے بعد **وَاخْتِلَافِ۔ وَالْفُلْكِ۔ وَتَصْرِيْفِ** اور **وَالسَّحَابِ**، ان تمام الفاظ سے پہلے **فِيْ** محذوف ہے اس لیے یہ سب حالتِ جرّ میں ہیں۔ اسی طرح **وَمَآ اَنْزَلَ** کے **مَا** سے پہلے بھی **فِيْ** محذوف ہے اس لیے محلاً یہ بھی حالتِ جر میں ہے۔

وَاخۡتِلَافِ الَّيۡلِ میں اللَّیۡلِ کے بجائے الَّیۡلِ آیا ہے۔ یعنی دو لام کے بجائے ایک لام سے ہے۔ یہ قرآن مجید کا 320
مخصوص املا ہے۔ فَاَحۡيَا کا فاعل اس میں شامل هُوَ کی ضمیر ہے۔ جو اللہ کے لیے ہے۔ بِهٖ میں هٖ کی ضمیر مَآءٍ کے لیے ہے۔ مَوۡتِهَا اور فِيۡهَا میں هَا کی ضمیریں الۡاَرۡضَ کے لیے ہیں۔ قَوۡمٍ نکرہ مخصوصہ ہے۔

اِنَّ	فِيۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ	وَاخۡتِلَافِ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ
بیشک	زمین اور آسمانوں کی پیدائش میں	اور دن اور رات کے اختلاف میں

وَالۡفُلۡكِ الَّتِىۡ	تَجۡرِىۡ	فِى الۡبَحۡرِ	بِمَا	يَنۡفَعُ	النَّاسَ
اور کشتی میں جو	چلتی ہے	سمندر میں	اس کے ساتھ جو	فائدہ دیتا ہے	لوگوں کو

وَمَآ	اَنۡزَلَ	اللّٰهُ	مِنَ السَّمَآءِ	مِنۡ مَّآءٍ	فَاَحۡيَا
اور اس میں جو	اُتارا	اللہ نے	آسمان سے	کچھ پانی میں سے	پھر اس نے زندہ کیا

بِهِ	الۡاَرۡضَ	بَعۡدَ مَوۡتِهَا	وَبَثَّ	فِيۡهَا	مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ
اس سے	زمین کو	اس کی موت کے بعد	اور اس نے پھیلایا	اس میں	تمام چلنے والے جاندار میں سے

وَّتَصۡرِيۡفِ الرِّيٰحِ	وَالسَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ	بَيۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ
اور ہواؤں کے گھمانے میں	اور مطیع کیے ہوئے بادل میں	زمین اور آسمان کے درمیان

لَاٰيٰتٍ	لِّقَوۡمٍ	يَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶۴﴾
یقیناً نشانیاں ہیں	ایسے لوگوں کے لیے	جو عقل سے کام لیتے ہیں

آیت نمبر (165)

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَنۡدَادًا يُّحِبُّوۡنَهُمۡ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا
لِّلّٰهِ ؕ وَلَوۡ يَرَى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اِذۡ يَرَوۡنَ الۡعَذَابَ ۙ اَنَّ الۡقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيۡعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ ﴾

ح ب ب

(ض) حُبًّا: پسند کرنا۔ پیار کرنا۔ محبت کرنا۔

(ک) حِبًّا: پسندیدہ ہونا۔ پیارا ہونا۔ محبوب ہونا۔

اَحَبُّ: ج اَحِبَّآءُ - افعل التفضیل ہے۔ زیادہ پیارا۔ ﴿وَمَسٰكِنُ تَرۡضَوۡنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيۡكُمۡ﴾ (9/التوبہ:24) ''اور مکانات، تم لوگ راضی ہو جن سے، زیادہ پیارے ہیں تم کو''۔ ﴿نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ﴾ (5/المائدہ:18) ''ہم لوگ اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے زیادہ پیارے ہیں''۔

حُبٌّ: اسم ذات ہے۔ پیار۔ محبت۔ آیت زیر مطالعہ۔

حَبٌّ: اسم جنس ہے اس کا واحد حَبَّۃٌ آتا ہے۔ دانہ۔ (کیونکہ یہ کسانوں کو بہت پیارا ہوتا ہے) ﴿اِنَّ اللّٰہَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی ط﴾ (6/الانعام:95) ''بیشک اللہ دانے اور گٹھلی کا پھاڑنے والا ہے۔'' ﴿مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ﴾ (2/البقرہ:261) ''ان لوگوں کی مثال جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں ایک ایسے دانے کی مثال کی مانند ہے اُگیں جس سے سات بالیں۔''

(افعال) **اِحْبَابًا**: پیار کرنا۔ محبت کرنا۔ (یہ مادہ باب ضَرَبَ اور باب افعال میں ہم معنی ہے۔ لیکن اس معنی میں قرآن مجید میں یہ صرف باب افعال سے آیا ہے)۔ ﴿اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ج﴾ (28/القصص:56) ''یقیناً آپؐ ہدایت نہیں دیتے اس کو جس کو آپؐ چاہیں بلکہ اللہ ہدایت دیتا ہے اس کو جس کو وہ چاہتا ہے۔''

(تفعیل) **تَحْبِیْبًا**: کسی کو کسی کے لیے پیارا بنا دینا۔ ﴿وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ﴾ (49/الحجرات:7) ''بلکہ اللہ نے پیارا بنایا تمہارے لیے ایمان کو۔''

(استفعال) **اِسْتِحْبَابًا**: کسی کو کسی پر ترجیح دینا۔ پسند کرنا۔ ﴿اِلَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَۃِ﴾ (14/ابراہیم:3) ''وہ لوگ جو ترجیح دیتے ہیں دنیا کی زندگی کو آخرت پر۔''

ترکیب

وَمِنَ النَّاسِ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ اس کی خبر مَوْجُوْدٌ محذوف ہے۔ مَنْ یَّتَّخِذُ سے اَنْدَادًا تک پورا جملہ مبتداء مؤخر ہے۔ (وضاحت کے لیے دیکھیں آیت نمبر ۲/۸ کی ترکیب) یَتَّخِذُ کا مفعول اوّل مرکب مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ہے اور اَنْدَادًا اس کا مفعول ثانی ہے۔ اس کے بعد لِلّٰہِ محذوف ہے۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا صلہ موصول مل کر مبتداء ہے اور اَشَدُّ اس کی خبر ہے اور تفضیل بعض کے معنی میں ہے۔ حُبًّا اس کی تمیز ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ وَلَوْ کا جواب شرط مذکور نہیں ہے اس لیے اس کو شرطیہ کے بجائے تمنی ماننا بہتر ہے۔ یَرَی کا فاعل اَلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ہے۔ اس کا مفعول یَوْمَ یا وَقْتَ محذوف ہے۔ اَنَّ الْقُوَّۃَ اور اَنَّ اللّٰہَ، دونوں سے پہلے وَاِذْ یَرَوْنَ محذوف ہے۔ اَنَّ کا اسم ہونے کی وجہ سے اَلْقُوَّۃَ نصب میں ہے اور اس پر لام جنس ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے۔ لِلّٰہِ قائم مقام خبر ہے۔ جَمِیْعًا تمیز ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے اور تاکید کے لیے آتا ہے۔ اَنَّ اللّٰہَ کی خبر شَدِیْدُ الْعَذَابِ ہے۔

ترجمہ

وَمِنَ النَّاسِ	مَنْ	یَّتَّخِذُ	مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ	اَنْدَادًا
اور لوگوں میں وہ بھی ہیں	جو	بناتے ہیں	اللہ کے علاوہ (کچھ) کو	(اس کا) ہم پلّہ

یُّحِبُّوْنَھُمْ	کَحُبِّ اللّٰہِ ط	وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا
وہ لوگ محبت کرتے ہیں ان سے	اللہ کی محبت کی مانند	اور جو لوگ ایمان لائے وہ

اَشَدُّ	حُبًّا لِّلّٰہِ ط	وَلَوْ یَرَی	الَّذِیْنَ
زیادہ شدید ہیں	اللہ کے لیے محبت کے لحاظ سے	اور کاش تصور کریں	وہ لوگ جنھوں نے

ظَلَمُوْٓا	اِذْ يَرَوْنَ	الْعَذَابَ	اَنَّ الْقُوَّةَ 320
ظلم کیا (اس وقت کا)	جب وہ لوگ دیکھیں گے	عذاب کو	(اور دیکھیں گے) کہ ساری قوت

لِلّٰهِ	جَمِيْعًا	وَّ اَنَّ اللّٰهَ	شَدِيْدُ الْعَذَابِ
اللہ کے لیے ہے	سب کی سب	اور (دیکھیں گے) کہ اللہ	عذاب کا شدید ہے

نوٹ۔1

دنیا کی امتحانگاہ میں بھیجنے سے پہلے انسان کو جو کچھ سکھایا یا پڑھایا جاتا ہے۔ یعنی اس کی فطرت میں ودیعت کیا جاتا ہے، اس میں اللہ کی محبت بھی شامل ہے۔ لیکن دنیا میں آنے کے بعد کچھ لوگ مادی ذرائع اور وسائل کو یعنی پیسے اور زندہ و مردہ ہستیوں کو ہی اپنا حاجت روا، مشکل کشا اَن داتا فرض کر بیٹھتے ہیں تو محبت کا یہ جذبہ ان کی طرف منتقل ہوجاتا ہے جو اس کا مذموم استعمال ہے۔ لیکن کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کچھ کو تجربہ اور کچھ کو مشاہدہ کرا دیتا ہے۔ جب سارے آسرے وسیلے جواب دے دیتے ہیں، امیدیں دم توڑ جاتی ہیں، اس وقت جس طرح بلبلا کر انسان اللہ کو پکارتا ہے، تو وہ درحقیقت اس کی فطرت کا مظہر ہے۔ جگر مرحوم کو پتہ نہیں تجربہ ہوا تھا کہ مشاہدہ، لیکن اس کیفیت کو انہوں نے خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے کہ:

ے مل کے بھی جو کبھی نہیں ملتا　　　　ٹوٹ کر دل اسی سے ملتا ہے

واضح رہے کہ مادی اسباب کے استعمال کی ممانعت نہیں ہے بلکہ تاکید ہے۔ کیونکہ اللہ نے ہمارے لیے ان کو مسخر کیا ہے (۲۰/۳۱)۔ اور دنیا کی زندگی کا سامان بنایا ہے (۶۰/۲۸)۔ ان میں عام انسان اور زندہ ہستیاں بھی شامل ہیں (۳۲/۴۳)۔ لیکن ان کو استعمال کرتے وقت دو باتوں میں ہمارا امتحان ہے۔ اوّلاً یہ کہ حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے ان کو استعمال کرنا ہے۔ ثانیاً یہ کہ تکیہ اور بھروسہ یعنی توکل اسباب پر نہیں کرنا ہے۔ ورنہ پھر وہی ہوگا جس کی اس آیت میں نشاندہی کی گئی ہے۔ البتہ اگر مادی اسباب کو ذریعہ کے طور پر استعمال کیا جائے اور نتیجہ کے لیے توکل اللہ پر ہو تو پھر محسن سے محبت کے فطری جذبے کا رُخ محسنِ حقیقی کی ہی جانب رہتا ہے اور یہی مطلوب ہے۔ دیگر فوائد کے ساتھ اس کا ایک نقد فائدہ یہ ہے کہ انسان کی شخصیت اپنے داخلی خلفشار سے محفوظ و مامون رہتی ہے۔ اور النّفس المطمئنہ کی جانب اس کا سفر جاری و ساری رہتا ہے۔

آیت نمبر (166)

﴿اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾﴾

س ب ب

(ن)　سَبًّا　(۱) رسی کاٹنا۔ تعلقات کے بندھن کاٹنا۔ (۲) گالی دینا (کیونکہ اس سے تعلقات منقطع ہوتے ہیں۔ ﴿لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ﴾ (6/الانعام:108) ''تم لوگ گالی مت دو ان لوگوں کو جو پکارتے ہیں اللہ کے علاوہ کسی کو، تو وہ لوگ برا کہیں گے اللہ کو۔''

سَبَبٌ　ج اَسْبَابٌ۔ اسم ذات ہے۔ ایسی رسی جس سے درخت پر چڑھا اور اُترا جاتا ہے۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) رسی۔ (۲) بندھن۔ تعلقات۔

(۳) ذریعہ۔سامان۔﴿ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ﴾(22/الحج:15)''تو اسے[320] چاہیے کہ وہ تان لے کوئی رسی آسمان کی طرف۔''﴿ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴾ (۱۸/الکہف:84)''اور ہم نے دیا اس کو ہر چیز میں سے بطور سامان کے۔'' تعلقات کے لیے آیت زیر مطالعہ دیکھیں۔

ترکیب

تَبَرَّاَ کا فاعل اَلَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا ہے، جب کہ مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا اس کا مفعول ہے۔ رَاَوُا کا فاعل اس میں شامل هُمْ کی ضمیر ہے جو گذشتہ جملہ کے فاعل اور مفعول دونوں کے لیے ہے، اَلْعَذَابَ اس کا مفعول ہے۔ تَقَطَّعَتْ کا فاعل اَلْاَسْبَابُ ہے، اس پر لام جنس ہے اور چونکہ یہ غیر عاقل کی جمع مکسر ہے اس لیے فعل واحد مؤنث آیا ہے۔ یہاں قیامت کا ذکر ہے۔ اس لیے ماضی کا ترجمہ مستقبل میں ہوگا۔(۲/۷،۲ نوٹ۔۳)

ترجمہ

اِذْ تَبَرَّاَ	الَّذِيْنَ	اتُّبِعُوْا	مِنَ الَّذِيْنَ
جب اظہارِ بیزاری کریں گے	وہ لوگ جن کی	پیروی کی گئی	ان لوگوں سے جنہوں نے

اتَّبَعُوْا	وَرَاَوُا	الْعَذَابَ	وَتَقَطَّعَتْ	بِهِمُ
پیروی کی	اور وہ لوگ دیکھیں گے	عذاب کو	اور کٹ جائیں گے	ان کے

الْاَسْبَابُ
سارے بندھن

آیت نمبر(167)

﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ ع ﴾

ک ر ر

(ن) كَرُوْرًا لوٹنا۔مڑنا
كَرًّا لوٹانا۔موڑنا
كَرَّةٌ ایک مرتبہ لوٹنا یا لوٹایا جانا یعنی دوسری باری۔دوسری اننگ۔آیت زیر مطالعہ۔

ح س ر

(ض) حَسْرًا تھکانا۔غمگین کرنا۔
حَسَرًا تھکنا۔غمگین ہونا۔
(س) حَسْرَةٌ ج حَسَرَاتٌ۔ اسم ذات ہے۔تاسف۔حسرت۔﴿ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ ﴾ (3/آل عمران:156)''تاکہ بنائے اللہ اس کو حسرت ان کے دلوں میں۔''

320

حَسِيْرٌ — فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ غم زدہ۔ ناکام۔ ﴿ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِيْرٌ ﴾ (67/ الملک:4) ’’لوٹے گی تیری طرف نگاہ تھکی ہوئی اور وہ ناکام ہوگی۔‘‘

مَحْسُوْرٌ — مَفْعُوْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ تھکا ہوا۔ تھکا ہارا۔ ﴿ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴾ (17/ بنی اسرائیل:29) ’’کہ پھر تو بیٹھے ملامت زدہ تھکا ہارا ہوتے ہوئے‘‘

(استفعال) اِسْتِحْسَارًا — تھکاوٹ محسوس کرنا۔ سستی کرنا۔ کاہلی کرنا۔ ﴿ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ لَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴾ (21/ الانبیاء:19) ’’وہ لوگ تکبر نہیں کرتے اس کی عبادت سے اور نہ ہی سستی کرتے ہیں۔‘‘

ترکیب

لَوْ اَنَّ کا لَوْ تمنی ہے۔ کَرَّةً مبتداء مؤخر نکرہ ہے اور اَنَّ کا اسم ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے اور لَنَا قائم مقام خبر مقدم۔ فَنَتَبَرَّاَ میں مضارع منصوب آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس سے پہلے لامِ کَیْ یا لِاَنْ محذوف ہے۔ يُرِيْ کا فاعل اَللّٰهُ ہے، اس کا مفعول اوّل هُمْ کی ضمیر ہے جو قَالَ الَّذِيْنَ کے لیے ہے جب کہ اَعْمَالَهُمْ اس کا مفعول ثانی ہے اور حَسَرٰتٍ حال ہونے کی وجہ سے نصب میں آیا ہے۔

ترجمہ

وَقَالَ	الَّذِيْنَ	اتَّبَعُوْا	لَوْ اَنَّ	لَنَا	كَرَّةً
اور کہیں گے	وہ لوگ جنہوں نے	پیروی کی	کاش کہ	ہمارے لیے ہوتی	کوئی ایک اور باری

فَنَتَبَرَّاَ	مِنْهُمْ	كَمَا	تَبَرَّءُوْا	مِنَّا ط
تاکہ پھر ہم اظہار بیزاری کرتے	ان سے	جیسے کہ	انہوں نے اظہار بیزاری کیا	ہم سے

كَذٰلِكَ	يُرِيْهِمُ	اللّٰهُ	اَعْمَالَهُمْ	حَسَرٰتٍ	عَلَيْهِمْ ط
اس طرح	دکھائے گا ان کو	اللہ	ان کے اعمال	حسرتیں ہوتے ہوئے	ان پر

وَمَا هُمْ	بِخٰرِجِيْنَ	مِنَ النَّارِ
اور وہ لوگ	نکلنے والے نہیں ہیں	آگ سے

نوٹ۔1

آیت نمبر ۲/ ۱۲۳ میں اصولی بات بیان کی گئی ہے کہ کوئی جان کسی جان کے کام نہیں آئے گی۔ اسی اصول کو دوسرے الفاظ میں پانچ مقامات پر اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اُٹھائے گی۔ (۶/ ۱۶۴۔ ۱۷/ ۱۵۔ ۳۵/ ۱۸۔ ۳۹/ ۷۔ ۵۳/ ۳۸)۔ اس اصول کے ایک پہلو کا نقشہ آیت زیر مطالعہ اور اس سے پچھلی آیت میں کھینچا گیا ہے۔ جب کسی کا کوئی مشورہ یا فتویٰ غلط ثابت ہوگا اور اس پر آنکھ بند کر کے عمل کرنے والوں کو پکڑا جائے گا یا کسی پیر صاحب کی غلطی پر ان کے مرید پکڑے جائیں گے، تو پھر اس وقت کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔

آیت نمبر(168)

320

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿١٦٨﴾ ﴾

ح	ل	ل

(ن-ض) **حِلًّا اور حَلَالًا** رسی کھولنا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ مختلف معانی میں آتا ہے۔(۱) گرہ کھولنا۔(۲) کسی جگہ اُترنا (منزل پر سواری سے اتر کر سامان کی رسیاں کھولتے ہیں)۔(۳) احرام کھولنا (احرام کی پابندیاں یعنی بندشیں کھل جاتی ہیں)۔(۴) جائز ہونا۔ حلال ہونا (استعمال کرنے کی بندش کھل جاتی ہے)۔﴿ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾(20/طٰہٰ:86)''یا ارادہ کیا تم لوگوں نے کہ اُترے تم لوگوں پر کوئی غضب تمہارے رب کی جانب سے۔''﴿ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ۭ ﴾ (5/المائدہ:2)''اور جب تم لوگ احرام کھولو تو شکار کرلو۔''﴿ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ ﴾(2/البقرہ:228)''اور جائز نہیں ہوتا ان خواتین کے لیے کہ وہ چھپائیں اس کو جو پیدا کیا اللہ نے ان کے رحموں میں۔''

اُحْلُلْ فعل امر ہے۔ تو کھول۔﴿ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿٢٧﴾ ﴾ (20/طٰہٰ:27)''اور تو کھول گرہ میری زبان سے۔''

مَحِلٌّ اسم الظرف ہے۔ اُترنے کی جگہ۔ منزل۔﴿ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿٣٣﴾ ﴾(22/الحج:33)''تم لوگوں کے لیے ہیں اس میں کچھ فائدے ایک مقررہ مدت تک پھر اس کی منزل ہے قدیم گھر کی طرف۔''

حَلِيْلٌ فَعِيْلٌ کا وزن ہے۔ شوہر (بیوی کے لیے ہمیشہ حلال ہوتا ہے)۔

حَلِيْلَةٌ ج حَلَائِلُ ۔ فَعِيْلٌ کے مؤنث فَعِيْلَةٌ کا وزن ہے۔ بیوی (شوہر کے لیے ہمیشہ حلال ہوتی ہے)۔﴿ وَحَلَاۗىِٕلُ اَبْنَاۗىِٕكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ ﴾ (4/النساء:23)''اور بیویاں تمہارے ان بیٹوں کی جو تمہاری صلب سے ہیں۔''

حِلٌّ صفت بھی ہے۔ جائز۔ حلال۔﴿ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ﴾ (5/المائدہ:5)''اور تم لوگوں کا کھانا حلال ہے ان لوگوں کے لیے۔''

حَلَالٌ صفت بھی ہے۔ جائز۔ حلال۔﴿ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ ﴾ (16/النحل:116)''یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔''

(افعال) **اِحْلَالًا** کسی چیز کو جائز کرنا۔ حلال کرنا۔﴿ لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾(5/المائدہ:87)''حرام مت کرو پاکیزہ چیزوں کو جن کو حلال کیا اللہ نے تمہارے لیے۔''

(تفعیل) **تَحْلِيْلًا اور تَحِلَّةً** کفارہ ادا کرنا۔ (کسی عہد یا قسم کی پابندی کھولنے کے لیے)۔﴿ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ ﴾ (66/التحریم:2)''فرض کیا ہے اللہ نے تم لوگوں کے لیے اپنی قسموں کا کفارہ ادا کرنے کو۔''

خ	ط	و

(ن) **خَطْوًا** چلنے کے لیے قدم اُٹھانا۔

خُطْوَةٌ ج خُطُوٰتٌ۔ دو قدموں کے درمیان کا فاصلہ۔ نقشِ قدم۔ آیت زیر مطالعہ۔

320

ترکیب

كُلُوْا فعل امر کا فاعل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے جو اَلنَّاسُ کے لیے ہے۔ اس کا مفعول محذوف ہے جو رِزْقًا ہوسکتا ہے۔ مِمَّا فِي الْاَرْضِ متعلق فعل ہے۔ حَلٰلًا محذوف مفعول کی صفت ہے جب کہ طَيِّبًا اسی کی صفت ثانی ہے۔ لَا تَتَّبِعُوْا فعل نہی کا فاعل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے جو اَلنَّاسُ کے لیے ہے۔ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ مفعول ہے اس لیے اس کا مضاف خُطُوٰتِ حالت نصب میں آیا ہے۔

ترجمہ

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ	كُلُوْا	مِمَّا	فِي الْاَرْضِ	حَلٰلًا طَيِّبًا
اے لوگو!	تم لوگ کھاؤ	اس میں سے جو	زمین میں ہے	حلال، پاکیزہ (رزق کو)

وَّلَا تَتَّبِعُوْا	خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ	اِنَّهٗ	لَكُمْ	عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ
اور تم لوگ پیروی مت کرو	شیطان کے نقشِ قدم کی	یقیناً وہ	تمہارے لیے	ایک کھلا دشمن ہے

آیت نمبر (2/ البقرہ: 168)

﴿ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْۗءِ وَالْفَحْشَاۗءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ١٦٩ ﴾

ف ح ش

(ک)

فَحُشَ: حد سے زیادہ برا ہونا۔ بے حیا ہونا (اتنی زیادہ برائی جو فطری حیا کو ختم کردے)۔ کھلم کھلا برائی کرنا۔

فَاحِشَةٌ: ج فَوَاحِشُ۔ ہر وہ چیز جو حد سے زیادہ ہو۔ بے حیائی۔ کھلی گمراہی۔ ﴿وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا﴾ (7/ الاعراف: 28) ''اور جب وہ لوگ کرتے ہیں کوئی کھلی گمراہی تو کہتے ہیں ہم نے پایا اس پر اپنے باپ دادا کو۔'' ﴿وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰۗىِٕرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ﴾ (42/ الشوریٰ: 37) ''اور جو لوگ بچتے ہیں بڑے گناہ سے اور بے حیائیوں سے۔''

فَحْشَاءُ: قبیح گناہ۔ اعلانیہ برائی۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب

يَاْمُرُ کا فاعل هُوَ کی ضمیر ہے جو گذشتہ آیت کے الشَّيْطٰنِ کے لیے ہے۔ اس کا مفعول كُمْ کی ضمیر ہے جو گذشتہ آیت کے النَّاس کے لیے ہے۔ بِالسُّوْءِ اور اَلْفَحْشَاءِ، دونوں متعلق فعل ہیں۔ اَلْفَحْشَاءِ سے پہلے حرفِ جر ''بِ'' محذوف ہے اس لیے یہ مجرور ہے۔ اَنْ تَقُوْلُوْا میں اَنْ سے پہلے يَاْمُرُكُمْ محذوف ہے۔

ترجمہ

اِنَّمَا	يَاْمُرُكُمْ	بِالسُّوْۗءِ	وَالْفَحْشَاۗءِ
کچھ نہیں سوائے اس کے کہ	وہ ترغیب دیتا ہے تم لوگوں کو	برائی کی	اور کھلی گمراہی کی

وَاَنْ	تَقُوْلُوْا	عَلَى اللّٰهِ	مَا لَا	تَعْلَمُوْنَ
اور یہ کہ	تم لوگ کہو	اللہ پر	وہ جو	تم لوگ نہیں جانتے

آیت نمبر (170)

320

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَـيْـــًٔـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝۱۷۰﴾

ل ف و

(ن)	لَفْوًا	کسی چیز کو کم کرنا۔
(افعال)	اِلْفَاءً	کسی چیز کو پالینا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

ترکیب

اِذَا شرطیہ ہے۔ قِيْلَ سے اَنْزَلَ اللّٰهُ تک شرط ہے اور قَالُوْا سے اٰبَآءَنَا تک جوابِ شرط ہے۔ قِيْلَ لَهُمْ میں هُمْ کی ضمیر آیت نمبر 2/168 کے النَّاس کے لیے ہے۔ قَالُوْا بَلْ میں بَلْ سے پہلے كَلَّا محذوف ہے۔ (آیت ۲/۸۸۔ نوٹ۔۱)۔ عَلَيْهِ میں ہِ کی ضمیر مَا کی ضمیر عائد ہے۔ اَوَلَوْ میں ھمزۂ استفہام ہے اور لَوْ شرطیہ ہے۔ آگے کا پورا جملہ شرط ہے اور اس کا جواب شرط محذوف ہے۔ اُردو میں محذوف جوابِ شرط ''تب بھی'' بنتا ہے۔ كَانَ کا اسم اٰبَآءُ هُمْ ہے، اس لیے اس کا مضاف اٰبَآءُ رفع میں ہے۔ لَا يَعْقِلُوْنَ اور لَا يَهْتَدُوْنَ، دونوں فعلیہ جملے اس کی خبر ہیں۔ شَيْـًٔا مفعول مطلق ہے۔ (آیت ۲/۴۸۔ نوٹ۔۲)

ترجمہ

وَاِذَا	قِيْلَ	لَهُمُ	اتَّبِعُوْا	مَآ	اَنْزَلَ	اللّٰهُ
اور جب بھی	کہا جاتا ہے	ان لوگوں سے	تم لوگ پیروی کرو	اس کی جو	اتارا	اللہ نے

قَالُوْا	بَلْ	نَتَّبِعُ	مَآ	اَلْفَيْنَا	عَلَيْهِ
تو وہ لوگ کہتے ہیں	(ہرگز نہیں) بلکہ	ہم پیروی کرتے ہیں	اس کی	ہم نے پایا	جس پر

اٰبَآءَنَا	اَوَلَوْ	كَانَ اٰبَآؤُهُمْ	لَا يَعْقِلُوْنَ	شَيْـًٔا
اپنے باپ دادا کو	تو کیا اگر	ان کے باپ دادا	عقل نہیں کرتے تھے	ذرا بھی

وَّلَا يَهْتَدُوْنَ
اور نہ ہی ہدایت پاتے تھے (تب بھی)

نوٹ۔1

مسئلہ یہ ہے کہ ہر گروہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کے باپ دادا اور بزرگ ہدایت پر تھے جب کہ دوسرے گمراہ تھے۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے اس آیت میں ایک کسوٹی دے دی گئی ہے۔ بزرگوں کے جن اقوال واعمال کی سند مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ میں یعنی قرآن اور حدیث میں ملتی ہے ان کی تقلید کرنا درست ہے۔ اگر بزرگوں کی کچھ باتوں کی سند قرآن وحدیث میں موجود نہیں ہے تو زیادہ امکان یہی ہے کہ وہ بزرگوں کی باتیں نہیں ہیں بلکہ انہیں غلط طور پر ان کے نام سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ اس لیے ہماری عافیت اس میں ہے کہ کسی بات کو قبول کرنے سے پہلے اس کی سند کے متعلق معلومات ضرور حاصل کر لیں اور اندھی تقلید نہ کریں۔

آیت نمبر (171)

﴿وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ١٧١﴾ 320

ن ع ق

(ض) نَعْقًا کوّے کا کائیں کائیں کرنا۔ چرواہے کا جانور ہانکنے کیلئے آواز نکالنا۔ ہانک پکار کرنا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

ن د و

(ن) نَدْوًا مجلس میں جمع ہونا۔ مجلس میں جمع کرنا۔

ن د ی

(س) نَدًى گیلا ہونا۔ تر ہونا۔

نَادٍ فَاعِلٌ کا وزن ہے۔ لیکن اسم ذات کے طور پر مجلس اور اہل مجلس کے معانی میں آتا ہے۔﴿وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ۭ﴾ (29/العنکبوت:29) ''اور تم لوگ آتے ہو اپنی مجلس میں برائی کے ساتھ۔'' ﴿فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ١٧ۙ﴾ (96/العلق:17) ''پس اسے چاہیے کہ وہ بلائے اپنے اہل مجلس کو۔''

نَدِيٌّ اسم نسبت ہے۔ مجالس والا۔ مجلسی (بیٹھک باز)۔﴿اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ٧٣﴾ (19/مریم:73) ''دونوں فریقوں میں سے کون بہتر ہے بلحاظ رتبہ کے اور زیادہ اچھا ہے بطور مجالس والے کے۔''

(مفاعلہ) نِدَاءً بلند آواز سے پکارنا (خشک حلق سے نہیں بلکہ تر حلق سے بلند آواز نکلتی ہے)۔﴿وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ﴾ (7/الاعراف:44) ''اور آواز دیں گے جنت والے آگ والوں کو۔''

نِدَاءٌ اسم ذات بھی ہے۔ بلند آواز۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

مُنَادٍ اسم الفاعل ہے۔ آواز دینے والا۔ پکارنے والا۔﴿رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ﴾ (۳/آل عمران:193) ''اے ہمارے رب! بیشک ہم نے سنا ایک ندا دینے والے کو جو ندا دیتا ہے ایمان کے لیے۔''

(تفاعل) تَنَادٍ ایک دوسرے کو پکارنا۔﴿فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ٢١ۙ﴾ (68/القلم:21) ''تو انہوں نے ایک دوسرے کو پکارا صبح ہوتے ہی۔''

ترکیب

مَثَلُ مضاف ہے۔ اَلَّذِيْنَ مضاف الیہ ہے، جس کا صلہ کَفَرُوْا ہے۔ یہ پورا فقرہ مبتداء ہے۔ مَثَلِ بھی مضاف ہے اور حرفِ جر ''ک'' کی وجہ سے جر میں ہے۔ اَلَّذِيْ اس کا مضاف الیہ ہے اور یہ فقرہ خبر ہے۔ يَنْعِقُ سے نِدَاءً تک اَلَّذِيْ کا صلہ ہے۔ صُمٌّ، بُكْمٌ اور عُمْيٌ یہ تینوں خبر ہیں اور ان کا مبتداء هُمْ محذوف ہے۔

وَ مَثَلُ الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	كَمَثَلِ الَّذِيْ	يَنْعِقُ
اور ان لوگوں کی مثال جنہوں نے	کفر کیا	اس کی مثال کی مانند ہے	جو ہانک پکار کرتا ہے

بِمَا	لَا يَسْمَعُ	اِلَّا	دُعَآءً	وَّنِدَآءً ۭ	صُمٌّ	بُكْمٌ
اس کو جو	سن کر نہیں سمجھتا	سوائے	دعا کے	اور آواز کے	بہرے ہیں	گونگے ہیں

عُمْيٌ	فَهُمْ	لَا يَعْقِلُوْنَ
اندھے ہیں	پس وہ لوگ	عقل نہیں کرتے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ البقرۃ (۲)

آیت نمبر (172)

﴿ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُلُوۡا مِنۡ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰکُمۡ وَ اشۡکُرُوۡا لِلّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ اِیَّاہُ تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۱۷۲﴾ ﴾

ترکیب

یٰۤاَیُّہَا حرف ندا ہے اور اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا منادیٰ ہے۔ فعل امر کُلُوۡا کا فاعل اس میں شامل اَنۡتُمۡ کی ضمیر ہے۔ اس کا مفعول محذوف ہے جو کہ رِزۡقَکُمۡ ہوسکتا ہے۔ مِنۡ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰکُمۡ متعلق فعل ہے۔ طَیِّبٰتِ صفت ہے جس کا موصوف محذوف ہے، مِنۡ کی وجہ سے حالتِ جر میں ہے اور مضاف ہے۔ اس کا مضاف الیہ مَا ہے۔ شروع سے وَاشۡکُرُوۡا لِلّٰہِ تک دونوں جملے جواب شرط ہیں۔ ان کی شرط اگلہ جملہ ہے۔ کُنۡتُمۡ تَعۡبُدُوۡنَ ماضی استمراری ہے، لیکن اِنۡ شرطیہ کی وجہ سے ترجمہ حال میں ہوگا۔

ترجمہ

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ	اٰمَنُوۡا	کُلُوۡا	مِنۡ طَیِّبٰتِ مَا
اے لوگوں جو	ایمان لائے ہو	تم لوگ کھاؤ	اس کی پاکیزہ (چیزوں) سے جو

رَزَقۡنٰکُمۡ	وَاشۡکُرُوۡا	لِلّٰہِ	اِنۡ کُنۡتُمۡ	اِیَّاہُ
ہم نے عطا کیا تم لوگوں کو	اور تم لوگ شکر کرو	اللہ کا	اگر تم لوگ	صرف اس کی ہی

تَعۡبُدُوۡنَ
بندگی کرتے ہو

آیت نمبر (2/ البقرہ:173)

﴿ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیۡکُمُ الۡمَیۡتَۃَ وَ الدَّمَ وَ لَحۡمَ الۡخِنۡزِیۡرِ وَ مَاۤ اُہِلَّ بِہٖ لِغَیۡرِ اللّٰہِ ۚ فَمَنِ اضۡطُرَّ غَیۡرَ بَاغٍ
وَّ لَا عَادٍ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَیۡہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۷۳﴾ ﴾

خ ن ز

(س) خَنِزَ: گوشت کا سڑا ہوا والا ہونا۔ بدبودار ہونا۔

خِنۡزِیۡرٌ: ج خَنَازِیۡرُ۔ گلے کی گلٹی۔ سور۔ ﴿ وَ جَعَلَ مِنۡہُمُ الۡقِرَدَۃَ وَ الۡخَنَازِیۡرَ ﴾ (5/ المائدہ:60)
''اور اس نے بنائے ان میں سے بندر اور سور۔''

ہ ل ل

(ن) ھَلًّا: نیا چاند ظاہر ہونا۔ قمری مہینہ شروع ہونا۔

ھِلَالٌ ج اَھِلَّۃٌ۔ ابتدائی اور آخری راتوں کا باریک چاند۔﴿یَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ الْاَھِلَّۃِ ؕ﴾(2/البقرہ:189)
’’یہ لوگ پوچھتے ہیں آپؐ سے باریک چاندوں کے بارے میں۔‘‘

(افعال) اِھْلَالًا نیا چاند دیکھ کر آواز دینا۔ پکارنا۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب

حَرَّمَ کا فاعل اس کی ھُوَ کی ضمیر ہے جو اللہ کے لیے ہے۔ عَلَیْکُمْ متعلق فعل ہے۔ اَلْمَیْتَۃَ ۔ اَلدَّمَ ۔ لَحْمَ الْخِنْزِیْرِ اور مَا، یہ سب حَرَّمَ کے مفعول ہیں۔ مَا موصولہ ہے، اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ اس کا صلہ ہے۔ مَنْ شرطیہ ہے۔ اُضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ شرط ہے جب کہ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْہِ جواب شرط ہے۔ اُضْطُرَّ باب افتعال کا ماضی مجہول ہے۔ غَیْرَ بَاغٍ حال ہے اس لیے مضاف غَیْرَ پر نصب آئی ہے اور بَاغٍ مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے حالتِ جر میں ہے۔ عَادٍ سے پہلے غَیْرَ محذوف ہے۔ اس لیے یہ حالت جرّ میں ہے اور یہ بھی حال ہے۔ فَلَآ اِثْمَ میں لائے نفی جنس ہے اس لیے اِثْمَ تنوین کے بغیر حالت نصب میں آیا ہے۔

وَالدَّمَ	الْمَیْتَۃَ	عَلَیْکُمُ	حَرَّمَ	اِنَّمَا
اور خون کو	مردار کو	تم لوگوں پر	اس نے حرام کیا	کچھ نہیں سوائے اس کے کہ

فَمَنِ	لِغَیْرِ اللّٰہِ ۚ	بِہٖ	اُھِلَّ	وَمَآ	وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ
پس جو	اللہ کے بغیر	جس پر	پکارا گیا	اور اس کو	اور سور کے گوشت کو

وَّلَا عَادٍ	غَیْرَ بَاغٍ	اضْطُرَّ
اور نہ حد سے گزرنے والا ہو	اس حال میں کہ نہ بغاوت کرنے والا ہو	لاچار کیا گیا

رَّحِیْمٌ	غَفُوْرٌ	اِنَّ اللّٰہَ	عَلَیْہِ ؕ	فَلَآ اِثْمَ
ہر حال میں رحم کرنے والا ہے	بے انتہا بخشنے والا ہے	یقیناً اللہ	اس پر	تو کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہے

نوٹ۔1

اس آیت میں وَمَآ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ کے الفاظ نسبتاً زیادہ غور طلب ہیں۔ مردار، خون اور سور کا نام لینے کے بعد کسی چیز کا نام نہیں لیا گیا بلکہ وَمَا (اور اس کو) کہا گیا جس کی وجہ سے اس میں عمومیت پیدا ہوگئی اور اس میں ہر وہ چیز (صرف جانور نہیں) شامل ہوجائے گی جس پر آیت کے اس حصے کا اطلاق ہوگا۔ اسی طرح اُھِلَّ (پکارا گیا) کے ساتھ نام کے لفظ کا صراحتاً ذکر نہیں کیا گیا۔ اس وجہ سے اس میں بھی عمومیت پیدا ہوئی اور اس میں نام پکارنے کے علاوہ دیگر نیتیں بھی شامل ہوگئیں۔ اس بنیاد پر علماء کرام چار صورتوں کو حرام قرار دیتے ہیں جس کی تفصیل معارف القرآن میں دی ہوئی ہے۔ ہم اُن چار صورتوں کی صرف نشاندہی کر دیتے ہیں۔

1۔ ایسا جانور جس کو ذبح کرتے وقت اللہ کے علاوہ کسی اور کا نام لیا جائے۔
2۔ ایسا جانور جس کو ذبح کرتے وقت نام تو اللہ کا لیا جائے لیکن اس سے مقصود غیر اللہ کا تقرب ہو۔
3۔ کسی جانور پر علامت لگا کر غیر اللہ کے تقرب اور تعظیم کے خیال سے چھوڑ دیا جائے اور اس سے کوئی

کام وغیرہ نہ لیا جائے، تو یہ عمل حرام ہے۔ البتہ کوئی دوسرا شخص ایسا کوئی جانور خرید کر اگر ذبح کر کے کھائے تو اس کے لیے حلال ہے۔

4۔ جانوروں کے علاوہ دوسری چیزیں مثلاً مٹھائی یا کھانا وغیرہ بھی حرام ہیں جن پر غیر اللہ کے نام کی نذر (منت) مانی گئی ہو۔

آیت نمبر (174)

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ يَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾﴾

ب ط ن

(ن) **بَطْنًا** چھپا ہوا ہونا۔ پوشیدہ ہونا۔ ﴿وَ لَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ ۚ﴾ (6/الانعام:151) ''اور تم لوگ قریب مت جاؤ بے حیائیوں کے، جو ظاہر ہوا اس سے اور جو پوشیدہ رہا۔''

بَاطِنٌ اسم الفاعل کے وزن پر صفت ہے۔ پوشیدہ ہونے والا یعنی پوشیدہ۔ ﴿وَ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ ؕ﴾ (6/الانعام:120) ''اور تم لوگ چھوڑ دو گناہ کے ظاہر کو اور اس کے پوشیدہ کو۔''

بِطَانَةٌ ج بَطَائِنُ ۔ راز دار۔ بھیدی۔ کپڑے کا استر۔ ﴿لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ﴾ (3/آل عمران:118) ''تم لوگ مت بناؤ کسی کو راز دار اپنوں کے سوا۔'' ﴿مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ﴾ (55/الرحمٰن:54) ''ٹیک لگائے ہوئے بچھونوں پر، ان کے استر بھڑکیلے ریشم کے ہوں گے۔''

بَطْنٌ ج بُطُوْنٌ۔ پیٹ۔ کسی وادی کا نشیبی حصہ۔ ﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ﴾ (24/النور:45) ''تو ان میں سے کوئی ہے جو چلتا ہے اپنے پیٹ کے بل۔'' ﴿وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ﴾ (48/الفتح:24) ''اور وہی ہے جس نے روکا ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے مکہ کے نشیب میں۔'' اس کی جمع بُطُوْن آیت زیرِ مطالعہ میں آئی ہے۔

ترکیب

يَكْتُمُوْنَ کا مفعول مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ہے۔ بِهٖ میں ہٖ کی ضمیر مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کے لیے ہے۔ مَا يَاْكُلُوْنَ سے النَّارَ تک جملہ منفی ہے اس لیے اِلَّا غیر مؤثر ہے اور يَاْكُلُوْنَ کا مفعول ہونے کی وجہ سے النَّارَ منصوب ہے۔

ترجمہ

اِنَّ الَّذِيْنَ	يَكْتُمُوْنَ	مَآ	اَنْزَلَ	اللّٰهُ	مِنَ الْكِتٰبِ
بے شک وہ لوگ جو	چھپاتے ہیں	اس کو جو	اُتارا	اللہ نے	کتاب میں سے

وَيَشْتَرُوْنَ	بِهٖ	ثَمَنًا قَلِيْلًا	اُولٰٓئِكَ	مَا يَاْكُلُوْنَ
اور وہ لوگ خریدتے ہیں	اس کے بدلے	تھوڑی قیمت	وہ لوگ	نہیں کھاتے

فِيْ بُطُوْنِهِمْ	اِلَّا	النَّارَ	وَلَا يُكَلِّمُهُمُ	اللّٰهُ	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
اپنے پیٹوں میں	مگر	آگ	اور کلام نہیں کرے گا ان سے	اللہ	قیامت کے دن

وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ	وَلَهُمْ	عَذَابٌ اَلِيْمٌ 355
اور نہ ان کا تزکیہ کرے گا	اور ان کے لیے ہے	ایک دردناک عذاب

نوٹ۔1

يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کی تفسیر نعیمی میں ان الفاظ سے وضاحت کی گئی ہے ''چھپانا یہ بھی ہے کہ کتاب کے مضمون پر کسی کو مطلع نہ ہونے دیا جائے۔'' آج کل ہمارے معاشرے میں کچھ لوگ درسِ قرآن میں جانے سے اور ترجمہ وتفسیر سے قرآن کا مطالعہ کرنے سے لوگوں کو روکتے ہیں اور یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ علم کتابوں میں نہیں ملتا۔ ایسے لوگوں کو ٹھنڈے دل سے سوچنا چاہیے کہ وہ کس جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

آیت نمبر (175)

﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝۱۷۵ ﴾

ترکیب

فَمَا میں اسم تعجب ہے اور مبتداء ہے۔ اَصْبَرَ فعل، اس کا فاعل اس میں شامل هُوَ کی ضمیر ہے جو مَا کے لیے ہے اور هُمْ اس کی ضمیر مفعولی ہے۔ اَصْبَرَ هُمْ جملہ فعلیہ مبتداء مَا کی خبر ہے اور عَلَى النَّارِ متعلق خبر ہے۔

ترجمہ

اُولٰٓئِكَ	الَّذِيْنَ	اشْتَرَوُا	الضَّلٰلَةَ	بِالْهُدٰى	وَالْعَذَابَ	بِالْمَغْفِرَةِ ۚ
وہی لوگ ہیں	جنہوں نے	خریدا	گمراہی کو	ہدایت کے بدلے	اور عذاب کو	مغفرت کے بدلے

فَمَآ	اَصْبَرَ	هُمْ	عَلَى النَّارِ
توکس چیز نے	صبر دیا	ان کو	آگ پر

نوٹ۔1

اُوپر ترکیب میں بتایا گیا ہے کہ مَا اسم تعجب ہے۔ اس سلسلہ میں یہ سمجھ لیں کہ مَآ اَفْعَلَهٗ اور اَفْعِلْ بِهٖ دو وزن ہیں جو اظہارِ تعجب کے لیے آتے ہیں اور ان کو ''تعجب کے دو صیغے'' (صِيْغَتَا التَّعَجُّبِ) کہتے ہیں۔ جیسے مَآ اَحْسَنَهٗ (کس چیز نے حسین بنایا اس کو) یا مَآ اَحْسَنَ رَشِيْدًا (کس چیز نے حسین بنایا رشید کو)۔ اس کی ترکیب اُوپر بتا دی گئی ہے اور لفظی ترجمہ بھی دے دیا گیا ہے لیکن اس کا مفہوم یہ ہے کہ رشید کتنا حسین ہے۔ اس طرح مَآ اَصْبَرَ هُمْ عَلَى النَّار کا مفہوم یہ ہے کہ وہ لوگ کتنے ثابت قدم ہیں آگ پر۔

اسی طرح اَحْسِنْ بِهٖ یا اَحْسِنْ بِرَشِيْدٍ میں اَحْسِنْ فعل امر ہے۔ بِ زائدہ ہے اور ہٖ ضمیر مفعولی ہے۔ بِرَشِيْدٍ میں بھی بِ زائدہ ہے اور رَشِيْدٍ مفعول ہے۔ اس طرح اس کا لفظی ترجمہ ہوگا کہ تو خوبصورتی دے اس کو یعنی تو خوبصورت سمجھ اس کو اور تو خوبصورتی دے رشید کو یا تو خوبصورت سمجھ رشید کو۔ لیکن مفہوم یہی ہے کہ رشید کتنا خوبصورت ہے۔

آیت نمبر (176)

﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۝۱۷۶ ع ﴾

| ب | ع | د |

355

(ک) بُعْدًا: دُور ہونا۔﴿وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ﴾ (9/التوبہ:42)''اور لیکن دور ہوئی ان پر مسافت۔''

(س) بَعْدًا: تباہ و برباد ہونا۔ ہلاک ہونا۔﴿اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴾ (11/ھود:95)''خبر دار! ہلاکت ہے اہلِ مدین کے لیے جیسے ہلاک ہوئے ثمود۔''

بَعِيْدٌ: فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ دور۔﴿ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴾ (22/الحج:12)''یہی دور کی گمراہی ہے۔''

بُعْدٌ: اسم ذات ہے۔ دوری یا فاصلہ۔ ہلاکت۔﴿يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ﴾ (43/الزخرف:38)''کاش میرے اور تیرے مابین دو مشرقوں کا فاصلہ ہوتا''۔ ہلاکت کے مفہوم کے لیے اوپر آیت نمبر ۱۱/۹۵ دیکھیں۔

بَعْدُ: ظرف زمان ہے۔ کسی کے پیچھے یا بعد۔ یہ زیادہ تر مضاف بن کر آتا ہے۔ اگر اس کا مضاف الیہ مذکور ہو تو ظرف ہونے کی وجہ سے بَعْدَ آتا ہے اور اگر محذوف ہو تو پھر یہ مبنی بر ضمہ (بَعْدُ) ہوتا ہے۔ ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا﴾ (۳/آل عمران:8)''اے ہمارے رب! تو ٹیڑھا مت کر ہمارے دلوں کو اس کے بعد کہ تو نے ہدایت دی ہم کو۔''﴿ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ (2/البقرہ:52) ''پھر ہم نے معاف کیا تم لوگوں کو اس کے بعد۔''﴿لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ﴾ (30/الروم:4)''اللہ کے لیے ہی ہیں سب کام اس سے پہلے اور اس کے بعد۔''

(افعال) اِبْعَادًا: دور کرنا۔ دور رکھنا۔

مُبْعَدٌ: اسم المفعول ہے۔ دور کیا ہوا۔ دور رکھا ہوا۔﴿اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴾ (21/الانبیاء:101)''بیشک جن لوگوں کے لیے آگے آئی ہماری طرف سے نیکی وہ لوگ اس سے دور رکھے جائیں گے۔''

(مفاعلہ) مُبَاعَدَةً: کسی کو کسی سے دور کرنا۔

بَاعِدْ: فعل امر ہے۔ تو دور کر دے۔﴿رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا﴾ (34/سبا:19)''اے ہمارے رب! تو دور کر دے یعنی دراز کر دے ہمارے سفروں کے درمیان کو۔''

ترکیب

ذٰلِكَ کا اشارہ گذشتہ آیت میں مذکور عذاب کی طرف ہے۔ بِاَنَّ کا بِ سببیہ ہے۔ اَنَّ کا اسم لفظ اَللّٰهَ ہے، اس لیے منصوب ہے۔ نَزَّلَ الْكِتٰبَ جملہ فعلیہ اَنَّ کی خبر ہے۔ اس لیے ترجمہ میں لفظ ''ہے'' کا اضافہ ہوگا۔ بِالْحَقِّ متعلق خبر ہے۔ اَلَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ، یہ پورا جملہ اِنَّ کا اسم ہے، اس کی خبر محذوف ہے۔ جو قَآئِمٌ ہو سکتی ہے۔ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ قائم مقام خبر ہے۔

ترجمہ

ذٰلِكَ	بِاَنَّ	اللّٰهَ	نَزَّلَ	الْكِتٰبَ	بِالْحَقِّ	وَاِنَّ
وہ	اس سبب سے کہ	اللہ نے	اُتارا ہے	کتاب کو	حق کے ساتھ	اور یقیناً

الَّذِيْنَ	اخْتَلَفُوْا	فِي الْكِتٰبِ	لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ
جن لوگوں نے	اختلاف کیا	کتاب میں	وہ لوگ دور کی مخالفت میں ہیں

نوٹ۔1

اہل کتاب نے اللہ کے دین کو اتنا مسخ کردیا تھا کہ یہ معلوم کرنا ممکن نہ رہا کہ حلال کیا ہے، حرام کیا ہے، اور حق کیا ہے، باطل کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کرکے حق و باطل کو پوری طرح واضح کردیا۔ دور کی مخالفت سے مراد یہ ہے کہ انسان کسی چیز کی مخالفت میں اتنی دور نکل جائے کہ اسے اپنے نفع و نقصان کا بھی ہوش نہ رہے اور وہ مغفرت کو چھوڑ کر عذاب خریدنے لگے۔

آیت نمبر (177)

﴿ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ ﴾

ی ت م

(س) يَتَمًا: چھوٹے بچے کا والدین کی شفقت سے محروم ہونا۔

يَتِيْمٌ: ج يَتَامٰى ۔ فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے انسانوں میں ایسا بچہ جس کا باپ مر گیا ہو۔ جانوروں میں ایسا بچہ جس کی ماں مرگئی ہو۔ آیت زیر مطالعہ۔

س ب ل

(ن) سَبْلًا: لٹکنا۔ بہنا۔ رواں دواں ہونا۔

سَبِيْلٌ: جمع سُبُلٌ ۔ فَعِيْلٌ کا وزن ہے۔ متعدد معانی میں آتا ہے۔

(۱) آسان راستہ۔ کھلی سڑک۔ ﴿ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ ﴾ (15/الحجر:76) ''اور یقیناً وہ یعنی بستی ایک مستقل سڑک پر واقع ہے۔'' ﴿ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا ﴾ (43/الزخرف:10) ''جس نے بنایا تمہارے لیے زمین کو فرش اور اس نے بنائے تمہارے لیے اس میں راستے۔'' (۲) راہ۔ طریقہ (کسی نظریہ یا ضابطہ کے مطابق عمل کرنے کا طریقہ۔'' ﴿ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى ﴾ (4/النساء:115) ''اور جس نے پیروی کی مومنوں کے طریقے کے علاوہ، تو ہم پھیر دیں گے اس کو اُدھر جدھر وہ پھرا۔'' ﴿ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾ ﴾ (6/الانعام:55) ''اور تاکہ واضح ہو جائے مجرموں کا طریقہ۔'' ﴿ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ ﴾ (14/ابراہیم:12) ''اور ہمیں کیا ہے کہ ہم توکل نہ کریں اللہ پر اس حال میں کہ اس نے ہمیں راہنمائی دی ہے ہمارے طریقوں کی۔''

(۳) راہ۔ ذریعہ۔ (کسی تک پہنچنے یا خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ)۔ ﴿ وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ (2/البقرہ:195) ''اور تم لوگ خرچ کرو اللہ کی راہ میں۔'' ﴿ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ ﴾ (29/العنکبوت:69) ''اور جن لوگوں نے جدوجہد کی ہمارے لیے ان کی ہم لازماً راہنمائی کریں گے اپنی راہوں کی۔''

(۴) الزام۔ (کسی پر گرفت حاصل کرنے کا ذریعہ)۔ ﴿مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ﴾ 355
(9/التوبہ:91)''محسنوں پر کوئی الزام نہیں ہے۔''

ر ق ب

(ن) **رَقُوْبًا**: نگہبانی کرنا۔ انتظار کرنا۔ کسی بات کا لحاظ کرنا۔ ﴿لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً﴾ (9/التوبہ:10) ''وہ لوگ لحاظ نہیں کرتے کسی مومن سے قرابت داری کا اور نہ ذمہ داری کا۔''

رَقِيْبٌ: فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ نگبانی کرنے والا۔ نگہبان۔ ﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿۱۸﴾﴾ (50/قٓ:18) ''منھ سے نہیں نکلتی کوئی بات مگر یہ کہ اس کے پاس ہے ایک چوکس نگہبان۔''

رَقَبَةٌ: ج رِقَابٌ۔ اسم ذات ہے۔ گردن (کیونکہ گردن کو مختلف سمت میں گردش دے کر انسان نگہبانی کرتا ہے)۔ ﴿فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ﴾ (5/المائدہ:89) ''تو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے اس کے اوسط سے جو تم لوگ کھلاتے ہو اپنے گھر والوں کو یا ان کو (دس مسکینوں کو) کپڑا پہنانا ہے یا کسی گردن کا آزاد کرنا ہے۔'' تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ کسی غلام کو آزاد کرانے کے لیے عربی محاورہ ہے۔ ﴿فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ﴾ (47/محمد:4) ''پس جب تم لوگ مقابل ہو ان کے جنہوں نے کفر کیا تو گردنوں کا مارنا ہے۔''

(تفعّل) **تَرَقُّبًا**: کسی چیز سے بچنے کے لیے خود اپنی نگہبانی کرنا۔ چوکنا ہونا۔ ﴿فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ﴾ (28/القصص:21) ''تو وہ نکلا وہاں سے ڈرتے ہوئے، اپنی نگہبانی کرتے۔''

(افتعال) **اِرْتِقَابًا**: اہتمام سے انتظار کرنا۔

اِرْتَقِبْ: فعل امر ہے۔ تو انتظار کر۔ ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۰﴾﴾ (44/الدخان:10) ''پس تو انتظار کر اس دن کا جب آسمان لائے گا ایک واضح دھواں۔''

اسم الفاعل ہے۔ انتظار کرنے والا۔ ﴿فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿۵۹﴾﴾ (44/الدخان:59) ''پس تو انتظار کر، بے شک وہ لوگ بھی انتظار کرنے والے ہیں۔''

ترکیب

اُستادِ محترم پروفیسر حافظ احمد یار صاحب مرحوم کی یہ رائے ہے، اور میرا ذہن اسی کو ترجیح دیتا ہے، کہ اَنْ تُوَلُّوْا سے وَالْمَغْرِبِ تک پورا جملہ لَيْسَ کا اسم ہے، جب کہ اَلْبِرَّ اس کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اسے تاکید کے لیے مقدم کیا گیا ہے اور اس پر لام جنس ہے۔ اَنْ کی وجہ سے تُوَلُّوْا مضارع منصوب ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے، وُجُوْهَكُمْ مفعول ہے اور قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ متعلق فعل ہے۔

لٰكِنَّ کا اسم ہونے کی وجہ سے اَلْبِرَّ منصوب ہے اور مَنْ اس کی خبر ہے۔ یہ مَنْ موصولہ ہے اور اٰمَنَ بِاللّٰهِ سے اِذَا عَاهَدُوْا تک کے جملے اس کا صلہ ہیں۔ اَلْيَوْمَ سے اَلنَّبِيّٖنَ تک تمام الفاظ سے پہلے حرف جر ''بِ'' محذوف ہے اس لیے یہ سب مجرور ہیں۔

اٰتَی سے پہلے مَنْ محذوف ہے۔ اَلْمَالَ اس کا مفعول اوّل ہے۔ عَلٰی حُبِّہٖ متعلق فعل ہے اور 355 میں بہٖ کی ضمیر اَلْمَالَ کے لیے ہے۔ ذَوِی الْقُرْبٰی سے فِی الرِّقَابِ تک اٰتَی کے مفعول ثانی ہیں۔ اسی طرح اَقَامَ الصَّلٰوۃَ۔ اٰتَی الزَّکٰوۃَ اور اَلْمُوْفُوْنَ سے پہلے بھی مَنْ محذوف ہے۔

ترجمہ

لَیْسَ الْبِرَّ	اَنْ تُوَلُّوْا	وُجُوْھَکُمْ	قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ
کل نیکی یہی نہیں ہے	کہ تم لوگ پھیرلو	اپنے چہروں کو	مغرب اور مشرق کی طرف

وَلٰکِنَّ	الْبِرَّ	مَنْ	اٰمَنَ	بِاللّٰہِ	وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ
اور لیکن (بلکہ)	نیکی	اس کی ہے جو	ایمان لایا	اللہ پر	اور آخری دن پر

وَالْمَلٰٓئِکَۃِ	وَالْکِتٰبِ	وَالنَّبِیّٖنَ ج	وَاٰتَی	الْمَالَ	عَلٰی حُبِّہٖ
اور فرشتوں پر	اور کتاب پر	اور نبیوں پر	اور (جس نے) دیا	مال	اس کی محبت کے باوجود

ذَوِی الْقُرْبٰی	وَالْیَتٰمٰی	وَالْمَسٰکِیْنَ	وَابْنَ السَّبِیْلِ لا
قرابت داروں کو	اور یتیموں کو	اور مسکینوں کو	اور راستے کے بیٹے (مسافر) کو

وَالسَّآئِلِیْنَ	وَفِی الرِّقَابِ ج	وَاَقَامَ	الصَّلٰوۃَ
اور مانگنے والوں کو	اور غلاموں کو آزاد کرانے میں	اور (جس نے) قائم کیا	نماز کو

وَاٰتَی	الزَّکٰوۃَ ج	وَالْمُوْفُوْنَ	بِعَھْدِھِمْ	اِذَا
اور (جس نے) پہنچایا	زکوٰۃ کو	اور (جو) پورا کرنے والے ہیں	اپنے عہد کو	جب بھی

عٰھَدُوْا ج	وَالصّٰبِرِیْنَ	فِی الْبَاْسَآءِ
وہ لوگ باہمی معاہدہ کریں	اور ثابت قدم رہنے والے	(فقر و فاقہ کی) سختیوں میں

وَالضَّرَّآءِ	وَحِیْنَ الْبَاْسِ ط	اُولٰٓئِکَ	الَّذِیْنَ
اور تکالیف میں	اور گھمسان کی جنگ کے وقت	یہ	وہ لوگ ہیں جنہوں نے

صَدَقُوْا ط	وَاُولٰٓئِکَ	ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ
سچ کر دکھایا (نیکی کو)	اور یہ لوگ	ہی متقی ہیں

نوٹ۔1

آیت نمبر۔ ۲/ ۲ کے نوٹ۔ ۱ میں وضاحت کی جا چکی ہے کہ عربی میں کسی قریبی چیز کی بلندی اور عظمت کے اظہار کے لیے اشارہ قریب کے بجائے اشارہ بعید استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی لحاظ سے اس آیت میں اُولٰٓئِكَ کا ترجمہ ''وہ'' کے بجائے ''یہ'' کیا گیا ہے۔

نوٹ۔2

آسان عربی گرامر حصہ اوّل کے پیراگراف ۷:۱۹ میں آپ کو بتایا گیا تھا کہ لفظ ذُوْ (والا) جب مضاف بن کر آتا ہے تو رفع۔نصب اور جرّ میں یہ ذُوْ۔ ذَا۔ ذِی استعمال ہوتا ہے۔اب نوٹ کر لیں کہ اس کی جمع رفع میں ذَوُوْ اور نصب وجر دونوں میں ذَوِیْ آتی ہے۔اس آیت میں مفعول ہونے کی وجہ سے ذَوِی منصوب ہے۔

نوٹ۔3

یہ آیت تحویلِ قبلہ کے حکم کا تتمہ ہے۔اس حکم سے ذہنوں میں جو اُلجھن پیدا ہوئی تھی اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انسان نیکی کے کسی جز کو ہی کل نیکی سمجھ بیٹھتا ہے۔اس آیت میں اسی غلطی کی نشاندہی کرنے کے بعد کل نیکی کی تعریف (definition) بیان کر دی گئی ہے۔

آیت نمبر (178)

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی ؕ فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۷۸﴾ ﴾

ق ص ص

(ن) قَصًّا اور قَصَصًا: کسی چیز کو قینچی سے کاٹنا۔اس بنیادی مفہوم کے ساتھ زیادہ تر دو مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔(۱) کوئی واقعہ یا قصہ بیان کرنا۔سنانا۔(۲) کسی کے نقوش یا آثار پر چلنا۔پیچھا کرنا۔﴿ وَعَلَى الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَیْكَ مِنْ قَبْلُ ﴾ (16/النحل:118) ''اور ان لوگوں پر جو یہودی ہوئے ہم نے حرام کیا اس کو جو ہم نے سنایا آپؐ کو اس سے پہلے۔'' ﴿ فَارْتَدَّا عَلٰٓی اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾ ﴾ (18/الکھف:64) ''تو وہ دونوں واپس ہوئے اپنے نقشِ قدم پر پیچھا کرتے ہوئے۔''

قُصَّ اور اُقْصُصْ: فعل امر ہے (مضاعف میں فعل امر ادغام کے ساتھ اور ادغام کے بغیر، دونوں طرح استعمال ہوتا ہے)۔تو سنا۔تو پیچھا کر۔﴿ قَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّیْهِ ﴾ (28/القصص:11) ''اور انہوں نے کہا ان کی بہن سے تو پیچھا کر ان کا۔'' ﴿ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ ﴾ (7/الاعراف:176) ''پس آپؐ بیان کریں واقعات شائد وہ لوگ غور و فکر کریں۔''

قِصَّةٌ: ج قَصَصٌ۔ اسم ذات ہے۔ واقعہ۔ قصہ۔ ﴿ لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ ﴾ (12/یوسف:111) ''یقیناً ان کے قصوں میں ایک عبرت ہے۔''

قِصَاصٌ: کسی جرم یا کسی کا بدلہ۔(یعنی کام کے آثار کا پیچھا کرتے ہوئے کام کرنے والے تک پہنچنا تا کہ اس کے ساتھ بھی وہی کام کیا جائے)۔آیت زیر مطالعہ۔

ح ر ر

(س) حَرَارًا: آزاد ہونا۔

355

(ن۔ض) حَرَارَةً — گرم ہونا۔

حُرٌّ — صفت ہے۔آزاد۔آیت زیر مطالعہ۔

حَرٌّ — اسم ذات ہے۔گرمی ﴿ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ ﴾ (9/التوبہ:81)''اوران لوگوں نے کہا کہ تم لوگ مت نکلو گرمی میں۔''

حَرُوْرٌ — فَعُوْلٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔سخت گرمی۔لُو۔تیز دھوپ۔﴿ وَ لَا الظِّلُّ وَ لَا الْحَرُوْرُ ﴾ (35/فاطر:21)''اور نہ سایہ اور نہ تیز دھوپ۔''

حَرِیْرٌ — فَعِیْلٌ کا وزن ہے۔باریک ریشم۔﴿ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴾ (22/الحج:23)''اوران کا لباس ہے اس میں باریک ریشم۔''

(تفعیل) تَحْرِیْرًا — کسی کو آزاد کرنا۔﴿ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ﴾ (4/النساء:92)''تو ایک مومن گردن یعنی غلام کا آزاد کرنا۔''

مُحَرَّرٌ — اسم المفعول ہے۔آزاد کیا ہوا۔﴿ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا ﴾ (3/آل عمران:35)''اے میرے رب!میں نے نذر کیا تیرے لیے اس کو جو میرے پیٹ میں ہے آزاد کیا ہوا۔''

ء ن ث

(ک) اَنَثًا — نرم وملائم ہونا۔مادہ ہونا۔عورت ہونا۔

اُنْثٰی — ج اِنَاثٌ فُعْلٰی کا وزن ہے۔مادہ۔مؤنث۔﴿ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ﴾ (4/النساء:117)''وہ لوگ نہیں پکارتے اس کے یعنی اللہ کے علاوہ مگر کچھ عورتوں کو۔''

ء د ی

(ض) اَدْیًا — کسی کا حق پہچاننا۔حق دینا۔

اَدَاءٌ — اسم ذات ہے۔ادائیگی۔واپسی۔آیت زیر مطالعہ۔

(تفعیل) تَاْدِیَةً — حق دار کو اس کا حق واپس کرنا۔﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ﴾ (3/آل عمران:75)''اور ان میں وہ بھی ہے جو کہ اگر تو امانت رکھے اس کے پاس ایک دینار تو وہ واپس نہیں کرے گا اس کو تیری طرف۔''

اَدِّ — فعل امر ہے۔تو واپس کر۔﴿ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ ﴾ (44/الدخان:18)''کہ تم لوگ واپس کرو میری طرف اللہ کے بندوں کو۔''

ترکیب

کُتِبَ ماضی مجہول ہے،اَلْقِصَاصُ اس کا نائب فاعل ہے جب کہ عَلَیْکُمْ اور فِی الْقَتْلٰی متعلق فعل ہیں۔اَلْحُرُّ۔وَالْعَبْدُ اور وَالْاُنْثٰی، تینوں مبتداء ہیں۔ان کی خبریں قِصَاصٌ محذوف ہیں جب کہ بِالْحُرِّ۔ بِالْعَبْدِ اور بِالْاُنْثٰی متعلق خبر تھیں جواب قائم مقام خبر ہیں۔فَمَنْ مبتداء ہے اور عُفِیَ سے شَیْءٌ تک جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے۔عُفِیَ ماضی مجہول ہے،شَیْءٌ اس کا نائب فاعل ہے جب کہ لَهٗ اور مِنْ اَخِیْهِ متعلق فعل ہیں۔لَهٗ میں ہٗ کی ضمیر مَنْ کے لیے ہے جو قاتل کے لیے آیا ہے۔اَخِیْ کا لفظ مقتول کے ولی کے لیے ہے اور اس کے ساتھ ہٖ کی ضمیر مَنْ یعنی قاتل کے لیے ہے۔فَاتِّبَاعٌ اور اَدَاءٌ مبتداء نکرہ ہیں کیونکہ عام قاعدے کا بیان ہے۔ان دونوں کی خبر محذوف ہے جو وَاجِبٌ یا لَازِمٌ ہو سکتی ہے۔بِالْمَعْرُوْفِ۔اِلَیْهِ اور بِاِحْسَانٍ متعلق خبر ہیں۔اِلَیْهِ میں ہٖ کی ضمیر اَخِیْ یعنی مقتول کے ولی کے لیے ہے۔ذٰلِكَ مبتداء ہے۔تَخْفِیْفٌ اس کی خبر اوّل ہے اور رَحْمَةٌ خبر ثانی ہے جب کہ مِنْ رَّبِّکُمْ متعلق خبر ہیں۔فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِكَ شرط ہے اور فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ جواب شرط ہے۔

355

ترجمہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	كُتِبَ	عَلَيْكُمُ	الْقِصَاصُ	فِي الْقَتْلٰى ؕ
اے لوگو جو ایمان لائے ہو	فرض کیا گیا	تم لوگوں پر	بدلہ	مقتولوں میں (یعنی مقتولوں کا)

اَلْحُرُّ	بِالْحُرِّ	وَالْعَبْدُ	بِالْعَبْدِ	وَالْاُنْثٰى	بِالْاُنْثٰى ؕ
(قاتل) آزاد ہے (تو بدلہ ہے)	آزاد سے	اور غلام ہے	(تو) غلام سے	اور عورت ہے	(تو) عورت سے

فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ	مِنْ اَخِيْهِ	شَيْءٌ
پس جس کے لیے معاف کی گئی	اس کے بھائی (کی طرف) سے	کوئی چیز

فَاتِّبَاعٌۢ	بِالْمَعْرُوْفِ	وَاَدَآءٌ	اِلَيْهِ	بِاِحْسَانٍ ؕ
تو پیروی کرنا ہے	بھلے طریقے سے	اور ادائیگی ہے	اس کی طرف	خوبصورت انداز سے

ذٰلِكَ	تَخْفِيْفٌ	مِّنْ رَّبِّكُمْ	وَرَحْمَةٌ ؕ	فَمَنِ اعْتَدٰى
یہ	ہلکا کرنا ہے	تمہارے رب (کی جانب) سے	اور رحمت ہے	پس جو زیادتی کرے گا

بَعْدَ ذٰلِكَ	فَلَهٗ	عَذَابٌ اَلِيْمٌ
اس کے بعد	تو اس کے لیے	ایک دردناک عذاب ہے

نوٹ۔1

مادہ ''ق ت ل'' کی لغت آیت ۲ / ۷۲ کے تحت دی گئی ہے۔ وہاں پر لفظ قَتْلٰى سہواً رہ گیا تھا۔ اب نوٹ کر لیں کہ فَعِيْلٌ کے وزن پر قَتِيْلٌ بمعنی مقتول آتا ہے اور اس کی جمع قَتْلٰى ہے۔

نوٹ۔2

عرب کے دو قبائل میں جنگ ہوئی جس میں طرفین کے بہت سے آدمی، آزاد۔ غلام اور عورتیں قتل ہو گئے۔ ابھی ان کا تصفیہ ہونے نہیں پایا تھا کہ دونوں قبیلوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد قصاص لینے کی بات شروع ہوئی تو بڑے قبیلے نے کہا کہ ہم اس وقت تک راضی نہ ہوں گے۔ جب تک ہمارے غلام کے بدلے دوسرے کا آزاد آدمی اور عورت کے بدلے میں مرد قتل نہ کیا جائے۔

اس مطالبہ کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى۔ اسلام نے اپنا عادلانہ قانون یہ نافذ کر دیا کہ جس نے قتل کیا ہے وہی قصاص میں قتل کیا جائے۔ قاتل اگر عورت یا غلام ہے تو اس کے بدلے میں کسی بے گناہ آزاد کو قتل کرنا ظلم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آیت کا حاصل اس کے سوا کچھ نہیں کہ جس نے قتل کیا ہے وہی قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ (منقول از معارف القرآن)۔

معارف القرآن، تفہیم القران اور دیگر تفاسیر کے مطالعہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ آیت کے مذکورہ حصہ میں اصل حکم یہ ہے کہ یہ مت دیکھو کہ مقتول کون ہے۔ وہ خواہ آزاد ہو یا غلام ہو یا عورت ہو، بہر صورت قاتل کو گرفتار کرنا اسلامی اجتماعیت (يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا) یعنی حکومت پر اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے۔ پھر جب قاتل پر جرم ثابت ہو جائے تو یہ مت دیکھو کہ قاتل آزاد ہے یا غلام ہے یا عورت ہے، بہر صورت بدلے میں اس کو قتل کرنا حکومت پر فرض کیا گیا ہے۔ کسی صدر مملکت، حتیٰ کہ کسی ''اسلامی

جمہوریہ'' کے صدر مملکت کو بھی یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ کسی قاتل کو معاف کردے۔ یہ اختیار صرف مقتول کے وارثوں کو حاصل ہے۔
اس پر اجماعِ اُمّت ہے کہ مقتول کے وارثوں کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ خود قاتل سے[355] بدلہ لیں۔ اس کے لیے حکومت سے رجوع کرنا لازمی ہے۔ پھر اگر وہ قاتل کو معاف نہیں کرتے تو حکومت اس کو پھانسی دے گی۔

آیت نمبر (179)

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٧٩﴾﴾

ل ب ب

(ن) لَبًّا کسی چیز کا جوہر نکالنا۔ بادام یا اخروٹ وغیرہ کی گری نکالنا۔
لَبَبًا عقلمند ہونا۔ (انسان کا جوہر اس کی عقل ہے)۔
لُبٌّ ج اَلْبَابٌ۔ اسم ذات ہے۔ خالص عقل۔ (جو آمیزش یعنی وہم اور جذبات وغیرہ سے پاک ہو)۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب

حَيٰوةٌ مبتداء مؤخر نکرہ ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے۔ لَكُمْ قائم مقام خبر مقدم ہے جب کہ فِي الْقِصَاصِ متعلق خبر ہے۔ اُولِي مضاف ہے اور حرفِ ندا یَا کی وجہ سے منصوب ہے اور اَلْاَلْبَابِ مضاف الیہ ہے۔

ترجمہ

وَلَكُمْ	فِي الْقِصَاصِ	حَيٰوةٌ	يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ	لَعَلَّكُمْ
اور تم لوگوں کے لیے	(قتل کے) بدلے میں	زندگی ہے	اے عقل والو	شائد کہ تم لوگ

تَتَّقُوْنَ
تقویٰ اختیار کرو

آیت نمبر (180)

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٨٠﴾ۭ﴾

ترکیب

اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اور اِنْ تَرَكَ خَيْرًا شرط ہے۔ باقی آیت جواب شرط ہے۔ كُتِبَ ماضی مجہول ہے اور اس کا نائب فاعل اَلْوَصِيَّةُ ہے۔ عَلَيْكُمْ اور لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ متعلق فعل ہیں جب کہ حَقًّا حال ہے كُتِبَ الْوَصِيَّةُ کا۔

ترجمہ

كُتِبَ	عَلَيْكُمْ	اِذَا	حَضَرَ	اَحَدَكُمُ	الْمَوْتُ	اِنْ
فرض کیا گیا	تم لوگوں پر	جب کبھی	سامنے آئے	تم میں کے کسی ایک کو	موت	(اور) اگر

تَرَكَ	خَيْرًا ۖۚ	اِلْوَصِيَّةُ	لِلْوَالِدَيْنِ	وَالْاَقْرَبِيْنَ

اس نے چھوڑا	کچھ مال	وصیت کو	والدین کے لیے	اور قرابت داروں کے لیے

355

بِالۡمَعۡرُوۡفِ ۚ	حَقًّا	عَلَى الۡمُتَّقِيۡنَ
دستور کے مطابق	حق ہوتے ہوئے	متقی لوگوں پر

نوٹ۔1

سورۃ النساء میں آیات میراث کے نزول کے بعد ورثاء کے لیے وصیت کرنا فرض نہیں رہا۔ البتہ غیر ورثاء کے لیے ایک تہائی مال کے اندر اندر وصیت کی جاسکتی ہے۔ دو تہائی مال ورثاء میں لازماً تقسیم ہوگا۔

آیت نمبر (2/ البقرہ: 181)

﴿فَمَنۡۢ بَدَّلَهٗ بَعۡدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثۡمُهٗ عَلَى الَّذِيۡنَ يُبَدِّلُوۡنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ؕ﴿۱۸۱﴾﴾

ترکیب

مَنۡ شرطیہ ہے۔ بَدَّلَهٗ بَعۡدَ مَا سَمِعَهٗ شرط ہے اور فَاِنَّمَا سے يُبَدِّلُوۡنَهٗ تک جواب شرط ہے۔ بَدَّلَهٗ۔ سَمِعَهٗ اور يُبَدِّلُوۡنَهٗ میں ہٗ کی مذکر ضمیریں اَلۡوَصِيَّةُ کے لیے آئی ہیں جو کہ مؤنث ہے۔ یہ ایک غیر معمولی بات ہے لیکن سیاق وسباق کا تقاضہ ہے کہ ان ضمیروں کو اَلۡوَصِيَّةُ کے لیے ہی مانا جائے۔ اس کا جواز تلاش کرنے سے بہتر ہے کہ اس صورتحال کو ہم قرآن مجید کے ایک استثناء کے طور پر قبول کرلیں۔ اِثۡمُهٗ میں ہٗ کی ضمیر بَدَّلَ کے مصدر تَبۡدِيۡلٌ کے لیے ہے۔

ترجمہ

فَمَنۡۢ	بَدَّلَهٗ	بَعۡدَ مَا	سَمِعَهٗ	فَاِنَّمَآ
پس جس نے	تبدیل کیا اس کو	اس کے بعد کہ جو	اس نے سنا اس کو	تو کچھ نہیں سوائے اس کے کہ

اِثۡمُهٗ	عَلَى الَّذِيۡنَ	يُبَدِّلُوۡنَهٗ ؕ	اِنَّ اللّٰهَ	سَمِيۡعٌ	عَلِيۡمٌ
اس کا گناہ	ان لوگوں پر ہے جو	تبدیل کرتے ہیں اس کو	یقیناً اللہ	سننے والا ہے	جاننے والا ہے

آیت نمبر (182)

﴿فَمَنۡ خَافَ مِنۡ مُّوۡصٍ جَنَفًا اَوۡ اِثۡمًا فَاَصۡلَحَ بَيۡنَهُمۡ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۸۲﴾ ع﴾

ج ن ف

(س) جَنَفًا: راستہ سے ہٹ جانا۔ فیصلے میں جانبداری کرنا۔

جَنَفٌ: اسم ذات ہے۔ جانبداری۔ معروف سے انحراف۔ آیت زیر مطالعہ۔

(تفاعل) تَجَانُفًا: کسی کی طرف مائل ہونا۔ جھکنا۔

مُتَجَانِفٌ: اسم الفاعل ہے۔ مائل ہونے والا۔ جھکنے والا۔ ﴿فَمَنِ اضۡطُرَّ فِىۡ مَخۡمَصَةٍ غَيۡرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثۡمٍ ۙ﴾ (5/ المائدہ: 3) ”پس جو لاچار ہوجائے بھوک میں جھکنے والا نہ ہوتے ہوئے گناہ کی طرف“

ترکیب

مَنْ شرطیہ ہے۔ خَافَ سے بَيْنَهُمْ تک شرط ہے اور فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ جواب شرط ہے۔ مِنْ مُّوْصٍ متعلق فعل ہے جب کہ جَنَفًا اور اِثْمًا دونوں خَافَ کا مفعول ہیں۔ فَاَصْلَحَ کا مفعول اَلْوَصِيَّةَ محذوف ہے۔ بَيْنَهُمْ میں هُمْ کی ضمیر ان لوگوں کے لیے ہے جن کے لیے وصیت کی گئی ہے۔ اِثْمَ سے پہلے لائے نفی جنس ہے۔

ترجمہ

اَوْ اِثْمًا	جَنَفًا	مِنْ مُّوْصٍ	خَافَ	فَمَنْ
یا کسی گناہ کا	جانبداری کا	کسی وصیت کرنے والے سے	اندیشہ ہو	پس جس کو

عَلَيْهِ ؕ	فَلَآ اِثْمَ	بَيْنَهُمْ	فَاَصْلَحَ
اس پر	تو کوئی گناہ نہیں ہے	ان لوگوں کے مابین	پھر اس نے درست کر دیا (یعنی دستور کے مطابق کر دیا)

رَّحِيْمٌ	غَفُوْرٌ	اِنَّ اللّٰهَ
ہمیشہ رحم کرنے والا ہے	بے انتہا بخشنے والا ہے	یقیناً اللہ

نوٹ۔1

اگر کسی صویت میں جانبداری کا پہلو ہو تو گواہوں کی طرف سے اس میں اصلاح کی کوشش وصیت تبدیل کرنے کے ضمن میں نہیں آئے گی جس کی گذشتہ آیت میں ممانعت کی گئی ہے۔ البتہ گواہوں کو خود وصیت میں اصلاح کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ اگر موقع ہو تو وصیت سنتے وقت وصیت کرنے والے کو اس میں اصلاح پر آمادہ کرے۔ بصورتِ دیگر وصیت صحیح بیان کرنے کے بعد وارثوں کی باہمی رضامندی سے اس میں اصلاح کرائے۔

آیت نمبر (183)

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٨٣﴾ ﴾

ص و م

(ن) صِيَامًا: کسی کام سے رُک جانا۔ روزہ رکھنا۔ ﴿ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ﴾ (2/البقرہ: 184) ''اور یہ کہ تم لوگ روزہ رکھو، زیادہ بہتر ہے تم لوگوں کے لیے۔''

صَوْمٌ: اسم ذات ہے (واحد اور جمع دونوں کے لیے)۔ کسی سے رک جانے کا عہد۔ روزہ۔

(ن) ﴿ اِنِّىْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿٢٦﴾ ﴾ (19/مریم: 26) ''میں نے منت مانگی الرحمن کے لیے ایک روزے کی۔ پس میں ہرگز بات نہیں کروں گی آج کسی انسان سے۔''

صَائِمٌ: فَاعِلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ روزہ رکھنے والا۔ روزہ دار۔ ﴿ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ ﴾ (33/الاحزاب: 35) ''اور روزے دار مرد اور روزے دار عورتیں۔''

ترکیب

يٰٓاَيُّهَا ندا اور الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا منادیٰ ہے۔ كُتِبَ ماضی مجہول ہے اور الصِّيَامُ اس کا نائب فاعل ہے جب عَلَيْكُمْ متعلق فعل ہے۔

ترجمہ

كُتِبَ	كَمَا	الصِّيَامُ	عَلَيْكُمْ	كُتِبَ	اٰمَنُوْا	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اے لوگوں جو	ایمان لائے	فرض کیا گیا	تم لوگوں پر	روزہ رکھنے کو	جیسا کہ	فرض کیا گیا

355

عَلَى الَّذِيْنَ	مِنْ قَبْلِكُمْ	لَعَلَّكُمْ	تَتَّقُوْنَ
ان لوگوں پر جو	تم سے پہلے تھے	شائد کہ تم لوگ	تقویٰ اختیار کرو

آیت نمبر (184)

﴿ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ وَعَلَي الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ۭ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ۭ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ١٨٤﴾

س ف ر

(ن) سَفْرًا: کسی چیز سے پردہ اُٹھانا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً (۱) لکھنا۔ حقائق سے پردہ اُٹھانا۔ (۲) سفر پر روانہ ہونا۔ راستوں سے پردہ اُٹھانا۔

سَفَرٌ: ج اَسْفَارٌ۔ اسم ذات ہے۔ سفر۔ آیت زیر مطالعہ۔ ﴿ رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا ﴾ (34/سبا:19) ''اے ہمارے رب! تو دراز کردے ہمارے سفروں کے درمیان یعنی منزلوں کو۔''

سِفْرٌ: ج اَسْفَارٌ۔ اسم ذات ہے۔ کتاب۔ ﴿ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ ﴾ (62/الجمعۃ:5) ''اس گدھے کی مثال کی مانند ہے جو اُٹھاتا ہے کتابیں۔''

سَافِرٌ: ج سَفَرَةٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ لکھنے والا۔ ﴿ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ١٥ۙ ﴾ (80/عبس:15) ''لکھنے والوں کے ہاتھوں میں۔''

(افعال) اِسْفَارًا: کسی چیز کے رنگ سے پردہ اُٹھنا۔ چمکنا۔ روشن ہونا۔ ﴿ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ٣٤ۙ ﴾ (74/المدثر:34) ''اور صبح جب وہ روشن ہو۔''

مُسْفِرٌ: اسم الفاعل ہے۔ چمکنے والا۔ روشن ہونے والا۔ ﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ مُّسْفِرَةٌ ٣٨ۙ ﴾ (80/عبس:38) ''کچھ چہرے اس دن روشن ہونے والے ہیں۔''

ط و ق

(ن) طَوْقًا: گلے میں حلقہ یا طوق ہونا۔ کسی کام کی اہلیت یا طاقت ہونا۔

طَاقَةٌ: اسم ذات ہے۔ قدرت۔ طاقت۔ ﴿ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ ﴾ (2/البقرہ:286) ''اے ہمارے رب! تو وہ بوجھ نہ اُٹھوا ہم سے جس کی طاقت نہیں ہے ہم کو۔''

(افعال) اِطَاقَةً: کسی کام کو کرنے کی طاقت یا قدرت رکھنا۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب

مرکب توصیفی اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ گذشتہ آیت کے كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ کا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ مَنْ شرطیہ ہے۔ كَانَ سے عَلٰي سَفَرٍ تک شرط ہے اور فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ جواب شرط ہے۔ كَانَ کا اسم اس میں شامل هُوَ کی ضمیر ہے جو مَنْ کے لیے ہے جب کہ مَرِيْضًا خبر ہے۔ اس کی خبر ثانی محذوف ہے جو کہ مُسَافِرًا ہوسکتی ہے۔ عَلٰي سَفَرٍ قائم مقام خبر ہے۔ اس جملہ میں آفاقی صداقت کا بیان ہے۔ اس لیے كَانَ کا ترجمہ حال میں ہوگا۔

فَعِدَّةٌ مبتداء نکرہ ہے کیونکہ عام قاعدہ بیان ہو رہا ہے۔ اس کی خبر وَاجِبٌ محذوف ہے۔ متعلق خبر اَيَّامٍ اُخَرَ مرکب

توصیفی ہے۔ فُعْلٰی کی جمع فُعَلٌ کے وزن پر اُخَرٌ آنا چاہیے لیکن یہ خلاف قاعدہ اُخَرُ غیر منصرف استعمال ہوتا ہے اور یہاں اُخَرَ اَیَّامٍ کی صفت ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔ فِدْیَۃٌ مبتداء مؤخر نکرہ ہے اس کی بھی خبر وَاجِبٌ محذوف ہے[355]۔ عَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَہٗ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ یُطِیْقُوْنَہٗ میں ہٗ کی ضمیر الصِّیَام کے لیے ہے۔ طَعَامُ مِسْکِیْنٍ بدل ہے فِدْیَۃٌ کا۔

ترجمہ

اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ	فَمَنْ کَانَ	مِنْکُمْ	مَّرِیْضًا	اَوْ عَلٰی سَفَرٍ	فَعِدَّۃٌ
گنے ہوئے کچھ دن ہیں	پس جو	تم میں سے	مریض ہے	یا کسی سفر پر ہے	تو شمار ہے

مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ	وَعَلَی الَّذِیْنَ	یُطِیْقُوْنَہٗ	فِدْیَۃٌ	طَعَامُ مِسْکِیْنٍ ؕ
دوسرے کسی دنوں سے	اور ان لوگوں پر جو	طاقت رکھتے ہیں اس کی	فدیہ ہے	ایک مسکین کا کھانا

فَمَنْ تَطَوَّعَ	خَیْرًا	فَھُوَ خَیْرٌ	لَّہٗ ؕ	وَاَنْ
پھر جو نفلاً زیادہ کرے	کسی نیکی کو	تو یہ بہتر ہے	اس کے لیے	اور یہ کہ

تَصُوْمُوْا	خَیْرٌ	لَّکُمْ	اِنْ کُنْتُمْ	تَعْلَمُوْنَ
تم لوگ روزہ رکھو	زیادہ اچھا ہے	تمہارے لیے	اگر تم لوگ	جانتے ہو

نوٹ۔1

اسلام کے دیگر احکام کی طرح روزے کو بھی بتدریج فرض کیا گیا۔ شروع میں ہر مہینہ کے تین دن روزہ رکھنے کی ہدایت تھی لیکن یہ فرض نہیں تھا۔ پھر مدینہ میں یہ آیات نازل ہوئیں جس میں روزہ فرض کیا گیا۔ اس میں مریض اور مسافر کے علاوہ ان لوگوں کو بھی رخصت دی گئی جو طاقت رکھنے کے باوجود روزہ نہیں رکھنا چاہتے تھے۔ کہ وہ روزے کے بدلے فدیہ دے دیں۔ یہ بھی عبوری حکم تھا۔ حتمی حکم کی آیات بعد میں نازل ہوئیں۔

نوٹ۔2

ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہے لیکن زندگی کی گھما گھمی میں ہمیں یہ احساس نہیں رہتا کہ ہم جہاں کہیں بھی ہوتے ہیں اور جس حال میں ہوتے ہیں اللہ ہمارے ساتھ ہوتا ہے۔ اور ہم جو کچھ کر رہے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ (۵۷/۴) اللہ کے حاضر و ناظر ہونے کے احساس کا تقویٰ کے ساتھ ایک مثبت ربط (POSITIVE CORRELATION) ہے۔ یہ احساس جیسے جیسے زیادہ ہوتا ہے، تقویٰ کی کیفیت بھی اسی تناسب سے گہری ہوتی ہے۔ اور یہ احساس جتنا کم ہوگا، تقویٰ میں بھی اتنی کمی ہو جائے گی۔

اب نوٹ کریں کہ روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس کا کل کا کل مدار اس احساس پر ہے کہ ہم جہاں کہیں بھی ہوں، اللہ ہمارے ساتھ ہے اور ہمیں دیکھ رہا ہے۔ لاشعور کی سطح سے اس احساس کو بلند کر کے اگر ہم پورے شعوری احساس کے ساتھ ایک مہینے کے روزے رکھیں تو اُمید کی جاسکتی ہے کہ رمضان کے بعد بھی تقویٰ کی کیفیت برقرار رہے۔

آیت نمبر (185)

﴿ شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْھُدٰی وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَھِدَ
مِنْکُمُ الشَّھْرَ فَلْیَصُمْہُ ؕ وَمَنْ کَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ

﴿وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿١٨٥﴾﴾
355

ش ھ ر

(ف) شَهْرًا: (۱) کسی کی مشہوری کرنا۔ (۲) ایک مہینہ کی مدت گزارنا۔

شَهْرٌ: ج شُهُوْرٌ اور اَشْهُرٌ۔ اسم ذات ہے۔ مہینہ۔ ماہ۔ ﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا﴾ (9/التوبہ:36) ''بے شک مہینوں کی گنتی اللہ کے پاس بارہ مہینے ہیں۔'' ﴿فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ﴾ (9/التوبہ:2) ''پس گھوم پھر لو زمین میں چار مہینے۔''

ر م ض

(س) رَمَضًا: دن کا گرم ہونا۔ گرم زمین پر پاؤں جلنا

رَمَضَانُ: ہجری سال کا نواں مہینہ۔ رمضان۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

ق ر ء

(ف) قُرْاٰنًا اور قِرَاءَةً: دو چیزوں کو اکٹھا کرنا۔ جمع کرنا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً (۱) پڑھنا (پڑھنے والا الفاظ کو اکٹھا کرتا ہے)۔ (۲) پڑھ کر سنانا۔ اس معنی میں علٰی کے صلہ کے ساتھ آتا ہے۔ (۳) مدت گزارنا۔ (کسی مقررہ وقت کے شروع ہونے اور ختم ہونے کے لمحہ کو اکٹھا کرنے سے ایک مدت وجود میں آتی ہے۔ ﴿فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿١٨﴾ۚ﴾ (75/القیٰمۃ:18) ''پھر جب ہم پڑھیں اس کو تو آپؐ پیروی کریں اس کے پڑھنے کی۔'' ﴿قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ﴾ (17/بنی اسرائیل:106) ''اور قرآن، ہم نے الگ الگ کیا اس کو تاکہ آپؐ پڑھ کر سنائیں اسے لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر۔

اِقْرَاْ: فعل امر ہے۔ تو پڑھ۔ ﴿اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ﴾ (17/بنی اسرائیل:14) ''تو پڑھ اپنی کتاب کو۔''

قُرْاٰنٌ: اسم ذات بھی ہے۔ پڑھی جانے والی چیز۔ پیغام۔ خط۔ کتاب وغیرہ۔ اصطلاحًا اب اس لفظ کا استعمال صرف آخری وحی کے لیے مخصوص ہے۔ اس لیے کسی اور کتاب وغیرہ کے لیے اس کا استعمال غلط مانا جاتا ہے۔ قرآن۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

قُرْءٌ: ج قُرُوْءٌ۔ اسم ذات ہے۔ مدت۔ قرآن مجید میں اسے خواتین کے ایک طہر اور حیض کی جامع مدت کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ ﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ﴾ (2/البقرہ:228) ''اور طلاق یافتہ خواتین رکی رہتی ہیں اپنے نفس سے تین مدتوں تک۔''

(افعال) اِقْرَاءً: کسی کو پڑھنا۔ ﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ﴿٦﴾ۙ﴾ (87/الاعلیٰ:6) ''ہم پڑھائیں گے آپؐ کو پھر آپؐ نہیں بھولیں گے۔''

ی س ر

(ض۔ک) يُسْرًا: نرم و آسان ہونا (لازم)۔ نرم و آسان کرنا (متعدی)۔ رزق و روزی میں کشادہ ہونا۔

مَيْسُوْرٌ: اسم المفعول ہے۔ نرم و آسان کیا ہوا۔ ﴿فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿٢٨﴾﴾ (17/بنی اسرائیل:28) ''پس تو کہہ ان سے نرم کی ہوئی بات۔''

	یَسِیۡرٌ	فَعِیۡلٌ کے وزن پر صفت ہے۔نرم۔آسان۔﴿ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴾(22/الحج:70) 355 ’’یقیناً یہ اللہ پر آسان ہے۔‘‘
	یُسۡرٰی	فُعۡلٰی کا وزن ہے۔نرمی۔سہولت۔کشادگی۔﴿ وَ نُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ﴾(87/الاعلیٰ:8)’’اور ہم پہنچائیں گے آپؐ کو کشادگی اور سہولت تک۔‘‘
	یُسۡرٌ	اسم ذات ہے۔نرمی۔آسانی۔﴿ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۙ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴾(94/الم نشرح:6-5)’’پس یقیناً سختی کے ساتھ ہی نرمی ہے، یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔‘‘
	مَیۡسَرَۃٌ	رزق میں کشادگی۔﴿ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ﴾(2/البقرہ:280)’’تو مہلت ہے رزق میں کشادگی تک۔‘‘
	مَیۡسِرٌ	جوا۔سٹہ۔﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ ﴾(2/البقرہ:219)’’یہ لوگ پوچھتے ہیں آپؐ سے جوئے اور شراب کے بارے میں۔‘‘
(تفعیل)	تَیۡسِیۡرًا	(۱) کسی چیز کو کسی کے لیے رفتہ رفتہ آسان کر دینا۔(۲) کسی کو کسی جگہ پہنچا دینا (یعنی رفتہ رفتہ راستہ آسان کرنا)۔﴿ وَ لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ ﴾(54/القمر:17)’’اور ہم نے آسان کر دیا قرآن کو یاددہانی کے لیے۔‘‘ پہنچانے کے مفہوم کے لیے اوپر آیت نمبر 87/الاعلیٰ:8 دیکھیں۔
	یَسِّرۡ	فعل امر ہے۔تو آسان کر۔﴿ وَ يَسِّرْ لِيْۤ اَمْرِيْ ﴾(20/طٰہٰ:26)’’اور تو آسان کر دے میرے لیے میرے کام کو۔‘‘
(تفعّل)	تَیَسُّرًا	آسان ہونا۔﴿ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ﴾(73/المزمل:20)’’تو تم لوگ پڑھو اس کو جو آسان ہو قرآن میں سے۔‘‘
(استفعال)	اِسۡتِیۡسَارًا	آسان سمجھنا۔﴿ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ﴾(2/البقرہ:196)’’پھر اگر تم لوگ گھیر لیے جاؤ تو جو آسان سمجھو قربانی میں سے۔‘‘

ع س ر

(س۔ک)	عُسۡرًا	سخت اور دشوار ہونا۔رزق میں تنگ دست ہونا۔
	عَسِرٌ	صفت ہے۔سخت مشکل۔﴿ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ﴾(54/القمر:8)’’کہیں گے کافر لوگ یہ ایک سخت دن ہے۔‘‘
	عَسِیۡرٌ	فَعِیۡلٌ کے وزن پر صفت ہے۔سخت۔دشوار۔﴿ وَ كَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴾(25/الفرقان:26)’’اور کافروں پر وہ ایک سخت دن ہوگا۔‘‘
	عُسۡرٌ	اسم ذات ہے۔سختی۔تنگی۔آیت زیر مطالعہ۔
	عُسۡرٰی	فُعۡلٰی کا وزن ہے۔سختی۔دشواری۔﴿ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ﴾(92/الیل:10)’’پس ہم پہنچائیں گے اس کو سختی اور دشواری تک۔‘‘
(تفاعل)	تَعَاسُرًا	باہم سختی کرنا۔ضد کرنا۔﴿ وَ اِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى ﴾(65/الطلاق:6)’’اور اگر باہم ضد کرو گے تو دودھ پلائے گی اس کے لیے دوسری۔‘‘

ک م ل

(ک)	کَمَالًا	کسی چیز کے اجزاء اور صفات کی کمی کا ختم ہونا۔مکمل ہونا۔پورا ہونا۔

	كَامِلٌ	فَاعِلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ پورا ہونے والا یعنی پورا۔ مکمل۔﴿ لِيَحْمِلُوٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ (16/النحل:25)''تا کہ وہ لوگ اُٹھائیں اپنے بوجھ پورے کے پورے قیامت کے دن۔''
(افعال)	اِكْمَالًا	پورا کرنا۔ مکمل کرنا۔﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ﴾(5/المائدہ:3)''آج کے دن میں نے مکمل کیا تمہارے لیے تمہارے نظامِ حیات کو۔''

ترکیب

شَهْرُ رَمَضَانَ خبر ہے۔اس کا مبتداء هِيَ محذوف ہے جو کہ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ کا بدل ہے۔اَلَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ صفت ہے شَهْرُ رَمَضَانَ کی۔ هُدًى اور بَيِّنٰتٍ حال ہیں الْقُرْاٰنُ کا،اس لیے نصب میں ہیں۔فَمَنْ شرطیہ ہے۔شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ شرط ہے اور فَلْيَصُمْهُ جواب شرط ہے۔اَلشَّهْرَ پر لام تعریف ہے اور فَلْيَصُمْهُ فعل امر غائب ہے۔اور اس میں ـهٗ کی ضمیر الشَّهْرَ کے لیے ہے۔

ترجمہ

شَهْرُ رَمَضَانَ	الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ	الْقُرْاٰنُ	هُدًى
(یہ) رمضان کا مہینہ ہے	اُتارا گیا جس میں	قرآن کو	ہدایت ہوتے ہوئے

لِّلنَّاسِ	وَبَيِّنٰتٍ	مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ	فَمَنْ	شَهِدَ
لوگوں کے لیے	اور واضح ہوتے ہوئے	فرقان اور ہدایت میں سے	پس جو	موجود ہو

مِنْكُمُ	الشَّهْرَ	فَلْيَصُمْهُ ۭ	وَمَنْ كَانَ	مَرِيْضًا
تم میں سے	اس مہینہ میں	تو اسے چاہیے کہ وہ روزہ رکھے اس میں	اور جو	مریض ہے

اَوْ عَلٰى سَفَرٍ	فَعِدَّةٌ	مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ	يُرِيْدُ اللّٰهُ	بِكُمُ
یا کسی سفر پر ہے	تو گنتی ہے	دوسرے کسی دنوں سے	اللہ چاہتا ہے	تم لوگوں کے لیے

الْيُسْرَ	وَلَا يُرِيْدُ	بِكُمُ	الْعُسْرَ ۡ	وَلِتُكْمِلُوا	الْعِدَّةَ
آسانی	اور وہ نہیں چاہتا	تم لوگوں کے لیے	سختی	اور تا کہ تم لوگ پورا کرو	گنتی کو

وَلِتُكَبِّرُوا	اللّٰهَ	عَلٰى مَا	هَدٰىكُمْ
اور تا کہ تم لوگ بڑائی تسلیم کراؤ	اللہ کی	اس پر جو	اس نے ہدایت دی تم کو

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ
اور شائد کہ تم لوگ شکر ادا کرو

نوٹ۔1

یہ روزوں کا حتمی حکم ہے۔اس میں مریض اور مسافر کی رعایت برقرار رکھی گئی ہے لیکن فدیہ دے کر روزہ نہ رکھنے کی رعایت منسوخ کردی گئی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

392

سورۃ البقرۃ (۲)

آیت نمبر (186)

﴿وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ ؕ اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا لِیۡ وَ لۡیُؤۡمِنُوۡا بِیۡ لَعَلَّهُمۡ یَرۡشُدُوۡنَ ﴿۱۸۶﴾﴾

ذ ک ر

(ن) جَوۡبًا: (۱) کوئی فاصلہ طے کرنا۔ (۲) کسی چیز کو کاٹنا یا تراشنا (کاٹنے والا کاٹتے یا تراشتے ہوئے ایک فاصلہ طے کرتا ہے)۔ ﴿وَ ثَمُوۡدَ الَّذِیۡنَ جَابُوا الصَّخۡرَ بِالۡوَادِ ﴿۹﴾﴾ (89/الفجر:9) ''اور ثمود کے ساتھ جنہوں نے تراشا پتھروں کو وادی میں۔''

جَوَابٌ: اسم ذات ہے۔ کسی بات کا جواب (کہنے والے کی بات جتنا فاصلہ طے کر کے آتی ہے، جواب دینے والے کی بات وہی فاصلہ طے کرتی ہے)۔ ﴿وَمَا کَانَ جَوَابَ قَوۡمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اَخۡرِجُوۡهُمۡ﴾ (7/الاعراف:82) ''اور انہیں تھا انؑ کی قوم کا جواب مگر یہ کہ تم لوگ نکالو ان کو۔''

(افعال) اِجَابَۃً: (۱) بات کا جواب دینا۔ (۲) کسی کی بات یعنی حکم کو ماننا۔ (۳) کسی کی بات یعنی درخواست کو قبول کرنا۔ ﴿مَاذَاۤ اَجَبۡتُمُ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۶۵﴾﴾ (28/القصص:65) ''کیا جواب دیا تم لوگوں نے رسولوں کو۔'' ﴿اَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاهُ﴾ (27/النمل:62) ''یا کون بات قبول کرتا ہے لاچار کی جب بھی وہ پکارے اس کو۔''

اَجِبۡ: فعل امر ہے۔ تو کہنا مان۔ تو قبول کر۔ ﴿یٰقَوۡمَنَاۤ اَجِیۡبُوۡا دَاعِیَ اللّٰهِ﴾ (46/الاحقاف:31) ''اے ہماری قوم تم لوگ کہنا مانو اللہ کی دعوت دینے والے کا۔''

مُجِیۡبٌ: اسم الفاعل ہے۔ ماننے والا۔ قبول کرنے والا۔ ﴿اِنَّ رَبِّیۡ قَرِیۡبٌ مُّجِیۡبٌ ﴿۶۱﴾﴾ (11/ھود:61) ''یقیناً میرا رب قریب ہے، قبول کرنے والا ہے۔''

(استفعال) اِسۡتِجَابَۃً: یہ مادہ باب استفعال اور باب افعال میں ہم معنی ہے، اس فرق کے ساتھ کہ باب استفعال میں جواب دینے، بات ماننے اور قبول کرنے کو ضروری سمجھنا۔ ترجمے میں یہ فرق واضح کرنا مشکل ہوتا ہے۔ ﴿فَاسۡتَجَابَ لَهُمۡ رَبُّهُمۡ﴾ (3/آل عمران:195) ''پس قبول کی ان کی بات ان کے رب نے۔''

اِسۡتَجِبۡ: فعل امر ہے۔ تو ضرور کہنا مان۔ تو ضرور قبول کر۔ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَجِیۡبُوۡا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوۡلِ﴾ (8/الانفال:24) ''اے لوگو جو ایمان لائے! تم لوگ ضرور حکم مانو اللہ کا اور ان رسول کا۔''

ر ش د

(ن۔س) رَشُدًا: صحیح یعنی نیک راہ پر چلنا۔ ہدایت یافتہ ہونا۔ ہدایت پانا۔ آیت زیر مطالعہ۔

رَاشِدًا: اسم الفاعل ہے۔ ہدایت پانے والا۔ ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوۡنَ ۙ﴾ (49/الحجرات:7) ''وہ لوگ ہی ہدایت پانے والے ہیں۔''

رَشِیْدٌ	فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ ہدایت یافتہ۔ نیک چلن۔ ﴿ اَلَیْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ ﴾ 392 (11/ھود:78) ''کیا تم لوگوں میں کوئی نیک چلن مرد نہیں ہے۔''
رَشَادٌ	اسم ذات ہے۔ نیکی۔ بھلائی۔ ہدایت۔ ﴿ وَمَآ اَهْدِیْكُمْ اِلَّا سَبِیْلَ الرَّشَادِ ﴾ (40/المومن:29) ''اور میں ہدایت نہیں دیتا تم لوگوں کو مگر نیکی کے راستے کی۔''
رَشَدٌ	بھلی راہ۔ نیک راہ۔ ﴿ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴾ (72/الجن:10) ''یا ارادہ کیا ان کے لیے ان کے رب نے نیک راہ کا۔''
رُشْدٌ	(۱) نیک راہ۔ ہدایت۔ (۲) سوجھ بوجھ۔ معاملہ فہمی (جو ہدایت کا باعث ہے)۔ ﴿ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ﴾ (2/البقرہ:256) ''واضح ہو چکی ہے ہدایت گمراہی سے۔'' ﴿ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا ﴾ (4/النساء:6) ''پھر اگر تم لوگ پاؤ ان میں کوئی سمجھ بوجھ۔''
(افعال) اِرْشَادًا	صحیح راہ بتانا۔ ہدایت دینا۔
مُرْشِدٌ	اسم الفاعل ہے۔ سیدھی راہ بتانے والا۔ ہدایت دینے والا۔ ﴿ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا ﴾ (18/الکہف:17) ''پھر تو نہیں پائے گا اس کے لیے کوئی ہدایت دینے والا رفیق۔''

ترکیب

اِذَا شرطیہ ہے۔ سَاَلَ سے عَنِّیْ تک شرط ہے جب کہ فَاِنِّیْ سے اِذَا دَعَانِ تک جواب شرط ہے سَاَلَ کا فاعل عِبَادِیْ ہے اور كَ اس کی ضمیر مفعولی ہے اور عَنِّیْ متعلق فعل ہے۔ فَاِنِّیْ مبتداء ہے قَرِیْبٌ اس کی خبر اوّل ہے اور اُجِیْبُ سے دَعَانِ تک جملہ فعلیہ خبر ثانی ہے۔ دَعْوَةَ الدَّاعِ مرکب اضافی ہے اور اُجِیْبُ کا مفعول ہے اس لیے اس کا مضاف منصوب ہے۔ اَلدَّاعِ پر لام جنس ہے نِ دراصل نِیْ ہے جو دَعَا کی ضمیر مفعولی ہے۔ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا اور وَلْیُؤْمِنُوْا فعل امر غائب ہیں۔ ان کے فاعل هُمْ کی ضمیریں ہیں۔ جو عِبَادِیْ کے لیے ہیں۔

ترجمہ

وَاِذَا	سَاَلَكَ	عِبَادِیْ	عَنِّیْ	فَاِنِّیْ	قَرِیْبٌ
اور جب بھی	پوچھیں آپؐ سے	میرے بندے	میرے بارے میں	تو یقینا میں تو	قریب ہوں

اُجِیْبُ	دَعْوَةَ الدَّاعِ	اِذَا	دَعَا	نِ
میں قبول کرتا ہوں	ہر پکارنے والے کی پکار کو	جب بھی	وہ پکارے	مجھ کو

فَلْیَسْتَجِیْبُوْا	لِیْ	وَلْیُؤْمِنُوْا	بِیْ
پس چاہیے کہ وہ لوگ حکم مانیں	میرا	اور چاہیے کہ وہ لوگ ایمان لائیں	مجھ پر

لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ
شائد کہ وہ لوگ ہدایت پائیں۔

نوٹ۔1 آیت نمبر ۲/۱۸۴ کے نوٹ۔ ۲ میں یہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس کا کُل کا کُل مدار

اس احساس پر ہے کہ ہم جہاں کہیں بھی ہوں، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس احساس میں اب ایک 392 نئے زاویے (DIMENSION) کا اضافہ کرلیں کہ اللہ تعالیٰ صرف ہمارے ساتھ ہی نہیں ہوتا بلکہ قریب بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ زمان و مکاں کی قید سے بے نیاز ہے۔ اس لیے وہ ہر جگہ، ہر لمحہ اور ہر آن موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معیت اور قربت کے اس احساس کو روزوں میں جگانے کی مشق کرلیں اور روزوں کے بعد بھی اس کو جگائے رکھیں تو ان شاء اللہ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ والی بات پوری ہو جائے گی اور اَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ کی حکمت سمجھ میں آجائے گی۔ نیز فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ کی مزید وضاحت کے لیے آیت نمبر ۵۸ / ۷ کا پورا مفہوم ذہن میں رکھیں جس میں بتایا گیا ہے کہ جہاں کہیں تین اشخاص باتیں کرتے ہیں، وہاں چوتھا اللہ ہوتا ہے۔

اب ذرا سوچیں کہ اپنے ڈرائنگ روم میں سیاست پر گفتگو کے دوران جب ہم شخصیات کو زیر بحث لاتے ہیں، اس وقت یا تو ہم غیبت کرتے ہیں یا بہتان لگاتے ہیں۔ کیونکہ لگایا جانے والا الزام اگر درست ہے تو غیبت ہے اور اگر غلط ہے تو بہتان ہے۔ یہ کام کرتے ہوئے اگر ہمیں احساس ہو جائے کہ ڈرائنگ روم میں ہم نشینوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھی ہے تو یقیناً ہمارا رویہ تبدیل ہوگا۔ اسی طرح ٹی۔ وی لاؤنج، دفتر، دوکان وغیرہ میں اس احساس کو جگا کر تجربہ کرلیں اور پھر متعلقہ آیات کا مفہوم ذہن میں دہراتے رہیں تو ان شاء اللہ رمضان کا فیض جاری رہے گا، خواہ نفلی روزے رکھیں یا نہ رکھیں۔

نوٹ۔2

اس آیت میں دوسری اہم بات یہ اعلان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہے۔ اس کے لیے عابد۔ زاہد۔ فاسق۔ فاجر وغیرہ کی کوئی قید نہیں لگائی گئی ہے۔ دوسری طرف ہمارا یعنی عام مسلمانوں کا تجربہ یہ ہے کہ ہماری اکثر دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ اس لیے ہم ایسے پہنچے ہوئے لوگوں کو تلاش کرتے ہیں جن کی دعا یا سفارش قبول ہو جائے۔ اس بظاہر تضاد کی وجہ یہ ہے کہ دُعا کی قبولیت کا مفہوم ہمارے ذہن میں محدود ہے۔ جب کہ قرآن و حدیث میں اسے وسیع تر مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے۔ اس فرق کو سمجھ لیں۔

اپنے وسیع تر مفہوم میں کسی بھی دعا کے قبول ہونے کی صورتیں یہ ہیں۔ (۱) جو چیز ہم مانگ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے علم میں اگر وہ ہمارے لیے مفید ہے اور فوری طور پر ملنے میں ہمارا کوئی نقصان بھی نہیں ہے، تو اللہ تعالیٰ وہ چیز ہمیں اسی وقت دے دیتا ہے۔ (۲) جو چیز ہم مانگ رہے ہیں وہ ہمارے لیے مفید تو ہے لیکن اس کا فوری طور پر ملنا ہمارے لیے مفید نہیں ہے، تو ایسی صورت میں دعا کے قبول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز ہمیں اس وقت دی جائے جب اس کا ملنا ہمارے لیے مفید ہو۔ (۳) جو چیز ہم مانگ رہے ہیں وہ ہمارے لیے مفید نہیں ہے، تو ایسی صورت میں دُعا کی قبولیت کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ چیز ہم کو نہ دی جائے اور اس کے بدلے کوئی مفید چیز دی جائے یا کوئی تکلیف اور پریشانی دور کر دی جائے یا کسی آنے والی پریشانی کو روک دیا جائے۔ (۴) دعا کی قبولیت کی ایک آخری شکل یہ بھی ہے کہ بندے کی دعا مذکورہ بالا کسی بھی طریقے سے اس دنیا میں قبول نہ کی جائے بلکہ اس کا ثواب آخرت کے لیے محفوظ کر دیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ قیامت میں ایسا ثواب جب بندے کے سامنے لایا جائے گا تو وہ اللہ تعالیٰ سے جھگڑا کرے گا کہ تو نے میری باقی دُعائیں دنیا میں کیوں قبول کرلیں؟

دُعا کی قبولیت کا مفہوم اگر سمجھ میں آگیا ہے تو اب یقین کرلیں کہ اللہ ہر بندے کی سنتا ہے۔ شرط صرف ایک ہے کہ بندہ اسے پکارے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دُعا دل سے نکلے اور ذہن اس پر مرتکز ہو۔ اگر دُعا کے رٹے رٹائے الفاظ زبان ادا کر رہی ہو اور دل و دماغ کولمبس بنے پھر رہے ہوں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اللہ کو پکارا ہی نہیں۔

آیت نمبر (186)

392

﴿اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآىِٕكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ
اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَ عَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَ ابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ
لَكُمْ ۪ وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۪ ثُمَّ اَتِمُّوا
الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَ لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

ر ف ث

(س) **رَفَثًا**: کوئی فحش بات کرنا۔ پھر کنایۃً مباشرت کے لیے بھی آتا ہے۔ آیت زیر مطالعہ۔

رَفَثٌ: اسم ذات بھی ہے۔ فحش کلام۔ ﴿فَلَا رَفَثَ وَ لَا فُسُوْقَ ۙ وَ لَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ﴾ (2/البقرہ:197) ''تو نہ کوئی فحش بات ہے اور نہ کوئی گناہ ہے اور نہ کوئی جھگڑا ہے حج میں۔''

خ و ن

(ن) **خَوْنًا**: ڈول کی رسی کے ایک ایک بل کا ٹوٹ جانا۔ عہد شکنی کرنا۔ خیانت کرنا۔ ﴿فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ﴾ (8/الانفال:71) ''وہ لوگ عہد شکنی کر چکے ہیں اللہ سے اس سے پہلے۔''

خِيَانَةٌ: اسم ذات ہے۔ عہد شکنی۔ خیانت ﴿وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً﴾ (8/الانفال:58) ''اور اگر تمہیں خوف ہو کسی قوم سے کسی عہد شکنی کا۔''

خَائِنٌ: اسم الفاعل ہے۔ وعدہ خلافی کرنے والا۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآىِٕنِيْنَ ﴿۵۸﴾﴾ (8/الانفال:58) ''یقیناً اللہ وعدہ خلافی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔''

خَوَّانٌ: فَعَّالٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ بار بار وعدہ خلافی کرنے والا۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾﴾ (22/الحج:38) ''بے شک اللہ محبت نہیں کرتا کسی بھی بار بار وعدہ خلافی کرنے والے سے، انتہائی ناشکری کرنے والے سے۔''

خ ی ط

(ض) **خَيْطًا**: کپڑا سینا۔

خَيْطٌ: اسم ذات بھی ہے۔ دھاگہ۔ ڈوری۔ آیت زیر مطالعہ۔

خِيَاطٌ: اسم ذات ہے۔ سوئی۔ ﴿حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ﴾ (7/الاعراف:40) ''یہاں تک کہ داخل ہو اونٹ سوئی کے ناکے میں۔''

ب ی ض

(ض) **بَيْضًا**: پرندے کا انڈا دینا۔ کسی چیز پر سفیدی کا غالب ہونا۔

بَيْضٌ: اسم جنس بھی ہے۔ انڈا۔ ﴿كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۴۹﴾﴾ (37/الصافات:49) ''جیسے کہ وہ محفوظ کیے ہوئے انڈے ہیں۔''

اَبْيَضُ — مؤنث بَيْضَاءُ ج بِيْضٌ۔ اَفْعَلُ الوان وعیوب کے وزن پر صفت ہے۔ سفید رنگ والا یعنی سفید۔﴿ وَّ نَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴾ (26/الشعراء:33) ''اور انہوںؑ نے نکالا اپنا ہاتھ تو جب ہی یعنی اسی وقت وہ سفید ہے دیکھنے والوں کے لیے۔﴿ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ ﴾ (35/فاطر:27) ''اور پہاڑوں میں سیفد گھاٹیاں ہیں۔''

392

(اِفْعِلَالٌ) **اِبْيِضَاضٌ** — سفید ہوجانا۔﴿ وَ ابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ ﴾ (12/یوسف:84) ''اور سفید ہوگئیں انؑ کی دونوں آنکھیں غم سے۔''

س	و	د

(ن) **سَوْدًا** — بزرگ ہونا۔ کسی گروہ یا قوم کا سردار ہونا۔

(س) **سَوَدًا** — سیاہ ہونا۔ کالا ہونا۔

سَيِّدٌ — ج سَادَةٌ۔ سردار۔ آقا۔﴿ وَّ اَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ﴾ (12/یوسف:25) ''اور وہ دونوں ملے عورت کے آقا یعنی شوہر سے دروازے کے پاس۔''﴿ رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴾ (33/الاحزاب:67) ''اے ہمارے رب! بے شک ہم نے اطاعت کی اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑوں کی تو انہوں نے بھٹکایا ہم کو اس راستے سے۔''

اَسْوَدُ — ج سُوْدٌ۔ اَفْعَلُ الوان وعیوب کے وزن پر صفت ہے۔ کالے رنگ والا یعنی کالا۔﴿ وَ غَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴾ (35/فاطر:27) ''اور کچھ انتہائی سیاہ ہیں۔''

(اِفْعِلَالٌ) **اِسْوِدَادٌ** — کالا ہوجانا۔﴿ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ﴾ (3/آل عمران:106) ''جس دن سفید ہوجائیں گے کچھ چہرے اور سیاہ پڑ جائیں گے کچھ چہرے۔''

مُسْوَدٌّ — اسم الفاعل ہے۔ سیاہ پڑنے والا۔ کالا ہونے والا۔﴿ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ﴾ (39/الزمر:60) ''جن لوگوں نے جھوٹ کہا اللہ پر ان کے چہرے سیاہ پڑنے والے ہیں۔''

ح	د	د

(ن) **حَدًّا** — کسی چیز کا آخری کنارہ یا انتہا مقرر کرنا۔ جیسے کسی پلاٹ کے کناروں یعنی حدوں کا تعین کرنا۔

(ض) **حِدَّةً** — (۱) غضبناک ہونا۔ سخت ہونا۔ (۲) کسی چیز کا تیز ہونا جیسے چھری کا تیز ہونا۔

حَدٌّ — ج حُدُوْدٌ۔ اسم ذات بھی ہے۔ کنارہ۔ انتہا۔ حد۔﴿ وَ الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ﴾ (9/التوبۃ:112) ''اور حفاظت کرنے والا اللہ کی حدود کی۔'' (اللہ کی حدود کا مطلب ہے اس کی دی ہوئی اجازت کی انتہا، جس کے آگے اس کی نافرمانی شروع ہوتی ہے)۔

حَدِيْدٌ — فَعِيْلٌ کا وزن ہے۔ (۱) لوہا۔ (۲) تیز۔﴿ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ﴾ (18/الکھف:96) ''تم لوگ لاؤ میرے پاس لوہے کے تختے۔''﴿ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴾ (50/قٓ:22) ''پس تیری بصارت آج تیز ہے۔''

(مفاعلہ) **حِدَادًا** — ایک دوسرے پر تیز ہونا۔ باہم مخالفت کرنا۔ طعنہ دینا۔﴿ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ ﴾ (33/الاحزاب:19) ''وہ لوگ چڑھائی کریں گے تم لوگوں پر طعنہ دینے والی زبانوں سے۔''﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ﴾ (58/المجادلہ:20) ''بے شک جو لوگ مخالفت کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی وہ لوگ انتہائی ذلیلوں میں ہیں۔''

ترکیب

392

أُحِلَّ ماضی مجہول ہے اور الرَّفَثُ اس کا نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ جب کہ لَيْلَةَ ظرف ہونے کی وجہ سے نصب میں ہے۔ هُنَّ اور اَنْتُمْ مبتداء ہیں اور لِبَاسٌ خبر ہے۔ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ ماضی استمراری ہے لیکن یہ اَنَّكُمْ کی خبر ہے اس لیے ترجمہ حال میں ہوگا۔ فَتَابَ عَلَيْكُمْ یہاں پر اپنے لغوی مفہوم میں ہے۔ بَاشِرُوْ فعل امر ہے۔ اس کا فاعل اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے اور هُنَّ اس کا مفعول ہے۔ وَابْتَغُوْا کا مفعول مَا ہے۔ حَتّٰى کی وجہ سے يَتَبَيَّنَ منصوب ہے اور الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ اس کا فاعل ہے۔ اَتِمُّوْا کا فاعل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے اور الصِّيَامَ اس کا مفعول ہے۔ اِلَى الَّيْلِ دو لام کے بجائے یعنی اللَّيْلِ کے بجائے ایک لام سے لکھا گیا ہے، یہ قرآن مجید کا مخصوص املاء ہے۔ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ کا واو حالیہ ہے۔ يُبَيِّنُ کا فاعل اللّٰهُ ہے اور اٰيٰتِهٖ اس کا مفعول ہے اس لیے اس کا مضاف اٰيٰتِ منصوب ہے۔

ترجمہ

أُحِلَّ	لَكُمْ	لَيْلَةَ الصِّيَامِ	الرَّفَثُ	اِلٰى نِسَآئِكُمْ ط	هُنَّ
حلال کیا گیا	تم لوگوں کے لیے	روزہ رکھنے کی رات میں	مباشرت کو	تمہاری عورتوں کی طرف	وہ

لِبَاسٌ	لَّكُمْ	وَاَنْتُمْ	لِبَاسٌ	لَّهُنَّ ط	عَلِمَ	اللّٰهُ	اَنَّكُمْ
لباس ہیں	تم لوگوں کے لیے	اور تم لوگ	لباس ہو	ان کے لیے	جانا	اللہ نے	کہ تم لوگ

كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ	اَنْفُسَكُمْ	فَتَابَ	عَلَيْكُمْ	وَعَفَا
خیانت کرتے رہتے ہو	اپنے آپ سے	تو اس نے شفقت کی	تم لوگوں پر	اور اس نے درگزر کیا

عَنْكُمْ ج	فَالْـٰٔنَ	بَاشِرُوْ	هُنَّ	وَابْتَغُوْا	مَا	كَتَبَ اللّٰهُ
تم سے	تو اب	تم لوگ مباشرت کرو	ان سے	اور تم لوگ تلاش کرو	اس کو جو	اللہ نے لکھا

لَكُمْ	وَكُلُوْا	وَاشْرَبُوْا	حَتّٰى	يَتَبَيَّنَ	لَكُمُ
تمہارے لیے	اور تم لوگ کھاؤ	اور پیو	یہاں تک کہ	واضح ہو جائے	تمہارے لیے

الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ	مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ	مِنَ الْفَجْرِ ص	ثُمَّ اَتِمُّوا	الصِّيَامَ	اِلَى الَّيْلِ
سفید دھاگہ	کالے دھاگے سے	فجر میں	پھر تم لوگ پورا کرو	روزہ رکھنے کو	رات تک

وَلَا تُبَاشِرُوْ	هُنَّ	وَ	اَنْتُمْ	عٰكِفُوْنَ	فِي الْمَسٰجِدِ ط
اور تم لوگ مباشرت مت کرو	ان سے	اس حال میں کہ	تم لوگ	اعتکاف کرنے والے ہو	مسجدوں میں

تِلْكَ	حُدُوْدُ اللّٰهِ	فَلَا تَقْرَبُوْ	هَا	كَذٰلِكَ	يُبَيِّنُ اللّٰهُ	اٰيٰتِهٖ
یہ	اللہ کی حدود ہیں	تم لوگ قریب مت ہو	ان کے	اس طرح	اللہ واضح کرتا ہے	اپنی نشانیوں کو

لِلنَّاسِ	لَعَلَّهُمْ	يَتَّقُوْنَ
لوگوں کے لیے	شائد کہ وہ لوگ	تقویٰ اختیار کریں

392

نوٹ۔1

مادہ ''ب ی ض '' اور ''س و د '' کی لغت میں ثلاثی مزید فیہ کے باب اِفْعِلَالٌ کا ذکر آیا ہے۔ قرآن مجید میں اس باب کا استعمال نسبتاً کم ہوا ہے اس لیے '' آسان عربی گرامر'' میں یہ نہیں پڑھایا گیا۔ اس کے ماضی، مضارع اور مصدر کا وزن یہ ہے۔ اِفْعَلَّ - يَفْعَلُّ - اِفْعِلَالًا - اس کی ابتداء میں ہمزۃ الوصل ہے۔ یہ باب زیادہ تر افعل الوان وعیوب کے لیے آتا ہے اور اس میں مفہوم یہ ہوتا ہے کہ، مذکورہ صفت میں تبدیل ہوجانا یا اس صفت کا حامل ہوجانا۔

نوٹ۔2

اگر اپنے آپ سے خیانت کرنے پر صحابہ کرامؓ توبہ کرتے اور وعدہ کرتے کہ آئندہ ایسا نہیں کریں گے، تو ہم کہتے کہ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اصطلاحی مفہوم میں ہے اور اس کے مطابق ترجمہ کرتے۔ لیکن اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے اس بات کو جانا اور اپنے حکم میں خود ہی نرمی کردی۔ اس لیے اس آیت میں فَتَابَ عَلَيْكُمْ اپنے لغوی مفہوم میں ہے اور ترجمہ اسی لحاظ سے کیا گیا ہے۔

نوٹ۔3

ابتداء میں روزوں میں سوجانے کے بعد کھانے پینے وغیرہ کی ممانعت تھی۔ یہ حکم قرآن میں کہیں مذکور نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے صحابہ کرامؓ اس حکم پر عمل کرتے تھے۔ اس آیت میں پہلے اس حکم کو حکم الٰہی قرار دیا گیا پھر آسانی کے لیے اس کو منسوخ کیا گیا (معارف القرآن)۔ اس طرح یہ بھی قرآن مجید کے ان مقامات میں سے ایک ہے جس سے وحی غیر متلو کا ثبوت ملتا ہے۔

آیت نمبر (188)

﴿ وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٨﴾ ﴾

د ل و

(ن)	دَلْوًا	(۱) کنویں میں ڈول ڈال کر کھینچنا۔ (۲) بہلا پھسلا کر کام نکالنا۔
	دَلْوٌ	اسم ذات ہے۔ ڈول۔ ﴿ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ ﴾ (12/یوسف:19) ''تو اس نے کنویں میں لٹکایا اپنا ڈول۔''
(افعال)	اِدْلَاءً	کنویں میں کوئی چیز لٹکانا۔ اوپر آیت نمبر ۱۲/۱۹ دیکھیں۔
(تفعیل)	تَدْلِيَةً	بہلا پھسلا کر گمراہ کرنا۔ نرمی سے پھسلا دینا۔ ﴿ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ ﴾ (7/الاعراف:22) ''تو اس نے پھسلا دیا ان دونوں کو دھوکے سے۔''
(تفعّل)	تَدَلِّيًا	لٹکانا۔ اُترنا۔ ﴿ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ﴿٨﴾ ﴾ (53/النجم:8) ''پھر وہ نزدیک ہوا پھر وہ اترا۔''

ترکیب

لَا تَاْكُلُوْا فعل نہی ہے۔ اس کا فاعل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے اور اَمْوَالَكُمْ مفعول ہے، جب کہ بَيْنَكُمْ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ لَا تَاْكُلُوْا کے لائے نہی کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے تُدْلُوْا کا نون اعرابی گرا ہوا ہے۔ اس طرح یہ بھی فعل نہی ہے۔ بِهَا میں هَا کی ضمیر اَمْوَالَكُمْ کے لیے ہے۔ لِتَاْكُلُوْا کا فاعل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے۔ فَرِيْقًا اس کا مفعول ہے اور یہاں اپنے لغوی مفہوم میں آیا ہے۔ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کا واو حالیہ ہے۔

ترجمہ

وَلَا تَاْكُلُوْٓا	اَمْوَالَكُمْ	بَيْنَكُمْ	بِالْبَاطِلِ	وَتُدْلُوْا	بِهَآ 392
اور تم لوگ مت کھاؤ	اپنے مال	آپس میں	ناحق	اور تم لوگ مت لٹکاؤ	ان کو

اِلَى الْحُكَّامِ	لِتَاْكُلُوْا	فَرِيْقًا	مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ	بِالْاِثْمِ	وَ
حاکموں کی طرف	تاکہ تم لوگ کھاؤ	کوئی ٹکڑا	لوگوں کے مال سے	گناہ سے	اس حال میں کہ

اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٨﴾ ع
تم لوگ جانتے ہو

نوٹ۔1

اس آیت کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ حاکموں کو رشوت دے کر جائز فائدہ اُٹھانے کی کوشش نہ کرو اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب تم جانتے ہو کہ مال دوسرے شخص کا ہے، تو محض کسی قانونی نقص کی وجہ سے اس کا مقدمہ عدالت میں نہ لے جاؤ۔ اگر عدالت نے تمہارے حق میں فیصلہ دے دیا تو اس دنیا میں تم اس کے قانونی مالک ہو گے لیکن اللہ کے نزدیک وہ تمہارے لیے حرام ہی رہے گا۔ (تفہیم القرآن)۔

آیت نمبر (189)

﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۭ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۭ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٨٩﴾ ﴾

و ق ت

(ن) **وَقْتًا** وقت مقرر کرنا۔

وَقْتٌ اسم ذات بھی ہے۔ وقت ﴿ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿٣٧﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿٣٨﴾ ﴾ (15/ الفجر: 38-37) ''پس بے شک تو مہلت دیے ہوؤں میں سے ہے معلوم وقت کے دن تک۔''

مَوْقُوْتٌ اسم المفعول ہے۔ مقرر کیا ہوا وقت۔ ﴿ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿١٠٣﴾ ﴾ (4/ النساء: 103) ''بے شک نماز مومنوں پر مقرر کیے ہوئے وقت پر فرض ہے۔''

مِيْقَاتٌ ج مَوَاقِيْتُ ۔ مِفْعَالٌ (اسم الآلہ) کا وزن ہے۔ کوئی کام کرنے کی سرحد کو شناخت کرنے کا آلہ۔ (۱) طے شدہ وقت۔ (۲) نشان زدہ جگہ۔ ﴿ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٣٨﴾ ﴾ (26/ الشعراء: 38) ''تو جمع کیے گئے سب جادوگر ایک معلوم دن کے طے شدہ وقت پر۔'' ﴿ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا ﴾ (7/ الاعراف: 143) ''اور جب آئے موسیٰؑ ہماری طے شدہ جگہ پر۔''

(تفعیل) **تَوْقِيْتًا** مقررہ وقت یا جگہ پر جمع کرنا۔ اکٹھا کرنا۔ ﴿ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ﴿١١﴾ ﴾ (77/ المرسلات: 11) ''اور جب تمام رسول جمع کیے جائیں گے۔'' اُقِّتَتْ اصل میں وُقِّتَتْ تھا۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب واؤ کسی کلمہ کے شروع میں آ رہی ہو اور اس کا ضمہ لازم ہو تو اُسے ہمزہ سے بدلا جاتا ہے۔ اسی بناء پر وُجُوْہٌ کو اُجُوْہٌ پڑھنا جائز ہے۔

ترکیب

یَسْئَلُوْنَ فعل ہے۔اس کا فاعل ھُمْ کی ضمیر ہے اور مفعول کَ کی ضمیر ہے۔ ھِیَ مبتداء ہے۔ مَوَاقِیْتُ اس کی خبر ہے جب کہ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ متعلق خبر ہے۔ اَلْحَجِّ کی جرّ بتارہی ہے کہ یہ لِلنَّاسِ کے حرف جارہ لِ کے زیرِ اثر ہے۔ لَیْسَ کا اسم اَلْبِرُّ ہے اور بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ پورا جملہ اس کی خبر ہے جب کہ مِنْ ظُھُوْرِھَا متعلق خبر ہے۔ لٰکِنَّ کا اسم اَلْبِرَّ ہے اور مَنْ اس کی خبر ہے جو کہ مضاف الیہ ہے۔اس کا مضاف بِرُّ محذوف ہے۔ پورا جملہ اس طرح ہوتا وَلٰکِنَّ الْبِرَّ بِرُّ مَنْ (بلکہ اصل نیکی اس کی نیکی ہے جس نے)۔ دونوں جگہ یعنی اَلْبِرُّ اور اَلْبِرَّ پر لام جنس ہے۔

ترجمہ

یَسْئَلُوْنَکَ	عَنِ الْاَھِلَّۃِ ؕ	قُلْ	ھِیَ
وہ لوگ پوچھتے ہیں آپؐ سے	باریک چاندوں کے بارے میں	آپؐ کہہ دیجئے کہ	یہ

مَوَاقِیْتُ	لِلنَّاسِ	وَالْحَجِّ ؕ	وَلَیْسَ الْبِرُّ
زمانے کی سرحدوں کو شناخت کرنے کے ذریعے ہیں	لوگوں کے لیے	اور حج کے لیے	اور یہ اصل نیکی ہے

بِاَنْ تَاْتُوا	الْبُیُوْتَ	مِنْ ظُھُوْرِھَا	وَلٰکِنَّ الْبِرَّ	مَنِ
کہ تم لوگ آوٗ	گھروں میں	ان کے پچھواڑوں سے	اور لیکن (بلکہ) اصل نیکی	اس کی ہے جس نے

اتَّقٰی ج	وَاْتُوا	الْبُیُوْتَ	مِنْ اَبْوَابِھَا ص	وَاتَّقُوا اللّٰہَ
تقوٰی اختیار کیا	اور تم لوگ آوٗ	گھروں میں	ان کے دروازوں سے	اور اللہ کا تقوٰی اختیار کرو

لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ
شائد کہ تم لوگ فلاح پاوٗ

نوٹ۔1

چاند کا گھٹنا بڑھنا ایک ایسا منظر ہے جس نے ہر زمانے میں انسان کی توجہ کو اپنی طرف کھینچا ہے۔اس لیے اس کے متعلق طرح طرح کے اوہام دنیا میں رائج رہے ہیں اور اب تک رائج ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ چاند میں کمی وبیشی کا کوئی اثر انسان کی قسمت پر پڑھتا ہے۔ اہلِ عرب میں بھی ایسے اوہام پائے جاتے تھے جن کی حقیقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کی گئی۔ جواب میں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ چاند کا گھٹنا بڑھنا اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ ایک قدرتی کیلنڈر ہے۔ (تفہیم القرآن)

نوٹ۔2

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کی وجہ سے صحابہ کرامؓ نے سوالات بہت کم کیے ہیں، اور ان کے جن سوالات کا ذکر قرآن میں آیا ہے وہ کل چودہ ہیں، جن میں ایک سوال اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ ہے، دوسرا یہ ہے، اور ان کے بعد سورۂ بقرہ میں ہی چھ سوال اور مذکور ہیں جب کہ باقی چھ سوالات مختلف سورتوں میں آئے ہیں۔ (معارف القرآن)

نوٹ۔3

اس آیت کے لَیْسَ الْبِرُّ والے جز سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ جس چیز کو اسلام نے عبادت یا ضروری قرار نہیں دیا اسے

392
اپنی طرف سے ضروری یا عبادت سمجھ لینا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح جو چیز شرعاً جائز ہو اس کو گناہ سمجھنا بھی گناہ ہے۔ بدعات کے ناجائز ہونے کی بڑی وجہ یہی ہے۔(معارف القران)

آیت نمبر(190)

﴿وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ١٩٠﴾

ترکیب

قَاتِلُوْا فعل امر ہے۔ اس کا فاعل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے جب کہ اَلَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ پورا جملہ اس کا مفعول ہے۔ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ امر یعنی حکم کی تمیز ہے جو متعلق فعل کہلائے گا۔ اِنَّ کا اسم لفظ اللّٰهَ ہے اور لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ پورا جملہ اس کی خبر ہے۔

ترجمہ

وَقَاتِلُوْا	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	الَّذِيْنَ	يُقَاتِلُوْنَكُمْ	وَلَا تَعْتَدُوْا
اور تم لوگ قتال کرو	اللہ کی راہ میں	ان لوگوں سے جو	قتال کرتے ہیں تم لوگوں سے	اور زیادتی مت کرو

اِنَّ اللّٰهَ	لَا يُحِبُّ	الْمُعْتَدِيْنَ
بے شک اللہ	محبت نہیں کرتا	زیادتی کرنے والوں سے

آیت نمبر(191)

﴿وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۭ كَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ١٩١﴾

ث ق ف

(س) ثَقِفًا (۱) مہارتِ نگاہ سے کسی چیز کا ادراک کرنا۔ کسی چیز کو پالینا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔ (۲) کامیاب ہونا۔ کسی کو جا پکڑنا۔ ﴿اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَاۗءً﴾ (60/الممتحنۃ:2) ''اگر وہ لوگ پکڑ پائیں تم کو تو وہ لوگ ہو جائیں گے تمہارے دشمن۔''

ترکیب

اس آیت میں هُمْ کی ضمیریں گذشتہ آیت کے اَلَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ کے لیے ہے۔ اَلْفِتْنَةُ مبتداء ہے اور اس کے بعد فِي الدِّيْنِ محذوف ہے۔ اَشَدُّ تفضیل بعض ہے اور خبر ہے۔ فِيْهِ میں ہٖ کی ضمیر مسجد حرام کے لیے ہے۔ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ کے بعد فِيْهِ محذوف ہے۔ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ مرکب اضافی ہے اور كَذٰلِكَ کی خبر ہے۔

ترجمہ

وَاقْتُلُوْهُمْ	حَيْثُ	ثَقِفْتُمُوْهُمْ	وَاَخْرِجُوْهُمْ	مِّنْ حَيْثُ
اور تم لوگ قتل کرو ان کو	جہاں کہیں	تم لوگ پاؤ ان کو	اور نکالو ان کو	جہاں سے

اَخْرَجُوْكُمْ	وَالْفِتْنَةُ	اَشَدُّ	مِنَ الْقَتْلِ ۚ	وَلَا تُقٰتِلُوْ 392
انہوں نے نکالا تم کو	اور آزمائش (دین میں)	زیادہ شدید ہے	قتل سے	اور تم لوگ جنگ مت کرو

هُمْ	عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ	حَتّٰى	يُقٰتِلُوْكُمْ	فِيْهِ ۚ	فَاِنْ
ان سے	مسجد حرام کے پاس	یہاں تک کہ	وہ لوگ جنگ کریں تم سے	اس میں	پس اگر

قٰتَلُوْكُمْ	فَاقْتُلُوْهُمْ ۭ	كَذٰلِكَ	جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ
وہ لوگ جنگ کریں تم سے (اس میں)	تو تم لوگ قتل کرو ان کو (اس میں)	اس طرح	کافروں کی جزا ہے

نوٹ۔1

مکہ میں مسلمان کمزور تھے تو انہیں حکم دیا گیا تھا کہ مخالفین کے ظلم پر صبر کریں اور ثابت قدم رہیں۔ اس حکم میں پہلی ترمیم سورۃ الحج کی آیت نمبر۔۳۹ میں نازل ہوئی جس میں مخالفین سے جنگ کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اس کے بعد مذکورہ بالا آیات نمبر۔ ۱۹۰۔۱۹۱ میں ان سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور زخمیوں پر ہاتھ اُٹھانے، کھیتوں اور مویشیوں کو تباہ کرنے اور اسی قسم کے دوسرے وحشیانہ افعال کی اجازت نہیں ہے۔ یہ سب ''زیادتی کرنے'' کی تعریف میں آتے ہیں اور حدیث میں ان سب کی ممانعت آئی ہے۔

نوٹ۔2

بات جنگ کرنے کے حکم سے شروع ہوئی ہے۔ اس لیے حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ کے حکم کا اطلاق ان لوگوں پر ہوگا جن کے خلاف اعلانِ جنگ ہوا اور جو جنگ میں حصّہ لے رہے ہوں۔ عام حالات میں کسی غیر مسلم پر اس حکم کا اطلاق نہیں ہوگا۔ جزیرہ نمائے عرب کے باہر مفتوحہ علاقوں میں خلفاء راشدین کا طرزِ عمل اس بات کی سند ہے۔

نوٹ۔3

فتنہ ایک کثیر المعانی لفظ ہے۔ اس آیت میں یہ لفظ جس مفہوم میں استعمال ہوا ہے، اسے سمجھ لیں۔ کوئی قوم رائج الوقت نظریات کی جگہ اپنے عقائد و نظریات سے اپنے نظام حیات کی اصلاح کی جب کوشش کرتی ہے تو رائج الوقت نظریات کے ٹھیکیدار اس کا مقابلہ بالعموم دلائل کے بجائے جبر سے کرتے ہیں۔ یہ جبر خواہ معاشی ناکہ بندی (SANCTIONS) کی شکل میں ہو، ہتھیاروں کے استعمال کی شکل میں ہو یا تشدد (PERSECUTION) کی کوئی بھی شکل ہو، اُن سب کو یہاں فتنہ کہا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا فتویٰ یہ ہے کہ (PERSECUTION) قتل سے زیادہ گھناؤنا جرم ہے، اس لیے اس نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ (PERSECUTION) کے مقابلے کے لیے جوابی کاروائی کریں، خواہ اس کے لیے ہتھیار ہی کیوں نہ اُٹھانے پڑیں۔ اس جوابی کاروائی کو دہشت گردی قرار دینا ذہنی اور اخلاقی دیوالیہ پن کا ثبوت ہے۔

آیت نمبر(2/البقرہ:192)

﴿فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ١٩٢﴾

ن ھ ی

(ف) نَهْيًا (۱) کسی کام سے منع کرنا۔ روکنا۔ (۲) ذہن ہونا۔ زیرک ہونا (تاکہ صحیح چیز سے روکے)۔

﴿اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ط﴾ (29/العنکبوت:45)''بے شک نماز روکتی ہے بے حیائیوں اور برائی سے۔''

	اِنْہَ	فعل امر ہے۔تومنع کر۔توروک﴿وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ﴾ (31/لقمان:17)''تو ترغیب دے نیکی کی اور منع کر برائی سے۔''
	نَاہٍ	اسم الفاعل ہے۔منع کرنے والا ﴿اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاھُوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ﴾ (9/التوبۃ:112)''ترغیب دینے والے نیکی کی اور منع کرنے والے برائی سے۔''
	نُھٰی	اسم ذات ہے۔ذہانت۔فراست۔﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّھٰی ﴿۵۴﴾﴾(20/طٰہٰ:54)''یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ذہانت والوں کے لیے۔''
(تفاعل)	تَنَاھِیًا	باہم ایک دوسرے کو روکنا۔﴿کَانُوْا لَا یَتَنَاھَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ﴾''وہ لوگ ایک دوسرے کو نہیں روکا کرتے تھے کسی برائی سے۔''
(افتعال)	اِنْتِھَاءً	اہتمام سے خود کو منع کرنا۔رُک جانا۔باز آنا۔﴿اِنْ یَّنْتَھُوْا یُغْفَرْ لَھُمْ﴾(8/الانفال:38)''اگر وہ لوگ باز آجائیں تو انہیں معاف کردیا جائے گا۔''
	اِنْتَہِ	فعل امر ہے۔تو باز آ۔﴿وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَۃٌ ط اِنْتَھُوْا خَیْرًا لَّکُمْ ط﴾ (4/النساء:171)''اور تم لوگ مت کہو کہ تین ہیں یعنی اللہ تین ہیں تم لوگ باز آؤ تمہارے لیے بہتر ہے۔''
	مُنْتَھٍ	اسم الفاعل ہے۔رُکنے والا۔باز آنے والا۔﴿فَھَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَھُوْنَ ﴿۹۱﴾﴾(5/المائدہ:91)''تو کیا تم لوگ باز آنے والے ہو۔''
	مُنْتَھٰی	اسم المفعول ہے جو ظرف کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔رُکنے کی جگہ۔﴿عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰی ﴿۱۴﴾﴾(53/النجم:14)''رُکنے کے بیری کے درخت کے پاس۔''

ترکیب

فَاِنِ انْتَھَوْا شرط ہے اور فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ جواب شرط ہے۔اِنْتَھَوْا فعل ماضی میں جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔اس لیے اس پر حرف شرط اِنْ نے کوئی عمل نہیں کیا ہے۔

ترجمہ

فَاِنِ	انْتَھَوْا	فَاِنَّ اللّٰہَ	غَفُوْرٌ	رَّحِیْمٌ
پاس اگر	وہ لوگ باز آئیں	تو یقیناً اللہ	بے انتہا بخشنے والا ہے	ہر حال میں رحم کرنے والا ہے

نوٹ۔1

باز آنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر وہ لوگ اپنی پوجا پاٹ سے باز آجائیں۔بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ لوگ اپنی تشدد کی پروش سے باز آجائیں تو چونکہ اللہ تعالیٰ غفور اور رحیم ہے اس لیے تم بھی ان سے کچھ نہ کہو اور انہیں معاف کردو۔

آیت نمبر(193)

﴿وَقٰتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّ یَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ ط فَاِنِ انْتَھَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۹۳﴾﴾

ترکیب

حَتّٰی کی وجہ سے لَا تَکُوْنَ منصوب ہے اور یہ کَانَ تامہ ہے۔ فِتْنَۃٌ اس کا فاعل ہے۔ یَکُوْنَ کی نصب بتارہی ہے کہ اس سے پہلے حَتّٰی محذوف ہے۔ یہ بھی کَانَ تامہ ہے اور اَلدِّیْنُ اس کا فاعل ہے۔ لِلّٰہِ متعلق فعل ہے۔ فَلَا عُدْوَانَ پر لائے نفی جنس ہے اور یہ مبتداء ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے جو کہ وَاجِبٌ یا ثَابِتٌ ہو سکتی ہے۔ قائم مقام خبر عَلَیْھِمْ بھی محذوف ہے۔ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ اس کا استثناء ہے۔

ترجمہ

وَقٰتِلُوْھُمْ	حَتّٰی	لَا تَکُوْنَ	فِتْنَۃٌ	وَّ یَکُوْنَ
اور تم لوگ جنگ کرو ان سے	یہاں تک کہ	نہ ہو	کوئی تشدد	اور (یہاں تک کہ) ہو

الدِّیْنُ	لِلّٰہِ	فَاِنِ انْتَھَوْا	فَلَا عُدْوَانَ
نظام حیات	اللہ کے لیے	پھر اگر وہ لوگ باز آئیں	تو کسی قسم کی کوئی زیادتی نہیں ہے (ان پر)

اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ
مگر ظلم کرنے والوں پر

نوٹ۔1

اُوپر ترکیب میں کَانَ تامّہ کی بات ہوئی ہے، اسے سمجھ لیں۔ کَانَ افعال ناقصہ میں سے ہے۔ اس لیے عام طور پر اس کا ایک اسم اور ایک خبر ہوتی ہے، تب بات مکمل ہوتی ہے۔ لیکن کبھی کبھی اس کا صرف اسم ہوتا ہے اور خبر کوئی نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں کَانَ فعل ہوتا ہے اور اس کا اسم دراصل اس کا فاعل ہوتا ہے۔ اور فعل فاعل مل کر بات مکمل کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے ایسے کَانَ کو کَانَ تامّہ کہتے ہیں۔

نوٹ۔2

لَا تَکُوْنَ کا فاعل اگر اَلْفِتْنَۃُ ہوتا تو اس کا مطلب ہوتا کہ مذہب کی بنیاد پر مسلمانوں پر جو تشدد ہو رہا ہے وہ ختم ہو جائے۔ لیکن یہاں پر فِتْنَۃٌ نکرہ لا کر ہدایت کی گئی ہے کہ جنگ کر کے جس تشدد کو تم نے ختم کیا ہے، اب غالب ہونے کے بعد خود اس کا ارتکاب مت کرنا۔ اس لیے مذہب کی بنیاد پر کسی غیر مسلم پر کسی قسم کا تشدد جائز نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ڈبل اسٹینڈرڈ میڈ اِن یو۔ ایس۔ اے کی اسلام میں گنجائش نہیں ہے۔

نوٹ۔3

فَلَا عُدْوَانَ میں اصل ہدایت یہ ہے کہ غلبہ حاصل کرنے کے بعد مغلوب مخالفین کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہ کی جائے۔ البتہ اس سے وہ لوگ مستثنیٰ ہوں گے جن کے جرائم کی نوعیت زیادہ سنگین اور فہرست طویل ہو۔ جنگ بدر کے تمام جنگی قیدی رہا کیے گئے لیکن دو کو قتل کیا گیا۔ فتح مکہ میں عام معافی کے اعلان کے ساتھ ستر افراد کو مستثنیٰ قرار دیا گیا جن میں سے چار قتل بھی کیے گئے۔

392

آیت نمبر (194)

﴿ اَلشَّهۡرُ الۡحَرَامُ بِالشَّهۡرِ الۡحَرَامِ وَالۡحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعۡتَدٰی عَلَیۡکُمۡ فَاعۡتَدُوۡا عَلَیۡهِ بِمِثۡلِ مَا اعۡتَدٰی عَلَیۡکُمۡ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۱۹۴﴾ ﴾

ترکیب

اَلشَّهۡرُ الۡحَرَامُ مبتداء ہے۔اس کی خبر محذوف ہے۔جو کہ قَآئِمٌ ہوسکتی ہے۔ بِالشَّهۡرِ الۡحَرَامِ قائم مقام خبر ہے۔ اَلۡحُرُمٰتُ مبتداء ہے اور قِصَاصٌ خبر ہے۔قِصَاص واحد۔تثنیہ۔جمع سب کے لیے آتا ہے۔فَمَنِ اعۡتَدٰی شرط ہے فَاعۡتَدُوۡا جواب شرط ہے۔

ترجمہ

فَمَنِ	قِصَاصٌ ؕ	وَالۡحُرُمٰتُ	بِالشَّهۡرِ الۡحَرَامِ	اَلشَّهۡرُ الۡحَرَامُ
پس جو	بدلہ ہیں	اور تمام محترم چیزیں	محترم مہینے سے	محترم مہینہ

اعۡتَدٰی	بِمِثۡلِ مَا	عَلَیۡهِ	فَاعۡتَدُوۡا	عَلَیۡکُمۡ	اعۡتَدٰی
اس نے زیادتی کی	اس جیسی سے جو	اس پر	توتم لوگ (بھی) زیادتی کرلو	تم لوگوں پر	زیادتی کرے

مَعَ الۡمُتَّقِیۡنَ	اَنَّ اللّٰهَ	وَاعۡلَمُوۡۤا	وَاتَّقُوا اللّٰهَ	عَلَیۡکُمۡ ۪
متقی لوگوں کے ساتھ ہے	کہ اللہ	اور جان لو	اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو	تم لوگوں پر

نوٹ۔1

آیت کے شروع میں اصولی بات عربی محاورہ میں بیان کی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مہینے کا احترام، اس کا احترام کرنے سے ہوتا ہے اور ہر احترام دراصل بدلہ ہوتا ہے یعنی ایک فریق کسی محترم چیز کا جتنا احترام کرے گا، اتنا ہی دوسرا فریق بھی کرے گا۔اگر ایک فریق احترام نہ کرے تو دوسرے فریق سے بھی احترام کی پابندی ختم ہوجاتی ہے۔آگے پھر اسی کی وضاحت ہے۔

آیت نمبر (195)

﴿ وَاَنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّهۡلُکَةِ ۚۖۛ وَاَحۡسِنُوۡا ۚۛ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۹۵﴾ ﴾

ه ل ک

(ض) **هَلَاكًا** (۱) تباہ و برباد ہونا۔(۲) کسی جاندار کا مردہ ہونا۔مرنا۔ہلاک ہونا۔﴿ هَلَكَ عَنِّیۡ سُلۡطٰنِیَهۡ ﴿ۚ۲۹﴾ ﴾ (69/ الحاقۃ:29)''تباہ و برباد ہوئی یعنی جاتی رہی مجھ سے میری قوت۔''﴿ حَتّٰۤی اِذَا هَلَكَ قُلۡتُمۡ لَنۡ یَّبۡعَثَ اللّٰهُ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ رَسُوۡلًا ؕ ﴾ (40/ المؤمن:34)''یہاں تک کہ جب اُنؑ کا انتقال ہوا تو تم لوگوں نے کہا ہرگز نہیں بھیجے گا اللہ انؑ کے بعد کوئی رسول۔''

هَالِكٌ اسم الفاعل ہے۔ہلاک ہونے والا۔تباہ برباد ہونے والا۔﴿ کُلُّ شَیۡءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجۡهَهٗ ؕ ﴾ (28/ 88:)''ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے۔''

مَهۡلِكٌ — اسم الظّرف ہے۔ ہلاک ہونے کی جگہ یا وقت ﴿ مَا شَهِدۡنَا مَهۡلِكَ اَهۡلِهٖ ﴾ (27/النمل:49) ''ہم موجود نہیں تھے اس کے گھر والوں کے ہلاک ہونے کے وقت۔''
392

تَهۡلُكَةٌ — اسم ذات ہے۔ تباہی۔ بربادی۔ ہلاکت۔ آیت زیر مطالعہ۔

(افعال) اِهۡلَاكًا — تباہ و برباد کرنا۔ ہلاک کرنا۔ ﴿ اَهۡلَكۡتُ مَالًا لُّبَدًا ﴾ (90/البلد:6) ''میں نے برباد کیا ڈھیروں مال۔'' ﴿ لَوۡ شِئۡتَ اَهۡلَكۡتَهُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ ﴾ (7/الاعراف:155) ''اگر تو چاہتا تو ہلاک کرتا ان کو اس سے پہلے۔''

مُهۡلِكٌ — اسم الفاعل ہے۔ برباد کرنے والا۔ ہلاک کرنے والا۔ ﴿ ذٰلِكَ اَنۡ لَّمۡ يَكُنۡ رَّبُّكَ مُهۡلِكَ الۡقُرٰى بِظُلۡمٍ وَّ اَهۡلُهَا غٰفِلُوۡنَ ﴾ (6/الانعام:131) ''یہ اس لیے کہ نہیں ہے تیرا رب بستیوں کا ہلاک کرنے والا ظلم سے اس حال میں کہ اس کے لوگ غافل ہوں۔''

ترکیب

انفاق کا لفظ مال خرچ کرنے کے لیے ہی آتا ہے اس لیے اَنۡفِقُوۡا کا مفعول محذوف ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔ سیاق وسباق کے لحاظ سے اس آیت میں فِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ سے مراد جہاد ہے اس لیے اس کے بعد لِلۡجِهَادِ محذوف مانا جائے گا۔ وَلَا تُلۡقُوۡا کا مفعول اَنۡفُسَكُمۡ محذوف ہے۔ جبکہ اَمۡوَالَكُمۡ کو محذوف ماننے کی بھی گنجائش ہے۔

ترجمہ

وَاَنۡفِقُوۡا	فِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ	وَلَا تُلۡقُوۡا
اور تم لوگ مال خرچ کرو	اللہ کی راہ میں (جہاد کے لیے)	اور تم لوگ مت پھینکو (اپنے آپ کو)

بِاَيۡدِيۡكُمۡ	اِلَى التَّهۡلُكَةِ	وَاَحۡسِنُوۡا	اِنَّ اللّٰهَ
اپنے ہاتھوں سے	بربادی کی طرف	اور تم لوگ احسان کرو	یقیناً اللہ

يُحِبُّ	الۡمُحۡسِنِيۡنَ
محبت کرتا ہے	احسان کرنے والوں سے

نوٹ۔1

مسلمانوں میں کچھ تربیت یافتہ پہلوان پائے جاتے ہیں جو قرآن کے ساتھ کشتی لڑتے ہیں۔ ایسے لوگ اس آیت میں وَلَا تُلۡقُوۡا کے بعد اَنۡفُسَكُمۡ کے بجائے اَمۡوَالَكُمۡ کو محذوف مانتے ہیں اور مطلب یہ نکالتے ہیں کہ جہاد کے لیے خرچ کرکے اپنا مال تباہی کی طرف مت پھینکو۔ یہ کھلی اور ننگی جہالت، بددیانتی اور دھوکہ دہی ہے۔ ان کی اتنی بات تو درست ہے کہ گرامر کے لحاظ سے یہاں اَمۡوَالَكُمۡ کو محذوف ماننے کی گنجائش ہے۔ لیکن ایسی صورت میں اس آیت کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ جہاد کے لیے مال خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں سے اپنے مال کو تباہی کی طرف مت پھینکو یعنی اگر جہاد پر خرچ نہیں کرو گے تو تمہارا مال تباہ ہو جائے گا اور تاریخ شاہد ہے کہ جو قومیں جہاد ترک کر دیتی ہیں وہ خود بھی تباہ و برباد ہوتی ہیں اور ان کے ساتھ ان کا مال بھی مٹی ہو جاتا ہے۔

نوٹ۔1

اس آیت سے فقہاء نے یہ حکم بھی نکالا ہے کہ مسلمانوں پر زکوۃ کے علاوہ بھی دوسرے حقوق فرض ہیں (یعنی ان کے مال میں) مگر وہ نہ دائمی ہیں اور نہ ان کے لیے کوئی نصاب متعین ہے، بلکہ جب اور جتنی ضرورت ہو اس کا انتظام کرنا سب مسلمانوں پر فرض ہے (معارف القرآن)۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ کا قول ہے کہ اس آیت میں ہلاکت سے مراد ترک جہاد ہے اسی لیے انہوں نے ساری عمر جہاد میں صرف کر دی اور قسطنطنیہ میں شہید ہو کر وہیں مدفون ہوئے (معارف القرآن)۔[392]

آیت نمبر(196)

﴿ وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَ لَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾ ﴾

ح ص ر

(ن)	حَصْرًا	تنگی کرنا۔ گھیرنا۔
(س)	حَصَرًا	تنگی محسوس کرنا۔ گھٹن محسوس کرنا۔ ﴿اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ﴾ (4/النساء:90) ''یا وہ لوگ آئیں تمہارے پاس، تنگی محسوس کرتے ہوئے اپنے سینوں میں کہ وہ قتال کریں تم سے۔''
	اُحْصُرْ	باب نَصَرَ سے فعل امر ہے۔ تو گھیر۔ تو قید کر۔ ﴿وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ﴾ (9/التوبہ:5) ''اور تم لوگ پکڑو ان کو اور قید کرو ان کو۔''
	حُصُوْرٌ	فَعُوْلٌ کے وزن کے مبالغہ ہے۔ بہت زیادہ گھیرا ہوا۔ اصطلاحاً عورتوں سے بے رغبتی کرنے والے کے لیے آتا ہے۔ ﴿وَسَيِّدًا وَّ حَصُوْرًا وَّ نَبِيًّا﴾ (3/آل عمران:39) ''اور سردار اور عورتوں سے بے رغبتی والا اور نبی۔''
	حَصِيْرٌ	فَعِيْلٌ کا وزن ہے۔ گھیرنے والا۔ اصطلاحاً قید خانے کے لیے آتا ہے۔ ﴿وَ جَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ﴿۸﴾﴾ (17/بنی اسرائیل:8) ''اور ہم نے بنایا جہنم کو کافروں کے لیے ایک قید خانہ۔''
(افعال)	اِحْصَارًا	کسی کو کسی کام سے روک دینا۔ آیت زیر مطالعہ۔

ح ل ق

(ن)	حَلْقًا	گلے پر مارنا۔ حلق کاٹنا۔ ذبح کرنا۔
(ض)	حَلْقًا	چھیلنا۔ بال مونڈنا۔ آیت زیر مطالعہ۔
(تفعیل)	تَحْلِيْقًا	اچھی طرح مونڈنا۔
	مُحَلِّقٌ	اسم الفاعل ہے۔ مونڈنے والا۔ ﴿اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ﴾ (48/الفتح:27) ''امن میں ہوتے ہوئے، مونڈتے ہوئے اپنے سروں کو۔''

ب ل غ

(ن)	بُلُوْغًا	کسی مقصود چیز کی انتہا تک پہنچنا۔ ﴿وَ اُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ؕ﴾

(6/الانعام:19)''اور وحی کیا گیا میری طرف یہ قرآن تا کہ میں خبردار کروں تم لوگوں کو اور اس کو جس کو وہ پہنچا۔'' 392 ﴿حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ بَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ﴾ (46/الاحقاف:15)''یہاں تک کہ جب وہ پہنچا اپنی شدت کو اور وہ پہنچا چالیس سال کو۔''

بَالِغٌ — اسم الفاعل ہے۔ پہنچنے والا ﴿ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ﴾ (6/الانعام:149)''پس اللہ کی ہے پہنچنے والی یعنی سمجھ میں آنے والی دلیل۔'' ﴿ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ﴾ (65/الطلاق:3)''اور جو بھروسہ کرتا ہے اللہ پر تو وہ اس کے لیے کافی ہے۔ یقیناً اللہ اس کے کام کو پہنچنے والا ہے۔''

مَبْلَغٌ — اسم الظرف ہے۔ پہنچنے کی جگہ۔ ﴿ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ﴾ (53/النجم:30)''یہ ان کے پہنچنے کی انتہا ہے علم میں سے۔''

(ک) **بَلَاغَةً** — آسانی سے پہنچنا۔ واضح ہونا۔ فصیح ہونا۔

بَلِيْغٌ — فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ واضح۔ فصیح۔ ﴿ وَ قُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا ﴾ (4/النساء:63)''اور آپؐ کہیں ان سے ان کے بارے میں کوئی واضح بات۔''

(افعال) **اِبْلَاغًا** — پہنچانا۔ ﴿ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ ﴾ (72/الجن:28)''تا کہ وہ جان لے کہ انہوں نے پہنچادیا ہے اپنے رب کے پیغامات کو۔''

بَلَاغٌ — یہ باب افعال کا ایک مصدر بھی ہے اور اسم ذات بھی۔ پہنچانا۔ پیغام۔ ﴿ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ﴾ (5/المائدہ:99)''ان رسولؐ پر نہیں ہے مگر پہنچانا۔'' ﴿ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ﴾ (21/الانبیاء:106)''یقیناً اس میں ایک پیغام ہے عبادت گزاروں والی قوم کے لیے۔''

اَبْلِغْ — فعل امر ہے۔ تو پہنچا۔ ﴿ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ﴾ (9/التوبہ:6)''یہاں تک کہ وہ سنے اللہ کا کلام پھر اسے پہنچا دو اس کی امن کی جگہ پر۔''

(تفعیل) **تَبْلِيْغًا** — آہستہ آہستہ یا رفتہ رفتہ پہنچانا۔ ﴿ الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ ﴾ (33/الاحزاب:39)''وہ لوگ جو آستہ آہستہ پہنچاتے رہتے ہیں اللہ کے پیغامات۔''

بَلِّغْ — فعل امر ہے۔ تو آہستہ آہستہ پہنچاتا رہ۔ تبلیغ کرتا رہ۔ ﴿ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ﴾ (5/المائدہ:67)''اے رسولؐ آپؐ پہنچاتے رہیں اس کو جو نازل کیا گیا آپؐ کی طرف آپؐ کے رب کی جانب سے۔''

ا	ذ	ی

(س) **اَذًى** — تکلیف پہنچنا۔ دُکھ پہنچنا۔

اَذًى — اسم ذات بھی ہے۔ جسمانی اور نفسیاتی تکلیف۔ اذیت۔ کوفت۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

(افعال) **اِيْذَاءً** — تکلیف پہنچانا۔ اذیت دینا۔ ﴿ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى ﴾ (33/الاحزاب:69)''تم لوگ مت ہو ان کی طرح جنہوں نے اذیت دی موسیٰؑ کو۔''

اٰذِ — فعل امر ہے۔ تو تکلیف دے۔ دکھ دے۔ ﴿ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ﴾ (4/النساء:16)''اور وہ دونوں جو یہ کام کرتے ہیں تو تم لوگ تکلیف دو ان دونوں کو۔''

ترکیب

وَاَتِمُّوا فعل امر ہے، اَلْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ اس کا مفعول ہے اور لِلّٰهِ متعلق فعل ہے۔ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ شرط ہے اور فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ جواب شرط ہے۔ فَمَا کا مَا موصولہ ہے، اِسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ اس کا صلہ ہے۔ یہ صلہ موصول مل کر مبتداء ہے جب کہ اس کی خبر ار متعلق خبر وَاجِبٌ عَلَيْكُمْ محذوف ہے۔ لَا تَحْلِقُوْ فعل نہی ہے۔ اس کا فاعل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے اور رُءُوْسَكُمْ مفعول ہے۔ يَبْلُغُ فعل لازم ہے، اَلْهَدْيُ فاعل ہے اور اس کا مفعول نہیں آئے گا۔ مَحِلَّهٗ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ فَمَنْ كَانَ سے رَاْسِهٖ تک شرط ہے اور فَفِدْيَةٌ جواب شرط ہے۔ مِنْ بیانیہ ہے۔ صِيَامٍ - صَدَقَةٍ اور نُسُكٍ فدیہ کی وضاحت کے لیے ہے۔ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ شرط ہے اس کی ضمیر مفعولی ہٗ محذوف ہے جو کہ الهدی کے لیے ہے۔ فَصِيَامُ سے اِذَا رَجَعْتُمْ تک جواب شرط ہے۔ اس کے بعد وَاجِبٌ عَلَيْهِ محذوف ہے۔ تِلْكَ مبتداء اور عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ خبر ہے۔ یہ جملہ تاکید کے لیے ہے۔ ذٰلِكَ کا اشارہ اس آیت میں مذکور واجبات کی طرف ہے اور یہ مبتداء ہے۔ اس کی بھی خبر وَاجِبٌ محذوف ہے، جب کہ لِمَنْ سے الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ تک متعلق خبر ہے۔ لَمْ يَكُنْ کا اسم اَهْلُهٗ ہے جب کہ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اس کی خبر ہے۔ كَانَ کی خبر ہونے کی وجہ سے حَاضِرِيْنَ نصب میں ہے اور مضاف ہونے کی وجہ سے اس کا نون اعرابی گرا ہوا ہے۔ شَدِيْدُ الْعِقَابِ مرکب اضافی ہے۔ لیکن اُردو محاورہ کی وجہ سے اس کا ترجمہ مرکب توصیفی کا ہوگا۔ (آیت نمبر ۲/ ۴۹، نوٹ ۔ ۳)

ترجمہ

وَاَتِمُّوا	اَلْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ	لِلّٰهِ	فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ	فَمَا	اسْتَيْسَرَ
اور تم لوگ پورا کرو	حج کو اور عمرے کو	اللہ کے لیے	پھر اگر تم لوگ روک دیئے جاؤ	تو جو	آسان ہو

مِنَ الْهَدْيِ	وَلَا تَحْلِقُوْا	رُءُوْسَكُمْ	حَتّٰى
قربانی کے جانور میں سے وہ (واجب ہے تم پر)	اور تم لوگ مت مونڈو	اپنے سروں کو	یہاں تک کہ

يَبْلُغَ الْهَدْيُ	مَحِلَّهٗ ط	فَمَنْ	كَانَ	مِنْكُمْ	مَّرِيْضًا	اَوْ بِهٖٓ اَذًى
پہنچے قربانی کا جانور	اپنی منزل پر	پھر جو	ہو	تم میں سے	مریض	یا اس کو تکلیف ہو

مِّنْ رَّاْسِهٖ	فَفِدْيَةٌ	مِّنْ	صِيَامٍ	اَوْ صَدَقَةٍ	اَوْ نُسُكٍ ج	فَاِذَآ
اپنے سر میں	تو فدیہ (واجب) ہے	جیسے	روزہ رکھنا	یا کوئی صدقہ	یا کوئی قربانی	پس جب

اَمِنْتُمْ	فَمَنْ	تَمَتَّعَ	بِالْعُمْرَةِ	اِلَى الْحَجِّ	فَمَا	اسْتَيْسَرَ
تم لوگ امن میں ہو	پھر جو	فائدہ اُٹھائے	عمرے سے	حج تک	تو جو	آسان ہو

مِنَ الْهَدْيِ	فَمَنْ	لَّمْ يَجِدْ	فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ
قربانی کے جانور میں سے وہ (واجب ہے اس پر)	پھر جو	نہ پائے (اس کو)	تو تین دن کا روزہ رکھنا (واجب) ہے

فِي الْحَجِّ	وَسَبْعَةٍ	اِذَا رَجَعْتُمْ ط	تِلْكَ	عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ط	ذٰلِكَ	لِمَنْ
حج میں	اور سات	جب تم لوگ لوٹو	یہ	پورے دس ہیں	یہ	اس کے لیے ہے جس کے

لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ	حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط	وَاتَّقُوا اللّٰهَ	وَاعْلَمُوْٓا
گھر والے نہیں ہیں	مسجد حرام کے حاضرین	اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو	اور تم لوگ جان لو

أَنَّ اللّٰهَ	شَدِيْدُ الْعِقَابِ
کہ اللہ	سخت سزا دینے والا ہے

نوٹ۔1

اس آیت میں یہ نہیں کہا کہ حج یا عمرہ کرو، بلکہ کہا گیا ہے کہ انہیں پورا کرو۔ اس لیے حج یا عمرہ کی نیت سے احرام باندھ لینے کے بعد اسے پورا کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی مجبوری لاحق ہو جائے تو قربانی کر کے احرام کھول دے لیکن بعد میں اس کی قضا لازمی ہے۔ (معارف القرآن)

نوٹ۔2

قربانی سے پہلے سر مونڈنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر کسی بیماری یا مجبوری سے ایسا کرنا پڑ جائے تو فدیہ میں روزہ رکھنا ہوگا یا صدقہ دینا ہوگا یا قربانی کرنی ہوگی۔ اس آیت میں اس کا نصاب نہیں دیا گیا۔ البتہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تین روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یا کم از کم ایک بکری کی قربانی دے۔ (معارف القران)

نوٹ۔3

اسلام سے پہلے ایک ہی سفر میں عمرہ اور حج کرنے کو گناہ سمجھا جاتا تھا۔ یہ بات ان لوگوں کے لیے ٹھیک ہے جو مسجد حرام کے حاضرین ہیں، یعنی جن کی رہائش حرم کی میقاتوں کے اندر ہے۔ لیکن باہر والوں کے لیے یہ مشکل تھا کہ وہ عمرہ کر کے واپس جائیں اور حج کے لیے دوبارہ سفر کریں۔ چنانچہ اس آیت میں باہر والوں یعنی آفاقی لوگوں کو اجازت دی گئی کہ ایک ہی سفر میں وہ عمرہ سے حج تک فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ اس ک امطلب یہ ہے کہ عمرہ کرنے کے بعد وہ احرام کھول دیں اور حج کے لیے دوبارہ احرام باندھیں، البتہ ایسے حاجیوں کے لیے قربانی کرنا ضروری ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

400

سورۃ البقرۃ (۲)

آیت نمبر (197)

﴿ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭؔ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ١٩٧﴾

ج د ل

(ن) جَدْلًا رسی کو بل دینا۔

(س) جَدَلًا بات کو بل دینا، گھمانا پھرانا۔ بحث کرنا ﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۵۴﴾ (18/الکھف:54) ''اورانسان ہر چیز سے زیادہ ہے بحث کرنے میں۔''

(مفاعلہ) مُجَادَلَةً اور جِدَالًا ایک دوسرے کی بات کو گھمانا پھرانا۔ مناظرہ کرنا۔ ﴿يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا﴾ (16/النحل:111) ''جس دن آئے گی ہر جان بحث کرتی اپنے آپ سے۔''

جَادِلْ فعل امر ہے۔ تو مناظرہ کر۔ ﴿وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ﴾ (16/النحل:125) ''اور تو مناظرہ کر ان سے، بہترین طریقے سے۔''

ز و د

(ن) زَوْدًا سفر کا خرچ مہیا کرنا

زَادٌ اسم ذات ہے۔ سامانِ سفر۔ زادِ راہ۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

(تفعّل) تَزَوُّدًا سفر خرچ ساتھ رکھنا۔

تَزَوَّدْ فعل امر ہے۔ تو سفر خرچ ساتھ رکھ۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

ترکیب

اَلْحَجُّ مبتداء ہے اور مرکب توصیفی اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ خبر ہے۔ فَمَنْ شرطیہ ہے۔ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ شرط ہے اور فَلَا رَفَثَ سے فِي الْحَجِّ تک جواب شرط ہے۔ فَرَضَ کا فاعل اس کی ھُوَ کی ضمیر ہے جو مَنْ کے لیے ہے۔ اَلْحَجَّ اس کا مفعول ہے اور فِيْهِنَّ متعلق فعل ہے۔ اس میں ھِنَّ کی ضمیر اَشْهُرٌ کے لیے ہے۔ فَرَضَ کے بعد عَلٰى نَفْسِهٖ محذوف ہے۔ رَفَثَ، فُسُوْقَ اور جِدَالَ، تینوں سے پہلے لائے نفی جنس ہیں اور یہ مبتداء ہیں، ان کی خبریں محذوف ہیں جو کہ جَائِزٌ ہوسکتی ہیں۔ مَا شرطیہ ہے اس لیے اس کی شرط تَفْعَلُوْا کا نون اعرابی گرا ہوا ہے اور جواب شرط يَعْلَمْ مجزوم ہے۔

باب تفعّل کے ماضی تَفَعَّلَ سے جمع مذکر غائب کا وزن تَفَعَّلُوْا بنتا ہے۔ جب کہ اس کے فعل امر تَفَعَّلْ سے جمع مذکر مخاطب کا وزن بھی تَفَعَّلُوْا بنتا ہے۔ اس طرح یہ دونوں ہم شکل ہو جاتے ہیں۔ اس لیے تَزَوَّدُوْا کے دونوں امکانات ہیں، لیکن آیت کا مضمون بتا رہا ہے کہ یہاں یہ فعل امر ہے۔

فَاِنَّ کا اسم خَيْرَ الزَّادِ ہے، اس لیے اس کے مضاف خَيْرَ پر نصب آئی ہے اور مرکب اضافی ہونے کی وجہ

سے یہ تفضیل کل ہے۔ اُردو محاورے کی وجہ سے اس کا ترجمہ مرکب توصیفی کا ہوتا ہے۔ اِنَّ کی خبر اَلتَّقْوٰی ہے اور اس پر لام جنس ہے۔ وَاتَّقُوْا فعل امر ہے۔ ضمیر مفعولی آنے کی وجہ سے واو الجمع کا الف گر گیا اور نِ ضمیر مفعولی نِیْ کا نون وقایہ ہے۔ 400

ترجمہ

اَلْحَجُّ	اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ	فَمَنْ	فَرَضَ	فِيْهِنَّ	الْحَجَّ
حج (کے)	جانے پہچانے مہینے ہیں	توجس نے	فرض کیا (خود پر)	ان میں	حج کو

فَلَا رَفَثَ	وَلَا فُسُوْقَ ۙ	وَلَا جِدَالَ
توکسی قسم کی فحش گوئی نہیں ہے	اور کوئی حکم عدولی نہیں ہے	اور کوئی تو تو میں میں نہیں ہے

فِي الْحَجِّ ۭ	وَمَا	تَفْعَلُوْا	مِنْ خَيْرٍ	يَّعْلَمْهُ	اللّٰهُ ۭ
حج میں	اور جو	تم لوگ کرو گے	کوئی بھی بھلائی	تو جان لے گا اس کو	اللہ

وَتَزَوَّدُوْا	فَاِنَّ	خَيْرَ الزَّادِ	التَّقْوٰى	وَاتَّقُوْنِ ۡ
اور تم لوگ سفر خرچ ساتھ رکھو	پس یقینا	بہترین زادِراہ	تقویٰ ہے	اور تقویٰ اختیار کرو میرا

يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ
اے عقل والو

نوٹ۔1

سامانِ سفر ساتھ رکھنے کے ساتھ تقوٰی کو بہترین سامانِ سفر کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ صرف تقوٰی کافی ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ دیگر سامان بھی رکھو اور اسے مت بھولو۔

آیت نمبر (198)

﴿ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ
الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّاۗلِّيْنَ ١٩٨﴾

ف ی ض

(ض) **فَيْضًا**: پیمانہ لبریز ہونے سے پانی کا بہہ نکلنا۔ اُبل پڑنا۔ پھوٹ بہنا۔ ﴿ اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ ﴾ (5/المائدہ:83) ''ان کی آنکھیں اُبل پڑتی ہیں آنسو سے۔''

(افعال) **اِفَاضَةً**: یکبارگی پانی اُنڈیلنا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ مختلف معانی میں آتا ہے۔ مثلاً (۱) کسی جگہ سے لوگوں کا جوق در جوق نکلنا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔ (۲) کسی بات کو پھیلانا۔ چرچا کرنا۔ ﴿ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ ﴾ (46/الاحقاف:8) ''وہ خوب جانتا ہے اس کو، تم لوگ چرچا کرتے ہو جس کا۔''

اَفِضْ: فعل امر ہے۔ جوق در جوق نکل۔ آگے آیت نمبر ۱۹۹ میں آیا ہے۔

ترکیب

لَيْسَ کا اسم جُنَاحٌ نکرہ آیا ہے کیونکہ عام قاعدہ بیان ہو رہا ہے۔ اَنْ تَبْتَغُوْا اس کی خبر ہے۔ اِذَا شرطیہ ہے۔ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ شرط ہے اور فَاذْكُرُوا سے هَدٰىكُمْ تک جواب شرط ہے۔ عَرَفٰتٍ اسم عَلَم یعنی ایک جگہ کا نام ہے۔ فَاذْكُرُوْا کا فاعل اس کی اَنْتُمْ کی ضمیر ہے اور لفظ اللّٰہ مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے جب کہ عِنْدَ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اَلْمَشْعَرِ الْحَرَامِ بھی اسم عَلَم ہے اور مزدلفہ کی ایک پہاڑی کا نام ہے۔ وَاِنْ كُنْتُمْ کا اِنْ مخففہ ہے۔ مِنْ قَبْلِهٖ میں ہٖ کی ضمیر ہدایت کے لیے ہے۔

ترجمہ

لَيْسَ عَلَيْكُمْ	جُنَاحٌ	اَنْ تَبْتَغُوْا	فَضْلًا	مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ	فَاِذَآ
تم لوگوں پر	کوئی گناہ نہیں ہے	کہ تم لوگ جستجو کرو	کچھ روزی کی	اپنے رب سے	پس جب بھی

اَفَضْتُمْ	مِّنْ عَرَفٰتٍ	فَاذْكُرُوا	اللّٰهَ	عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪	وَاذْكُرُوْهُ
تم لوگ جوق در جوق نکلو	عرفات سے	تو یاد کرو	اللہ کو	مشعر حرام کے پاس	اور یاد کرو اس کو

كَمَا	هَدٰىكُمْ ۚ	وَاِنْ كُنْتُمْ	مِّنْ قَبْلِهٖ	لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ
اس طرح جیسے	اس نے ہدایت کی تم کو	اور یقیناً تم لوگ	اس سے پہلے	گمراہ ہونے والوں میں سے تھے

نوٹ۔1

”ارشادِ قرآنی وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ سے ایک اور بھی اصولی مسئلہ نکل آیا کہ ذکر اللہ اور عبادت میں آدمی خود مختار نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو جس طرح چاہے یاد کرے، اور جس طرح چاہے اس کی عبادت کرے، بلکہ ذکر اللہ اور ہر عبادت کے خاص آداب ہیں، اُن کے موافق ادا کرنا ہی عبادت ہے۔ اس کے خلاف کرنا جائز نہیں اور اس میں کمی بیشی یا مقدم مؤخر کرنا، خواہ اس میں ذکر اللہ کی کچھ زیادتی بھی ہو، وہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ نفلی عبادات اور صدقہ خیرات وغیرہ میں جو لوگ بلا دلیل شرعی اپنی طرف سے کچھ خصوصیات اور اضافے کر لیتے ہیں اور ان کی پابندی کو ضروری سمجھ لیتے ہیں، حالانکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ضروری قرار نہیں دیا، اور ان افعال کے نہ کرنے والوں کو خطادار سمجھتے ہیں، اس آیت نے ان کی غلطی کو واضح کر دیا۔“ (معارف القرآن)

آیت نمبر (2:199)

﴿ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٩٩﴾﴾

ترکیب

فعل امر اَفِيْضُوْا کا فاعل اس کی اَنْتُمْ کی ضمیر ہے اور اَفَاضَ کا فاعل النَّاسُ ہے، جب کہ مِنْ حَيْثُ ان دونوں کا ظرف ہے اس لیے محلاً منصوب ہے۔ فعل امر وَاسْتَغْفِرُوْا کا فاعل اس کی اَنْتُمْ کی ضمیر ہے اور لفظ اَللّٰهَ اس کا مفعول ہے۔

ترجمہ

ثُمَّ اَفِيْضُوْا	مِنْ حَيْثُ	اَفَاضَ	النَّاسُ	وَاسْتَغْفِرُوا	اللّٰهَ
پھر تم لوگ جوق در جوق نکلو	جہاں سے	نکلے	لوگ	اور مغفرت طلب کرو	اللہ سے

اِنَّ اللّٰهَ	غَفُوْرٌ	رَّحِيْمٌ
یقیناً اللہ	بے انتہا بخشنے والا ہے	ہر حال میں رحم کرنے والا ہے

نوٹ۔1

قریش خانہ کعبہ کے ''برہمن'' تھے اور عام حاجیوں کی طرح عرفات جا کر قیام کرنے میں ہتک محسوس کرتے 400 تھے، اس لیے وہ لوگ مزدلفہ میں قیام کرتے تھے اور وہیں سے لوٹتے تھے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وی۔ آئی۔ پی کلچر کے بُت کو توڑنے کا حکم دیا ہے، لیکن ہم لوگوں نے اسے اپنے گلے میں اٹکایا ہوا ہے، نہ نگلے بنتا ہے اور نہ اُگلے بنتا ہے۔ اس کلچر کو ہم برا بھلا بھی کہتے رہتے ہیں اور چھوڑتے بھی نہیں۔

یہ مسجد ہے کہ مئے خانہ، تعجب اس پہ آتا ہے
جناب شیخ کا نقشِ قدم یوں بھی ہے اور یوں بھی

آیت نمبر (200)

﴿فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۭ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝۲۰۰﴾

ترکیب

فَاِذَا شرطیہ ہے۔ قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ شرط ہے اور فَاذْكُرُوْا سے ذِكْرًا تک جوابِ شرط ہے۔ كَذِكْرِكُمْ میں ذِكْرِ مصدر نے فعل کا عمل کیا ہے اور اٰبَآءَ کو نصب دی ہے۔ تفسیر حقانی کے مطابق اَشَدَّ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور ذِكْرًا اس کی تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ مَنْ یہاں جمع کے مفہوم میں ہے۔ لفظی رعایت کے تحت يَقُوْلُ واحد آیا ہے اور معنوی لحاظ سے رَبَّنَآ اٰتِنَا پر جمع کی ضمیر آئی ہے۔ رَبَّنَا میں رَبَّ کی نصب بتا رہی ہے کہ اس سے پہلے حرفِ ندا محذوف ہے۔ مَا نافیہ ہے۔ خَلَاقٍ مبتداء مؤخر نکرہ ہے اور اس پر مِنْ تبعیضیہ لگا ہوا ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے جو کہ وَاجِبًا یا ثَابِتًا ہو سکتی ہے۔ لَهٗ قائم مقام خبر مقدم ہے اور اس کی ضمیر مَنْ کے لیے ہے جب کہ فِي الْاٰخِرَةِ متعلق خبر ہے۔

ترجمہ

فَاِذَا	قَضَيْتُمْ	مَّنَاسِكَكُمْ	فَاذْكُرُوْا	اللّٰهَ	كَذِكْرِكُمْ
پس جب	تم لوگ پورا کر لو	اپنے حج کے اعمال کو	تو یاد کرو	اللہ کو	تمہارے یاد کرنے کی مانند

اٰبَآءَكُمْ	اَوْ اَشَدَّ	ذِكْرًا ۭ	فَمِنَ النَّاسِ	مَنْ
اپنے آباء واجداد کو	یا زیادہ شدید ہوتے ہوئے	بلحاظ ذکر کے	اور لوگوں میں وہ بھی ہیں	جو

يَّقُوْلُ	رَبَّنَآ	اٰتِنَا	فِي الدُّنْيَا	وَمَا لَهٗ	فِي الْاٰخِرَةِ
کہتے ہیں	اے ہمارے رب!	تو دے ہم کو	دنیا میں	اور نہیں ہے اس کے لیے	آخرت میں

مِنْ خَلَاقٍ
بھلائی کا کسی قسم کا کوئی بھی حصہ

آیت نمبر (201)

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝۲۰۱﴾

ترکیب	مِنۡهُمۡ کی ضمیر گزشتہ آیت کے لفظ النَّاس کے لیے ہے۔اٰتِنَا میں اٰتِ فعل امر ہے،ضمیر مفعولی نَا مفعول اوّل ہے اور حَسَنَةً مفعول ثانی ہے۔قِنَا میں قِ فعل امر ہے،ضمیر مفعولی نَا مفعول اوّل ہے اور عَذَابَ النَّارِ مفعول ثانی ہے۔400

ترجمہ

وَمِنۡهُمۡ	مَّنۡ	يَّقُوۡلُ	رَبَّنَآ	اٰتِنَا	فِي الدُّنۡيَا	حَسَنَةً
اوران میں وہ بھی ہیں	جو	کہتے ہیں	اے ہمارے رب	تو دے ہم کو	دنیا میں	بھلائی

وَّفِي الۡاٰخِرَةِ	حَسَنَةً	وَّقِنَا	عَذَابَ النَّارِ
اور آخرت میں	بھلائی	اور تو بچا ہم کو	آگ کے عذاب سے

آیت نمبر (202)

﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ نَصِيۡبٌ مِّمَّا كَسَبُوۡا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ۲۰۲﴾

ن ص ب

(ف۔ض) نَصۡبًا: (۱) کسی چیز کو گاڑنا، جمانا۔ (۲) کسی کو تکلیف دینا۔﴿وَ اِلَى الۡجِبَالِ كَيۡفَ نُصِبَتۡ ۱۹﴾ (88/الغاشیہ:19)''اور پہاڑوں کی طرف، کیسے وہ جمائے گئے۔''

(س) نَصَبًا: محنت کرنا۔کوشش کرنا۔

اِنۡصَبۡ: فعل امر ہے۔تو محنت کر، کوشش کر۔﴿فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ ۷ وَ اِلٰى رَبِّكَ فَارۡغَبۡ ۸﴾ (94/الم نشرح:8-7)''پس جب بھی آپؐ فارغ ہوں تو آپؐ محنت کریں اور اپنے رب کی طرف پھر رغبت کریں۔''

نَاصِبٌ: اسم الفاعل ہے۔محنت کرنے والا۔کوشش کرنے والا۔﴿وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۲ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۳﴾ (88/الغاشیہ:2۔3)''کچھ چہرے اس دن ذلیل ہونے والے ہیں، عمل کرنے والے، محنت کرنے والے۔''

نَصَبٌ: اسم ذات ہے۔مشقت۔تکلیف۔﴿لَا يَمَسُّهُمۡ فِيۡهَا نَصَبٌ﴾ (15/الحجر:48)''نہیں پہنچے گی ان کو اس میں کوئی مشقت۔''

نُصۡبٌ: اسم ذات ہے۔ایذا۔تکلیف۔﴿اَنِّيۡ مَسَّنِيَ الشَّيۡطٰنُ بِنُصۡبٍ وَّ عَذَابٍ ۴۱﴾ (38/ص:41)''کہ چھوا مجھ کو شیطان کے ایذا سے اور عذاب سے۔''

نُصُبٌ: ج اَنۡصَابٌ۔ اسم ذات ہے۔بھینٹ چڑھانے کی علامت کے لیے گاڑے ہوئے پتھر۔استھان۔بُت۔﴿وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ (5/المائدہ:3)''اور جو ذبح کیا گیا استھان پر۔''﴿اِنَّمَا الۡخَمۡرُ وَ الۡمَيۡسِرُ وَالۡاَنۡصَابُ وَالۡاَزۡلَامُ رِجۡسٌ﴾ (5/المائدہ:90)''کچھ نہیں سوائے اس کے کہ نشہ اور جوا اور استھان اور پانسے نجاست ہیں۔''

نَصِيۡبٌ: فَعِيۡلٌ کے وزن پر اسم المفعول کے معنی میں صفت ہے۔گاڑا ہوا، جمایا ہوا۔پھر کسی چیز کا کسی کے لیے مقرر کردہ حصے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔آیت زیرِ مطالعہ۔

س ر ع

(س۔ک) سَرۡعًا سُرۡعَةً: کوئی کام تیزی سے کرنا۔جلدی کرنا۔

اَسْرَعُ — افعل التفضیل ہے۔ زیادہ تیز یا سب سے تیز۔ ﴿وَ هُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ﴾ 400 (6/الانعام:62)’’اور وہ سب سے تیز حساب کرنے والا ہے۔‘‘

سَرِيْعٌ — فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ جلدی کرنے والا۔ تیز۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

(مفاعلہ) سِرَاعًا — ایک دوسرے سے آگے نکلنے کے لیے جلدی کرنا۔ سبقت کرنا۔ ﴿وَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ﴾ (3/آل عمران:114)’’اور وہ لوگ باہم سبقت کرتے ہیں بھلائیوں میں۔‘‘

سَارِعْ — فعل امر ہے۔ تو سبقت کر۔ ﴿وَ سَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ﴾ (3/آل عمران:133)’’اور تم لوگ باہم سبقت کرو مغفرت کی طرف۔‘‘

ح س ب

(ن) حَسَبًا — گنتی کرنا۔ شمار کرنا یعنی حساب رکھنا۔ حساب کرنا۔

(س۔ح) حِسْبَانًا — خیال کرنا۔ گمان کرنا۔ ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ﴾ (2/البقرہ:214)’’کیا تم لوگوں نے گمان کیا کہ تم لوگ داخل ہو گے جنت میں۔‘‘

حَاسِبٌ — اسم الفاعل ہے۔ حساب رکھنے والا۔ حساب کرنے والا۔ اوپر لفظ اَسْرَعُ میں آیت نمبر 6/62۔

حَسِيْبٌ — فَعِيْلٌ کا وزن ہے۔ ہمیشہ اور ہر حال میں حساب کرنے والا۔ ﴿وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا﴾ (4/النساء:6)’’اور کافی ہے اللہ بطور حساب کرنے والے کے۔‘‘

حُسْبَانٌ — فُعْلَانٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ (۱) بے انتہا حساب رکھنے والا۔ (۲) سخت پکڑ کرنے والا (حساب کے نتیجے میں)۔ آفت۔ ﴿وَ جَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا﴾ (6/الانعام:96)’’اور اس نے بنایا رات کو سکون اور سورج اور چاند کو حساب رکھنے والا۔‘‘ ﴿وَ يُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ﴾ (18/الکہف:40)’’اور وہ بھیجے اس پر کوئی آفت سمان سے۔‘‘

حَسْبُ — اسم فعل ہے۔ حساب کتاب میں پورا یعنی کافی۔ ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ (3/آل عمران:173)’’کافی ہے ہم کو اللہ اور کیا ہی اچھا وکیل ہے۔‘‘

(مفاعلہ) مُحَاسَبَةً اور حِسَابًا — کسی سے کسی چیز کا حساب مانگنا۔ حساب لینا۔ ﴿وَ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾ (2/البقرہ:284)’’اور اگر تم لوگ ظاہر کرو اس کو جو تمہارے جی میں ہے یا چھپاؤ اس کو، حساب لے گا تم سے اس کا اللہ۔‘‘

(افتعال) اِحْتِسَابًا — (۱) اہتمام سے حساب مانگنا۔ (۲) اہتمام سے خیال کرنا۔ ﴿وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ (65/الطلاق:2-3)’’اور جو تقویٰ کرتا ہے اللہ کا تو وہ بناتا ہے اس کے لیے نکلنے کا ایک راستہ اور وہ رزق دیتا ہے اس کو وہاں سے جہاں سے وہ گمان نہیں کرتا۔‘‘

ترکیب

اُولٰٓئِكَ مبتداء ہے اور لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا، یہ پورا جملہ اس کی خبر ہے۔ اس جملہ میں نَصِيْبٌ مبتداء مؤخر نکرہ ہے، خبر محذوف ہے اور لَهُمْ قائم مقام خبر مقدم ہے، جب کہ مِمَّا كَسَبُوْا متعلق خبر ہے۔ وَاللّٰهُ مبتداء اور مرکب اضافی سَرِيْعُ الْحِسَابِ اس کی خبر ہے۔

ترجمہ

أُولٰٓئِكَ	لَهُمْ	نَصِيْبٌ	مِّمَّا	كَسَبُوْا ؕ	وَاللّٰهُ	سَرِيْعُ الْحِسَابِ 400
وہ لوگ ہیں	جن کے لیے	ایک حصہ ہے	اس میں سے جو	انہوں نے کمایا	اور اللہ	حساب لینے میں تیز ہے

نوٹ۔1

آیت نمبر ۲/ ۲۰۰ میں ان لوگوں کا ذکر تھا جو اپنی نیکی کا اجر دنیا میں مانگتے ہیں۔ وہاں پر بتادیا گیا کہ ایسے لوگوں کو آخرت میں کچھ نہیں ملے گا یعنی دنیا میں ملے گا یا نہیں اور ملے گا تو کتنا، اس کا فیصلہ تو اللہ تعالیٰ اپنے علم اور حکمت سے کرے گا، لیکن یہ بات یقینی ہے کہ انہیں آخرت میں کچھ نہیں ملے گا۔ پھر آیت نمبر ۲۰۱ میں ان لوگوں کا ذکر ہوا جو اپنی نیکی کا اجر دنیا اور آخرت، دونوں جگہ مانگتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا، اس کی وضاحت اس آیت میں کی گئی ہے کہ جو نیکی انہوں نے کمائی ہے اس کا کچھ حصہ انہیں دنیا میں ملے گا اور کچھ حصہ آخرت میں۔ اس بات کی مزید وضاحت ایک حدیث سے ہوتی ہے جس کا مفہوم یہ ہے (ترجمہ نہیں) کہ ایک غازی، جس نے صرف اللہ کی رضا کے لیے قتال میں حصہ لیا، اس نے اپنے اجر کا دو تہائی حصہ وصول کرلیا۔ یہ مسلم شریف کی حدیث ہے۔ جو لوگ حدیث کے بغیر قرآن مجید سے ہی سب کچھ سمجھنا چاہتے ہیں، وہ لوگ اپنی دلیل کے طور پر اس حدیث کو پیش کرتے ہیں کہ یہ حدیث آیت نمبر ۲۰۱ سے ٹکراتی ہے یعنی اس کے خلاف ہے، ایسے لوگوں کو اپنی قرآن فہمی کا دوبارہ جائزہ لینا چاہیے جس پر ان کا تکیہ ہے۔

آیت نمبر (302)

﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۲۰۳﴾

ح ش د

(ن)

حَشْرًا (۱) جمع کرنا۔ اکٹھا کرنا۔ (۲) جمع کرنے کے لیے نکالنا۔ اُٹھانا۔ ﴿يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ۝۸۵ ۙ﴾ (19/ مریم:85) ''جس دن ہم جمع کریں گے متقی لوگوں کو رحمن کی طرف بطور وفد کے۔'' ﴿رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى﴾ (20/ طٰہٰ:125) ''اے میرے رب! تو نے کیوں اُٹھایا مجھ کو اندھا۔''

اُحْشُرُ فعل امر ہے۔ تو جمع کر۔ ﴿اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ (37/ الصّٰفّٰت:22) ''تم لوگ اکٹھا کرو ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا۔''

حَاشِرٌ اسم الفاعل ہے۔ جمع کرنے والا۔ ﴿وَابْعَثْ فِي الْمَدَاۗىِٕنِ حٰشِرِيْنَ ۝۳۶ ۙ﴾ (26/ الشعراء:36) ''اور تو بھیج شہروں میں جمع کرنے والوں کو۔''

مُحْشُوْرٌ اسم المفعول ہے۔ جمع کیا ہوا۔ ﴿وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ؕ﴾ (38/ صٓ:19) ''اور پرندوں کو، جمع کیے ہوئے۔''

ترکیب

وَاذْكُرُوْا کا فاعل اس کی اَنْتُمْ کی ضمیر ہے، لفظ اللہ مفعول ہے اور مرکب توصیفی اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ظرف ہے لیکن فِيْ کی وجہ سے حالتِ جرّ میں آیا ہے۔ فَمَنْ شرطیہ ہے تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ شرط ہے۔ جب کہ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ جواب شرط ہے۔ اور اس پر لائے نفی جنس ہے۔

ترجمہ

وَاذْكُرُوا	اللّٰهَ	فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ	فَمَنْ	تَعَجَّلَ	فِيْ يَوْمَيْنِ
اور تم لوگ یاد کرو	اللہ کو	گنے ہوئے دنوں میں	پس جس نے	جلدی کی	دو دنوں میں

فَلَآ اِثْمَ	عَلَيْهِ	وَمَنْ تَاَخَّرَ	فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ
تو کسی قسم کا گناہ نہیں ہے	اس پر	اور جس نے دیر کی	تو کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہے اس پر

لِمَنِ اتَّقٰى	وَاتَّقُوا	اللّٰهَ	وَاعْلَمُوْٓا	اَنَّكُمْ
اس کے لیے جس نے تقویٰ کیا	اور م لوگ تقویٰ کرو	اللہ کا	اور تم لوگ جان لو	کہ

اِلَيْهِ	تُحْشَرُوْنَ
اس کی طرف ہی	تم سب اکٹھا کیے جاؤ گے

نوٹ۔1

تَعَجَّلَ کے ساتھ دو دنوں کی وضاحت ہے لیکن تَاَخَّرَ کے ساتھ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اس سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ حاجی کی مرضی ہے کہ جب تک اس کا جی چاہے منیٰ میں رہے، تین دن میں واپسی ضروری نہیں ہے۔ کچھ لوگ سعودی حکومت پر تنقید کرتے ہیں کہ تمام انتظامات ختم کر کے حاجیوں کو تین دنوں میں واپسی پر مجبور کرنا، اس آیت کے خلاف ہے۔ وہ لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ طریقہ اسلام سے بھی پہلے رائج ہے جسے قرآن یا حدیث میں تبدیل نہیں کیا گیا۔ نیز ان کی دلیل کی تردید اس آیت کے الفاظ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ سے ہو جاتی ہے کہ جلدی یا دیر کرنے کی بات ان دنوں کے حوالے سے۔

اس قسم کی بحثوں میں اُلجھنے کے بجائے ہمیں اپنی توجہ کو اس آیت کے اصل سبق پر مرکوز کرنا چاہیے اس میں سبق یہ دیا گیا ہے کہ کسی حاجی کی فضیلت اس میں نہیں ہے کہ دس تاریخ کو حج کے ارکان سے فارغ ہونے کے بعد کون منیٰ میں دو دن رہا اور کون تین دن، بلکہ فضیلت اس میں ہے کہ قیام کے دوران کس نے اللہ کو کتنا یاد کیا اور اللہ کی نافرمانیوں سے بچنے کی کتنی پریکٹس کی۔

جس طرح حج پر آنے کے سفر کے لیے بہترین زادِ راہ تقویٰ تھا اسی طرح واپسی کے لیے بھی بہترین زادِ راہ اور حج کا بہترین تحفہ تقویٰ ہونا چاہیے۔ اس لیے حج سے فارغ ہو کر کچھ عرصہ منیٰ میں قیام کر کے اپنے تقویٰ میں حسن و نکھار پیدا کر کے اسے خوب مستحکم کر لو، اس کے بعد اپنے کمرۂ امتحان میں واپس جاؤ۔

آیت نمبر (204)

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿٢٠٤﴾ ﴾

ع ج ب

(س) عَجَبًا حیرت زدہ ہونا۔ حیرت کرنا۔ ﴿ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ ﴾ (7/الاعراف:63) ''تو کیا تم لوگ حیرت زدہ ہو کہ تمہارے پاس آئی ایک یاد دہانی تمہارے رب سے، تم میں سے ایک شخص پر۔''

عَجَبٌ مصدر کے علاوہ صفت بھی ہے۔ جو چیز عام طور پر نظر نہ آتی ہو۔ غیر معمولی۔ حیران کن۔ انوکھی۔ ﴿ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ ﴾(10/ یونس:2)''کیا لوگوں کے لیے حیران کن ہے کہ ہم نے وحی کی ان میں سے ایک شخص کی طرف۔''

عَجِيْبٌ فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ حیران کن۔ ﴿ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴾(50/ قٓ:2)''یہ حیران کن چیز ہے۔''

عُجَابٌ فُعَالٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ انتہائی حیران کن۔ ﴿ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ﴾(38/ صٓ:5) ''یقیناً یہ انتہائی حیران کن چیز ہے۔''

(افعال) **اِعْجَابًا** کسی کو حیرت میں ڈالنا۔ (۱) حیرت زدہ کرنا۔ (۲) دلکش لگنا۔ بھلا لگنا۔ ﴿ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ لَآ اَوْلَادُهُمْ ﴾ (9/ التوبہ:55)''تو حیران نہ کریں تجھ کو ان کے مال اور نہ ان کی اولاد'' ﴿ وَ لَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ﴾(5/ المآئدہ:100)''اور اگر بھلی لگے تجھ کو خباثت کی کثرت۔''

ل	د	د

(ن) **لَدًّا** کسی کی بات نہ ماننا۔ ہٹ دھرم ہونا۔

اَلَدُّ ج لُدٌّ۔ افعل التفضیل ہے۔ زیادہ ہٹ دھرم یا انتہائی ہٹ دھرم۔ واحد آیت زیرِ مطالعہ میں آیا ہے۔ ﴿ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴾ (19/ مریم:97)''اور تاکہ آپؐ خبردار کریں اس سے ایک زیادہ ہٹ دھرم قوم کو۔''

خ	ص	م

(ض) **خَصْمًا** زبانی جھگڑا کرنا۔ تو تکار کرنا۔

خَصْمٌ اسم ذات بھی ہے۔ مدّمقابل۔ فریقِ مخالف۔ (یہ واحد، جمع، مؤنث، سب کے لیے آتا ہے)۔ ﴿ وَ هَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ﴾(38/ صٓ:21)''اور کیا پہنچی تجھ کو مخالف فریقوں کی خبر۔''

خَصِمٌ ج خِصَامٌ اور خَصِمُوْنَ۔ صفت ہے۔ کٹ حجتی۔ جھگڑالو۔ خِصَامٌ آیتِ زیرِ مطالعہ میں آیا ہے۔ ﴿ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴾(43/ الزخرف:58)''بلکہ وہ لوگ جھگڑالو قوم ہیں۔''

خَصِيْمٌ فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ ہمیشہ بحث کرنے والا جھگڑالو۔ ﴿ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴾ (16/ النحل:4)''پس جب ہی وہ کھلے طور پر ہمیشہ بحث کرنے والا ہے۔''

(افتعال) **اِخْتِصَامًا** اہتمام سے ایک دوسرے سے اُلجھنا۔ جھگڑنا۔ ﴿ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴾ (3/آل عمران:44)''اور آپؐ نہیں تھے ان کے پاس جب وہ ایک دوسرے سے اُلجھ رہے تھے۔''

(تفاعل) **تَخَاصُمًا** باہم جھگڑا کرنا۔ ﴿ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴾(38/ صٓ:64)''بیشک یہ حق ہے، آگ والوں کا باہم جھگڑا کرنا۔

ترکیب

مَنْ نکرہ موصوفہ ہے۔ اگلا جملہ اس کی صفت ہے۔ يُعْجِبُ کا مفعول ضمیر کَ ہے اور قَوْلُهٗ اس کا فاعل ہے۔ يُشْهِدُ کا فاعل اس کی ھُوَ کی ضمیر ہے جو مَنْ کے لیے ہے۔ اَلَدُّ الْخِصَامِ مرکب اضافی ہے لیکن اُردو محاورے کی وجہ سے ترجمہ مرکب توصیفی میں ہوگا۔

ترجمہ

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	قَوْلُهٗ	يُّعْجِبُكَ	مَنْ	وَمِنَ النَّاسِ
دنیا کی زندگی میں	جس کی بات	بھلی لگتی ہے تجھ کو	جو	اور لوگوں میں وہ بھی ہے

هُوَ	وَ	فِيْ قَلْبِهٖ	عَلٰى مَا	اللّٰهَ	وَيُشْهِدُ
وہ	حالانکہ	اس کے دل میں ہے	اس پر جو	اللہ کو	اور جو گواہ بناتا ہے

اَلَدُّ الْخِصَامِ
انتہائی ہٹ دھرم ہے

آیت نمبر (205)

﴿وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝۲۰۵﴾

ح ر ث

(ن) حَرْثًا کھیتی کے لیے زمین تیار کرنا۔ بیج ڈالنا۔ ﴿ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝۶۳ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝۶۴﴾ (56/الواقعہ:63۔64) ’’کیا تم لوگوں نے دیکھا نہیں جو تم بیج ڈالتے ہو، کیا تم اُگاتے ہو اس کو یا ہم اگانے والے ہیں۔‘‘

حَرْثٌ اسم ذات بھی ہے۔کھیتی۔آیت زیر مطالعہ۔

ن س ل

(ض) نَسْلًا پرندوں کے پر یا جانوروں کے اُون کا گرنا۔اس بنیادی مفہوم کے ساتھ مختلف معانی میں آتا ہے مثلاً (۱) گرنا یا الگ ہونا۔ (۲) تیز چلنا۔ ﴿وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ۝۹۶﴾ (21/الانبیاء:96) ’’اور وہ لوگ ہر بلندی سے تیزی سے پھسلتے ہوں گے۔‘‘

نَسْلٌ کسی سے الگ ہونے والی چیز۔اولاد اور اولاد کی اولاد نسل۔آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب

اِذَا شرطیہ ہے۔تَوَلّٰى شرط ہے اور سَعٰى سے وَالنَّسْلَ تک جواب شرط ہے۔افعال تَوَلّٰى۔ سَعٰى۔ يُفْسِدَ اور يُهْلِكَ کے فاعل ان کی هُوَ کی ضمیریں ہیں جو گزشتہ آیت میں مذکور مَنْ کے لیے ہیں۔ فِيْهَا کی ضمیر اَلْاَرْض کے لیے ہے۔ يُفْسِدَ کے لام کَیْ پر عطف ہونے کی وجہ سے يُهْلِكَ پر بھی نصب ہے۔ معلوم ہے کہ لامِ کَیْ کے بعد لفظ اَنْ محذوف ہوتا ہے۔نسل سے مراد مویشیوں کی نسل ہے۔

ترجمہ

فِيْهَا	لِيُفْسِدَ	فِي الْاَرْضِ	سَعٰى	تَوَلّٰى	وَاِذَا
اس میں	تاکہ وہ نظم بگاڑے	زمین میں	تو وہ بھاگ دوڑ کرتا ہے	وہ لوٹتا ہے	اور جب

لَا يُحِبُّ	وَاللّٰهُ	وَالنَّسْلَ ۭ	الْحَرْثَ	وَيُهْلِكَ
پسند نہیں کرتا	اور اللہ	اور (مویشیوں کی) نسل کو	کھیتی کو	اور تاکہ وہ برباد کرے

الْفَسَادَ	431
فسادکو	

آیت نمبر(206)

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝۲۰۶﴾

م	ھ	د

(ف) مَهْدًا: کسی چیز کو بچھانا۔ آرام دِہ بنانا۔ ﴿وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ۝۴۴﴾ (30/الروم:44) ''اور جس نے عمل کیا کوئی نیکی کا تو اپنے لیے وہ آرام دِہ بناتا ہے۔''

مَاهِدٌ: اسم الفاعل ہے۔ بچھانے والا۔ آرام دِہ بنانے والا۔ ﴿وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ۝۴۸﴾ (51/الذریات:48) ''اور زمین کو، ہم نے بچھایا اس کو تو ہم کتنا اچھا، آرام دِہ بنانے والے ہیں۔''

مِهَادٌ: فِعَالٌ کے وزن پر اسم المفعول ہے آرام دِہ بنائی ہوئی چیز۔ آرام کا ٹھکانہ۔ آیت زیر مطالعہ۔

مَهْدٌ: اسم ذات ہے۔ بچھونا۔ چھوٹے بچے کا گہوارہ۔ ﴿الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا﴾ (20/طٰہٰ:53) ''جس نے بنایا تمہارے لیے زمین کو بچھونا۔'' ﴿كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ﴾ (19/مریم:29) ''ہم کیسے بات کریں اس سے جو ہے گہوارے میں۔''

ترکیب

اِذَا شرطیہ ہے۔ قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ شرط ہے اور اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ جواب شرط ہے۔ اَخَذَتْ کا فاعل الْعِزَّةُ ہے اور ہُ ضمیر مفعولی ہے جبکہ بِالْاِثْمِ متعلق فعل ہے اور اس میں بِ سببیہ ہے۔ مرکب اضافی حَسْبُهٗ مبتداء ہے۔ جَهَنَّمُ خبر ہے۔ لَبِئْسَ الْمِهَادُ مبتداء ہے اور اس کی خبر جَهَنَّمُ محذوف ہے۔

ترجمہ

وَاِذَا	قِيْلَ	لَهُ	اتَّقِ	اللّٰهَ	اَخَذَتْهُ	الْعِزَّةُ
اور جب کبھی	کہا جاتا ہے	اس سے	کہ تو تقوی کر	اللہ کا	تو جکڑتا ہے اس کو	گھمنڈ

بِالْاِثْمِ	فَحَسْبُهٗ	جَهَنَّمُ ؕ	وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ
گناہ کے سبب سے	پس کافی ہے اس کو	جہنم	اور بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔(جہنم)

آیت نمبر(2/البقرہ:207)

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝۲۰۷﴾

ترکیب

يَشْرِيْ کا فاعل اس کی ھُوَ کی ضمیر ہے جو مَنْ کے لیے ہے۔ نَفْسَهٗ اس کا مفعول اوّل ہے اور مرکب اضافی اِبْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ اس کا مفعول ثانی ہے اس لیے مضاف اِبْتِغَاءَ پر نصب آئی ہے۔

ترجمہ

وَمِنَ النَّاسِ	مَنْ	يَّشْرِيْ	نَفْسَهُ	ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ 431
اور لوگوں میں وہ بھی ہیں	جنہوں نے	سودا کیا	اپنے آپ کا	اللہ کے راضی ہونے کی جستجو کرنے سے

وَاللّٰهُ	رَءُوْفٌۢ	بِالْعِبَادِ
اور اللہ	بے تنہا نرمی کرنے والا ہے	بندوں سے

نوٹ۔1

آیت نمبر 200 سے آیت زیرِ مطالعہ یعنی 207 تک میں چار قسم کے حاجیوں کا ذکر آیا ہے۔ لیکن ان کے لیے حاجی کے بجائے اَلنَّاس کا لفظ لایا گیا ہے۔ اس سے راہنمائی یہ ملتی ہے کہ جیسے معاشرے میں مختلف کردار کے لوگ ہوتے ہیں، ویسے حاجیوں میں بھی مختلف کردار کے لوگ ہوتے ہیں۔

آیت نمبر 200 میں وَمِنَ النَّاسِ مَنْ کے الفاظ سے پہلی قسم کے حاجیوں کا ذکر ہوا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا حج کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انہیں دنیا میں عزت وشہرت اور مقام ورتبہ حاصل ہو۔ ایسے لوگوں کو آخرت میں حج کا کوئی ثواب نہیں ملے گا۔ پھر آیت نمبر 201 میں وَمِنْهُمْ مَّنْ کے الفاظ سے دوسری قسم کے حاجیوں کا ذکر ہوا۔ یہ لوگ دنیا اور آخرت دونوں جگہ کے فوائد کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ اِن کو ان کی کمائی میں سے دونوں جگہ حصہ ملے گا۔ پھر آیت نمبر 204 میں وَمِنَ النَّاسِ مَنْ کے الفاظ سے تیسری قسم کے حاجیوں کا ذکر ہوا۔ یہ SELF CENTRED لوگ ہیں یعنی انتہائی خود پسند لوگ جو اپنی ناک سے آگے کچھ نہیں دیکھتے اور اپنی بات کے آگے کسی کی بات کو اہمیت نہیں دیتے۔ یہاں تک کہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات بھی نہیں سنتے۔ حالانکہ بات بات پر اللہ کو گواہ بناتے ہیں۔ یہ لوگ حج کرنے کے بعد بھی اپنے مخالف کو پست کرنے کے لیے کسی زیادتی یا ظلم سے دریغ نہیں کرتے۔ اِن کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور آیت زیرِ مطالعہ میں چوتھی قسم کے حاجیوں کا ذکر ہے۔ یہ لوگ حج سے اللہ کی رضا کے علاوہ اور کوئی غرض نہیں رکھتے۔ ایسے بندوں سے اللہ تعالیٰ انتہائی نرمی کا معاملہ کرتا ہے۔ یعنی بشری تقاضوں کے تحت حج کے دوران ان سے جو بھی بھول چوک یا لغزش ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے وہ سب معاف کر دیتا ہے۔

مذکورہ آیات کے مطالعہ سے بزرگوں کی اس بات میں بڑا وزن محسوس ہوتا ہے کہ جو کچھ آدمی کے اندر ہوتا ہے، حج کرنے کے بعد وہی نمایاں ہو جاتا ہے۔

آیت نمبر (208)

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ٢٠٨ ﴾

ل ف ف

(ن) كَفًّا: (۱) ہتھیلی مار کر کسی کو روکنا۔ (۲) ہتھیلیوں سے کوئی چیز جمع کرنا۔ ﴿وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَنْكَ﴾ (5/ المآئدہ: 110) ''اور جب میں نے روکا بنو اسرائیل کو آپؐ سے۔''

كَفٌّ: اسم ذات بھی ہے۔ ہتھیلی۔ ﴿اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَاۗءِ﴾ (13/ الرعد: 14) ''مگر اپنی دونوں ہتھیلیوں کو پھیلانے کی مانند پانی کی طرف۔''

كُفَّ: فعل امر ہے۔ تو روک۔ ﴿كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ (4/ النساء: 77) ''تم لوگ روکو اپنے ہاتھوں کو اور قائم کرو نماز۔''

کَآفَّۃً یہ فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل کَافٌّ ہے اور اس پر تائے مبالغہ ہے جیسے عَلَّامَۃٌ پر ہے۔(۱) بہت زیادہ روکنے والا (۲) بہت زیادہ جمع کرنے والا۔ پھر اس سے مُراد لیتے ہیں باجماعت۔ سب کے سب۔﴿ وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ ﴾ (34/سبا:28) ''اور ہم نے نہیں بھیجا آپؐ کو مگر تمام لوگوں کے لیے۔'' ﴿ وَقَاتِلُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ كَآفَّةً ﴾ (9/التوبہ:36) ''اور تم لوگ قتال کرو مشرکوں سے اکٹھا ہو کر۔''

ترکیب

فعل امر اُدۡخُلُوۡا کا مفعول السِّلۡمِ ہے جو فِیۡ کے صلہ کی وجہ سے مجرور ہوا ہے جبکہ السِّلۡمِ کا حال ہونے کی وجہ سے کَآفَّۃً منصوب ہے۔ لَا تَتَّبِعُوۡا فعل نہی کا مفعول مرکب اضافی خُطُوٰتِ الشَّیۡطٰنِ اس لیے اس کا مضاف خُطُوٰتِ حالتِ نصبی میں ہے۔

ترجمہ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ	اٰمَنُوا	ادۡخُلُوۡا	فِی السِّلۡمِ	كَآفَّةً	وَّلَا تَتَّبِعُوۡا
اے لوگو جو	ایمان لائے	تم لوگ داخل ہو	اسلام میں	کل کے کل	اور پیروی مت کرو

خُطُوٰتِ الشَّیۡطٰنِ	اِنَّهٗ	لَكُمۡ	عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ
شیطان کے نقوش قدم کی	یقیناً وہ	تم لوگوں کے لیے	ایک کھلا دشمن ہے

آیت نمبر (209)

﴿ فَاِنۡ زَلَلۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡكُمُ الۡبَيِّنٰتُ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۲۰۹﴾ ﴾

ترکیب

اِنۡ شرطیہ ہے۔ زَلَلۡتُمۡ سے الۡبَیِّنٰتُ تک شرط ہے اور فَاعۡلَمُوۡۤا سے آخیر تک جواب شرط ہے۔ جَآءَتۡ کا مفعول کُمۡ کی ضمیر ہے اور اَلۡبَیِّنٰتُ اس کا فاعل ہے، یہ صفت ہے اور اس کا موصوف اَلۡاٰیٰتُ محذوف ہے۔

ترجمہ

فَاِنۡ	زَلَلۡتُمۡ	مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا	جَآءَتۡكُمُ	الۡبَيِّنٰتُ
پھر اگر	تم لوگوں نے لغزش کھائی	اس کے بعد کہ جو	آئیں تمہارے پاس	واضح (نشانیاں)

فَاعۡلَمُوۡۤا	اَنَّ	اللّٰهَ	عَزِيۡزٌ	حَكِيۡمٌ
تو جان لو	کہ	اللہ	بالادست ہے	دانا ہے

آیت نمبر (2/البقرہ:210)

﴿ هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّآ اَنۡ يَّاۡتِيَهُمُ اللّٰهُ فِىۡ ظُلَلٍ مِّنَ الۡغَمَامِ وَالۡمَلٰٓـئِكَةُ وَقُضِىَ الۡاَمۡرُ ‌ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۲۱۰﴾ ﴾

ترکیب

اَنْ یَّاْتِیَ کا مفعول ھُمْ کی ضمیر ہے، جبکہ اَللّٰہُ اور اَلْمَلٰٓئِکَۃُ اس کے فاعل ہیں۔ اَلْغَمَامِ اسم جنس ہے اُردو میں یہ مفہوم بادلوں سے ادا ہوگا۔ قُضِیَ کا نائب فاعل اَلْاَمْرُ ہے اور اس پر لام جنس ہے، تُرْجَعُ کا نائب فاعل اَلْاُمُوْرُ ہے اور متعلق فعل اِلَی اللّٰہِ کو تاکید کے لیے مقدم کیا گیا ہے۔

ترجمہ

هَلْ يَنْظُرُوْنَ	اِلَّآ	اَنْ يَّاْتِيَهُمُ	اللّٰهُ	فِيْ ظُلَلٍ
وہ لوگ کیا انتظار کرتے ہیں	سوائے اس کے	کہ آئے ان کے پاس	اللہ	سائبانوں میں

مِّنَ الْغَمَامِ	وَالْمَلٰٓئِكَةُ	وَقُضِيَ	الْاَمْرُ ؕ	وَاِلَى اللّٰهِ
بادلوں کے	اور فرشتے	اور فیصلہ کیا جائے	سارے مسئلے کا	اور اللہ کی طرف ہی

تُرْجَعُ	الْاُمُوْرُ
لوٹائے جائیں گے	تمام مسئلے

نوٹ۔1

اگر آپ کسی سے پوچھیں کہ تم میوزیم گئے تھے، وہاں تم نے کیا دیکھا اور جواب میں وہ کہے کہ کیا دیکھا سوائے اس کے کہ......اب نوٹ کریں کہ اس جواب میں حرفِ استفہام ''کیا'' نفی کے معنی دے رہا ہی اور اس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ نہیں دیکھا سوائے اس کے کہ۔ اسی طرح آیت میں هَلْ بھی نفی کے مفہوم میں آیا ہے یعنی وہ لوگ کوئی انتظار نہیں کرتے سوئے اس کے کہ۔

نوٹ۔2

مادہ ''ن ظ ر'' راہ دیکھنے یا انتظار کرنے کے معنی میں عام طور پر باب افتعال سے آتا ہے لیکن کبھی ثلاثی مجرد سے بھی اس مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ آیت اس کی ایک مثال ہے۔

آیت نمبر (211)

﴿سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾﴾

ترکیب

کَمْ استفہامیہ ہے۔ اٰيَةٍ بَيِّنَةٍ اس کی تمیز ہے لیکن مِنْ کی وجہ سے مجرور ہوئی ہے۔ اٰتَيْنَا کی ضمیر مفعولی ھُمْ، بَنِیْ اِسْرَاءِیْلَ کے لیے ہے۔ مَنْ شرطیہ ہے۔ يُبَدِّلْ سے جَاءَتْهُ تک شرط ہے اس کے آگے جملہ جواب شرط کا ہے يُبَدِّلْ کا فاعل اس کی ھُوَ کی ضمیر ہے جو مَنْ کے لیے ہے اور نِعْمَةَ اللّٰهِ اس کا مفعول ہے۔ جَاءَتْ کا فاعل اس کی ھِیَ کی ضمیر ہے جو نِعْمَةَ اللّٰهِ کے لیے ہے اور اس کی ہُ کی ضمیر مفعولی مَنْ کے لیے ہے۔

ترجمہ

سَلْ	بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	كَمْ	اٰتَيْنٰهُمْ	مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ؕ
آپ پوچھیں	بنی اسرائیل سے	کتنی	ہم نے دی ان کو	واضح نشانی

وَمَنْ يُّبَدِّلْ	نِعْمَةَ اللّٰهِ	مِنْۢ بَعْدِ مَا	جَآءَتْهُ	فَاِنَّ اللّٰهَ
اور جو بدلتا ہے	اللہ کی نعمت کو	اس کے بعد کہ جو	وہ آئی اس کے پاس	تو یقیناً اللہ

شَدِيْدُ الْعِقَابِ
پکڑنے میں سخت ہے

نوٹ۔1

قاعدہ یہ ہے کہ کَمْ کے بعد والا اسم اگر منصوب ہو تو ایسا کَمْ استفہامیہ ہوتا ہے اور اگر اسم مجرور ہو تو وہ کَمْ خبریہ ہوتا ہے۔ اب اس کا ایک استثناء سمجھ لیں۔ کَمْ استفہامیہ اور اس کے اسم کے درمیان میں اگر کوئی دوسرا لفظ آ جائے، جیسا کہ اس آیت میں اٰتَيْنٰهُمْ آیا ہے، تو اس کے اسم کو مِنْ لگا کر مجرور کر سکتے ہیں۔ اِس صورت میں بھی وہ کَمْ استفہامیہ ہی رہتا ہے اور خبریہ نہیں ہوتا۔

نوٹ۔2

یہاں نِعْمَةَ اللّٰهِ سے مراد اللہ کا دین ہے۔ اور اللہ کے دین کا حامل ہونے میں منصب امامت از خود شامل ہے۔ بنو اسرائیل نے اللہ کے دین میں تبدیلیاں کر کر کے اس کو اتنا مسخ کر دیا کہ اس میں صحیح اور غلط کا فرق کرنا ممکن نہ رہا اور دنیا کے لیے اس سے راہنمائی حاصل کرنے کا امکان ختم ہو گیا۔ اس لیے ان کو منصب امامت سے معزول کیا گیا۔

آیت نمبر (212)

﴿ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ يَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾ ﴾

ز ی ن

(ض) زَيْنًا: کسی چیز کو خوبصورت بنانا۔ سجانا۔ آراستہ کرنا۔

زِيْنَةٌ: اسم ذات ہے۔ وہ چیز جس سے کسی چیز کو سجایا جائے۔ سجاوٹ۔ آرائش۔ ﴿مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ﴾ (7/الاعراف:32) ''کس نے حرام کیا اللہ کی اس سجاوٹ کو جو اس نے نکالی اپنے بندوں کے لیے۔''

(تفعیل) تَزْيِيْنًا: بتدریج سجانا۔ خوب سجانا۔ ﴿وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾﴾ (6/الانعام:43) ''اور سجایا ان کے لیے شیطان نے اس کو جو وہ لوگ کیا کرتے تھے۔'' ﴿وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَ زَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾ (49/الحجرات:7) ''اور لیکن اللہ نے محبوب بنایا تمہارے لیے ایمان کو اور اس نے سجایا اس کو تمہارے دلوں میں۔''

(تفعّل) تَزَيُّنًا اور اِزَّيُّنًا: بتکلف آراستہ ہونا۔ ﴿اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَ ازَّيَّنَتْ﴾ (10/یونس:24) ''جب پکڑا زمین نے اپنا سنگھار اور وہ آراستہ ہوئی۔''

ترکیب

زُيِّنَ کا نائب فاعل اَلْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ہے۔ اَلْحَيٰوةُ مؤنث غیر حقیقی ہے اس لیے اس کے فعل کے مذکر کا صیغہ بھی جائز ہے۔ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا متعلق فعل ہے۔ وَيَسْخَرُوْنَ کا واوٗ عاطفہ ہے۔ يَسْخَرُوْنَ کی هُمْ کی ضمیر فاعلی لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

کے لیے ہے۔ وَالَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا کا واوٗ استینافیہ ہے اس لیے اس سے پہلے وقف لازم ہے۔ وَالَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا مبتداء ہے، اس کی خبر محذوف ہے اور ظرف فَوۡقَھُمۡ قائم مقام خبر ہے۔ اس میں ھُمۡ کی ضمیر لِلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا کے لیے ہے۔ 431 یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ دوسرا ظرف ہے اور متعلق خبر ہے۔ یَرۡزُقُ اور یَشَآءُ دونوں کا مفعول مَنۡ ہے۔ یَشَآءُ کی ھُوَ کی ضمیر فاعلی اللہ کے لیے ہے۔

ترجمہ

زُیِّنَ	لِلَّذِیۡنَ	کَفَرُوا	الۡحَیٰوةُ الدُّنۡیَا	وَیَسۡخَرُوۡنَ	مِنَ الَّذِیۡنَ
سجایا گیا	ان کے لیے جنہوں نے	ناشکری کی	دنیوی زندگی کو	اور وہ لوگ مذاق کرتے ہیں	ان سے جو

اٰمَنُوۡا م	وَالَّذِیۡنَ	اتَّقَوۡا	فَوۡقَھُمۡ	یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ ط
ایمان لائے	اور وہ لوگ جنہوں نے	تقویٰ کیا	ان سے بالاتر ہوں گے	قیامت کے دن

وَاللّٰہُ	یَرۡزُقُ	مَنۡ	یَّشَآءُ	بِغَیۡرِ حِسَابٍ
اور اللہ	عطا کرتا ہے	اس کو جس کو	وہ چاہتا ہے	کسی شمار کے بغیر

نوٹ۔1

قرآن مجید میں ایک سو سے زیادہ مقامات پر لفظ یَشَآءُ آیا ہے اور پچاس سے زیادہ مقامات پر اس سے پہلے مَنۡ یا لِمَنۡ آیا ہے۔

ہمارے کچھ عقل پرست لوگ (عقل پسندی قرآنی ہدایات کے مطابق ہے لیکن عقل پرستی غلط ہے) ایسے مقامات پر مَنۡ کو یَشَآءُ کا فاعل مان کر ترجمہ کرتے ہیں۔ آیت زیرِ مطالعہ قرآن مجید کے ان مقامات میں سے ایک ہے جہاں عقل پرستوں کی غلطی کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

مَنۡ کو اگر یَشَآءُ کا فاعل مان کر ترجمہ کریں تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیتا ہے جو چاہتا ہے۔ اب اگر ایمانداری سے سوچا جائے تو ہر غیر متعصب ذہن کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ کون ہے جو نہیں چاہتا کہ اس کو بے شمار ملے۔ اور اس دنیا میں کون ہے جس کو اس کی خواہش کے مطابق ملا ہے۔ عام آدمی کا تو ذکر ہی چھوڑ دیں، یہ خواہش تو اپنے وقت کے کسی فرعون کی بھی پوری نہیں ہوئی۔

عقل پرستوں کی سوچ میں بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے چاہنے کو اپنے چاہنے پر قیاس کرتے ہیں۔ حالانکہ ان میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ بلکہ صحیح تر بات یہ ہے کہ ان میں کسی قسم کا کوئی نسبت و تناسب نہیں ہے۔ ہمارا چاہنا ہمارے محدود علم، محدود سمجھ، بے لگام خواہشات، خاندان، برداری، ذات پات اور رنگ و نسل کے تعصبات کے تحت ہوتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کا چاہنا اس کی لامحدود صفات مثلاً علم، رأفت، رحمت اور حکمت وغیرہ کے مطابق ہوتا ہے۔ جو لوگ اس حقیقت کو سمجھ کر تسلیم کر لیتے ہیں، ان کو قرآن مجید کے مذکورہ مقامات کا وہ مفہوم سمجھنے میں کوئی مشکل نہیں ہوتی، جو صحابۂ کرامؓ اُمت کو سمجھا گئے ہیں۔

آیت نمبر (213)

﴿ کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً قف فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیۡنَ وَ مُنۡذِرِیۡنَ ص وَ اَنۡزَلَ مَعَھُمُ الۡکِتٰبَ
بِالۡحَقِّ لِیَحۡکُمَ بَیۡنَ النَّاسِ فِیۡمَا اخۡتَلَفُوۡا فِیۡهِ ط وَ مَا اخۡتَلَفَ فِیۡهِ اِلَّا الَّذِیۡنَ اُوۡتُوۡهُ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا
جَآءَتۡھُمُ الۡبَیِّنٰتُ بَغۡیًۢا بَیۡنَھُمۡ ج فَھَدَی اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لِمَا اخۡتَلَفُوۡا فِیۡهِ مِنَ الۡحَقِّ بِاِذۡنِهٖ ط وَاللّٰہُ
یَھۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۲۱۳﴾ ﴾

ترکیب

كَانَ کا اسم النَّاسُ ہے اور مرکب توصیفی اُمَّةً وَّاحِدَةً اس کی خبر ہے۔ فَبَعَثَ کا فاعل اللّٰهُ ہے، النَّبِيّنَ اس کا مفعول ہے جبکہ مُبَشِّرِيْنَ اور مُنْذِرِيْنَ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔ اَنْزَلَ میں هُوَ کی ضمیر فاعلی اللّٰهُ کے لیے ہے۔ مَعَهُمُ کی ضمیر النَّبِيّنَ کے لیے ہے جبکہ اَنْزَلَ کا مفعول الْكِتٰبَ ہے۔ لِيَحْكُمَ میں هُوَ کی ضمیر فاعلی الْكِتٰبَ کے لیے اُوْتُوا کا نائب فاعل اَلَّذِيْنَ ہے اور هُ کی ضمیر اس کا مفعول ثانی ہے جو کہ الْكِتٰبَ کے لیے ہے۔ بَغْيًا حال ہے۔

هَدٰى۔ يَهْدِىْ کے دو مفعول آتے ہیں۔ مفعول اوّل یعنی جس کو ہدایت دی جائے بنفسہ آتا ہے۔ اور مفعول ثانی یعنی جس کی ہدایت دی جائے، "اِلٰى" یا "لِ" کے صلہ کے ساتھ آتا ہے۔ یہاں فَهَدَى کا فاعل اللّٰهُ ہے، جبکہ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اس کا مفعول اوّل ہے اور لِمَا مفعول ثانی ہے۔ اسی طرح وَاللّٰهُ يَهْدِىْ کا مفعول اوّل مَنْ يَّشَاءُ ہے اور اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ مفعول ثانی ہے۔

ترجمہ

كَانَ النَّاسُ	اُمَّةً وَّاحِدَةً قف	فَبَعَثَ	اللّٰهُ	النَّبِيّنَ	مُبَشِّرِيْنَ
لوگ	ایک اُمّت تھے	تو بھیجا	اللہ نے	انبیاء کو	بشارت دینے والا

وَمُنْذِرِيْنَ ص	وَاَنْزَلَ	مَعَهُمُ	الْكِتٰبَ	بِالْحَقِّ	لِيَحْكُمَ
اور خبردار کرنے والا ہوتے ہوئے	اور اس نے اتاری	ان کے ساتھ	کتاب	برحق	تاکہ وہ فیصلہ کرے

بَيْنَ النَّاسِ	فِيْمَا	اخْتَلَفُوْا	فِيْهِ ط	وَمَا اخْتَلَفَ	فِيْهِ
لوگوں کے مابین	اس میں	انہوں نے اختلاف کیا	جس میں	اور اختلاف نہیں کیا	اس میں

اِلَّا الَّذِيْنَ	اُوْتُوْهُ	مِنْ بَعْدِ مَا	جَآءَتْهُمُ	الْبَيِّنٰتُ
مگر ان لوگوں نے جن کو	وہ دی گئی	اس کے بعد کہ جو	آئیں ان کے پاس	کھلی نشانیاں

بَغْيًا	بَيْنَهُمْ ج	فَهَدَى	اللّٰهُ	الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	لِمَا
سرکشی کرتے ہوئے	آپس میں	پھر ہدایت دی	اللہ نے	ان لوگوں کو جو	ایمان لائے	اس کی

اخْتَلَفُوْا	فِيْهِ	مِنَ الْحَقِّ	بِاِذْنِهٖ ط	وَاللّٰهُ	يَهْدِىْ
انہوں نے اختلاف کیا	جس میں	حق میں سے	اپنے اذن سے	اور اللہ	ہدایت دیتا ہے

مَنْ	يَّشَآءُ	اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ
اس کو جس کو	وہ چاہتا ہے	ایک سیدھے راستے کی طرف

نوٹ۔1

اس آیت کے شروع میں آیا ہے کہ پہلے سب لوگ دین پر کاربند تھے۔ اس کے بعد یہ بات محذوف ہے کہ پھر ان میں اختلاف پیدا ہوئے، تب اللہ نے انبیاء کو بھیجا۔ اس بات کی تصدیق آیت کے اگلے حصے لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ سے ہوتی ہے۔

نوٹ۔2

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اختلاف رائے فی نفسہٖ کوئی بری چیز نہیں ہے البتہ اس میں اگر نیت بَغْیًا بَیْنَھُمْ 431 کی ہو تو یہ مذموم اختلاف ہے۔ لیکن حق کی تلاش میں اہلِ ایمان میں اگر اختلاف رائے ہو جائے تو یہ فطری اختلاف ہے اور ایسے اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے۔

آیت نمبر (214)

﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿٢١٤﴾ ﴾

ز ل ز ل

(رباعی)

زِلْزَالًا: کسی چیز کو بہت زیادہ ہلانا۔ ہلا مارنا۔ ﴿ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ﴿١﴾ ﴾ (99/الزلزال:1) ''جب ہلا یا جائے گا زمین کو جیسا اسکو ہلانے کا حق ہے۔''

زَلْزَلَةٌ: اسم ذات ہے۔ سخت جنبش۔ زلزلہ۔ ﴿ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ﴿١﴾ ﴾ (22/الحج:1) ''یقیناً قیامت کا زلزلہ ایک عظیم چیز ہے۔''

ترکیب

اَمْ استفہامیہ ہے۔ حَسِبْتُمْ کا فاعل اس کی ضمیر فاعلی اَنْتُمْ ہے، اس کا مفعول اوّل محذوف ہے جو کہ سَھْلًا ہوسکتا ہے، جبکہ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ مفعول ثانی ہے۔ وَلَمَّا کا واؤ حالیہ ہے۔ لَمَّا نے یَاْتِیْ کو مجزوم کیا تو 'یا' گر گئی اس لیے یَاْتِ آیا ہے، کُمْ اس کا مفعول ہے اور مَثَلُ الَّذِیْنَ اس کا فاعل ہے۔ مَسَّتْ کا مفعول ھُمْ ہے جو اَلَّذِیْنَ کے لیے ہے، جبکہ اَلْبَاْسَاءُ اور اَلضَّرَّاءُ اس کے فاعل ہیں۔ زُلْزِلُوْا کا نائب فاعل اس کی ھُمْ کی ضمیر ہے جو اَلَّذِیْنَ کے لیے ہے۔ مَعَهٗ کی ضمیر اَلرَّسُوْلُ کے لیے ہے۔ مَتٰی مبتداء ہے اور نَصْرُ اللّٰهِ اس کی خبر ہے۔

ترجمہ

اَمْ حَسِبْتُمْ	اَنْ تَدْخُلُوا	الْجَنَّةَ	وَ	لَمَّا يَاْتِكُمْ
کیا تم لوگوں نے گمان کیا	کہ تم لوگ داخل ہو جاؤ گے	جنت میں	حالانکہ	ابھی تک نہیں پہنچے تم کو

مَّثَلُ الَّذِيْنَ	خَلَوْا	مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ	مَسَّتْهُمُ	الْبَاْسَآءُ	وَالضَّرَّآءُ
ان کی مانند جو	گزرے	تم سے پہلے	پہنچیں ان کو	سختیاں	اور تکالیف

وَزُلْزِلُوْا	حَتّٰى	يَقُوْلَ	الرَّسُوْلُ	وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
اور وہ لوگ ہلا مارے گئے	یہاں تک کہ	کہنے لگے	(وقت کے) رسول	اور وہ لوگ جو ایمان لائے

مَعَهٗ	مَتٰى	نَصْرُ اللّٰهِ ؕ	اَلَآ	اِنَّ	نَصْرَ اللّٰهِ	قَرِيْبٌ
ان کے ساتھ	کب	اللہ کی مدد ہے	سن لو	یقیناً	اللہ کی مدد	قریب ہے

نوٹ۔1

آزمائش کی ضرورت اور حکمت پر آیت نمبر (2/البقرہ:155) کے نوٹ۔2 میں بات ہو چکی ہے۔

آیت نمبر(215)

431

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۥ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَ
ابْنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿٢١٥﴾﴾

ترکیب

يَسْـَٔلُوْنَ کا فاعل اس کی ضمیر هُمْ ہے جو صحابۂ کرامؓ کے لیے ہے۔ كَ اس کی ضمیر مفعولی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔ مَاذَا اسم استفہام ہے اور کیا، کچھ اور کتنا کے معنی میں آتا ہے۔ مَآ اَنْفَقْتُمْ کا مَا شرطیہ ہے۔ اَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ شرط ہے اور فَلِلْوَالِدَيْنِ سے وَابْنِ السَّبِيْلِ تک جواب شرط ہے۔ مِنْ خَيْرٍ کا مِنْ تبعیضیہ ہے اور اَنْفَقْتُمْ کا مفعول ہونے کی وجہ سے خَيْرٍ کا ترجمہ مال ہوگا۔ فَلِلْوَالِدَيْنِ سے پہلے اس کا مبتداء هُوَ اور خبر دونوں محذوف ہیں۔ اس کے حرفِ جرّ لِ پر عطف ہونے کی وجہ سے وَالْاَقْرَبِيْنَ سے وَابْنِ السَّبِيْلِ تک الفاظ مجرور ہیں اور یہ سب محذوف مبتداء وخبر کے متعلق خبر ہیں۔ اِبْنُ السَّبِيْلِ واحد اور جمع دونوں کے لیے آتا ہے اور یہاں جمع کے معنی میں ہے۔

مَا تَفْعَلُوْا کا مَا بھی شرطیہ ہے اس لیے تَفْعَلُوْنَ کا نون اعرابی گرا ہوا ہے۔ تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ شرط ہے اور فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ جواب شرط ہے۔ مِنْ خَيْرٍ کا مِنْ بھی تبعیضیہ ہے اور تَفْعَلُوْا کا مفعول ہونے کی وجہ سے خَيْرٍ کا ترجمہ بھلائی ہوگا۔

عَلِمَ - يَعْلَمُ کا مفعول بنفسہٖ آتا ہے۔ یعنی عَلِمَ بِهٖ نہیں کہتے بلکہ عَلِمَهٗ کہتے ہیں۔ لیکن افعل تفضیل اَعْلَمُ اور عَلِيْمٌ کے ساتھ بِ کا صلہ آتا ہے جیسے اس آیت میں بِهٖ عَلِيْمٌ آیا ہے۔

ترجمہ

اَنْفَقْتُمْ	مَآ	قُلْ	يُنْفِقُوْنَ ۥ	مَاذَا	يَسْـَٔلُوْنَكَ
تم لوگ خرچ کرو گے	جو	آپؐ کہہ دیجئے کہ	وہ لوگ خرچ کریں	کتنا	وہ لوگ پوچھتے ہیں آپؐ سے کہ

وَالْيَتٰمٰى	وَالْاَقْرَبِيْنَ	فَلِلْوَالِدَيْنِ	مِّنْ خَيْرٍ
اور یتیموں کے لیے	اور قرابت داروں کے لیے	تو وہ ہے والدین کے لیے	جتنا بھی مال

مِنْ خَيْرٍ	تَفْعَلُوْا	وَمَا	وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ	وَالْمَسٰكِيْنِ
کسی قسم کی کوئی بھلائی	تم لوگ کرو گے	اور جو	اور مسافروں کے لیے	اور مسکینوں کے لیے

عَلِيْمٌ	بِهٖ	فَاِنَّ اللّٰهَ
ہر حال میں جاننے والا ہے	اس کو	تو یقیناً اللہ

نوٹ۔1

آگے آیت نمبر 219 میں یہی سوال پھر آرہا ہے۔ البتہ وہاں پر جواب مختلف ہے۔ وہیں پر دونوں کی کچھ وضاحت کی جائے گی۔

آیت نمبر(216)

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا
شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢١٦﴾﴾

ک	ر	ہ

431

(ک) كَرَاهَةً — بدنما ہونا۔ بُرا ہونا۔

(س) كَرْهًا اور كُرْهًا — کسی چیز کو برا سمجھنا۔ ناپسند کرنا۔ ﴿وَ يُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ﴾ (10/یونس:82)''اور حق کرتا ہے اللہ حق کو اپنے فرمانوں سے اور اگرچہ ناپسند کریں مجرم لوگ۔''

كُرْهٌ — مصدر کے علاوہ صفت بھی ہے۔ ناپسندیدہ۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

كَارِهٌ — فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ ناپسند کرنے والا۔ ﴿وَ اَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ﴾ (23/المؤمنون:70)''اور ان کے اکثر حق کو ناپسند کرنے والے ہیں۔''

مَكْرُوْهٌ — مَفْعُوْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ ناپسند کیا ہوا یعنی ناپسندیدہ۔ ﴿كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا﴾ (17/بنی اسرائیل:38)''وہ سب، اس کی برائی، تیرے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں۔''

(افعال) اِكْرَاهًا — ناپسندیدہ کام پر مجبور کرنا۔ زبردستی کرنا۔ ﴿اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾ (10/یونس:99)''تو کیا آپؐ زبردستی کریں گے لوگوں سے یہاں تک کہ وہ لوگ ہو جائیں مومن۔''

(تفعیل) تَكْرِيْهًا — کسی کے لیے کسی چیز کو ناپسندیدہ بنا دینا۔ ﴿وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْيَانَ﴾ (49/الحجرات:7)''اور اس نے ناگوار کر دیا تمہارے لیے کفر کو اور فسق کو اور نافرمانی کو۔''

ش	ر	ر

(ن۔ض) شَرًّا — فسادی ہونا۔ نقصان دِہ ہونا۔ بُرا ہونا۔

شَرٌّ — ج اَشْرَارٌ۔ اسم ذات بھی ہے۔ فساد۔ برائی۔ آیت زیرِ مطالعہ۔ ﴿مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ﴾ (38/ص:62)''ہمیں کیا ہوا کہ ہم نہیں دیکھتے ان لوگوں کو جنہیں ہم شمار کیا کرتے تھے بُرائیوں میں سے۔''

شَرَرٌ — اسم جنس ہے۔ واحد شَرَرَةٌ اور شَرَارَةٌ۔ آگ کی اُڑنے والی چنگاریاں۔ ﴿اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ﴾ (77/المرسلٰت:32)''بیشک وہ پھینکتی ہے چنگاریاں جیسے محل۔''

ترکیب

كُتِبَ کا نائب فاعل اَلْقِتَالُ ہے۔ هُوَ مبتداء ہے اور یہ اَلْقِتَالُ کے لیے ہے، جبکہ كُرْهٌ اس کی خبر ہے۔ عَسٰى فعل مقاربہ ہے، اس کا اسم محذوف ہے اور جملہ فعلیہ اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا اسکی خبر ہے۔ تَكْرَهُوْا کا مفعول شَيْئًا ہے۔ وَهُوَ خَيْرٌ کا واؤ حالیہ ہے اور هُوَ کی ضمیر شَيْئًا کے لیے ہے۔

ترجمہ

كُتِبَ	عَلَيْكُمُ	اَلْقِتَالُ	وَهُوَ	كُرْهٌ	لَّكُمْ	وَعَسٰى	اَنْ
فرض کیا گیا	تم لوگوں پر	جنگ کرنا	اور وہ	ناگوار ہے	تمہارے لیے	اور ہوسکتا ہے	کہ

تَكْرَهُوْا	شَيْئًا	وَّ	هُوَ	خَيْرٌ	لَّكُمْ	وَعَسٰى
تم لوگ ناپسند کرو	کسی چیز کو	اس حال میں کہ	وہ	بھلائی ہے	تمہارے لیے	اور ہوسکتا ہے

اَنْ	تُحِبُّوْا	شَيْئًا	وَّ	هُوَ	شَرٌّ	لَّكُمْ	وَاللّٰهُ
کہ	تم لوگ محبت کرو	کسی چیز سے	اس حال میں کہ	وہ	بُرائی ہے	تمہارے لیے	اور اللہ

يَعْلَمُ	وَ اَنْتُمْ	لَا تَعْلَمُوْنَ ع
جانتا ہے	اور تم لوگ	نہیں جانتے

نوٹ۔1

عربی کے افعالِ مقاربہ میں سے دو افعال قرآن مجید میں استعمال ہوئے ہیں۔ كَادَ۔ يَكَادُ آیت نمبر۔ (2/البقرہ:20) کے نوٹ۔1 میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ دوسرا فعل عَسٰی (اُمید ہے، ہوسکتا ہے) اس آیت میں آیا ہے۔ اب آپ ان کے قواعد سمجھ لیں۔

u　افعالِ ناقصہ کی طرح افعالِ مقاربہ بھی کسی جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں، جس کا مبتداء ان کا اسم کہلاتا ہے اور حالتِ رفعی میں رہتا ہے۔ جبکہ ان کی خبر حالت نصبی میں ہوتی ہے۔

v　افعالِ ناقصہ اور افعالِ مقاربہ میں فرق یہ ہے کہ افعالِ مقاربہ کی خبر کی جگہ ہمیشہ کوئی فعل مضارع آتا ہے جو اپنی ضمیر فاعلی کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ بن کر فعل مقاربہ کی خبر بنتا ہی اور محلًّا حالتِ نصبی میں سمجھا جاتا ہے۔ جیسے عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ (7/الاعراف:129) اس میں عَسٰی کا اسم رَبُّكُمْ ہے اس لیے اس کے مضاف پر رفع آئی ہے۔ اَنْ يُّهْلِكَ فعل مضارع اور عَدُوَّكُمْ اس کا مفعول، یہ جملہ فعلیہ عَسٰی کی خبر ہے اور محلًّا حالتِ نصبی میں ہے۔

w　افعال مقاربہ کے بعد جو فعلِ مضارع آتا ہے اس پر اَنْ لگانا جائز ہے، ضروری نہیں ہے۔ لیکن عَسٰی کے بعد اس کو لگانا بہتر ہے، جبکہ كَادَ کے بعد نہ لگانا بہتر ہے۔

x　عَسٰی کے اسم کو محذوف بھی کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ آیت زیر مطالعہ میں ہے اور اس کے اسم کو فعل مضارع کے بعد بھی لا سکتے ہیں جیسے ﴿عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ (17/بنی اسرائیل:79) اس میں اَنْ يَّبْعَثَ فعل مضارع اور كَ اس کی ضمیر مفعولی ہے، جبکہ عَسٰی کا اسم رَبُّكَ ہے جو فعل کے بعد آیا ہے۔ لیکن یہ صورتیں كَادَ کے ساتھ جائز نہیں ہیں۔

y　كَادَ (ماضی) اور يَكَادُ (مضارع)، دونوں کے صیغے استعمال ہوتے ہیں لیکن عَسٰی کے صرف ماضی کے صیغے مستعمل ہیں۔

z　شَرَعَ۔ طَفِقَ۔ جَعَلَ۔ قَامَ اور اَخَذَ افعال مقاربہ نہیں ہیں لیکن کبھی کبھی یہ افعال مقاربہ کی طرح استعمال ہوتے ہیں۔ اس وقت ان کے فعل مضارع کے ساتھ اَنْ نہیں آتا اور ایسی صورت میں ان سب کے معنی ہوتے ہیں، مذکورہ کام شروع کرنا یا کرنے لگنا۔ جیسے اَخَذَا لطِّفْلُ يَمْشِيْ۔ یہاں اگر اَخَذَ کو فعل اصلی مانیں تو اس جملے کا مطلب ہوگا ''بچے نے پکڑا وہ چلتا ہے''۔ یہ بات مبہم ہے۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ یہاں اَخَذَ فعل مقاربہ کی طرح آیا ہے اور اس جملے کا مطلب ہے ''بچے نے چلنا شروع کیا یا چلنے لگا۔''

نوٹ۔1

ہم میں سے ہر شخص کو BLESSING IN DISGUISE (برائی کے بھیس میں بھلائی) کا تجربہ ہے لیکن یہ تجربہ کبھی کبھار ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کبھی کسی برائی میں پوشیدہ بھلائی ذرا جلدی سامنے آجاتی ہے تو ہمارا ذہن ان کے مابین ربط کو پہچاننے میں کامیاب ہوجاتا ہے اور ہم کہتے ہیں کہ یہ وہ بھلائی ہے جو فلاں برائی کے بھیس میں میرے پاس آئی تھی۔ لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ پوشیدہ بھلائی کا ظہور اتنے وقفہ کے بعد ہوتا ہے کہ ہم اس کے ربط کو پہنچان نہیں پاتے۔ جو لوگ اس پہلو سے اپنے حالات پر غور و فکر کرتے رہتے ہیں وہ اس نوعیت کے روابط کو دوسروں سے زیادہ پہنچان لیتے ہیں اور اس حقیقت پر ان کا ایمان اتنا پختہ ہوتا ہے جتنا کہ ہونا چاہیے۔

اِس آیت کی راہنمائی میں صحیح طرزِ فکر یہ ہے کہ جب ہماری کسی کوشش اور جدو جہد کا نتیجہ ہماری توقع کے مطابق نہ نکلے تو ہمیں یقین کر لینا چاہیے کہ یہ منجانب اللہ ہے، کیونکہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی پتہ بھی جنبش نہیں کرسکتا۔ پھر ہمیں خود کو یاد دلانا چاہیے کہ اللہ ہمارا رب ہے اور وہ ہم سے بڑھ کر ہمارا خیر خواہ ہے۔ اس کے ہاتھ میں خیر ہے اور وہ اس پر قادر ہے کہ وہ رات میں سے دن کو نکال لائے۔ اس لیے یقیناً اس میں ہمارے لیے کوئی خیر ہے جو ہماری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے، لیکن وہ اس وقت یقینا ظاہر ہو گی جب اس کا ظاہر ہونا ہمارے حق میں مفید ہے۔

سوچ کا یہ انداز ایسے حقائق پر مبنی ہے جو پوری طرح ہمارے ذہن کی گرفت میں نہیں آتے لیکن ایک انسان سچے یقین کے ساتھ اگر سوچ کا یہ انداز اختیار کر لے تو اس کی نفسیاتی صحت کے لیے یہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ایک ٹانک ہے جو اسے بے شمار نفسیاتی بیماریوں (PSHYCHOLOGICAL DISORDERS) سے محفوظ رکھتا ہے۔ یہ اس کی نقد بھلائی ہے۔ اور پوشیدہ بھلائی کا ظہور تو اپنے وقت پر ہو گا ہی، خواہ ہم اس کے ربط کو پہچانیں یا نہ پہچانیں۔

431

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ البقرۃ (۲)

آیت نمبر (217)

﴿ یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الشَّهۡرِ الۡحَرَامِ قِتَالٍ فِیۡهِ ؕ قُلۡ قِتَالٌ فِیۡهِ کَبِیۡرٌ ؕ وَ صَدٌّ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَ کُفۡرٌۢ بِهٖ وَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ٭ وَ اِخۡرَاجُ اَهۡلِهٖ مِنۡهُ اَکۡبَرُ عِنۡدَ اللّٰهِ ۚ وَ الۡفِتۡنَةُ اَکۡبَرُ مِنَ الۡقَتۡلِ ؕ وَ لَا یَزَالُوۡنَ یُقَاتِلُوۡنَکُمۡ حَتّٰی یَرُدُّوۡکُمۡ عَنۡ دِیۡنِکُمۡ اِنِ اسۡتَطَاعُوۡا ؕ وَ مَنۡ یَّرۡتَدِدۡ مِنۡکُمۡ عَنۡ دِیۡنِهٖ فَیَمُتۡ وَ هُوَ کَافِرٌ فَاُولٰٓئِکَ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَةِ ۚ وَ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۱۷﴾ ﴾

ص د د

(ن۔ض) صَدًّا اور صُدُوۡدًا (ا) کسی چیز سے رُک جانا۔ (لازم)۔ (۲) کسی کو کسی چیز سے روک دینا۔ (متعدی)۔ ﴿ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ صَدَّ عَنۡهُ ؕ ﴾ (4/النساء:55) ''تو ان میں وہ بھی ہیں جو ایمان لائے اس پر اور ان میں وہ بھی ہیں جو رُک گئے اس سے۔'' ﴿ اَنَحۡنُ صَدَدۡنٰکُمۡ عَنِ الۡهُدٰی ﴾ (34/سبا:32) ''کیا ہم نے روکا تم کو ہدایت سے۔''

صَدِیۡدٌ فَعِیۡلٌ کا وزن ہے۔ خون ملا ہوا مواد۔ پیپ (کیونکہ یہ کھال اور گوشت کے درمیان رُکاوٹ ہوتی ہے)۔ ﴿ وَ یُسۡقٰی مِنۡ مَّآءٍ صَدِیۡدٍ ﴿ۙ۱۶﴾ ﴾ (14/ابراہیم:16) ''اور وہ پلایا جائے گا پیپ والے پانی میں سے۔''

ز ی ل

(ف) زَیۡلًا کسی چیز کا اپنی جگہ سے ہٹنا۔ زائل ہونا۔

مَازَالَ اور لَا یَزَالُ افعالِ ناقصہ میں سے ہیں۔ (2/البقرہ:57، نوٹ۔1)

(تفعیل) تَزۡیِیۡلًا الگ الگ کرنا۔ جُدا جُدا کرنا۔ ﴿ ثُمَّ نَقُوۡلُ لِلَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡا مَکَانَکُمۡ اَنۡتُمۡ وَ شُرَکَآؤُکُمۡ ۚ فَزَیَّلۡنَا بَیۡنَهُمۡ ﴾ (10/یونس:28) ''پھر ہم کہیں گے ان سے جنہوں نے شرک کیا کہ رہو اپنی جگہ، تم بھی اور تمہارے شرکاء بھی، پھر ہم الگ الگ کریں گے ان کو ایک دوسرے سے۔''

(تفعّل) تَزَیُّلًا الگ الگ ہونا۔ ﴿ لَوۡ تَزَیَّلُوۡا لَعَذَّبۡنَا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡهُمۡ ﴾ (48/الفتح:25) ''اگر وہ لوگ الگ الگ ہوتے تو ہم ضرور عذاب دیتے ان کو جنہوں نے کفر کیا ان میں سے۔''

ح ب ط

(س) حَبۡطًا کسی چیز کا اکارت ہونا۔ بےکار ہونا۔ ﴿ وَ مَنۡ یَّکۡفُرۡ بِالۡاِیۡمَانِ فَقَدۡ حَبِطَ عَمَلُهٗ ﴾ (5/المائدہ:5) ''اور جو انکار کرتا ہے ایمان کا تو اکارت گیا اس کا عمل۔''

(افعال) اِحۡبَاطًا کسی چیز کو اکارت کر دینا۔ ﴿ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمۡ کَرِهُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاَحۡبَطَ اَعۡمَالَهُمۡ ﴿۹﴾ ﴾ (47/محمد:9) ''یہ اس لیے کہ انہوں نے ناپسند کیا اس کو جو اللہ نے اُتارا تو اس نے اکارت کر دیا ان کے اعمال کو۔''

ترکیب اَلشَّهۡرِ پر لام جنس ہے اور اَلۡحَرَامِ اس کی صفت ہونے کی وجہ سے معرّف باللّام ہے۔ اس مرکب توصیفی کا بدل

ہونے کی وجہ سے قِتَالٍ مجرور ہے۔ فِيْهِ کی ضمیر اَلشَّهْرِ الْحَرَامِ کے لیے ہے اور لفظی رعایت کے تحت ضمیر واحد آئی ہے لیکن لام جنس کی وجہ سے دونوں جگہ ترجمہ جمع میں ہوگا۔ قُلْ کے بعد قاعدۂ کلیہ کا بیان ہے اس لیے قِتَالٌ مبتداء نکرہ آیا ہے اور كَبِيْرٌ اس کی خبر ہے اور یہ صفت ہے۔ جبکہ اس کا موصوف اِثْمٌ محذوف ہے۔ وَصَدٌّ سے اَهْلِهٖ مِنْهُ تک پورا فقرہ مبتداء ہے۔ اس میں بِهٖ کی ضمیر سَبِيْلِ اللّٰهِ کے لیے ہے۔ سَبِيْلٌ مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اس لیے مذکر ضمیر بھی جائز ہے۔ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کی جرّ بتارہی ہے کہ یہ صَدٌّ عَنْ پر عطف ہے۔ اَهْلِهٖ اور مِنْهُ کی ضمیریں اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کے لیے ہیں۔ اَكْبَرُ اس پورے فقرے کی خبر ہے اور اس کی تمیز اِثْمًا محذوف ہے۔ وَالْفِتْنَةُ پر لام جنس ہے۔

لَا يَزَالُوْنَ سے عَنْ دِيْنِكُمْ تک جواب شرط ہے اور اِنِ اسْتَطَاعُوْا اس کی شرط ہے۔ مَنْ شرطیہ ہے۔ يَرْتَدِدْ سے كَافِرٌ تک شرط ہے جبکہ فَاُولٰٓئِكَ سے وَالْاٰخِرَةِ تک جواب شرط ہے۔ شرط ہونے کی وجہ سے يَرْتَدِدْ اور يَمُتْ مجزوم ہیں۔ اَعْمَالٌ غیر عاقل کی جمع مکسر ہے اس لیے فعل حَبِطَتْ واحد مؤنث آیا ہے۔ اَلدُّنْيَا اور اَلْاٰخِرَةِ دونوں صفت ہیں اور ان دونوں کا موصوف اَلْحَيٰوةِ محذوف ہے۔

ترجمہ

يَسْـَٔلُوْنَكَ	عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ	قِتَالٍ فِيْهِ ؕ
وہ لوگ پوچھتے ہیں آپؐ سے	محترم مہینوں کے بارے میں	(یعنی) ان میں جنگ کرنے کے بارے میں

قُلْ	قِتَالٌ	فِيْهِ	كَبِيْرٌ ؕ	وَصَدٌّ	عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	وَكُفْرٌۢ
آپ کہہ دیجیے	جنگ کرنا	ان میں	بڑا (گناہ) ہے	اور روکنا	اللہ کے راستے سے	اور انکار کرنا

بِهٖ	وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ق	وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ	مِنْهُ	اَكْبَرُ
اس کا	اور مسجدِ حرام (سے روکنا)	اور اس کے لوگوں کو نکالنا	اس سے	زیادہ بڑا (گناہ) ہے

عِنْدَ اللّٰهِ ج	وَالْفِتْنَةُ	اَكْبَرُ	مِنَ الْقَتْلِ ؕ	وَلَا يَزَالُوْنَ
اللہ کے نزدیک	اور ہر تشدد	زیادہ بڑا (گناہ) ہے	قتل سے	اور ہمیشہ

يُقَاتِلُوْنَكُمْ	حَتّٰى	يَرُدُّوْكُمْ	عَنْ دِيْنِكُمْ
وہ لوگ جنگ کریں گے تم لوگوں سے	یہاں تک کہ	وہ پھیر دیں تم کو	تمہارے دین سے

اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ	وَمَنْ	يَّرْتَدِدْ	مِنْكُمْ	عَنْ دِيْنِهٖ	فَيَمُتْ
اگر ان کے بس میں ہو	اور جو	واپس پھرا	تم میں سے	اپنے دین سے	پھر وہ مرا

وَهُوَ	كَافِرٌ	فَاُولٰٓئِكَ	حَبِطَتْ	اَعْمَالُهُمْ	فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ج
اس حال میں کہ وہ	کافر ہے	تو وہ لوگ ہیں	اکارت ہوئے	جن کے اعمال	دنیا اور آخرت میں

وَاُولٰٓئِكَ	اَصْحٰبُ النَّارِ ج	هُمْ	فِيْهَا	خٰلِدُوْنَ
اور وہ لوگ	آگ والے ہیں	وہ لوگ	اس میں	ہمیشہ رہنے والے ہیں

نوٹ۔1

آیت نمبر 2/ البقرہ: 191 کے نوٹ۔3 میں کہا گیا تھا کہ وہاں پر لفظ فتنہ تشدد کے معنی میں آیا ہے۔ اب نوٹ کرلیں کہ آیت زیرِ مطالعہ اس بات کی سند ہے۔ کیونکہ یہاں جبر و تشدد کی مثالیں دینے کے بعد وہی بات کہی گئی ہے کہ تشدد خواہ کسی بھی شکل میں ہو، وہ بہر حال قتل سے زیادہ بڑا گناہ ہے۔

نوٹ۔2

اِرْتِدَادٌ کا اصل مطلب یہ ہے کہ ایک شخص اپنا مذہب چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوا اور پھر اسلام چھوڑ کر اپنے پہلے مذہب میں واپس چلا گیا۔ ابتداء اسلام میں یہ لفظ اسی مفہوم میں استعمال ہوتا تھا۔ اور مُرتد ایسے شخص کو کہتے تھے جو اسلام چھوڑ کر اپنے پرانے مذہب میں واپس جائے۔ لیکن اصطلاحاً اب یہ ایسے لوگوں کے لیے بھی استعمال ہونے لگا ہے جو اسلام میں تھے اور پھر انہوں نے کوئی دوسرا مذہب قبول کرلیا۔

آیت نمبر (218)

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ ۲۱۸

ھ ج ر

(ن) هَجْرًا : (۱) قطع تعلق کرنا۔ چھوڑنا۔ (۲) نیند یا بیماری میں بڑبڑانا۔ بلاسوچے سمجھے بکواس کرنا۔ ﴿بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ۝﴾ (23/ المومنون: 67) ''رات کی مجلس میں تم لوگ بکواس کرتے ہو۔''

اُهْجُرْ : فعل امر ہے۔ تو قطع تعلق کر۔ تو چھوڑ ﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝﴾ (74/ المدثر: 5) ''اور گندگی کو آپؐ چھوڑیں۔''

مَهْجُوْرٌ : اسم المفعول ہے۔ قطع تعلق کیا ہوا۔ چھوڑا ہوا۔ ﴿يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝﴾ (25/ الفرقان: 30) ''اے میرے رب بیشک میری قوم نے بنایا اس قرآن کو قطع تعلق کیا ہوا۔''

(مفاعلہ) هِجْرَةً : (اس کا مصدر هِجَارًا نہیں آتا۔ مُهَاجَرَةً جائز ہے لیکن زیادہ تر خلافِ معمول هِجْرَةً استعمال ہوتا ہے)۔ ایک کو چھوڑ کر دوسرے کو اپنانا۔ ہجرت کرنا۔ ﴿يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ﴾ (59/ الحشر: 9) ''وہ لوگ محبت کرتے ہیں ان سے جنہوں نے ہجرت کی ان کی طرف۔''

مُهَاجِرٌ : اسم الفاعل ہے۔ ہجرت کرنے والا۔ ﴿اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ۭ﴾ (29/ العنکبوت: 26) ''بیشک میں ہجرت کرنے والا ہوں اپنے رب کی طرف۔''

ر ج و

(ن) رَجْوًا : کسی سے اُمید باندھنا۔ اُمید کرنا۔ ﴿وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ﴾ (4/ النساء: 104) ''اور تم لوگ اُمید رکھتے ہو اللہ سے اس کی جس کی وہ لوگ اُمید نہیں رکھتے۔''

اُرْجُ : فعل امر ہے۔ تو اُمید رکھ۔ ﴿يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ﴾ (29/ العنکبوت: 36) ''اے میری قوم تم لوگ بندگی کرو اللہ کی اور اُمید رکھو آخرت کی۔''

مَرْجُوٌّ : اسم المفعول ہے۔ اُمید کیا ہوا (جس سے اُمیدیں وابستہ ہوں)۔ ﴿يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ﴾ (11/ ھود: 62) ''اے صالحؑ تو رہا ہے ہم میں اُمید کیا ہوا اس سے پہلے۔''

رَجَاءٌ : ج اَرْجَاءٌ۔ کسی چیز کا کنارہ ﴿وَّالْمَلَكُ عَلٰٓي اَرْجَاۗىِٕهَا ۭ﴾ (69/ الحاقۃ: 17) ''اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے۔''

(افعال) اِرْجَاءً کسی کو اُمید دلانا۔ٹال دینا۔مؤخر کرنا۔﴿ تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ ﴾(33/الاحزاب:51)''آپ پیچھے کریں اس کو جس کو آپؐ چاہیں ان میں سے۔''

اَرْجِ فعل امر ہے۔تو ٹال۔مؤخر کر۔﴿ اَرْجِهْ وَ اَخَاهُ وَ اَرْسِلْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ﴾ (7/الاعراف:111)''تو ٹال دے اس کو اور اس کے بھائی کو اور تو بھیج شہروں میں جمع کرنے والوں کو۔''

ترکیب

اَلَّذِیْنَ سے سَبِیْلِ اللّٰهِ تک اِنَّ کا اسم ہے جبکہ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ط اس کی خبر ہے۔جمع مؤنث سالم کے علاوہ جس لفظ کے لام کلمہ پر تا آتی ہے اسے تائے مبسوط سے لکھتے ہیں جیسے وَقْتٌ۔ اس کو وَقَۃٌ لکھنا غلط ہے۔اس کے علاوہ زیادہ تر تائے مربوط استعمال ہوتی ہے۔رَحْمَةٌ بھی تائے مربوط سے ہی لکھا جاتا ہے جبکہ رَحْمَتٌ قرآن مجید کا مخصوص املاء ہے۔

ترجمہ

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ	وَجٰهَدُوْا	هَاجَرُوْا	وَالَّذِیْنَ	الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اِنَّ
اللہ کی راہ میں	اور جہاد کیا	ہجرت کی	اور جن لوگوں نے	جو لوگ ایمان لائے	بیشک

رَّحِیْمٌ	غَفُوْرٌ	وَاللّٰهُ	رَحْمَتَ اللّٰهِ ط	یَرْجُوْنَ	اُولٰٓئِكَ
ہمیشہ رحم کرنے والا ہے	بے انتہا بخشنے والا ہے	اور اللہ	اللہ کی رحمت کی	اُمید رکھتے ہیں	وہ لوگ

آیت نمبر(219)

﴿ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ ط قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ز وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ط وَ یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ۵ قُلِ الْعَفْوَ ط كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ط ﴾

خ م ر

(ن) خَمْرًا کسی چیز کو ڈھانپنا۔چھپانا۔

خَمْرٌ اسم ذات بھی ہے۔شراب۔(کیونکہ یہ عقل کو ڈھانپ دیتی ہے)۔آیت زیر مطالعہ۔

خِمَارٌ ج خُمُرٌ۔ اسم ذات ہے۔ ڈوپٹہ۔ اوڑھنی۔ ﴿ وَ لْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ ﴾ (24/النور:31)''اور خواتین کو چاہیے کہ وہ لپیٹیں اپنی اوڑھنیوں کو اپنے گریبانوں پر۔''

ف ک ر

(ض) فِكْرًا معاملے کی تہہ تک پہنچنے کے لیے چھان بین کرنا۔سوچ وچار کرنا۔

(تفعیل) تَفْكِیْرًا تسلسل سے سوچ وچار کرتے رہنا۔کثرت سے سوچ و چار کرنا۔ ﴿ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَ قَدَّرَ ﴿۱۸﴾ ﴾ (74/المدثر:18)''بیشک اس نے بہت سوچ وچار کیا اور طے کیا۔''

(تفعّل) تَفَكُّرًا بتکلف سوچ وچار کرنا۔آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب

اِثْمٌ كَبِیْرٌ مبتداء مؤخر نکرہ ہے۔اس کی خبر وَاجِبٌ محذوف ہے اور قائم مقام خبر فِیْهِمَا مقدم ہی اور اس کی ضمیر

اَلْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ کے لیے ہے۔ مَنَافِعُ بھی مبتداء نکرہ ہے۔اس کی خبر مَوْجُوْدٌ محذوف ہے اور لِلنَّاسِ قائم مقام خبر ہے۔
431
اَلْعَفْوَ کی نصب بتارہی ہے کہ اس سے پہلے اَنْفِقُوْا محذوف ہے۔

ترجمہ

يَسْـَٔلُوْنَكَ	عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ	قُلْ	فِيْهِمَآ
وہ لوگ پوچھتے ہیں آپؐ سے	جوئے اور شراب کے بارے میں	آپؐ کہہ دیجئے	ان دونوں میں

اِثْمٌ كَبِيْرٌ	وَّمَنَافِعُ	لِلنَّاسِ ز	وَاِثْمُهُمَآ	اَكْبَرُ
ایک بڑا گناہ ہے	اور کچھ فائدہ اُٹھانے کی چیزیں ہیں	لوگوں کے لیے	اور ان دونوں کا گناہ	زیادہ بڑا ہے

مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ	وَيَسْـَٔلُوْنَكَ	مَاذَا	يُنْفِقُوْنَ ۵	قُلِ
ان دونوں کے فائدے سے	اور وہ لوگ پوچھتے ہیں آپؐ سے	کیا کچھ	وہ لوگ خرچ کریں	آپؐ کہہ دیجئے

الْعَفْوَ ؕ	كَذٰلِكَ	يُبَيِّنُ	اللّٰهُ	لَكُمُ	الْاٰيٰتِ
(خرچ کرو) اضافی کو	اس طرح	واضح کرتا ہے	اللہ	تمہارے لیے	نشانیوں (یعنی ہدایات) کو

لَعَلَّكُمْ	تَتَفَكَّرُوْنَ	فِي الدُّنْيَا	وَالْاٰخِرَةِ ؕ
شائد کہ تم لوگ	سوچ وچار کو	دنیا میں	اور آخرت میں

نوٹ۔1

آیت نمبر۔(2/ البقرہ:184) کے نوٹ۔1 میں بتایا جاچکا ہے کہ اسلام کے کچھ احکام بتدریج نافذ کیے گئے تھے۔ چنانچہ آیت زیر مطالعہ میں بھی شراب اور جوئے کے متعلق پہلا عبوری حکم آیا ہے۔ اور اس میں اس اصول کی طرف راہنمائی کی گئی ہے کہ اگر کسی چیز کے نقصانات اس کے فوائد سے زیادہ ہوں تو اس کو چھوڑ دینے میں ہمارا اپنا بھلا ہے۔

شراب کے متعلق دوسرا عبوری حکم سورۃ النساء کی آیت۔ 43 میں آیا جب نشے کی حالت میں نماز پڑھنے سے منع کر دیا گیا۔ اس کے بعد سورۃ المائدہ کی آیت۔ 90 میں شراب اور جوئے کے ساتھ کچھ اور چیزوں کو حتمی طور پر حرام قرار دے دیا گیا۔

نوٹ۔2

آیت نمبر 215 اور آیت زیرِ مطالعہ میں انفاق کے متعلق سوال اور اس کے جواب کی وضاحت معارف القرآن میں تفصیل سے کی گئی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

u پہلے سوال میں پوچھا گیا تھا کہ کتنا خرچ کریں اور کہاں خرچ کریں؟ اس کے جواب میں بتایا گیا کہ ہمارے انفاق کے مستحق کون لوگ ہیں اور کتنا خرچ کریں؟ کے جواب میں اصول بتا دیا کہ مالی انفاق ہو یا کوئی اور بھلائی ہو، جو بھی نیکی ہم کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے، یعنی اس کا ثواب ہم کو مل جائے گا۔ دوسرے سوال میں صرف یہ پوچھا گیا کہ کتنا خرچ کریں؟ تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ جو ضرورت سے زائد ہو وہ خرچ کرو۔

v ان دونوں سوالات کا تعلق نفلی انفاق سے ہے۔ کیونکہ فرض انفاق یعنی زکوۃ کے نصاب، اس کی مقدار اور اس کے مستحقین کے متعلق صحابۂ کرامؓ کو ابہام نہیں تھا۔ (چونکہ نفلی عبادات میں مقدار کا تعین نہیں ہوتا، اس لیے ان سوالات کے جواب میں بھی مقدار کا تعین نہیں کیا گیا۔ مرتب)

w نفلی انفاق کے مستحقین میں سرِفہرست والدین اور رشتہ دار ہیں۔اگر ثواب کی نیت سے ان کو تحفہ دیا جائے یا کھلایا جائے تو یہ انفاق فی سبیل اللہ میں شامل ہے۔ 431

x اپنے زیرِ کفالت اہل وعیال کو تنگی میں ڈال کر انفاق کرنا ثواب نہیں ہے۔

y جو کچھ ضرورت سے زائد ہو وہ سارا کا سارا اللہ کی راہ میں خرچ کر دینا ضروری یا واجب نہیں ہے۔صحابہ کرامؓ کے عمل سے یہ بات ثابت ہے۔

نوٹ۔3

اس مطالعہ کا نچوڑ اپنی سمجھ میں تو بس اتنا سا آیا ہے کہ جب ایک مرتبہ ہم کو بتا دیا گیا کہ ہم جو بھی نیکی کریں گے اس کا ثواب ہمیں ملے گا،تو اب ہر شخص کو خوف فیصلہ کرنا چاہیے کہ اسے کتنے ثواب کی ضرورت ہے۔اس میں اللہ میاں سے پوچھنے کی کیا بات ہے،اور جس سوال کا جواب اللہ تعالیٰ نے نہیں دیا وہ سوال علماء کرام سے پوچھنے کا کیا تک ہے۔

آیت نمبر(220)

﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ۭ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۭ وَاِنْ تُخَالِطُوْھُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۲۲۰﴾

خ ل ط

(ض) خَلْطًا مختلف چیزوں کے اجزاء کو باہم ملا دینا۔﴿خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّـــًٔا ۭ﴾(9/التوبہ:102) ''ان لوگوں نے ملایا نیک عمل کو اور دوسرے بُرے کو یعنی بُرے عمل کو۔''

خَلِيْطٌ ج خُلَطَاءُ۔فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔حصہ دار۔شریک۔﴿وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَاۗءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰي بَعْضٍ﴾(38/ص:24)''اور بیشک شرکاء میں سے اکثر زیادتی کرتے ہیں ایک دوسرے پر۔''

(مفاعلہ) مُخَالَطَةً اور خِلَاطًا کسی کے ساتھ میل جول رکھنا۔رَل مِل کر رہنا۔آیت زیرِ مطالعہ۔

(افتعال) اِخْتِلَاطًا مختلف چیزوں کا ایک دوسرے سے مل جانا۔گھ جانا۔﴿فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ﴾(10/یونس:24)''تو گھ گیا اس سے زمین کا سبزہ۔''

ع ن ت

(س) عَنَتًا مشکل میں پڑنا۔﴿وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ﴾(3/آل عمران:118)''وہ لوگ آرزو کرتے ہیں اس کی جس سے تم لوگ مشکل میں پڑو۔''

(افعال) اِعْنَاتًا کسی کو مشکل میں ڈالنا۔آیت زیرِ مطالعہ۔

ترکیب

اِصْلَاحٌ لَّهُمْ مبتداء ہے اور خَيْرٌ اس کی خبر ہے۔اِنْ شرطیہ ہے۔تُخَالِطُوْھُمْ شرط ہے۔فَاِخْوَانُكُمْ جواب شرط ہے اور یہ خبر ہے۔اس کا مبتداء ھُمْ محذوف ہے۔اَلْمُفْسِدَ اور اَلْمُصْلِحِ پر لام جنس ہے۔لَوْ شرطیہ ہے۔شَاۗءَ اللّٰهُ شرط ہے اور لَاَعْنَتَكُمْ جواب شرط ہے۔

ترجمہ

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ	عَنِ الْيَتٰمٰى ۭ	قُلْ 431
اور وہ لوگ پوچھتے ہیں آپؐ سے	یتیموں کے بارے میں	آپؐ کہہ دیجیے

اِصْلَاحٌ	لَّهُمْ	خَيْرٌ ۭ	وَاِنْ	تُخَالِطُوْهُمْ	فَاِخْوَانُكُمْ ۭ
سنوارنا	ان کے لیے	ایک بھلائی ہے	اور اگر	تم لوگ رَل مِل کر رہو ان کے ساتھ	تو وہ تمہارے بھائی ہیں

وَاللّٰهُ	يَعْلَمُ	الْمُفْسِدَ	مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ	وَلَوْ	شَاۗءَ	اللّٰهُ
اور اللہ	جانتا ہے	فسادی لوگوں کو	اور اصلاح کرنے والوں کو	اور اگر	چاہتا	اللہ

لَاَعْنَتَكُمْ ۭ	اِنَّ اللّٰهَ	عَزِيْزٌ	حَكِيْمٌ
تو وہ مشکل میں ڈالتا تم لوگوں کو	یقیناً اللہ	بالادست ہے	حکمت والا ہے

نوٹ۔1

آیت نمبر (2/ البقرہ:184) کے نوٹ۔1 میں بتایا گیا تھا کہ اسلام کے کچھ احکام بتدریج نافذ کیے گئے تھے۔ اب نوٹ کرلیں کہ کچھ احکام میں صورتحال اس کے برعکس بھی تھی۔ یعنی پہلے سخت حکم آیا اور پھر بعد میں اس میں نرمی کی گئی۔ آیت زیرِ مطالعہ اس قسم کے احکام کی ایک مثال ہے۔

پہلے آیت نمبر۔ (6/ البقرہ:152) میں حکم آیا تھا کہ یتیم کے مال کے قریب بھی مت جاؤ سوائے اس طریقے کے جو بہترین ہو۔ پھر آیت نمبر (17/ بنی اسرائیل:34) میں بالکل انہیں الفاظ میں اس حکم کا اعادہ کیا گیا۔ چنانچہ صحابۂ کرامؓ نے اپنے زیرِ کفالت یتیموں کا حساب کتاب بالکل الگ کر دیا۔ یہاں تک کہ ان کے کھانے بھی الگ پکتے تھے اور اس میں سے یتیم کے علاوہ کوئی دوسرا فرد کچھ نہیں کھاتا تھا۔ اس کی وجہ سے کچھ قباحتیں بھی پیدا ہوئیں اور مغائرت اور دوری کا احساس بھی پیدا ہوا۔ صحابۂ کرامؓ نے جب یہ مسئلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس آیت میں نرمی کی گئی۔

آیت نمبر (221)

﴿ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا
الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ
وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝221ۧ ﴾

ن ک ح

(ض) نَكَحًا: شادی کرنا۔ کسی سے نکاح کرنا۔ ﴿ فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۭ ﴾ (2/البقرہ:230) ''تو وہ خاتون حلال نہیں ہے اس کے لیے اس کے بعد یہاں تک کہ وہ خاتون نکاح کرے کسی شوہر سے اس کے علاوہ۔''

اِنْكِحْ: فعل امر ہے۔ تو نکاح کر۔ ﴿ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَھْلِهِنَّ ﴾ (4/ النساء:25) ''پس تم لوگ نکاح کرواں خواتین سے ان کے گھر والوں کی اجازت سے۔''

	نِکَاحٌ	شادی۔نکاح۔﴿اِلَّآ اَنۡ یَّعۡفُوۡنَ اَوۡ یَعۡفُوَا الَّذِیۡ بِیَدِہٖ عُقۡدَۃُ النِّکَاحِ ط﴾ (2/البقرہ:237) ''سوائے اس کے کہ وہ خواتین معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔''
(افعال)	اِنۡکَاحًا	کسی کو کسی کے نکاح میں دینا۔﴿اِنِّیۡۤ اُرِیۡدُ اَنۡ اُنۡکِحَکَ اِحۡدَی ابۡنَتَیَّ ہٰتَیۡنِ﴾ (28/القصص:27) ''بیشک میں ارادہ رکھتا ہوں کہ میں نکاح میں دوں تیرے، اپنی دو میں سے ایک بیٹی کو۔''
	اَنۡکِحۡ	فعل امر ہے۔تو نکاح میں دے۔﴿وَ اَنۡکِحُوا الۡاَیَامٰی مِنۡکُمۡ﴾ (24/النور:32) ''اور تم لوگ نکاح میں دو اپنوں میں سے بیواؤں کو۔''
(استفعال)	اِسۡتِنۡکَاحًا	کسی سے نکاح کرنا یا نکاح چاہنا۔﴿اِنۡ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنۡ یَّسۡتَنۡکِحَہَا ق﴾ (33/الاحزاب:50) ''اگر ارادہ کریں یہ نبی کہ وہ نکاح کریں اس سے۔''

ء م و

(ن)	اُمُوَّۃً	کسی عورت کا لونڈی بننا۔کنیز بننا۔
	اَمَۃٌ	ج اِمَاءٌ۔اسم ذات ہے۔لونڈی۔کنیز۔آیت زیر مطالعہ۔﴿وَ اَنۡکِحُوا الۡاَیَامٰی مِنۡکُمۡ وَ الصّٰلِحِیۡنَ مِنۡ عِبَادِکُمۡ وَ اِمَآئِکُمۡ ط﴾ (24/النساء:32) ''اور تم لوگ نکاح میں دو اپنوں میں سے بیواؤں کو اور اپنے نیک غلاموں کو اور کنیزوں کو۔''

ترکیب

لَا تَنۡکِحُوۡا باب ضرب سے فعل نہی ہے۔اس کا فاعل اس میں اَنۡتُمۡ کی ضمیر ہے۔اَلۡمُشۡرِکٰتِ اس کا مفعول ہے۔یُؤۡمِنَّ جمع مؤنث غائب کا صیغہ ہے اس لیے اس پر حَتّٰی کا اثر ظاہر نہیں ہوا۔اَمَۃٌ مُّؤۡمِنَۃٌ مبتداء نکرہ ہے اور اس پر لام تاکید ہے، جبکہ خَیۡرٌ اس کی خبر ہے۔یہاں مبتداء مؤنث ہے جبکہ اس کی خبر مذکر آئی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں خَیۡرٌ اسم التفضیل کے طور پر آیا ہے اور مِنۡ کے ساتھ استعمال ہونے کی صورت میں اسم التفضیل ہر حالت میں واحد اور مذکر ہی رہتا ہے خواہ اس کا موصوف یعنی مبتداء تثنیہ یا جمع یا مؤنث ہی کیوں نہ ہو۔لَا تُنۡکِحُوۡا باب افعال سے فعل نہی ہے۔اس کے دو مفعول آتے ہیں۔مفعول اوّل جس کے نکاح میں دیا اور مفعول ثانی جس کو نکاح میں دیا۔اَلۡمُشۡرِکِیۡنَ مفعول اوّل ہے جبکہ مفعول ثانی محذوف ہے۔یُؤۡمِنُوۡا جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے اور حَتّٰی کی وجہ سے منصوب ہے، اس لیے اس کا نون اعرابی گرا ہوا ہے۔یَدۡعُوۡا دراصل مضارع کا واحد مذکر غائب کا صیغہ یَدۡعُوۡ ہے۔اس کے آگے الف کا اضافہ قرآن مجید کا مخصوص املاء ہے۔یُبَیِّنُ کا فاعل ھُوَ کی ضمیر ہے جو اللہ کے لیے ہے۔

ترجمہ

وَلَا تَنۡکِحُوا	الۡمُشۡرِکٰتِ	حَتّٰی	یُؤۡمِنَّ ط	وَ لَاَمَۃٌ مُّؤۡمِنَۃٌ
اور تم لوگ نکاح مت کرو	مشرک خواتین سے	یہاں تک	وہ ایمان لے آئیں	اور یقیناً کوئی مومن کنیز

خَیۡرٌ	مِّنۡ مُّشۡرِکَۃٍ	وَّ لَوۡ	اَعۡجَبَتۡکُمۡ ج	وَلَا تُنۡکِحُوا
بہتر ہے	کسی مشرک خاتون سے	اور خواہ	وہ دلکش لگے تم لوگوں کو	اور تم لوگ نکاح میں مت دو

الۡمُشۡرِکِیۡنَ	حَتّٰی	یُؤۡمِنُوۡا ط	وَلَعَبۡدٌ مُّؤۡمِنٌ	خَیۡرٌ
مشرکوں کے	یہاں تک کہ	وہ لوگ ایمان لے آئیں	اور یقیناً ایک مومن غلام	بہتر ہے

مِّنۡ مُّشۡرِكٍ	وَّ لَوۡ	اَعۡجَبَكُمۡ ؕ	اُولٰٓئِكَ	يَدۡعُوۡنَ	اِلَى النَّارِ ۖۚ	وَاللّٰهُ	يَدۡعُوۡٓا
کسی مشرک سے	خواہ	وہ بھلا لگے تم کو	وہ لوگ	بلاتے ہیں	آگ کی طرف	اور اللہ	بلاتا ہے

اِلَى الۡجَنَّةِ وَالۡمَغۡفِرَةِ	بِاِذۡنِهٖ ۚ	وَيُبَيِّنُ	اٰيٰتِهٖ
مغفرت اور جنت کی طرف	اپنی اجازت سے	اور وہ واضح کرتا ہے	اپنی نشانیوں کو

لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ	يَتَذَكَّرُوۡنَ
لوگوں کے لیے شائد کہ وہ	یاددہانی حاصل کریں

نوٹ۔1

آیت نمبر۔ 219 میں شراب اور جوئے سے اجتناب اور زکوٰۃ سے زیادہ خرچ کرنے کی ہدایت، دراصل اصلاحِ معاشرہ کا سنگِ بنیاد ہے۔ پھر آیت 220 میں یتیموں کے حقوق کا ذکر اسی تصویر کا دوسرا رُخ ہے۔ اور اب آیت زیرِ مطالعہ سے شادی بیان کے معاملات کا ذکر شروع ہو رہا ہے جو آیت نمبر۔ 242 تک جاری رہے گا۔ یہ بھی اصلاحِ معاشرہ کے اُسی سنگ بنیاد کا تیسرا زاویہ (DIMENSIONS) ہے۔

جب کوئی معاشرہ امن وسکون کا گہوارہ ہوتا ہے تو اس میں برائیوں سے بچنا اور نیکیوں پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں مغفرت اور جنت کا حصول بھی آسان ہو جاتا ہے۔ اور جب کوئی معاشرہ فتنوں اور فساد کا شکار ہوتا ہے تو صورتحال برعکس ہو جاتی ہے جس کے نتیجے میں دوزخ میں داخلہ آسان ہو جاتا ہے۔

آیت نمبر (222)

﴿وَ يَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡمَحِيۡضِ ؕ قُلۡ هُوَ اَذًى ۙ فَاعۡتَزِلُوا النِّسَآءَ فِى الۡمَحِيۡضِ ۙ وَ لَا تَقۡرَبُوۡهُنَّ حَتّٰى يَطۡهُرۡنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرۡنَ فَاۡتُوۡهُنَّ مِنۡ حَيۡثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيۡنَ وَ يُحِبُّ الۡمُتَطَهِّرِيۡنَ ﴿۲۲۲﴾﴾

ح ی ض

(ض) **حَيۡضًا** مخصوص ایام میں خواتین کا خون جاری ہونا۔ ماہواری ہونا۔ ﴿وَالّٰٓـئِىۡ لَمۡ يَحِضۡنَ ؕ﴾ (65/ الطلاق: 4) ''اور وہ جنہیں خون جاری نہیں ہوا۔''

مَحِيۡضٌ مَفۡعِلٌ کے وزن پر اسم الظرف ہے۔ خون جاری ہونے کا وقت۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

ع ز ل

(ض) **عَزۡلًا** کسی کو جدا کر دینا۔ الگ کر دینا۔ ﴿وَمَنِ ابۡتَغَيۡتَ مِمَّنۡ عَزَلۡتَ﴾ (33/ الاحزاب: 51) ''اور جس کو آپؐ چاہیں ان میں سے جن کو آپؐ نے الگ کیا۔''

مَعۡزُوۡلٌ اسم المفعول ہے۔ جُدا کیا ہوا۔ الگ کیا ہوا۔ ﴿اِنَّهُمۡ عَنِ السَّمۡعِ لَمَعۡزُوۡلُوۡنَ ﴿۲۱۲﴾﴾ (26/ الشعراء: 212) ''یقیناً وہ لوگ سننے سے الگ کیے ہوئے ہیں۔''

مَعۡزِلٌ اسم الظرف ہے۔ الگ کرنے کی وجہ۔ کسی چیز کا کنارہ۔ ﴿وَ كَانَ فِىۡ مَعۡزِلٍ﴾ (11/ ھود: 42) ''اور وہ تھا ایک کنارے پر۔''

(افتعال) اِعۡتِزَالًا کسی سے الگ ہونا (جس سے الگ ہوں وہ کسی صلہ کے بغیر یعنی بنفسہ آتا ہے)۔﴿فَلَمَّا اعۡتَزَلَهُمۡ وَمَا یَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ﴾ (11/ھود:49) ''پھر وہ کنارہ کش ہوئے ان لوگوں سے اور ان سے جن کی وہ بندگی کرتے تھے اللہ کے علاوہ۔''

431

اِعۡتَزِلۡ فعل امر ہے۔ تو الگ ہو۔ کنارہ کش ہو۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

ترکیب

هُوَ مبتداء اور اَذًی اس کی خبر ہے۔ یَطۡهُرۡنَ ثلاثی مجرد سے فعل مضارع ہے اور جمع مؤنث غائب کا صیغہ ہے۔ جبکہ تَطَهَّرۡنَ باب تفعّل سے فعل ماضی میں جمع مؤنث غائب کا صیغہ ہے۔ فَاِذَا حرف شرط ہے، تَطَهَّرۡنَ شرط ہے اور فَاۡتُوۡا سے اللّٰهُ تک جواب شرط ہے۔

ترجمہ

وَيَسۡـَٔلُوۡنَكَ	عَنِ الۡمَحِيۡضِ ؕ	قُلۡ
اور وہ لوگ پوچھتے ہیں آپ ؐ سے	خون جاری ہونے کے وقت کے متعلق	آپ کہہ دیجئے

هُوَ	اَذًى ۙ	فَاعۡتَزِلُوا	النِّسَآءَ	فِى الۡمَحِيۡضِ ۙ
وہ	ایک تکلیف ہے	پس تم لوگ کنارہ کش رہو	عورتوں سے	خون جاری ہونے کے وقت میں

وَلَا تَقۡرَبُوۡهُنَّ	حَتّٰى	يَطۡهُرۡنَ ۚ	فَاِذَا	تَطَهَّرۡنَ
اور تم لوگ قریب مت ہوان کے	یہاں تک کہ	وہ پاک ہوں	پھر جب	وہ خود کو پاک کر لیں

فَاۡتُوۡهُنَّ	مِنۡ حَيۡثُ	اَمَرَ	كُمُ	اللّٰهُ ؕ	اِنَّ اللّٰهَ	يُحِبُّ
تو تم لوگ آؤ ان کے پاس	جہاں سے	ہدایت کی	تم کو	اللہ نے	یقیناً اللہ	پسند کرتا ہے

التَّوَّابِيۡنَ	وَيُحِبُّ	الۡمُتَطَهِّرِيۡنَ
بار بار توبہ کرنے والوں کو	اور وہ پسند کرتا ہے	خود کو پاک رکھنے والوں کو

آیت نمبر (2/البقرہ:223)

﴿نِسَآؤُكُمۡ حَرۡثٌ لَّكُمۡ ۖ فَاۡتُوۡا حَرۡثَكُمۡ اَنّٰى شِئۡتُمۡ وَقَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِكُمۡ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّكُمۡ مُّلٰقُوۡهُ ؕ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۲۲۳﴾﴾

ترکیب

نِسَآؤُكُمۡ مبتداء ہے، حَرۡثٌ اس کی خبر ہی اور لَكُمۡ متعلق خبر ہے۔ مُلٰقُوۡ اسم الفاعل مُلَاقٍ کی جمع مُلٰقُوۡنَ تھا۔ مضاف ہونے کی وجہ سے نون اعرابی گر گیا اور ضمیر ہٗ اس کا مضاف الیہ ہے، جو کہ اللہ کے لیے ہے۔

ترجمہ

نِسَآؤُكُمۡ	حَرۡثٌ	لَّكُمۡ ۖ	فَاۡتُوۡا	حَرۡثَكُمۡ
تمہاری عورتیں	کھیتیاں ہیں	تمہارے لیے	پس تم لوگ آؤ	اپنی کھیتیوں میں

اَنّٰی	شِئۡتُمۡ ز	وَقَدِّمُوۡا	لِاَنۡفُسِکُمۡ ط	وَاتَّقُوا	اللّٰہَ
جہاں سے	تم چاہو	اور آگے بھیجو	اپنے آپ کے لیے	اور تم لوگ تقویٰ اختیار کرو	اللہ کا

وَاعۡلَمُوۡۤا	اَنَّکُمۡ	مُّلٰقُوۡہُ ط	وَبَشِّرِ	الۡمُؤۡمِنِیۡنَ
اور جان لو	کہ تم لوگ	اس سے ملاقات کرنے والے ہو	اور آپ ؐ بشارت دیجئے	ایمان لانے والوں کو

نوٹ۔1

وَقَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِکُمۡ۔ یہ قرآن مجید کے اُن مقامات میں سے ایک ہے جہاں ایک عام قاری بھی بڑی آسانی سے محسوس کر لیتا ہے کہ کسی فلسفیانہ اور گہری بات کو اتنے مختصر اور عام فہم انداز میں سمجھانے کا اتنا سادہ اور دلنشین انداز کسی انسانی کلام میں تو کہیں نہیں ملتا۔ اور اس کا ایمان تازہ ہو جاتا ہے کہ واقعی قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا ہی کلام ہے۔

ایک کسان جب بیج ڈالتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ کچھ عرصے کے بعد وہ اس بیج کا پھل حاصل کرے گا جو اس کے کام آئے گا۔ گویا وہ بیج کو اپنے لیے آگے بھیجتا ہے۔ اسی طرح شوہر اور بیوی کے تعلقات کا مقصد یہ ہے کہ ان کے یہاں اولاد ہو جو اس دنیا میں اپنے ماں باپ کا دست و بازو بنے۔ اگر تربیت اور اللہ کی مدد سے وہ اولاد صالح بھی ہو تو پھر وہ اپنے ماں باپ کے لیے آخرت کی کمائی کا بھی ذریعہ بنتی ہے۔ اس بات کو اتنے دلنشین اور شائستہ پیرائے میں سمجھا دینا، یہ قرآن مجید کا ہی اعجاز ہے۔

آیت نمبر(224)

﴿وَلَا تَجۡعَلُوا اللّٰہَ عُرۡضَۃً لِّاَیۡمَانِکُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡا وَ تَتَّقُوۡا وَتُصۡلِحُوۡا بَیۡنَ النَّاسِ ط وَ اللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۲۲۴﴾﴾

ی م ن

(س) یَمۡنًا: داہنی طرف ہونا۔

یَمِیۡنٌ: ج اَیۡمَانٌ۔ فَعِیۡلٌ کا وزن ہے۔ کثیر المعانی ہے۔

(۱) داہنی سمت یا رُخ۔ ﴿اِنَّکُمۡ کُنۡتُمۡ تَاۡتُوۡنَنَا عَنِ الۡیَمِیۡنِ ﴿۲۸﴾﴾(37/الصافات:28)''بیشک تم لوگ آیا کرتے تھے ہمارے پاس داہنی طرف سے۔'' ﴿ثُمَّ لَاٰتِیَنَّہُمۡ مِّنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡہِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِہِمۡ وَعَنۡ اَیۡمَانِہِمۡ وَعَنۡ شَمَآئِلِہِمۡ ط﴾ (7/الاعراف:17)''پھر میں لازماً پہنچوں گا ان کو، ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کی داہنی جانب سے اور ان کی بائیں جانب سے۔''

(۲) داہنا ہاتھ۔ ﴿وَ مَا تِلۡکَ بِیَمِیۡنِکَ یٰمُوۡسٰی ﴿۱۷﴾﴾ (20/طٰہٰ:17)''اور وہ کیا ہے آپؑ کے داہنے ہاتھ میں اے موسیٰؑ۔'' ﴿اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُہُمۡ﴾(23/المومنون:6)''یا جس کے مالک ہوئے ان کے داہنے ہاتھ۔''

(۳) قسم (عرب لوگ داہنا ہاتھ اُٹھا کر یا داہنے ہاتھ میں ہاتھ دے کر قسم کھاتے تھے)۔'' آیت زیر مطالعہ۔

مَیۡمَنَۃٌ: مَفۡعَلَۃٌ کے وزن پر اسم الظرف ہے۔ داہنی طرف کی جگہ۔ ﴿اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَۃِ ﴿۱۸﴾﴾ (90/البلد:18)''وہ لوگ داہنی جگہ والے ہیں۔''

ترکیب

لَا تَجۡعَلُوۡا فعل نہی ہے۔ اس کا فاعل اس میں اَنۡتُمۡ کی ضمیر ہے۔ اَللّٰہَ اس کا مفعول اوّل اور عُرۡضَۃً مفعول ثانی ہے۔ تَبَرُّوۡا۔ تَتَّقُوۡا اور تُصۡلِحُوۡا، یہ تینوں افعال مضارع اَنۡ کی وجہ سے منصوب ہیں۔

ترجمہ

وَلَا تَجْعَلُوا	اللّٰهَ	عُرْضَةً	لِّاَيْمَانِكُمْ	اَنْ	تَبَرُّوْا
اور تم لوگ مت بناؤ	اللہ کو	نشانہ	اپنی قسموں کے لیے	کہ	تم لوگ حسنِ سلوک (نہ) کرو

وَتَتَّقُوْا	وَتُصْلِحُوْا	بَيْنَ النَّاسِ ؕ	وَاللّٰهُ	سَمِيْعٌ	عَلِيْمٌ
اور تقویٰ (نہ) کرو	اور اصلاح (نہ) کرو	لوگوں کے درمیان	اور اللہ	سننے والا ہے	جاننے والا ہے

نوٹ۔1

پہلے اُردو کے دو جملوں پر غور کر لیں۔(۱) حامد سے بات مت کرو یہاں تک کہ وہ معافی مانگے۔(۲) حامد سے بات مت کرو جب تک کہ وہ معافی نہ مانگے۔اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ دونوں جملوں میں بات ایک ہی کہی گئی ہے، صرف انداز مختلف ہے۔ پہلے جملے میں لفظ ''مانگے'' کے ساتھ ''نہ'' لگانے کی ضرورت نہیں پڑی، جبکہ دوسرے جملے میں ''نہ'' لگا کر مفہوم ادا ہوا ہے۔اب نوٹ کر لیں کہ پہلے جملے کے انداز کا عربی میں رواج زیادہ ہے اس لیے آیت زیرِ مطالعہ میں فعل نہی کے بعد اَنْ کے ساتھ لَا لگانے کی ضرورت نہیں پڑی۔ جبکہ اُردو میں دوسرے جملے کے انداز کا رواج زیادہ ہے، اس لیے ترجمہ میں ''نہ'' کا اضافہ کیا گیا ہے تاکہ صحیح مفہوم واضح ہو جائے۔

نوٹ۔2

اِس آیت میں کسی نیک کام کو نہ کرنے کی قسم کھانے سے منع کیا گیا ہے۔ اور انداز یہ اختیار کیا گیا ہے کہ اگر ایسی بُری قسم کبھی کھا ہی بیٹھو تو اس میں کم از کم اللہ کو تو بیچ میں نہ لاؤ۔ یہ دراصل ممانعت کا ایک ہلکا پھلکا سا، مشفقانہ انداز ہے۔ اور ایک طرح سے یہ قسموں کے متعلق ان احکامات کا مقدمہ ہے جو آگے چل کر سورۃ المائدہ اور سورۃ التحریم میں آنے والے ہیں۔

آیت نمبر(225)

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿٢٢٥﴾﴾

ل غ و

(ف) لَغْوًا — بغیر سوچے سمجھے کوئی بات کہنا۔

لَغْوٌ — اسم ذات ہے۔(۱) بے معنی یا بیکار بات۔(۲) بے فائدہ چیز یا کام۔﴿وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ﴾ (28/القصص:55) ''اور جب بھی وہ لوگ سنتے ہیں بیکار بات کو تو اعراض کرتے ہیں اس سے۔'' ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ﴿٣﴾﴾ (23/المؤمنون:3) ''وہ لوگ بے فائدہ چیز سے اعراض کرنے والے ہیں۔''

اِلْغَوْ — فعل امر ہے۔ تو بے معنی بات کر۔﴿لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ﴾ (41/حٰمٓ السجدۃ:26) ''تم لوگ مت سنو اس قرآن کو اور بے معنی بات کرو اس میں۔''

لَاغٍ — فَاعِلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ بے سود۔ بے معنی۔﴿لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ﴿١١﴾﴾ (88/الغاشیہ:11) ''وہ نہیں سنے گا اس میں کوئی بے سود بات۔''

ح ل م

(ن) حُلْمًا — خواب دیکھنا۔

(ک) حِلْمًا — غصہ میں خود پر قابو رکھنا۔ تحمل کرنا۔ بردبار ہونا۔

حُلُمٌ ج اَحْلَامٌ۔ خواب۔﴿ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴾(12/یوسف:44)''اور ہم خوابوں کی تعبیر جاننے والے نہیں ہیں۔''

حِلْمٌ ج اَحْلَامٌ۔ تحمل، بردباری۔ عقل، شعور(کیونکہ بردباری عقل وشعور سے آتی ہے اور یہ لازم وملزوم ہیں۔﴿ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ ﴾(52/الطور:32)''کیا مشورہ دیتے ہیں ان کو ان کے شعور اس کا۔''

حُلُمٌ عقل وشعور کی پختگی۔ بلوغت۔﴿ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ ﴾(24/النور:59)''اور جب پہنچیں بچے تم میں سے بلوغت کو۔''

حَلِيْمٌ فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ تحمل والا۔ بردبار۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

ترکیب

يُؤَاخِذُ باب مفاعلہ کا فعل مضارع ہے، كُمْ ضمیر مفعولی ہے اور اَللّٰهُ اس کا فاعل ہے۔ فاعل قُلُوْبُكُمْ غیر عاقل جمع مکسر ہے اس لیے فعل كَسَبَتْ واحد مؤنث آیا ہے۔

ترجمہ

لَا يُؤَاخِذُ	كُمُ	اللّٰهُ	بِاللَّغْوِ	فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ
جواب طلبی نہیں کرے گا	تم لوگوں سے	اللہ	بے سوچی سمجھی بات پر	تمہاری قسموں میں

وَلٰكِنْ	يُّؤَاخِذُ	كُمْ	بِمَا	كَسَبَتْ	قُلُوْبُكُمْ
اور لیکن (البتہ)	وہ جواب طلبی کرے گا	تم سے	اس پر جو	کمایا (قصد کیا)	تمہارے دلوں نے

وَاللّٰهُ	غَفُوْرٌ	حَلِيْمٌ
اور اللہ	بے انتہا بخشنے والا ہے	ہمیشہ تحمل کرنے والا ہے

آیت نمبر(226)

﴿ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾

ء ل و

(ن) **اَلْوًا** کسی کام میں کوتاہی کرنا۔﴿ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ﴾(3/آل عمران:118)''وہ لوگ کوتاہی نہیں کریں گے تم لوگوں کو برباد کرنے میں۔''

(افعال) **اِيْلَاءً** کوتاہی کرنے کا عہد کرنا۔ کوئی کام نہ کرنے کی قسم کھانا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

(افتعال) **اِيْتِلَاءً** قسم کھانا۔

لَا يَاْتَلِ فعل نہی ہے۔ تو قسم مت کھا۔﴿ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى ﴾(24/النور:22)''اور قسم نہ کھائیں فضل والے تم میں سے اور وسعت والے کہ وہ (نہ) دیں قرابت والوں کو۔''

ر ب ص

431

(ن)	رَبْصًا	کسی موقع کی تاک میں رہنا۔
(تفعّل)	تَرَبُّصًا	انتظار کرنا۔ ﴿ وَيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ﴾ (9/التوبۃ: 98) ''اور وہ انتظار کرتا ہے تمہارے لیے گردش زمانہ کا۔''
	تَرَبَّصْ	فعل امر ہے۔ تو انتظار کر۔ ﴿ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴾ (23/المؤمنون: 25) ''پس تم لوگ انتظار کرو اس کے لیے کچھ عرصہ تک۔''
	مُتَرَبِّصٌ	اسم الفاعل ہے۔ انتظار کرنے والا۔ ﴿ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴾ (9/التوبۃ: 52) ''تو تم لوگ انتظار کرو۔ بیشک ہم تمہارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں۔''

ف ی ء

(ض)	فَيْئًا	واپس ہونا۔ لوٹنا۔ ﴿ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ﴾ (49/الحجرات: 9) ''یہاں تک کہ وہ لوٹے اللہ کے حکم کی طرف۔''
(افعال)	اِفَاءَةً	واپس کرنا۔ لوٹانا۔ (زیادہ تر ایسے مالِ غنیمت کے لیے آتا ہے جو بلا مشقت حاصل ہو)۔ ﴿ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ ﴾ (59/الحشر: 6) ''اور جو لوٹایا اللہ نے اپنے رسول ﷺ پر ان سے۔''
(تفعّل)	تَفَيُّؤًا	رُخ تبدیل کرنا۔ پلٹا کھانا۔ ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ ﴾ (16/النحل: 48) ''تو کیا انہوں نے دیکھا نہیں اس کی طرف جو پیدا کیا اللہ نے کسی چیز سے اُلٹتے ہیں ان کے سائے۔''

ترکیب

تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ مبتداء مؤخر ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے جو ثَابِتٌ ہوسکتی ہے، جبکہ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ فَاِنْ شرطیہ ہے، فَآءُوْ شرط ہے اور آگے جواب شرط ہے۔

ترجمہ

لِلَّذِيْنَ	يُؤْلُوْنَ	مِنْ نِّسَآئِهِمْ	تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ
ان لوگوں کے لیے جو	قسم کھاتے ہیں (قطع تعلق کی)	اپنی عورتوں سے	چار مہینے کا انتظار کرنا ہے

فَاِنْ	فَآءُوْ	فَاِنَّ اللّٰهَ	غَفُوْرٌ	رَّحِيْمٌ
پھر اگر	وہ لوٹ آئیں	تو یقیناً اللہ	بے انتہا بخشنے والا ہے	ہمیشہ رحم کرنے والا ہے

آیت نمبر (227)

﴿ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾

ع ز م

(ض)	عَزْمًا	پختہ ارادہ کرنا۔ ﴿ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ﴾ (3/آل عمران: 159) ''پھر جب آپؐ پختہ ارادہ کرلیں تو بھروسہ کریں اللہ پر۔''
	عَزْمٌ	اسم ذات ہے۔ پختہ ارادہ۔ ثابت قدمی۔ ﴿ فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾ (3/آل عمران: 186) ''تو یقیناً یہ ثابت قدمی کے کاموں میں سے ہے۔''

431

ط ل ق

(ض) طَلْقًا: کسی کا بندھن کھولنا۔

طَلَاقٌ: اسم فعل ہے۔نکاح کا بندھن کھولنا۔طلاق دینا۔آیت زیر مطالعہ۔

(تفعیل) تَطْلِيقًا: کسی کو آزاد کر کے جدا کرنا۔طلاق دینا۔﴿ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ ﴾(2/البقرہ:230) ’’پھر اگر وہ طلاق دے اس کو تو وہ حلال نہیں ہوتی اس کے لیے اس کے بعد۔‘‘

طَلِّقْ: فعل امر ہے۔تو طلاق دے۔﴿ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ﴾(65/الطلاق:1) ’’جب تم لوگ طلاق دو عورتوں کو تو طلاق دو ان کو ان کی عدت میں۔‘‘

مُطَلَّقَةٌ: اسم المفعول ہے۔طلاق دی ہوئی۔﴿ وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ ﴾ (2/البقرہ:241)’’اور طلاق دی ہوئی عورتوں کے لیے کچھ سامان ہے دستور کے مطابق۔‘‘

(انفعال) اِنْطِلَاقًا: کسی بندھن سے آزاد ہونا۔چل پڑنا۔﴿ فَانْطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَافَتُونَ ﴾ (68/القلم:23)’’پھر وہ چلے اور ایک دوسرے سے چپکے چپکے کہتے تھے۔‘‘﴿ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِي ﴾ (26/الشعراء:13)’’اور نہیں چلتی میری زبان۔‘‘

اِنْطَلِقْ: فعل امر ہے۔تو چل۔﴿ انْطَلِقُوا إِلَىٰ مَا كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴾(77/المرسلت:29)’’تم لوگ چلو اس کی طرف جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔‘‘

ترجمہ

وَإِنْ	عَزَمُوا	الطَّلَاقَ	فَإِنَّ اللّٰهَ	سَمِيعٌ	عَلِيمٌ
اور اگر	وہ لوگ پختہ ارادہ کریں	طلاق کا	تو یقیناً اللہ	سننے والا ہے	جاننے والا ہے

نوٹ۔1 اگر کوئی شوہر اپنی بیوی سے قطع تعلق کا عہد کر لیتا ہے لیکن اسے طلاق بھی نہیں دیتا، تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ وہ چار مہینے کے اندر فیصلہ کرے۔ یا تو تعلقات بحال کرے یا پھر طلاق دے۔اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی اللہ کے حکم پر عمل نہیں کرتا اور اپنی روش پر قائم رہتا ہے، تو پھر کیا ہوگا۔اس ضمن میں آراء مختلف ہیں۔مفتی محمد شفیع کی رائے ہے کہ ایسی صورت میں چار ماہ بعد طلاق خود بخود ہو جائے گی البتہ دونوں اگر رضامندی سے دوبارہ نکاح کر لیں تو درست ہے۔‘‘ (معارف القرآن)

آیت نمبر (228)

﴿ وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ۚ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا ۚ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٢٨﴾ ﴾

ب ع ل

(ن) بَعَالَةً: شوہر ہونا۔شوہر بننا۔

بَعْلٌ: ج بُعُولَةٌ۔ اسم ذات ہے۔شوہر۔خاوند۔﴿ وَهَٰذَا بَعْلِي شَيْخًا ﴾ (11/ھود:72)’’اور یہ میرے بوڑھے شوہر ہیں۔‘‘جمع کے لیے آیت زیر مطالعہ دیکھیں۔

بَعْلٌ — شام کے ایک قدیم شہر بَعْلَبَکّ کے ایک بُت کا نام۔ ﴿ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّ تَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴾ (37/الصّٰفّٰت:125) ''کیا تم لوگ پکارتے ہو بعل کو اور چھوڑتے ہو بہترین خالق کو۔''

د ر ج

(ن) دُرُوْجًا — سیڑھیاں چڑھنا۔ آہستہ آہستہ چلنا۔

دَرَجَةٌ — سیڑھی کا ایک زینہ۔ بلندی۔ رتبہ۔ ﴿ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ﴾ (2/البقرہ:253) ''ان میں وہ بھی ہے جس سے کلام کیا اللہ نے اور بلند کیا ان کے بعض کو درجوں کے لحاظ سے۔''

(استفعال) اِسْتِدْرَاجًا — آہستہ آہستہ چلانا۔ لے جانا۔ ﴿ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ (68/القلم:44) ''ہم آہستہ آہستہ لے جائیں گے ان کو جہاں سے وہ نہیں جانتے۔''

ترکیب

اَلْمُطَلَّقٰتُ مبتداء ہے۔ يَتَرَبَّصْنَ سے قُرُوْءٍ تک پورا جملہ اس کی خبر ہے۔ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ ظرف ہے اس لیے ثَلٰثَةَ منصوب ہے۔ اَنْ يَّكْتُمْنَ سے فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ تک پورا جملہ لَا يَحِلُّ کا فاعل ہے اور یہ جواب شرط ہے اگلے شرطیہ جملے کی۔ يَكْتُمْنَ اور خَلَقَ دونوں کا مفعول مَا ہے۔ بُعُوْلَتُهُنَّ مبتداء ہے اور اَحَقُّ اس کی خبر ہے۔ ذٰلِكَ کا اشارہ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ کی طرف ہے۔ دَرَجَةٌ مبتداء مؤخر نکرہ ہے، اس کی خبر محذوف ہے اور لِلرِّجَالِ قائم مقام خبر مقدم ہے جبکہ عَلَيْهِنَّ متعلق خبر ہے۔

ترجمہ

وَالْمُطَلَّقٰتُ	يَتَرَبَّصْنَ	بِاَنْفُسِهِنَّ	ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ	وَلَا يَحِلُّ
اور طلاق شدہ خواتین	انتظار کریں گی	اپنے نفس کے ساتھ	تین مدتیں	اور حلال نہیں ہوتا

لَهُنَّ	اَنْ يَّكْتُمْنَ	مَا	خَلَقَ	اللّٰهُ	فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ	اِنْ كُنَّ
ان کے لیے	کہ وہ چھپائیں	اس کو جس کو	پیدا کیا	اللہ نے	ان کے رحموں میں	اگر وہ

يُؤْمِنَّ	بِاللّٰهِ	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	وَبُعُوْلَتُهُنَّ	اَحَقُّ
ایمان رکھتی ہیں	اللہ پر	اور آخری دن (یعنی آخرت پر)	اور ان کے شوہر	زیادہ حقدار ہیں

بِرَدِّهِنَّ	فِيْ ذٰلِكَ	اِنْ اَرَادُوْٓا	اِصْلَاحًا	وَلَهُنَّ
ان کو لوٹانے کے	اس میں	اگر وہ لوگ ارادہ کریں	اصلاح کرنے کا	اور ان کے لیے ہے

مِثْلُ الَّذِيْ	عَلَيْهِنَّ	بِالْمَعْرُوْفِ	وَلِلرِّجَالِ	عَلَيْهِنَّ	دَرَجَةٌ
اس کے جیسا جو	ان پر ہے	بھلائی سے	اور مردوں کے لیے ہے	ان پر	ایک درجہ

وَاللّٰهُ	عَزِيْزٌ	حَكِيْمٌ
اور اللہ	بالادست ہے	حکمت والا ہے

نوٹ۔1 — شوہر اور بیوی کے تعلقات پر بات ہو رہی ہے اس پس منظر میں لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ کے دو مفہوم

ہیں اور یہاں دونوں ہی رماد ہیں۔ اوّلاً یہ کہ جس طرح شوہر کی ساتھ بلاسلوک کرنا بیوی پر فرض ہے، اسی طرح اس کا یہ حق بھی ہے کہ شوہر اس کے ساتھ بھلا سلوک کرے۔ ثانیاً یہ کہ جس طرح بیوی کے کچھ فرائض ہیں، اسی طرح اس کے چکھ حقوق بھی ہیں۔ شوہر و بیوی کی ح قوق وفرائض کا تعین وقت کے تہذیبی اور تمدنی دستوار اور رواج کے مطابق ہوگا، بشرطیکہ کوئی دستور اسلامی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ کیونکہ جب کوئی دستور اسلامی تعلیمات کے خلاف ہوتا ہے تو وہ نیکی اور بھلائی کے درجے سے گر جاتا ہے اور وہی دراصل فساد کا سبب بنتا ہے۔

نوٹ۔2

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ کا مطلب یہ ہے کہ شوہر اور بیوی کے ایک دوسرے پر حقوق وفرائض تو ہیں لیکن اس کی وجہ سے کوئی اس خبط میں مبتلا نہ ہو کہ دونوں بالکل مساوی ہیں۔ کیونکہ دونوں کے حقوق وفرائض ہونے کے باوجود شوہر کو بیوی پر ایک درجہ برتری حاصل ہی ور یہ برتری اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔ اس کے اتنے واضح فرمان کے باوجود عورت و مرد کی مساوات کا نعرہ لگانا جہالت ہے۔

عورت کرکٹ کھیل لے، باکسنگ کرلے، ہوئی جہاز اُڑا لے، خلائی سفر سے ہو آئے، جو مرضی ہے کر لے لیکن جب بھی اسے کوئی کانٹا چبھے گا تو اس نے اُوئی اللہ کرنا ہی کرنا ہے۔ یہ بات میں نے مذاق میں نہیں بلکہ مجبوراً کی ہے کہ شائد اس طرح ہی ان لوگوں کی آنکھ کھل جائے جنہوں نے ایسے حقائق سے آنکھ بند کی ہوئی ہے جو اندھے کو بھی نظر آتے ہیں۔ عورت اور مرد کے جسم کی ظاہر ی ساخت کا فرق بہت نمایاں ہے لیکن ان کے اندرونی نظام میں بھی فرق ہے۔ جسمانی اعضاء اور غدور (GLANDS) کی کارکردگی (FUNCTIONS) مختلف ہیں، ان کے اثرات بھی مختلف ہیں۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ عورت اور مرد کی نفسیات بھی مختلف ہے۔ مساوات کا نعرہ لگانے والوں کو چاہیے کہ پہلے وہ ان فرقوں کو دور کریں پھر مساوات کا نعرہ لگائیں۔

نوٹ۔3

آیت کے اختتام پر اللہ تعالیٰ کی صفات مین سے دو صفات، عزیز او حکیم ہم کو یاد دلائی گئی ہیں۔ اللہ کے عزیز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا اختیار مطلق ہے جس پر کسی قسم کی کوئی تحدید (LIMITATION) نہیں ہے۔ وہ جو چاہے فیصلہ کر سکتا ہے اور جو چاہے حکم دے سکتا ہے۔ حکیم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اور ہر حال میں حکمت والا ہے۔ اس لیے اس کا ہر فیصلہ اور ہر حکم اس کی حکمت سے ہم آہنگ ہوتا ہے۔ جو بھی مسلمان مرد یا عورت پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اللہ کے حرحکم وک اس یقین کے ساتھ قبول کرتا ہے کہ اسی میں ہم لوگوں کے لیے بھلائی ہے۔

451

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ البقرۃ

(آیت نمبر229)

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمۡسَاکٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِیۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ ؕ وَ لَا یَحِلُّ لَکُمۡ اَنۡ تَاۡخُذُوۡا مِمَّاۤ اٰتَیۡتُمُوۡہُنَّ شَیۡئًا اِلَّاۤ اَنۡ یَّخَافَاۤ اَلَّا یُقِیۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰہِ ؕ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا یُقِیۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰہِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡہِمَا فِیۡمَا افۡتَدَتۡ بِہٖ ؕ تِلۡکَ حُدُوۡدُ اللّٰہِ فَلَا تَعۡتَدُوۡہَا ۚ وَ مَنۡ یَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۲۲۹﴾﴾

م	ر	ر

(س)	مَرَارَۃً	تلخ ہونا۔کڑواہونا۔
	اَمَرُّ	افعل التفضیل ہے۔زیادہ کڑوا۔انتہائی کڑوا۔﴿وَالسَّاعَۃُ اَدۡھٰی وَاَمَرُّ ﴿۴۶﴾﴾ (54/القمر:46)''اور قیامت بڑی مصیبت اور انتہائی کڑوی ہے۔''
(ن)	مَرًّا	(۱) رسی کو بٹنا۔۔دیرپا بنانا۔ہمیشگی دینا۔(۲) کسی کے پاس سے گزرنا۔(بٹی ہوئی رسی کی ایک لڑی دوسری کے پاس سے گزرتی ہے)۔﴿وَ کَاَیِّنۡ مِّنۡ اٰیَۃٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ یَمُرُّوۡنَ عَلَیۡہَا وَ ہُمۡ عَنۡہَا مُعۡرِضُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾﴾ (12/یوسف:105)''اورنشانیوں میں سے کتنی ہی ہیں زمین اور آسمانوں میں کہ وہ لوگ گزرتے ہیں ان کے پاس سے اس حال میں کہ وہ لوگ ان سے اعراض کرنے والے ہوتے ہیں۔''
	مَرَّۃً	بار۔دفعہ۔مرتبہ۔﴿اِنَّکُمۡ رَضِیۡتُمۡ بِالۡقُعُوۡدِ اَوَّلَ مَرَّۃٍ﴾ (9/التوبہ:83)''بیشک تم لوگ راضی ہوئے بیٹھنے پر پہلی بار۔'' ﴿اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَہُمۡ سَبۡعِیۡنَ مَرَّۃً فَلَنۡ یَّغۡفِرَ اللّٰہُ لَہُمۡ ؕ﴾ (9/التوبہ:80)''اگر آپ استغفار کریں ان کے لیے ستر دفعہ تو بھی ہرگز معاف نہیں کرے گا اللہ ان کو۔'' ﴿ثُمَّ یَنۡقُضُوۡنَ عَہۡدَہُمۡ فِیۡ کُلِّ مَرَّۃٍ﴾ (8/الانفال:56)''پھر وہ لوگ توڑتے ہیں اپنا عہد ہر مرتبہ۔''
(استفعال)	اِسۡتِمۡرَارًا	ہمیشگی چاہنا یعنی ہمیشہ ہونا۔دائمی ہونا۔
	مُسۡتَمِرٌّ	اسم الفاعل ہے۔ہمیشہ ہونے والا۔دائمی۔﴿اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا عَلَیۡہِمۡ رِیۡحًا صَرۡصَرًا فِیۡ یَوۡمِ نَحۡسٍ مُّسۡتَمِرٍّ ﴿ۙ۱۹﴾﴾ (54/القمر:19)''بیشک ہم نے بھیجا ان پر ایک تیز آندھی کو ایک دائمی نحوست کے دن۔''

م	س	ک

(ض)	مَسۡکًا	کسی سے متعلق ہونا۔کسی سے چمٹنا۔
(ک)	مَسَاکَۃً	مشک کی خوشبو لگانا۔
	مِسۡکٌ	اسم ذات ہے۔مشک﴿خِتٰمُہٗ مِسۡکٌ ؕ﴾ (83/المطففین:26)''اس کی مہر مشک ہے۔''
(افعال)	اِمۡسَاکًا	کسی چیز کو تھامنا۔روکنا۔﴿اِنَّ اللّٰہَ یُمۡسِکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ﴾ (35/فاطر:41)''یقیناً اللہ تھامے ہوئے ہے آسمانوں اور زمین کو۔''

﴿ وَلَا تُمۡسِكُوۡهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعۡتَدُوۡا ۚ ﴾ (2/البقرہ:231) ''اور تم لوگ مت روکے رکھو ان کو تکلیف دیتے ہوئے کہ تم لوگ زیادتی کرو۔''

اَمۡسِكۡ فعل امر ہے۔ تو تھام۔ تو روک۔ ﴿ فَاِذَا بَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ فَارِقُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ ﴾ (65/الطلاق:2) ''پھر جب وہ پہنچیں اپنی مدت کو تو تم لوگ تھامو ان کو بھلائی کے ساتھ یا جدا کرو ان کو بھلائی سے۔''

مُمۡسِكٌ اسم الفاعل ہے۔ تھامنے والا۔ روکنے والا۔ ﴿ مَا يَفۡتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنۡ رَّحۡمَةٍ فَلَا مُمۡسِكَ لَهَا ۚ ﴾ (35/فاطر:2) ''جو کھولتا ہے اللہ لوگوں کے لیے اپنی کسی رحمت میں سے تو کوئی روکنے والا نہیں ہے اس کو۔''

(تفعیل) **تَمۡسِيۡكًا** کثرت سے تھامنا یعنی مضبوطی سے تھامنا۔ مضبوطی سے پکڑنا۔ ﴿ وَالَّذِيۡنَ يُمَسِّكُوۡنَ بِالۡكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ ﴾ (7/الاعراف:170) ''اور جو لوگ مضبوطی سے تھامتے ہیں کتاب کو اور قائم رکھتے ہیں نماز کو۔''

(استفعال) **اِسۡتِمۡسَاكًا** کسی سے چمٹنا چاہنا۔ چمٹ جانا۔ ﴿ فَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِالطَّاغُوۡتِ وَيُؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسۡتَمۡسَكَ بِالۡعُرۡوَةِ الۡوُثۡقٰى ۗ ﴾ (2/البقرہ:256) ''تو جو انکار کرتا ہے طاغوت کا اور ایمان لاتا ہے اللہ پر تو وہ چمٹ گیا ہے انتہائی مضبوط رسی سے۔''

اِسۡتَمۡسِكۡ فعل امر ہے۔ تو چمٹ جا۔ ﴿ فَاسۡتَمۡسِكۡ بِالَّذِىۡۤ اُوۡحِىَ اِلَيۡكَ ۚ ﴾ (43/الزخرف:43) ''پس آپؐ چمٹ جائیں اس سے جو وحی کیا گیا آپؐ کی طرف۔''

مُسۡتَمۡسِكٌ اسم الفاعل ہے۔ چمٹ جانے والا۔ ﴿ اَمۡ اٰتَيۡنٰهُمۡ كِتٰبًا مِّنۡ قَبۡلِهٖ فَهُمۡ بِهٖ مُسۡتَمۡسِكُوۡنَ ﴿۲۱﴾ ﴾ (43/الزخرف:21) ''یا ہم نے دی ان کو کوئی کتاب اس سے پہلے تو وہ لوگ اس سے چمٹ جانے والے ہیں۔''

س ر ح

(ف) **سَرۡحًا** سرح کا درخت (ایک قسم کا بغیر کانٹے والا درخت) چرنے کے لیے اونٹ کو کھلا چھوڑنا۔ مویشی کو چرنے کے لیے چھوڑنا۔ ﴿ حِيۡنَ تُرِيۡحُوۡنَ وَحِيۡنَ تَسۡرَحُوۡنَ ﴿۶﴾ ۪ ﴾ (16/النحل:6) ''جب تم لوگ واپس لاتے ہو اور جب چرنے کے لیے چھوڑتے ہو۔''

سَرَاحٌ اسم فعل ہے۔ چھوڑنا۔ آزاد کرنا۔ ﴿ وَاُسَرِّحۡكُنَّ سَرَاحًا جَمِيۡلًا ﴿۲۸﴾ ﴾ (33/الاحزاب:28) ''اور میں آزاد کروں تم سب کو، خوبصورت آزادی دینا۔''

(تفعیل) **تَسۡرِيۡحًا** بالکل چھوڑنا۔ آزاد کرنا۔ بیوی کو طلاق دینا۔ اور آیت (33/الاحزاب:28) دیکھیں۔

سَرِّحۡ فعل امر ہے۔ تو بالکل آزاد کر۔ طلاق دے۔ ﴿ اَوۡ سَرِّحُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ ۪ ﴾ (2/البقرہ:231) ''یا تم لوگ بالکل آزاد کرو ان کو بھلائی سے۔''

ترکیب

اَلطَّلَاقُ مبتداء ہے اور مَرَّتٰنِ خبر ہے۔ اِمۡسَاكٌ اور تَسۡرِيۡحٌ مبتداء نکرہ ہیں، ان کی خبریں محذوف ہیں جو کہ جَائِزٌ ہو سکتی ہیں جبکہ بِمَعۡرُوۡفٍ اور بِاِحۡسَانٍ قائم مقام خبر ہیں۔ مِمَّا دراصل مِنۡ مَا ہے۔ تَاۡخُذُوۡا اور اٰتَيۡتُمُوۡا، دونوں کا مفعول مَا ہے جبکہ مَا کی تمیز ہونے کی وجہ سے شَيۡـًٔا منصوب ہے۔ اَنۡ کی وجہ سے يَخَافَانِ کا نون اعرابی گرا ہوا ہے۔

اَلَّا دراصل اَنْ لَا ہے۔ اس کے اَنْ کی وجہ سے یُقِیْمَانِ کا نون اعرابی گرا ہے۔ لَا تَعْتَدُوْا باب افتعال سے فعل نہی ہے اور جمع مذکر مخاطب کا صیغہ ہے جبکہ یَتَعَدَّ باب تفعّل سے فعل مضارع میں واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے اور یہ مَنْ شرطیہ کی وجہ سے مجزوم ہوا ہے۔

451

ترجمہ

اَلطَّلَاقُ	مَرَّتٰنِ ص	فَاِمْسَاكٌۢ	بِمَعْرُوْفٍ	اَوْ	تَسْرِيْحٌۢ	بِاِحْسَانٍ ط
طلاق	دو مرتبہ ہے	پھر تھامنا ہے	بھلائی سے	یا	آزاد کرنا ہے	خوبصورت انداز سے

وَلَا يَحِلُّ	لَكُمْ	اَنْ	تَاْخُذُوْا	مِمَّآ	اٰتَيْتُمُوْهُنَّ
اور حلال نہیں ہے	تمہارے لیے	کہ	تم لوگ لو	اس میں سے جو	تم لوگوں نے دیا ان کو

شَيْئًا	اِلَّآ اَنْ	يَّخَافَآ	اَلَّا يُقِيْمَا	حُدُوْدَ اللّٰهِ ط
کوئی چیز	سوائے اس کے کہ	وہ دونوں خوف کریں	کہ وہ قائم نہیں رکھیں گے	اللہ کی حدود کو

فَاِنْ	خِفْتُمْ	اَلَّا يُقِيْمَا	حُدُوْدَ اللّٰهِ لا
پس اگر	تم لوگ خوف کرو	کہ وہ دونوں قائم نہیں رکھیں گے	اللہ کی حدوں کو

فَلَا جُنَاحَ	عَلَيْهِمَا	فِيْمَا	افْتَدَتْ	بِهٖ ط
تو کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں	ان دونوں پر	اس میں	وہ خاتون خود کو چھڑائے	جس سے

تِلْكَ	حُدُوْدُ اللّٰهِ	فَلَا تَعْتَدُوْهَا ج	وَمَنْ	يَّتَعَدَّ
یہ	اللہ کی حدود ہیں	پس تم لوگ تجاوز مت کرو ان سے	اور جو	جانتے بوجھتے تجاوز کرتا ہے

حُدُوْدَ اللّٰهِ	فَاُولٰٓئِكَ	هُمُ الظّٰلِمُوْنَ
اللہ کی حدوں سے	تو وہ لوگ	ہی ظلم کرنے والے ہیں

نوٹ۔1

اسلام سے پہلے کچھ لوگ اپنی بیوی کو طلاق دیتے تھے اور عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لیتے تھے۔ اس کے بعد پھر طلاق دیتے رہتے اور رجوع کرتے رہتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ نہ تو اُس عورت کا گھر آباد ہوتا تھا اور نہ ہی وہ کسی اور جگہ نکاح کرنے کے لیے آزاد ہوتی تھی۔

اِس آیت میں شوہر کے اِس اختیار کو برقرار رکھا گیا ہے لیکن اسے محدود کر دیا گیا ہے۔ اپنی عائلی زندگی میں ایک شوہر اپنا یہ اختیار دو مرتبہ استعمال کر سکتا ہے۔ اس کے بعد اگر وہ تیسری مرتبہ طلاق دیتا ہے تو اس کا رجوع کرنے کا اختیار ختم ہو چکا ہے۔ اب عدت پوری ہونے کے بعد طلاق ہی ہوگی۔

نوٹ۔2

ایک عورت آپؐ کی خدمت میں آئی اور عرض کیا کہ میں اپنے خاوند سے ناخوش ہوں، اس کے یہاں رہنا نہیں چاہتی۔ آپؐ نے تحقیق کی تو عورت نے کہا کہ وہ میرے حقوق میں کوتاہی نہیں کرتا اور نہ اس کے اخلاق و تدوین پر مجھ کو اعتراض ہے لیکن مجھ کو اس سے منافرت طبعی ہے۔ آپؐ نے عورت سے مہر واپس کرایا اور زوج سے طلاق دلوادی۔ اس پر یہ آیت اُتری۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

مذکورہ شانِ نزول کا تعلق آیت کے اگلے حصے سے ہے۔ شوہر کے طلاق دینے کے اختیار کو محدود کرتے ہوئے بتایا گیا کہ اگر اس کے نتیجے میں طلاق ہو تو شوہر کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنی دی ہوئی چیزوں میں سے کچھ بھی واپس لے اِلَّا یہ کہ اگر دونوں کو خوف ہو کہ وہ ایک دوسرے سے بھلا سلوک نہ کر سکیں گے۔ اس کا ایک مطلب یہ نکالنے کی گنجائش تھی کہ اگر شوہر اس خوف کا اظہار کرے اور کہے کہ اس لیے میں فلاں فلاں چیزیں واپس لے کر طلاق دیتا ہوں۔ اس گنجائش کو ختم کرنے کے لیے آگے وضاحت کر دی گئی کہ مذکورہ استثنائی صورت کا تعلق بیوی کے خلع مانگنے سے ہے کہ اگر اس خوف کی بنیاد پر وہ کوئی چیز واپس کر کے خود کو آزاد کرانا چاہے تو ایسی صورت میں واپس لینے پر شوہر اور واپس کرنے پر بیوی پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

451

نوٹ۔3

طلاق اور خلع میں ایک فرق ہے۔ شوہر اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے لیکن بیوی اپنے شوہر کو خلع نہیں دے سکتی بلکہ مانگ سکتی ہے۔ خلع کے متعلق فیصلہ کرنے کا اختیار شوہر کو نہیں دیا گیا بلکہ فَاِنْ خِفْتُمْ کی شرط لگا کر بتا دیا گیا کہ خلع کے متعلق فیصلہ خاندان، برادری یا معاشرے کا کوئی اجتماعی ادارہ کرے گا مثلاً پنچایت، قاضی یا عدالت وغیرہ۔

(آیت نمبر 230)

﴿ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٢٣٠﴾ ﴾

ترکیب

طَلَّقَ کا فاعل اس میں ھُوَ کی ضمیر ہے جو شوہر کے لیے ہے اور ضمیر مفعولی ھَا بیوی کے لیے ہے۔ تَحِلُّ کا فاعل اس میں ھِیَ کی ضمیر ہے جو طلاق شدہ بیوی کے لیے ہے اور لَہٗ میں ہٗ کی ضمیر شوہر کے لیے ہے۔ تَنْکِحَ کا فاعل اس میں ھِیَ کی ضمیر ہے جو طلاق شدہ بیوی کے لیے ہی اور زَوْجًا اس کا مفعول ہے۔ زَوْجًا کا بدل ہونے کی وجہ سے غَیْرَ منصوب ہی اور ہٗ کی ضمیر طلاق دینے والے شوہر کے لیے ہے۔ اس کے بعد طَلَّقَ کا فاعل اس میں ھُوَ کی ضمیر ہے جو زَوْجًا کے لیے ہے۔ عَلَیْھِمَا میں ھُمَا کی ضمیر بیوی اور اس کے پہلے شوہر کے لیے ہے۔ یُبَیِّنُ کا فاعل اس میں ھُوَ کی ضمیر ہے جو اللہ کے لیے ہے اور اس کی ضمیر مفعولی ھَا، حُدُوْد کے لیے ہے۔ لِقَوْمٍ نکرہ موصوفہ ہے۔

ترجمہ

فَاِنْ	طَلَّقَھَا	فَلَا تَحِلُّ	لَہٗ	مِنْۢ بَعْدُ
پس اگر	وہ طلاق دیتا ہے اس کو	تو وہ حلال نہیں ہوگی	اس کے لیے	اس کے بعد

حَتّٰی	تَنْکِحَ	زَوْجًا	غَیْرَہٗ ؕ	فَاِنْ	طَلَّقَھَا
یہاں تک کہ	وہ عورت نکاح کرے	کسی شوہر سے	اس کے علاوہ	پھر اگر	وہ طلاق دے اس کو

فَلَا جُنَاحَ	عَلَیْھِمَآ	اَنْ	یَّتَرَاجَعَآ	اِنْ
تو کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں	ان دونوں پر	کہ	وہ دونوں باہم رجوع کریں	اگر

ظَنَّآ	اَنْ يُّقِيْمَا	حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ	وَتِلْكَ	حُدُوْدُ اللّٰهِ 451
ان دونوں کوخیال ہو	کہ وہ قائم رکھیں گے	اللہ کی حدوں کو	اور یہ	اللہ کی حدود ہیں

يُبَيِّنُهَا	لِقَوْمٍ	يَّعْلَمُوْنَ
وہ واضح کرتا ہے ان کو	ایسے لوگوں کے لیے	جو علم رکھتے ہیں

نوٹ۔1

آیت نمبر۔(2/البقرہ:221) ج میں مشرکوں سے نکاح کی ممانعت آئی تھی۔ وہاں مردوں کو منع کرنے کے لیے لفظ نَكَحَ ثلاثی مجرد سے آیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ مشرکات سے نکاح مت کرو۔ لیکن خواتین کی ممانعت کے لیے وہ لفظ باب افعال سے آیا، جس کا مطلب یہ تھا کہ مشرکوں کے نکاح میں مت دو۔ اس سے معلوم ہوا کہ خواتین کے نکاح کے لیے ان کے ولی کی اجازت ضروری ہے۔ اس کی مزید وضاحت ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی عورت نے نکاح کیا، اپنے ولی کی اجازت کے بغیر، تو اس کا نکاح باطل ہے، تو اس کا نکاح باطل ہے، تو اس کا نکاح باطل ہے۔ (ابوداؤد، شریف۔ کتاب النکاح)۔

آیت زیرِ مطالعہ میں طلاق شدہ خواتین کے نکاح کی بات ہو رہی ہے۔ یہاں پر لفظ نَكَحَ ثلاثی مجرد سے آیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ عورت نکاح کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ غیر شادی شدہ خواتین کے نکاح کے لیے ان کے ولی کی اجازت ضروری ہے لیکن مطلقہ خواتین کے لیے یہ ضروری نہیں ہے۔ اسی پر بیوہ خواتین کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم

(آیت نمبر: 231)

﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۠ وَّ لَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۡ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾ ع﴾

ترکیب

اِذَا شرطیہ ہے۔ طَلَّقْتُمْ سے اَجَلَهُنَّ تک شرط ہے اور فَاَمْسِكُوْا سے لِتَعْتَدُوْا تک جواب شرط ہے۔ اسی طرح مَنْ بھی شرطیہ ہے اور آگے اس کی شرط اور جواب شرط ہے۔ لَا تَتَّخِذُوْا کا مفعول اوّل اٰيٰتِ اللّٰهِ ہے اور هُزُوًا مفعول ثانی ہے۔ اَنْزَلَ اور يَعِظُكُمْ کے فاعل ان میں هُوَ کی ضمیریں ہیں جو اللہ کے لیے ہیں۔ نِعْمَتَ اللّٰهِ کے بعد مَا اَنْزَلَ محذوف ہے مطلب ہوگا کہ اس نعمت کو یاد کرو جو اس سے تم پر اُتاری۔ اور وَمَا میں مَا سے پہلے وَاذْكُرُوْا محذوف ہے مفہوم یہ ہوگا کہ یاد کرو جو اس نے اُتارا تم پر۔

ترجمہ

وَاِذَا	طَلَّقْتُمْ	النِّسَآءَ	فَبَلَغْنَ	اَجَلَهُنَّ	فَاَمْسِكُوْهُنَّ
اور جب بھی	تم لوگ طلاق دو	عورتوں کو	پھر وہ پہنچیں	اپنی مدت کو	تو تم لوگ تھامو ان کو

بِمَعۡرُوۡفٍ	اَوۡ	سَرِّحُوۡهُنَّ	بِمَعۡرُوۡفٍ ۠	وَّلَا تُمۡسِكُوۡهُنَّ	ضِرَارًا
بھلائی سے	یا	آزاد کروان کو	بھلائی سے	اور تم لوگ مت تھاموان کو	451 تکلیف دیتے ہوئے

لِّتَعۡتَدُوۡا ۚ	وَمَنۡ	يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ	فَقَدۡ ظَلَمَ	نَفۡسَهٗ ؕ	وَلَا تَتَّخِذُوۡۤا
تاکہ زیادتی کرو	اور جو	یہ کرتا ہے	تو اس نے ظلم کیا ہے	اپنے آپ پر	اور تم لوگ مت بناؤ

اٰيٰتِ اللّٰهِ	هُزُوًا	وَّاذۡكُرُوۡا	نِعۡمَتَ اللّٰهِ	عَلَيۡكُمۡ
اللہ کی آیات کو	مذاق (کا ذریعہ)	اور یاد کرو	اللہ کی نعمت کو	(جو اس نے اُتاری) تم لوگوں پر

وَمَآ	اَنۡزَلَ	عَلَيۡكُمۡ	مِّنَ الۡكِتٰبِ وَالۡحِكۡمَةِ
اور (یاد کرو) اس کو جو	اس نے اُتارا	تم لوگوں پر	حکمت اور کتاب میں سے

يَعِظُكُمۡ	بِهٖ ؕ	وَاتَّقُوا	اللّٰهَ	وَاعۡلَمُوۡۤا	اَنَّ اللّٰهَ
وہ نصیحت کرتا ہے تم لوگوں کو	جس سے	اور تم لوگ تقویٰ کرو	اللہ کا	اور جان لو	کہ اللہ

بِكُلِّ شَىۡءٍ	عَلِيۡمٌ
ہر چیز کو	ہر حال میں جاننے والا ہے

(آیت نمبر:232)

﴿وَاِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ اَنۡ يَّنۡكِحۡنَ اَزۡوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوۡا بَيۡنَهُمۡ
بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ ذٰلِكَ يُوۡعَظُ بِهٖ مَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمۡ اَزۡكٰى لَكُمۡ وَاَطۡهَرُ ؕ وَ
اللّٰهُ يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝۲۳۲﴾

ع ض ل

(ن) عَضۡلاً روکنا۔منع کرنا۔آیت زیر مطالعہ۔

ترجمہ

وَاِذَا	طَلَّقۡتُمُ	النِّسَآءَ	فَبَلَغۡنَ	اَجَلَهُنَّ	فَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ
اور جب بھی	تم لوگ طلاق دو	عورتوں کو	پھر وہ پہنچیں	اپنی مدت کو	تو تم لوگ مت روکوان کو

اَنۡ يَّنۡكِحۡنَ	اَزۡوَاجَهُنَّ	اِذَا تَرَاضَوۡا	بَيۡنَهُمۡ	بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ	ذٰلِكَ
کہ وہ نکاح کریں	اپنے شوہروں سے	جب وہ راضی ہوں	آپس میں	بھلائی سے	یہ ہے

يُوۡعَظُ	بِهٖ	مَنۡ	كَانَ مِنۡكُمۡ	يُؤۡمِنُ	بِاللّٰهِ
نصیحت کی جاتی ہے	جس کی	اس کو جو	تم میں سے ہو	(کہ) ایمان رکھتا ہو	اللہ پر

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ	ذٰلِكُمْ	اَزْكٰى	451 لَكُمْ
اور آخرت پر	یہ	زیادہ پاک ہے (پھلنے پھولنے کی رکاوٹوں سے)	تمہارے لیے

وَاَطْهَرُ ؕ	وَاللّٰهُ يَعْلَمُ	وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ
اور زیادہ پاک ہے (نجاستوں سے)	اور اللہ جانتا ہے	اور تم لوگ نہیں جانتے

نوٹ۔1

آیت نمبر۔ 231 اور 232، دونوں میں الفاظ آئے ہیں فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ۔ دونوں کا ترجمہ ایک ہی ہے لیکن مفہوم میں فرق ہے۔ یہ فرق آگے جواب شرط سے واضح ہوتا ہے۔ آیت نمبر۔ 231 میں مفہوم یہ ہے کہ جب وہ اپنی مدت ختم ہونے کے قریب پہنچیں تو تم کو اختیار ہے کہ چاہے رجوع کرلو یا طلاق دے دو۔ آیت نمبر۔ 23 میں مفہوم یہ ہے کہ جب وہ اپنی مدت پوری کرلیں تو رجوع کرنے کا اختیار ختم ہوگیا اور وہ دوسری جگہ نکاح کرنے کے لیے آزاد ہوگئیں۔ اس لیے اب ان کے نکاح میں ان کے لیے مشکلات پیدا مت کرو۔

نوٹ۔2

آیت نمبر۔ 229 میں الفاظ آئے ہیں اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ (طلاق دو مرتبہ ہے)۔ اس کے بعد آیت نمبر۔ 230 میں بات کا آغاز فَاِنْ (پھر اگر) کے الفاظ سے ہوا ہے۔ اس سے اگلی دو آیتوں میں بات کا آغاز وَاِذَا (اور جب بھی/کبھی بھی) کے الفاظ سے ہوا ہے۔ اس فرق سے پوری طرح واضح ہوجاتا ہے کہ آیت نمبر۔ 230 میں تیسری طلاق کی بات ہوئی ہے اور اس کے متعلق حکم دیا گیا ہے۔

نوٹ۔3

اِن آیات یعنی آیات 229 تا 232 کے مطالعہ سے یہ بات پوری طرح واضح ہوجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے کے لیے ایک ضابطہ اور طریقہ کار کا تعین کیا ہے۔ اسے حدود اللہ قرار دے کر تاکید کی ہے کہ اس سے تجاوز مت کرو اور اللہ کی آیات کو مذاق مت بناؤ۔ اتنے واضح احکام اور ہدایات کے بعد بھی اگر کوئی شخص بیک وقت تین طلاق دیتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا مجرم اور گنہگار ہے۔ اور ساتھ ہی اس کی بیوی اس سے تین طلاقوں کے ساتھ آزاد ہوگئی۔ اب رجوع کی کوئی صورت باقی نہیں رہی۔ ’’رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک آدمی کے متعلق خبر دی گئی جس نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دی تھیں۔ آپؐ غصہ ہوکر کھڑے ہوگئے اور فرمایا کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیل کیا جاتا ہے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں‘‘ (معارف القرآن)۔ حضرت عمرؓ سے یہاں تک ثابت ہے کہ جو شخص بیک وقت اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیتا تھا، آپؓ اس کو درّے لگاتے تھے (تفہیم القرآن)

مذکورہ ثبوت کے علی الرغم ہم لوگ ایسے شخص کو بُرا بھلا بھی نہیں کہتے۔ اُلٹا اس کی حمایت کرتے ہیں۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو سزا مقرر کی ہے اس سے اس کو بچانے کے لیے چور دروازے تلاش کرتے ہیں۔ یہ ایک معمہ ہے جو میری سمجھ سے بالاتر ہے۔

نوٹ۔4

اصول یہ ہے کہ اگر کسی نکاح میں وقت کا ذکر ہو تو وہ نکاح فاسد ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ میں پندرہ دن کے لیے نکاح کرتا ہوں تو اس کا نکاح فاسد ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ میں ایک ہزار سال کے لیے نکاح کرتا ہوں، تو اس

کا مطلب یہی ہے کہ وہ پوری زندگی کے لیے نکاح کر رہا ہے، لیکن چونکہ اس میں بھی وقت کا ذکر ہے اس لیے یہ نکاح بھی فاسد ہے۔

اسی اصول کے تحت اگر کسی کے لیے اس کی مطلقہ بیوی کو حلال کرانے کے لیے اس کا دوسرا نکاح کرایا جائے جس میں یہ طے ہو کہ وہ اسے طلاق دے گا، تو یہ نکاح، نکاح نہیں بلکہ محض ایک بدکاری ہوگی اور اس طرح وہ عورت اپنے سابق شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی۔ متعدد صحابہ کرامؓ کی متفقہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقہ سے حلالہ کرانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ (تفہیم القرآن)۔

ہم لوگ مذکورہ اصول کو بھی تسلیم کرتے ہیں اور معلقہ احادیث کو بھی مانتے ہیں۔ اس کے باوجود ہم ایسے حلالے کا فتویٰ بھی دیتے ہیں اور اعانت بھی کرتے ہیں جس کے کرنے اور کرانے والے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔ یہ دوسرا معمہ ہے جو میری سمجھ سے بالاتر ہے۔

آیت نمبر۔ 230 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے اپنی حدود کو ان لوگوں کے لیے واضح کیا ہے جو علم رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود کہا جاتا ہے کہ یہ ساری خرابی عوام الناس کی جہالت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ تیسرا معمہ ہے۔

نوٹ۔5 بیک وقت تین طلاقوں کو گناہ سمجھنے اور اس پر غضب فرمانے کے باوجود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے قطعی اور غیر رجعی طلاق کے طور پر نافذ فرماتے تھے۔ اگر کوئی کہتا کہ میری نیت تین طلاق کی نہیں بلکہ ایک طلاق کی تھی، تو آپؐ سے حلف اُٹھوانے والے کی بات مان کر اسے ایک طلاق قرار دیتے تھے (معارف القرآن)۔

(آیت نمبر: 233)

﴿ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۭ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَاۗرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِھَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۤ وَعَلَي الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۭ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٢٣٣﴾ ﴾

ر ض ع

(ف) رَضَاعَةً: بچے کا دودھ پینا۔

مَرْضَعٌ: ج مَرَاضِعُ۔ دودھ پینے کی جگہ۔ ﴿ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ ﴾ (28/ القصص:12) ’’اور ہم نے حرام کیا انؑ پر دودھ پینے کی جگہوں کو اس سے پہلے۔‘‘

(افعال) اِرْضَاعًا: بچے کو دودھ پلانا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

اَرْضِعِیْ: فعل امر ہے۔ تو دودھ پلا۔ ﴿ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ ﴾ (28/ القصص:7) ’’اور ہم نے وحی کی موسیٰؑ کی والدہ کی طرف کہ آپ دودھ پلائیں انؑ کو۔‘‘

مُرْضِعَةٌ: اسم الفاعل ہے۔ دودھ پلانے والی۔ ﴿ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ ﴾ (22/ الحج:2) ’’جس دن تم لوگ دیکھو گے اس کو کہ بھول جائے گی ہر دودھ پلانے والی اس کو جسے اس نے دودھ پلایا۔‘‘

(استفعال) اِسْتِرْضَاعًا — بچے کو کسی سے دودھ پلوانا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

451

ک س و

(ن) کَسْوًا — کسی کو کچھ پہنانا۔ لباس پہنانا۔ ﴿ فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۖ ﴾ (23/المؤمنون:14) ''پھر ہم نے پہنایا ہڈیوں کو گوشت۔''

اُكْسُ — فعل امر ہے۔ تو پہنا۔ ﴿ وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ ﴾ (4/النساء:5) ''اور تم لوگ کھلاؤ ان کو اس میں سے اور پہناؤ ان کو۔''

كِسْوَةٌ — اسم ذات ہے۔ پہنانے کی چیز۔ لباس۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

ک ل ف

(س) كَلَفًا — (۱) چہرے پر سُرخی اور مٹیالا پن چھانا۔ جھائیاں ہونا۔ (۲) مشقت پر آمادہ ہونا۔

(تفعیل) تَكْلِيْفًا — کسی کو مشقت میں ڈالنا۔ کسی کام کا پابند کرنا۔ تکلیف دینا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

(تفعّل) تَكَلُّفًا — خود کو مشقت میں ڈالا۔ بے دلی سے کام کرنا۔ بناوٹ کرنا۔ دکھاوا کرنا۔

مُتَكَلِّفٌ — اسم الفاعل ہے۔ بناوٹ کرنے والا۔ دکھاوا کرنے والا۔ ﴿ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴾ (38/ص:86) ''اور میں دکھاوا کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔''

و ر ث

(ح) وِرْثًا — کسی چیز کا مالک بننا۔ میت کے ترکے کا مالک بننا۔ وارث بننا۔ ﴿ لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ۭ ﴾ (4/النساء:19) ''حلال نہیں ہوتا تم لوگوں کے لیے کہ تم لوگ مالک بنو عورتوں کے زبردستی۔''
﴿ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ ﴾ (27/النمل:16) ''اور وارث ہوئے سلیمانؑ، داوٗدؑ کے۔''

وَارِثٌ — ج وَارِثُوْنَ اور وَرَثَةٌ۔ اسم الفاعل ہے۔ مالک بننے والا۔ وارث بننے والا۔ ﴿ وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۙ﴾ (28/القصص:5) ''اور یہ کہ ہم بنائیں ان کو پیشوا اور ہم بنائیں ان کو مالک ہونے والے۔'' ﴿ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ۙ﴾ (26/الشعراء:85) ''اور تو بنا مجھ کو ہمیشہ سرسبز رہنے والے باغ کے مالک بننے والوں میں سے۔''

مِيْرَاثٌ — مِفْعَالٌ کے وزن پر اسم الآلہ ہے۔ وارث بننے کا ذریعہ یعنی ترکہ۔ ﴿ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ ﴾ (3/آل عمران:180) ''اور اللہ کے لیے ہی ہے زمین اور آسمانوں کا ترکہ۔''

تُرَاثٌ — اسم ذات ہے۔ میت کا چھوڑا ہوا مال۔ ﴿ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۙ﴾ (89/الفجر:19) ''اور تم لوگ کھاتے ہو میت کا مال، سمیٹ کر کھانا۔''

(افعال) اِيْرَاثًا — کسی کو مالک بنانا۔ وارث بنانا۔ ﴿ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴾ (19/مریم:63) ''یہ باغ وہ ہے جس کا ہم مالک بنائیں گے اپنے بندوں میں سے اس کو جو صاحبِ تقویٰ تھا۔''

ف ص ل

(ض) فَصْلًا — دو چیزوں کے درمیان دوری کرنا۔ حق اور باطل کے درمیان فرق کرنا۔ فیصلہ کرنا۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ ﴾ (22/الحج:17) ''بےشک اللہ فیصلہ کرے گا ان کے مابین قیامت کے دن۔''

(ن) فُصُوْلًا — شہر سے نکلنا۔ روانہ ہونا۔ ﴿ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ﴾ (2/البقرہ:249) ''پھر جب روانہ ہوا طالوت لشکروں کے ساتھ۔''

4451

	فَاصِلٌ	اسم الفاعل ہے۔فیصلہ کرنے والا۔﴿ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ﴾ (6/الانعام:57)''اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔''
	فَصِيْلَةٌ	فصیل کا مؤنث ہے۔گھر کی چہار دیواری۔پھر گھر میں رہنے والوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔کنبہ۔گھرانہ۔﴿ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ﴾ (70/المعارج:13)''اور اپنے گھرانے کو جس میں وہ رہتا تھا۔''
	فَصْلٌ	اسم ذات ہے۔فیصلہ۔﴿ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴾ (37/الصافات:21)''یہ فیصلے کا دن ہے جس کو تم لوگ جھٹلایا کرتے تھے۔''
(تفعیل)	تَفْصِيْلًا	کسی چیز کے اجزاء کو الگ الگ کرنا۔کھول کھول کر بیان کرنا۔تفصیل سے بتانا۔﴿ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴾ (7/الاعراف:174)''اور اس طرح ہم کھول کھول کر بتاتے ہیں آیتوں کو شاید کہ وہ لوٹ آئیں۔''
	مُفَصَّلٌ	اسم المفعول ہے۔تفصیل سے بتایا ہوا۔الگ الگ کیا ہوا۔﴿ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ﴾ (6/الانعام:114)''وہ ہے جس نے اُتارا تم لوگوں کی طرف کتاب کو، الگ الگ کی ہوئی حالت میں۔''
(مفاعلہ)	فِصَالًا	کسی کو شراکت سے الگ کرنا۔بچے کا دودھ چھڑانا۔آیت زیرِ مطالعہ۔

ش و ر

(ن)	شَوْرًا	(۱) چھتے سے شہد نکالنا۔کسی چیز کا جوہر نکالنا۔(۲) گھوڑے کی صلاحیت معلوم کرنے کے لیے اس پر سواری کرنا۔کسی کا تعارف حاصل کرنا۔
(افعال)	اِشَارَةً	کسی کا تعارف کرانا۔اشارہ کرنا۔﴿ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ﴾ (19/مریم:29)''تو انہوں نے اشارہ کیا ان کی طرف۔''
(مفاعلہ)	مُشَاوَرَةً	کسی کے دماغ سے اس کی رائے نکالنا۔رائے لینا۔مشورہ لینا۔رائے معلوم کرنا۔
	شَاوِرْ	فعل امر ہے۔تو رائے لے۔﴿ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ﴾ (3/آل عمران:159)''آپؐ رائے لیں ان سے فیصلے میں۔''
(تفاعل)	تَشَاوُرًا	ایک دوسرے سے رائے لینا۔باہم مشورہ کرنا۔آیت زیرِ مطالعہ۔
	شُوْرٰى	اسم فعل ہے۔باہم مشورہ کرنا۔﴿ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ﴾ (42/الشوریٰ:38)''اور ان لوگوں کا کام آپس میں مشورہ کرنا ہے۔''

ترکیب

يُرْضِعْنَ کا فاعل اس میں هُنَّ کی ضمیر ہے جو اَلْوَالِدٰتُ کے لیے ہے۔اَوْلَادَهُنَّ کا مفعول ہے اور حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ مبتداء مؤخر ہیں۔ان میں هُنَّ کی ضمیر اَلْوَالِدٰتُ کے لیے ہے۔ان کی خبر محذوف ہے جو وَاجِبٌ ہوسکتی ہے۔عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ قائم مقام، خبر مقدم ہے اور بِالْمَعْرُوْفِ متعلق خبر ہے۔تُكَلَّفُ باب تفعیل کا مضارع مجہول ہے اور یہ واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے۔نَفْسٌ،اس کا نائب فاعل ہے جبکہ اس کا مفعول ثانی محذوف ہے جو شَيْئًا ہوسکتا ہے اور اس کا مستثنیٰ وُسْعَهَا ہے۔

لَا تُضَآرَّ باب مفاعلہ کا مضارع مجزوم ہے لیکن یہ مضارع معروف اور مجہول دونوں کا فعل نہی بنتا ہے،اس لیے دونوں ترجموں کی گنجائش ہے اور یہاں دونوں ہی مراد ہیں۔وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ میں وَلَا کے بعد يُضَآرَّ محذوف ہے اور اس کے بھی دونوں ترجمے مراد ہیں۔زیادہ تر مجہول کا ترجمہ کیا گیا ہے اس لیے دوسرا پہلو واضح کرنے کے لیے ہم معروف کا ترجمہ دیں گے۔اٰتَيْتُمْ کا ایک مفعول مَآ ہے اور دوسرا مفعول هُنَّ محذوف ہے۔اِذَا شرطیہ کی وجہ سے اٰتَيْتُمْ کا ترجمہ حال میں ہوگا۔

ترجمہ

وَالۡوَالِدٰتُ	يُرۡضِعۡنَ	اَوۡلَادَهُنَّ	حَوۡلَيۡنِ كَامِلَيۡنِ	451لِمَنۡ
اور بچہ جننے والیاں	دودھ پلائیں گی	اپنے بچوں کو	کامل دوسال	اس کے لیے جو

اَرَادَ	اَنۡ يُّتِمَّ	الرَّضَاعَةَ ؕ	وَعَلَى	الۡمَوۡلُوۡدِ	لَهٗ
چاہتا ہے	کہ وہ پورا کرے	بچے کے دودھ پینے کو	اور اس پر ہے	بچہ جنا گیا	جس کے لیے

رِزۡقُهُنَّ	وَكِسۡوَتُهُنَّ	بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ	لَا تُكَلَّفُ	نَفۡسٌ	اِلَّا
ان کی خوراک	اور ان کا لباس	بھلائی سے	پابند نہیں کیا جاتا	کسی جان کو	مگر

وُسۡعَهَا ۚ	لَا تُضَآرَّ	وَالِدَةٌ ۢ	بِوَلَدِهَا	وَلَا
اس کی وسعت کو	اور دکھ نہ دے	کوئی والدہ (کسی کو)	اپنے بچے کے ذریعے	اور نہ ہی (دکھ دے)

مَوۡلُوۡدٌ لَّهٗ	بِوَلَدِهٖ ۗ	وَعَلَى الۡوَارِثِ	مِثۡلُ ذٰلِكَ ۚ	فَاِنۡ اَرَادَا
کوئی والد (کسی کو)	اپنے بچے کے ذریعے	اور وارث پر (واجب) ہے	اس کی مانند	پھر اگر دونوں چاہیں

فِصَالًا	عَنۡ تَرَاضٍ	مِّنۡهُمَا	وَتَشَاوُرٍ
بچے کا دودھ چھڑانا	باہمی رضامندی سے	ان دونوں میں	اور باہمی مشورے سے

فَلَا جُنَاحَ	عَلَيۡهِمَا ؕ	وَاِنۡ اَرَدۡتُّمۡ	اَنۡ تَسۡتَرۡضِعُوۡٓا
تو کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہے	ان دونوں پر	اور اگر تم لوگ چاہو	کہ کسی (اور) سے دودھ پلواؤ

اَوۡلَادَكُمۡ	فَلَا جُنَاحَ	عَلَيۡكُمۡ	اِذَا	سَلَّمۡتُمۡ
اپنے بچوں کو	تو کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہے	تم لوگوں پر	جب (بشرطیکہ)	تم لوگ حوالے کردو

مَّآ	اٰتَيۡتُمۡ	بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ	وَاتَّقُوا اللّٰهَ	وَاعۡلَمُوۡٓا	اَنَّ اللّٰهَ
اس کی جو	تم نے دینا ہے	دستور کے مطابق	اور تم لوگ تقویٰ کرو اللہ کا	اور جان لو	کہ اللہ

بِمَا	تَعۡمَلُوۡنَ	بَصِيۡرٌ
اس کو جو	تم لوگ کرتے ہو	دیکھنے والا

آیت نمبر (234)

﴿وَالَّذِيۡنَ يُتَوَفَّوۡنَ مِنۡكُمۡ وَيَذَرُوۡنَ اَزۡوَاجًا يَّتَرَبَّصۡنَ بِاَنۡفُسِهِنَّ اَرۡبَعَةَ اَشۡهُرٍ وَّعَشۡرًا ۚ فَاِذَا
بَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ فِيۡمَا فَعَلۡنَ فِىۡٓ اَنۡفُسِهِنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ
خَبِيۡرٌ ۲۳۴﴾

451

و ذ ر

(ف) **وَذْرًا** کسی چیز کو چھوڑنا۔ ترک کرنا۔ ﴿ اَتَدۡعُوۡنَ بَعۡلًا وَّ تَذَرُوۡنَ اَحۡسَنَ الۡخَالِقِيۡنَ ﴾ (37/الصافات:125)''کیا تم لوگ پکارتے ہو بعل کو اور چھوڑتے ہو بہترین پیدا کرنے والے کو۔''

ذَرۡ فعل امر ہے۔تو چھوڑ۔﴿ وَ قَالُوۡا ذَرۡنَا نَكُنۡ مَّعَ الۡقٰعِدِيۡنَ ﴾ (9/التوبہ:86)''اور انہوں نے کہا تو چھوڑ ہم کو تو ہم ہو جائیں بیٹھنے والوں کے ساتھ۔''

خ ب ر

(ف) **خَبۡرًا** کسی چیز کے متعلق معلومات حاصل کرنا۔آگاہ ہونا۔

خَبَرٌ ج اَخۡبَارٌ۔ اسم ذات ہے۔آگاہی۔خبر۔معلومات۔﴿ اِنِّىۡۤ اٰنَسۡتُ نَارًا ؕ سَاٰتِيۡكُمۡ مِّنۡهَا بِخَبَرٍ ﴾ (27/النمل:7)''بیشک میں دیکھتا ہوں آگ کو میں آؤں گا تم لوگوں کے پاس اس کی کسی آگاہی کے ساتھ۔''﴿ قَدۡ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنۡ اَخۡبَارِكُمۡ ؕ ﴾ (9/التوبہ:94)''ہم کو بتا دیا ہے اللہ نے تمہاری خبروں میں سے۔''

خَبِيۡرٌ فَعِيۡلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ہمیشہ اور ہر حال میں آگاہ۔باخبر۔آیت زیر مطالعہ۔

خُبۡرٌ اسم ذات ہے۔تجربہ۔علم۔﴿ وَ كَيۡفَ تَصۡبِرُ عَلٰى مَا لَمۡ تُحِطۡ بِهٖ خُبۡرًا ﴾ (18/الکہف:68)''اور آپؐ کیسے ثابت قدم رہیں گے اس پر،آپؐ نے احاطہ نہیں کیا جس کا،بطور علم کے۔''

ترکیب

يُتَوَفَّوۡنَ باب تفعّل سے مضارع مجہول ہے۔اس کا نائب فاعل اس میں هُمۡ کی ضمیر ہے جو اَلَّذِيۡنَ کے لیے ہے۔يَذَرُوۡنَ کا فاعل اس میں هُمۡ کی ضمیر ہے اور یہ بھی اَلَّذِيۡنَ کے لیے ہے۔اَزۡوَاجًا اس کا مفعول ہے۔يَتَرَبَّصۡنَ کا فاعل اس میں هُنَّ کی ضمیر ہے جو اَزۡوَاجًا کے لیے ہے۔اَرۡبَعَةَ مضاف ہے اور ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔عَشۡرًا کے بعد لَيَالٍ (راتیں) محذوف ہے۔یہ دراصل عَشۡرَ لَيَالٍ تھا۔لَيَالٍ محذوف ہوا تو عَشۡرَ مضاف نہیں رہا اس لیے عَشۡرًا آیا ہے۔اگر یہاں دن مراد ہوتے تو یہ عَشۡرَةَ اَيَّامٍ بنتا پھر اَيَّامٍ محذوف کرنے سے عَشۡرَةً آتا۔

ترجمہ

وَالَّذِيۡنَ	يُتَوَفَّوۡنَ	مِنۡكُمۡ	وَيَذَرُوۡنَ	اَزۡوَاجًا
اور وہ لوگ جن کو	موت دی جاتی ہے	تم میں سے	اور وہ لوگ چھوڑتے ہیں	بیویوں کو

يَّتَرَبَّصۡنَ	بِاَنۡفُسِهِنَّ	اَرۡبَعَةَ اَشۡهُرٍ	وَّعَشۡرًا ۚ	فَاِذَا
وہ انتظار کریں گی	اپنے نفس کے ساتھ	چار مہینے	اور دس (راتیں)	پھر جب

بَلَغۡنَ	اَجَلَهُنَّ	فَلَا جُنَاحَ	عَلَيۡكُمۡ	فِيۡمَا	فَعَلۡنَ	فِىۡۤ اَنۡفُسِهِنَّ
وہ پہنچیں	اپنی مدت کو	تو کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہے	تم لوگوں پر	اس میں جو	وہ کریں	اپنے لیے

بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ	وَاللّٰهُ	بِمَا	تَعۡمَلُوۡنَ	خَبِيۡرٌ
بھلائی سے	اور اللہ	اس سے جو	تم لوگ کرتے ہو	آگاہ ہے

آیت نمبر (235)

451

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ڛ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿٢٣٥﴾ ع﴾

خ ط ب

(ن) خَطْبًا: (ا) کسی کو صحیح صورتحال سے آگاہ کرنا۔ وعظ کرنا۔ تقریر کرنا۔ (۲) منگنی کا پیغام دینا۔ منگنی کرنا۔

خَطْبٌ: صورتحال۔ حال۔ مدّعا۔ مطلب۔ ﴿فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٥٧﴾﴾ (15/الحجر:57) ''تم لوگوں کا کیا اہم کام ہے اے بھیجے ہوئے لوگوں یعنی فرشتو۔''

خِطْبَةٌ: رشتہ کا پیغام۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

(مفاعلہ) مُخَاطَبَةً اور خِطَابًا: کسی کو اپنی طرف متوجہ کر کے گفتگو کرنا۔ خطاب کرنا۔ ﴿وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ﴾ (11/ھود:37) ''اور تم گفتگو مت کرنا مجھ سے ان کے لیے جنہوں نے ظلم کیا۔''

خِطَابٌ: اسم ذات بھی ہے۔ گفتگو، خطاب۔ ﴿وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ ﴿٢٣﴾﴾ (38/صٓ:23) ''اور وہ حاوی ہوا مجھ پر گفتگو میں۔''

ک ن ن

(ن) كَنًّا: کسی چیز کو کسی چیز میں چھپانا۔ ڈھانکنا۔ محفوظ کرنا۔

مَكْنُوْنٌ: اسم المفعول ہے۔ چھپایا ہوا۔ محفوظ کیا ہوا ﴿كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿٤٩﴾﴾ (37/الصافات:49) ''جیسے کہ وہ ہوں محفوظ کیے ہوئے انڈے۔''

كِنَانٌ: ج اَكِنَّةٌ۔ وہ چیز جس میں چھپایا جائے۔ غلاف۔ پردہ۔ ﴿وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ﴾ (41/حٰمٓ السجدۃ:5) ''انہوں نے کہا ہمارے دل غلافوں میں ہیں۔''

كِنٌّ: ج اَكْنَانٌ۔ جس میں انسان خود کو چھپائے۔ کمرے کے اندر کوٹھڑی۔ غار۔ ﴿وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا﴾ (16/النحل:81) ''اور اس نے بنایا تمہارے لیے پہاڑوں میں غار۔''

(افعال) اِكْنَانًا: کسی بات کو دل میں چھپانا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

ع ق د

(ض) عَقْدًا: (ا) کسی چیز کو باندھنا۔ گرہ لگانا۔ (۲) کسی چیز کو پکا کرنا۔ مضبوط کرنا جیسے وعدہ یا سودا وغیرہ (متعدی)۔ (۳) پکا یا مضبوط ہونا (لازم)۔ ﴿وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ۭ﴾ (4/النساء:33) ''اور وہ لوگ جن سے پکی ہوئی تمہاری قسمیں تو ان کو دو ان کا حصہ۔''

عُقْدَةٌ: ج عُقَدٌ۔ اسم ذات ہے۔ گرہ۔ آیت زیرِ مطالعہ اور ﴿وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ﴿٤﴾﴾ (113/الفلق:4) ''اور گرہوں میں پھونکنے والیوں کے شر سے۔''

عَقْدٌ: ج عُقُوْدٌ۔ اسم ذات ہے۔ عہد۔ پیمان۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ڛ﴾ (5/المائدہ:1) ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم لوگ پورا کرو عہدوں کو۔''

(تفعیل) تَعۡقِیۡدًا بار بار پکا کرنا۔ خوب مضبوط کرنا۔ ﴿یُؤَاخِذُکُمۡ بِمَا عَقَّدۡتُّمُ الۡاَیۡمَانَ ۚ﴾ (5/المآئدہ: 89) ''وہ پکڑے گا تم کو اس پر جو تم نے پکا کیا قسموں کو۔''

ترکیب

عَرَّضۡتُمۡ بِہٖ میں ہ کی ضمیر فِیۡمَا کے لیے ہے۔ مِنۡ خِطۡبَۃِ النِّسَآءِ میں مِنۡ بیانیہ ہے جو فِیۡمَا کی وضاحت کر رہا ہے۔ خِطۡبَۃِ مضاف ہے اور اس کا مضاف الیہ اَلنِّسَآءِ، اِس پر لام تعریف لگا ہوا ہے جو گزشتہ آیت کے لفظ اَزۡوَاجًا کے لیے ہے۔ لَا تُوَاعِدُوۡا کا مفعول ھُنَّ کی ضمیر ہے جبکہ سِرًّا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

ترجمہ

وَلَا جُنَاحَ	عَلَیۡکُمۡ	فِیۡمَا	عَرَّضۡتُمۡ	بِہٖ	مِنۡ خِطۡبَۃِ النِّسَآءِ
اور کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہے	تم لوگوں پر	اس میں	تم لوگ اشارۃً پیش کرو	جس کو	ان خواتین کے رشتہ کے پیغام میں سے

اَوۡ اَکۡنَنۡتُمۡ	فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ	عَلِمَ اللّٰہُ	اَنَّکُمۡ	سَتَذۡکُرُوۡنَہُنَّ	وَلٰکِنۡ
یا تم لوگ چھپاؤ	اپنے جی میں	اللہ نے جانا	کہ تم لوگ	تذکرہ کرو گے ان کا	اور لیکن

لَّا تُوَاعِدُوۡہُنَّ	سِرًّا	اِلَّاۤ اَنۡ	تَقُوۡلُوۡا	قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ؕ
تم لوگ معاہدہ مت کرواں سے	چوری چھپے	سوائے اس کے کہ	تم لوگ کہو	دستور کے مطابق کوئی بات

وَلَا تَعۡزِمُوۡا	عُقۡدَۃَ النِّکَاحِ	حَتّٰی	یَبۡلُغَ	الۡکِتٰبُ	اَجَلَہٗ ؕ	وَاعۡلَمُوۡۤا
اور پختہ ارادہ مت کرو	نکاح کی گرہ کا	یہاں تک کہ	پہنچے	قانون	اپنی مدت کو	اور تم لوگ جان لو

اَنَّ اللّٰہَ	یَعۡلَمُ	مَا	فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ	فَاحۡذَرُوۡہُ ۚ	وَاعۡلَمُوۡۤا
کہ اللہ	جانتا ہے	اس کو جو	تمہارے نفسوں میں ہے	پس تم لوگ بچو اس سے	اور جان لو

اَنَّ اللّٰہَ	غَفُوۡرٌ	حَلِیۡمٌ
کہ اللہ	بے انتہا بخشنے والا ہے	ہر حال میں بردبار ہے

آیت نمبر (236)

﴿لَا جُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ اِنۡ طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمۡ تَمَسُّوۡہُنَّ اَوۡ تَفۡرِضُوۡا لَہُنَّ فَرِیۡضَۃً ۚۖ وَّ مَتِّعُوۡہُنَّ ۚ عَلَی الۡمُوۡسِعِ قَدَرُہٗ وَعَلَی الۡمُقۡتِرِ قَدَرُہٗ ۚ مَتَاعًۢا بِالۡمَعۡرُوۡفِ ۚ حَقًّا عَلَی الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۲۳۶﴾﴾

ق ت ر

(ن) قَتۡرًا خرچ میں تنگی کرنا۔ ﴿وَالَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَنۡفَقُوۡا لَمۡ یُسۡرِفُوۡا وَلَمۡ یَقۡتُرُوۡا﴾ (25/الفرقان: 67) ''اور وہ لوگ جو جب بھی خرچ کرتے ہیں تو بے جا خرچ نہیں کرتے اور نہ خرچ میں تنگی کرتے ہیں۔''

قَتُوۡرٌ فَعُوۡلٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ خرچ میں بہت زیادہ تنگی کرنے والا۔ کنجوس۔ بخیل۔

﴿ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴾ (17/ بنی اسرائیل:100) ''اور انسان کنجوس ہے۔''

451

	قَتْرًا	کسی چیز کی بو پھیلنا۔ آگ کا دھواں دینا۔
(س)	قَتَرٌ	اسم ذات ہے۔ دھواں۔ سیاہی۔ ﴿ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ﴾ (10/ یونس:26) ''اور نہیں چھائے گی ان کے چہروں پر کوئی سیاہی اور نہ ہی کوئی ذلت۔''
(افعال)	اِقْتَارًا	مال کا کم ہو جانا۔
	مُقْتِرٌ	اسم الفاعل ہے۔ مال میں کم ہونے والا۔ تنگ دست۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

ترکیب

مَا لَمْ کا مَا ظرفیہ ہے۔ اَوْ تَفْرِضُوْا میں اَوْ کے بعد مَا لَمْ محذوف ہے اس لیے فعل تَفْرِضُوْا مجزوم آیا ہے۔ عَلَى الْمُوْسِعِ سے پہلے اس کا مبتداء تَمْتِيْعٌ اور خبر وَاجِبٌ محذوف ہے۔ مَتَاعًا اور حَقًّا خبر محذوف وَاجِبٌ کا حال ہے۔

ترجمہ

لَا جُنَاحَ	عَلَيْكُمْ	اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ	مَا	لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ	اَوْ	تَفْرِضُوْا
کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہے	تم لوگوں پر	اگر تم لوگ طلاق دو عورتوں کو	جبکہ	تم نے چھوا نہیں ان کو	یا	(جبکہ نہیں) فرض کیا

لَهُنَّ	فَرِيْضَةً	وَّ مَتِّعُوْهُنَّ	عَلَى الْمُوْسِعِ
ان کے لیے	کوئی واجب (مہر)	اور تم لوگ سامان دو ان کو	(سامان دینا واجب ہے) فراغ دست پر

قَدَرُهٗ	وَعَلَى الْمُقْتِرِ	قَدَرُهٗ	مَتَاعًا
اس کے اندازے سے	اور تنگ دست پر	اس کے اندازے سے	سامان ہوتے ہوئے

بِالْمَعْرُوْفِ	حَقًّا	عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ
دستور کے مطابق	حق ہوتے ہوئے	احسان کرنے والوں پر

آیت نمبر (237)

﴿ وَ اِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَ اَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾ ﴾

ترکیب

وَقَدْ فَرَضْتُمْ کا واوٗ حالیہ ہے۔ فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ میں نِصْفُ مضاف ہے، مَا اس کا مضاف الیہ ہے اور یہ پورا فقرہ مبتداء ہے۔ اس کی خبر وَاجِبٌ اور متعلق خبر عَلَيْكُمْ محذوف ہے۔ يَعْفُوْنَ جمع مذکر غائب اور جمع مؤنث غائب کے صیغوں میں ہم شکل ہو جاتا ہے۔ یہاں چونکہ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ میں اَنْ کی وجہ سے نون اعرابی نہیں گرا، اس سے معلوم ہو گیا کہ یہ جمع مؤنث غائب ہے۔ اَوْ يَعْفُوَا دراصل واحد مذکر غائب کا صیغہ يَعْفُوْا ہے جو اِلَّآ اَنْ پر عطف ہونے کی وجہ سے منصوب ہو کر يَعْفُوَ ہوا ہے اور اس کے آگے الف لکھنا قرآن کا مخصوص املاء ہے۔ اس کی وجہ سے اس کو تثنیہ کا

صیغہ ماننا ممکن نہیں ہے کیونکہ آگے اَلَّذِیْ واحد آیا ہے۔ جبکہ وَاَنْ تَعْفُوْا جمع مذکر مخاطب ہے کیونکہ اَنْ کی وجہ سے نونِ اعرابی گرا ہوا ہے۔

ترجمہ

وَاِنْ	طَلَّقْتُمُوْهُنَّ	مِنْ قَبْلِ	اَنْ	تَمَسُّوْهُنَّ	وَ
اور اگر	تم لوگ طلاق دو ان کو	اس سے پہلے	کہ	تم نے چھوا ان کو	اس حال میں کہ

قَدْ فَرَضْتُمْ	لَهُنَّ	فَرِيْضَةً	فَنِصْفُ مَا	فَرَضْتُمْ
تم فرض کر چکے تھے	ان کے لیے	کوئی واجب (مہر)	تو اس کا آدھا ہے جو	تم نے فرض کیا (واجب ہے تم پر)

اِلَّآ اَنْ	يَّعْفُوْنَ	اَوْ	يَعْفُوَا	الَّذِيْ بِيَدِهٖ	عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ
سوائے اس کے کہ	وہ خواتین معاف کریں	یا (یہ کہ)	وہ شخص معاف کر دے	وہ جس کے ہاتھ میں	نکاح کی گرہ ہے

وَاَنْ	تَعْفُوْٓا	اَقْرَبُ	لِلتَّقْوٰى ؕ	وَلَا تَنْسَوُا
اور یہ کہ	تمہارا معاف کر دینا	زیادہ قریب ہے	تقویٰ سے	اور تم لوگ مت بھولو

الْفَضْلَ	بَيْنَكُمْ ؕ	اِنَّ اللّٰهَ	بِمَا	تَعْمَلُوْنَ	بَصِيْرٌ
فضل کو	آپس میں	یقیناً اللہ	اس کو جو	تم لوگ کرتے ہو	ہر حال میں دیکھنے والا

نوٹ۔1

تَمَسُّوْهُنَّ سے پہلے طلاق دینے کا پاکستانی اصطلاح میں مطلب ہے رُخصتی سے پہلے طلاق دینا۔ اس میں دو امکانات ہیں۔ ایک یہ کہ نکاح کے وقت مہر طے نہیں ہوا تھا اور رُخصتی سے پہلے طلاق ہوگئی۔ اس کے لیے ہدایت گزشتہ آیت میں ہے۔ دوسرے یہ کہ نکاح کے وقت مہر طے ہوا تھا پھر رُخصتی سے پہلے طلاق ہوئی۔ اس کے لیے ہدایت آیت زیرِ مطالعہ میں۔

آیت نمبر (238)

﴿ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿٢٣٨﴾ ﴾

ح ف ظ

(س) حِفْظًا: کسی چیز کو ضائع ہونے یا رائیگاں جانے سے بچانا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) حفاظت کرنا۔ (۲) نگرانی کرنا۔ (۳) یاد کرنا۔ ﴿ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ ﴾ (13/الرعد:11) ''وہ لوگ نگہبانی کرتے ہیں اس کی اللہ کے حکم سے۔''

اِحْفَظْ: فعل امر ہے۔ تو حفاظت کر۔ نگہبانی کر۔ ﴿ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ؕ ﴾ (5/المآئدہ:89) ''اور تم لوگ حفاظت کرو اپنی قسموں کی۔''

حَفِيْظٌ: فَعِيْلٌ کا وزن ہے۔ ہمیشہ اور ہر حال میں (۱) حفاظت یا نگرانی کرنے والا۔ (۲) محفوظ کرنے والا۔ ﴿ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿١٠٤﴾ ﴾ (6/الانعام::104) ''اور میں نہیں ہوں تم لوگوں کی نگہبانی کرنے والا'' ﴿ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ﴿٤﴾ ﴾ (50/قٓ:4) ''اور ہمارے پاس ایک محفوظ کرنے والی کتاب ہے۔''

حَافِظٌ — فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ حفاظت کرنے والا۔ نگرانی کرنے والا۔ ﴿وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۹﴾ (15/الحجر:9) ''اور بیشک ہم اس کی لازماً حفاظت کرنے والے ہیں۔''

مَحْفُوْظٌ — مَفْعُوْلٌ کے وزن پر اسم المفعول ہے۔ حفاظت کیا ہوا۔ ﴿وَ جَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚۖ﴾ (21/الانبیاء:32) ''ہم نے بنایا آسمان کو ایک حفاظت کی ہوئی چھت۔''

حَفَظَةٌ — صفت ہے۔ نگہبان۔ نگران۔ ﴿وَ یُرْسِلُ عَلَیْكُمْ حَفَظَةً ؕ﴾ (6/الانعام:61) ''اور وہ بھیجتا ہے تم لوگوں پر ایک نگہبان۔''

(مفاعلہ) مُحَافَظَةٌ — کسی چیز کی مسلسل نگہبانی کرنا یعنی کسی کام پر ہمیشگی اختیار کرنا۔ ﴿وَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ۝۹۲﴾ (6/الانعام:92) ''اور وہ لوگ اپنی نمازوں پر ہمیشگی اختیار کرتے ہیں۔''

حَافِظْ — فعل امر ہے۔ تو مسلسل نگرانی کر۔ تو ہمیشگی اختیار کر۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

(استفعال) اِسْتِحْفَاظًا — کسی چیز کی حفاظت چاہنا۔ ﴿بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ (5/المآئدہ:44) ''جس کے سبب سے حفاظت چاہی گئی اللہ کی کتاب میں سے۔''

ترکیب

اَلصَّلٰوتِ پر عطف ہونے کی وجہ سے الصَّلٰوۃِ مجرور ہوا ہے۔ اَلْوُسْطٰی اس کی صفت ہے لیکن مبنی ہونے کی وجہ سے اس میں تبدیلی نہیں ہوئی قٰنِتِیْنَ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

ترجمہ

حٰفِظُوْا	عَلَی الصَّلَوٰتِ	وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی ۚ	وَقُوْمُوْا
تم لوگ ہمیشگی اختیار کرو	نمازوں پر	اور (مسلسل نگرانی کرو) درمیانی نماز کی	اور کھڑے ہو

لِلّٰهِ	قٰنِتِیْنَ
اللہ کے لیے	فرمانبردار ہوتے ہوئے

آیت نمبر (239)

﴿فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝۲۳۹﴾

ر ج ل

(ن) رَجْلًا — ٹانگ پر مارنا۔

(س) رَجَلًا — پیدل چلنا۔

رِجْلٌ — ج اَرْجُلٌ۔ اسم ذات ہے۔ ٹانگ۔ پیر۔ ﴿اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ﴾ (38/ص:42) ''آپؑ ٹھوکر ماریں اپنے پیر سے۔'' ﴿اَلَهُمْ اَرْجُلٌ یَّمْشُوْنَ بِهَاۤ﴾ (7/الاعراف:195) ''کیا ان کی ٹانگیں ہیں، وہ لوگ چلتے ہیں جس سے۔''

رَجُلٌ — ج رِجَالٌ۔ اسم ذات ہے۔ مرد، آدمی۔ ﴿اَلَیْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ ۝۷۸﴾ (11/ھود:78) ''کیا تم لوگوں میں کوئی نیک چلن مرد نہیں ہے۔'' ﴿وَ نَادٰۤی اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا﴾ (7/الاعراف:48) ''اور پکارا اعراف کے لوگوں نے کچھ مردوں کو۔''

رَاجِلٌ ج رِجَالٌ اور رَجِلٌ !۔ اسم الفاعل ہے۔ پیدل چلنے والا۔ پیادہ۔ رَاجِلٌ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔ رِجَالٌ آیت زیرِ مطالعہ میں آیا ہے۔ ﴿ وَ اَجۡلِبۡ عَلَیۡهِمۡ بِخَیۡلِكَ وَرَجِلِكَ ﴾ (17/ بنی اسرائیل: 64) ''اور تو لے آ ان پر اپنے سواروں کو اور اپنے پیادوں کو۔''

ر ک ب

(س) مَرۡکَبًا کسی چیز پر چڑھنا۔ سوار ہونا۔ ﴿ فَاِذَا رَکِبُوۡا فِی الۡفُلۡكِ دَعَوُا اللّٰهَ ﴾ (29/ العنکبوت: 65) ''پھر جب وہ لوگ سوار ہوتے ہیں کشتی پر تو وہ پکارتے ہیں اللہ کو۔''

اِرۡکَبۡ فعل امر ہے۔ تو چڑھ۔ تو سوار ہو۔ ﴿ یٰبُنَیَّ ارۡکَبۡ مَّعَنَا ﴾ (11/ ھود: 42) ''اے میرے بچے! تو سوار ہو ہمارے ساتھ۔''

رَاکِبٌ ج رَکۡبٌ۔ رَکُوۡبٌ۔ رُکۡبَانٌ۔ فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ سوار ہونے والا۔ سوار۔ رَاکِبٌ قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔ ﴿ وَالرَّکۡبُ اَسۡفَلَ مِنۡکُمۡ ؕ ﴾ (8/ الانفال: 42) ''اور سواروں کا دستہ تم سے اُترائی میں۔'' ﴿ فَمِنۡهَا رَکُوۡبُهُمۡ وَ مِنۡهَا یَاۡکُلُوۡنَ ﴿۷۲﴾ ﴾ (36/ یٰسٓ: 72) ''تو بعض ان کی سواریاں ہیں اور بعض وہ کھاتے ہیں۔'' رُکۡبَانٌ آیت زیرِ مطالعہ میں آیا ہے۔

رِکَابٌ سوار کے پیر رکھنے کی جگہ۔ رکاب۔ سواری کا اُونٹ۔ ﴿ فَمَاۤ اَوۡجَفۡتُمۡ عَلَیۡهِ مِنۡ خَیۡلٍ وَّ لَا رِکَابٍ ﴾ (59/ الحشر: 6) ''تو تم نے نہیں دوڑایا اس پر کوئی گھوڑا اور نہ ہی کوئی اونٹ۔''

(تفعیل) تَرۡکِیۡبًا ایک پر دوسری چیز رکھنا۔ ترتیب سے رکھنا۔ کسی کو ترتیب دینا۔ ﴿ فِیۡۤ اَیِّ صُوۡرَةٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَكَ ؕ﴿۸﴾ ﴾ (82/ الانفطار: 8) ''جیسی صورت میں اس نے چاہا، اس نے ترتیب دیا تجھ کو۔''

(تفاعل) تَرَاکُبًا باہم ایک دوسرے پر چڑھنا۔ ایک دوسرے میں گتھ جانا۔

مُتَرَاکِبٌ اسم الفاعل ہے۔ ایک دوسرے میں گھتنے والا۔ ﴿ نُّخۡرِجُ مِنۡهُ حَبًّا مُّتَرَاکِبًا ۚ ﴾ (6/ الانعام: 99) ''ہم نکالتے ہیں اس سے کچھ دانے باہم گھتے ہوئے۔''

ترکیب

خِفۡتُمۡ کا مفعول محذوف ہے۔ رِجَالًا اور رُکۡبَانًا دونوں حال ہیں اس لیے منصوب ہیں۔ ان کا فعل فَصَلُّوۡا محذوف ہے۔ عَلَّمَکُمۡ میں عَلَّمَ کا فاعل اس میں ھُوَ کی ضمیر ہے جو اللہ کے لیے ہے۔ مَا لَمۡ میں مَا مفعول مقدم ہے تَعۡلَمُوۡنَ کا۔

ترجمہ

اَوۡ رُکۡبَانًا ۚ	فَرِجَالًا	فَاِنۡ خِفۡتُمۡ
یا سواری کرتے ہوئے	تو (نماز پڑھو) پیدل چلتے ہوئے	پھر اگر تمہیں خوف ہو (کسی چیز کا)

عَلَّمَکُمۡ	کَ مَا	فَاذۡکُرُوا اللّٰهَ	فَاِذَاۤ اَمِنۡتُمۡ
اس نے سکھایا تم لوگوں کو	اس طرح جیسے	تو یاد کرو اللہ کو	پھر جب تم لوگ امن میں ہو

تَعۡلَمُوۡنَ	لَمۡ تَکُوۡنُوۡا	مَّا
جانتے	تم لوگ نہیں تھے	جس کو

نوٹ۔1

گزشتہ آیت میں نماز میں ہمیشگی اختیار کرنے کے حکم کے دو پہلو ہیں۔ایک یہ کہ ہر نماز کو اس کے مقررہ وقت پر ادا کرنا۔اور دوسرے یہ کہ ہر نماز کو حضورِ قلبی کے ساتھ ادا کرنا۔ہمیں حکم ہے کہ ان دونوں پہلوؤں سے ہم ہمیشہ ہر نماز کی حفاظت کریں۔

نوٹ۔2

کلمہ طیبہ دینِ اسلام کا پہلا رکن ہے۔اس کا اقرار کرنے کے بعد انسان پر اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہر حکم پر عمل کرنا فرض ہو جاتا ہے۔لیکن ان میں سے چار فرائض کی اہمیت زیادہ ہے۔اس لیے نماز۔روزہ۔زکوۃ اور حج کو ارکانِ دین کا درجہ حاصل ہے۔اب نوٹ کریں کہ ان میں بھی روزہ۔زکوۃ اور حج ایسے ارکان ہیں جن میں کچھ استثناء بھی ہیں۔لیکن نماز وہ واحد رُکن ہے جس کا کوئی استثناء نہیں ہے۔

آیت زیرِ مطالعہ میں فَاِنۡ خِفۡتُمۡ کے مفعول کو محذوف کر کے اسے عمومیت دی گئی اور حکم دیا گیا کہ خواہ کیسے بھی حالات ہوں، نماز بہر حال پڑھنی ہے، بیٹھ کر، لیٹ کر، چلتے ہوئے، سواری کرتے ہوئے، جیسے بھی بن پڑے نماز پڑھو۔خوف کی انتہائی حالتِ جنگ ہے۔اس میں بھی استثناء نہیں ہے۔اس وقت نماز پڑھنے کا طریقہ آیت نمبر۔(4/النساء:102) میں بتایا گیا ہے۔

نوٹ۔3

آیت نمبر(1/الفاتحہ:3) کے نوٹ۔2 میں بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی صفات و کمال اور آخرت کے تصور تک انسان کی عقل از خود رسائی حاصل کر سکتی ہے۔اب نوٹ کر لیں کہ تفصیلات کے لیے انسان کی عقل اس کی راہنمائی نہیں کر سکتی۔اس کے لیے وہ علمِ وحی کا محتاج ہے۔آیت زیرِ مطالعہ اس کی ایک مثال ہے۔

نوٹ۔4

شادی، بیاہ اور طلاق وغیرہ کے مسائل کے درمیان میں نماز کا ذکر کرنے کا مقصد ہمیں یہ یاد دلانا ہے کہ نماز کے بے شمار فوائد میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کی مشق انسان میں خدا ترسی کا جذبہ اور دوسروں کو ان کے حق سے زیادہ دینے کا حوصلہ پیدا کرتی ہے۔

آیت نمبر(240)

﴿وَالَّذِيۡنَ يُتَوَفَّوۡنَ مِنۡكُمۡ وَيَذَرُوۡنَ اَزۡوَاجًا ۖۚ وَّصِيَّةً لِّاَزۡوَاجِهِمۡ مَّتَاعًا اِلَى الۡحَوۡلِ غَيۡرَ اِخۡرَاجٍ ۚ فَاِنۡ خَرَجۡنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ فِىۡ مَا فَعَلۡنَ فِىۡٓ اَنۡفُسِهِنَّ مِنۡ مَّعۡرُوۡفٍ ‌ؕ وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۲۴۰﴾﴾

ترکیب

وَصِيَّةً مفعول مطلق ہے اور اس کا فعل يُوصُوۡنَ محذوف ہے۔مَتَاعًا کی نصب وَصِيَّةً کا بدل ہونے کی وجہ سے ہے۔جبکہ غَيۡرَ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

ترجمہ

اَزۡوَاجًا	وَيَذَرُوۡنَ	مِنۡكُمۡ	يُتَوَفَّوۡنَ	وَالَّذِيۡنَ
بیویوں کو	اور وہ لوگ چھوڑتے ہیں	تم میں سے	موت دی جاتی ہے	اور وہ لوگ جن کو

وَّصِيَّةً	لِّاَزْوَاجِهِمْ	مَّتَاعًا	اِلَى الْحَوْلِ
(اور کرجاتے ہیں) کوئی وصیت	اپنی بیویوں کے لیے	(یعنی) کچھ برتنے کا سامان	ایک سال تک

غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ	فَاِنْ	خَرَجْنَ	فَلَا جُنَاحَ	عَلَيْكُمْ
نکالنے کے بغیر (گھر سے)	پھر اگر	وہ نکلتی ہیں	تو کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہے	تم لوگوں پر

فِيْ مَا	فَعَلْنَ	فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ	مِنْ مَّعْرُوْفٍ ؕ	وَاللّٰهُ	عَزِيْزٌ
اس میں جو	وہ کرتی ہیں	اپنے بارے میں	بھلائی میں سے	اور اللہ	بالادست ہے

حَكِيْمٌ
حکمت والا ہے

آیت نمبر (241)

﴿ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾ ﴾

ترکیب

مُطَلَّقٰتِ اسم المفعول ہے اور یہ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ مَتَاعٌ مبتداء مؤخر نکرہ ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ بِالْمَعْرُوْفِ متعلق خبر ہے۔

ترجمہ

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ	مَتَاعٌۢ	بِالْمَعْرُوْفِ ؕ	حَقًّا
اور طلاق دی ہوئی خواتین کے لیے	کچھ برتنے کا سامان (دینا) ہے	دستور کے مطابق	حق ہوتے ہوئے

عَلَى الْمُتَّقِيْنَ
تقویٰ کرنے والوں پر

آیت نمبر (242)

﴿ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ ع ﴾

ترجمہ

كَذٰلِكَ	يُبَيِّنُ	اللّٰهُ	لَكُمْ	اٰيٰتِهٖ	لَعَلَّكُمْ
اس طرح	واضح کرتا ہے	اللہ	تمہارے لیے	اپنی نشانیوں (یعنی ہدایات) کو	شاید کہ تم لوگ

تَعْقِلُوْنَ
عقل (استعمال) کرو

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

462

سورۃ البقرۃ (۲)

آیت نمبر (243)

﴿ اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِیَارِہِمۡ وَ ہُمۡ اُلُوۡفٌ حَذَرَ الۡمَوۡتِ ۪ فَقَالَ لَہُمُ اللّٰہُ مُوۡتُوۡا ۟ ثُمَّ اَحۡیَاہُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَشۡکُرُوۡنَ ﴿۲۴۳﴾ ﴾

ء ل ف

(س) اَلِفًا مانوس ہونا۔محبت کرنا۔

(ض) اَلۡفًا جمع ہونا۔ہم آہنگ ہونا۔

(افعال) اِیۡلَافًا کسی کو کسی سے مانوس کرنا۔﴿ اٖلٰفِہِمۡ رِحۡلَۃَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیۡفِ ۚ﴿۲﴾ ﴾ (106/قریش:2)''ان کو مانوس کرنا سردی اور گرمی کے سفر سے۔''

(تفعیل) تَاۡلِیۡفًا مانوس کرنا۔محبت پیدا کرنا۔جمع کرنا۔﴿ وَ اَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِہِمۡ ؕ ﴾ (8/الانفال:63)''اور اس نے محبت پیدا کی ان کے دِلوں کے مابین۔'' ﴿ اَنَّ اللّٰہَ یُزۡجِیۡ سَحَابًا ثُمَّ یُؤَلِّفُ بَیۡنَہٗ ﴾ (24/النور:43)''کہ اللہ چلاتا بادل کو پھر وہ اکٹھا کرتا ہے اس کو آپس میں۔''

مُؤَلَّفٌ اسم المفعول ہے۔جمع کیا ہوا۔جوڑا ہوا۔﴿ وَ الۡمُؤَلَّفَۃِ قُلُوۡبُہُمۡ ﴾ (9/التوبہ:60)''اور ان کے لیے جن کی دل جوئی منظور ہے۔''

اَلۡفٌ ج اُلَافٌ۔ ایک ہزار۔ ﴿ وَ اِنۡ یَّکُنۡ مِّنۡکُمۡ اَلۡفٌ یَّغۡلِبُوۡۤا اَلۡفَیۡنِ بِاِذۡنِ اللّٰہِ ؕ ﴾ (8/الانفال:66)''اور اگر ہوں تم میں سے ایک ہزار تو وہ لوگ غالب ہوں گے دو ہزار پر اللہ کے اذن سے۔'' ﴿ اَنۡ یُّمِدَّکُمۡ رَبُّکُمۡ بِثَلٰثَۃِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ ﴾ (3/آل عمران:124)''کہ وہ مدد کرے تمہاری تین ہزار فرشتوں سے۔''

اُلُوۡفٌ فُعُوۡلٌ کے وزن پر جمع ہے۔ہزاروں۔آیت زیرِ مطالعہ۔

ترکیب

اَلَمۡ تَرَ کا فاعل تَرَ میں شامل اَنۡتَ کی ضمیر ہے اور اَلَّذِیۡنَ خَرَجُوۡا اس کا مفعول ہے، جبکہ مِنۡ دِیَارِہِمۡ متعلق فعل ہے۔ وَہُمۡ اُلُوۡفٌ کا واوَ حالیہ ہے، ہُمۡ مبتداء اور اُلُوۡفٌ خبر ہے۔لَمۡ کی وجہ سے اس جملہ اسمیہ کا ترجمہ حال کے بجائے ماضی میں ہو گا۔حَذَرَ الۡمَوۡتِ بھی متعلق فعل ہے اور اَلَّذِیۡنَ خَرَجُوۡا کا حال ہونے کی وجہ سے اس کا مضاف منصوب ہے۔

ثُمَّ ترتیب کے لیے آتا ہے اس لیے اس سے پہلے فَمَاتُوۡا محذوف ہے جو کہ فعل امر مُوۡتُوۡا کا جواب امر ہے۔اَحۡیَا کا فاعل ہُوَ کی ضمیر ہے جو اَللّٰہُ کے لیے ہے۔ ہُمۡ ضمیر مفعولی ہے جو اَلَّذِیۡنَ کے لیے ہے۔لٰکِنَّ کا اسم اَکۡثَرَ النَّاسِ ہے اس لیے اس کا مضاف منصوب ہے، جبکہ جملہ فعلیہ لَا یَشۡکُرُوۡنَ خبر ہے۔

ترجمہ

اَلَمۡ تَرَ	اِلَی الَّذِیۡنَ	خَرَجُوۡا	مِنۡ دِیَارِہِمۡ
کیا تو نے غور ہی نہیں کیا	ان لوگوں (کی حالت) کی طرف جو	نکلے	اپنے گھروں سے

وَ	هُمْ اُلُوْفٌ	حَذَرَ الْمَوْتِ ۖ	فَقَالَ	لَهُمُ 462	اللّٰهُ
اس حال میں کہ	وہ ہزاروں تھے	موت کا ڈر کرتے ہوئے	تو کہا	ان سے	اللہ نے

مُوْتُوْا ۫	ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ۭ	اِنَّ اللّٰهَ	لَذُوْ فَضْلٍ
تم لوگ مرجاؤ (تو وہ مرگئے)	پھر اس نے زندہ کیا ان کو	بیشک اللہ	فضل والا ہے

عَلَى النَّاسِ	وَلٰكِنَّ	اَكْثَرَ النَّاسِ	لَا يَشْكُرُوْنَ
لوگوں پر	اور لیکن	لوگوں کی اکثریت	شکر نہیں کرتی ہے

نوٹ۔1

رَءٰ ی - یَرٰی کا مفعول بنفسہٖ آتا ہے۔ اور جب اِلٰی کے صلہ کے ساتھ آئے تو اس میں اس کے مفعول کی حالت پر غور کرنے اور اسے سمجھنے کا مفہوم ہوتا ہے۔ ترجمہ میں اسے ظاہر کیا گیا ہے۔

نوٹ۔2

یہ بنی اسرائیل کی ایک بستی کا واقعہ ہے جہاں کوئی وباء پھوٹ پڑی تھی۔ اس سے بچنے کے لیے یہ لوگ بستی کو چھوڑ کر جنگل میں چلے گئے جہاں انہیں موت آئی۔ پھر ایک نبی کی دُعا سے دوبارہ زندہ ہوئے۔

آیت نمبر (244)

﴿وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۲۴۴﴾

ترجمہ

وَقَاتِلُوْا	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	وَاعْلَمُوْٓا	اَنَّ	اللّٰهَ	سَمِيْعٌ	عَلِيْمٌ
اور تم لوگ قتال کرو	اللہ کی راہ میں	اور جان لو	کہ	اللہ	سننے والا ہے	جاننے والا ہے

نوٹ۔1

مادہ ''ق ت ل'' سے فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل قَاتِلٌ بنتا ہے۔ اس کی جمع قَاتِلُوْنَ سے جب نون اعرابی گرتا ہے تو قَاتِلُوْ استعمال ہوتا ہے یعنی واوالجمع کے الف کے بغیر۔ اور باب مفاعلہ سے اس کا فعل امر قَاتِلْ بنتا ہے جس کی جمع قَاتِلُوْا ہے۔ اس طرح دونوں میں فرق صرف واوالجمع کے الف کا ہے۔ اسی لیے قَاتِلُوْ الْمُشْرِكِيْنَ کا ترجمہ ہوگا ''مشرکوں کو قتل کرنے والے''۔ جبکہ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ کا ترجمہ ہوگا ''تم لوگ جنگ کرو مشرکوں سے۔''

نوٹ۔2

اِس آیت میں گزشتہ آیت سے ربط یہ ہے کہ جب موت سے بچنا انسان کے بس میں نہیں ہے، تو پھر موت کے ڈر سے اللہ کی راہ میں جنگ کرنے سے جی چرانا حماقت بھی ہے اور محرومی بھی۔

آیت نمبر (245)

﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۭ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۠ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۲۴۵﴾

ق ر ض

(ض)	قَرْضًا	462 (۱) کسی سے بچتے ہوئے گزر جانا۔ کترا جانا۔ (۲) کسی کو بدلہ دینا۔ ﴿وَ اِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ﴾ (18/الکھف:17) ''اور جب وہ غروب ہوتا ہے تو وہ کترا جاتا ہے ان سے بائیں طرف۔''
	قَرْضٌ	اسم ذات ہے۔ اُدھار قرض۔ آیت زیرِ مطالعہ۔
(افعال)	اِقْرَاضًا	کسی کو اُدھار دینا۔ قرض دینا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔
	اَقْرِضْ	فعل امر ہے۔ تو قرض دے۔ ﴿وَ اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ﴾ (73/المزمل:20) ''اور تم لوگ قرض دو اللہ کو، خوبصورت قرضہ۔''

ض ع ف

(ف)	ضَعْفًا	کسی چیز کو زیادہ کرنا۔
(ک)	ضَعَافَةً	کمزور ہونا۔ ﴿وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ﴾ (3/آل عمران:146) ''اور وہ لوگ نہ کمزور ہوئے اور نہ دبے۔''
	اَضْعَفُ	اَفعل التفضیل ہے۔ زیادہ کمزور۔ ﴿مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضْعَفُ جُنْدًا ۝۷۵﴾ (19/مریم:75) ''کون زیادہ بُرا ہے بلحاظ مقام کے اور زیادہ کمزور ہے بلحاظ فوج کے۔''
	ضَعِيْفٌ	ج ضِعَافٌ اور ضُعَفَاءُ۔ فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ کمزور۔ ﴿وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ۝۲۸﴾ (4/النساء:28) ''اور پیدا کیا گیا انسان کو کمزور۔'' ﴿لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا﴾ (4/النساء:9) ''اگر وہ لوگ چھوڑیں اپنے پیچھے کچھ کمزور اولادیں۔'' ﴿فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا﴾ (14/ابراہیم:21) ''تو کہیں گے کمزور لوگ ان سے جنھوں نے بڑائی چاہی۔''
	ضَعْفٌ اور ضُعْفٌ	اسم ذات ہے۔ کمزوری۔ ﴿وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ﴾ (8/الانفال:66) ''اور اس نے جانا کہ تم لوگوں میں کچھ کمزوری ہے۔'' ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ﴾ (30/الروم:54) ''اللہ ہے جس نے پیدا کیا تم لوگوں کو کمزوری سے۔''
	ضِعْفٌ	ج اَضْعَافٌ۔ دوگنا (واحد لفظ ضِعْفٌ بھی دوگنے کے لیے آتا ہے اور اس کا تثنیہ ضِعْفَيْنِ بھی آتا ہے۔'' ﴿رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۬ؕ﴾ (7/الاعراف:38) ''اے ہمارے رب ان لوگوں نے بہکایا ہم کو پس تُو دے ان کو دوگناہ عذاب آگ میں سے۔'' ﴿رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ﴾ (33/الاحزاب:68) ''اے ہمارے رب! تُو دے ان کو دوگنا عذاب میں سے۔'' جمع آیت زیرِ مطالعہ میں آیا ہے۔
(افعال)	اِضْعَافًا	زیادہ کرنا۔ بڑھانا۔
	مُضْعِفٌ	اسم الفاعل ہے۔ زیادہ کرنے والا۔ ﴿فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝۳۹﴾ (30/الروم:39) ''تو وہ لوگ ہی بڑھانے والے ہیں۔''
(مفاعلہ)	مُضَاعَفَةً	گُنوں میں بڑھانا۔ MULTIPLY کرنا۔ ضرب دے کر بڑھانا۔ ﴿وَ اللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ﴾ (2/البقرہ:261) ''اور اللہ کئی گنا بڑھاتا ہے اس کے لیے جس کے لیے وہ چاہتا ہے۔''
(استفعال)	اِسْتِضْعَافًا	کسی کو کمزور سمجھنا۔ ﴿اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ﴾ (7/الاعراف:150) ''بیشک قوم نے کمزور سمجھا مجھ کو۔''
	مُسْتَضْعَفٌ	اسم المفعول ہے، صفت کے طور پر آتا ہے۔ کمزور سمجھا ہوا یعنی کمزور۔ ﴿قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ﴾ (4/النساء:97) ''ان لوگوں نے کہا ہم لوگ تھے کمزور زمین میں۔''

ق ب ض

(ض) **قَبْضًا** 462 کسی چیز کو پنجے سے پکڑنا۔(۱) پکڑنا۔ قبضے میں لینا۔(۲) سمیٹنا۔ سکیڑنا۔﴿فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ﴾ (20/طٰہٰ:96)''تو میں نے پکڑا ایک مٹھی بھر فرشتے کے نشان سے۔''﴿ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا﴾ (25/الفرقان:46)''پھر ہم نے سمیٹا اس کو اپنی طرف، آسان سمیٹنا۔''

قَبْضَةٌ اسم ذات ہے۔ مُٹھی۔﴿وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ (39/الزمر:67)''اور زمین کی کُل اس کی مُٹھی میں ہوگی قیامت کے دن۔''

مَقْبُوْضَةٌ اسم المفعول ہے۔ قبضہ میں لیا ہوا۔ پکڑا ہوا۔﴿وَ لَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ﴾ (2/البقرہ:283)''اور تم لوگ نہ پاؤ کوئی لکھنے والا تو رہن ہے قبضہ میں لیا ہوا۔''

ب س ط

(ن) **بَسْطًا** کسی چیز کو پھیلانا۔ کشادہ کرنا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

بَاسِطٌ اسم الفاعل ہے۔ پھیلانے والا۔﴿مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ﴾ (5/المآئدہ:28) ''میں پھیلانے والا نہیں ہوں اپنا ہاتھ کہ میں قتل کروں تجھ کو۔''

مَبْسُوْطٌ اسم المفعول ہے۔ پھیلایا ہوا۔﴿بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ﴾ (5/المآئدہ:64)''بلکہ اس کے ہاتھ کھولے ہوئے ہیں۔''

بَسْطَةٌ اسم ذات ہے۔ پھیلاؤ۔ کشادگی۔﴿وَ زَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ﴾ (2/البقرہ:247) ''اور اس نے زیادہ کیا اس کو بلحاظ کشادگی علم میں اور جسم میں۔''

بِسَاطٌ اسم ذات ہے۔ پھیلائی ہوئی چیز۔ بچھونا۔ فرش۔﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا﴾ (71/نوح:19)''اور اللہ نے بنایا تم لوگوں کے لیے زمین کو ایک بچھونا۔''

ترکیب

مَنْ استفہامیہ ہے اور مبتداء ہے۔ ذَاالَّذِيْ يُقْرِضُ صلہ موصول مل کر اس کی خبر ہے۔ يُقْرِضُ کا مفعول اللّٰهَ ہے، جبکہ قَرْضًا حَسَنًا مفعول مطلق ہے۔ فَيُضٰعِفَهٗ کا فَا سببیہ ہے۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ یہ مضارع کو نصب دیتا ہے۔ اسی لیے يُضٰعِفَ منصوب آیا ہے۔ اس میں ہٗ کی ضمیر قَرْضًا حَسَنًا کے لیے ہے، جبکہ لَهٗ کی ضمیر مَنْ ذَاالَّذِيْ کے لیے ہے اَضْعَافًا كَثِيْرَةً تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ وَ يَبْصُۜطُ کے بعد الرِّزْقَ محذوف ہے۔ ثلاثی مجرد کے مضارع مجہول کا وزن يُفْعَلُ ہے، اور باب افعال کے مضارع مجہول کا بھی یہی وزن ہے۔ یہاں تُرْجَعُوْنَ ثلاثی کا مضارع مجہول ہے کیونکہ مادہ ''ر ج ع'' باب افعال سے نہیں آتا۔

ترجمہ

مَنْ ذَاالَّذِيْ	يُقْرِضُ	اللّٰهَ	قَرْضًا حَسَنًا	فَيُضٰعِفَهٗ
کون ہے وہ جو	قرضہ دے	اللہ کو	ایک خوبصورت قرض	اس سبب سے وہ ضرب دے کر بڑھائے اس کو

لَهٗ	اَضْعَافًا كَثِيْرَةً	وَاللّٰهُ	يَقْبِضُ
اس کے لیے	کئی گنا	اور اللہ	سکیڑتا ہے

وَ يَبْصُۜطُ	وَاِلَيْهِ	تُرْجَعُوْنَ
اور کشادہ کرتا ہے (رزق کو)	اور اس کی طرف ہی	تم لوگ لوٹائے جاؤ گے

نوٹ:1

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں کھجور کے دو باغوں کا مالک ہوں۔ اس کے علاوہ میری ملک میں کچھ نہیں ہے۔ میں اپنے یہ دونوں باغ اللہ تعالیٰ کو قرض دیتا ہوں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ ایک اللہ کے راستے میں وقف کر دو اور دوسرا اپنے اہل وعیال کی معاشی ضرورت کے لیے باقی رکھو۔ تو ابوالدحداح رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان دونوں میں سے اچھا باغ جس میں چھ سو درخت ہیں، اس کو میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہوں۔ (معارف القرآن)۔

آیت نمبر (246)

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِىٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ۭ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَاۗىِٕنَا ۭ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۲۴۶ ﴾

م ل ء

(ن) مِلَاءَةً: کسی چیز کو کسی چیز سے بھر دینا۔ ﴿ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۱۸ ﴾ (7/الاعراف:18) ”میں لازماً بھر دوں گا جہنم کو تم سب کے سب سے۔“

(ک) مَلَاءً: بھرا ہونا۔ دولتمند ہونا۔ رئیس یا سردار ہونا۔

مَالِئٌ: اسم الفاعل ہے۔ بھرنے والا۔ ﴿ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۶۶ ﴾ (37/الصافات:66) ”پس وہ لوگ کھانے والے ہیں اس سے تو وہ بھرنے والے ہیں اس سے پیٹوں کو۔“

مِلْءٌ: اتنی مقدار جس سے کوئی چیز بھر جائے۔ بھر۔ (جیسے گلاس بھر پانی۔ مَن بھر آٹا وغیرہ۔“ ﴿ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا ﴾ (3/آل عمران:91) ”تو ہرگز قبول نہ کیا جائے گا ان کے کسی ایک سے زمین بھر سونا۔“

مَلَاٌ: اسم جمع ہے۔ کسی قوم کے رئیسوں اور سرداروں کی جماعت۔ آیتِ زیرِ مطالعہ۔

(افتعال) اِمْتِلَاءً: کسی چیز کا کسی چیز سے بھر جانا۔ ﴿ يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ ﴾ (50/قٓ:30) ”جس دن ہم کہیں گے جہنم سے کیا تو بھر گئی۔“

ترکیب

اِذْ قَالُوْا کا فاعل اس میں ھُمْ کی ضمیر ہے جو اَلْمَلَاِ کے لیے ہے۔ فعل امر اُبْعَثْ کا جواب امر ہونے کی وجہ سے نُقَاتِلْ مجزوم ہوا ہے۔ عَسَيْتُمْ میں اَنْتُمْ کی ضمیر فعل مقاربہ عَسٰی کا اسم ہے اور اَلَّا تُقَاتِلُوْا اس کی خبر ہے، جبکہ درمیان میں جملہ شرطیہ ہے۔ اَلَّا دراصل اَنْ لَا ہے۔ اس میں اَنْ کی وجہ سے تُقَاتِلُوْا منصوب ہوا ہے۔ جملہ شرطیہ میں كُتِبَ ماضی مجہول ہے اس لیے اس پر اِنْ کا عمل ظاہر نہیں ہوا اور اَلْقِتَالُ اس کا نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ مَا استفہامیہ ہے اور مبتداء ہے۔ لَنَا قائم مقام خبر ہے۔ وَقَدْ اُخْرِجْنَا کا واؤ حالیہ ہے۔ اَبْنَآىِٕنَا کی ے مضاف کی جر بتا رہی ہے کہ یہ مِنْ پر عطف ہے۔ لَمَّا حرف شرط ہے۔ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ شرط ہے اور تَوَلَّوْا جواب شرط ہے۔ اِلَّا کی وجہ سے قَلِيْلًا منصوب ہوا ہے۔

ترجمہ

اَلَمْ تَرَ	اِلَى الْمَلَاِ	مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
کیا تو نے غور ہی نہیں کیا	سرداروں (کی حالت) کی طرف	بنی اسرائیل میں سے

مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ	اِذْ قَالُوْا	لِنَبِيٍّ لَّهُمُ	ابْعَثْ
موسیٰؑ کے بعد	جب ان لوگوں نے کہا	اپنے ایک نبی سے	تو بھیج (یعنی مقرر کر)

لَنَا	مَلِكًا	نُّقَاتِلْ	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ	قَالَ
ہمارے لیے	ایک بادشاہ	تو ہم قتال کریں	اللہ کی راہ میں	انہوںؑ نے کہا

هَلْ عَسَيْتُمْ	اِنْ	كُتِبَ	عَلَيْكُمُ	الْقِتَالُ	اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ
کیا ہوسکتا ہے تم لوگوں سے،	اگر	فرض کیا جائے	تم پر	قتال کو،	کہ تم لوگ قتال نہ کرو

قَالُوْا	وَمَا لَنَآ	اَلَّا نُقَاتِلَ	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	وَ	قَدْ اُخْرِجْنَا
انہوں نے کہا	اور ہمیں کیا ہے	کہ ہم قتال نہ کریں	اللہ کی راہ میں	(جب) حال یہ ہے کہ	ہم نکالے گئے ہیں

مِنْ دِيَارِنَا	وَاَبْنَآئِنَا ؕ	فَلَمَّا	كُتِبَ	عَلَيْهِمُ	الْقِتَالُ
اپنے گھروں سے	اور اپنے بیٹوں سے	پھر جب	فرض کیا گیا	ان پر	قتال کو

تَوَلَّوْا	اِلَّا	قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ	وَاللّٰهُ	عَلِيْمٌۢ
تو انہوں نے منہ موڑا	مگر	ان میں سے تھوڑوں نے	اور اللہ	جاننے والا ہے

بِالظّٰلِمِيْنَ
ظلم کرنے والوں کو

آیت نمبر(247)

﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ
اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ
وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾﴾

ترکیب

بَعَثَ کا مفعول اوّل طَالُوْتَ ہے اور مَلِكًا مفعول ثانی ہے۔ يَكُوْنُ کا اسم اَلْمُلْكُ ہے، اس کی خبر محذوف ہے اور لَهٗ قائم مقام خبر ہے۔ يُؤْتَ کا نائب فاعل اس میں هُوَ کی ضمیر ہے جو طَالُوْتَ کے لیے ہے، جبکہ سَعَةً مفعول ثانی ہے۔ زَادَ کا فاعل اس میں هُوَ کی ضمیر ہے جو اَللّٰهَ کے لیے ہے، اس کا مفعول ہٗ کی ضمیر ہے جو طَالُوْتَ کے لیے ہے، جبکہ بَسْطَةً تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

ترجمہ

وَقَالَ	لَهُمْ	نَبِيُّهُمْ	اِنَّ اللّٰهَ	قَدْ بَعَثَ	لَكُمْ	462 طَالُوْتَ
اور کہا	ان سے	ان کے نبی نے	بیشک اللہ نے	مقرر کیا ہے	تمہارے لیے	طالوت کو

مَلِكًا ؕ	قَالُوْٓا	اَنّٰى	يَكُوْنُ	لَهُ	الْمُلْكُ	عَلَيْنَا	وَ
بادشاہ	انہوں نے کہا	کہاں سے	ہوگی	اس کے لیے	بادشاہت	ہم پر	حالانکہ

نَحْنُ	اَحَقُّ	بِالْمُلْكِ	مِنْهُ	وَلَمْ يُؤْتَ	سَعَةً
ہم	زیادہ حقدار ہیں	بادشاہت کے	اس سے	اور اس کو دی ہی نہیں گئی	کوئی وسعت

مِّنَ الْمَالِ ؕ	قَالَ	اِنَّ اللّٰهَ	اصْطَفٰهُ	عَلَيْكُمْ
مال میں سے	(نبی نے) کہا	بیشک اللہ نے	ترجیح دی اس کو	تم لوگوں پر

وَزَادَهٗ	بَسْطَةً	فِي الْعِلْمِ	وَالْجِسْمِ ؕ	وَاللّٰهُ
اور اس نے زیادہ کیا اس کو	بلحاظ کشادگی،	علم میں	اور جسم میں	اور اللہ

يُؤْتِيْ	مُلْكَهٗ	مَنْ	يَّشَآءُ ؕ	وَاللّٰهُ	وَاسِعٌ
دیتا ہے	اپنا ملک	اس کو جس کو	وہ چاہتا ہے	اور اللہ	وسعت دینے والا ہے

عَلِيْمٌ
جاننے والا ہے

نوٹ: 1

حضرت عیسیٰؑ کی بعثت سے تقریباً گیارہ سو سال پہلے کا یہ واقعہ ہے جس کا تذکرہ آیت نمبر۔ ۲۴۲ سے شروع ہوا ہے۔ اس طرح یہ قصہ آج سے تقریباً سوا تین ہزار سال پہلے کا ہے۔ آیت زیرِ مطالعہ سے معلوم ہوا کہ اُس وقت بھی لوگوں انسانوں کو ان کے مال و دولت سے ناپتے تھے۔ حالانکہ کسی انسان کی شخصیت اور کردار کی اساس مال و دولت نہیں بلکہ اس کی جسمانی اور ذہنی صحت ہے۔ اس آیت میں ذہنی صحت کو علم کی کشادگی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اِس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ علم کے بغیر دولت مل جانا ایسا ہی ہے جیسے کسی بندر کے ہاتھ چھچھوندر لگ جائے۔ ہمارا موجودہ معاشرہ اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

آیت نمبر (248)

﴿ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾ ع ﴾

ت ب ت

(X) X اِس مادہ سے کسی باب میں کوئی فعل استعمال نہیں ہوتا۔

تَابُوْتٌ اسم ذات ہے۔صندوق۔آیت زیرِ مطالعہ۔ 462

ب ق ی

(س) **بَقَاءً** (۱) ہمیشہ رہنا۔(۲) باقی رہنا۔باقی بچنا۔دیر پا ہونا۔﴿ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ﴾ (55/الرحمٰن:27) ’’اور ہمیشہ رہے گا تیرے رب کا چہرہ یعنی اس کی ذات۔‘‘ ﴿ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا ﴾ (2/البقرہ:278) ’’اور تم لوگ چھوڑ دو اس کو جو باقی بچا سود میں سے۔‘‘

بَاقٍ اسم الفاعل ہے۔باقی رہنے والا۔﴿ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ﴾ (16/النحل:96) ’’جو تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔‘‘

اَبْقٰى افعل التفضیل ہے۔زیادہ باقی رہنے والا۔زیادہ دیر پا۔﴿ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴾ (20/طٰہٰ:127) ’’اور یقیناً آخرت کا عذاب زیادہ شدید ہے اور زیادہ دیر پا ہے۔‘‘

بَقِيَّةٌ اسم نسبت ہے۔باقی رہنے والی چیز۔ باقی ماندہ۔آیت زیرِ مطالعہ۔

(افعال) **اِبْقَاءً** باقی رہنے دینا۔ باقی چھوڑنا۔ ﴿ وَاَنَّهٗٓ اَهْلَكَ عَادَا ۨالْاُوْلٰى ۙ وَثَمُوْدَاۡ فَمَآ اَبْقٰى ۙ ﴾ (53/النجم:50۔51) ’’اور یہ کہ اس نے ہلاک کیا پہلی قومِ عاد کو اور ثمود کو تو باقی نہیں چھوڑا۔‘‘

ح م ل

(ض) **حَمْلًا** (۱) کسی چیز کو اپنے اوپر لادنا یعنی بوجھ اُٹھانا۔ ﴿ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا ﴾ (12/یوسف:36) ’’بیشک میں خواب دیکھتا ہوں کہ مَیں اُٹھاتا ہوں اپنے سر کے اُوپر کچھ روٹی۔‘‘

(۲) کسی چیز کو دوسرے پر لادنا یعنی بوجھ ڈالنا۔ ﴿ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ ﴾ (2/البقرہ:286) ’’اے ہمارے رب! اور تو بوجھ نہ ڈال ہم پر۔‘‘

(۳) کسی کو کسی چیز پر لادنا یعنی سوار کرنا یا سواری دینا۔ ﴿ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۠ ﴾ (9/التوبہ:92) ’’اور نہ ہی ان لوگوں پر (گناہ) ہے کہ جب وہ آئے آپؐ کے پاس تاکہ آپؐ ان کو سواری دیں تو آپؐ نے کہا کہ مَیں نہیں پاتا اس کو، مَیں سوار کروں تم کو جس پر۔‘‘

اِحْمِلْ فعل امر ہے۔تو بوجھ اُٹھا۔تو بوجھ ڈال۔ ﴿ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ ﴾ (11/ھود:40) ’’ہم نے کہا آپؐ سوار کریں اس میں ہر چیز، دو جوڑے۔‘‘

حَامِلٌ اسم الفاعل ہے۔ بوجھ اُٹھانے والا۔ ﴿ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ﴾ (29/العنکبوت:12) ’’حالانکہ وہ لوگ اُٹھانے والے نہیں ہیں ان کی خطاؤں میں سے کچھ بھی۔‘‘

حَمَّالٌ فَعَّالٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ بار بار بوجھ اُٹھانے والا۔ بوجھ ڈھونے والا۔ ﴿ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۚ ﴾ (111/اللھب:4) ’’اور اُس کی عورت، ایندھن ڈھونے والی۔‘‘

حَمُوْلٌ فَعُوْلٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔بہت زیادہ بوجھ اٹھانے والا۔ ﴿ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۭ ﴾ (6/الانعام:142) ’’اور مویشیوں میں کوئی بکثرت بوجھ اُٹھانے والا اور کوئی بچھا ہوا۔‘‘

حَمْلٌ ج اَحْمَالٌ۔ اسم ذات ہے۔کسی مادہ کے پیٹ کا حمل۔ ﴿ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۭ ﴾ (65/الطلاق:4) ’’اور حملوں والیاں، ان کی مدت ہے کہ وہ رکھ دیں اپنا حمل یعنی بچہ پیدا ہو جائے۔‘‘

حِمۡلٌ — اسم ذات ہے۔ بوجھ۔﴿ وَلِمَنۡ جَآءَ بِهٖ حِمۡلُ بَعِيۡرٍ ﴾ (12/یوسف:72)''اور جو لائے گا اس کو، اس کے لیے ایک اونٹ کا بوجھ ہے۔''

(تفعیل) تَحۡمِيۡلًا — (۱) کسی سے بوجھ اُٹھوانا۔ (۲) کسی کے لیے کوئی چیز لازم کرنا۔﴿ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلۡنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ﴾(2/البقرہ:286)''اے ہمارے رب اور تو ہم سے وہ بوجھ نہ اُٹھوا، طاقت نہیں ہے ہم میں جس کی۔''﴿ فَاِنَّمَا عَلَيۡهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيۡكُمۡ مَّا حُمِّلۡتُمۡ ؕ﴾ (24/النور:54)''پس کچھ نہیں سوائے اس کے کہ اس پر ہے وہ جو لازم کیا گیا (اس پر) اور تم لوگوں پر ہے وہ جو تم پر لازم کیا گیا۔''

(افتعال) اِحۡتِمَالًا — اہتمال سے لادنا۔﴿ وَ الَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ بِغَيۡرِ مَا اكۡتَسَبُوۡا فَقَدِ احۡتَمَلُوۡا بُهۡتَانًا وَّ اِثۡمًا مُّبِيۡنًا ؒ﴾ (33/الاحزاب:58)''اور جو لوگ اذیت دیتے ہیں مومنوں کو اور مومنات کو بغیر اس کے جو انہوں نے کمایا، تو انہوں نے اپنے اوپر لادا ہے ایک بہتان اور ایک کھلا گناہ۔''

ترکیب

اٰيَةَ مُلۡكِهٖ کی ضمیر طالوت کے لیے ہے اور یہ مرکب اضافی اِنَّ کا اسم ہے۔ اس لیے اس کا مضاف اٰيَةَ منصوب ہے۔ اور جملۂ فعلیہ اَنۡ يَّاۡتِيَكُمُ التَّابُوۡتُ، اِنَّ کی خبر ہے۔ سَكِيۡنَةٌ اور بَقِيَّةٌ مبتداء مؤخر نکرہ ہیں اور ان دونوں کی خبر مَوۡجُوۡدٌ محذوف ہے۔ تَحۡمِلُهُ کی ضمیر مفعولی التَّابُوۡتُ کے لیے ہے، جبکہ الۡمَلٰٓئِكَةُ اس کا فاعل ہے اور یہ پورا جملہ حال ہے۔ لَاٰيَةً مبتداء مؤخر نکرہ ہے اور اِنَّ کا اسم ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اس کی بھی خبر مَوۡجُوۡدٌ محذوف ہے۔

ترجمہ

وَقَالَ	لَهُمۡ	نَبِيُّهُمۡ	اِنَّ	اٰيَةَ مُلۡكِهٖۤ	اَنۡ	يَّاۡتِيَكُمُ
اور کہا	ان سے	ان کے نبی نے	بیشک	اس کی بادشاہت کی نشانی ہے	کہ	آئے گا تمہارے پاس

التَّابُوۡتُ	فِيۡهِ	سَكِيۡنَةٌ	مِّنۡ رَّبِّكُمۡ	وَبَقِيَّةٌ	مِّمَّا
تابوت	اس میں	اطمینان ہے	تمہارے رب (کی جانب) سے	اور باقی ماندہ ہے	اس میں سے جو

تَرَكَ	اٰلُ مُوۡسٰى	وَاٰلُ هٰرُوۡنَ	تَحۡمِلُهُ
چھوڑا	موسیٰؑ کے پیروکاروں نے	اور ہارونؑ کے پیروکاروں نے	اُٹھائے ہوئے ہوں گے اس کو

الۡمَلٰٓئِكَةُ ؕ	اِنَّ	فِىۡ ذٰلِكَ	لَاٰيَةً	لَّكُمۡ	اِنۡ	كُنۡتُمۡ
فرشتے	بیشک	اس میں	ایک نشانی ہے	تم لوگوں کے لیے	اگر	تم لوگ

مُّؤۡمِنِيۡنَ
ایمان لانے والے ہو

نوٹ۔1

سَكِيۡنَةٌ کا لفظ قرآن مجید میں چھ مقامات پر آیا ہے۔ وہ مقامات یہ ہیں۔ آیت زیرِ مطالعہ۔ 9/التوبہ:26۔40 اور 48/الفتح:4،18 اور 26 ان مقامات کے مطالعہ سے مجموعی تاثر یہ ملتا ہے کہ یہ ایک خاص قلبی کیفیت ہے اور اللہ تعالیٰ کا خصوصی عطیہ ہے۔ کیونکہ ہر مقام پر اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے۔

آیت نمبر (249)

462

﴿ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُو اللَّهِ كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ (249) ﴾

ج ن د

(x) x ثلاثی مجرد سے فعل استعمال نہیں ہوتا۔

جُنْدٌ — ج جُنُوْدٌ۔ اسم جمع ہے۔ فوج۔ لشکر۔ ﴿ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ (24) ﴾ (44/الدخان:24) ”بیشک وہ لوگ غرق کیا جانے والا ایک لشکر ہیں۔“ جمع کے لیے آیت زیرِ مطالعہ دیکھیں۔

غ ر ف

(ض) غَرْفًا — کسی چیز میں کوئی رقیق مادہ اُٹھانا یا بلند کرنا۔ جیسے چمچے وغیرہ میں شوربہ لینا یا چلو میں پانی اُٹھانا۔ یعنی لینا۔ بھرنا۔

غُرَفٌ اور غُرُوْفٌ — بلند مقام۔ بلند رُتبہ۔ ﴿ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ ﴾ (39/الزمر:20) ”لیکن جن لوگوں نے تقویٰ کیا اپنے رب کا، ان کے لیے ایک بلند مقام ہے۔“ ﴿ وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ (37) ﴾ (34/سبا:37) ”اور وہ لوگ بلند مقامات میں امن میں ہونے والے ہیں۔“

غُرْفَةٌ — (۱) کسی عمارت میں اوپر کا کمرہ۔ بالا خانہ ﴿ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ ﴾ (25/الفرقان:75) ”ان لوگوں کو جزاء میں دیا جائے گا بالا خانہ۔“

(۲) چلو۔ چلّو بھر پانی۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

(افتعال) اِغْتِرَافًا — اہتمام سے لینا۔ بھرنا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

ج و ز

(ن) جَوْزًا — کسی چیز کے وسط میں ہونا۔

(مفاعلہ) مُجَاوَزَةً — وسط سے آگے بڑھنا۔ گزرنا۔ دریا کے وسط سے گزرنا یعنی دریا پار کرنا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

(تفاعل) تَجَاوُزًا — کسی چیز سے آگے بڑھنا۔ نظر انداز کرنا۔ ﴿ وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ ﴾ (46/الاحقاف:16) ”اور ہم نظر انداز کریں گے ان کی برائیوں کو۔“

غ ل ب

(ض) غَلَبًا — کسی پر بالادستی حاصل کرنا۔ غالب آنا۔ ﴿ رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا ﴾ (23/المؤمنون:106) ”اے ہمارے رب! غلبہ پایا ہم پر ہماری بدبختی نے۔“

غُلِبَ — ماضی مجہول ہے۔ مغلوب ہونا۔ ﴿ غُلِبَتِ الرُّوْمُ (2) ﴾ (30/الروم:2) ”مغلوب ہوئے رومی۔“

غَلَبٌ — اسم ذات ہے۔ مغلوبی۔ ﴿ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ (3) ﴾ (30/الروم:3) ”اور وہ لوگ اپنی مغلوبی کے بعد غالب آئیں گے۔“

غَالِبٌ — اسم الفاعل ہے۔ غالب آنے والا۔ غلبہ پانے والا۔ ﴿فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ﴾ (5/المآئدہ:23) ’’پس جب تم لوگ داخل ہو گے اس میں تو یقیناً تم لوگ غلبہ پانے والے ہو۔‘‘

مَغْلُوْبٌ — اسم المفعول ہے۔جس پر غلبہ پایا گیا۔﴿فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ⑩﴾ (54/القمر:10) ’’تو انہوںؑ نے پکارا اپنے رب کو کہ میں مغلوب ہوں پس تو بدلہ لے۔‘‘

(س) غَلَبًا — موٹی گردن والا ہونا۔

اَغْلَبُ — ج غُلْبٌ۔ افعل الوان وعیوب ہے۔گنجان آبادی۔موٹے تنے والا درخت۔ ﴿وَّ حَدَآئِقَ غُلْبًا ﴾ (80/عبس:30) ’’اور باغات موٹے تنے والے درختوں کے۔‘‘

ف ء ی

(ف) فَاْيًا — کسی چیز کو پھاڑ دینا۔

فِئَةٌ — پھٹا ہوا ٹکڑا۔جماعت۔گروہ۔آیت زیرِ مطالعہ۔

ترکیب

مُبْتَلِيْكُمْ ، اِنَّ کی خبر ہے۔مَنْ شرطیہ ہے۔شَرِبَ مِنْهُ شرط ہے اور فَلَيْسَ مِنِّيْ جواب شرط ہے۔لَيْسَ کا اسم اس کی هُوَ کی ضمیر ہے،اس کی خبر محذوف ہے اور مِنِّيْ قائم مقام خبر ہے۔اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ کا استثناء لَمْ يَطْعَمْهُ سے ہے۔لَا طَاقَةَ

لَنَا کے بعد لِلْقِتَالِ محذوف ہے۔مُلٰقُوْا دراصل اسم الفاعل مُلٰقُوْنَ ہے۔مضاف ہونے کی وجہ سے نون اعرابی گرا ہے اور اس کے آگے الف کا اضافہ قرآن مجید کا مخصوص املاء ہے۔كَمْ خبریہ ہے اس لیے فِئَةٌ کا ترجمہ جمع میں ہوگا۔

ترجمہ

فَلَمَّا	فَصَلَ	طَالُوْتُ	بِالْجُنُوْدِ	قَالَ	اِنَّ اللّٰهَ
پھر جب	دور ہوا (یعنی روانہ ہوا)	طالوت	لشکروں کے ساتھ	تو اس نے کہا	بیشک اللہ

مُبْتَلِيْكُمْ	بِنَهَرٍ	فَمَنْ	شَرِبَ	مِنْهُ	فَلَيْسَ	مِنِّيْ
تم لوگوں کو آزمانے والا ہے	ایک نہر سے	پس جس نے	پیا	اس سے	تو وہ نہیں ہے	مجھ سے

وَمَنْ	لَّمْ يَطْعَمْهُ	فَاِنَّهٗ	مِنِّيْٓ	اِلَّا	مَنِ
اور جس نے	چکھا ہی نہیں اس کو	تو بیشک وہ ہے	مجھ سے	مگر یہ کہ	جس نے

اغْتَرَفَ	غُرْفَةً	بِيَدِهٖ	فَشَرِبُوْا	مِنْهُ
احتیاط سے بھرا	(صرف) ایک چلّو	اپنے ہاتھ سے	پھر ان لوگوں نے پیا	اس سے

اِلَّا	قَلِيْلًا	مِّنْهُمْ	فَلَمَّا	جَاوَزَهٗ	هُوَ
مگر	تھوڑوں نے	ان میں سے	پھر جب	اس نے پار کیا اس کو،	اس نے

وَالَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	مَعَهٗ	قَالُوْا	لَا طَاقَةَ
اور ان لوگوں نے جو	ایمان لائے	اس کے ساتھ،	تو ان لوگوں نے کہا	کوئی طاقت نہیں ہے

لَنَا	الْيَوْمَ	بِجَالُوْتَ	وَجُنُوْدِهٖ	قَالَ	الَّذِيْنَ
ہم میں (قتال کے لیے)	آج	جالوت سے	اور اس کے لشکروں سے	کہا	ان لوگوں نے جو

فِئَةٍ قَلِيلَةٍ	كَمْ مِّنْ	مُّلٰقُوا اللّٰهِ	اَنَّهُمْ	يَظُنُّوْنَ
چھوٹی جماعتیں	(کہ) کتنی ہی	اللہ سے ملاقات کرنے والے ہیں	کہ وہ لوگ	خیال کرتے تھے

مَعَ الصّٰبِرِيْنَ	وَاللّٰهُ	بِاِذْنِ اللّٰهِ	فِئَةً كَثِيْرَةً	غَلَبَتْ
ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہے	اور اللہ	اللہ کی اجازت سے	بڑی جماعتوں پر	غالب ہوئیں

نوٹ۔1

نہر سے پانی پینے پر پابندی لگا کر اسی آزمائش بنانے کی ایک وجہ یہ بھی سمجھ میں آتی ہے وہ اس طرح کچے اور پکے ایمان والوں کی چھانٹی مقصود تھی۔ کیونکہ حضرت طالوت کی فوج میں ہر طرح کے ایمان والے لوگ شامل تھے۔

یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے کہ کچے ایمان والوں کے لیے آزمائش اور سختی میں ثابت قدم رہنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ خاص طور سے میدانِ جنگ میں ایسے لوگ جلدی ہمت ہار دیتے ہیں اور راہِ فرار اختیار کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے فوج کا نظم بگڑ جاتا ہے اور ثابت قدم رہنے والوں کے لیے بھی جنگ جاری رکھنا ممکن نہیں رہتا۔ اس لیے کچے ایمان والوں کو پکے ایمان والوں سے الگ کر دیا گیا تا کہ میدانِ جنگ میں صرف وہ لوگ اُتریں جو صبر و استقامت کے ساتھ جنگ کریں۔

آج کے دور میں اس آیت میں ہمارے لیے راہنمائی یہ ہے کہ زندگی کے ہر میدان میں اور خاص طور سے میدانِ جنگ میں کامیابی کا انحصار افراد کی تعداد سے زیادہ ان کے LEVEL OF COMMITMENT پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اسی چیز کی قدر ہے۔ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ کا یہی مطلب ہے۔

آیت نمبر (250)

﴿وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٥٠﴾﴾

ب ر ز

(ن) بُرُوْزًا: صاف اور کھلی فضا میں نمودار ہونا۔ (۱) کہیں سے نکلنا۔ (۲) کسی کے سامنے آنا۔ ظاہر ہونا۔ ﴿فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ﴾ (4/النساء:81) ''پھر جب وہ لوگ نکلتے ہیں آپؐ کے پاس سے۔''

بَارِزٌ: اسم الفاعل ہے۔ نکلنے والا۔ ظاہر ہونے والا۔ ﴿يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ﴾ (40/المومن:16) ''جس دن وہ لوگ ظاہر ہونے والے ہیں۔''

بَارِزَةٌ: صاف اور کھلی ہونے والی۔ ﴿وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً﴾ (18/الکھف:47) ''اور تو دیکھے گا زمین کو صاف اور کھلی ہونے والی حالت میں۔''

(تفعیل) تَبْرِيْزًا: نکالنا۔ سامنے لانا۔ ظاہر کرنا۔ ﴿وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿٩١﴾﴾ (26/الشعراء:91) ''اور سامنے لائی جائے گی دوزخ گمراہوں کے لیے۔''

ف ر غ

(ن) **فَرَاغًا** کسی کام کو ختم کر کے خالی ہونا۔ فارغ ہونا۔ ﴿ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ﴾ (94/ الم نشراح: 7) ”پھر جب آپؐ فارغ ہوں تو آپ محنت کریں۔“

462

(ک) **فَرَاغَةً** بے چین ہونا۔ گھبرانا۔

فَارِغٌ اسم الفاعل ہے۔ فارغ ہونے والا۔ بے چین ہونے والا۔ ﴿ وَ اَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰی فٰرِغًا ﴾ (28/ القصص: 10) ”اور ہو گیا موسیٰؑ کی والدہ کا دِل بے چین ہونے والا۔“

(افعال) **اِفْرَاغًا** کسی برتن کا پانی گرا کر برتن کو خالی کرنا۔ اُنڈیلنا۔ ﴿ اٰتُوْنِیْٓ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا ﴾ (18/ الکھف: 96) ”تم لوگ لاؤ میرے پاس تو میں اُنڈیلوں اس پر تانبا۔“

اَفْرِغْ فعل امر ہے۔ تو اُنڈیل۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

ث ب ت

(ن) **ثُبُوْتًا** ایک حالت پر جمے رہنا۔ قائم رہنا۔

اُثْبُتْ فعل امر ہے۔ تو جما رہ۔ قائم رہ ﴿ اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا ﴾ (8/ الانفال: 45) ”جب بھی تم لوگ سامنے آؤ (مقابلہ کے لیے) کسی جماعت کے تو تم لوگ جمے رہو۔“

ثَابِتٌ اسم الفاعل ہے۔ جما رہنے والا۔ قائم رہنے والا۔ ﴿ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ ﴾ (14/ ابراہیم: 24) ”اس کی جڑ جمی رہنے والی ہے اور اس کی شاخ آسمان میں ہے۔“

(افعال) **اِثْبَاتًا** (۱) قائم رہنے دینا۔ (۲) ہلنے نہ دینا یعنی قید کرنا۔ ﴿ یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَ یُثْبِتُ ﴾ (13/ الرعد: 39) ”اللہ مٹاتا ہے جو وہ چاہتا ہے اور باقی رہنے دیتا ہے۔“ ﴿ وَ اِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ ﴾ (8/ الانفال: 30) ”اور جب سازش کرتے تھے آپؐ کے لیے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ وہ قید کریں آپؐ کو یا قتل کریں آپؐ کو یا نکالیں آپؐ کو۔“

(تفعیل) **تَثْبِیْتًا** جمے رہنے یا قائم رہنے کی صلاحیت دینا۔ جما دینا۔ قائم کرنا۔ ﴿ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ ﴾ (25/ الفرقان: 32) ”تاکہ ہم جما دیں اس سے آپؐ کے دِل کو۔“

ثَبِّتْ فعل امر ہے۔ تو جما دے۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

ترکیب

لَمَّا شرطیہ ہے۔ بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ شرط ہے اور قَالُوْا سے آخیر تک جواب شرط ہے۔ بَرَزُوْا اور قَالُوْا دونوں کے فاعل ان کی هُمْ کی ضمیریں ہیں جو گزشتہ آیت میں مذکور اَلَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ کے لیے ہیں۔

ترجمہ

وَلَمَّا	بَرَزُوْا	لِجَالُوْتَ	وَجُنُوْدِهٖ	قَالُوْا
اور جب	وہ لوگ سامنے آئے	جالوت کے	اور اس کے لشکروں کے	تو ان لوگوں نے کہا

رَبَّنَآ	اَفْرِغْ	عَلَیْنَا	صَبْرًا	وَّثَبِّتْ	اَقْدَامَنَا
اے ہمارے رب!	تو اُنڈیل دے	ہم پر	ثابت قدمی کو	اور تو جما دے	ہمارے قدموں کو

وَانْصُرْنَا	عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ 462
اور تو ہماری مدد کر	کافر قوم (کے مقابلہ) پر

آیت نمبر (251)

﴿فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ۫ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝۲۵۱﴾

ه ز م

(ض) هَزْمًا: کسی خشک چیز کو دبا کر توڑ دینا۔ شکستہ کرنا۔ شکست دینا۔ آیت زیر مطالعہ۔

مَهْزُوْمٌ: اسم المفعول ہے۔ شکست دیا ہوا۔ ﴿جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ﴾ (38/ص:11) ''ایک لشکر ہے جو وہاں شکست دیا جانے والا ہے۔''

د ف ع

(ف) دَفْعًا: (۱) کسی چیز کو ہٹانا۔ دور کرنا۔ (۲) کسی کو کسی چیز سے ہٹانا۔ بچانا۔ دفاع کرنا۔ (۳) کسی چیز کو کسی کی طرف ہٹانا یعنی دینا۔ حوالے کرنا۔ ﴿فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ؕ﴾ (4/النساء:6) ''جب تم لوگ ہٹاؤ ان کی طرف یعنی حوالے کرو ان کے، ان کے اموال تو گواہ بناؤ ان پر۔''

اِدْفَعْ: فعل امر ہے۔ مذکورہ تینوں معانی میں آتا ہے۔ (۱) ﴿وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾ (41/حٰمٓ السجدہ:34) ''اور برابر نہیں ہوتیں بھلائیاں اور نہ ہی برائیاں۔ تو دور کر (برائیوں کو) اس سے جو سب سے اچھی ہے۔''

(۲) ﴿وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ﴾ (3/آل عمران:167) ''اور کہا گیا ان سے کہ تم لوگ آؤ قتال کرو اللہ کی راہ میں یا دفاع کرو۔''

(۳) ﴿فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ﴾ (4/النساء:6) ''تو تم لوگ حوالے کرو ان کے، ان کے اموال۔''

دَافِعٌ: اسم الفاعل ہے۔ ہٹانے والا۔ بچانے والا۔ ﴿اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝۷ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝۸﴾ (52/الطور:7۔8) ''یقیناً تیرے رب کا عذاب ضرور واقع ہونے والا ہے اس سے کوئی بچانے والا نہیں ہے۔''

(مفاعلہ) مُدَافَعَةً اور دِفَاعًا: دفاع کرنا۔ بچانا۔ ہٹانا۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ﴾ (22/الحج:38) ''بے شک اللہ ہٹاتا ہے ان سے جو لوگ ایمان لائے۔''

ترکیب

فَهَزَمُوْا کا فاعل اس کی ھُمْ کی ضمیر ہے جو آیت نمبر 249 میں مذکور اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ کے لیے ہے۔ اس کے آگے ھُمْ ضمیر مفعولی ہے جو گزشتہ آیت میں لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ کے لیے ہے۔ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ میں اٰتٰى کا فاعل اَللّٰهُ ہے، اس میں ہُ کی ضمیر دَاوٗدُ کے لیے ہے اور یہ اس کا مفعول اوّل ہے، جبکہ اَلْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ مفعول ثانی ہیں۔ لَوْلَا شرطیہ ہے۔ دَفْعُ اللّٰهِ سے

بِبَعۡضٍ تک شرط ہی اور لَفَسَدَتِ الۡاَرۡضُ جواب شرط ہے۔ دَفۡعُ مصدر نے فعل کا کام کیا ہے اور اَلنَّاسَ اس کا مفعول ہے، جبکہ اَلنَّاسَ کا بدل ہونے کی وجہ سے بَعۡضَهُمۡ منصوب ہوا ہے۔ اَلۡعٰلَمِيۡنَ پر لام جنس ہے۔ 462

ترجمہ

فَهَزَمُوۡهُمۡ	بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۙ قف	وَقَتَلَ	دَاوٗدُ
تو ان لوگوں نے شکست دی ان لوگوں کو	اللہ کے اِذن سے	اور قتل کیا	داوٗد نے

جَالُوۡتَ	وَاٰتٰىهُ	اللّٰهُ	الۡمُلۡكَ	وَالۡحِكۡمَةَ	وَعَلَّمَهٗ
جالوت کو	اور دیا اس کو	اللہ نے	مُلک	اور دانائی	اور اس نے سکھایا اس کو

مِمَّا	يَشَآءُ ؕ	وَلَوۡلَا	دَفۡعُ اللّٰهِ	النَّاسَ
اس میں سے جس میں سے	اس نے چاہا	اور اگر نہ ہوتا	اللہ کا دفع کرنا	لوگوں کو،

بَعۡضَهُمۡ	بِبَعۡضٍ ۙ	لَّفَسَدَتِ الۡاَرۡضُ	وَلٰكِنَّ اللّٰهَ
ان کے بعض کو	بعض سے	تو بگڑ جاتی زمین (نظم کے توازن میں)	اور لیکن اللہ

ذُوۡ فَضۡلٍ	عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ
فضل (کرنے) والا ہے	تمام جہانوں پر

آیت نمبر (252)

﴿ تِلۡكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتۡلُوۡهَا عَلَيۡكَ بِالۡحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۲۵۲﴾ ﴾

ترکیب

تِلۡكَ مبتداء ہے اور مرکب اضافی اٰيٰتُ اللّٰهِ اس کی خبر ہے۔ نَتۡلُوۡهَا میں ھَا کی ضمیر مفعولی آیات کے لیے ہے۔

ترجمہ

تِلۡكَ	اٰيٰتُ اللّٰهِ	نَتۡلُوۡهَا	عَلَيۡكَ	بِالۡحَقِّ ؕ	وَاِنَّكَ
یہ	اللہ کی آیات ہیں	ہم پڑھ کر سناتے ہیں انہیں	آپؐ کو	حق سے	اور بیشک آپؐ

لَمِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ
بھیجے ہوؤں میں سے ہیں

آیت نمبر (253)

﴿ تِلۡكَ الرُّسُلُ فَضَّلۡنَا بَعۡضَهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ ۘ مِنۡهُمۡ مَّنۡ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعۡضَهُمۡ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيۡنَا
عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ الۡبَيِّنٰتِ وَاَيَّدۡنٰهُ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقۡتَتَلَ الَّذِيۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ مِّنۡۢ
بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخۡتَلَفُوۡا فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اٰمَنَ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ كَفَرَ ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا
اقۡتَتَلُوۡا ۟ قف وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفۡعَلُ مَا يُرِيۡدُ ﴿۲۵۳﴾ ع ﴾

ترکیب

تِلْكَ الرُّسُلُ مرکب اشاری ہے اور مبتداء ہے۔آگے پورا جملہ فَضَّلْنَا سے بَعْضٍ تک اس کی خبر ہے۔كَلَّمَ کا فاعل اَللّٰهُ ہے اور مِنْهُمْ مَّنْ اس کا مفعول ہے۔رَفَعَ کی ضمیر فاعلی اللہ کے لیے ہے اور بَعْضَهُمْ مفعول ہے جبکہ دَرَجٰتٍ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔اس کو تمیز ماننے کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ تمیز عموماً واحد نکرہ آتی ہے۔

اٰتَيْنَا کا مفعول اوّل عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ہے اس لیے ابْنَ منصوب ہے۔(دیکھیں آیت نمبر (2/البقرہ:87) نوٹ۔1) جبکہ الْبَيِّنٰتِ مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔یہ صفت ہے اور اس کا موصوف محذوف ہے۔اَيَّدْنٰهُ کی ضمیر مفعولی عیسیٰؑ کے لیے ہے۔بِرُوْحِ الْقُدُسِ میں الْقُدُسِ پر لام تعریف ہے جو کہ حضرت جبریلؑ کے لیے ہے۔مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ کے بعد كَانُوْا محذوف ہے۔مِنْ بَعْدِهِمْ میں هِمْ کی ضمیر الرُّسُلُ کے لیے ہے۔

ترجمہ

تِلْكَ الرُّسُلُ	فَضَّلْنَا	بَعْضَهُمْ	عَلٰی بَعْضٍ ۘ
یہ رسول،	ہم نے فضیلت دی ہے	ان کے بعض کو	بعض پر

مِنْهُمْ مَّنْ	كَلَّمَ	اللّٰهُ	وَرَفَعَ	بَعْضَهُمْ	دَرَجٰتٍ ؕ
ان میں وہ بھی ہیں جن سے	کلام کیا	اللہ نے	اور اس نے بلند کیا	ان کے بعض کو	درجات ہوتے ہوئے

وَاٰتَيْنَا	عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ	الْبَيِّنٰتِ	وَاَيَّدْنٰهُ
اور ہم نے دیا	عیسیٰؑ ابن مریم کو	واضح (معجزے)	اور ہم نے تقویت دی انؑ کو

بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ	وَلَوْ	شَآءَ	اللّٰهُ	مَا اقْتَتَلَ	الَّذِيْنَ
پاک روح سے	اور اگر	چاہتا	اللہ	تو آپس میں نہ لڑتے	وہ لوگ (جو تھے)

مِنْۢ بَعْدِهِمْ	مِّنْۢ بَعْدِ مَا	جَآءَتْهُمُ	الْبَيِّنٰتُ
ان (رسولوں) کے بعد	اس کے بعد کہ جو	آئیں ان کے پاس	واضح (نشانیاں)

وَلٰكِنِ	اخْتَلَفُوْا	فَمِنْهُمْ مَّنْ	اٰمَنَ
اور لیکن	ان لوگوں نے اختلاف کیا	تو ان میں وہ بھی ہیں جو	ایمان لائے

وَمِنْهُمْ مَّنْ	كَفَرَ ؕ	وَلَوْ	شَآءَ	اللّٰهُ
اور ان میں وہ بھی ہیں جنہوں نے	کفر کیا	اور اگر	چاہتا	اللہ

مَا اقْتَتَلُوْا ۣ	وَلٰكِنَّ اللّٰهَ	يَفْعَلُ	مَا	يُرِيْدُ
تو وہ لوگ آپس میں نہ لڑتے	اور لیکن اللہ	کرتا ہے	وہ جو	وہ چاہتا ہے

نوٹ۔1

آسان عربی گرامر میں آپ نے پڑھا تھا کہ عموماً غیر عاقل کی جمع مکسر کی صفت، خبر، اسم اشارہ اور ضمیر واحد مؤنث آتی ہے۔اسی کتاب میں آپ کو تاکید کی گئی تھی کہ جب بھی کوئی قاعدہ پڑھیں تو ذہن میں اس کے استثناء کے لیے ایک کھڑکی ہمیشہ کھلی رکھیں۔اب نوٹ کریں کہ گزشتہ آیت میں لفظ ''اٰيٰتٌ'' غیر عاقل کی جمع ہے لیکن مکسر نہیں بلکہ سالم ہے۔پھر بھی اس کے لیے اسم اشارہ تِلْكَ اور

ضمیر ھَا واحد مؤنث آئی ہے۔اسی طرح آیت زیرِ مطالعہ میں لفظ ''الرُّسُلُ'' جمع مکسر ہے لیکن غیر عاقل کی نہیں بلکہ عاقل کی جمع ہے۔ پھر بھی اس کے لیے اسم اشارہ تِلْكَ واحد مؤنث آیا ہے۔ اس حوالہ سے یہ اصول اب ذہن نشین کر لیں کہ استثناء سے کوئی قاعدہ ساقط نہیں ہوتا بلکہ ثابت ہوتا ہے۔ انگریزی کی معروف کہاوت کا بھی یہی مطلب ہے۔ EXCEPTION PROVES THE RULE (استثناء قاعدے کو ثابت کرتا ہے)۔

آیت نمبر (254)

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۵۴ ﴾

ب ی ع

(ض) بَيْعًا: فروخت کرنا۔ سودا کرنا۔

بَيْعٌ: اسم ذات بھی ہے۔ سودا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

بِيَعٌ: اسم ذات ہے۔ عبادت خانہ۔ معبد۔ ﴿ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ ﴾ (22/الحج:40) ''تو منہدم کیے جاتے گرجے اور عبادت خانے اور نمازیں اور مسجدیں۔''

(مفاعلہ) مُبَايَعَةً: (۱) کسی سودے کا معاہدہ کرنا۔ (۲) بیعت کرنا۔ ﴿ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ ﴾ (9/التوبہ: 111) ''پس تم لوگ خوشی مناؤ اپنے اس سودے پر تم نے معاہدہ کیا جس کا۔'' ﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ﴾ (48/الفتح:18) ''بیشک اللہ راضی ہوا ہے مومنوں سے جب وہ لوگ آپ کی بیعت کرتے تھے اس درخت کے نیچے۔''

(تفاعل) تَبَايُعًا: باہم خرید وفروخت کرنا۔ ﴿ وَاَشْهِدُوْۤا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ص ﴾ (2/البقرہ:282) ''اور تم لوگ گواہ بناؤ جب باہم خرید وفروخت کرو۔''

خ ل ل

(ن) خَلًّا: کسی چیز میں سوراخ کرنا۔

خَلٌّ: ج خِلَالٌ۔ اسم ذات بھی ہے۔ سوراخ۔ کسی چیز کے دو کناروں کا درمیانی فاصلہ۔ دراڑ۔ ﴿ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنْهٰرًا ﴾ (27/النمل:61) ''یا وہ جس نے بنایا زمین کو ٹھہرا ہوا اور بنایا اس کی دراڑوں کو نہریں۔''

خُلَّةٌ: ج خِلَالٌ۔ اسم ذات ہے۔ ایک طرح کی میٹھی گھاس (یعنی مٹھاس سوراخ کر کے گھاس کے اندر چلی جاتی ہے)۔ '' پھر استعارةً دوستی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ آیت زیرِ مطالعہ اور ﴿ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ۝۳۱ ﴾ (14/ابراہیم:31) ''کہ آئے وہ دن کوئی سودا نہیں ہے جس میں اور نہ ہی یارانے۔''

خَلِيْلٌ ج اَخِلَّاءُ۔ فَعِيْلٌ ك ے وزن پر صفت ہے۔قریبی دوست۔خاص دوست۔﴿وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴾ (4/النساء:125)''اور بنایا اللہ نے ابراہیمؑ کو دوست۔''462﴿اَلْاَخِلَّاۗءُ يَوْمَىِٕذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴾ (43/الزخرف:67)''سارے دوست اس دن ایک دوسرے کے دُشمن ہوں گے سوائے پرہیزگاروں کے۔''

ترکیب

فعل امر اَنْفِقُوْا کا فاعل اس میں اَنْتُمْ کی ضمیر ہے اور مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ اس کا مفعول ہے۔يَاْتِيَ کا فاعل يَوْمٌ ہے اور نکرہ مخصوصہ
ہے۔بَيْعٌ۔ خُلَّةٌ اور شَفَاعَةٌ مبتداءنکرہ ہیں کیونکہ قاعدہ بیان ہورہاہے اوران کی خبریں محذوف ہیں۔

ترجمہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْٓا	اَنْفِقُوْا	مِمَّا	رَزَقْنٰكُمْ
اے لوگو!جو	ایمان لائے	تم لوگ خرچ کرو	اس میں سے جو	ہم نے دیا تم کو

مِّنْ قَبْلِ	اَنْ	يَّاْتِيَ	يَوْمٌ	لَّا بَيْعٌ	فِيْهِ	وَلَا خُلَّةٌ
اس سے پہلے	کہ	آئے	وہ دن	کوئی سودا نہیں ہے	جس میں	اور نہ کوئی دوستی ہے

وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ	وَالْكٰفِرُوْنَ	هُمُ الظّٰلِمُوْنَ
اور نہ ہی کوئی شفاعت ہے	اور انکار کرنے والے	ہی ظالم ہیں

4487

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ البقرۃ (۲)

آیت نمبر (255)

﴿اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۚ اَلۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ ۬ۚ لَا تَاۡخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّ لَا نَوۡمٌ ؕ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَہٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِہٖ ؕ یَعۡلَمُ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ مَا خَلۡفَہُمۡ ۚ وَ لَا یُحِیۡطُوۡنَ بِشَیۡءٍ مِّنۡ عِلۡمِہٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ کُرۡسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ ۚ وَ لَا یَـُٔوۡدُہٗ حِفۡظُہُمَا ۚ وَ ہُوَ الۡعَلِیُّ الۡعَظِیۡمُ ﴿۲۵۵﴾﴾

و س ن

(س) سِنَۃً: اُونگھ آنا۔

سِنَۃٌ: اسم ذات بھی ہے۔ اُونگھ۔ غفلت۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

ن و م

(ف) نَوۡمًا: نیند کرنا۔ سونا۔

نَوۡمٌ: اسم ذات بھی ہے۔ نیند۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

نَآئِمٌ: اسم الفاعل ہے۔ نیند کرنے والا۔ سونے والا۔ ﴿فَطَافَ عَلَیۡہَا طَآئِفٌ مِّنۡ رَّبِّکَ وَ ہُمۡ نَآئِمُوۡنَ ﴿۱۹﴾﴾ (68/القلم:19) ''تو چکر لگا یا ایک آفت نے آپؐ کے رب کی طرف سے اس حال میں کہ وہ لوگ نیند کرنے والے تھے۔''

مَنَامٌ: مَفۡعَلٌ کے وزن پر اسم الظرف ہے۔ نیند کرنے یا سونے کی جگہ یا وقت۔ ﴿اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُکَ﴾ (37/الصافات:102) ''بیشک مَیں دیکھتا ہوں سونے کے وقت میں کہ مَیں تجھ کو ذبح کرتا ہوں۔''

ک ر س

(X) X: ثلاثی مجرد سے فعل استعمال نہیں ہوتا۔

(افعال) اِکۡرَاسًا: کسی چیز کو تہہ در تہہ جمانا۔ عمارت کی بنیاد کو ٹھونک ٹھونک کر پختہ کرنا۔

کُرۡسِیٌّ: بیٹھنے یا جمنے کی جگہ۔ کُرسی۔ تختِ حکومت۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

ء و د

(ن) اَوۡدًا: تھکانا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

ع ل و

(ن) عُلُوًّا: (۱) بلند ہونا۔ (۲) کسی چیز پر چڑھنا۔ چڑھائی کرنا۔ غالب ہونا۔ (۳) سرکشی کرنا۔ بغاوت کرنا۔ ﴿اَلَّا تَعۡلُوۡا عَلَیَّ وَ اۡتُوۡنِیۡ مُسۡلِمِیۡنَ ﴿۳۱﴾ؑ﴾ (27/النمل:31) ''کہ تم لوگ بلندمت ہو مُجھ سے اور تم لوگ آؤ میرے پاس فرمانبردار ہوتے ہوئے۔'' ﴿وَ لَعَلَا بَعۡضُہُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ ؕ﴾ (23/المؤمنون:91) ''اور ضرور چڑھائی کرتے ان کے بعض، بعض پر۔'' ﴿اِنَّ فِرۡعَوۡنَ عَلَا فِی الۡاَرۡضِ﴾ (28/القصص:4) ''بیشک فرعون نے سرکشی کی زمین میں۔''

عُلُوٌّ اسم ذات بھی ہے۔ بلندی۔ بڑائی۔ ﴿تِلۡكَ الدَّارُ الۡاٰخِرَةُ نَجۡعَلُهَا لِلَّذِيۡنَ لَا يُرِيۡدُوۡنَ عُلُوًّا فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فَسَادًا﴾ (28/القصص:83) ''یہ آخری گھر، ہم نے بنایا اس کو ان لوگوں کے لیے جو نہیں چاہتے بڑائی زمین میں اور نہ فساد۔''

اَعۡلٰى مؤنث عُلۡيَا۔ اَفۡعَلُ اور فُعۡلٰى کے وزن پر اسم التفضیل ہے۔ زیادہ بلند۔ سب سے بلند۔ غالب۔ جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو مطلب ہوتا ہے انتہائی بلند۔ مطلق بلند۔ ﴿لَا تَخَفۡ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡاَعۡلٰى ۝۶۸﴾ (20/طٰہٰ:68) ''تو مت ڈر بیشک تو غالب ہے۔'' ﴿سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّكَ الۡاَعۡلَى ۝۱﴾ (87/الاعلیٰ:1) ''تو تسبیح کر اپنے بلند رب کے نام کی۔'' ﴿وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِىَ الۡعُلۡيَا﴾ (9/البقرہ:40) ''اور اللہ کا فرمان ہی بلند ہے۔''

عَالٍ اسم الفاعل ہے۔ صفت کے طور پر بھی آتا ہے۔ بلند ہونے والا یعنی بلند۔ ﴿فِىۡ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝۲۲﴾ (69/الحاقۃ:22) ''ایک بلند باغ میں۔'' ﴿عٰلِيَهُمۡ ثِيَابُ سُنۡدُسٍ﴾ (76/الدھر:21) ''چڑھنے والا ہے ان پر ایک باریک ریشم کا کپڑا۔'' ﴿وَاِنَّ فِرۡعَوۡنَ لَعَالٍ فِى الۡاَرۡضِ﴾ (10/یونس:83) ''اور بیشک فرعون سرکشی کرنے والا ہے زمین میں۔''

عَلِىٌّ فَعِيۡلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ ہمیشہ اور ہر حال میں بلند۔ بالاتر۔ آیت زیر مطالعہ۔

عِلِّىٌّ اسم ذات ہے۔ بلندی۔ ﴿اِنَّ كِتٰبَ الۡاَبۡرَارِ لَفِىۡ عِلِّيِّيۡنَ ۝۱۸﴾ (83/المطففین:18) ''یقیناً نیکی کرنے والوں کی کتاب بلندیوں میں ہے۔''

(تفاعل) **تَعَالٍ** دوسروں سے بلند ہونا۔ ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ۝۱۹۰﴾ (7/الاعراف:190) ''تو بلند ہوا اللہ اس سے جو یہ لوگ شرک کرتے ہیں۔''

تَعَالَ ج تَعَالَوۡا۔ فعل امر ہے۔ تو بلند ہو۔ تو اُٹھ۔ پھر زیادہ تر ''تو آ'' کے معنی میں آتا ہے۔ ﴿تَعَالَوۡا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمۡ﴾ (3/آل عمران:64) ''تم لوگ آؤ ایک ایسے کلمے کی طرف جو برابر ہے ہمارے اور تمہارے مابین۔''

مُتَعَالٍ اسم الفاعل ہے۔ صفت کے طور پر بھی آتا ہے۔ دوسروں سے بلند ہونے والا۔ یعنی دوسروں سے بلند۔ ﴿عٰلِمُ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ الۡكَبِيۡرُ الۡمُتَعَالِ ۝۹﴾ (13/الرعد:9) ''حاضر اور غیب کا جاننے والا جو ہمیشہ بڑا ہے، سب سے بلند ہے۔''

(استفعال) **اِسۡتِعۡلَاءً** بلندی یا غلبے کی کوشش کرنا یعنی بلند ہونا۔ غالب ہونا۔ ﴿وَقَدۡ اَفۡلَحَ الۡيَوۡمَ مَنِ اسۡتَعۡلٰى ۝۶۴﴾ (20/طٰہٰ:64) ''اور اس نے مُراد پالی ہے آج جو غالب ہوا۔''

ترکیب

اَللّٰهُ مبتداء اور اس کے آگے لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ پورا جملہ اس کی خبر ہے، جبکہ اس جملہ میں لَآ اِلٰهَ مبتداء ہے، اس کی خبر مَوۡجُوۡدٌ محذوف ہے اور اِلَّا هُوَ متعلق خبر ہے۔ اَلۡحَىُّ اور اَلۡقَيُّوۡمُ مبتداء اَللّٰهُ کا بدل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہیں۔ اور ان پر لام جنس ہے۔ لَا تَاۡخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوۡمٌ پورا جملہ اَللّٰهُ کی صفت ہے۔ اس جملہ میں لَا تَاۡخُذُ فعل ہے، هٗ اس کی ضمیر مفعولی ہے، جبکہ سِنَةٌ اور نَوۡمٌ اس کے فاعل ہیں۔ مَا مبتداء ہے، اس کی خبر مَوۡجُوۡدٌ، محذوف ہے اور فِى السَّمٰوٰتِ اور فِى الۡاَرۡضِ قائم مقام خبر ہیں۔ پھر یہ دونوں جملے مبتداء مؤخر ہیں، ان کی خبر ثَابِتٌ محذوف ہے جبکہ لَهٗ قائم مقام خبر مقدم ہے، اور اس پر لام تملیک لگا ہوا ہے۔ يَعۡلَمُ کا فاعل اس میں هُوَ کی ضمیر ہے جو اَللّٰهُ کے لیے ہے، مَا اس کا مفعول ہے جبکہ بَيۡنَ اور خَلۡفَ ظرف

ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔ کُرْسِیُّہٗ مرکب اضافی ہے اور وَسِعَ کا فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے، جبکہ اَلسَّمٰوٰتِ اور اَلْاَرْضَ، دونوں اس کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔ یَئُوْدُہٗ کا فاعل حِفْظُھُمَا ہے۔ سَمٰوٰتِ ایک جنس ہے اور ارض دوسری جنس ہے، اس لیے تثنیہ کی ضمیر ھُمَا آئی ہے۔

ترجمہ

اَللّٰہُ	لَآ اِلٰہَ	اِلَّا	ھُوَ	اَلْحَیُّ
اللہ	کسی قسم کا کوئی اِلٰہ نہیں ہے	سوائے اس کے کہ	وہ ہے	جو (حقیقتاً) زندہ ہے

الْقَیُّوْمُ	لَا تَاْخُذُہٗ	سِنَۃٌ	وَّلَا نَوْمٌ
جو (حقیقی) نگران وکفیل ہے	نہیں پکڑتی اس کو	کوئی اُونگھ	اور نہ کوئی نیند

لَہٗ	مَا	فِی السَّمٰوٰتِ	وَمَا	فِی الْاَرْضِ
اس کی ہی (ملکیت) ہے	وہ جو ہے	آسمانوں میں	اور وہ جو ہے	زمین میں

مَنْ ذَا الَّذِیْ	یَشْفَعُ	عِنْدَہٗٓ	اِلَّا	بِاِذْنِہٖ
کون ہے وہ جو	شفاعت کرے	اس کے پاس	مگر	اس کی اجازت سے

یَعْلَمُ	مَا	بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ	وَمَا	خَلْفَھُمْ
وہ جانتا ہے	اس کو جو	ان کے آگے ہے	اور اس کو جو	ان کے پیچھے ہے

وَلَا یُحِیْطُوْنَ	بِشَیْءٍ	مِّنْ عِلْمِہٖٓ	اِلَّا
اور وہ احاطہ نہیں کرتے	کسی چیز کا	اس کے علم میں سے	مگر

بِمَا	شَآءَ	وَسِعَ	کُرْسِیُّہُ	السَّمٰوٰتِ
اس کا جو	وہ چاہے	کشادہ ہوا	اس کا تختِ حکومت	آسمانوں میں

وَالْاَرْضَ	وَلَا یَئُوْدُہٗ	حِفْظُھُمَا	وَھُوَ
اور زمین میں	اور نہیں تھکاتا اس کو	ان دونوں کی حفاظت کرنا	اور وہ

الْعَلِیُّ	الْعَظِیْمُ
بالاتر ہے	عظیم ہے

نوٹ۔1

تفسیر ابن کثیر میں متعدد احادیث دی ہوئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب سے زیادہ عظمت والی آیت ہے۔ ہر نماز کے بعد اور رات کو سوتے وقت اس کو پڑھ لینے سے انسان شیاطین جن وانس سے محفوظ رہتا ہے۔

آیت نمبر (256)

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ
اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٥٦﴾﴾

487

غ و ی

(ض) **غَیًّا** صحیح راستے سے بھٹک جانا۔گمراہ ہونا۔﴿ وَعَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی ﴾ (20/طٰہٰ:121)''اور کہنا نہ مانا آدمؑ نے اپنے رب کا تو وہ بھٹکے۔''

غَیٌّ اسم ذات بھی ہے۔گمراہی۔آیت زیرِ مطالعہ۔

غَاوٍ فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔گمراہ ہونے والا۔﴿ وَ الشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴾ (26/الشعراء:224)''اور شاعر لوگ، ان کی پیروی کرتے ہیں گمراہ ہونے والے۔''

غَوِیٌّ فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔گمراہ۔﴿ اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ ﴾ (28/القصص:18)''بیشک تو کھلا گمراہ ہے۔''

(افعال) **اِغْوَاءً** راستے سے بہکا دینا۔گمراہ کرنا۔﴿ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَغْوَیْنَا ﴾ (28/القصص:63) ''اے ہمارے رب! یہ لوگ ہیں جن کو ہم نے گمراہ کیا۔''

ع ر و

(ن) **عَرْوًا** کسی کے سامنے آنا۔لاحق ہونا۔

عُرْوَةٌ اسم ذات ہے۔کسی چیز کو تھامنے یا لینے کا ذریعہ۔جیسے پانی کے جگ کا دستہ، دروازے کا کنڈا، رسی کی گرہ وغیرہ۔آیت زیرِ مطالعہ۔

(افتعال) **اِعْتِرَاءً** اہتمام سے لاحق ہونا۔﴿ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ﴾ (11/ھود:54)''ہم نہیں کہتے مگر یہ کہ تجھ کو لاحق ہوا ہمارے خداؤں کا کوئی بری طرح۔''

ف ص م

(ض) **فَصْمًا** توڑنا۔کاٹنا۔

(انفعال) **اِنْفِصَامًا** ٹوٹنا۔کٹنا۔آیت زیرِ مطالعہ۔

ترکیب

لَآ اِكْرَاهَ مبتداء ہے، اس کی خبر مَوْجُوْدٌ محذوف ہے اور فِی الدِّیْنِ قائم مقام خبر ہے۔تَبَیَّنَ کا فاعل الرُّشْدُ ہے۔مَنْ شرطیہ ہے۔یَّكْفُرْ سے بِاللّٰهِ تک شرط ہے اور فَقَدِ سے لَهَا تک جواب شرط ہے۔لَا انْفِصَامَ مبتداء ہے، اس کی خبر محذوف ہے اور لَهَا قائم مقام خبر ہے۔

ترجمہ

مِنَ الْغَیِّ	الرُّشْدُ	قَدْ تَّبَیَّنَ	فِی الدِّیْنِ	لَآ اِكْرَاهَ
گمراہی سے	ہدایت	واضح ہوگئی ہے	دین میں	کسی قسم کا کوئی جبر نہیں ہے

بِاللّٰهِ	وَیُؤْمِنْۢ	بِالطَّاغُوْتِ	فَمَنْ یَّكْفُرْ
اللہ (کی اطاعت) پر	اور ایمان لاتا ہے	طاغوت کا	پس جو انکار کرتا ہے

لَهَا	لَا انْفِصَامَ	بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی	فَقَدِ اسْتَمْسَكَ
اس کو	کسی طرح ٹوٹنا نہیں ہے	انتہائی مضبوط کنڈے سے	تو وہ چمٹا ہے

عَلِیْمٌ	سَمِیْعٌ	وَاللّٰهُ
جاننے والا ہے	سننے والا ہے	اور اللہ

نوٹ۔1

لَاۤ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو اسلام میں داخل کرنے کے لیے زبردستی نہیں کی جائے گی۔ لیکن جو بھی اسلام میں داخل ہوگا اس پر اسلامی ہدایات پر عمل کرنا ضروری ہوگا اور نہ کرنے پر وہ سزا کا مستحق ہوگا، جبکہ ایک غیر مسلم اُس سزا سے مستثنٰی ہوگا۔ اسلامی حکومت میں ملکی قوانین کی پابندی مسلم غیر مسلم، دونوں کے لیے یکساں ہوگی اور اس پہلو سے ان کے مابین کوئی امتیاز (DISCRIMINATION) نہیں ہوگا۔

آیت نمبر (257)

﴿ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۙ یُخۡرِجُہُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ۬ؕ وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَوۡلِیٰٓـُٔہُمُ الطَّاغُوۡتُ ۙ یُخۡرِجُوۡنَہُمۡ مِّنَ النُّوۡرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۵۷﴾ ﴾

ترکیب

اَللّٰہُ مبتداء ہے۔ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صلہ موصول مل کر خبر اوّل ہے، جبکہ یُخۡرِجُہُمۡ سے اِلَی النُّوۡرِ تک پورا جملہ خبر ثانی ہے۔ اَلطَّاغُوۡتُ یہاں جمع کے معنی میں آیا ہے اس لیے اَوۡلِیَاءُ اور یُخۡرِجُوۡنَ جمع آئے ہیں۔

ترجمہ

مِّنَ الظُّلُمٰتِ	یُخۡرِجُہُمۡ	اٰمَنُوۡا ۙ	وَلِیُّ الَّذِیۡنَ	اَللّٰہُ
اندھیروں سے	وہ نکالتا ہے ان کو	ایمان لائے	ان لوگوں کا دوست ہے جو	اللہ

الطَّاغُوۡتُ ۙ	اَوۡلِیٰٓـُٔہُمُ	کَفَرُوۡۤا	وَالَّذِیۡنَ	اِلَی النُّوۡرِ ۬ؕ
طاغوت	ان کے دوست ہیں	کفر کیا	اور جنہوں نے	نور کی طرف

اُولٰٓئِکَ	اِلَی الظُّلُمٰتِ ؕ	مِّنَ النُّوۡرِ	یُخۡرِجُوۡنَہُمۡ
وہ لوگ	اندھیروں کی طرف	نور سے	وہ لوگ نکالتے ہیں ان کو

خٰلِدُوۡنَ	فِیۡہَا	ہُمۡ	اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ
ہمیشہ رہنے والے ہیں	اس میں	وہ لوگ	آگ کے ساتھی ہیں

نوٹ۔1

اِس آیت میں نور اور ظلمات، ہدایت اور گمراہی کے لیے استعارے ہیں۔ ہدایت ایک ہی ہوتی ہے اس لیے نور واحد آیا ہے، جبکہ گمراہی کی متعدد صورتیں ہوتی ہیں اس لیے ظلمات جمع آیا ہے۔

آیت نمبر (258)

﴿ اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡ حَآجَّ اِبۡرٰہٖمَ فِیۡ رَبِّہٖۤ اَنۡ اٰتٰىہُ اللّٰہُ الۡمُلۡکَ ۘ اِذۡ قَالَ اِبۡرٰہٖمُ رَبِّیَ الَّذِیۡ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحۡیٖ وَ اُمِیۡتُ ؕ قَالَ اِبۡرٰہٖمُ فَاِنَّ اللّٰہَ یَاۡتِیۡ بِالشَّمۡسِ مِنَ الۡمَشۡرِقِ فَاۡتِ بِہَا مِنَ الۡمَغۡرِبِ فَبُہِتَ الَّذِیۡ کَفَرَ ؕ وَ اللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۲۵۸﴾ ج ﴾

ب ھ ت

(ف) بَہۡتًا حیران کر دینا۔ ششدر کر دینا۔ ﴿ بَلۡ تَاۡتِیۡہِمۡ بَغۡتَۃً فَتَبۡہَتُہُمۡ ﴾ (21/الانبیاء:40) ”بلکہ وہ یعنی آگ آئے گی ان کے پاس اچانک تو وہ ششدر کر دے گی ان کو۔“

بُهْتَانٌ فُعْلَانٌ کے وزن پر مبالغہ ہے۔ انتہائی حیران وششدر کرنے والا۔ پھر اصطلاحاً ایسے جھوٹ اور جھوٹے الزام کے لیے آتا ہے جسے سُن کر انسان ششدر اور دم بخود رہ جائے۔ 487 ﴿هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿١٦﴾﴾ (24/النور:16) ''یہ ایک عظیم جھوٹا الزام ہے۔''

ترکیب

اَنْ سے پہلے بَاسببیہ محذوف ہے۔ اٰتٰىهُ میں ضمیر مفعولی اَلَّذِىْ کے لیے ہے جبکہ اَلْمُلْكَ مفعول ثانی ہے، فَاِنَّ میں فَ کا مفہوم ہے 'اچھا تو پھر'۔ بُهِتَ ماضی مجہول ہے۔ اس سے پہلے كَ ذٰلِكَ محذوف ہے۔

ترجمہ

اَلَمْ تَرَ	اِلَى الَّذِىْ	حَآجَّ	اِبْرٰهٖمَ
کیا تونے غور ہی نہیں کیا	اس (کی حالت) کی طرف جس نے	بحث کی	ابراہیمؑ سے

فِىْ رَبِّهٖٓ	اَنْ	اٰتٰىهُ	اللّٰهُ	الْمُلْكَ ۘ
ان کے رب (کے بارے) میں	(اس سبب سے) کہ	دی اس کو	اللہ نے	بادشاہت

اِذْ قَالَ	اِبْرٰهٖمُ	رَبِّىَ الَّذِىْ	يُحْىٖ	وَيُمِيْتُ ۙ
جب کہا	ابراہیمؑ نے	میرا رب وہ ہے جو	زندگی دیتا ہے	اور موت دیتا ہے

قَالَ	اَنَا	اُحْىٖ	وَاُمِيْتُ ؕ	قَالَ	اِبْرٰهٖمُ
اس نے کہا	میں (بھی)	زندگی دیتا ہوں	اور موت دیتا ہوں	کہا	ابراہیمؑ نے

فَاِنَّ	اللّٰهَ	يَاْتِىْ	بِالشَّمْسِ	مِنَ الْمَشْرِقِ	فَاْتِ
(اچھا تو) پھر یقیناً	اللہ	لاتا ہے	سورج کو	مشرق سے	پس تو لا

بِهَا	مِنَ الْمَغْرِبِ	فَبُهِتَ	الَّذِىْ
اس کو	مغرب سے	پس (اس طرح) ششدر رہ گیا	وہ جس نے

كَفَرَ ؕ	وَاللّٰهُ	لَا يَهْدِى	الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ
انکار کیا	اور اللہ	ہدایت نہیں دیتا	ظالم قوم کو

نوٹ۔1 اُستادِ محترم پروفیسر حافظ احمد یار صاحب مرحوم نے نشاندہی کی ہے کہ لفظ ابراہیم سورہ بقرہ میں ''ی'' کے بغیر یعنی اِبْرٰهٖمَ لکھا گیا ہے جبکہ باقی قرآن میں مجید میں اسے ''ی'' کے ساتھ یعنی اِبْرٰهِيْمَ لکھا گیا ہے۔

آیت نمبر(259)

﴿اَوْ كَالَّذِىْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْىٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ
اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ
عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى
الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ
قَدِيْرٌ ﴿٢٥٩﴾﴾

خ و ی

487

(ض) خَوَاءً اوندھا ہونا۔منہدم ہونا۔

خَاوِيَةٌ اسم الفاعل خَاوٍ کا مؤنث ہے۔اوندھی ہونے والی یعنی اوندھی۔آیت زیرِ مطالعہ۔

ع ر ش

(ض) عَرْشًا کسی چیز پر چھپر یا چھت ڈالنا۔﴿وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ وَ مَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ﴾ (7/الاعراف:137)''اورہم نے برباد کیا اس کو جو بنایا کرتے تھے فرعون اور اس کی قوم،اور اس کو جو وہ لوگ چھت ڈالا کرتے تھے۔''

عَرْشٌ ج عُرُوْشٌ۔ اسم ذات ہے۔چھپر۔چھت۔تخت۔(کیونکہ یہ زمین سے اونچا ہوتا ہے)۔﴿وَ رَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ﴾ (12/یوسف:100)''اور اس نے اُٹھایا اپنے والدین کو تخت پر۔''﴿وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ﴾ (9/التوبۃ:129)''اور وہ عظیم عرش کا مالک ہے۔''

مَعْرُوْشٌ اسم المفعول ہے۔ چھپر یا چھت ڈالا ہوا۔ ﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّ غَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ﴾ (6/الانعام:141)''اور وہ ہے جس نے پیدا کیا باغات کو،چھپر ڈالے ہوئے اور بغیر چھپر ڈالتے ہوئے۔''

ل ب ث

(س) لَبْثًا کسی جگہ قیام کرنا۔ٹھہرنا۔آیت زیرِ مطالعہ۔

لَابِثٌ اسم الفاعل ہے۔ٹھہرنے والا۔﴿لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا﴾ (78/النبا:23)''قیام کرنے والے ہیں اس میں مدتوں۔''

(تفعّل) تَلَبُّثًا بتکلّف ٹھہرنا یعنی دیر کرنا۔﴿وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا﴾ (33/الاحزاب:14)''تو وہ لوگ دیر نہیں کریں گے اس میں مگر تھوڑی سی۔''

س ن ہ

(س) سَنَهًا بہت سالوں والا ہونا۔متغیر ہونا۔بگڑ جانا۔(مدت گزرنے کی وجہ سے)

(تفعّل) تَسَنُّهًا متغیر ہونا۔خراب ہونا۔آیت زیرِ مطالعہ۔

ح م ر

(ن) حَمْرًا کھال کھرچنا(جس سے سرخی ظاہر ہو جائے)

اَحْمَرُ مؤنث حَمْرَاءُ ج حُمْرٌ۔ اَفْعَل الوان وعیوب ہے،سرخ رنگ والا۔﴿وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّ حُمْرٌ﴾ (35/فاطر:27)''اور پہاڑوں میں سرخ وسفید راستے ہیں۔''

حِمَارٌ ج حُمُرٌ اور حَمِيْرٌ۔ اسم ذات ہے۔گدھا۔﴿كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ﴾ (74/المدثر:50)''گویا کہ وہ لوگ بدکے ہوئے گدھے ہیں۔''﴿اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ﴾ (31/لقمان:19)''بیشک سب سے بُری آواز گدھوں کی آواز ہے۔''

ن ش ز

(ن) نَشْزًا کسی چیز کا اپنی جگہ سے اُبھرنا۔اوپر اٹھنا۔

نُشُوْزًا بدخو یا بدکلام ہونا۔زیادتی کرنا۔

اُنْشُزْ فعل امر ہے۔تو اُبھر۔تو اُٹھ۔﴿وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا﴾ (58/المجادلہ:11)''اور جب کہا جائے کہ تم لوگ اُٹھو تو تم لوگ اُٹھ جاؤ۔''

نُشُوْزٌ	اسم ذات ہے۔ بدخوئی۔ زیادتی۔ ﴿وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا﴾ (4/النساء:128) ’’اور اگر کسی عورت کو خوف ہو اپنے شوہر سے زیادتی کا۔‘‘	
اِنْشَازًا	کسی کو اس کی جگہ سے اُٹھانا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔	(افعال)

ترکیب

اَوْ گزشتہ آیت کے اَلَمْ تَرَ پر عطف ہے۔ پورا جملہ اس طرح ہوگا۔ اَوْ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ كَانَ كَالَّذِیْ۔ وَهِیَ کا واؤ حالیہ ہے۔ یُحْیٖ کا مفعول هٰذِهٖ ہے۔ مِائَةَ عَامٍ ظرف ہے اس لیے مِائَةَ منصوب ہے۔ كَمْ لَبِثْتَ میں كَمْ کی تمیز محذوف ہے جو یَوْمًا یا عَامًا ہو سکتی ہے۔ طعام اور شراب کے لیے کے لیے تثنیہ کا صیغہ آنا چاہیے تھا لیکن لَمْ یَتَسَنَّهْ واحد آیا ہے اس کی وضاحت آگے نوٹ میں کی جائے گی۔ اور یہ دراصل یَتَسَنَّهُ تھا جو لَمْ کی وجہ سے مجزوم ہوا ہے۔ لِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ درمیان میں جملۂ معترضہ ہے۔ اِلَى الْعِظَامِ گزشتہ جملہ کے حِمَارِكَ پر عطف ہے۔ نُنْشِزُهَا اور نَكْسُوْهَا کی ضمیر مفعولی اَلْعِظَامِ کے لیے ہیں جبکہ نَكْسُوْ کا مفعول ثانی لَحْمًا ہے اور نَحْنُ ضمیر جو ان میں چھپی ہوئی ہے، ان کی فاعل ہے جو اللہ کے لیے ہے۔

ترجمہ

اَوْ	كَالَّذِیْ	مَرَّ	عَلٰى قَرْیَةٍ	وَّ	هِیَ	خَاوِیَةٌ
یا	اس کی مانند جو	گزرا	ایک بستی پر	اس حال میں کہ	وہ	اوندھی تھی

عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ	قَالَ	اَنّٰى	یُحْیٖ	هٰذِهِ	اللّٰهُ
اپنی چھتوں پر	اس نے کہا	کس طرح سے	زندہ کرے گا	اس کو	اللہ

بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ	فَاَمَاتَهُ	اللّٰهُ	مِائَةَ عَامٍ	ثُمَّ
اس کی موت کے بعد	تو موت دی اس کو	اللہ نے	ایک سو سال (کے لیے)	پھر

بَعَثَهٗ ؕ	قَالَ	كَمْ	لَبِثْتَ ؕ	قَالَ	لَبِثْتُ
اس نے اُٹھایا اس کو	(اللہ نے) کہا	کتنا (عرصہ)	تو ٹھہرا	اس نے کہا	میں ٹھہرا

یَوْمًا	اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ	قَالَ	بَلْ	لَّبِثْتَ	مِائَةَ عَامٍ
ایک دن	یا ایک دن کا کچھ (حصہ)	(اللہ نے) کہا	بلکہ	تو ٹھہرا	ایک سو سال

فَانْظُرْ	اِلٰى طَعَامِكَ	وَشَرَابِكَ	لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ
پس تو دیکھ	اپنی خوراک کی طرف	اور اپنی پینے کی چیز کی طرف	وہ متغیر ہی نہیں ہوئی

وَانْظُرْ	اِلٰى حِمَارِكَ	وَلِنَجْعَلَكَ	اٰیَةً
اور تو دیکھ	اپنے گدھے کی طرف	اور (یہ) اس لیے کہ ہم بنائیں تجھ کو	ایک نشانی

لِّلنَّاسِ	وَانْظُرْ	اِلَى الْعِظَامِ	كَیْفَ	نُنْشِزُهَا	ثُمَّ
لوگوں کے لیے	اور تو دیکھ	ہڈیوں کی طرف	کیسے	ہم اُٹھاتے ہیں ان کو	پھر

نَكۡسُوۡهَا	لَحۡمًا	فَلَمَّا	تَبَيَّنَ	لَهٗ	487 قَالَ
ہم پہناتے ہیں ان کو	گوشت	پس جب	واضح ہوا	اس کے لیے	تو اس نے کہا

اَعۡلَمُ	اَنَّ اللّٰهَ	عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ	قَدِيۡرٌ
میں جانتا ہوں	کہ اللہ	ہر چیز پر	قدرت رکھنے والا ہے

نوٹ۔1

اُردو میں ہم کہتے ہیں ''دودھ اور دہی کا ذائقہ خراب نہیں ہوا''۔ حالانکہ گرامر کے لحاظ سے کہنا چاہیے تھا ''ذائقے خراب نہیں ہوئے''۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بات کہنے کا یہ انداز عربی سے لیا گیا ہے۔کیونکہ عربی میں کبھی واحد بول کر تثنیہ اور کبھی تثنیہ بول کر واحد مراد لیتے ہیں۔اس آیت میں بھی یہی انداز ہے کہ لَمۡ يَتَسَنَّهۡ واحد بول کر تثنیہ مراد لیا گیا ہے۔

اِس حوالے سے آسان عربی گرامر کے ''ابتدائیہ'' میں بتائی گئی اس بات کو ذہن میں تازہ کرلیں کہ زبان پہلے وجود میں آتی ہے اور قواعد بعد میں مرتب کیے جاتے ہیں۔اس لیے گرامر اہلِ زبان کے تابع ہوتی ہے لیکن اہلِ زبان گرامر کے پابند نہیں ہوتے۔

نوٹ۔2

يَتَسَنَّهۡ کے مادے کے بارے میں اختلافِ رائے ہے۔ایک رائے یہ ہے کہ اس کا مادہ ''س ن ھ'' ہے۔حافظ احمد یار صاحب مرحوم نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے اور ہم نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ اس کا مادہ ''س ن ن'' ہے۔باب تفعّل میں اس کا مضارع يَتَسَنَّنُ بنتا ہے۔یہ قاعدہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ کس لفظ میں ایک ہی حرف دو دفعہ آجائے تو عام طور پر ان کا ادغام کردیتے ہیں۔اب یہ قاعدہ بھی نوٹ کرلیں کہ ایک ہی حرف اگر تین دفعہ آجائے تو پہلے دو حروف کا ادغام کرکے تیسرے حرف کو ''ی'' میں تبدیل کرسکتے ہیں یعنی یہ قاعدہ اختیاری ہے۔ اس طرح يَتَسَنَّنُ تبدیل ہوکر يَتَسَنّٰى ہوگیا۔پھر اس پر لَمۡ داخل ہوا تو ''ی'' گرگئی اور لَمۡ يَتَسَنَّ باقی بچا۔اس کے آگے جو ہائے ساکن ہے اسے ہائے سکت کہتے ہیں۔اس کو وقف کے لیے لگاتے ہیں اور اس کے کوئی معنی نہیں ہوتے۔جیسے كِتٰبِيَهۡ۔ حِسَابِيَهۡ وغیرہ۔''(69/الحاقۃ:19۔20)

آیت نمبر (260)

﴿وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِىۡ كَيۡفَ تُحۡىِ الۡمَوۡتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمۡ تُؤۡمِنۡ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰـكِنۡ لِّيَطۡمَـئِنَّ قَلۡبِىۡ ؕ قَالَ فَخُذۡ اَرۡبَعَةً مِّنَ الطَّيۡرِ فَصُرۡهُنَّ اِلَيۡكَ ثُمَّ اجۡعَلۡ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنۡهُنَّ جُزۡءًا ثُمَّ ادۡعُهُنَّ يَاۡتِيۡنَكَ سَعۡيًا ؕ وَاعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۲۶۰﴾﴾

ط م ء ن

(رُباعی) طَمۡاَنَةً: ذہن کو خلجان سے خالی کرنا۔پُرسکون کرنا۔مطمئن کرنا۔

(اِفۡعِلَّالٌ) اِطۡمِئۡنَانًا: ذہن کا خلجان سے خالی ہوجانا۔پُرسکون ہوجانا۔آیت زیرِ مطالعہ۔

مُطۡمَئِنٌّ: اسم الفاعل ہے۔پُرسکون ہوجانے والا۔﴿اِلَّا مَنۡ اُكۡرِهَ وَقَلۡبُهٗ مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِيۡمَانِ﴾ (16/النحل:106)''سوائے اس کے جو مجبور کیا گیا اس حال میں کہ اس کا دِل مطمئن ہوجانے والا ہے ایمان پر۔''

ط ی ر

487

(ض) **طَیْرًا** کسی چیز کا اڑنا۔پھیل جانا۔﴿ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْہِ ﴾ (6/الانعام:38)''اور نہ کوئی پرندہ جو اُڑتا ہے اپنے پروں پر۔''

طَآئِرٌ ج طَیْرٌ۔اسم الفاعل ہے۔اُڑنے والا۔مختلف مفاہیم میں آتا ہے۔

(۱) پرندہ۔اوپر آیت(6/الانعام:38)''دیکھیں۔

(۲)اعمال(کیونکہ عمل کے بعد وہ انسان کے ہاتھ سے نکل جاتے ہیں یعنی اُڑ جاتے ہیں۔''﴿ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰہُ طٰٓئِرَہٗ فِیْ عُنُقِہٖ ط ﴾ (17/بنی اسرائیل:19)''اور ہر ایک انسان،ہم نے لازم کیا اس پر اس کا عمل اس کی گردن میں۔''

(۳) بدشگونی۔نحوست (عرب لوگ پرندوں سے شگون لیا کرتے تھے۔پھر یہ شگون کے بجائے بدشگونی کے لیے استعمال ہونے لگا۔''﴿ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ط ﴾ (36/یٰس:19)''انہوں نے کہا تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے۔''

(تفعّل) **تَطَیُّرًا** بدشگونی لینا۔منحوس سمجھنا۔﴿ قَالُوْٓا اِنَّا تَطَیَّرْنَا بِكُمْ ج ﴾ (36/یٰسین:18)''انہوں نے کہا بیشک ہم تم لوگوں کو منحوس سمجھتے ہیں۔''

(استفعال) **اِسْتِطَارَۃً** پھیل جانا۔منتشر ہونا۔

مُسْتَطِیْرٌ اسم الفاعل ہے۔پھیل جانے والا۔﴿ وَیَخَافُوْنَ یَوْمًا كَانَ شَرُّہٗ مُسْتَطِیْرًا ﴾ (76/الدھر:7) ''اور وہ لوگ خوف کرتے ہیں اس دن کا ہوگا جس کا شر پھیل جانے والا۔''

ص و ر

(ن) **صَوْرًا** (۱)ہلانا۔مائل کرنا۔(۲) کاٹنا۔مجسمہ تراشنا۔

صُرْ فعل امر ہے۔تو مائل کر۔آیت زیرِ مطالعہ۔

صُوْرَۃٌ ج صُوَرٌ۔ اسم ذات ہے۔شکل۔حلیہ۔صورت۔﴿ فِیْٓ اَیِّ صُوْرَۃٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ﴾ (82/الانفطار:8)''جیسی شکل میں اس نے چاہا،اس نے ترتیب دیا تجھ کو۔''﴿ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ﴾ (40/مومن:64)''تو اُس نے اچھی بنائیں تمہاری شکلیں۔''

صُوْرٌ اسم ذات ہے۔ہر وہ چیز جس میں پھونکنے سے آواز پیدا ہو جیسے بگل۔سائرن وغیرہ۔﴿ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ ط ﴾ (6/الانعام:73)''جس دن پھونکا جائے گا صور میں۔''

(تفعیل) **تَصْوِیْرًا** کسی کو کوئی شکل یا حلیہ دینا۔﴿ ھُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ ط ﴾ (3/آل عمران:6)''وہ ہے جو شکل دیتا ہے تم لوگوں کو رحموں میں جیسی وہ چاہتا ہے۔''

مُصَوِّرٌ اسم الفاعل ہے۔شکل دینے والا۔﴿ ھُوَ اللّٰہُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ ﴾ (59/الحشر:24)''وہ اللہ ہے جو پیدا کرنے والا ہے،وجود بخشنے والا ہے،شکل دینے والا ہے۔''

ج ب ل

(ن) **جَبْلًا** بنانا۔جیسے مٹی میں پانی ڈال کر گارا بنانا۔

جِبِلَّۃٌ ج جِبِلٌّ۔ اسم ذات ہے۔بنائی ہوئی چیز۔خلقت۔(جِبِلَّۃٌ اسم جمع ہے اور اس کی جمع بھی آتی

487

ہے)۔﴿ وَاتَّقُوا الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِیْنَ ﴾ (26/الشعراء:184)''اور تم لوگ تقوٰی کرو اس کا جس نے پیدا کیا تم لوگوں کو اور پہلی خلقت کو۔''﴿ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِیْرًا ﴾ (36/یٰسٓ:62)''اور اس نے گمراہ کیا تم میں سے بہت سی خلقتوں کو۔''

جَبَلٌ ج جِبَالٌ۔ پہاڑ۔﴿ وَكَانُوْا یَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا ﴾ (15/الحجر:82)''اور وہ لوگ تراشتے تھے پہاڑوں میں سے گھر۔''

ج ز ء

(ف) **جَزْءًا** کسی چیز کو ٹکڑوں میں تقسیم کرنا۔

جُزْءٌ اسم ذات ہے۔ٹکڑا۔حصہ۔آیت زیرِ مطالعہ۔

ترکیب

رَبِّ کی جر یائے متکلم کی علامت ہے یعنی یہ دراصل رَبِّیْ تھا۔ اَرِ فعل امر ہے، نِیْ ضمیر مفعولی ہے اور آگے کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی پورا جملہ اس کا مفعول ثانی ہے۔ لِیَطْمَئِنَّ سے پہلے سَئَلْتُكَ محذوف ہے۔ فَخُذْ کا مفعول مِنَ الطَّیْرِ ہے اور محلاً منصوب ہے، جبکہ اَرْبَعَةً تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اِجْعَلْ کا مفعول جُزْءًا ہے جبکہ مِنْهُنَّ اس سے متعلق ہے۔ طَیْرٌ غیر عاقل کی جمع مؤنث ہے۔ اس لحاظ سے فعل واحد مؤنث آنا چاہیے تھا لیکن یَاْتِیْنَ جمع مؤنث آیا ہے۔ یہ ایک استثنائی صورت ہے۔ جیسے عام طور پر اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً آتا ہے لیکن کبھی اَیَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ بھی آجاتا ہے۔ سَعْیًا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

ترجمہ

وَاِذْ قَالَ	اِبْرٰهٖمُ	رَبِّ	اَرِ	نِیْ	كَیْفَ	تُحْیِ
اور جب کہا	ابراہیمؑ نے	اے میرے رب!	تو دکھا	مجھ کو	کیسے	تو زندہ کرے گا

الْمَوْتٰی	قَالَ	اَوَ	لَمْ تُؤْمِنْ	قَالَ	بَلٰی
مُردہ کو	(اللہ تعالیٰ نے) کہا	تو کیا	تو ایمان ہی نہیں لایا	(ابراہیمؑ نے) کہا	کیوں نہیں

وَلٰكِنْ	لِّیَطْمَئِنَّ	قَلْبِیْ	قَالَ	فَخُذْ
اور لیکن	(میں پوچھتا ہوں) تاکہ پُرسکون ہوجائے	میرا دِل	(اللہ تعالیٰ نے) کہا	پس تو پکڑ

اَرْبَعَةً	مِّنَ الطَّیْرِ	فَصُرْ	هُنَّ	اِلَیْكَ	ثُمَّ	اجْعَلْ
چار	پرندوں میں سے	پھر تو مائل کر	ان کو	اپنی طرف	پھر	تو رکھ

عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ	مِّنْهُنَّ	جُزْءًا	ثُمَّ	ادْعُهُنَّ	یَاْتِیْنَكَ
ہر ایک پہاڑ پر	ان میں سے	ایک ٹکڑا	پھر	تو پکارا ان کو	وہ آئیں گے تیرے پاس

سَعْیًا	وَاعْلَمْ	اَنَّ اللّٰهَ	عَزِیْزٌ	حَكِیْمٌ
دوڑتے ہوئے	اور تو جان لے	کہ اللہ	بالادست ہے	حکمت والا ہے

487

نوٹ۔1

اِس سے پہلے رُباعی مجرد کے چند الفاظ آ چکے ہیں اور اب رُباعی مزید فیہ کا لفظ پہلی مرتبہ آیا ہے۔ چونکہ آسان عربی گرامر میں آپ نے رُباعی کو نہیں پڑھا ہے اس لیے اس مقام پر اس کے متعلق چند باتیں ذہن نشین کر لیں۔

(۱) رُباعی کے اوزان میں فا اور عین کے بعد لام دو مرتبہ آتا ہے۔ نوٹ کر لیں کہ پہلا لام مادے کے تیسرے حرف کے لیے اور دوسرا لام چوتھے حرف کے لیے ہوتا ہے۔

(۲) رُباعی مجرد کا ایک ہی باب ہے۔ اس کا ماضی اور مضارع **فَعْلَلَ** اور **يُفَعْلِلُ** کے وزن پر آتے ہیں۔ جبکہ مصدر کے لیے زیادہ تر **فَعْلَلَةٌ** اور **فِعْلَالٌ** کے اوزان استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے **طَمْأَنَ۔ يُطَمْئِنُ۔ طَمْأَنَةً** اور **زَلْزَلَ۔ يُزَلْزِلُ۔ زِلْزَالًا** وغیرہ۔ یہ باب زیادہ تر متعدی ہوتا ہے۔

(۳) رُباعی مزید فیہ کے تین ابواب ہیں جس میں سے ایک آیت زیرِ مطالعہ میں آیا ہے۔ اس کے ماضی۔ مضارع اور مصدر کے اوزان یہ ہیں۔ **اِفْعَلَلَّ۔ يَفْعَلِلُّ۔ اِفْعِلَّالًا۔** آپ کی آسانی کے لیے ہم نے مصدر کے وزن کو کھول کر **اِفْعِلْ لَالٌ** لکھا ہے تا کہ تیسرے اور چوتھے کلمہ پر آپ صحیح حرکات وسکنات لگا سکیں۔ نوٹ کر لیں کہ اس باب کا ہمزہ، ہمزۃ الوصل ہے اور یہ باب زیادہ تر لازم ہوتا ہے۔

نوٹ۔2

اِس آیت کے حوالے سے ایک اہم اور بنیادی بات یہ نوٹ کر لیں کہ یہ کائنات اور اس کی ہر چیز اپنی زبانِ حال سے اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی توحید اور اس کی قدرت کی گواہی دے رہی ہے۔ اور یہی ایمان کی اصل بنیاد ہے۔ اس ایمان کے بعد جو تفصیلات اور جزئیات قرآن اور حدیث سے ثابت ہیں ان پر ایمان اور عمل لازمی ہو جاتا ہے، خواہ اطمینانِ قلب حاصل ہو یا نہ ہو۔

نوٹ کریں کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے ایمان کا اقرار کیا ہے، تب اللہ تعالیٰ نے ان کے اطمینانِ قلب کا بندوبست کیا ہے۔ اسی طرح سے جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر ایمان اور اخلاصِ نیت سے عمل کرتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے انہیں اطمینانِ قلب عطا فرماتا ہے۔

آیت نمبر (261)

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٦١﴾﴾

س ب ع

(ف) **سَبْعًا** ساتواں حصہ لینا (کسی چیز کو سات حصوں میں تقسیم کرکے)۔

سَبْعٌ اسم عدد بھی ہے۔ سات ﴿لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ۭ﴾ (15/الحجر:44) ”اس کے سات دروازے ہیں۔“

سَبْعُوْنَ ستّر۔ ﴿اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ﴾ (9/التوبۃ:80) ”اگر آپؐ استغفار کریں ان کے لیے ستّر مرتبہ تو (بھی) ہرگز نہیں بخشے گا اللہ ان کو۔“

سَبُعٌ اسم ذات ہے۔ درندہ۔ (کیونکہ وہ اپنے شکار کو پھاڑ کر ٹکڑوں میں تقسیم کرتا ہے)۔ ﴿وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ﴾ (5/المآئدہ:3) ”اور جس کو کھایا درندے نے۔“

س ن ب ل

487

(رُباعی)

سَنْبَلَۃً کھیتی کا بالیں نکالنا۔

سُنْبُلٌ جمع سَنَابِلُ۔ اسم ذات ہے۔ پودے کی بالی۔خوشہ۔﴿فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْہُ فِیْ سُنْبُلِہٖٓ﴾ (12/یوسف:47)''پس جو تم لوگ کاٹو تو چھوڑ دو اس کو اس کے خوشے میں۔''﴿وَ سَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ﴾(12/یوسف:43)''اور سات سبز بالیں/خوشے۔''

ترکیب

کَمَثَلِ کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے حَبَّۃٍ مجرور ہے۔اَنْۢبَتَتْ کا فاعل اس میں ھِیَ کی ضمیر ہے جو حَبَّۃٍ کے لیے ہے، جبکہ مرکب اضافی سَبْعَ سَنَابِلَ اس کا مفعول ہے۔اس لیے اس کا مضاف سَبْعَ منصوب ہے اور مضاف الیہ سَنَابِلَ محلاً مجرور ہے۔مِائَۃُ حَبَّۃٍ مبتداء مؤخر ہے اس لیے مضاف مِائَۃُ مرفوع ہے، اِس کی خبر محذوف ہے اور فِیْ کُلِّ سُنْۢبُلَۃٍ قائم مقام خبر مقدم ہے۔یُضٰعِفُ کا مفعول محذوف ہے جو کہ اِنْفَاقًا ہوسکتا ہے جبکہ لِمَنْ متعلق فعل ہے۔

ترجمہ

مَثَلُ الَّذِیْنَ	یُنْفِقُوْنَ	اَمْوَالَھُمْ	فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ	کَمَثَلِ حَبَّۃٍ
ان لوگوں کی مثال جو	خرچ کرتے ہیں	اپنے مالوں کو	اللہ کی راہ میں	ایک ایسے دانے کی مثال کی طرح

اَنْۢبَتَتْ	سَبْعَ سَنَابِلَ	فِیْ کُلِّ سُنْۢبُلَۃٍ	مِّائَۃُ حَبَّۃٍ ؕ	وَاللّٰہُ	یُضٰعِفُ
جس نے اُگائے	سات کوشے	ہر ایک خوشے میں	ایک سو دانے ہیں	اور اللہ	بڑھاتا ہے (انفاق کو)

لِمَنْ	یَّشَآءُ ؕ	وَاللّٰہُ	وَاسِعٌ	عَلِیْمٌ
اس کے لیے جس کے لیے	وہ چاہتا ہے	اور اللہ	وسعت دینے والا ہے	جاننے والا ہے

نوٹ۔1

لفظ مِائَۃٌ میں الف زائدہ ہے جیسے اُولٰٓئِکَ میں واؤ زائدہ ہے۔چند الفاظ میں حروف زائدہ لکھنے کی وجہ سمجھ لیں۔

صحابۂ کرام؇ کے زمانے میں بھی اور آج بھی عربی حرکات وسکنات کے بغیر لکھی اور پڑھی جاتی ہے جیسے فارسی اور اُردو حرکات وسکنات کے بغیر لکھی اور پڑھی جاتی ہے۔البتہ غیر عربی لوگوں کی سہولت کے لیے بعد میں قرآن مجید میں حرکات وسکنات لکھنے کا رواج ہوا۔

اسی طرح عربی حروف پر نقطے ڈالنے کا رواج بھی بعد میں ہوا۔صحابۂ کرام؇ کے زمانے میں عربی، حروف کے نقطوں کے بغیر لکھی اور پڑھی جاتی تھی۔مثلاً اس زمانے میں حرف ''ح'' کو حسب موقع ج۔ح اور خ پڑھا جاتا تھا اور بالکل درست پڑھا جاتا تھا۔ہم لوگ اس کو ناممکن قرار دینے سے پہلے اتنا بھی نہیں سوچتے کہ انگریزی ہماری مادری زبان نہیں ہے، اس کے باوجود ہم لوگ انگریزی حرف ''C'' کو لفظ CIRCLE میں پہلے سین کی آواز سے اور پھر کاف کی آواز سے پڑھ لیتے ہیں حرف ''G'' کو لفظ GENERAL میں جیم اور GOD میں گاف کی آواز سے پڑھ لیتے ہیں۔علیٰ ھٰذَا القیاس۔

بہرحال عربی حروف پر نقطے نہ ہونے کی وجہ سے کچھ الفاظ میں مشابہت دور کرنے کے لیے کسی ایک لفظ میں کوئی زائد حرف لکھا جاتا تھا۔جیسے اِلَیْکَ سے فرق کرنے کے لیے اُولٰٓئِکَ میں واؤ زائد لکھا گیا۔اسی طرح مِنْہُ سے فرق کرنے کے لیے مِائَۃٌ میں الف زائد لکھا گیا۔(واللہ اعلم)

نوٹ۔2

کُلٌّ کا مضاف الیہ زیادہ تر واحد نکرہ آتا ہے۔لیکن اگر معرفہ آئے تو مفہوم میں کچھ فرق پڑتا ہے۔مثلاً کُلُّ کِتَابٍ کا مطلب ہے ہر ایک کتاب۔جبکہ کُلُّ الْکِتَابِ کا مطلب ہے کل کی کل کتاب یعنی وہ پوری کتاب جس کی بات ہو رہی ہے۔

آیت نمبر(262)

﴿اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَاۤ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَاۤ اَذًىۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾﴾

ترکیب

یُتْبِعُوْنَ کا مفعول اول مَا ہے، جبکہ مَنًّا اور اَذًی اس کے مفعول ثانی ہیں اس لیے یہاں اَذًی محلاً منصوب ہے۔اَجْرُھُمْ مبتداء مؤخر ہے،اس کی خبر محذوف ہے جو ثَابِتٌ یا مَحْفُوْظٌ ہو سکتی ہے، لَھُمْ قائم مقام خبر مقدم ہے اور عِنْدَ رَبِّھِمْ متعلق خبر ہے۔لَا خَوْفٌ مبتداء نکرہ ہے کیونکہ قاعدہ بیان ہو رہا ہے، اس کی بھی خبر محذوف ہے اور عَلَیْھِمْ قائم مقام خبر ہے۔ھُمْ مبتداء ہے اور یَحْزَنُوْنَ جملہ فعلیہ بن کر اس کی خبر ہے۔

ترجمہ

اَلَّذِیْنَ	یُنْفِقُوْنَ	اَمْوَالَھُمْ	فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ	ثُمَّ	لَا یُتْبِعُوْنَ
وہ لوگ جو	خرچ کرتے ہیں	اپنے مالوں کو	اللہ کی راہ میں	پھر	وہ لوگ پیچھے نہیں لگاتے

مَاۤ	اَنْفَقُوْا	مَنًّا	وَّلَاۤ اَذًىۙ	لَّھُمْ
اس کے جو	انہوں نے خرچ کیا	احسان جتانے کو	اور نہ ہی ستانے کو	ان کے لیے ہے

اَجْرُھُمْ	عِنْدَ رَبِّھِمْۚ	وَلَا خَوْفٌ	عَلَیْھِمْ	وَلَا ھُمْ
ان کا اجر	ان کے رب کے پاس	اور کوئی خوف نہیں ہے	ان پر	اور نہ ہی وہ لوگ

یَحْزَنُوْنَ
پچھتاتے ہیں

نوٹ۔1

خوف کا تعلق مستقبل کے اندیشوں سے ہے۔انسان کو ہر وقت دھڑکا لگا رہے کہ کہیں یہ نہ ہو جائے کہیں وہ نہ ہو جائے۔حزن کا تعلق ماضی کے پچھتاووں سے ہے۔کاش! مَیں نے یہ نہ کیا ہوتا۔کاش! ایسا نہ ہوتا۔ایک انسان اگر ان دو کیفیتوں سے محفوظ و مامون ہو جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا انعام ہے جو بے غرض انفاق کے اصل اجر کے علاوہ ہے۔اسی لیے فرمادیا کہ ان کا اجر تو ان کے رب کے پاس محفوظ ہے اور یہ بھی ہے۔

یہ داخلی کیفیت اصلاً تو جنتی لوگوں کا خاصہ ہے لیکن بے غرض انفاق کرنے والوں کو کسی درجہ میں یہ انعام اِس دنیا میں بھی ملتا ہے۔امام ابن تیمیہؒ کا غالباً یہی مطلب تھا جب انہوں نے فرمایا کہ میری جنت میرے سینے میں ہے۔برٹرنڈ رسل نے بھی اپنی کتاب CONQUEST OF HAPPINESS میں اپنے غور وفکر کا نچوڑ ان الفاظ میں بیان کیا کہ HAPPINESS IS A STATE OF MIND۔

اِس دنیا میں جنت حاصل کرنے کے لیے بے غرض انفاق کی ایک صفت اس آیت میں بیان ہوئی ہے کہ نہ صرف احسان نہیں جتاتے بلکہ یہ احتیاط بھی کرتے ہیں کہ ان کے طرزِ عمل سے دوسرے کو کوئی جذباتی ٹھیس بھی

نہ پہنچے۔ایک صفت آیت نمبر 76/ الدھر:8،9 میں بیان ہوئی ہے کہ وہ لوگ جب کسی مسکین، یتیم یا قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں تو کسی[487] بدلے کی اُمید تو کیا، وہ شکریے کی بھی اُمید نہیں رکھتے۔

آیت نمبر (263)

﴿قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿٢٦٣﴾﴾

غ ن ی

(س) **غَنِیَ** (۱) کسی قسم کی کوئی ضرورت لاحق نہ ہونا۔ضروریات سے بے نیاز ہونا۔(یہ مفہوم صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے)۔(۲) ضروریات پوری کرنے کے ذرائع میسر ہونا۔مالدار ہونا۔بےفکر و بے پرواہ ہونا۔ (یہ مفہوم غیر اللہ کے لیے ہے)۔

مَغْنًی اپنا وجود قائم رکھنا یعنی زندہ رہنا۔کسی جگہ رہنا۔﴿كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ﴾ (11/ھود:68) ''جیسے کہ وہ لوگ رہتے ہی نہیں تھے اس میں۔''

غَنِیٌّ ج اَغْنِيَاءُ۔ فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔بے نیاز۔مالدار۔﴿اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَ هُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ﴾ (9/التوبۃ:93) ''الزام تو بس ان لوگوں پر ہے جنہوں نے رخصت مانگی آپؐ سے اس حال میں کہ وہ لوگ مالدار تھے۔''

(افعال) **اِغْنَاءً** (۱) کسی کی کوئی ضرورت پوری کرنا یا تکلیف دور کرنا یعنی کام آنا۔(۲) مالدار کرنا۔(۳) بےفکر و بے پرواہ کرنا۔﴿مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ﴿٢﴾﴾ (111/اللھب:2) ''کام نہیں آیا اس کے اس کا مال اور جو اس نے کمایا۔'' ﴿وَ وَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ﴿٨﴾﴾ (93/الضحیٰ:8) ''اور اُس نے پایا آپؐ کو تنگ دست تو اس نے مالدار کیا۔'' ﴿لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ﴿٧﴾﴾ (88/الغاشیۃ:7) ''وہ موٹا نہیں کرتا ہے اور نہ بےفکر کرتا ہے بھوک سے۔''

مُغْنِيْ اسم الفاعل ہے۔کام آنے والا۔بے پرواہ کرنے والا۔﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ﴾ (14/ابراہیم:21) ''تو کیا تم لوگ دور کرنے والے ہو ہم سے اللہ کے عذاب سے کچھ بھی۔''

(استفعال) **اِسْتِغْنَاءً** (۱) بے نیازی اختیار کرنا۔(۲) بےفکر و بے پرواہ سمجھنا۔﴿فَكَفَرُوْا وَ تَوَلَّوْا وَّ اسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ﴾ (64/التغابن:6) ''تو انہوں نے انکار کیا اور منہ موڑا اور بے نیاز ہوا اللہ۔'' ﴿وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰى ﴿٨﴾﴾ (92/الیل:8) ''اور وہ جس نے بخل کیا اور بے پرواہ ہوا۔''

ترکیب

مرکب توصیفی قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ اور مفرد مَغْفِرَةٌ یہ دونوں مبتداء نکرہ ہیں اور خَيْرٌ اس کی خبر ہے۔خَيْرٌ افعل تفضیل ہے اور مِنْ کے ساتھ آیا ہے اس لیے یہ واحد ہی رہے گا۔صَدَقَةٍ نکرہ موصوفہ ہے۔يَتْبَعُ کا فاعل اَذًى ہے اس لیے یہاں پر یہ محلاً مرفوع ہے۔

ترجمہ

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ	وَّ مَغْفِرَةٌ	خَيْرٌ	مِّنْ صَدَقَةٍ	يَّتْبَعُهَآ 487
ایک بھلی بات	اور درگزر	زیادہ بہتر ہے	ایسے صدقے سے	پیچھے پیچھے آتا ہے جس کے

اَذًى ط	وَاللّٰهُ	غَنِيٌّ	حَلِيْمٌ
ستانا	اور اللہ	بے نیاز ہے	بر باد ہے

آیت نمبر (264)

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٦٤﴾ ﴾

ت ر ب

(س)

تَرِبًا — کسی چیز کو مٹی لگنا۔ خاک آلود ہونا۔

مَتْرَبَةً — محتاج ہونا۔

مَتْرَبَةٌ — اسم ذات بھی ہے۔ محتاجی۔ ﴿ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿١٦﴾ ط ﴾ (90/البلد:16) ”یا کسی مسکین محتاجی والے کو۔“

تُرَابٌ — اسم ذات ہے۔ مٹی۔ آیت زیر مطالعہ۔

تَرِيْبَةٌ — ج تَرَائِبُ۔ سینے کی پسلی۔ ﴿ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ﴿٧﴾ ط ﴾ (86/الطارق:7) ”وہ نکلتا ہے پیٹھ اور پسلیوں کے درمیان سے۔“

تِرْبٌ — ج اَتْرَابٌ۔ ایک مٹی میں کھیلے ہوئے۔ ہم عمر۔ ﴿ وَّ كَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿٣٣﴾ لا ﴾ (78/النبا:33) ”اور ہم عمر عورتیں۔“

و ب ل

(ک)

وَبَلًا — کسی چیز کا سخت ہونا۔ نقصان دہ ہونا۔

وَابِلٌ — بڑے بڑے اور وزنی قطروں والی بارش۔ آیت زیر مطالعہ۔

وَبَالٌ — نقصان۔ بُرا انجام۔ سزا۔ ﴿ لِيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ط ﴾ (5/المآئدہ:95) ”تاکہ وہ چکھے سزا اپنے کام کی۔“

وَبِيْلٌ — فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ سخت۔ نقصان دہ۔ مضر۔ ﴿ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ﴿١٦﴾ ﴾ (73/المزمل:16) ”تو ہم نے پکڑا اس کو ایک سخت پکڑ میں۔“

ص ل د

(ض)

صَلْدًا — گنجے سر کا چمکنا۔ پتھر کا چکنا اور چمکدار ہونا۔

صَلْدٌ — اسم ذات بھی ہے۔ چکنا اور چمکدار پتھر۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب

يُنْفِقُ کا مفعول مَالَهٗ ہے جبکہ رِئَآءَ النَّاسِ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ وَلَا يُؤْمِنُ کا واو حالیہ ہے۔ صَفْوَانٍ نکرہ موصوفہ ہے۔ تُرَابٌ مبتداء مؤخر نکرہ ہے۔ اس کی خبر مَوْجُوْدٌ محذوف ہے اور عَلَيْهِ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ اس کی ضمیر صَفْوَانٍ کے لیے ہے۔ فَاَصَابَهٗ کی ضمیر مفعولی بھی صَفْوَانٍ کے لیے ہے اور اس کا فاعل وَابِلٌ ہے۔ صَلْدًا حال ہے۔

ترجمہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	لَا تُبْطِلُوْا	صَدَقٰتِكُمْ	بِالْمَنِّ 487
اے لوگو! جو	ایمان لائے	تم لوگ باطل مت کرو	اپنے صدقات کو	احسان جتانے سے

وَالْاَذٰى	كَالَّذِيْ	يُنْفِقُ	مَالَهٗ	رِئَآءَ النَّاسِ	وَ
اور ستانے سے	اس کی مانند جو	خرچ کرتا ہے	اپنے مال کو	لوگوں کو دکھاتے ہوئے	اس حال میں کہ

لَا يُؤْمِنُ	بِاللّٰهِ	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ	فَمَثَلُهٗ	كَمَثَلِ صَفْوَانٍ
وہ ایمان نہیں لاتا	اللہ پر	اور آخری دن (آخرت) پر	تو اس کی مثال	ایک ایسے صاف پتھر کی مثال کی مانند ہے

عَلَيْهِ	تُرَابٌ	فَاَصَابَهٗ	وَابِلٌ	فَتَرَكَهٗ
جس پر	کچھ مٹی ہے	پھر آ لگی اس کو	ایک موٹی بوندوں والی بارش	تو اس نے چھوڑا اس کو

صَلْدًا ؕ	لَا يَقْدِرُوْنَ	عَلٰى شَيْءٍ	مِّمَّا	كَسَبُوْا ؕ	وَاللّٰهُ
چمکتا ہوا	وہ لوگ قابو نہیں پاتے	کسی چیز پر	اس میں سے جو	انہوں نے کمایا	اور اللہ

لَا يَهْدِي	الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ
ہدایت نہیں دیتا	ناشکری کرنے والے لوگوں کو

آیت نمبر (265)

﴿وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَ تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ
اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۲۶۵﴾

ر ب و

(ن) رِبَاءً: کسی چیز کا اپنی جگہ سے بلند ہونا۔ اُگنا۔ بڑھنا۔ اُبھرنا۔ ﴿وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ﴾ (22/الحج:5) ''تو دیکھتا ہے زمین کو مرجھائی ہوئی پھر جب بھی ہم اُتارتے ہیں اس پر پانی کو تو وہ لہلہاتی ہے اور اُبھرتی ہے۔''

اَرْبٰى: افعل التفضیل ہے۔ زیادہ اُگنے یا بڑھنے والا۔ ﴿تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ﴾ (16/النحل:92) ''تم لوگ بناتے ہو اپنی قسموں کو دخل دینے کا (بہانہ آپس میں (اس لیے) کہ وہ جاتی ہے ایک قوم زیادہ بڑھنے والی دوسری قوم سے۔''

رَابٍ: فَاعِلٌ کے وزن پر اسم الفاعل ہے۔ اُبھرنے والا۔ چڑھنے والا۔ ﴿فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ﴾ (13/الرعد:17) ''تو اُٹھایا بہتے پانی نے اُبھرنے والا کچھ جھاگ۔''

رِبٰوا: اسم ذات ہے۔ بڑھی ہوئی یا اُبھری ہوئی چیز۔ اصطلاحاً سود کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ﴾ (2/البقرہ:276) ''مٹاتا ہے اللہ سود کو اور وہ بڑھاتا ہے صدقات کو۔''

رَبْوَةٌ: اسم ذات ہے۔ بلند جگہ۔ ٹیلہ۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

(افعال)	اِرْبَاءً	بلند کرنا۔ بڑھانا۔ لفظ رِبوا میں آیت نمبر(2/البقرہ:276) دیکھیں۔
(تفعیل)	تَرْبِيَةً	بتدریج بلند کرتے رہنا۔ بڑھاتے رہنا۔ یعنی تربیت کرنا۔ ﴿ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيْرًا ﴾ (17/بنی اسرائیل:24)''اے میرے رب! تو رحم کر ان دونوں پر جیسا کہ ان دونوں نے تربیت کی میری بچپن میں۔''

ط ل ل

(ن)	طَلًّا	شبنم پڑنا۔ پھوار پڑنا۔
	طَلٌّ	اسم ذات ہے۔ شبنم۔ پھوار۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب

يُنْفِقُوْنَ کا مفعول اَمْوَالَهُمْ ہے جبکہ مرکب اضافی اِبْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ مَرْضَات ك وطبی تا سے لکھنا قرآن کا مخصوص املاء ہے۔ تَثْبِيْتًا بھی حال ہے۔ جَنَّةٍ نکرہ مخصوصہ ہے۔ بِرَبْوَةٍ خبر محذوف کی قائم مقام خبر ہے۔ اَصَابَهَا کا فاعل وَابِلٌ ہے اور اس کی ضمیر مفعولی جَنَّةٍ کے لیے ہے۔ فَاٰتَتْ کی ضمیر فاعلی هِيَ بھی جَنَّةٍ کے لیے ہے۔ ضِعْفَيْنِ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ فَطَلٌّ فعل محذوف کا فاعل ہے یعنی فَاَصَابَهَا طَلٌّ۔

ترجمہ

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ	يُنْفِقُوْنَ	اَمْوَالَهُمُ	ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ
اور ان لوگوں کی مثال جو	خرچ کرتے ہیں	اپنے مالوں کو	اللہ کی رضا کی جستجو کرتے ہوئے

وَتَثْبِيْتًا	مِّنْ اَنْفُسِهِمْ	كَمَثَلِ جَنَّةٍ
اور جماتے ہوئے	اپنے آپ کو	ایک ایسے باغ کی مثال کی مانند ہے جو

بِرَبْوَةٍ	اَصَابَهَا	وَابِلٌ	فَاٰتَتْ
ایک ٹیلے پر ہے	آ لگی اس کو	ایک موٹے قطروں والی بارش	تو اس نے دیا

اُكُلَهَا	ضِعْفَيْنِ	فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا	وَابِلٌ
اپنا پھل	دوگنا	پھر اگر نہیں لگتی اس کو	کوئی موٹے قطروں والی بارش

فَطَلٌّ	وَاللّٰهُ	بِمَا	تَعْمَلُوْنَ	بَصِيْرٌ
تو (آ لگی اس کو) ایک پھوار	اور اللہ	اس کو جو	تم لوگ کرتے ہو	دیکھنے والا ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ البقرۃ (۲)

سبق ـ 34
286 تا 266/2

آیت نمبر (266)

﴿ اَیَوَدُّ اَحَدُکُمۡ اَنۡ تَکُوۡنَ لَہٗ جَنَّۃٌ مِّنۡ نَّخِیۡلٍ وَّ اَعۡنَابٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ ۙ لَہٗ فِیۡہَا مِنۡ کُلِّ
الثَّمَرٰتِ ۙ وَ اَصَابَہُ الۡکِبَرُ وَلَہٗ ذُرِّیَّۃٌ ضُعَفَآءُ ۚ فَاَصَابَہَاۤ اِعۡصَارٌ فِیۡہِ نَارٌ فَاحۡتَرَقَتۡ ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ
اللّٰہُ لَکُمُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّکُمۡ تَتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۲۶۶﴾ ﴾

ن خ ل

(ن) نَخۡلًا: آٹا چھان کر بھوسی الگ کرنا۔ اچھی چیز پسند کرنا۔

نَخۡلٌ: اسم جنس ہے۔ واحد نَخۡلَۃٌ جمع نَخِیۡلٌ۔ کھجور کا درخت۔ ﴿ فِیۡہِمَا فَاکِہَۃٌ وَّ نَخۡلٌ وَّ رُمَّانٌ ﴿ۚ۶۸﴾ ﴾ (55/الرحمٰن:68) ''ان دونوں میں ہیں کچھ میوے اور کچھ کھجور اور کچھ انار۔'' ﴿ وَ ہُزِّیۡۤ اِلَیۡکِ بِجِذۡعِ النَّخۡلَۃِ ﴾ (19/مریم:25) ''تو ہلا اپنی طرف کھجور کے تنے کو۔''

ع ص ر

(ض) عَصۡرًا: کسی چیز کا رَس نچوڑنا۔ نچوڑنے کے لیے کسی چیز کو گھمانا۔ گردش دینا۔ ﴿ وَ فِیۡہِ یَعۡصِرُوۡنَ ﴿٪۴۹﴾ ﴾ (12/یوسف:49) ''اور اس میں وہ لوگ رَس نچوڑیں گے۔''

عَصۡرٌ: اسم ذات ہے۔ زمانہ۔ ﴿ وَ الۡعَصۡرِ ۙ﴿۱﴾ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ ۙ﴿۲﴾ ﴾ (103/العصر:1،2) ''زمانے کی قسم بیشک تمام انسان خسارے میں ہیں۔''

اِعۡصَارٌ: اسم ذات ہے۔ بگولہ۔ سائکلون۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

(افعال) اِعۡصَارًا: بارش برسانا۔

مُعۡصِرٌ: اسم الفاعل ہے۔ بارش برسانے والا یعنی بادل۔ ﴿ وَّ اَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡمُعۡصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿ۙ۱۴﴾ ﴾ (78/النبا:14) ''اور ہم نے اُتارا بدلیوں سے کچھ پانی موسلا دھار۔''

ح ر ق

(ن) حَرۡقًا: کسی چیز کو جلانا۔

حَرِیۡقٌ: ہمیشہ اور ہر حال میں جلانے والا۔ آگ کا شعلہ۔ ﴿ ذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡحَرِیۡقِ ﴿۱۸۱﴾ ﴾ (3/آل عمران:181) ''تم لوگ چکھو شعلے کا عذاب۔''

(تفعیل) تَحۡرِیۡقًا: کثرت سے جلانا۔ جلا کر بھسم کر دینا۔ ﴿ لَنُحَرِّقَنَّہٗ ثُمَّ لَنَنۡسِفَنَّہٗ فِی الۡیَمِّ نَسۡفًا ﴿۹۷﴾ ﴾ (20/طٰہٰ:97) ''ہم لازماً جلا کر بسم کریں گے اس کو پھر ہم لازماً بکھیریں گے اس کو پانی میں جیسے بکھیرتے ہیں۔''

حَرِّقۡ: فعل امر ہے۔ تو جلا کر بھسم کر۔ ﴿ قَالُوۡا حَرِّقُوۡہُ وَ انۡصُرُوۡۤا اٰلِہَتَکُمۡ ﴾ (21/الانبیاء:68) ''ان لوگوں نے کہا تم لوگ جلا کر بھسم کرو اس کو اور تم لوگ مدد کرو اپنے معبودوں کی۔''

(افتعال) اِحۡتِرَاقًا: اہتمام سے جلنا۔ جل کر بھسم ہونا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

ترکیب

یَوَدُّ کا فاعل اَحَدُکُمْ ہے۔ اَنْ تَکُوْنَ کا اسم جَنَّۃٌ ہے، اس کی خبر محذوف ہے اور لَہٗ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ تَجْرِیْ کا فاعل اَلْاَنْھٰرُ ہے، یہ غیر عاقل کی جمع مکسر ہے اس لیے فعل واحد مؤنث آیا ہے۔ لَہٗ خبر محذوف کی قائم مقام خبر مقدم ہے۔ فِیْھَا اور مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ متعلق خبر ہیں اور مبتداء بھی محذوف ہے جو نَصِیْبٌ ہوسکتا ہے۔ وَاَصَابَہٗ کی ضمیر مفعولی اَحَدُکُمْ کے لیے ہی اور اَلْکِبَرُ اس کا فاعل ہے۔ مرکب توصیفی ذُرِّیَّۃٌ ضُعَفَاءُ مبتداء مؤخر نکرہ ہے، خبر محذوف ہے اور لَہٗ قائم مقام خبر مقدم ہے۔ ذُرِّیَّۃٌ یہاں جمع کے مفہوم میں آیا ہے۔ فَاحْتَرَقَتْ کا فاعل اس میں ھِیَ کی ضمیر ہے جو جَنَّۃٌ کے لئے ہے۔

ترجمہ

مِّنْ نَّخِیْلٍ	جَنَّۃٌ	لَہٗ	تَکُوْنَ	اَنْ	اَحَدُکُمْ	اَیَوَدُّ
کھجوروں کا	ایک باغ	اس کے لیے	ہو	کہ	تم میں سے کوئی	کیا چاہتا ہے

فِیْھَا	لَہٗ	الْاَنْھٰرُ	مِنْ تَحْتِھَا	تَجْرِیْ	وَّ اَعْنَابٍ
اس میں	اس کے لیے ہو	نہریں	ان کے نیچے سے	بہتی ہوں	اور انگوروں کا

لَہٗ	وَ	الْکِبَرُ	وَاَصَابَہُ	مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ
اس کی ہوں	اس حال میں کہ	بڑھاپا	اور آ لگے اس کو	تمام پھلوں میں سے (ایک حصہ)

فَاحْتَرَقَتْ	نَارٌ	فِیْہِ	اِعْصَارٌ	فَاَصَابَھَآ	ذُرِّیَّۃٌ ضُعَفَاءُ
پس وہ بھسم ہو	ایک آگ	جس میں ہو	ایک بگولہ	پھر آ لگے اس کو	کچھ کمزور اولادیں

تَتَفَکَّرُوْنَ	لَعَلَّکُمْ	الْاٰیٰتِ	لَکُمُ	اللّٰہُ	یُبَیِّنُ	کَذٰلِکَ
تم لوگ سوچ و چار کرو	شائد کہ	نشانیوں کو	تم لوگوں کے لیے	اللہ	واضح کرتا ہے	اس طرح

نوٹ۔1

سائکلون میں ہوا کی گردش سے جو بجلی پیدا ہوتی ہے اسے اس آیت میں آگ کہا گیا ہے۔ کیونکہ وہ بجلی جب کسی چیز پر گرتی ہے تو اسے جلا کر بھسم کر دیتی ہے۔

آیت نمبر (267)

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَ مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ وَ لَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْہُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْہِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْہِ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ۲۶۷ ﴾

ی م م

(ن) یَمًّا: کسی چیز کو پانی میں ڈالنا۔

یَمٌّ: اسم ذات ہے۔ پانی۔ ﴿ فَاَغْرَقْنٰھُمْ فِی الْیَمِّ ﴾ (7/الاعراف: 136) ”تو ہم نے ڈبو یا ان کو پانی میں۔“

(تفعّل) تَیَمُّمًا: کسی چیز کا قصد کرنا۔ ارادہ کرنا۔ آیت زیر مطالعہ۔

خ ب ث

(ک) خَبَاثَةً گندہ اور ناپاک ہونا۔ ناکارہ اور ردّی ہونا۔ ﴿وَ الَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَکِدًا﴾ (7/الاحزاب:58)''اور جو ناکارہ ہوا اس سے نہیں نکلتا مگر مشکل سے۔''

خَبِیْثٌ فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ گندہ۔ ناکارہ۔ آیت زیر مطالعہ۔

غ م ض

(ن) غُمُوْضًا نیند کا جھونکا آنا۔

(افعال) اِغْمَاضًا آنکھ بند کرنا۔ چشم پوشی کرنا۔ غفلت برتنا۔ آیت زیر مطالعہ۔

ترکیب طَیِّبٰتِ مضاف ہے اور مَا اس کا مضاف الیہ ہے۔ لَسْتُمْ کا اسم اس میں شامل اَنْتُمْ کی ضمیر ہے اور بِاٰخِذِیْهِ اس کی خبر ہے۔ یہ بِاٰخِذِیْنَ تھا۔ مضاف ہونے کی وجہ سے نون اعرابی گرا ہوا ہے۔

ترجمہ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ	اٰمَنُوْۤا	اَنْفِقُوْا	مِنْ طَیِّبٰتِ مَا	کَسَبْتُمْ
اے لوگو! جو	ایمان لائے	تم لوگ خرچ کرو	اس کے پاکیزہ میں سے جو	تم لوگوں نے کمایا

وَمِمَّاۤ	اَخْرَجْنَا	لَكُمْ	مِّنَ الْاَرْضِ	وَلَا تَیَمَّمُوا
اور اس میں سے جو	ہم نے نکالا	تمہارے لیے	زمین سے	اور تم لوگ ارادہ مت کرو

الْخَبِیْثَ	مِنْهُ	تُنْفِقُوْنَ	وَلَسْتُمْ	بِاٰخِذِیْهِ
ناکارہ کا	اس میں سے (جس سے)	تم لوگ خرچ کرتے ہو	حالانکہ تم لوگ نہیں ہو	اس کو پکڑنے والے

اِلَّاۤ اَنْ	تُغْمِضُوْا	فِیْهِ	وَاعْلَمُوْۤا	اَنَّ	اللّٰهَ	غَنِیٌّ	حَمِیْدٌ
مگر یہ کہ	تم چشم پوشی کرو	اس سے	اور جان لو	کہ	اللہ	بے نیاز ہے	حمد کیا ہوا ہے

آیت نمبر (268)

﴿اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ یَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۶۸﴾﴾

ف ق ر

(ن) فَقْرًا کھودنا۔ توڑنے۔

فَاقِرٌ اسم الفاعل ہے۔ توڑنے والا۔ ﴿تَظُنُّ اَنْ یُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾﴾ (75/القیامہ:25)''وہ گمان کریں گے کہ کیا جائے گا ان سے توڑنے والا کام۔''

(ک) فَقْرًا محتاج ہونا۔ مفلس ہونا۔

فَقْرٌ اسم ذات ہے۔ محتاجی۔ مفلسی۔ آیت زیر مطالعہ۔

فَقِیْرٌ ج فُقَرَاءُ۔ فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ محتاج۔ مفلس۔ ﴿وَمَنْ كَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ﴾ (4/النساء:6)''اور جو ہو محتاج تو اسے چاہیے کہ وہ کھائے دستور کے مطابق۔''
﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰهِ ۚ﴾ (35/فاطر:15)''اے لوگو تم لوگ محتاج ہو اللہ کے۔''

ترکیب

یَعِدُ کا فاعل اس میں ھُوَ کی ضمیر ہے جو اَلشَّیۡطٰنُ کے لیے ہے۔ کُمۡ کی ضمیر اس کا مفعول اوّل ہے اور اَلۡفَقۡرَ مفعول ثانی ہے۔ اس کے آگے یَعِدُ کا فاعل اس میں ھُوَ کی ضمیر ہے جو اللہ کے لیے ہے۔ کُمۡ مفعول اوّل ہے جبکہ مَغۡفِرَۃً اور فَضۡلًا دونوں مفعول ثانی ہیں۔

ترجمہ

اَلشَّیۡطٰنُ	یَعِدُ	کُمُ	الۡفَقۡرَ	وَیَاۡمُرُ	کُمۡ
شیطان	وعدہ دیتا ہے	تم لوگوں کو	مفلسی کا	اور ترغیب دیتا ہے	تم لوگوں کو

بِالۡفَحۡشَآءِ ۚ	وَاللّٰہُ	یَعِدُ	کُمۡ	مَّغۡفِرَۃً	مِّنۡہُ
اعلانیہ بے حیائی کی	اور اللہ	وعدہ کرتا ہے	تم لوگوں سے	مغفرت کی	اس سے (یعنی اپنی

وَفَضۡلًا ؕ	وَاللّٰہُ	وَاسِعٌ	عَلِیۡمٌ
اور (اپنے) فضل کا	اور اللہ	وسعت والا ہے	جاننے والا ہے

آیت نمبر (269)

﴿ یُّؤۡتِی الۡحِکۡمَۃَ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَ مَنۡ یُّؤۡتَ الۡحِکۡمَۃَ فَقَدۡ اُوۡتِیَ خَیۡرًا کَثِیۡرًا ؕ وَ مَا یَذَّکَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۲۶۹﴾ ﴾

ترکیب

یُؤۡتِیۡ کا فاعل اس میں ھُوَ کی ضمیر ہے جو اللہ کے لیے ہے۔ اَلۡحِکۡمَۃَ اس کا مفعول اوّل ہے اور مَنۡ مفعول ثانی ہے۔ اس کے آگے وَمَنۡ شرطیہ ہے۔ یُؤۡتَ الۡحِکۡمَۃَ شرط ہی اور فَقَدۡ اُوۡتِیَ خَیۡرًا کَثِیۡرًا جواب شرط ہے۔ شرط ہونے کی وجہ سے مضارع مجہول یُؤۡتٰی مجزوم ہوا تو یا گرگئی اور یُؤۡتَ باقی بچا۔ اس کا نائب فاعل اس میں ھُوَ کی ضمیر ہے جو مَنۡ کے لیے ہے جبکہ اَلۡحِکۡمَۃَ مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اُوۡتِیَ ماضی مجہول ہے اور جواب شرط ہونے کی وجہ سے محلًا مجزوم ہے۔ اس کا نائب فاعل بھی اس میں ھُوَ کی ضمیر ہے جو مَنۡ کے لیے ہے جبکہ خَیۡرًا کَثِیۡرًا مفعول ثانی ہے۔

ترجمہ

یُّؤۡتِی	الۡحِکۡمَۃَ	مَنۡ	یَّشَآءُ ۚ	وَمَنۡ	یُّؤۡتَ	الۡحِکۡمَۃَ
وہ دیتا ہے	دانائی	اس کو جس کو	وہ چاہتا ہے	اور جس کو	دی جاتی ہے	دانائی

فَقَدۡ اُوۡتِیَ	خَیۡرًا کَثِیۡرًا ؕ	وَمَا یَذَّکَّرُ	اِلَّاۤ	اُولُوا الۡاَلۡبَابِ
تو اس کو دی گئی ہے	ایک کثیر بھلائی	اور نصیحت نہیں حاصل کرتے	مگر	سوجھ بوجھ والے لوگ

آیت نمبر (270)

﴿ وَمَاۤ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ نَّفَقَۃٍ اَوۡ نَذَرۡتُمۡ مِّنۡ نَّذۡرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُہٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ﴿۲۷۰﴾ ﴾

ترکیب

وَمَاۤ اَنۡفَقۡتُمۡ میں مَا موصولہ، شرطیہ ہے۔ اَنۡفَقۡتُمۡ سے مِنۡ نَذۡرٍ تک شرط ہے۔ اس میں افعال ماضی استعمال ہوئے ہیں اس لیے ان پر مجزوم ہونے کا عمل ظاہر نہیں ہوا اور وہ محلًا مجزوم ہیں۔ فَاِنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُہٗ پورا جملہ جواب شرط ہے اور

یہ پورا جملہ محلاً مجزوم ہے اس لیے اس میں استعمال ہونے والا فعل مضارع یَعۡلَمُ مجزوم نہیں ہوا۔ اگر جواب شرط میں فعل مضارع آتا تب وہ مجزوم ہوتا۔ اس وقت جملہ اس طرح ہوتا۔ فَیَعۡلَمۡهُ اللّٰهُ وَمَا لِلظّٰلِمِیۡنَ میں مَا نافیہ ہے۔ اس کا اسم مِنۡ اَنۡصَارٍ ہے جو مبتداء مؤخر نکرہ کے طور پر آیا ہے۔ اس کی خبر مَوۡجُوۡدًا محذوف ہے اور لِلظّٰلِمِیۡنَ قائم مقام خبر ہے۔

ترجمہ

مِّنۡ نَّذۡرٍ	اَوۡ نَذَرۡتُمۡ	مِّنۡ نَّفَقَةٍ	اَنۡفَقۡتُمۡ	وَمَآ
کسی قسم کی منت	یا منت مانتے ہو	کسی قسم کا خرچہ	تم لوگ خرچ کرتے ہو	اور جو

مِنۡ اَنۡصَارٍ	لِلظّٰلِمِیۡنَ	وَمَا	یَعۡلَمُهٗ ؕ	فَاِنَّ اللّٰهَ
کسی قسم کے مددگار	ظلم کرنے والوں کے لیے	اور نہیں ہیں	جانتا ہے اس کو	تو یقیناً اللہ

نوٹ۔1

احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں منت ماننے کو مستحسن نہیں قرار دیا گیا ہے۔ لیکن کوئی شخص اگر منت مان بیٹھے اور اس میں کسی شرعی قباحت کا کوئی پہلو نہ ہو تو اس کو پورا کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ (تدبر القرآن)

ہر انفاق اور منت کا عمل بھی اللہ کے علم میں ہوتا ہے اور ان کے پیچھے پوشیدہ جذبے اور نیت کو بھی اللہ جانتا ہے۔ یہ اعمال اگر صرف اللہ تعالیٰ کے لیے نہ ہوں بلکہ جذبے اور نیت میں کوئی فتور ہو تو پھر ایسے عمل کرنے والوں کو یہاں ظالم کہا گیا ہے۔

آیت نمبر (271)

﴿اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ ۚ وَاِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَتُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ فَهُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ ؕ وَیُکَفِّرُ عَنۡکُمۡ مِّنۡ سَیِّاٰتِکُمۡ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ﴿۲۷۱﴾﴾

خ ف ی

(س) خُفۡیَةً: پوشیدہ ہونا۔ چھپا ہوا ہونا۔ ﴿وَمَا یَخۡفٰی عَلَی اللّٰهِ مِنۡ شَیۡءٍ﴾ (14/ابراہیم:38) ''اور پوشیدہ نہیں ہوتی اللہ پر یعنی اللہ سے کوئی بھی چیز۔''

خَافٍ: اسم الفاعل ہے۔ پوشیدہ ہونے والا۔ ﴿لَا تَخۡفٰی مِنۡکُمۡ خَافِیَةٌ ﴿۱۸﴾﴾ (69/الحاقۃ:18) ''پوشیدہ نہیں ہوگی تم سے کوئی پوشیدہ ہونے والی (جان)۔''

اَخۡفٰی: افعل التفضیل ہے۔ زیادہ پوشیدہ۔ ﴿فَاِنَّهٗ یَعۡلَمُ السِّرَّ وَاَخۡفٰی ﴿۷﴾﴾ (20/طٰہٰ:7) ''تو وہ جانتا ہے بھید کو اور زیادہ پوشیدہ کو۔''

خَفِیٌّ: فَعِیۡلٌ کے وزن پر صفت ہے۔ پوشیدہ۔ ﴿اِذۡ نَادٰی رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِیًّا ﴿۳﴾﴾ (19/مریم:3) ''اور جب اس نے پکارا اپنے رب کو ایک پوشیدہ پکار سے۔''

(افعال) اِخۡفَاءً: پوشیدہ کرنا۔ چھپانا۔ ﴿وَاَنَا اَعۡلَمُ بِمَآ اَخۡفَیۡتُمۡ وَمَآ اَعۡلَنۡتُمۡ ؕ﴾ (60/ممتحنۃ:1) ''اور میں جانتا ہوں اس کو جو تم لوگ چھپاتے ہو اور اس کو جو تم لوگ اعلان کرتے ہو۔''

(استفعال) اِسۡتِخۡفَاءً پوشیدگی چاہنا یعنی چھپنا۔﴿ یَسۡتَخۡفُوۡنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا یَسۡتَخۡفُوۡنَ مِنَ اللّٰہِ ﴾(4/النساء:108) ''وہ لوگ چھپتے ہیں انسانوں سے اور نہیں چھپتے اللہ سے۔''

مُسۡتَخۡفٍ اسم الفاعل ہے۔ چھپنے والا۔﴿ وَمَنۡ ھُوَ مُسۡتَخۡفٍۭ بِالَّیۡلِ ﴾(13/الرعد:10)''اور وہ جو چھپنے والا ہے رات میں۔''

ترکیب

تُؤۡتُوۡا کا مفعول اوّل ھَا کی ضمیر ہے جو اَلصَّدَقٰتِ کے لیے ہے اور اَلۡفُقَرَاءَ مفعول ثانی ہے۔ یُکَفِّرُ کا فاعل اس میں ھُوَ کی ضمیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اس کو اَلصَّدَقٰتِ کے لیے ماننا ممکن نہیں ہے کیونکہ ایسی صورت میں فعل تُکَفِّرُ آتا ہے۔

ترجمہ

تُخۡفُوۡھَا	وَاِنۡ	ھِیَ	فَنِعِمَّا	الصَّدَقٰتِ	تُبۡدُوا	اِنۡ
تم لوگ چھپاؤ اس کو	اور اگر	وہ	تو کیا ہی اچھا ہے	صدقات کو	تم لوگ ظاہر کرو	اگر

وَیُکَفِّرُ	لَّکُمۡ ط	خَیۡرٌ	فَھُوَ	الۡفُقَرَآءَ	وَتُؤۡتُوۡھَا
اور وہ دور کرے گا	تم لوگوں کے لیے	بہتر ہے	تو وہ (بھی)	حاجتمندوں کو	اور پہنچاؤ اسے

خَبِیۡرٌ	تَعۡمَلُوۡنَ	بِمَا	وَاللّٰہُ	مِّنۡ سَیِّاٰتِکُمۡ ط	عَنۡکُمۡ
آگاہ ہے	تم لوگ کرتے ہو	اس سے جو	اور اللہ	تمہاری برائیوں میں سے	تم سے

نوٹ۔1

فرض صدقہ یعنی زکوٰۃ کو اعلانیہ دینا افضل ہے۔ اس کے علاوہ جو صدقات وخیرات ہیں ان کو چھپانا زیادہ بہتر ہے۔ یہی اصول تمام اعمال کے لیے ہے کہ فرائض کو اعلانیہ انجام دینا فضیلت رکھتا ہے اور نوافل کو چھپا کر کرنا افضل ہے۔ (تفہیم القرآن)

آیت نمبر (272)

﴿ لَیۡسَ عَلَیۡکَ ھُدٰىھُمۡ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ط وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ فَلِاَنۡفُسِکُمۡ ط وَمَا تُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡہِ اللّٰہِ ط وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ یُّوَفَّ اِلَیۡکُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۷۲﴾ ﴾

ترکیب

لَیۡسَ کا اسم ھُدٰىھُمۡ ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے جو کہ لِزَامًا ہو سکتی ہے۔ عَلَیۡکَ قائم مقام خبر ہے۔ لٰکِنَّ کا اسم اللّٰہَ ہے اس لیے منصوب ہی اور جملہ فعلیہ یَھۡدِیۡ مَنۡ یَّشَاءُ اس کی خبر ہے۔ وَمَا تُنۡفِقُوۡا کا مَا شرطیہ ہے اس لیے تُنۡفِقُوۡا کا نون اعرابی گرا ہے۔ فَلِاَنۡفُسِکُمۡ جملہ اسمیہ جواب شرط ہے۔ اس کا مبتداء ھُوَ بھی محذوف ہے اور خبر بھی محذوف ہے جو وَاجِبٌ یا ثَابِتٌ ہو سکتی ہے۔ لِاَنۡفُسِکُمۡ قائم مقام خبر ہے۔ وَمَا تُنۡفِقُوۡنَ کا مَا نافیہ ہے اس لیے تُنۡفِقُوۡنَ کا نون نہیں گرا۔ اِبۡتِغَاءَ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ یُوَفَّ باب تفعیل کا مضارع مجہول یُوَفّٰی ہے۔ جواب شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہوا تو ی گر گئی۔

1

ترجمہ

لَیْسَ	عَلَیْكَ	هُدٰىهُمْ	وَلٰكِنَّ	اللّٰهَ	یَهْدِیْ
نہیں ہے (لازم)	تجھ پر	ان کی ہدایت	اور لیکن (یعنی بلکہ)	اللہ	ہدایت دیتا ہے

مَنْ	یَّشَآءُ ؕ	وَمَا	تُنْفِقُوْا	مِنْ خَیْرٍ
اس کو جس کو	وہ چاہتا ہے	اور جو بھی	تم لوگ خرچ کرتے ہو	کسی قسم کی کوئی بھلائی

فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ	وَمَا تُنْفِقُوْنَ	اِلَّا	ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ
تو وہ تمہارے اپنے آپ کے لیے ہے	اور تم لوگ خرچ نہیں کرتے	مگر	اللہ کی خوشنودی کی جستجو کرتے ہوئے

وَمَا	تُنْفِقُوْا	مِنْ خَیْرٍ	یُّوَفَّ	اِلَیْكُمْ
اور جو بھی	تم لوگ خرچ کرتے ہو	کسی قسم کی کوئی بھلائی	تو پورا حق دیا جائے گا	تم لوگوں کو

وَاَنْتُمْ	لَا تُظْلَمُوْنَ
اور تم لوگوں پر	ظلم نہیں کیا جائے گا (یعنی حق تلفی نہیں ہوگی)

نوٹ۔1

ابتداء میں مسلمانوں کا خیال تھا کہ صرف مسلمان حاجتمندوں کی مدد کرنا انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ اس آیت میں ان کی یہ غلط فہمی دور کی گئی ہے کہ لوگوں سے ہدایت قبول کرانا تمہاری ذمہ داری نہیں ہے۔ تم لوگوں تک ہدایت پہنچا کر اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکے۔ اب کسی کی مدد کرنے میں اس وجہ سے تامل نہ کرو کہ اس نے ہدایت قبول نہیں کی۔ اللہ کی رضا کے لیے جس انسان کی بھی مدد کرو گے، اس کا اجر اللہ تمہیں دے گا۔ (تفہیم القرآن)

نوٹ۔2

اِس آیت میں لفظ خَیْر کا ترجمہ عام طور پر مال کیا گیا ہے۔ لیکن مِنْ تبعیضیہ کی وجہ سے بہتر ہے کہ اسے عام رکھا جائے۔ اسی لیے ہم نے ''کسی قسم کی کوئی بھلائی'' ترجمہ کرنے کو ترجیح دی ہے۔ اس سے راہنمائی یہ حاصل ہوتی ہے کہ اگر مال خرچ کرنے کی استطاعت نہیں ہے لیکن کسی انسان کی مدد کرنے کے لیے اگر تم اپنا علم، تجربہ اور مشورہ وغیرہ خرچ کرتے ہو یا صرف کسی کا دکھ سن لیتے ہو تو یہ سب کچھ مِنْ خَیْرٍ میں شامل ہے۔ اور اگر یہ سب کچھ صرف اللہ کی رضا کی غرض سے کیا جائے تو یہ بھی انفاق فی سبیل اللہ ہے جس کا پورا پورا اجر ملے گا۔ تجربہ اور مشاہدہ بتاتا ہے کہ SOCIAL FIBRE (یعنی معاشرتی بندھن) کو مضبوط کرنے میں مالی انفاق کی نسبت غیر مالی انفاق زیادہ مؤثر ثابت ہوتا ہے۔ اِس غیر مالی انفاق میں اگر ذمی کا فر کو شامل کیا جائے تو یہ اسلام کی زیادہ مؤثر تبلیغ بھی ہوگی۔

آیت نمبر (273)

﴿لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ ۫ یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِیْمٰهُمْ ۚ لَا یَسْــَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ۝۲۷۳ ع﴾

1 ﷺ

ع ف ف

(ض) عِفَّةً ہر ناپسندیدہ بات اور کام سے محفوظ ہونا۔ پاکدامن ہونا۔

(تفعّل) تَعَفُّفًا ناپسندیدہ چیزوں سے خود کو روکنا۔ جھجکنا۔ خوددار رہنا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

(استفعال) اِسْتِعْفَافًا ناپسندیدہ چیزوں سے بچاؤ چاہنا۔ بچنا۔ باز رہنا۔ ﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ﴾ (4/النساء:6) ''اور جو غنی ہو تو اسے چاہیے کہ وہ باز رہے۔''

ل ح ف

(ف) لَحْفًا کسی چیز کو کپڑے سے ڈھکنا

(افعال) اِلْحَافًا کسی پر چھا جانا۔ لپٹنا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

ترکیب

لِلْفُقَرَاءِ سے پہلے اس کا مبتداء محذوف ہے جو کہ اَلْاِنْفَاق یا تِلْكَ الصَّدَقٰتُ ہو سکتا ہے۔ اس کی خبر بھی محذوف ہے۔ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ کا فاعل اس میں ھُمْ کی ضمیر ہے جو اَلَّذِيْنَ کے لیے ہے۔ ضَرْبًا مفعول ہے۔ يَحْسَبُ کا فاعل اَلْجَاهِلُ ہے اور اس پر لام جنس ہے۔ اس کا مفعول اوّل ھُمْ کی ضمیر ہے جو اَلَّذِيْنَ کے لیے ہی اور اَغْنِيَاءَ مفعول ثانی ہے۔ مِنَ التَّعَفُّفِ کا مِنْ سببیہ ہے۔ اِلْحَافًا حال ہے۔

ترجمہ

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ	اُحْصِرُوْا	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
یہ ایسے حاجت مندوں کے لیے ہے جو	روک دیے گئے	اللہ کی راہ میں

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ	ضَرْبًا	فِي الْاَرْضِ	يَحْسَبُهُمُ	الْجَاهِلُ
جو صلاحیت نہیں رکھتے	سفر کرنے کی	زمین میں	گمان کرتے ہیں جن کو	ناواقف لوگ

اَغْنِيَآءَ	مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ	تَعْرِفُهُمْ	بِسِيْمٰهُمْ ۚ
خوش حال	خوددار ہونے کے سبب سے	تو پہچانے گا جن کو	ان کی علامت سے

لَا يَسْـَٔلُوْنَ	النَّاسَ	اِلْحَافًا ؕ	وَمَا	تُنْفِقُوْا
وہ لوگ نہیں مانگتے	لوگوں سے	لپٹتے ہوئے	اور جو بھی	تم لوگ خرچ کرتے ہو

مِنْ خَيْرٍ	فَاِنَّ اللّٰهَ	بِهٖ عَلِيْمٌ
کسی قسم کی بھلائی	تو یقیناً اللہ	اس کو جاننے والا ہے

آیت نمبر (2/البقرہ:274)

﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾﴾

ترجمہ

اَلَّذِيْنَ	يُنْفِقُوْنَ	اَمْوَالَهُمْ	بِالَّيْلِ	وَالنَّهَارِ	سِرًّا	وَّعَلَانِيَةً
جولوگ	خرچ کرتے ہیں	اپنے مال	رات میں	اوردن میں	چھپاتے ہوئے	اورظاہر کرتے ہوئے

فَلَهُمْ	اَجْرُهُمْ	عِنْدَ رَبِّهِمْ ج	وَلَا خَوْفٌ	عَلَيْهِمْ
توان کے لیے ہے	ان کا اجر	ان کے رب کے پاس	اور کوئی خوف نہیں ہے	ان پر

وَلَا هُمْ	يَحْزَنُوْنَ
اور نہ ہی وہ لوگ	پچھتاتے ہیں

آیت نمبر(275)

﴿ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا م وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ط فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى
فَلَهٗ مَا سَلَفَ ط وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ط وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٧٥﴾ ﴾

خ ب ط

(ض) خَبْطًا: کسی چیز کو روندنا۔ کچلنا۔

(تفعّل) تَخَبُّطًا: کسی چیز کو روند کر غیر متوازن کر دینا۔ دیوانہ بنا دینا۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

س ل ف

(ن) سَلْفًا: آگے بڑھنا۔ پہلے گزرنا۔ آیت زیر مطالعہ۔

سَلَفٌ: اسم ذات ہے۔ گزری ہوئی چیز۔ ﴿ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّ مَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿٥٦﴾ ع ﴾ (43/الزخرف:56) ''تو ہم نے بنایا ان کو ایک گزری ہوئی چیز اور ایک مثال بعد والوں کے لیے۔''

(افعال) اِسْلَافًا: آگے کرنا۔ آگے بھیجنا۔ ﴿ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ ﴾ (10/یونس:30) ''وہاں جانچ لے گی ہر جان اس کو جو اس نے آگے بھیجا۔

ع و د

(ن) عَوْدًا: کوئی کام شروع کرنے کے بعد اس کی ابتداء کی طرف دوبارہ لوٹنا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ متعدد معانی میں آتا ہے۔ (۱) کوئی کام دوبارہ یا پھر سے کرنا۔ (۲) کسی کی طرف واپس ہونا۔ (۳) پہلی حالت پر لوٹنا۔ دوبارہ ہو جانا۔ ﴿ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿١٠٧﴾ ﴾ (23/المؤمنون:107) ''اے ہمارے رب! تو نکال ہم کو اس سے پھر اگر ہم دوبارہ کریں تو بیشک ہم ظالم ہیں۔'' ﴿ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ط ﴾ (14/ابراہیم:13) ''ہم لازماً نکالیں گے تم لوگوں کو اپنی سرزمین سے یا تم لوگ لازماً واپس ہو گے ہمارے مذہب میں۔'' ﴿ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿٣٩﴾ ﴾ (36/یٰسٓ:39) ''اور چاند! ہم نے مقرر کیا اس کو منزلوں کے لحاظ سے یہاں تک کہ وہ پھر سے ہو جائے پرانی ٹہنی کی مانند۔''

عَائِدٌ اسم الفاعل ہے۔ دوبارہ کرنے والا۔ واپس ہونے والا۔ ﴿ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ﴾ (44/الدخان:15) ''بیشک ہم کھولنے والے ہیں عذاب کو تھوڑا سا، بیشک تم لوگ دوبارہ کرنے والے ہو۔''

مَعَادٌ مَفْعَلٌ کے وزن پر اسم الظرف ہے۔ لوٹنے یا واپس ہونے کی جگہ۔ ﴿ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ ﴾ (28/القصص:85) ''بیشک جس نے فرض کیا آپؐ پر قرآن، وہ ضرور لوٹانے والا ہے آپؐ کو واپس ہونے کی جگہ کی طرف۔''

عِيْدٌ خوشی کا ایسا دن جو ہر سال لوٹ آئے۔ عید۔ ﴿ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِیْدًا ﴾ (5/المآئدہ:114) ''اے ہمارے رب! تو اُتار ہم پر ایک خوان آسمان سے، ہو جائے ہمارے لیے ایک عید۔''

عَادٌ حضرت ہودؑ کی قوم کا نام ہے۔ ﴿ وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ﴾ (7/الاعراف:65) ''اور عاد کی طرف ان کے بھائی ہودؑ کو۔''

(افعال) **اِعَادَةٌ** (۱) واپس لے جانا۔ (۲) واپس لانا۔ (۳) لوٹانا۔ ﴿ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِیْهَا نُعِیْدُكُمْ ﴾ (20/طٰہٰ:55) ''اس نے یعنی زمین ہم نے پیدا کیا تم کو اور اسی میں ہم واپس لے جائیں گے تم کو۔'' ﴿ فَسَیَقُوْلُوْنَ مَنْ یُّعِیْدُنَا ﴾ (17/بنی اسرائیل:51) ''تو وہ لوگ کہیں گے کون دوبارہ لائے گا ہم کو۔'' ﴿ وَلَا تَخَفْ سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰی ﴾ (20/طٰہٰ:21) ''اور آپؐ خوف مت کریں۔ ہم لوٹا دیں گے اس کو اس کی پہلی حالت پر۔''

ترکیب

مَوْعِظَةٌ مؤنث غیر حقیقی ہے اس لیے فعل جَاءَ مذکر کے صیغے میں بھی درست ہے۔ مَنْ عَادَ کا مَنْ شرطیہ ہے اس لیے عَادَ کا ترجمہ مستقبل میں ہوگا۔

ترجمہ

اَلَّذِیْنَ	یَاْكُلُوْنَ	الرِّبٰوا	لَا یَقُوْمُوْنَ	اِلَّا	كَمَا
جو لوگ	کھاتے ہیں	سود	وہ لوگ نہیں کھڑے ہوں گے	مگر	اس طرح جیسے

یَقُوْمُ	الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ	الشَّیْطٰنُ	مِنَ الْمَسِّ	ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
کھڑا ہوتا ہے	وہ، خبطی کر دیتا ہے جو کو	شیطان	چھو کر	اس سبب سے کہ انہوں نے

قَالُوْٓا	اِنَّمَا	الْبَیْعُ	مِثْلُ الرِّبٰوا	وَاَحَلَّ
کہا	کچھ نہیں سوائے اس کے کہ	خرید و فروخت کرنا	سود کی مانند ہے	حالانکہ حلال کیا

اللّٰهُ	الْبَیْعَ	وَحَرَّمَ	الرِّبٰوا	فَمَنْ جَآءَهٗ
اللہ نے	خرید و فروخت کرنے کو	اور اس نے حرام کیا	سود کو	پس وہ، آئی جس کے پاس

مَوْعِظَةٌ	مِّنْ رَّبِّهٖ	فَانْتَهٰی	فَلَهٗ	مَا	سَلَفَ
کوئی نصیحت	اس کے رب (کی طرف) سے	پھر وہ باز آیا	تو اس کے لیے ہے	وہ جو	گزر گیا

وَ اَمْرُهٗٓ	اِلَى اللّٰهِ ؕ	وَمَنْ	عَادَ	فَاُولٰٓئِكَ
اوراس کاحکم (یعنی فیصلہ)	اللہ کی طرف سے	اوروہ جس نے	دوبارہ کیا	تووہ لوگ

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ	هُمْ	فِيْهَا	خٰلِدُوْنَ
آگ والے ہیں	وہ لوگ	اس میں	ہمیشہ رہنے والے ہیں

آیت نمبر(276)

﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿٢٧٦﴾﴾

م ح ق

(ف) مَحْقًا گھٹانا۔برکت ختم کردینا۔آیت زیرِ مطالعہ۔

ترجمہ

يَمْحَقُ	اللّٰهُ	الرِّبٰوا	وَيُرْبِي	الصَّدَقٰتِ ؕ	وَاللّٰهُ	لَا يُحِبُّ
گھٹاتا ہے	اللہ	سود کو	اوروہ اُگاتا ہے	صدقات کو	اوراللہ	پسند نہیں کرتا

كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ
کسی گنہگار ناشکرے کو

آیت نمبر(277)

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٢٧٧﴾﴾

ترکیب

اٰتَوُ دراصل اٰتَوْ ہے۔آگے ملانے کے لیے واؤ کو ضمہ دی گئی ہے۔دیکھیں آیت نمبر۔(2/البقرہ:110)،نوٹ۔1۔

ترجمہ

اِنَّ الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْا	وَعَمِلُوا	الصّٰلِحٰتِ	وَاَقَامُوا	الصَّلٰوةَ
بیشک جولوگ	ایمان لائے	اورانہوں نے عمل کیے	نیک	اورقائم کی	نماز

وَاٰتَوُا	الزَّكٰوةَ	لَهُمْ	اَجْرُهُمْ	عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ	وَلَا خَوْفٌ
اورپہنچائی	زکوٰۃ	توان کے لیے	ان کا اجر ہے	ان کے رب کے پاس	اورکوئی خوف نہیں ہے

عَلَيْهِمْ	وَلَا هُمْ	يَحْزَنُوْنَ
ان پر	اورنہ ہی وہ لوگ	پچھتاتے ہیں

آیت نمبر(278)

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٧٨﴾﴾

ترجمہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ	اٰمَنُوا	اتَّقُوا	اللّٰهَ	وَ	ذَرُوۡا	مَا
اے لوگو! جو	ایمان لائے	تم لوگ تقویٰ کرو	اللہ کا	اور	تم لوگ چھوڑو	اس کو جو

بَقِيَ	مِنَ الرِّبٰوا	اِنۡ كُنۡتُمۡ	مُّؤۡمِنِيۡنَ
باقی بچا	سود میں سے	اگر تم لوگ	مومن ہو

آیت نمبر (279)

﴿فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا فَاۡذَنُوۡا بِحَرۡبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ۚ وَاِنۡ تُبۡتُمۡ فَلَكُمۡ رُءُوۡسُ اَمۡوَالِكُمۡ ۚ لَا تَظۡلِمُوۡنَ وَلَا تُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۷۹﴾﴾

ح ر ب

(ن) حَرۡبًا: کسی کی کوئی چیز لوٹ لینا۔ حاصل کر لینا۔

(س) حَرَبًا: سخت غضبناک ہونا۔

حَرۡبٌ: اسم فعل ہے۔ لڑائی۔ جنگ (یعنی انتہائی غضب کی حالت میں دوسرے کا سب کچھ یہاں تک کہ زندگی بھی چھین لینے کا عمل) آیت زیرِ مطالعہ۔

مِحۡرَابٌ: ج مَحَارِيۡبُ۔ مِفۡعَالٌ کے وزن پر اسم الآلہ ہے۔ کسی سے کچھ حاصل کرنے کا ذریعہ یا کنجی۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ مختلف معانی میں آتا ہے۔ (۱) آرام وسکون حاصل کرنے کے لیے مکان میں داخل ہونے کا ذریعہ۔ مکان کی محراب۔ دروازہ۔ کھڑکی۔ (۲) اللہ تعالیٰ سے مانگنے کے لیے اس سے ہم کلامی کا ذریعہ۔ مسجد کی محراب۔ ﴿اِذۡ تَسَوَّرُوا الۡمِحۡرَابَ ﴿۲۱﴾﴾ (38/صٓ:21) ''جب انہوں نے پھلانگا دروازے کو۔'' ﴿وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيۡ فِي الۡمِحۡرَابِ﴾ (3/آل عمران:39) ''وہ کھڑا تھا اس حال میں کہ وہ نماز پڑھ رہا تھا محراب میں۔'' ﴿يَعۡمَلُوۡنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنۡ مَّحَارِيۡبَ﴾ (34/سبا:13) ''وہ لوگ بناتے اس کے لیے جو وہ چاہتا محرابوں میں سے۔''

(مفاعلہ) مُحَارَبَةً: لڑائی کرنا۔ جنگ کرنا۔ ﴿الَّذِيۡنَ يُحَارِبُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ﴾ (5/المآئدہ:33) ''جو لوگ لڑتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے۔''

ترکیب

فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا کے بعد هٰذَا یا ذٰلِكَ محذوف ہے جو گزشتہ آیت میں ذَرُوۡا کی طرف اشارہ ہے۔ فعل امر اِيۡذَنۡ میں ی دراصل فاکلمہ کے ہمزہ کی بدلی ہوئی شکل ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ اسے جب ماقبل سے ملا کر پڑھتے ہیں تو فاکلمہ کا ہمزۂ اصلی واپس آجاتا ہے اور ماقبل سے ملا کر پڑھا جاتا ہے جبکہ فعل امر کا ہمزۃ الوصل صامت (SILENT) ہو جاتا ہے اور کبھی اس کو لکھنے میں بھی گرا دیتے ہیں۔ اس قاعدہ کے تحت ف ا أ ذ نۡ = فَائۡذَنۡ بھی درست ہے اور فَأۡذَنۡ بھی درست ہے۔ اِس آیت میں ہمزۃ الوصل گرا کر فَاۡذَنۡ کا جمع مذکر کا صیغہ فَاۡذَنُوۡا استعمال ہوا ہے۔

ترجمہ

فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا	فَاۡذَنُوۡا	بِحَرۡبٍ	مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ۚ
پس اگر تم لوگ نہیں کرتے (اس کو)	تو تم لوگ سن لو	ایک جنگ (کی خبر)	اللہ اور اس کے رسول (کی طرف) سے

وَاِنْ تُبْتُمْ	فَلَكُمْ	رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ
اور اگر تم لوگ توبہ کرتے ہو	تو تمہارے لیے ہیں	تمہارے مالوں کے سر (یعنی زرِ اصلی)

لَا تَظْلِمُوْنَ	وَلَا تُظْلَمُوْنَ
تم لوگ ظلم نہیں کرو گے	اور نہ تم لوگوں پر ظلم کیا جائے گا

آیت نمبر (280)

﴿وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۲۸۰﴾

ترکیب

اِنْ حرف شرط، كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ شرط اور فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ جواب شرط ہے۔ اس میں كَانَ تامہ ہے اور ذُوْ عُسْرَةٍ اس کا فاعل ہے، اس لیے ذُوْ مرفوع ہے۔ خَيْرٌ افعل التفضیل ہے اور خبر ہے۔ اس کا مبتداء فَهُوَ محذوف ہے۔

ترجمہ

وَاِنْ	كَانَ	ذُوْ عُسْرَةٍ	فَنَظِرَةٌ	اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ	وَاَنْ
اور اگر	وہ ہو	تنگی والا	تو مہلت ہے	کشادگی تک	اور یہ کہ

تَصَدَّقُوْا	خَيْرٌ	لَّكُمْ	اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ
تم لوگ اپنا حق چھوڑ دو	(تو یہ) زیادہ بہتر ہے	تمہارے لیے	اگر تم لوگ جانتے ہو

آیت نمبر (281)

﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۣ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَھُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۲۸۱ ع﴾

ترکیب

وَاتَّقُوْا فعل امر، اس میں اَنْتُمْ کی ضمیر ہے جبکہ يَوْمًا اس کا مفعول ہے اور نکرہ مخصوصہ ہے۔ آگے اس کی خصوصیت ہے۔ تُوَفّٰى باب تفعیل میں مضارع مجہول کا واحد مؤنث کا صیغہ ہے۔ كُلُّ نَفْسٍ اس کا نائب فاعل ہے اس لیے كُلُّ مرفوع ہے۔

ترجمہ

وَاتَّقُوْا	يَوْمًا	تُرْجَعُوْنَ	فِيْهِ	اِلَى اللّٰهِ ۣ
اور تم لوگ بچو	ایک ایسے دن سے	تم لوگ لوٹائے جاؤ گے	جس میں	اللہ کی طرف

ثُمَّ تُوَفّٰى	كُلُّ نَفْسٍ	مَّا	كَسَبَتْ	وَ
پھر پورا پورا دیا جائے گا	ہر ایک جان کو	وہ جو	اس نے کمایا	اس حال میں کہ

ھُمْ	لَا يُظْلَمُوْنَ
ان پر	ظلم نہیں کیا جائے گا (یعنی حق تلفی نہیں ہوگی)

نوٹ۔1

سود کی حق میں دلیل یہ دی جاتی ہے کہ سورۃ الانفال کی آیت نمبر 60 میں دُشمن کے خلاف قوت جمع کرنے کے لیے گھوڑے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن زمانے کی ترقی کے ساتھ اب ہم گھوڑوں کے بجائے ٹینک رکھتے ہیں اور اس سے مذکورہ آیت کے حکم کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔ اسی طرح سود سے متعلق مذکورہ بالا آیات میں اُس زمانے کے سود کو چھوڑنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اب زمانے کی ترقی کے ساتھ بینک کے تجارتی سود پر اس حکم کا اطلاق نہیں ہوتا۔ جس طرح امت کے فوجی استحکام کے لیے ٹینک کا استعمال ضروری ہے اسی طرح امت کے معاشی استحکام کے لیے بینک کے تجارتی سود کا استعمال ضروری ہے۔

اس دلیل میں جو منطقی کجی ہے اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ از خود عیاں ہے۔ سیدھی بات یہ ہے کہ سورۃ الانفال کی آیت میں دُشمن کے خلاف قوت جمع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اب جس زمانے میں اُس قوت کی جو بھی شکل ہوگی اسی شکل میں اسے جمع کرنے سے اس آیت کے حکم پر عمل ہوگا۔ جبکہ سود سے متعلق مذکورہ آیات میں ہمیں سود کو چھورنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اب جس زمانے میں سود کی جو بھی شکل ہوگی، اس کی ہر شکل کو چھور کر ہی ان آیات کے حکم پر عمل ہوگا۔

کہا جاتا ہے کہ اُس زمانے میں غرباء کو ان کی ضروریات کے لیے سود قرض دینے کا رواج تھا جس کی وجہ سے غریب لوگ قرضوں اور سود در سود کے بوجھ تلے دبتے چلے جاتے تھے، جو کہ صریحاً ظلم تھا۔ ہمیں اُس سود کو چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جبکہ آج کل بینک کا تجارتی سود وہ سود نہیں ہے۔ کیونکہ اِن قرضوں سے تاجر اور صنعتکار منافع کماتے ہیں اور اس میں سے سود دیتے ہیں اس لیے مذکورہ حکم کا اطلاق تجارتی قرضوں پر نہیں ہوتا۔

یہ بات اُس وقت کے عرب معاشرہ سے ناواقفیت کی وجہ سے کہی جاتی ہے۔ ساری دُنیا جانتی ہے اور تسلیم کرتی ہے کہ اُس وقت پورے عرب معاشرے میں قبائلی نظام رائج تھا اور ان کی معاش کا انحصار زراعت سے زیادہ تجارت پر تھا۔ قبائلی نظام کی ایک بہت اہم خصوصیت یہ ہے کہ کسی قبیلے کا کوئی فرد اگر کسی مشکل میں گرفتار ہو جاتا ہے تو پورا قبیلہ اسے مشکل سے نکالنے کے لیے مدد دیتا ہی۔ اس کی مشکلات میں اضافہ کرنے کے لیے سود پر قرضہ دے کر اس کا نام AID (مدد) نہیں رکھتا۔ یہ تو سرمایہ دارانہ نظام کی نمایاں خصوصیت ہے۔ اس لیے یہ کہنا خلافِ واقعہ ہے کہ اُس زمانے میں غیر تجارتی قرضوں اور سود کا رواج تھا۔ اگر کبھی کوئی غریب کسی یہودی کے چنگل میں پھنس بھی جاتا تھا تو وہ استثناء شمار ہوگا، اسے رواج کہنا غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ تجارت پیشہ لوگ تھے اور اُس زمانے میں بھی تجارتی قرضوں اور سود کا ہی رواج تھا۔

تجارتی قرضوں پر بھی سود کی ممانعت کی جو بنیادی وجہ ہے، اس کو سمجھ کر ذہن نشین کرلیں۔ ایک تاجر کسی سرمایہ دار سے سود پر تجارتی قرض لیتا ہے۔ اگر تجارت میں نوع ہوتا ہے تو سرمایہ دار کے حصے میں منافع کی کریم یعنی مکھن آتا ہے اور تاجر کے حصے میں مکھن نکلا ہوا منافع آتا ہے حالانکہ سرمایہ دار آرام سے گھر بیٹھا رہا اور تاجر نے دن رات ایک کیا۔ اگر تجارت میں نقصان ہوتا ہے تو سارا نقصان تاجر کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ پھر 'مَرے پر سَو دُرّے' کے مصداق سود بھی ادا کرنا پڑتا ہے۔ اس طریقۂ کار میں ایک فریق کے مفادات کو مکمل تحفظ فراہم کیا جاتا ہے، جو کہ سرمایہ دار ہے۔ جبکہ وہ دوسرے فریق یعنی تاجر کو کلیتاً حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ صریحاً ناانصافی اور ظلم ہے اس لیے اللہ نے سود کو حرام کیا ہے۔

ایک تاجر کسی سرمایہ دار سے نفع ونقصان میں شراکت پر تجارتی قرض لیتا ہے۔اب اگر تجارت میں نفع ہوتا ہے تو دونوں مل کر سے کھاتے ہیں اور اگر نقصان ہوتا ہے تو دونوں مل کر اس کا بوجھ اُٹھاتے ہیں۔اس طرح دونوں کا بوجھ ہلکا ہوجاتا ہے، یہ طریقہ کار انصاف اور عدل پر مبنی ہے اس لیے اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ نفع ونقصان میں شراکت پر قرض دیا گیا تو تاجر غلط نقصان دکھائے گا اور بینک نقصان میں رہیں گے۔اس لیے اس مسئلہ کا قابلِ عمل حل یہی ہے کہ قرضہ مقررہ شرح یعنی سود پر دیا جائے۔لیکن پاکستان میں جس طرح تھوک کے حساب سے قرضے معاف (WRITE OFF) کیے گئے ہیں اور کیے جارہے ہیں، اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سود پر قرضہ دینا بھی اس مسئلہ کا حل نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ ہے۔

شرح سود مقرر ہونے کی وجہ سے بینک زیادہ چھان بین نہیں کرتا کہ جس تجارت یا صنعت کے لیے قرض لیا جارہا ہے اس کے نفع بخش ہونے کے کیا امکانات ہیں۔کاغذی کاروائی پوری کرنے کے لیے ایک FEASIBILITY REPORT فائل لگالی جاتی ہے۔اکثر و بیشتر بینک کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا دیا ہوا تجارتی قرضہ تاجر نے کہاں خرچ کیا۔یہ وہ بنیادی وجہ ہے جس کی بناء پر قرضوں کے نادہندگان کی فہرست دن بدن طویل ہوتی جارہی ہے۔یہی قرضے اگر نفع ونقصان میں شراکت پر دیئے جائیں تو منصوبوں کی چھان بین کرنے کے لیے بینک کو اپنا ایک نظام وضع کرنا پڑے گا۔اس کے علاوہ قرضوں کو خرچ کرنے کی نگرانی کرنا بھی بینک کے لیے ضروری ہوجائے گا۔اس طرح نادہنگان کی تعداد بہت کم ہوگی اور جو بھی قرضے معاف کیے جائیں گے وہ جعلی نہیں ہوں گے۔

ایک وضاحت یہ بھی ضروری ہے کہ اسلام سے پہلے سے عرب میں لفظ''ربوا''ایک مخصوص اصطلاح کے طور پر استعمال ہوتا تھا اور اس سے مراد وہ نفع تھا جو تجارتی قرضوں پر مقررہ شرح سے حاصل کیا جائے جب کہ تجارتی لین دین سے حاصل ہونے والے نفع کے لیے''بیع'' کی اصطلاح مخصوص تھی۔اس میں نفع ونقصان میں شراکت والے معاہدے بھی شامل تھے، جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بی بی خدیجہؓ کا سامان تجارت لے کر بیرون ملک جاتے تھے۔

اس حقیقت کا ایک واضح ثبوت عربوں کا یہ قول ہے کہ بیع بھی تو ربوٰ کی مانند ہے، جسے آیت نمبر۔ ۲۷۵ میں نقل کیا گیا ہے۔لیکن مشابہت کے باوجود وہ لوگ ان کے فرق سے بھی وقف تھے، جبھی ان کے لیے الگ الگ اصطلاح استعمال کرتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی بات کا جواب نہیں دیا بلکہ صرف اپنا فیصلہ سنایا کہ اس نے بیع کو حلال کیا ہے اور ربوٰ کو حرام کیا ہے۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ہمارے بزرگوں نے اس مسئلہ کو کس طرح سمجھا اور دیکھا ہے۔ابن عربیؒ نے احکام القرآن میں فرمایا کہ ربا کے معنی اصل لغت میں زیادتی کے ہیں اور آیت میں اس سے مراد وہ زیادتی ہے جس کے مقابلے میں کوئی مال نہ ہو (یعنی کوئی شے نہ ہو) بلکہ محض ادھار اور اس کی میعاد ہو۔امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ ربا کی دو قسمیں ہیں۔ایک معاملات بیع و شراء کے اندر، دوسرے ادھار کا ربا۔اور جاہلیت عرب میں دوسری قسم ہی رائج اور معروف تھی کہ وہ اپنا مال (یعنی پیسہ) کسی کو معین میعاد کے لے دیتے تھے اور ہر مہینہ اس کا نفع لیتے تھے۔اگر میعاد معین پر ادائیگی نہ کرسکا تو میعاد بڑھادی جاتی تھی بشرطیکہ وہ سود کی رقم بڑھادے۔یہی کا ربا تھا جس کو

قرآن نے حرام کیا (منقول از معارف القرآن۔ ج ۱۔ص ۵۔ ٦٦۵)۔اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اگر ﷲ یہ ادھار دے کر نفع لیا جائے تو یہ ربا ہے جس کو قرآن نے حرام قرار دیا ہے۔ جب کہ اگر کوئی چیز ادھار دے کر نفع لیا جائے یعنی نقد فروخت سے زیادہ قیمت لی جائے تو یہ بیع وشراء ہے جسے قرآن نے حلال قرار دیا ہے۔

سود کے متعلق آیات کے نزول کے وقت صحابہ کرامؓ کو بیع اور ربا میں تمیز کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔انہوں نے ربا کا کاروبار ترک کردیا جب کہ بیع کا کاروبار بدستور جاری رہا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے نہیں روکا۔مفتی شفیع ؒ نے لکھا ہے کہ''البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ربا کے مفہوم میں بیع وشراء کی چند صورتوں کو بھی داخل فرمایا جن کو عرب ربا نہ سمجھتے تھے۔مثلاً چھ چیزوں کی بیع وشراء میں یہ حکم دیا کہ اگر ان کا تبادلہ کیا جائے تو برابر سرابر ہونا چاہیے اور نقد دست بدست ہونا چاہیے۔اس میں کمی بیشی کی گئی یا ادھار کیا گیا تو یہ بھی ربا ہے۔یہ چھ چیزیں سونا، چاندی، گندم، جوّ، کھجور اور انگور ہیں۔

(معارف القران۔ج ۱۔ص ٦٦۵)

مفتی محمد شفیع ؒ نے مزید لکھا ہے کہ''اس میں یہ بات قابلِ غور تھی کہ ان چھ چیزوں کی خصوصیت ہے یا ان کے علاوہ اور بھی چیزیں ان کے حکم میں ہیں اور اگر ہیں تو ان کا ضابطہ کیا ہے؟ یہی اشکال حضرت فاروق اعظمؓ کو پیش آیا جس کی بناء پر فرمایا کہ آیت ربا قرآن کی آخری آیتوں میں ہے۔اس کی پوری تفصیلات بیان فرمانے سے پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔اس لیے اب احتیاط لازم ہے۔ربا کو تو چھوڑنا ہی ہے، جس صورت میں ربا کا شبہ بھی ہو اس کو بھی چھوڑ دینا چاہیے۔(معارف القرآن۔ج ا ص ٦٦۵)۔حضرت عمرؓ کے اس قول کی بنیاد پر علماء کرام ادھار پر فروخت کی جانے والی اشیاء پر زیادہ نفع لینے کو ربا میں شامل کرتے ہیں جس کو قرآن میں حرام قرار دیا گیا ہے۔

لیکن میرا ذہن علماء کرام کی اس رائے کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔میرے خیال میں یہ بات قابلِ غور نہیں ہے کہ مذکورہ چھ چیزوں کے علاوہ اور بھی چیزیں ان کے حکم میں ہیں یا نہیں ہیں۔ظاہری بات ہے کہ ان کے علاوہ کچھ اور چیزیں بھی ہوتیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا ذکر ضرور کرتے۔اور اگر یہ طریقہ کار غلط ہوتا تو چھ چیزوں کو مستثنیٰ کرنے کے بجائے طریقہ کار کو ہی ربا کے حکم میں داخل فرمادیتے ہیں، لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔اس سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ آیاتِ سود کی جتنی وضاحت اللہ تعالیٰ کو منظور تھی، وہ اس نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کرادی۔اب اس پر مزید غور کرنا اپنے اوپر وہ بوجھ لادنے والی بات ہے جس کا اللہ نے ہم کو مکلّف نہیں کیا۔اس طرح اس ہدایت کی خلاف ورزی ہوتی ہے کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے اس میں کمی بیشی نہ کی جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ارشاد ہے کہ اللہ کے احکام کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ سب سے زیادہ سخت ہیں۔اس لیے ان کا معیار بزرگانِ دین اور علماء کرام کے لیے تو وہ چیز ہے جس کے لیے ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ (اور اس میں چاہیے کہ جان کھپانے والے جان کھپائیں) ۸۳/ ۲٦۔لیکن عوام الناس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے کہ دین میں لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرو۔اس لیے حضرت عمرؓ کے قول کی بنیاد پر کسی ایسی چیز کو حرام قرار دینا درست نہیں ہے جسے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حرام قرار نہیں دیا۔

آیت نمبر(282)

1 ركوع

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ
بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ
اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَـيْـــًٔا ۭ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ
يُّمِلَّ ھُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ۭ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ
فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاۗءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ۭ وَلَا
يَاْبَ الشُّهَدَاۗءُ اِذَا مَا دُعُوْا ۭ وَلَا تَسْــَٔـمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ
وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ
جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْھَا ۭ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۠ وَلَا يُضَاۗرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ڛ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ
بِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿282﴾

ء ج ل

(س)	اَجَلًا	کسی مشکل میں یا کسی چیز میں مبتلا ہونا۔
	اَجَلٌ	اسم ذات بھی ہے۔(۱) مدت (ابتلاء کے جاری رہنے کی)۔ (۲) وقت (بتلاء کے خاتمے کا)۔﴿ لَوْ لَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ ﴾ (4/النساء:77) ''کیوں نہ تو نے موخر کیا ہمیں کچھ مدت تک۔'' ﴿ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ ﴾ (7/الاعراف:34) ''اور ہر ایک اُمت کے لیے ایک وقت ہے یعنی خاتمے کا۔''
	اَجْلٌ	سبب۔وجہ۔﴿ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ﴾ (5/المائدہ:32) ''اس وجہ سے۔''
(تفعیل)	تَاْجِيْلًا	وقت مقرر کرنا۔﴿ وَّ بَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ ﴾ (6/الانعام:128) ''اور ہم پہنچے اپنی اس مدت کو جس کا تو نے وقت مقرر کیا ہمارے لیے۔''
	مُؤَجَّلٌ	اسم المفعول ہے۔مقرر کیا ہوا وقت۔﴿ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۭ ﴾ (3/آل عمران:145) ''اور نہیں ہے کسی جان کے لیے کہ وہ مرے مگر اللہ کے حکم سے ایک لکھے ہوئے مقرر کردہ وقت پر۔''

ب خ س

(ف)	بَخْسًا	حق سے کم دینا۔گھٹانا۔﴿ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاۗءَهُمْ ﴾ (7/الاعراف:85) ''اور تم لوگ حق سے کم نہ دو لوگوں کو ان کی چیزیں۔''
	بَخْسٌ	حق تلفی۔تھوڑا۔کم۔﴿ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا ﴾ (72/الجن:13) ''پس جو ایمان لایا اپنے رب پر تو وہ خوف نہیں کرتا کسی حق تلفی کا۔''

س ء م

(س)	سَئَمًا	کسی چیز یا کام سے اُکتا جانا۔آیت زیر مطالعہ۔

ق س ط

1

(ض) قَسْطًا — حق کے خلاف کرنا۔ظلم کرنا۔

قَاسِطٌ — اسم الفاعل ہے۔حق کے خلاف کرنے والا۔﴿ وَ اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾ ﴾ (72/الجن:15)''اور جو حق کے خلاف کرنے والے ہیں تو وہ لوگ جہنم کے لیے بطور ایندھن ہیں۔''

(ن) قِسْطًا — حق کے مطابق ہونا۔انصاف ہونا۔

قِسْطٌ — اسم ذات بھی ہے۔حق۔انصاف۔﴿ وَّ يَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ ﴾(3/آل عمران:21)''تم لوگ نیکی کروان سے اور تم لوگ انصاف کروان سے۔''

اَقْسَطُ — افعل التفضیل ہے۔زیادہ انصاف والا۔آیت زیرِ مطالعہ۔

(افعال) اِقْسَاطًا — حق کے مطابق کرنا۔انصاف کرنا۔﴿ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ ﴾ (60/الممتحنۃ:8)''تو تم لوگ صلح کراؤ ان دونوں کے درمیان انصاف سے اور تم لوگ حق کے مطابق کرو۔''

اَقْسِطْ — فعل امر ہے۔تو انصاف کر۔﴿ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا ؕ ﴾ (49/الحجرات:9)''تو تم لوگ صلح کراؤ ان دونوں کے درمیان انصاف سے اور تم لوگ حق کے مطابق کرو۔''

مُقْسِطٌ — اسم الفاعل ہے۔ حق کے مطابق کرنے والا۔﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾ ﴾ (5/المائدہ:42)''بے شک اللہ پسند کرتا ہے حق کے مطابق کرنے والوں کو۔''

ترکیب

وَلْيَكْتُبْ کا فاعل كَاتِبٌ۔ يَاْبِىْ کو لائے نہی نے مجزوم کیا تو ''ی'' گر گئی اور لَا يَاْبَ ہو گیا۔ وَلْيُمْلِلْ تھا جسے آگے ملانے کے لیے کسرہ دی گئی ہے اس لیے یہ بھی فعل امر غائب ہے۔اَللّٰهَ کا بدل ہونے کی وجہ سے رَبَّهٗ منصوب ہے۔مِنْهُ کی ضمیر حق کے لیے ہے۔سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا، كَانَ کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔اَنْ يُّمِلَّ میں ضمیر فاعلی هُوَ از خود موجود ہے لیکن یہاں تاکید کے لیے اسے ظاہر کیا گیا ہے۔

يَكُوْنَانِ کا نون اعرابی لَمْ کی وجہ سے گرا ہے۔اس کا اسم اس میں شامل هُمَا کی ضمیر ہے جو شَهِيْدَيْنِ کے لیے ہے جب کہ رَجُلَيْنِ اس کی خبر ہے مِنَ الشُّهَدَاءِ میں لفظ الشُّهَدَاءَ اپنے لغوی مفہوم میں آیا ہے۔تَضِلَّ کا فاعل اِحْدٰهُمَا ہے اَنْ پر عطف ہونے کی وجہ سے فَتُذَكِّرَ منصوب ہوا ہے۔اس کا فاعل اَلْاُخْرٰى کو اور مفعول اِحْدٰهُمَا کو مانا جائے گا۔اِذَا میں غیر معین مدت کا مفہوم ہوتا ہے۔اسے مزید غیر معین کرنے کے لیے مَا کا اضافہ کیا گیا ہے۔اَنْ تَكْتُبُوْهُ میں ضمیر مفعولی حق یا بِدَيْنٍ کے لیے ہے اور صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اس کا حال ہے۔اَلَّا تَكْتُبُوْهَا کی ضمیر مفعولی تِجَارَةً حَاضِرَةً کے لیے ہے۔يُضَآرَّ کو مضارع معروف اور مجہول، دونوں ماننا ممکن ہے لیکن آگے وَاِنْ تَفْعَلُوْا آیا ہے اس لیے یہ مضارع مجہول ہے۔

ترجمہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اٰمَنُوْٓا	اِذَا	تَدَايَنْتُمْ	بِدَيْنٍ
اے لوگو! جو	ایمان لائے	جب بھی	تم لوگ باہم لین دین کرو	کسی اُدھار کا

اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى	فَاكْتُبُوْهُ ؕ	وَلْيَكْتُبْ	بَّيْنَكُمْ
ایک معین وقت کے لیے	تو تم لوگ لکھواس کو	اور چاہیے کہ لکھے	تمہارے مابین

كَاتِبٌ	بِالْعَدْلِ ۖ	وَلَا يَأْبَ	كَاتِبٌ	اَنْ يَّكْتُبَ
ایک لکھنے والا	انصاف سے	اور انکار نہ کرے	کوئی لکھنے والا	کہ وہ لکھے

كَمَا	عَلَّمَهُ	اللّٰهُ	فَلْيَكْتُبْ ۚ	وَلْيُمْلِلِ
اس طرح جیسے	سکھایا اس کو	اللہ نے	پس چاہیے کہ وہ لکھے	اور چاہیے کہ املاء کرائے

الَّذِيْ عَلَيْهِ	الْحَقُّ	وَلْيَتَّقِ	اللّٰهَ	رَبَّهٗ
وہ جس پر	حق ہے (یعنی مقروض)	اور چاہیے کہ وہ تقویٰ کرے	اللہ کا	جو اس کا پالنے والا ہے

وَلَا يَبْخَسْ	مِنْهُ	شَيْـًٔا	فَاِنْ	كَانَ	الَّذِيْ عَلَيْهِ	الْحَقُّ
اور وہ نہ گھٹائے	اس سے	کوئی چیز	پھر اگر	ہو	وہ جس پر	حق ہے

سَفِيْهًا	اَوْ	ضَعِيْفًا	اَوْ	لَا يَسْتَطِيْعُ	اَنْ يُّمِلَّ	هُوَ
ناسمجھ	یا	کمزور	یا	وہ صلاحیت نہیں رکھتا	کہ املاء کرائے	وہ خود

فَلْيُمْلِلْ	وَلِيُّهٗ	بِالْعَدْلِ	وَاسْتَشْهِدُوْا
تو چاہیے کہ املاء کرائے	اس کا سرپرست	انصاف سے	اور تم لوگ گواہی کے لیے کہو

شَهِيْدَيْنِ	مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ	فَاِنْ	لَّمْ يَكُوْنَا	رَجُلَيْنِ	فَرَجُلٌ	وَّامْرَاَتٰنِ
دو گواہوں سے	اپنے مردوں میں سے	پھر اگر	نہ ہوں	دو مرد	تو ایک مرد	اور کوئی دو عورتیں

مِمَّنْ	تَرْضَوْنَ	مِنَ الشُّهَدَآءِ	اَنْ	تَضِلَّ
ان میں سے جن سے	تم لوگ راضی ہو	موقع پر موجود میں سے	(اس لیے) کہ	بھٹک (یعنی بھول) جائے

اِحْدٰىهُمَا	فَتُذَكِّرَ	اِحْدٰىهُمَا	الْاُخْرٰى	وَلَا يَاْبَ	الشُّهَدَآءُ
دونوں کی ایک	تو یاد دلائے	دونوں کی ایک کو	دوسری	اور انکار نہ کریں	گواہ

اِذَا مَا	دُعُوْا	وَلَا تَسْــَٔمُوْٓا	اَنْ	تَكْتُبُوْهُ
جب کبھی بھی	وہ لوگ بلائے جائیں	اور تم لوگ مت اکتاؤ	کہ	تم لوگ لکھو اس کو

صَغِيْرًا	اَوْ	كَبِيْرًا	اِلٰٓى اَجَلِهٖ	ذٰلِكُمْ	اَقْسَطُ
(خواہ) چھوٹا ہو	یا	بڑا	اپنی مدت تک (کے لحاظ سے)	یہ	زیادہ حق کے مطابق ہے

عِنْدَ اللّٰهِ	وَاَقْوَمُ	لِلشَّهَادَةِ	وَاَدْنٰٓى
اللہ کے نزدیک	اور زیادہ نگراں ہے	گواہی کے لیے	اور زیادہ قریب ہے۔

اَلَّا تَرْتَابُوْٓا	اِلَّآ اَنْ	تَكُوْنَ	تِجَارَةً حَاضِرَةً
کہ تم لوگ شبہ میں نہ پڑو	سوائے اس کے کہ	وہ ہو	کوئی ایسا حاضر سودا

تُدِيْرُوْنَهَا	بَيْنَكُمْ	فَلَيْسَ	عَلَيْكُمْ	جُنَاحٌ	اَلَّا تَكْتُبُوْهَا
تم لوگ گھماتے ہو جس کو	اپنے مابین	تو نہیں ہے	تم لوگوں پر	کوئی گناہ	کہ نہ لکھو اس کو

وَاَشْهِدُوْٓا	اِذَا	تَبَايَعْتُمْ	وَلَا يُضَآرَّ
اور تم لوگ گواہ بناؤ	جب بھی	باہم خرید وفروخت کرو	اور تکلیف نہ دی جائے

كَاتِبٌ	وَّلَا شَهِيْدٌ	وَاِنْ تَفْعَلُوْا	فَاِنَّهٗ	فُسُوْقٌ
لکھنے والے کو	اور نہ گواہ کو	اور اگر تم لوگ (یہ) کرو گے	تو یقیناً یہ	نافرمانی ہے

بِكُمْ	وَاتَّقُوا	اللّٰهَ	وَيُعَلِّمُكُمُ	اللّٰهُ	وَاللّٰهُ
تم لوگوں کی	اور تم لوگ تقویٰ کرو	اللہ کا	اور سکھاتا ہے تم لوگوں کو	اللہ	اور اللہ

بِكُلِّ شَيْءٍ	عَلِيْمٌ
ہر ایک چیز کو	جاننے والا ہے

نوٹ۔1

سود کی ممانعت کے بعد اب اس آیت میں اُدھار کے بیع وشراء کے متعلق ہدایات دی گئی ہیں۔ ’’مدینہ والوں کا اُدھار لین دین دیکھ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ناپ تول یا وزن مقرر کر لیا کرو، بھاؤ تاؤ چکا لیا کرو اور مدت کا بھی فیصلہ کر لیا کرو‘‘ (بخاری شریف۔ منقول از ابن کثیر)۔ حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ میعاد مقرر کر کے قرض کے لین دین کی اجازت اس آیت سے بخوبی ثابت ہوتی ہے۔ (ابن کثیر)

نوٹ۔2

عربی کے جملہ فعلیہ میں عام طور پر فعل کے بعد فاعل اور اس کے بعد مفعول آتا ہے۔ لیکن اس ترتیب کو ہمیشہ قائم رکھنا ضروری نہیں ہے۔ البتہ چند صورتیں ایسی ہیں جب فاعل کو مقدم کرنا واجب ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک صورت یہ ہے کہ:۔

(۱) جب فاعل اور مفعول، دونوں مبنی کی طرح ہوں یعنی ان کی اعرابی حالت ظاہر نہ ہو۔ (۲) جب دونوں الفاظ میں فاعل اور مفعول بننے کی صلاحیت موجود ہو۔ (۳) اور جب ان دونوں میں امتیاز کرنے کا کوئی قرینہ موجود نہ ہو۔ مثلاً اگر ہم اَكْرَمَ زَيْدٌ حَامِدًا کے بجائے اَكْرَمَ حَامِدًا زَيْدٌ کہیں، تب بھی معنی میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کیونکہ ہم زید اور حامد کی اعرابی حالت سے فاعل اور مفعول کا تعین کر سکتے ہیں۔ البتہ اگر اَكْرَمَ يَحْيٰى عِيْسٰى کہ ہیں تو اب یحیٰ کو فاعل اور عیسٰی کو مفعول ماننا لازمی ہے۔ لیکن اگر ہم اَكَلَ يَحْيٰى كُمَّثْرٰى (یحیٰی نے امرود کھایا) کے بجائے اَكَلَ كُمَّثْرٰى يَحْيٰى کہیں تو بھی درست ہوگا اور دونوں جملوں میں یَحْيٰى کو ہی فاعل مانا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ كُمَّثْرٰى (امرود) میں اَكَلَ کا فاعل بننے کی صلاحیت موجود نہیں ہے۔

آیت زیرِ مطالعہ میں فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى آیا ہے۔ اس میں اِحْدٰى اور اُخْرٰى، دونوں مبنی کی طرح ہیں اور دونوں میں فاعل اور مفعول بننے کی صلاحیت موجود ہے۔ البتہ ان میں امتیاز کرنے کا ایک قرینہ موجود ہے۔ اس سے پہلے اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا میں اِحْدٰى کے بھولنے کی بات ہو چکی ہے اس لیے اب فَتُذَكِّرَ کا فاعل اَلْاُخْرٰى کو اور مفعول اِحْدٰىهُمَا کو مانا جائے گا۔

آیت نمبر(283)

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ۭ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ۭ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۭ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۲۸۳ؑ﴾

ر ھ ن

(ف)

رَهْنًا: کسی بات کی ممانعت لینا۔ گروی رکھنا۔

رِهٰنٌ: ج رِهَانٌ۔ اسم ذات ہے۔ ضمانت۔ رہن۔ آیت زیرِ مطالعہ۔

رَهِيْنٌ: فَعِيْلٌ کا وزن اسم المفعول کے معنی میں ہے۔ گروی رکھا ہوا۔ ﴿كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ۲۱﴾ (52/الطور:21) ''ہر شخص، بسبب اس کے جو اس نے کمایا، گروی رکھا ہوا ہے۔''

ترکیب

فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ مرکب توصیفی ہے اور مبتداء نکرہ ہے، اس کی خبر محذوف ہے۔ دوسرا امکان یہ بھی ہے کہ فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ کو خبر مان کر اس کے مبتداء کو محذوف مانا جائے۔ دونوں صورتوں میں مفہوم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اَمِنَ کا فاعل بَعْضُكُمْ ہے اور بَعْضًا اس کا مفعول ہے۔ اؤْتُمِنَ دراصل مادہ ''ء م ن'' کا باب افتعال میں ماضی مجہول اُؤْتُمِنَ تھا۔ ماقبل سے ملانے کے لیے افتعال کا ہمزۃ الوصل صامت (SILENT) ہوا تو فا کلمہ کا ہمزہ واپس آ گیا۔ اب واؤ دراصل ہمزہ کو لکھنے کی کرسی ہے جس کو پڑھا نہیں جائے گا۔ اَمَانَتَهٗ کی ضمیر بَعْضُكُمْ کے لیے ہے۔

ترجمہ

وَاِنْ	كُنْتُمْ	عَلٰى سَفَرٍ	وَّلَمْ تَجِدُوْا	كَاتِبًا	فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ۭ
اور اگر	تم لوگ ہو	کسی سفر پر	اور تم لوگ نہ پاؤ	کوئی لکھنے والا	تو قبضہ میں لیا ہوا رھن (لینا) ہے

فَاِنْ	اَمِنَ	بَعْضُكُمْ	بَعْضًا	فَلْيُؤَدِّ	الَّذِى
پھر اگر	بھروسہ کرے	تم میں سے کوئی	کسی پر	تو چاہیے کہ واپس کرے	وہ جس کو

اؤْتُمِنَ	اَمَانَتَهٗ	وَلْيَتَّقِ	اللّٰهَ	رَبَّهٗ ۭ
امین بنایا گیا،	اس کی امانت کو	اور اسے چاہیے کہ وہ تقویٰ کرے	اللہ کا	جو اس کا پالنے والا ہے

وَلَا تَكْتُمُوا	الشَّهَادَةَ ۭ	وَمَنْ يَّكْتُمْهَا	فَاِنَّهٗٓ
اور تم لوگ مت چھپاؤ	گواہی کو	اور جو چھپاتا ہے اس کو	تو یقیناً وہ ہے

اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ط	وَاللّٰهُ	بِمَا	تَعْمَلُوْنَ	عَلِيْمٌ ۲۸۳
جس کا دل گناہ کرنے والا ہے	اور اللہ	اس کو جو	تم لوگ کرتے ہو	جاننے والا ہے

آیت نمبر(284)

﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ط فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ط وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۲۸۴﴾

ترکیب

مَا مبتداء ہے، اس کی خبر مَوْجُوْدٌ محذوف ہے اور فِي السَّمٰوٰتِ قائم مقام خبر ہے۔ اسی طرح مَا فِي الْاَرْضِ ہے۔ یہ دونوں جملے مبتداء مؤخر ہیں، ان کی خبر مُلْكٌ محذوف ہے اور ان کی قائم مقام خبر لِلّٰهِ مقدم ہے۔ يُحَاسِبْكُمْ جواب شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے اور اس کا فاعل اَللّٰهُ ہے۔

ترجمہ

لِلّٰهِ	مَا	فِي السَّمٰوٰتِ	وَمَا	فِي الْاَرْضِ ط
اللہ کی ہی (ملکیت) ہے	وہ جو	آسمانوں میں ہے	اور وہ جو	زمین میں ہے

وَاِنْ	تُبْدُوْا	مَا	فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ	اَوْ	تُخْفُوْهُ
اور اگر	تم لوگ ظاہر کرو	اس کو جو	تمہارے جی میں ہے	یا	تم لوگ چھپاؤ اس کو

يُحَاسِبْكُمْ	بِهِ	اللّٰهُ ط	فَيَغْفِرُ	لِمَنْ	يَّشَاۗءُ
حساب لے گا تم لوگوں سے	اس کا	اللہ	پھر وہ معاف کرے گا	اس کو جسے	وہ چاہے گا

وَيُعَذِّبُ	مَنْ	يَّشَاۗءُ ط	وَاللّٰهُ	عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ	قَدِيْرٌ
اور وہ عذاب دے گا	اس کو جس کو	وہ چاہے گا	اور اللہ	ہر چیز پر	قدرت رکھنے والا ہے

آیت نمبر(285)

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ط كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ قف لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ قف وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۲۸۵﴾

ترکیب

اٰمَنَ کے فاعل اَلرَّسُوْلُ اور اَلْمُؤْمِنُوْنَ ہیں۔ اَلرَّسُوْلُ پر لام تعریف ہے۔ لَا نُفَرِّقُ سے پہلے وَيَقُوْلُوْنَ محذوف ہے۔ جبکہ غُفْرَانَكَ سے پہلے نَسْئَلُ محذوف ہے۔

ترجمہ

اٰمَنَ	الرَّسُوْلُ	بِمَآ	اُنْزِلَ	اِلَيْهِ	مِنْ رَّبِّهٖ
ایمان لائے	یہ رسول ﷺ	اس پر جو	نازل کیا گیا	ان ﷺ کی طرف	ان ﷺ کے رب (کی جانب) سے

وَالْمُؤْمِنُوْنَ	كُلٌّ	اٰمَنَ	بِاللّٰهِ	وَمَلٰٓئِكَتِهٖ
اور ایمان لانے والے	سب	ایمان لائے	اللہ پر	اور اس کے فرشتوں پر

وَكُتُبِهٖ	وَرُسُلِهٖ	لَا نُفَرِّقُ
اور اس کی کتابوں پر	اور اس کے رسولوں پر	(وہ لوگ کہتے ہیں کہ) ہم فرق نہیں کرتے

بَيْنَ اَحَدٍ	مِّنْ رُّسُلِهٖ	وَقَالُوْا	سَمِعْنَا
کسی ایک کے مابین	اس کے رسولوں میں سے	اور ان لوگوں نے کہا	ہم نے سنا

وَاَطَعْنَا	غُفْرَانَكَ	رَبَّنَا	وَاِلَيْكَ
اور ہم نے اطاعت کی	(ہم مانگتے ہیں) تیری مغفرت	اے ہمارے رب	اور تیری طرف ہی

الْمَصِيْرُ
لوٹنا ہے

آیت نمبر(286)

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۥ وَاغْفِرْ لَنَا ۥ وَارْحَمْنَا ۥ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۲۸۶﴾

ء ص ر

(ض) اَصَرَ: کسی چیز میں گرہ لگانا۔

اِصْرًا: اسم ذات ہے۔(۱) عہد و پیمان (۲) ذمہ داری۔ بوجھ۔ ﴿قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۭ﴾ (3/آل عمران:81)''اس نے یعنی اللہ تعالیٰ نے کہا کیا تم لوگوں نے اقرار کیا اور تم لوگوں نے پکڑا یعنی قبول کیا اس پر میرے عہد کو۔''

ترجمہ

لَا يُكَلِّفُ	اللّٰهُ	نَفْسًا	اِلَّا	وُسْعَهَا	لَهَا	مَا
ذمہ دار نہیں بناتا	اللہ	کسی جان کو	مگر	اس کی اہلیت کو	اس کے لیے ہے	وہ (ثواب) جو

كَسَبَتْ	وَعَلَيْهَا	مَا	اكْتَسَبَتْ	رَبَّنَا
اس نے کمایا	اور اس پر ہے	وہ (گناہ) جو	اس نے اہتمام سے کمایا	اے ہمارے رب

لَا تُؤَاخِذْنَآ	اِنْ	نَّسِيْنَآ	اَوْ	اَخْطَاْنَا	رَبَّنَا	وَلَا تَحْمِلْ
تو مت پکڑ ہم کو	اگر	ہم بھول جائیں	یا	ہم چوک جائیں	اے ہمارے رب	اور تو مت ڈال

عَلَيۡنَآ	اِصۡرًا	كَمَا	حَمَلۡتَهٗ	عَلَى الَّذِيۡنَ	مِنۡ قَبۡلِنَا ۚ
ہم پر	کوئی ذمہ داری	جس طرح	تونے ڈالا اس کو	ان لوگوں پر جو	ہم سے پہلے تھے

رَبَّنَا	وَلَا تُحَمِّلۡنَا	مَا	لَا طَاقَةَ	لَنَا
اے ہمارے رب	اور تو مت اُٹھوا ہم سے	اس کو	کسی قسم کی کوئی طاقت نہیں ہے	ہم میں

بِهٖ ۚ	وَاعۡفُ	عَنَّا	وَاغۡفِرۡ	لَنَا	وَارۡحَمۡنَا
جس کی	اور تو درگزر کر	ہم سے	اور تو بخش دے	ہم کو	اور تو رحم کر ہم پر

اَنۡتَ	مَوۡلٰنَا	فَانۡصُرۡنَا	عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ
تو	ہماری بگڑی بنانے والا ہے	پس تو ہماری مدد کر	کافر قوم (کے مقابلے) پر

نوٹ-1

نیکی کرنا انسانی فطرت کے مطابق ہے اس لیے اس کے لیے فعل ثلاثی مجرد سے کَسَبَتۡ آیا ہے۔ جبکہ بُرائی کرنے کے لیے انسان کو اپنے ضمیر سے لڑنا پڑتا ہے اس لیے اس کا فعل باب افتعال سے اِكۡتَسَبَتۡ آیا ہے۔

السلام وعلیکم رحمۃ اللہ و برکاۃ

اللہ تعالیٰ ہم سب کی یہ سعی قبول فرمائے اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے۔ جس جس نے بھی اس کارخیر میں مال، جان اور صلاحیتوں کو لگایا اللہ قبول و منظور فرمائے

انجمن خدام القرآن فیصل آباد میں اس کے فوٹو کاپی بھی دستیاب ہیں اور محترم ڈاکٹر جہاں زیب صاحب کے اس کتاب میں اضافہ جات کے ساتھ مطالعہ قرآن حکیم کے نام سے دستیاب ہیں

رابطہ کے لئے: info@khuddam-ul-quran.com ,www.khuddam-ul-quran.com

03217805614,0412437618,0412437781

قرآن اکیڈمی سعید کالونی نمبر 2 کینال روڈ فیصل آباد